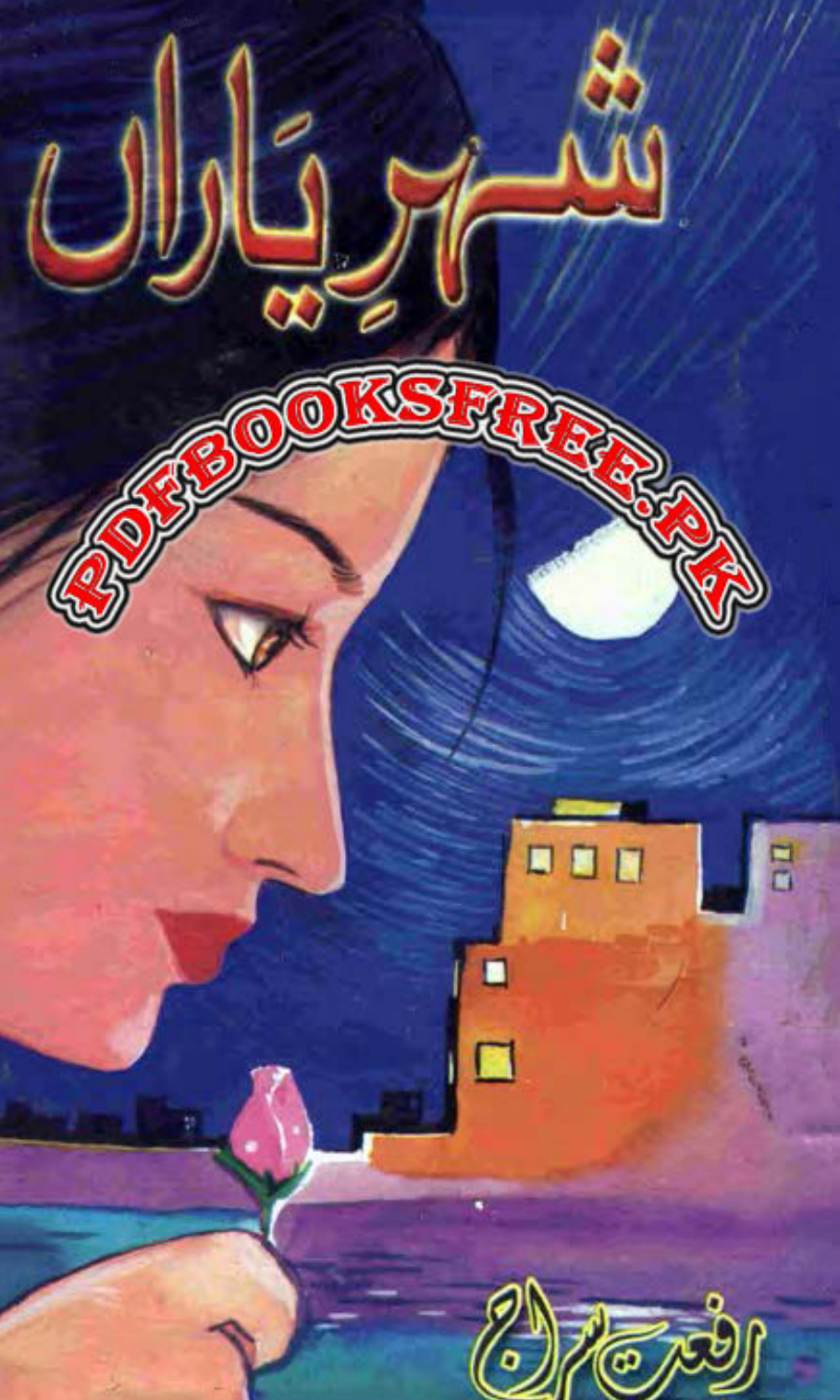
شہرِ یاراں
PDFBOOKSFREE.PK
رفعت سراج

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

پاکستان ورچوئل لائبریری پر موجود تمام کتابیں قارئین کے مطالعے اور دعوتی واصلاحی مقاصد کے لئے اپلوڈ کی جاتی ہیں۔

تنبیہ

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی سخت ممانعت ہے، اور ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی ، قانونی و شرعی جرم ہے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

شادی کا گھر تھا۔

ظاہر ہے بقعہ نور بنا ہوا تھا۔

لہراتے آنچل، خوشبوئیں، مسکراہٹیں، ایک خوشی کا عالم۔ آتشی گلابی چم چم کرتے سوٹ میں ملبوس کھلی کلی کی طرح وہ بھی ہنستی مسکراتی ادھر سے اُدھر آ جا رہی تھی۔ بارات آ چکی تھی۔ رونق اپنے عروج پر پہنچ رہی تھی۔

معاً ایک بچی (جو اس کے لیے اجنبی تھی) نے اُسے مخاطب کر کے آہستہ سے کچھ کہا۔ وہ کچھ ٹھٹکی، چونکی، ادھر ادھر جائزہ لینے کے انداز میں دیکھا، پھر کچھ سوچ کر شامیانے کے اس طرف آ گئی جس کی سمت، بچی نے اشارہ کیا تھا۔ وہ پشت کیے انجن بنا چھکا چھک دھواں چھوڑ رہا تھا۔

قدموں کی چاپ پر پلٹا۔ نہ ہو گر مادینے والی نظریں اس کی چہرے کو سُلگانے لگی تھیں۔ وہ اِس کے قریب آ گئی۔ خاصی گھبرا رہی تھی۔ اور گھبراہٹ اس کے چہرے سے مترشح تھی۔ اس سے قبل کہ کچھ بولتی، کچھ کہتی یا سمجھتی اس نے اس کا ہاتھ تھاما (سگریٹ ہونٹوں میں دبا ہوا تھا) اور بجلی کی سی سرعت سے اس سمت بڑھا، جہاں چھوٹی سی سرخ کار کھڑی تھی جس کے اگلے دروازے کھلے ہوئے تھے۔

اس نے بے دردی سے اسے اندر دھکیلا اور دروازہ بند کیا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر دروازہ بعد میں بند کیا اور ایکسیلیٹر پر پاؤں پہلے جمائے۔ گاڑی کے پہیے تیزی سے چرچرائے۔ آناً فاناً گاڑی فراٹے بھرنے لگی تھی۔ یہ سب اس قدر اچانک اتنا ناگہاں تھا کہ وہ کچھ سمجھنے کے قابل نہیں تھی مگر کار اسپیڈ لیے آگے بڑھتے دیکھی تو ایک دم حواسوں میں آ گئی۔

''یہ۔ یہ۔ کیا کر رہے ہیں۔ کہاں لے جا رہے ہیں مجھے؟'' مارے گھبراہٹ کے وہ بے ربط ہونے لگی تھی۔

خاموش بیٹھی رہو۔ بالفرض محال اگر بھگا کر بھی لے جا رہا ہوں تو اپنی قانونی دشرعی بیوی کو۔ اس میں تمہیں یا کسی۔ اور کو مطلق اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

اس کے لہجے میں غراہٹ تھی۔ وہ بید کی طرح لرز رہی تھی۔ اس کی بات پر تو رہے سہے اوسان بھی جاتے رہے۔ ''مگر کیوں۔؟ کیوں کا لک ملنا چاہتے ہیں آپ میرے چہرے پر۔؟'' وہ جیسے ہوش میں آ کر ہذیانی انداز میں چیخی تھی۔

''زیادہ ڈائیلاگ بولنے کی ضرورت نہیں۔ خاموش بیٹھی رہو۔'' اس نے عجلت بھرے انداز میں موڑ کاٹا کہ وہ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے شانے پر جھول کر رہ گئی۔

"احسن پلیز، یہ نہ کریں خدا کے لیے، ایک لمحے کو سوچیں، یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی۔"

"مگر مجھے اس معاشرے میں رہنا ہے۔"

"اور میرے ساتھ رہنا ہے۔" احسن نے فوراً اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"یہ آپ کی خوش فہمی بھی ہو سکتی ہے۔" وہ دھواں دھار رو پڑی۔

"نکاح نامے پر دستخط میری خوش فہمی ہی نے تو کرائے تھے۔" وہ استہزائیہ ہنسا۔ نظریں سامنے ہی مرکوز تھیں۔

"کیا سچ مچ تم نے گواہوں کی موجودگی میں اعتراف نہیں کیا تھا کہ میرا ساتھ قبول ہے۔؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"مگر اس طرح نہیں۔" وہ ہچکیاں لے کر رو رہی تھی۔

"میں نہیں جانتا اس طرح اور اس طرح کو۔ سمجھیں اور اب زیادہ ٹسوے بہانے کی ضرورت نہیں۔ تم آخر کار اسی کے پاس ہو، اسی کے ساتھ ہو جس کے ساتھ بہر حال تمہیں رہنا تھا۔"

"میں جان دے دوں گی۔ مگر۔" وہ زار و قطار رو رہی تھی۔

"تو پھر ابھی کیوں نہ گاڑی دے ماروں کہیں پر۔ محبت کی ایک نئی کہانی تیار ہو جائے گی۔" اس نے اسپیڈ بڑھا دی۔

"آپ چاہتے کیا ہیں؟" آخر کار اسے معقول سوال سوجھ گیا۔

"تمہارے اور اپنے بڑوں کو سبق سکھانا چاہتا ہوں۔" وہ غرایا

"مگر اس سارے قصے میں میرا کیا قصور نکلتا ہے؟ مجھے کس بات کی سزا دے رہے ہیں؟" اس نے دوپٹے سے اپنی آنکھیں رگڑیں۔

"سزا کب دے رہا ہوں، انعام دے رہا ہوں۔ آخر جوان ہو، تمہاری اپنی بھی تو کوئی زندگی ہے۔ آج سے بلکہ ابھی سے ہمارا ہنی مون پیریڈ شروع ہو رہا، کیا تمہارے لیے یہ خوشی کی بات نہیں"

اس کے لہجے میں عجیب سی کاٹ تھی۔

وہ بدک کر دروازے سے لگ گئی۔ مارے خوف اور شرم کے اس کے اوسان خطا ہو رہے تھے۔

"یہ رکیک حرکت نہیں کر سکتے۔" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"اچھا!!!" وہ استہزائیہ ہنسا۔ "تمہارا کیا خیال ہے، اب تک کا جو اقدام ہے، یہ ریہرسل ہے۔؟"

"پلیز، خاموش ہو جائیں۔ میرا دل بند ہو جائے گا۔" واقعی اس کی جان پر بنی ہوئی تھی۔

"ایسا ستم نہ کرنا، مردے سے انتقام لینا میرے بس سے باہر ہو گا۔" اس کا لہجہ سرد ہو گیا۔

"انتقام۔؟ یہ نیا انکشاف تھا۔ وہ بھونچکی سی رہ گئی تھی۔

"میں اس بگڑے ہوئے انسان کے ساتھ رہنا اتنا ہی ناپسند کرتی ہوں جتنا کہ میرے والدین۔ کہا تھا ناں۔" وہ پوچھ رہا تھا۔

"کہا تھا اور اب بھی کہتی ہوں۔" اس نے بڑے جوش سے کہا۔

"ہا۔ ہا۔" احسن کا قہقہہ کار میں گونج کر رہ گیا تھا۔

"معصومیت کہوں یا نادانی اتنے قریب بیٹھی ہو اور یہ بات کہہ رہی ہو۔ حالانکہ میں تمہیں عالم برزخ میں لے

جا رہا ہوں۔

جب تم وہاں سے نکلو گی۔ کم از کم میرے کیوٹ سے دو تین بچوں کی امی جان تو بن چکی ہو گی۔"

مارے حیا اور خوف کے اس کی حالت غیر ہو گئی،

"احسن!" اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اس کے سامنے کر دیے۔ آنسو رخساروں پر سلسلہ وار بہہ رہے تھے۔

"دیکھئے، یہ ہاتھ جڑے ہیں۔ مجھ پر رحم کر دیجیے۔ ایسا نہ کیجیے۔ جیسے آپ سمجھیں گے، میں ویسے ہی کروں گی۔ مگر خدارا"

احسن نے گاڑی روک دی اور اس کا دل خوش فہمی کے گرداب میں ہچکولے کھانے لگا۔ (یقیناً اسے ترس آ ہی گیا)

احسن نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"کوئی گستاخی کر بیٹھا تو برا مانو گی۔

"مگر اپنی اداؤں پر کنٹرول کرو۔ یہ مجھے کنٹرول سے باہر کر دیں گی۔" اس کے لہجے سے نشہ چھلکنے لگا تھا

اس نے خوفزدہ ہو کر اپنے ہاتھ کھینچ لیے۔

"احسن! میں آپ کی عزت ہوں۔" فرار کے تمام مسدود راستے اسے وہ ریسٹورن میں لے آئے تھے۔

"اسی لیے تو عزت افزائی کر رہا ہوں۔" اس نے پھر گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

"اس کا انجام نہ آپ کے حق میں اچھا ہو گا اور نہ میرے حق میں۔" بالآخر اس نے دھمکی دی۔

وہ مسکرایا۔

"اچھا۔!!! تم ابھی تک انجام ہی پر سوچ رہی ہو۔ بہت بچپنا ہے ابھی۔"

اس نے ایک موڑ کاٹا۔ تاحد نگاہ سڑک دوڑ رہی تھی۔ دائیں بائیں ویرانہ تھا۔ اکا دکا جھاڑیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔

وہ اس کے شکنجے میں مکمل پھنسی ہوئی تھی۔ فرار کی، کوئی صورت نظر نہ آ رہی تھی۔ خوشامد، منت، دھمکی، آنسو ہر شے بے اثر ٹھہری تھی۔

"میں آپ کے ارادے جاننا چاہتی ہوں۔" اس نے خود پر قابو پا کر حالات کا سامنا کرنے کا ارادہ کیا

"ارادے میرے بڑے نیک ہیں۔ بے فکر رہو۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ آج تمہاری رخصتی ہو گئی ہے۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو تڑپتے تڑپتے، آہیں بھرتے اس دنیا سے گزر جائیں۔ چیلنج قبول کرنے کے بجائے ہتھیار ڈال دیں۔ تمہاری ذات پر میرا جو حق بنتا ہے، پائی پائی وصول کروں گا۔ تمہیں احساس نہیں کہ تم کتنی بڑی جیتی جاگتی قیامت ہو، یہ تقدیر کی زور آوری ہے کہ میری ہو۔"

"میں آپ کو آپ کے عزائم میں کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔ آپ نے بہت غلط اندازہ لگایا ہے۔"

"میرے خیال میں اب تمہیں خاموش ہو جانا چاہیے۔" وہ ایک بار پھر غرایا تھا۔

اس کا ذہن تیزی سے سوچنے لگا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔

اس کی نگاہوں میں گھر والوں کی صورتیں پھرنے لگیں۔ اس کے غائب ہو جانے پر انہیں کس قسم کے حالات سے دو چار ہونا پڑے گا۔ اس کے بھائیوں پر کیا پہاڑ ٹوٹیں گے۔

ہزار وہ اس کی منکوحہ ہے مگر معاشرے کے کچھ ضابطے ایسے ہیں جن کی خلاف ورزی پوری زندگی پر محیط ہو جاتی ہے۔

اس نے تھوڑا سا چہرہ موڑ کر کن انکھیوں سے اس کی سمت دیکھا۔ وہائٹ شرٹ، سیاہ پینٹ۔ وہ بے حد جاذب نظر آ رہا تھا ہمیشہ کی طرح۔ سیاہ گھنی مونچھوں سے بالائی ہونٹ مکمل ڈھانپ رکھا تھا۔ نچلے ہونٹ سے خون چھلکتا محسوس ہو رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آستینیں کہنیوں تک مڑی ہوئیں۔ گریبان کھلا ہوا۔ آنکھوں میں سفاکی، انداز میں بے رحمی اور انتہا پسندی۔

اس نے محسوس کرلیا، وہ اب مکمل اس کے کنٹرول میں ہے، رہائی کی کوئی صورت نہیں ہے۔

وہ آہستہ سے ذرا آگے جھک گئی اور آہستگی ہی سے اُلٹے ہاتھ سے دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ وہ بھاگ کر جان نہیں بچا سکتی تو چلانگ مار کر گاڑی کے پہیوں کے نیچے آجائے گی۔

یہ بھی ایک لمحہ ہوتا ہے۔

خودکشی کے لیے محض ایک فیصلہ کُن لمحہ چاہیے ہوتا ہے، جو اس کی زندگی میں آچکا تھا۔

ہاں، وہ توہین آمیز زندگی گزارنے سے بہتر یہ سمجھتی ہے کہ جان دے دے۔ وہ اپنے پیارے پاپا کی پگڑی نہیں اُچھال سکتی۔ آہستہ سے کلک کی آواز اُبھری۔ اس سے پیشتر دروازہ پُش کرتی، اس کے بائیں بازو کے شکنجے میں تھی۔

"نہ۔ نہ۔ میری جان۔ یوں غافل نہ سمجھو۔ جو آپ کو جانتا ہے، وہ بے خبر کیسے بیٹھ سکتا ہے؟ میرا تو پورا وجود آنکھ بن کر آپ پر، ذرا سی حرکت کر رہا ہے سویٹ ہارٹ۔

ویسے مجھے تمہاری بہادری پسند آئی۔"

وہ نچلا ہونٹ دبائے بہت سفاکی سے مسکرا رہا تھا۔

وہ اس کے بازو کی گرفت سے اپنا وجود چھڑانے میں ناکام رہی تو دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ وہ اسے اپنے شانے سے لگائے ایک ہاتھ سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

اس کے وجود کی مہک سے رواں رواں کانپ رہا تھا۔ وہ آج سے پہلے کبھی اس کے اتنے قریب نہیں آئی تھی۔ وہ اس کی زندگی میں داخل ہونے والا اولین مرد تھا۔ جس نے "بہار" کی ابتدا ہی میں اس پر اپنا نام لگا دیا تھا۔

قریب سے ایک ٹرک گزرا تو مارے شرم کے جی چاہا کہ بیٹھی بیٹھی مر جائے۔ اس کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ وہ بے بس سی تھی۔

"احسن! میں کچھ نہیں کروں گی۔ آپ اپنا ہاتھ ہٹا لیں۔ میں وعدہ کرتی ہوں۔"

اتنی قربت سے اس کے وجود میں بھونچال آگیا تھا۔

"گویا دست بردار ہو جاؤں۔؟ ارے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تمہاری خاطر تو سپر پاورز سے ٹکرانے کو تیار ہوں۔ خیر ساری عمر پڑی ہے۔ ابھی نیا نیا معاملہ ہے، تھوڑے دن تو گھبراؤ گی۔ عمر پڑی ہے۔ تمہاری بات مانے لیتے ہیں۔"

احسن نے اس کی طرف جھک کر لاک لگا دیا۔

اور پہلے کی طرح آرام سے بیٹھ کر کار ڈرائیو کرنے لگا۔ اس کی اتنی قربت نے شاید احسن کو پگھلا سا دیا تھا۔ عجب سرشاری اور اطمینان کی کیفیت اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔

اب وہ کچھ گنگنا رہا تھا۔

چلو کہیں دور یہ سماج چھوڑ دیں۔

اسے یہ سارے انداز سوقیانہ و عامیانہ لگ رہے تھے۔ ایک قیامت تھی جو دل پر گزر رہی تھی۔

ایک سوالیہ نشان اس کے سامنے تھا کہ

کیا ہوگا؟

"آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں؟" اس نے ہمت کر کے اس کی سمت دیکھا۔

"افق کے اس پار۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر کیسٹ لگا دی۔ رفیع کی آواز اُبھری۔

کوئی مجھ سے پوچھے کہ تم میرے کیا ہو
وفا جس نے لوٹی، وہی بے وفا ہو

وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

معاً ایک آبادی نظر آئی کوئی نو تعمیر شدہ بستی تھی۔ چند وسیع مکان بنے ہوئے تھے۔ باقی پلاٹ یونہی پڑے تھے یا چند کے گرد چہار دیواری کھنچی ہوئی تھی۔

اتنا سناٹا۔

اتنی ویرانی۔

اس کے اعصاب جواب دینے لگے۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ بے ہوش ہو جائے گی۔

"احسن! میرا قصور بتا دیجیے۔" وہ رقت سے گویا ہوئی۔

"گن کر بتاؤں گا۔ چلو شاباش۔ اُترو۔" اس نے بے رنگ و روغن کے ایک مکان کے سامنے گاڑی روک دی۔

"سنو، اگر بھاگنے اور شور مچانے کی کوشش کرو گی تو یاد رکھنا میں پوزیشن ہولڈر ایتھلیٹ ہوں۔ اس کے علاوہ میری جیب میں نکاح نامہ اور نکاح کی تصاویر موجود ہیں۔ کوئی میرا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔"

وہ گاڑی سے اُترتے ہوئے بڑے کاٹ دار لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اس پر بھی وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

احسن نے دروازہ کھول کر اسے بازو سے پکڑ کر بے دردی سے کھینچا۔ اور پوری قوت سے دروازہ بند کر دیا۔

ایک ہاتھ سے گیٹ کا تالا کھولا۔ اور اسے تقریباً کھینچتے ہوئے راہداری میں چلا گیا۔ کونے میں بنے ہوئے ایک کمرے کا لاک کھول کر اسے اندر لے کر داخل ہوا۔ نیلے رنگ کا ایک بھاری بھرکم صوفہ سامنے تھا۔ اس نے صوفے پر تقریباً اسے پٹخ دیا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا جب تم جانتی ہو تمہاری مزاحمت کی میرے سامنے کوئی حیثیت نہیں ہے تو پھر یہ سب کیوں کر رہی ہو۔؟

کر کیا سکتی ہو تم۔؟ کیا خاموشی سے بات نہیں مان سکتیں؟" وہ اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔ وہ لرز کر کھڑی ہو گئی۔

اس نے اس کا بازو تھام کر اسے صوفے پر گرا دیا۔

"دیکھو شہوار! میں خود تمہارے ساتھ کوئی ظلم کرنا نہیں چاہتا، مگر مجھ پر ظلم ہوا ہے میں اپنے اور تمہارے ماں باپ کو کچھ سمجھا دینا چاہتا ہوں۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میں شاید تمہاری مرضی کے خلاف تمہیں چھونا بھی پسند نہ کرتا۔

مگر میں تمہیں اس حالت میں دوبارہ ان کے پاس چھوڑ کر نہیں آؤں گا۔ اس لیے کہ اس طرح ان کا کچھ نہیں بگڑے گا

اب جب تم اُن سے ملو گی تو مکمل "مسز احسن" بن کر۔

رخصتی کے بعد والی مسز احسن بن کر۔ سمجھیں۔؟ نہیں۔؟"

وہ بے رحمی سے مسکرا رہا تھا۔

"عملاً سمجھاؤں گا۔" وہ معنی خیز انداز میں مسکرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ شہوار کی ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔

"پانی پیو گی یا کچھ کھاؤ گی؟" وہ اس کے صبیح چہرے کو بھرپور نظروں سے جانچ رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"زہر عشق کیوں کھا کر نہیں دیکھتیں۔" وہ برجستہ کہہ کر مسکرایا تھا۔

"جن کا ساتھ سائے کی طرح ہے ان کی اتنی فکر جس کے ساتھ عمر گزارنی ہے۔"

"نہیں گزارنی ہے مجھے آپ کے ساتھ عمر۔" وہ پھنکاری۔

"یہ تو فیصلہ ہو ہی جائے گا۔

کیا تمہیں کامل یقین ہے تمہارے والدین تمہارے ساتھ بھلائی کر رہے تھے؟"

"والدین ہمیشہ بھلائی ہی کیا کرتے ہیں۔"

"یہ کوئی فارمولا نہیں ہے۔ میرا تجربہ مختلف ہے۔" وہ قطعی انداز میں گویا ہوا۔

کسی پر نا گہانی پڑتی ہے تو کہا جاتا ہے۔ تعجب ہے یقین نہیں آتا۔

خود پر نا گہانی پڑتی ہے تو کہا جاتا ہے۔ ہائے میری تقدیر۔

وہ بھی یہی کہہ سکتی تھی مگر وہ کم ہمت نہیں تھی۔ وہ اس چیلنج سے نمٹنا چاہتی تھی۔

یہ سوچ سوچ کر اس کی حالت غیر ہو رہی تھی کہ شادی کا گھر ماتم کدہ بن چکا ہوگا۔

معاً وہ کھڑی ہو گئی

اس کے لب کانپ رہے تھے۔ وہ اشکوں پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ بہت غور اور دلچسپی سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

وہ ایک دم اس کے گھٹنوں پر جھک گئی۔

"احسن! میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں۔ مجھے چھوڑ آیئے۔ یقین کریں میں کسی سے نہیں کہوں گی کہ آپ مجھے لے گئے تھے۔" وہ سسکی۔

"کہہ بھی دو گی تو مجھے کیا فرق پڑے گا۔" وہ تلخی سے مسکرایا۔

"اتنے سنگدل نہ بنیئے۔" وہ رندھی ہوئی آواز سے بولی۔

"اب پتا چلا۔ جب ایک فریق سنگدل بنتا ہے تو دوسرے فریق پر کیا گزرتی ہے۔"

"ہاں چل گیا پتا۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔ "مجھے احساس ہو گیا ہے۔ اب آپ کو کبھی مجھ سے شکایت نہیں ہوگی۔"

وہ امن کی فاختہ کا روپ دھار رہی تھی۔

"بہت اچھی بات۔ مجھے یہ عہد لے کر از حد مسرت ہو رہی ہے۔

آج کی شب تو تمہارے ساتھ نہیں گزار سکتا۔ یہ میرے پلان میں شامل نہیں ہے۔ آج تو گلشن میں میری حاضری بہت ضروری ہے۔"

وہ ہکا بکا اس کی شکل دیکھنے لگی۔

"کیا مطلب۔؟"

"مطلب یہ کہ تم اس گھر کی فی الحال مالکن ہو۔ سیاہ سفید کی مالک ہو۔ ہم کل ملیں گے۔ اور یاد رکھو۔ اگر تم نے اپنی جان پر بنانے کی کوشش کی۔۔ تو یاد رکھنا میں تمہاری بے روح وجود کی تصویر بنا کر خبر کے ساتھ بڑی سرکولیشن کے اخبار میں دوں گا۔ جب کسی کی اغوا شدہ بیٹی لاوارث انداز میں۔ تمہیں اپنے گھر والوں کا یقیناً خیال ہوگا۔"

وہ انسان نہیں، درندہ لگ رہا تھا۔

"سامنے کھانے پینے کی کچھ چیزیں اور پانی موجود ہے۔" اس نے قدم آگے بڑھائے۔

"احسن! نہیں۔۔ نہیں۔۔ میں مر جاؤں گی۔" وہ دوڑ کر اس کے قریب گئی۔

احسن نے اسے شانوں سے تھام لیا۔

"یہ مجبوری ہے میری جان۔۔ اور دیکھو اتنے اشک نہ بہاؤ۔۔ کہ میں بے قرار ہو کر ان کا ذائقہ چکھنے پر مجبور ہو جاؤں

"ہائیں۔!" وہ خاک بھی نہیں سمجھی۔ تحیر سے پھیلی آنکھوں سے بس دیکھا کی۔

"کوئی ظالم بھی ہو اور معصوم بھی تو عجیب سی سچویشن ہو جاتی ہے۔ اب اتنے تیر نہ چلاؤ۔ ٹیک اٹ ایزی ڈارلنگ۔"

شرم اور کوفت سے اس کا برا حال ہو گیا۔

"آپ مجھے ان بدتمیز سے ناموں کے ساتھ مخاطب نہ کریں۔ واقعی آپ۔۔" وہ ایک دم چپ ہو گئی۔

وہ اس سے جھگڑا کر کے صورت حال مزید بگاڑنا نہیں چاہتی تھی۔

"یہ تو قربتوں کے نام ہیں۔ میں نہیں مخاطب کروں گا، اگر تم مجھ سے دور ہو کر وہاں صوفے پر بیٹھ جاؤ۔"

اس کی آنکھوں میں جانے کیا تھا، وہ جھجک کر پیچھے ہٹ گئی۔

"میں اس قید تنہائی میں مر جاؤں گی۔"

"میں تمہارے عشق میں ابھی تک نہیں مرا جو اس قید تنہائی سے زیادہ شدید اور اذیت ناک ہے۔ برداشت کے دوسرے پلڑے میں تم آ جاؤ شاید توازن قائم ہو جائے۔"

اس نے تیزی سے باہر نکل کر لاک لگا دیا۔

جس وقت وہ گھر سے باہر آیا تو پورے گھر میں اس کی سسکیاں بکھری ہوئی تھیں۔

حسب معمول پاؤں کی ٹھوکر سے دروازہ کھلا۔

"ارے بدذات کے بچو۔ وہاں باہر سارے پودے سوکھ رہے ہیں۔ کسی کو اتنی توفیق نہیں کہ پانی ڈال دے۔ کیا یہ سب اپاہج ہو چکے ہیں۔ یا فوت ہو چکے ہیں۔؟"

اس قیامت کی گھن گرج تھی کہ پورا گھر لرز اٹھا تھا اگرچہ روزانہ کا معمول تھا پھر بھی اس بگل حشر کے بجتے ہی جیسے دو ارہ زندہ ہوتا تھا۔

صفیہ شوہر کی گھن گرج کے ساتھ ہی کسی کونے سے باہر برآمد ہو جاتی تھیں۔ حسب معمول اس وقت بھی وہی سب سے پہلے منظر پر تھیں شکیلہ جو سب سے بڑی تھی ایک بھائی احسن سے چھوٹی تھی، اور چھ بہنوں اور ایک بھائی۔ سے بڑی تھی، سلائی مشین پر جھکی کچھ سی رہی تھی۔ چند منٹوں کے لیے رک گئی تھی۔ اس سے چھوٹی نبیلہ پن ورک میں مصروف تھی۔ باپ کی آمد کا ملحوظہ اٹھا تو تمام چیزیں پلنگ کے نیچے کھسکا دیں۔

اس سے چھوٹی نائلہ۔ اپنی ایک پرانی میگزین پر نیا ڈیزائن ڈال رہی تھی۔ اس نے قمیص ٹی وی کے پیچھے چھپا دی۔

اس سے چھوٹی انیلا اپنی چادر دھو رہی تھی۔ چند ثانیے دم سادھنے کے بعد دوبارہ دھلائی میں لگ گئی تھی

اس سے چھوٹی راحیلہ ہوم ورک کر رہی تھی۔

اور سب سے چھوٹی بیلا بھاگ کر کچن میں دم سادھ کر بیٹھ گئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"احمر کہاں ہے؟"

"پڑھنے گیا ہوا ہے۔" صفیہ آہستہ سے گویا ہوئیں۔

"یہ سب بہانے ہیں۔ بے وقوف عورت۔ آخر تمہیں کب عقل آئے گی۔ اندھیرا ہو چلا ہے۔ دیکھو، میں تم سے پھر کہتا ہوں وہ پڑھ نہیں رہا، بلکہ تم سب کو پڑھا رہا ہے۔ آوارہ گرد لڑکوں کے ساتھ سڑکیں ناپتا ہے۔

میں خوب جانتا ہوں ان چالبازوں کو۔"

"خیر، یہ تو طے ہے کہ پڑھنے جاتا ہے۔ اگر پڑھتا نہیں تو اتنے اچھے نمبروں سے کیسے پاس ہو جاتا ہے۔"

"آج کل نقل کر کے پڑھنے کا فیشن ہے۔ تم اور تمہاری اولاد فیشن میں تو بہر حال آگے ہے۔ ترقی میں پیچھے ہے تو کیا ہوا۔"

(ہونہہ۔ ترقی کرنے بھی دیں۔)

"میں کہتا ہوں اس پر نگاہ رکھو۔ ایک نے آسمان میں نشان گاڑ دیے ہیں مگر تم ہوش میں نہیں آؤ گی۔ تمہارے نصیب میں یہی ہے کہ سر پکڑ کر روتی رہو۔

بڑے کو بھی تمہاری وجہ سے رنگ آئے تھے، اب یہ چھوٹا بھی۔"

"ہر بات کا الزام اور ذمہ میرے ہی سر ہے۔ یہ تو میں مانتی ہوں کہ میں سخت بدنصیب ہوں۔ نصیب اچھے ہوتے تو ۔۔" وہ جل کر کہتے کہتے رک گئیں۔

"ہاں۔۔ ہاں۔۔ بولو۔۔ رک کیوں گئیں۔ تمہارے باپ نے جہیز میں یہ ڈیڑھ گز کی زبان ہی تو دی تھی۔" شیخ رحیم الدین بری طرح دہاڑے۔

حالانکہ یہ طعنہ اگر پست آواز میں بھی دیا جاتا تو جسم و جاں سُلگانے کو کافی تھا۔

"آپ کے ہاں سات بیٹیاں ہیں شیخ صاحب۔ ان بے چاریوں کے پاس تو زبانیں بھی نہیں ہیں۔ آپ کیا دیں گے انہیں۔؟"

پہلے وہ خاموش رہا کرتی تھیں مگر جب سے احسن کا سانحہ گزرا تھا وہ دل کی بھڑاس نکال کر ہی سکون پاتی تھیں۔

"اگر میرے پاس کچھ نہیں ہوگا تو میں بیاہوں گا بھی نہیں۔ ایک ایک روٹی کھاتی رہیں گی یہیں۔ جہیز نہیں دے سکتا تو کیا ہوا۔ ایک روٹی تو کھلا سکتا ہوں۔"

"ایک روٹی کے چکر نے ابا جی کو اپنے اندر قید کر رکھا ہے۔ کاش ایک روٹی سے باہر آگے بڑھ کر بھی زندگی کی ضرورت کو سمجھیں۔" شکیلہ نے تاسف سے سوچا اور اپنی ماں کی طرف دیکھا جو ناکردہ گناہوں کے بوجھ سے روز بروز دبی جا رہی تھی۔

گھر میں نو افراد اس وقت موجود تھے مگر گھر میں سناٹا یوں تھا گویا کوئی آباد ہی نہیں یہاں۔ حتیٰ کہ ایک دوسرے سے بھی کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔

صفیہ نے کھانا میاں کے سامنے لا کر رکھا۔

"میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔"

شیخ صاحب کی کسی بات سے اب اچنبھا نہیں ہوتا تھا۔ وہ ٹرے لے کر واپس پلٹ گئیں۔

ان کے اس انداز سے شیخ رحیم الدین جیسے انگاروں پر جا بیٹھے۔

(دماغ ہی نہیں ملتے اس عورت کے، پوچھا تک نہیں کہ کھانا کیوں نہیں کھا رہا۔؟)

"ارے بھئی احسن کی ماں!" وہ پھر کڑک آواز میں مخاطب ہوئے۔

"آ رہی ہوں۔" انہوں نے کچن میں سے فوراً جواب دیا۔ مبادا ایک لمحے کی دیر سے بادشاہ سلامت کی طبع نازک برہم ہو جائے۔

"جی۔۔؟" وہ پھر آ موجود ہوئیں۔

"یہ لڑکیاں کیا کر رہی ہیں؟" جو دل میں تھا۔ انہوں نے حسب عادت پھر اس کے اُلٹ بات کی۔

"کام کر رہی ہیں۔"

"صبح سے کیا کر رہی تھیں۔؟"

کام کر رہی تھیں۔۔"

"ہاں۔۔ محل سرا جو ہے یہ گھر، غلام گردشوں سے لے کر بارہ دریوں تک کام کرنا پڑتا ہے۔"

لہجے کی کاٹ فطرت ثانیہ تھی۔ بغیر طنز کے آج تک کوئی گفتگو مکمل نہیں ہوئی تھی۔

وہ خاموش رہیں۔

"کیا سوچا ہے اب تم نے۔؟" وہ ہاتھوں کا تکیہ بنا کر پلنگ پر لیٹ گئے

صفیہ دوسرے پلنگ پر بیٹھ گئیں۔

"کس کے بارے میں؟" وہ واقعی نہیں سمجھی تھیں۔

"شکیلہ کے لیے۔" لہجہ کچھ نرم ہوا۔

"صرف شکیلہ کے بارے میں میں تو سب کے بارے میں سوچتی رہتی ہوں۔" وہ تلخی سے گویا ہوئیں۔

"جان کر انجان بننا تو تمہاری عادت ہے۔ تم اچھی طرح جانتی ہو، میں تم سے کیوں بات کر رہا ہوں۔"

"میں کیوں کر آپ کو یقین دلاؤں۔ واقعی مجھے علم نہیں کہ آپ نے شکیلہ کا قصہ کیوں شروع کیا ہے۔ اب کیا نئی افتاد پڑی ہے۔؟"

شیخ رحیم الدین کو اس لہجے پر پھر جلال آ گیا۔ مگر معاملہ بہت اہم تھا۔ اور ساتھ ہی مشکل یہ تھی کہ صفیہ کے بغیر بات آگے بڑھ بھی نہیں سکتی تھی۔

"افتاد وہی پرانی ہے۔" وہ برہم تاثرات بہر حال چھپا نہیں سکے۔

"کیا مطلب؟" ان کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ عجیب سے خدشات سے ان کا دل کانپنے لگا۔

"انعام علی آئے تھے آج۔"

"شیخ صاحب! میں اس موضوع پر گفتگو کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر چکی ہوں۔"

"باپ کے گھر سے لائی تھیں یہ اولاد۔" وہ ہذیانی انداز میں چیخے۔

"شرم کریں شیخ صاحب۔ ساری عمر بے احتیاطی سے گزاری ہے۔ کم از کم یہ تو سوچ لیا کریں۔ جوان بچیاں گھر میں ہیں۔"

"اگر میں ایرے غیرے نتھو خیرے کو بھی بیٹی دے دوں تو کون روک سکتا ہے مجھے۔ میں اپنی اولاد پر مختار ہوں۔"

"خدا کا خوف کریں۔ یہ آپ کی اولاد ضرور ہے..... مگر اللہ کی مخلوق بھی ہے۔ جواب بھی دینا ہے..... اللہ کو منہ بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دکھانا ہے۔"

دیکھو صفیہ حد میں رہو۔ اگر مجھے زیادہ غصہ آگیا تو....."

"زیادہ....." صفیہ تلخی سے مسکرا کر باہر نکلنے لگیں..... "اور جب آپ نے کرنی ہی اپنی مرضی ہے تو پھر مجھ سے رائے لینا کیا معنی.....؟ ان کی آواز بھرا گئی۔

"اپنا بچہ گنوا دیا ہے میں نے اس جھگڑے کے پیچھے۔"

"میں اس جہنمی کا ذکر تک اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتا۔ خبردار اگر کسی نے اِس گھر میں اُس کا بدذات کا نام لیا۔ شکیلہ سے کہہ دو..... بہتر یہی ہے کہ میری مرضی کو اپنی مرضی بنا لے۔ دشمن نہیں ہوں میں اُس کا....." وہ دوٹوک انداز میں گویا ہوئے۔

"زندگی سنور جائے گی اس کی۔ لاکھوں کی جائیداد کی مالک ہوگی۔ اور کیا چاہیے.....؟"

"دل کی خوشی بھی چاہیے۔ اس پر بھی غور کریں۔" وہ آہستگی سے گویا ہوئیں۔

"گھر میں آسودگی ہو تو دل خوش رہتا ہے۔" شیخ رحیم الدین دوٹوک انداز میں بولے۔

"دولت دل خوشی کی ضمانت نہیں ہے۔" وہ بگڑ کر بولیں۔

"تمہاری بدبختی کیا میرے لیے کافی نہیں ہے۔ تم نہیں چاہتیں کہ وہ خوشحال زندگی گزارے۔" وہ عادت کے مطابق چیخ کر بولے۔

"آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں کیوں منع کر رہی ہوں۔ اگر آپ اپنی اولاد کے دشمن نہیں ہیں تو دشمن میں بھی نہیں ہوں..... میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا۔ اب مجھ سے اس موضوع پر بات کرنے کی ضرورت نہیں۔" وہ باہر نکل گئیں۔

"اس عورت کی نحوست سارے گھر کو لے ڈوبے گی۔ ویسے روتی رہتی ہے کہ لڑکیوں کا کیا ہوگا؟ کوہ قاف کے شہزادے آئیں گے اس کی بیٹیوں کو بیاہنے۔" وہ بڑبڑا رہے تھے۔

"میں کہہ دوں گا کسی بھی دن آجائے چار آدمیوں کو لے کر..... اور دو بول پڑھا دوں گا۔"

صفیہ غیض کی حالت میں اندر داخل ہوئیں۔

"انعام علی سے یہ بھی کہہ دیجیے گا۔ میری لاش سے گزر کر ہی شکیلہ کو لے جا سکتا ہے۔ سُنا آپ نے؟"

"تم اپنی زبان کو لگام دو۔ سر توڑ دوں گا تمہارا۔ اگر تم نے راستے میں آنے کی کوشش کی تو طلاق دے دوں گا۔ سمجھیں۔" وہ دھاڑے۔

شکیلہ کانپ کر اندر آگئی اور ماں کا ہاتھ تھام کر زبردستی کمرے سے باہر لے گئی۔

"امی!..... امی.....! خدا کے لیے کیوں اپنی بے عزتی کراتی ہیں میری وجہ سے۔" وہ بے قرار ہو کر رو دی۔ "میں اس عمر میں آپ کا تماشا بنتے نہیں دیکھ سکتی....."

جس قضیے کی وجہ سے میرا بچہ در بدر کی ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ میں اس کا کیا دھرا برباد کر دوں؟ ایسا نہیں ہو سکتا۔" وہ قطعی انداز میں بولیں۔

"میرے نزدیک سب سے اہم بات آپ کا وجود، آپ کی عزت ہے۔ میری زندگی، میری خوشی سے بھی زیادہ۔"

"تم اپنی جگہ صحیح، میں اپنی جگہ درست۔ تم فکر نہ کرو میری....." وہ خود پر قابو پاتے ہوئے بولیں۔

"حرج ہی کیا ہے اگر میری وجہ سے گھر میں سکون نہیں ہوگا۔ تمہارے بعد وہ تمہاری بہنوں کو بھی وار پر چڑھائیں

ے..... تمہارے سلسلے میں میرا فیصلہ کُن رویہ ہمیں بہت سے طوفانوں سے بچا لے گا۔ اب کم ہمتی کا وقت نہیں ہے۔ تم گھبراؤ نہیں۔" انہوں نے شفقت سے شکیلہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"آپ کے فیصلہ کُن رویے سے ابا جی کا بھی کوئی فیصلہ کُن رویہ سامنے آ سکتا ہے۔ میں یہ نہیں ہونے دوں گی۔"

"تم میری ہمت نہیں توڑو شکیلہ! انہوں نے تمہارے لیے جہنم کا انتخاب کیا ہے۔" وہ دکھ سے بولیں۔

"امی! آپ بھی اور ہم سب بھی ابا جی کے غصے سے واقف ہیں۔ ہمیں آپ کی ضرورت ہے۔ ہر شے سے بڑھ کر اہم ت آپ کی اس گھر میں موجودگی ہے۔" وہ بولی۔

"میں اپنی اولاد کے لیے کانٹوں کا راستہ منتخب نہیں کر سکتی۔ میں مجبور ہوں۔"

وہ فیصلہ کُن انداز میں بولیں۔

"امی..... حالات کو سمجھیں۔ یہ سمجھ لیجیے گا کہ میں مر گئی۔" وہ رو دی۔

صفیہ تڑپ کر رہ گئیں۔ انہوں نے شکیلہ کا سر کاندھے سے لگا لیا اور آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے۔

"میری بچی..... مریں تیرے دشمن۔ میں ہی نہ مر جاؤں۔ کیوں زندہ رہوں یہ پہاڑ سے دُکھ اُٹھانے کے لیے۔"

"امی! ابا جی کی بات مان لیں۔ شاید اس آپریشن سے اس گھر کے ناسور سے نجات مل جائے۔" وہ ہچکیاں لے کر روتی رہی۔

"یہ فیصلہ میری ممتا کے لیے آگ کا راستہ ہے۔ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا میری بچی۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

"جب احسن بھائی کچھ نہ کر سکے بیٹے کی حیثیت سے تو آپ کیا کر سکتی ہیں؟ میری وجہ سے دوسروں کو تباہ نہ کریں۔ ا راضی ہوں خوش ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔"

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے، میں زندہ ہوں ابھی..... تم فی الحال چپ رہو۔ ابھی کئی محاذوں پر لڑنے کا حوصلہ ہے مجھ میں۔ اولاد ہی کمزور بنا دیتی ہے۔

اولاد کی محبت..... بڑی قوت ہے..... تم فکر نہ کرو..... ماں زندہ ہے ابھی میری بچی۔ چُپ کے قفل تو توڑ ہی دیے ہیں مانے۔"

"امی..... اگر میری وجہ سے آپ کو کچھ ہو گیا تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گی۔"

"میری زندگی تم پر نثار..... مجھے کمزور نہ بناؤ..... مجھے قوت دو۔" وہ مضبوطی سے بولیں۔

"امی.....! میرا دل کانپتا ہے۔"

"گھبراؤ نہیں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ پیار سے اس کی پشت پر ہاتھ پھیر کر بولیں۔

"آج تمہاری خالہ کے ہاں بارات ہوگی..... اس نے میری راہ دیکھی ہوگی۔ کوئی تحفہ بھی نہیں بھجوا سکی۔

تمہارے باپ کے پاس تو کبھی ہمارے لیے پیسے نہیں ہوں گے۔ ایلا کی فیس کے لیے بھی پیسے چاہئیں۔ آتے ہی ارے باپ نے یہ قصہ چھیڑ دیا۔ میں سوچ رہی ہوں کہ کھترانی سے کہہ کر تم بہنوں کے لیے سلائی کا کام مانگ لوں۔ ارا بھی دل بہلا رہے گا۔"

انہوں نے خوبصورتی سے بات کا رخ موڑ دیا۔

"جیسے آپ کہیں امی۔" وہ آنسو پونچھتی ہوئی بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ارے شہوار کو دیکھا ہے کہیں.....؟" نیلوفر حواس باختہ سی اس سمت آئی جہاں تمام لڑکیاں جمع تھیں۔

"نہیں.....تو.....ہو سکتا ہے اوپر سو رہی ہو.....تھک گئی ہو گی۔" ایک کزن نے انکار کے ساتھ ساتھ مشورہ دیا۔

"سب جگہ دیکھ کر ہی تو آ رہی ہوں۔ اوپر نیچے۔ دائیں بائیں' سب جگہ دیکھ لیا۔"

"بائیں.....!" اب وہ سب چونکیں۔

"جس وقت بارات آئی وہ اوپر میرے ساتھ ہی کھڑی تھی اور دولہا پر تبصرے کر رہی تھی۔"

"میں نے تو اسے اس وقت دیکھا تھا جب وہ اپنا پراندہ ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ بال پھیلائے ہوئے۔" اس کی پھو زاد سومیہ نے بھی حافظے سے ایک ایسا منظر برآمد کر ہی لیا جس میں "وہ" موجود تھی۔

"مگر جا کہاں سکتی ہے؟" وہ ایک ایک کر کے کھڑی ہو گئیں۔

"امی کا تو بلڈ پریشر بڑھ گیا ہے۔" نیلوفر روہانسی ہو رہی تھی۔

"ایک ایک کمرہ' باتھ روم' اسٹور' کچن' پینٹری' نوکروں کے کوارٹر چھان مارے ہیں۔ تم لوگ خود ہی سوچو' رات کا ا بج رہا ہے' اس وقت کہاں جا سکتی ہے۔" وہ بری طرح ہراساں تھی۔

وہ سب کی سب پیچھے چل پڑیں۔ باہر مردوں میں بھی "اہم" لوگوں کو اطلاع پہنچ گئی تھی۔

سارے گھر میں عجیب بھگدڑ سی مچ گئی تھی۔

"احسن بھائی.....!" راہداری میں اس کا سامنا احسن سے ہو گیا۔

"شہوار کو دیکھا ہے؟" نیلوفر رو دینے کو تھی۔

"ہاں.....بچپن سے اب تک ہزاروں بار دیکھا ہے۔" وہ بے نیازی سے بولا۔

"میں اس لئے نہیں پوچھ رہی ہوں۔ وہ گھر میں کہیں نہیں ہے۔ ایک بج رہا ہے رات کا۔"

"کیا مطلب؟" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اب مطلب بھی بتانا پڑے گا۔" وہ رو دی۔

احسن تیزی سے باہر نکل کر ٹیرس پر آ گیا۔ پورے گھر میں قیامت برپا ہو چکی تھی۔ ہر شخص تیزی سے آ جا رہا تھا۔ اس عمل سے شہوار کہیں سے اُگ آئے گی۔

اس نے سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبا لیا اور سلگا کر دھوئیں کے دائرے بنانے لگا۔

ہر ایک کے چہرے کی ہوائیاں اُڑ رہی تھیں اور اس کے چہرے پر مدھم سی مسکان رقصاں تھی۔

"روم جل رہا تھا اور نیرو بانسری بجا رہا تھا۔"

آخر نیرو کی بھی تو کوئی نفسیات ہو گی۔ پر گہرائیوں میں کون اترے۔

"ارے غضب خدا کا' شہوار لاپتا ہے اور تم یہاں کھڑے ہو۔"

بڑی ممانی ہانپتی ہوئی ٹیرس پر پہنچیں اور احسن کو دیکھا تو بھرپور طریقے سے ہولنے اور چونکانے کا مظاہرہ کیا۔

"کمال کرتے ہیں آپ لوگ' کہاں جائے گی' رات گہری ہو چکی ہے' تھک کر کسی کمرے میں سو رہی ہو گی اطمینان سے بولا۔

"ارے میاں! پاگل سمجھا ہے ہمیں' سارا گھر چھان مارا ہے' آخر گھر ہی تو ہے کوئی "کامپلیکس" تو نہیں۔ ا سوراخ میں پھنسنے سے رہی' جوان جہان لڑکی۔" وہ جل کر بولیں۔

"اس کی ماں کا رو رو کر برا حال ہے۔ ارے جاؤ خالہ کو سنبھالو' اسے ڈھونڈو۔" وہ بری طرح بوکھلا رہی تھیں۔

"کیا خالہ جان مجھ سے کلام کرنا پسند کریں گی؟" وہ طنزیہ بولا۔

"ارے بیٹے! آخر وہ تمہاری خالہ ہے' دشمن تو نہیں ہے۔ یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں' وہ تمہاری خالہ ہی نہیں ساس بھی ں' غائب ہونے والی بچی ان کی بیٹی ہی نہیں تمہاری بیوی بھی ہے۔ کیا یہ بات تمہارے لئے اتنی اہم نہیں جتنی اس ماں لیے ہے؟"

"جب ہی تو کہتے ہیں اولاد پر زیادہ جبر بھی اچھا نہیں ہوتا خود ہی فیصلے کرتے پھر رہے تھے' کم از کم اس سے بھی پوچھ ہوتا" وہ تلخی سے گویا ہوا۔

"بعد میں گن گن کر بدلے لینا' فی الحال جا کر خالہ کو سنبھالو۔ اسے تلاش کرو۔" وہ بھڑک کر بولیں۔

"ویسے بیٹا! تمہارا اطمینان خوب ہے' تعجب ہے' تمہیں تو سب سے زیادہ فکرمند ہونا چاہئے تھا۔"

"میں مطمئن نہیں ہوں ممانی جان۔" وہ سنبھل گیا۔

"بلکہ مجھے رہ رہ کر ان سب پر غصہ آ رہا ہے جو یکطرفہ کارروائی کر رہے تھے' یہ سب اس کے مجرم ہیں' میں ان سب کو بھی معاف نہیں کروں گا' اس حادثے کے ذمہ دار یہ سب خود ہی ہیں۔" وہ کہہ کر تیزی سے زینہ طے کرنے لگا۔

"اے لو' اس لڑکے کو اب الہام بھی ہونے لگا ہے۔ ارے خوبصورت لڑکی ہے' زمانہ خراب ہے۔ اللہ معلوم کسی کی بت.....

اتنی ہمت وہ [illegible] م میں بھی نہیں کر سکتی' خود کیوں جانے لگی؟ اچھی بھلی ہنستی کھیلتی پھر رہی تھی.....ارے یہ بیٹھے ائے کیا ہو گیا۔"

وہ بڑبڑاتی ہوئی خود بھی زینہ طے کرنے لگی تھیں۔

ایک گھنٹے بعد شہوار کی ماں کو بے ہوشی کے دورے پڑنے لگے تھے۔

احسن چہرے پر مصنوعی فکرمندی ظاہر کرتے ہوئے اندر سے انتہائی مطمئن تھا۔

"ارے اب تو پولیس اسٹیشن چلے جائیں۔" اس کی خالہ کراہتے ہوئے شوہر سے کہہ رہی تھیں۔

"کوئی ضرورت نہیں پولیس اسٹیشن جانے کی۔

اخبارات میں میری بیوی کے بارے میں خبروں پر واہیات سے کیپشن لگیں' میں برداشت نہیں کر سکتا۔ اس ساری ورت حال کے ذمہ دار آپ لوگ ہیں۔ اپنی انا کے شکار' انسانوں کی زندگیوں سے کھیلنے والے' اپنی سنیارٹی کو کیش روانے والے۔" وہ برہمی سے گویا ہوا۔

"ہاں بھابھی! پولیس کو خبر دینے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ سوائے بدنامی کے۔"

شہوار کے چچا نے احسن سے اتفاق کیا۔

"ارے اس لڑکے کو دیکھو' ہم موت کے منہ میں جا پڑے ہیں' یہ جلی کٹی سنا رہا ہے' بے ادب۔" انہوں نے سسکی لی۔

"تباہی پر بھی واویلا نہ مچاؤں تو کیا قہقہے لگاؤں۔" وہ برہمی سے کہہ کر باہر نکل گیا۔ اس وقت اس کی منتقمانہ حس ت آسودگی محسوس کر رہی تھی۔

"وہ تو مغرب کے بعد ہی سے دکھائی نہیں دی تھی۔ رات سے اس کی طبیعت خراب تھی' میں سمجھی جا کر لیٹ گئی ہے۔" اس کی کزن نے ایک اور یادداشت پیش کی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"احسن! بارات آنے کے بعد تم کہاں غائب ہو گئے تھے.....؟" اس کے ماموں زاد نے نہ جانے کیا سوچ کر پوچھا۔

"ہاں۔ میں ہی تو لے کر بھاگا تھا۔ سمندر میں دھکا دے کر آیا ہوں اسے۔" وہ خونخوار انداز میں الٹ پڑا۔

"تمہیں تو پاکستان کے محکمہ سراغ رسانی کا سربراہ ہونا چاہئے۔ اچھی خاصی بال کی کھال نکالنا آتی ہے تمہیں۔" استہزائیہ انداز میں بولا تھا۔

"اگر مجھ پر شک ہے تو پولیس سٹیشن جاؤ' رپورٹ کرو میرے خلاف' گواہ تو تمہیں تھوک کے بھاؤ مل جائیں گے۔ طاقتور گواہ تو لڑکی کے ماں باپ کی صورت میں موجود ہیں ہی۔" وہ زہریلا ہو رہا تھا۔

اس کا کزن چیں بجبیں ہو کر رہ گیا۔

"میں تو یہ کہہ رہا تھا....."

"اب صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔" احسن نے ترشی سے اس کی بات کاٹ دی۔ "میری بیوی ہے وہ' تم سب سے زیادہ میری عزت کا مسئلہ ہے اس وقت" وہ تیز قدموں سے باہر نکل آیا اور گاڑی کی طرف بڑھا۔ مبادا لوگ سمجھیں وہ شہوار کی تلاش میں جا رہا ہے۔

"یہ گاڑی کس کی ہے۔ اس کے پاس.....؟" اس کے ایک کزن نے دوسرے کزن کو مخاطب کیا۔

"کسی دوست کی ہوگی۔" جواب ملا۔

گھر کے اندر عجب رونا پیٹنا شروع ہو چکا تھا۔

"تھینکس گاڈ۔" اس نے گاڑی شیرٹن کی طرف موڑتے ہوئے سکون کا سانس بھرا۔

اب تک اس کا منصوبہ نہایت کامیابی سے آگے بڑھ رہا تھا۔

شہوار کو بلانے کیلئے اس نے جس بچی کا انتخاب کیا تھا وہ "باراتی بچی" تھی۔ اپنے خاندان کی تو وہ تمام بچیوں سے واقف تھا۔ بارات کے استقبال کے وقت باراتیوں کی ایک کار سے اس نے اس بچی کو اترتے دیکھا۔ "باراتی بچی" کا انتخاب اس منصوبے کا حصہ تھا۔ اس کی خالہ زاد بالکل غیروں میں جا رہی تھی۔ اس کے سسرالی اس خاندان کے لئے بالکل اجنبی تھے۔

اس نے بچی کو بلا کر دور سے شہوار کی طرف اشارہ کر کے بتایا تھا کہ وہ جو شوکنگ پنک کپڑے پہنے ہوئے لڑکی کھڑی ہے' اسے پیغام دو کہ شامیانے کے اس طرف احسن بھائی بلا رہے ہیں' بہت ضروری بات ہے۔

شامیانے کے اس طرف نوکروں کے گھروں کا پچھلا حصہ تھا جہاں مالی کی چھ سات بکریاں بندھی رہتی تھیں۔

گاڑی اس نے وہاں پہلے لے جا کر کھڑی کر دی تھی اور اگلے دونوں دروازے بھی کھول دیئے تھے۔ اسے اس بات کی مطلق فکر نہیں تھی کہ منصوبہ ناکام بھی ہو سکتا ہے۔

وہ ہر قسم کی صورت حال کیلئے خود کو تیار کر چکا تھا۔ "تخت یا تختہ" قسم کا فیصلہ کر چکا تھا۔

اسے پکڑے جانے کے خیال سے بھی کچھ خوف نہیں تھا۔ یہ اس کی قسمت تھی کہ منصوبہ کامیاب ہو گیا تھا۔ اس خاص اس وقت آپریشن کیا جب اندر نکاح کا پروگرام جاری تھا۔

"کہیں وہ خود کو ختم نہ کر لے..... عجیب بے وقوف لڑکی ہے۔"

معاً اسے شہوار کا خیال آیا۔ "صرف اس کی بزدلی کی وجہ سے تو آج یہ دن دیکھنا پڑا ہے۔

جی میں تو آتا ہے اسے شوٹ کر دوں۔" اس کا ذہن پھر سلگ اٹھا۔ گاڑی سنسان سڑک پر پانی کی طرح بہہ رہی تھی۔ اس کے خیالات کی رفتار گاڑی کی رفتار سے کہیں آگے تھی۔ شیرٹن کی لائٹیں اب نظر آنے لگی تھیں۔

"خالہ اصغری..... کچھ سمجھ میں نہیں آتا' ایک طرف تو آپ کہتی ہیں کہ جس وقت پاکستان بنا تھا آپ "گود" میں تھیں"

"اب آپ کہہ رہی ہیں کہ اکبر علی کی شادی اس وقت ہوئی جب ایوب خان کا مارشل لاء لگا تھا۔

اکبر علی آپ کو انعام میں ملے تھے؟" بلال بڑی معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔

"دیکھو دلہن..... دیکھ رہی ہو اس کی حرکتیں.....؟" خالہ اصغری ہتھے سے اکھڑ گئیں

"صاف صاف کیوں نہیں کہتا لڑکے کہ جھوٹی ہوں..... اے لو..... مجھے بڈھی کھوسٹ ثابت کرنے پر تلا رہتا ہے۔ رے غموں نے کھالیا ہے مجھے' ورنہ میری کوئی عمر ہے۔ گڑیاں کھیلتی پھرتی تھی' پکڑ کے اماں باوا نے شادی کر دی۔ سال بھر میں اکبر علی پیدا ہو گیا۔

یہ لڑکا تو زبان پکڑنے کو تیار بیٹھا رہتا ہے۔ اے جنے کیا کہا ہوگا میں نے۔"

"چھوڑیں خالہ! اس کی عادت ہے مذاق کرنے کی۔ آپ بتا رہی تھیں کہ اجو ہوٹل والے کی لڑکی دکھائی تھی آپ نے بیگم برلاس کو؟ پھر کیا کہا انہوں نے؟" منزہ نے ان کی توجہ بلال کی طرف سے ہٹائی۔

"ہزار نخرے ہیں لوگوں کے۔ چار پیسے کیا ہیں آسمان پر اڑتی ہیں۔ بولیں' لڑکی تو بہت لمبی ہے۔ میں نے کہا تو بیگم انگیں کنوادو۔

بھلا یہ کوئی باتیں ہیں بیسیوں لڑکیاں دکھا چکی ہوں۔ کوئی چھوٹی ہے' کوئی موٹی ہے' کوئی دبلی ہے' کوئی لمبی ہے۔ کوئی سفید پھپکا شلغم' کوئی الٹا توا..... اے میں نے تو کہہ دیا..... بی بی اوپر آرڈر بھجوا دو۔"

منزہ مسکراہٹ ضبط کرتی ہوئی خالہ کیلئے فریج میں سے پان نکالنے لگی۔

"دلہن.....!"

"جی خالہ.....!"

"یہ بلال کی پڑھائی میں کتنا وخت اور باقی ہے.....؟" وہ رازدارانہ انداز میں پوچھ رہی تھیں۔

"آپی..... بتا دیجئے خالہ کو میں عنقریب "فرنگن" کی تلاش میں یورپ جانے والا ہوں۔"

"نا موئی فرنگن میں ایسے کیا سُرخاب کے پر لگے ہوتے ہیں.....؟" خالہ صغریٰ بھڑک گئیں۔

"آپی! خالہ کو ٹھنڈا پانی پلائیں۔ ایک شکار ہاتھ سے نکلنے پر ان کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔" بلال شرارت سے کہہ رہا تھا۔

"اے طبیعت خراب ہو میرے دشمنوں کی..... ارے تجھے کیا پتا فرنگن سے شادی کر کے دین ایمان کا کیسے ستیاناس ہوتا ہے۔ اولاد الگ آدھی تیتر بٹیر۔ کیوں دلہن.....؟"

"جی ہاں' خالہ! آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں....." منزہ مسکرائی۔

"خیر چھوڑیں خالہ..... میرے ایک جاننے والے ہیں' ان کا رشتہ تلاش کریں۔" بلال نے سنجیدگی سے کہا۔

خالہ اصغری کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"کیا کرتے ہیں؟" وہ اشتیاق سے بولیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بہت کچھ کرتے ہیں' بے وقوفیاں کم کرتے ہیں..... یعنی اچھے خاصے سمجھدار ہیں۔" وہ بولا۔

"بلال.....!" منزہ نے اسے ٹوکا۔

"آپ مداخلت نہ کریں آپی۔ بڑا پاور فل کلائنٹ دے رہا ہوں خالہ کو۔"

"اے دلہن! تم چپ رہو' ہاں کیا کہہ رہا تھا؟" خالہ کا جوش و خروش عروج پر تھا۔

"بہت مال دار آدمی ہیں۔ بڑا نام ہے ان کا۔" بلال نے بتایا۔

"اچھا.....!" مارے اشتیاق کے اب ان کی حالت آؤٹ آف کنٹرول تھی۔

"کئی شہروں میں کاروبار پھیلا ہوا ہے۔ ماں باپ بھی نہیں ہیں بے چارے کے۔"

"اے ہے" خالہ نے تاسف کا اظہار ضروری سمجھا۔

"بے چارے بہت تنہا ہیں۔ بہت دُکھی ہیں' بہت ترس آتا ہے انہیں دیکھ کر۔ سب انہیں چھوڑ چکے ہیں۔ آہ....."

"ہاں بیٹے..... نصیب کی بات ہے۔" خالہ نے آہ بھری۔

"دو پوتے بہتے' وہ بیویوں کے ساتھ مستقل یورپ میں جا بسے ہیں۔" بلال نے مزید کہا۔

"پوتے....." وہ بھونچکا سی رہ گئیں۔

"وہ بھی شادی شدہ۔" منزہ نے بھی ٹکڑا لگایا۔

خالہ ایک دم حواسوں میں آ گئیں۔ اور ادھر اُدھر چپل تلاش کرنے لگیں۔ "ایسے جوتے لگاؤں گی..... دیکھ رہا دلہن.....! میں اس کے جوڑ کی ہوں۔ اے لو مجھ سے مذاق کرتا ہے۔"

بلال جلدی سے وہاں سے کھسک گیا۔

اسی وقت کال بیل بجی۔

"دیکھنا بلال! کون ہے۔" منزہ خالہ کو پاندان دے کر بیہ کا فیڈر بنانے لگی۔

"آپی! اسد بھائی ہیں۔" بلال نے اطلاع دی۔

"اوہ..... بٹھاؤ نا انہیں۔ خاور بھی بس آتے ہوں گے۔" منزہ ایک دم الرٹ ہو گئی۔

"یہ اسد کون ہیں دلہن....." خالہ پوچھ رہی تھیں۔

"خاور کے دوست ہیں۔ بہت قریبی' بہت پرانے۔ سکول کے زمانے سے ساتھ ہیں۔ معاش نے الگ الگ ہے۔ خاور سمندر ناپنے لگے۔ اسد بھائی بزنس کرتے ہیں۔"

"اے شادی شدہ ہیں.....؟" خالہ نے رگرل کے پیچھے سے گزرتے ہوئے باوقار اور خوبرو سے اسد کو نہایت سے دیکھا۔

"نہیں..... کوئی لڑکی ابھی پسند نہیں آئی۔"

"اے کیا بہت خوبصورت لڑکی مانگتے ہیں؟" خالہ نے آہستگی سے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ کبھی یہ بات کہی تو نہیں۔" منزہ نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"ماشاءاللہ کس چیز کی کمی ہے انہیں تو ایک سے ایک لڑکی مل سکتی ہے۔ کیوں دلہن.....؟"

"جی.....!"

"خالہ!" بلال پھر آ پہنچا۔

"آپ کسی دن میرے ساتھ سائیکاٹرسٹ کے ہاں چلئے گا۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"یہ کیا ہوتا ہے؟" وہ متعجب ہوئیں۔

"نفسیات کا ڈاکٹر ہوتا ہے۔" بلال نے سمجھایا۔

"پر میں وہاں کیوں جاؤں؟" انہیں ڈاکٹر سن کر ہی غصہ آ گیا۔

اس لئے کہ اس روئے زمین پر آپ سے کوئی کنوارا برداشت نہیں ہوتا جب کہ آپ کوئی کمیشن وغیرہ بھی نہیں لیتی ہیں۔"

"دیکھ بلال! تو کسی دن پٹ جائے گا مجھ سے۔ اے دیکھو پاگل بنا رہا ہے مجھے۔"

منزہ نے بیہ کے منہ سے فیڈر لگائی اور ڈیڑھ سال کے علی کو گود میں اٹھا کر لاؤنج میں چلی آئی ہنستی ہوئی۔

"السلام علیکم..... میں تو سمجھی خاور آپ کی طرف گئے ہوئے ہیں۔ سچ ان کا بھی کچھ پتہ نہیں چلتا۔

میری خالہ نے مجھ سے کہا تھا سی مین (SEA MAN) سے شادی ہو رہی ہے۔ شوہر کم مہمان زیادہ ہوا کرے گا۔ سچ کتنا ٹھیک کہا تھا۔" منزہ نے شکایتی انداز میں کہا۔

"پورے سات ماہ بعد آئے ہیں۔ پھر بھی گھر میں ٹکنا مشکل ہو جاتا ہے۔"

اسد مسکرا دیئے۔ "میں آپ کی پریشانی سمجھتا ہوں۔"

"اسد بھائی.....! آپ خاور سے کہیں ناں کہ وہ یہ ملازمت چھوڑ دیں اور بزنس کر لیں۔ آپ زور ڈالیں گے ناں تو وہ یقیناً مان جائیں گے۔

عاجز آ گئی ہوں اس اکیلے پن سے..... وہاں میکے میں بھی امی' ابو اور بلال اور شادی کے بعد وہی حساب..... انسانوں کو ترسی ہوئی ہوں۔"

"میں خاور سے کہوں گا مگر بھابھی..... ہجری ملازمت اس کا کریز ہے۔ ہمیشہ سے یہی کہتا تھا کہ سمندری زندگی میں عجیب سا حسن محسوس ہوتا ہے۔"

"پتا نہیں' اس میں کیا مزا ہے۔ مجھے تو بعض اوقات احساس تنہائی بہت زیادہ ہوتا ہے۔

آج کل تو بلال ہے میرے پاس' مگر جب اس کی پڑھائی مکمل ہو جائے گی اور یہ نوشہرہ واپس چلا جائے گا تو سچ میں کسی دن ان کے سارے کاغذات پھاڑ ڈالوں گی۔"

اس کا قہقہہ بلند ہوا اور ساتھ ہی خاور اندر داخل ہوئے۔ "کن" کاغذات کے پھاڑنے کا پروگرام بن رہا ہے۔"

"السلام علیکم..... عالی جناب اسد صاحب....." خاور خوشدلی سے گویا ہوئے۔

"وعلیکم السلام"

"یار تم نے بھابھی کو بہت تنگ کیا ہوا ہے۔"

"ارے ان کی حس لطیف بہت محدود ہے۔ انہیں کیا پتہ جب دو چاہنے والے شدت انتظار سے گزر کر ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو....." خاور اسد کی بات کا مطلب سمجھ گئے تھے۔ منزہ جھینپ گئی۔

"انہیں کیا پتا یار۔ جب گھر کے دروازے پر پہنچ کر دستک دیتا ہوں تو زندگی کی سانسوں میں کتنا اضافہ ہوتا ہے۔ ایک نئی قوت حیات ملتی ہے۔

پانیوں پر سفر کے دوران یہ سوچ کتنی فرحت بخش ہوتی ہے کہ کہیں ایک گھر ہے جس میں ایک....."

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اچھا چھوڑیں" منزہ نے سرخ چہرے کے ساتھ خاور کو ٹوک دیا۔ جس پر خاور اور اسد دونوں نے قہقہہ لگایا تھا۔

"آپی! خالہ کو بلالاؤں۔" بلال نے اندر آکر پوچھا۔

"آئی ہوئی ہیں؟" خاور نے مسکرا کر منزہ سے پوچھا۔

"ہوں۔" منزہ بھی مسکرادی۔

"خالہ! آجائیں۔ اسد بھائی انٹرویو کیلئے تیار ہیں۔" بلال نے وہیں سے نعرا مارا۔

"اے میں تو خود ہی آرہی تھی۔ بچے ہیں میرے۔ کوئی پردہ ہے میرا۔" خالہ جو اندر آنے کو بے قرار تھیں کشاں کشاں اندر چلی آئیں۔

"السلام علیکم۔" اسد اور خاور نے انہیں سلام کیا۔

"جیتے رہو۔ دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو۔" وہ نہال ہو کر گویا ہوئی تھیں اور بڑی جانچتی ہوئی نظروں سے اسد کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"خیر سے کتنے بھائی بہن ہو؟" انہوں نے عادت سے مجبور ہو کر سلسلہ کلام کا آغاز کیا۔

"تین..... دو بھائی اور ایک بہن۔" وہ بولے۔

"بہن شادی شدہ ہے؟"

"جی..... تین بچوں کی ماں ہے ماشاءاللہ۔" وہ مسکرائے۔ وہ خود بھی بڑی دلچسپی سے خالہ کو دیکھ رہے تھے۔

"اور بھائی.....؟" ان کا اگلا سوال تھا۔

"وہ بھی شادی شدہ ہیں انگلستان میں ہوتے ہیں۔"

"اے کیا فرنگن سے شادی ہوئی ہے؟" انہوں نے ڈری ڈری نظروں سے بلال کی طرف دیکھا

"نہیں..... میری بھابھی میری پھوپھو زاد بھی ہوتی ہیں۔"

"اے ہاں۔ سمجھ دار لوگ کبھی بھی میم سے شادی نہیں کرتے۔" انہوں نے چوری چوری بلال کی طرف دیکھا۔

"خالہ..... میں سمجھ داروں کے قبیلے سے نکلنے کیلئے تیار ہوں مگر فرنگن کو دل سے نہیں نکال سکتا۔" بلال نے شدید مجبوری ظاہر کی۔

"پتھر پڑ چکے ہیں تیری عقل پر" خالہ نے سخت بے زار انداز میں اظہار افسوس کیا۔

"بڑے ہیں تمہارے بھائی تم سے؟" وہ پھر اسد کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"جی۔"

"اے بیٹے! تم رہنے والے کہاں کے ہو؟" انہوں نے معلومات کا دائرہ پھیلانا چاہا۔

"بنیادی طور پر ہم افغانی ہیں۔" وہ مسکرا کر حیران سے ہو کر خالہ کو دیکھ رہے تھے۔

"ہاں ہوں گے۔ ماشاءاللہ سرخ و سفید ہو کڑیل ہو اللہ نظر بد سے بچائے۔"

"یہ تعریف آپ کو مہنگی بھی پڑ سکتی ہے۔ اسد بھائی..... ابھی اجو ہوٹل والے کی لڑکی کا مسئلہ موجود ہے۔" بلال نے شرارت سے کہا۔

"کیسی اوندھی سیدھی ہانکتا ہے۔ اجو ہوٹل والے کی لڑکی کے علاوہ کہ ہمدانی صاحب کی پوتی شجاعت علی خان کی بھتیجی بھی موجود ہے۔

اس قدر خوبصورت کہ اندھیرے میں بٹھا دو تو روشنی ہو جائے۔"

"پھر انہیں لاہور بھجوا دیں۔ وہاں لوڈ شیڈنگ بہت زیادہ ہوتی ہے۔ کم از کم دو گھروں میں تو روشنی مستقل رہے گی۔" بلال نے جھٹ مشورہ دیا۔

"دیکھ رہی ہو دلہن۔ ہر بات میں مذاق" خالہ نے سخت برا منایا۔

"ارے خالہ آپ پرواہ نہ کریں۔ اس کی تو عادت ہے۔ باز نہیں آؤ گے بلال....." منزہ نے مصنوعی خفگی سے بلال کو گھورا۔

"نیکی کا زمانہ ہی نہیں ہے مفت مشورہ دیتا ہوں اس لئے قدر نہیں ہے۔" بلال نے چہرے پر غمناکی طاری کی۔

"منگنی ونگنی ہو چکی ہے تمہاری.....؟ وہ تجسس سے بے حال نظر آرہی تھیں۔

"نہیں!" انہوں نے مختصر جواب دیا۔

"کیوں بچے..... کیسی بیوی چاہتے ہو؟"

"میں بتاتا ہوں۔ ایک مرتبہ اسد بھائی نے مجھے بتایا تھا۔

جس کی ناک فرح دیبا کی طرح دانت ڈیانا کی طرح آنکھیں صوفیہ لارین جیسی یا الزبتھ ٹیلر جیتی رنگت مارلن منرو جیسی جسم گریٹا گاربو جیسا عقل ملکہ نور جہاں جیسی..... اور وہ جوڈی کی طرح ایکٹو نظر آتی ہو۔

اسی لئے اسد بھائی شادی نہیں کرتے۔ اسلام میں چھ شادیوں کی گنجائش نہیں ہے کیوں کہ یہ ساری صفات ایک خاتون میں اکٹھی ہونا بہت مشکل ہیں۔" بلال نے مایوسی سے کہا۔

خالہ ہکا بکا بلال کی شکل دیکھ رہی تھیں۔ جو نام اس نے روانی سے بتائے تھے وہ قیامت تک انہیں زبانی یاد نہیں ہو سکتے تھے۔

"اے دلہن..... کیا یہ لڑکیاں اسد میاں کی رشتے دار ہیں.....؟" وہ انتہائی پریشانی سے پوچھ رہی تھیں۔ فرح دیبا اور ملکہ نور جہاں کے علاوہ ہر نام ان کیلئے اجنبی تھا۔

"جی خالہ..... ان کا کائناتی رشتہ ہے اسد بھائی سے۔" بلال نے انتہائی سنجیدگی سے بہن کے بجائے جواب دیا۔

"یہ کون سا رشتہ ہے؟" وہ جھلائیں۔

"یہ آدم اور حوا دونوں کی طرف سے ہوتا ہے۔" بلال نے وضاحت کی۔

"بلال دیکھ میں بہت برداشت کر رہی ہوں..... اگر تو حد سے بڑھا....."

تو اجو ہوٹل والے کی لڑکی سے دو بول پڑھا دوں گی۔" خاور نے شوخی سے خالہ کے جملے میں اضافہ کیا۔

سب کے مشترکہ قہقہے سے ڈرائنگ روم میں زندگی رقصاں ہو گئی۔

"اے میاں..... اب تم بھی اس کے ساتھ مل جاؤ۔" خالہ نے ناراضگی سے خاور کو دیکھا۔

"چھوڑیں خالہ..... آپ اسد بھائی سے نمٹیں۔ یہ تو یونہی مداخلت کرتے رہیں گے۔"

منزہ نے خالہ کی سمت دوسری سمت موڑ دی۔

"اے ہاں میاں..... بات تو تم سے ہو رہی تھی..... تم اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتے ہو؟"

"ماں باپ ان کے ساتھ رہتے ہیں کیوں کے باپ تو ریٹائرڈ آرمی آفیسر ہیں۔ یہ کماؤ پوت ہیں۔"

"کیا ہے بلال.....؟" منزہ نے ٹوکا۔ "بات کرنے دو خالہ کو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خالہ کا موڈ سخت آف ہو گیا تھا۔ خاور نے آنکھ بچا کر اسد کو دیکھا اور مسکرا دیئے۔

''منزہ! بھئی تم نے خالہ کو وہ باسکٹ گفٹ نہیں کی جو اس بار لے کر آیا ہوں میں۔ خالہ بہت خوبصورت باسکٹ ہے۔ ہاتھ سے بنی ہوئی ہے۔ درختوں کی چھال سے تیار ہوتی ہے..... ''پرل ہاربر'' پر ایک ریڈ انڈین خود تیار کر کے بیچتا ہے۔ سیاحوں کو بہت پسند آتی ہیں۔ لے کر آؤ نا منزہ۔'' خاور نے منزہ سے کہا۔

''ابھی لائی۔'' وہ باہر نکل گئی۔ تھوڑی دیر بعد اندر آئی۔ ایک چھوٹی سی ٹوکری اس کے ہاتھ میں تھی۔

''یہ لیجئے خالہ..... خاور کی طرف سے اس مرتبہ کا تحفہ۔''

''بہت خوبصورت ہے یہ ٹوکری' بھلا ہو تمہارا۔ مجھ جیسی ناکارہ عورت کو بھی یاد رکھتے ہو۔'' جذبہ تشکر ان کے لہجے سے ہویدا تھا۔

''ایسے نہیں کہتے خالہ' آپ تو ہماری بزرگ ہیں۔ اور اس کی حیثیت ہی کیا ہے۔'' خاور نے ٹوکری کی طرف اشارہ کیا۔

''میاں.....! تحفہ تو تحفہ ہی ہوتا ہے۔ اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔

خاور میاں! جب تم جہاز لے کر مکے مدینے جاؤ ناں تو مجھے وہ تسبیح ضرور لا کر دینا جو اندھیرے میں چمکتی ہے۔''

''کیوں نہیں..... انشاء اللہ..... بھئی منزہ یاد دلا دینا..... کبھی میں بھول جاؤں تو خالہ کو شکایت ہو۔''

''جیتے رہو..... بھاگ لگے رہیں۔''

''خالہ..... مجھے کتنی ''ٹوکریوں'' کے عوض دعا ملے گی.....'' بلال کو پھر گدگدی ہوئی۔

''تو نے قسم کھانا ہو گی ''فرنکن'' سے شادی نہیں کرے گا' تب ہی دعائیں دوں گی۔ ارے ان کی طرف لڑکے نہیں ہیں جو ہم اپنے بھی دے دیں۔ کیسی چالاک قوم ہے' نوکریاں دے کر گھر داماد بلکہ ''ملک داماد'' بنا لیتی ہیں۔

اسد میاں' تم فکر ہی نہ کرو۔ ایسی لڑکی دکھاؤں گی۔ شادی کرتے ہی بنے گی۔''

منزہ ہنسی ضبط کرتے ہوئے باہر نکل گئی مبادا خالہ اسے ہنستے ہوئے دیکھ لیں اور ناراض ہو جائیں۔

جب کہ تین مردانہ قہقہے اس کے تعاقب میں آئے تھے۔

رونے کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔

(اس کائنات میں ہر شے کی حد ہے سوائے خدا کے۔

انسان کا ذہن اس کی پیمائش میں قرنوں تک پھیل جائے' وہ دوسری بات ہے)

رو رو کر گویا سوتے بھی خشک ہو گئے تھے۔

ایسے حالات میں بھوک پیاس تو کیا لگے گی۔

اس کی کیفیت اس قیدی کی طرح تھی جسے منہ اندھیرے پھانسی لگنے والی ہو۔

اور وہ رات کا ایک ایک پل آنکھوں میں کاٹ رہا ہو۔

ہر چہرہ' ہر منظر۔

حتیٰ کہ در و دیوار۔

مکڑی کے جالوں سے اٹی چھت۔

ٹھہرا..... بے ڈھب سا فرش۔

اس طرح دیکھ رہا ہو گویا یہ سب نوادرات ہوں۔

یہ احساس کہ اب یہ بے مایہ چیزیں تک منظر سے ہٹ جائیں گی۔

امید و بیم کی کوئی کرن۔

کسی معجزے کا متوہی خیال۔

خالات کے حق میں ہونے کا معمولی سا واہمہ بھی جسے چھو کر نہیں گزرتا۔

اس نے چھت سے لٹکتے پنکھے کو معنی خیز انداز میں دیکھا۔

اسی دم لائٹ چلی گئی۔ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں عجیب سے سائے تیرتے نظر آنے لگے۔

''امی.....!'' اس نے دہشت زدہ ہو کر پوری قوت سے چیخ ماری تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کمرے کے اندر کوئی چٹخنی نہیں تھی اس لئے وہ اندر سے بند نہیں کر سکتی تھی۔

چٹخنی کا نشان البتہ موجود تھا جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ چٹخنی وہاں سے اکھاڑ دی گئی ہے لہٰذا جب وہ اندر داخل ہوا تو وہ نیچے پڑی دکھائی دی۔ صوفے سے سر ٹکا ہوا تھا۔ ہاتھ پاؤں پھیلے ہوئے تھے۔

ایک لمحے کو تو اس کے ہاتھوں کے طوطے واقعی اُڑ گئے۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے اس کی سمت آیا تھا۔ چوڑیوں سے بھری کلائی تھام کر نبض محسوس کی۔

سینے کے دھیمے دھیمے زیر و بم کو محسوس کیا تو حواس بحال ہوئے۔ ''تھینکس گاڈ.....'' اس نے رکا ہوا سانس خارج کیا۔

آگے بڑھ کر پانی کا جگ اٹھایا اور اسے ہوش میں لانے کی تدابیر کرنے لگا۔ کتنی بکھری بکھری اُجڑی اُجڑی لگ رہی تھی۔

کل کتنی پور پور سے سجی ہوئی تھی اور اب دوپٹہ کہیں تھا۔ خود کہیں۔ ڈھیلی چوٹی سے بال نکل رہے تھے۔ سونے کی جھمکیوں کے سہارے..... بے سہارے سے ادھر ادھر جھول رہے تھے۔ ہونٹوں پر شاکنگ پنک لپ اسٹک کا نشان موجود تھا۔ وہ بہت اپنائیت مگر فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

کافی کوششوں کے بعد اس کے ہونٹوں میں جنبش ہوئی۔ ایک کربناک سی سسکاری اس کے ہونٹوں سے آزاد ہوئی..... ''آہ۔''

''شہوار.....!'' احسن نے آہستگی سے اس کے رخسار تھپتھپائے۔

اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں اور اس سے یوں دور ہٹی جیسے کوئی متعدی مرض میں مبتلا ہو۔ اس کا چہرہ ستا ہوا اور آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ اس نے دوپٹے کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر دوپٹہ خاصی فاصلے پر تھا۔ وہ سٹ کر بیٹھ گئی تھی۔

احسن نے دوپٹہ خود اٹھا کر اس کی طرف اچھال دیا اور گھٹنوں پر زور دے کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''اٹھو منہ ہاتھ دھولو۔ میں تمہارے لئے چائے بناتا ہوں۔''

وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

''مجھ پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش فضول ہے کہ تم ایک باحیا اور مشرقی لڑکی ہو اور جذبات دبانے کی پریکٹس اس مشرقی عورت کو خوب ہوتی ہے..... پارسائی کے جھنڈے گاڑنے کی یہ عورت جتنی شوقین ہوتی ہے جانتا ہوں۔

لیکن جس میں ذرا سی بھی عقل ہو وہ جانتا ہے کہ جذبات میں مرد و عورت ایک سے ہوتے ہیں۔ محض اظہار کرنے اور نہ کرنے کا فرق ہوتا ہے۔

میں ایمان لایا تمہاری پارسائی پر بابا..... اب اٹھ کر منہ ہاتھ دھولو۔''

اس کی زبان سے گویا انگارے جھڑ رہے تھے اور جھلاہٹ نمایاں تھی۔

وہ خاموشی سے اس کی تقریر سن رہی تھی۔ اس کی بات مکمل ہونے پر بھی اس نے کوئی حرکت نہیں کی۔

''میں تمہیں اٹھا کر باتھ روم میں بھی لے جا سکتا ہوں اور منہ ہاتھ بھی دھلا سکتا ہوں۔'' اس نے گویا دھمکی دی۔

وہ خوف زدہ سی ایک دم کھڑی ہو گئی اور ادھر اُدھر باتھ روم کا دروازہ تلاش کرنے لگی۔

''یہ بیڈ روم نہیں ہے ڈرائنگ روم ہے..... آؤ میرے ساتھ۔'' اس مرتبہ اس کے لہجے میں نرمی تھی۔

وہ اس کے ہمراہ باہر نکل گئی۔ اب وہ کوئی خطرہ مول لینے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ احسن کا مضبوط وجود اسے اپنی

اوقات کا احساس دلا رہا تھا۔ وہ اسے لے کر ساتھ کے کمرے میں چلا گیا اور آگے بڑھ کا دروازہ کھولا۔ اسے باتھ روم میں جانے کا اشارہ کیا۔

''دیکھو.....!'' اس نے شہوار کو مخاطب کیا۔

وہ رک گئی..... مگر چپ نہ ٹوٹی۔

''زیادہ عقلمندی دکھانے کی کوشش کرو گی تو بہت پچھتاؤ گی۔ اگر پچھتانے کیلئے تم نہ رہیں تو باقی گھر والے تو ہیں۔ مجھے آزمانے کی کوشش تمہیں بہت مہنگی پڑے گی۔''

وہ باتھ روم کے دروازے سے ہٹ گیا اور بیڈ پر بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔

وہ خاصی دیر واش بیسن کے سامنے کھڑی اشک بہاتی رہی پھر ایک دم چونک کر دروازے کی سمت دیکھا اور جلدی جلدی منہ پر چھینٹے مارنے لگی۔

باتھ روم میں تولیہ موجود نہیں تھا۔ وہ پانی سے بھیگے چہرے کے ساتھ باہر آ گئی اور اسے سامنے بیٹھے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

اس کا خیال تھا کہ وہ اپنے کہنے کے مطابق چائے بنا رہا ہو گا۔

بھیگے بالوں کی لٹیں رخساروں پر چپکی ہوئی تھیں۔ پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ وہ اس کی اگلی ضرورت بھانپ گیا۔

''تولیہ یہاں وارڈ روب میں ہے۔'' (اف خدایا! کس قدر انتظام کر رکھا تھا؟) وہ اسی طرح خاموشی سے وارڈ روب کی سمت بڑھ گئی۔

''ویسے تو یہ دامن بھی حاضر ہے..... مگر.....'' وہ معنی خیز انداز میں مسکرا کر چپ ہو گیا۔

اس نے نیوی بلیو شلوار سوٹ پہنا ہوا تھا۔ کل کے مقابلے میں زیادہ نک سک سے تیار نظر آ رہا تھا۔

اس نے وارڈ روب کے پٹ کھول کر تولیہ تلاش کیا جو آخر کار مل گیا۔ تولیے کیلئے احسن نے کوئی نشان دہی نہیں کی تھی بلکہ اس کی تلاشی کو دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

''تم نے خاصا تکلیف دہ لباس پہنا ہوا ہے۔ الجھن ہو رہی ہو گی۔'' اس نے شہوار کے بھاری کامدار سوٹ کو ناقدانہ انداز میں دیکھا

''تم میرا کوئی شلوار سوٹ پہننا چاہو تو پہن لو..... دوپٹہ البتہ تمہیں نہیں مل سکے گا۔ ویسے بھی میرے سامنے دوپٹے کا تکلف ضروری نہیں۔''

وہ خاموش رہی۔

''تمہیں میرے کپڑے استعمال کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ یوں بھی اللہ کا فرمان ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہیں۔ میرے کپڑے بڑے ضرور ہیں مگر تمہیں یہاں دیکھنے کون آ رہا ہے۔ شام تک کپڑے لے آؤں گا تمہارے ناپ کے ایزی قسم کے۔ او کے.....؟''

وہ بول رہا تھا مگر شہوار کی چپ نہ ٹوٹی تھی۔

''اگر تم چپ رہنے کی قسم کھا کر گونگی بننے کا بہروپ بھی بھر رہی ہو تو بھی مجھے منظور ہے۔''

وہ خشک انداز میں کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس نے اپنی حقیقت محسوس کر لی تھی۔ اس لئے مزید بگاڑ..... کے خدشے سے مزاحمت نہیں کی۔

وہ سوچ رہی تھی وہ اس کے کہنے پر عمل کر کے اس میں لچک پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائے گی اور اپنی بات منوانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے قابل ہو جائے گی۔ اس لئے اس نے ہر قسم کی مزاحمت موقوف کر دی تھی۔ وہ اسے لے کر کچن میں چلا آیا اور چائے بنانے لگا۔

اشک تو عام دنوں میں بھی اس کی پلکوں پر فوراً چپکنے لگ جاتے تھے۔ اب تو صورت حال بہت مشکل تھی۔ وہ اس کی جانب سے پشت کئے چائے بنانے میں مگن تھا۔ وہ بے آواز اشک بہا رہی تھی بلکہ وہ خود ہی بے اختیار بہہ رہے تھے۔

وہ بیماری کا مدانی کے دوپٹے سے برابر انہیں صاف بھی کر رہی تھی۔

معاً وہ پلٹا..... اسے آنسو بہاتے دیکھ کر ایک لمحے کو ٹھٹکا۔ پھر خاصے استہزائیہ انداز میں مسکرایا۔

"درشہوار.....! عجیب بے وقوف سی لڑکی ہو۔ آنسو بہانے میں مصروف ہو گئیں۔ یہ تمہارے دائیں جانب تیز دھار کا چاقو رکھا تھا۔ اسے اٹھا کر میری پشت میں گھونپ دیتیں۔ کتنا اچھا موقع ضائع کر دیا۔"

وہ شاید رات بھر سویا نہیں تھا' اس کی آنکھوں سے سرخی چھلک رہی تھی۔ جس سے شہوار کو مزید خوف محسوس ہو رہا تھا۔

اس کی بات پر بھی اس نے ایک لفظ منہ سے نہیں نکالا۔ حلق میں تو آنسوؤں کے گولے پھنس رہے تھے۔ بولتی کیونکر.....؟

دو کرسیاں اور چھوٹی سی ٹیبل ایک کونے میں سیٹ تھیں۔ اس نے چائے کے دو کپ اور کچھ لوازمات ٹیبل پر رکھ کر اس کی سمت دیکھا۔

"چائے نوش فرمایئے۔" وہ اس کے انتظار میں کھڑا نہیں رہا بلکہ کہتے ہوئے بیٹھ بھی گیا۔

وہ اسی طرح کھڑی رہی..... ہونٹ کاٹتی رہی۔

"آخر تمہیں یہ شوق کیوں ہے کہ میں تمہیں چھو چھو کر تمہاری خدمتیں کروں.....!" وہ جیسے برس پڑا۔ وہ دہل کر آگے بڑھ آئی اور اس کے مقابل کرسی پر بیٹھ گئی۔

"چائے میں شکر نہیں ہے' اپنی پسند سے شامل کرو۔" وہ ایک کیک پیس منہ میں لیتے ہوئے بولا اور بغور اس کی صورت دیکھنے لگا۔

شہوار کیلئے اس کا اس طرح دیکھنا ناقابل برداشت سا تھا۔ جب کہ درمیان میں فاصلہ بھی زیادہ نہیں تھا۔

"آپ مجھے اس طرح نہ دیکھیں....." وہ رندھی ہوئی آواز میں گویا ہوئی۔

"پھر کس طرح دیکھوں.....؟" وہ بے ساختہ مسکرا دیا تھا۔ یہ پہلی سادہ سی مسکراہٹ تھی۔

"چلو..... کفر تو ٹوٹا خدا خدا کر کے۔ مجھے کیا علم تھا کہ جو کام میری زبان نہیں کر سکتی' وہ نگاہیں کر سکتی ہیں۔"

اس نے واقعی اس کی طرف دیکھنا ترک کر دیا اور چائے کا کپ اس کی سمت کھسکا دیا۔ چاروناچار اس نے کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔ پھیکا اور تلخ ذائقہ۔ اس نے کپ ایک دم ٹیبل پر رکھ دیا۔

"میں کہہ چکا ہوں کہ آپ کی چائے میں شکر نہیں ہے۔" وہ نظریں بدستور جھکائے چائے کے گھونٹ بھر رہا تھا۔ شہوار نے چائے میں شکر ڈال کر چمچ ہلانا شروع کیا تو چلاتی چلی گئی۔

"شکر ملائی جا رہی ہے یا حلیم گھوٹا جا رہا ہے۔" بالآخر اسے ٹوکنا پڑا۔

وہ ایک دم رک گئی اور چائے کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھرنے لگی۔

"کچھ کھاؤ بھی..... میں نے تو کل شادی کا کھانا بھی نہیں کھانے دیا۔" احسن نے کیک پیس کی پلیٹ کھسکائی۔ ایک عجیب سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر رقصاں تھی۔

اس نے جھٹ ایک ٹکڑا اٹھا لیا۔

احسن نے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"مجھے اس تابعداری سے خطرے کی بو آ رہی ہے۔ یقیناً چائے پی کر تم مدعا بیان کرو گی۔" وہ اسے اب نظروں سے پھر لینے لگا تھا۔

وہ خاموشی سے چائے پیتی رہی۔

"بعض لوگوں کی بیویاں پیدائشی گونگی ہوتی ہیں پھر بھی اچھی گزر بسر ہو جاتی ہے۔ اس لئے تمہاری خاموشی میرے مسئلہ نہیں بن سکتی۔"

وہ اس کا شوہر ہی نہیں سگا خالہ زاد بھائی بھی تھا۔ رشتوں کے جال اس کی کسی فیصلہ کن سوچ کو آزاد ہونے ہی نہیں دے رہے تھے۔ کہ وہ پیالی ہی اس پر کھینچ مارتی یا کوئی اور چیز۔ احسن سے اس کا رشتہ درد رشتہ تھا۔

پہلے وہ اس کا خالہ زاد پھر محبوب اور پھر شوہر تھا۔ اگرچہ وہ عمر میں اس سے تقریباً دس گیارہ برس بڑا تھا مگر یہ حقیقت تھی اس نے اسے دل دیا تھا۔

وہ چائے کا کپ رکھ کر ہاتھ گود میں رکھ کر گم صم بیٹھی تھی۔

"کیا رات ڈر لگا تھا....." وہ پوچھ رہا تھا۔

اسے رات کا منظر یاد آ گیا..... تو جھرجھری سی آ گئی۔ اس نے ایک لمحہ کو اس کی سمت دیکھا مگر کچھ نہیں بولی۔

"آؤ کمرے میں چلتے ہیں۔" احسن کا لہجہ اب بالکل ہموار تھا۔

"میں نہیں جاؤں گی۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں قطعیت سے بولی۔

"تو میں لے جاؤں گا۔" وہ اس کی سمت بڑے جارحانہ انداز میں بڑھا۔ وہ ایک دم لرز کر کھڑی ہو گئی۔

"احسن.....! یہ اتنا بڑا ظلم ہے کہ کوئی حد نہیں۔" وہ پھر رو دی۔

"دیکھو شہوار.....! یہ واحد اور آخری راستہ تھا۔ اگر مجھے یہی سب کرنا ہوتا تو میں چار آدمی تمہارے دروازے پر لے کر حملہ کرنے کیوں پہنچتا؟

اگر میں عدالت کا دروازہ بھی کھٹکھٹاتا تو میری مدد کی جاتی اور لیڈی پولیس کی مدد سے تم میرے حوالے کی جاتیں۔ محلہ یہ کارروائی ملاحظہ کرتا۔

مجھے انتہائی راستوں پر لانے والے یہی میرے اور تمہارے بڑے ہیں۔ اس میں میرا یا تمہارا کوئی قصور نہیں۔"

"ہمیں ان کی عزتیں اچھالنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔" وہ ترشی سے گویا ہوئی۔

"اور انہیں ہمیں برباد کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

کیا تھا جو خالہ جان اور خالو جان مجھے سے حقیقت حال معلوم کرنے کوشش کرتے۔ ان کیلئے میرے باپ کا جملہ سند کی حیثیت رکھتا ہے۔

اور ان کی نظروں کے سامنے گزرے ہوئے میرے ماہ و سال کچھ حیثیت نہیں رکھتے.....؟ ایسے عاقبت نااندیشوں کو ایسے فیصلہ کن قسم کے لوگ چاہئیں۔ آدھے ہوش تو ٹھکانے آ چکے ہوں گے۔ کان کھول کر سن لو شہوار۔

اگر تم اسی طرح مزاحمت کرتی رہی تو تمہارے گھر کا ایک ایک فرد خوشی کا نام تک سننے سے محروم ہو جائے گا۔

میں کشتیاں جلا چکا ہوں۔ مجھے آزماؤ گی تو پچھتاؤ گی۔ میری طرف سے تم کمرے میں جاؤ یا نہ جاؤ۔ یہاں بیٹھو یا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسٹور میں..... اس چہار دیواری سے باہر کی دنیا اب تم پر بند ہے۔ اگر تم خود کو نقصان پہنچا کر اپنی ذات سے مجھے محر
کرنے کی کوشش کرو گی تو میں تمہارے گھر کے ایک ایک فرد پر زندگی حرام کر دوں گا۔"

وہ بری طرح گرج رہا تھا۔

"میں رات سے سویا نہیں۔ سونے جا رہا ہوں۔ مجھے ڈسٹرب کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ البتہ یہ چھری' چاقو موج
ہیں۔ مجھے ان کی مدد سے سوتے میں ہلاک کیا جا سکتا ہے۔"

وہ طنزیہ مسکرایا..... وہ اس کی جڑوں سے واقف تھا کہ وہ کیا کر سکتی ہے اور کیا نہیں.....

"اس وقت تو تم پر میکہ سوار ہے۔

میں تو تمہیں پچھلی محبتوں کے واسطے دے کر بھی رام نہیں کر سکتا۔ اور ہاں جس راستے سے تمہیں گھر میں لایا تھا وہ گھ
پچھلا حصہ ہے۔ اگلا حصہ ڈرائنگ روم کے ساتھ ہے۔ راستے بتا دیئے ہیں اور اختیار دے دیا ہے..... نیلوفر' امین' عم
دانیال' نوفل اور دوسرے لوگوں کے مستقبل کا انحصار تمہارے ہی کسی اقدام سے وابستہ ہے۔"

وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

وہ کیا کہہ کر گیا یہ تو بعد کی بات تھی۔ اسے تو اپنے بہن بھائیوں کے ناموں ہی نے خلجان میں مبتلا کر دیا تھا۔

"میں تمہیں جان سے مار ڈالوں گی احسن!" وہ فرش پر بیٹھ گئی' گھٹنوں میں چہرہ چھپا کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"بہت شوق سے..... میں اس کا بھی انتظام کر چکا ہوں۔ میری درخواست پولیس اسٹیشن میں موجود ہے کہ میری جا
کو خطرہ لاحق ہے۔ شک کی بنیاد پر آپ محترمہ کے گھر والوں کے نام اور پتے وہاں موجود ہیں۔ احتیاطاً بتانے آ گیا ہوں
سخت نیند آ رہی ہے۔ امید ہے اب مجھے مزید پریشان نہیں کرو گی۔"

وہ اندر آ کر بات مکمل کر کے واپس اسی تیزی سے باہر نکل گیا۔

وہ ششدر سی بیٹھی اس کے دور ہوتے قدموں کی آواز سن رہی تھی۔

وہ خاموش و ساکت بیٹھے بیٹھے ایک دم چونک گئی۔

کیا کرنا چاہئے.....؟

کیا ہو گا؟

گھر والوں کی کیا کیفیت ہو گی؟

ایک تواتر سے سوالات ذہن میں اُبھرے۔

مگر وہ کسی قسم کا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتی تھی۔ خواہ اس گھر کے دروازے کھلے ہوں یا دیواریں تک گری ہوں
اس طرح آرام سے اسے کچن میں بیٹھ کر سو نہیں سکتا۔ یقیناً اس کے ذہن میں پورا پروگرام مرتب ہے۔

وہ سوچتی ہوئی باہر نکل آئی۔

نیم تاریک راہداری سے گزرتے ہوئے اس نے ادھ کھلے دروازے سے جھانکا۔

وہ ایک تکیے کو بھینچے غافل سو رہا تھا۔

کمرا نیم تاریک تھا۔

اس کے سونے کا انداز بتا رہا تھا وہ ایک دم غافل ہے۔

اس سوچ کے ساتھ ہی اس کے وجود میں توانائیاں بارش بن کر برسیں۔

وہ دبے پاؤں پچھلے دروازے کی سمت آئی۔

دو کلو وزنی تالا اس میں جھول رہا تھا۔

وہ دیوانہ وار مین گیٹ کی سمت دوڑی۔ اس سے بڑا تالا وہاں جھول رہا تھا۔

اس نے اس بلند و بالا تعمیر شدہ گھر پر ایک شکستہ نظر ڈالی۔

میں فرار ہونا بھی چاہوں تو احسن تمہاری پہنچ سے دور تو پھر بھی نہیں..... ایک ہی حل ہے کہ تم سے دوستی کی جائے۔

اور امن کے ساتھ علیحدگی ہو'

کہ میں اپنی روایات کی دھجیاں اُڑانے کو قطعی تیار نہیں۔

چند منٹ وہ کھڑی سوچتی رہی۔

خدا نہ کرے وہ اس وقت کسی نامحرم کے ساتھ تنہا نہیں ہے۔ وہ جو یہاں موجود ہے۔ ایک زمانے کو گواہ بنا کر اس کا ہوا
ہے۔

اگر میں مر بھی جاؤں تو یہ اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔ میرا پورا گھر خاک کر دے گا۔ میں جانتی ہوں کہ میں اس کی
یوں کی بھی گواہ ہوں۔

بھڑکتے شعلوں کو ہوا دینے میں میرا ابھی کم ہاتھ نہیں۔

میں اسے محبتوں کا واسطہ اور یقین و امید کے دلاسے دوں گی۔ وہ مان جائے گا۔ اس کی یہ انتہا پسندی اس کی محبت ہی کا
ظہار ہے۔

وہ اس کے کمرے میں چلی آئی۔ اب اس کے دل میں خوف و واہموں کی جگہ خوش امیدی نے لے لی تھی۔ وہ
ڈریسنگ روب سے اس کی شلوار قمیض نکال رہی تھی۔

ایسے انتہا پسندوں سے نمٹنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ ان سے مفاہمت کی جائے۔ میری اکڑ و تیزی کچھ کام
نہ سکے گی۔ اس نے تجزیہ کر لیا تھا۔

وہ تجزیہ کر سکتی تھی کہ ایک دو سال سے نہیں وہ برسوں سے اس کے قریب رہی ہے اور جو قریب رہتا ہے وہی زیادہ جانتا
ہے۔

اس کا سیاہ شلوار سوٹ زیب تن کر کے اس نے بال سلجھائے۔ زیورات اتار کر اس نے وارڈ روب میں رکھ دیئے
تھے۔

بالوں کو سلجھا کر ڈھیلا سا جوڑا بنایا۔ آستینیں ہاتھوں سے باہر لٹک رہی تھیں تو اس نے کہنیوں تک فولڈ کر لیا تھا۔

کمرے میں ڈریسنگ ٹیبل ہی نہیں تھی۔ اس لئے وہ اپنا سراپا دیکھنے سے قاصر تھی' قمیض البتہ وہ ٹخنوں تک پہنچتی دیکھ
تھی۔

احسن نے اپنے کپڑے اسے استعمال کرنے کا مشورہ دیا تھا اور اس نے یہ سوچ کر عمل کیا تھا کہ اس کا یہ عمل احسن میں
ہمدردی پیدا کر دے گا اور وہ اس پر رحم کرنے کو تیار ہو جائے گا۔ وہ اس عجیب و غریب حلیے میں کافی دیر وہ ادھر اُدھر پھرتی
رہی تھی۔

شاید وہ چار گھنٹے سویا ہو گا۔

وہ بغیر پلاستر والے لاؤنج میں اسٹول پر سوچوں میں گم بیٹھی تھی اور حالات کا مقابلہ کرنے کیلئے خود کو تیار کر رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے سامنے موجود پا کر ہڑبڑا کر کھڑی ہوگئی۔

احسن کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ اور آنکھوں میں نہ جانے کیسا تاثر تھا کہ وہ نگاہیں جھکانے پر مجبور ہوگئی۔

''شاباش'' اس کی بھاری آواز ابھری۔ ''شوہر کو خوش رکھنے والی بیویاں جنتی ہوتی ہیں۔''

اپنے سیاہ شلوار سوٹ میں اسے ملبوس دیکھ کر وہ واقعی بے ساختہ مسکرا دیا تھا۔ بھاری کامدانی کا آتشی گلابی دوپٹہ اس نے اس مردانہ سوٹ پر ہنوز اوڑھ رکھا تھا۔

''کپڑے تو اور رنگوں میں بھی تھے۔ یہ تم نے سیاہ سوٹ کا انتخاب کس ''غم'' میں کیا ہے؟''

''کمرے میں اندھیرا سا تھا۔ کچھ صاف دکھائی نہیں دے رہا تھا۔'' وہ آہستگی اور رسانیت سے بولی۔

''اوہ.....!'' وہ اس کے مفاہمت آمیز رویے پر چونکا۔

''ویسے تمہیں سیاہ رنگ نہیں پہننا چاہئے تھا۔ آج تو ہم اپنی نئی زندگی کی پہلی شب پہلی بار ایک ساتھ گزاریں گے۔''

اس کی گھمبیر آواز ابھری۔ اس کی ٹانگیں لرزنے لگیں۔

دل حلق کے راستے باہر آنے کے جتن کرنے لگا۔

''خیر کوئی بات نہیں' میں ابھی بازار سے تمہارے لئے اور کپڑے لاؤں گا تو ایک عروسی جوڑا بھی لے آؤں گا۔ ٹھیک ہے؟ تم دیکھ لو میں نے ابھی تک کسی بے ضابطگی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ خاصا اصول پسند واقع ہوا ہوں۔ تمہیں تو بھوک لگ رہی ہوگی۔ ہوسکتا ہے شاپنگ میں کچھ دیر ہو جائے۔ اسنیکس وغیرہ موجود ہیں تب تک کام چلا لینا۔ او کے۔''

اسے محسوس ہوا پاؤں پڑنے کیلئے یہ وقت موزوں نہیں۔ اسے احسن کی واپسی کا انتظار کرنا چاہئے۔ خدا معلوم کتنی دیر باہر رہے گا۔

ادھر گھر میں گھر والوں پر قیامت ٹوٹ پڑی ہوگی۔ چیختی ہوں تو یہ مزید ہتھے سے اکھڑ جائے گا۔ خاموش رہتی ہوں دیر ہو رہی ہے۔

''کیا سوچ رہی ہو.....؟'' وہ بغور دیکھ رہا تھا۔

اس نے نفی میں گردن ہلائی گویا کہہ رہی ہو۔ ''کچھ نہیں۔''

''ویسے مجھے تم سے یہی امید تھی۔ یونہی محبت کرتی رہو۔ جان بھی حاضر ہے۔'' وہ مسکرا کر آگے بڑھ گیا۔

''خالہ.....!''

''ہاں میرے بچے.....!''

''میں سوچ رہا ہوں جرمنی چلا جاؤں۔''

''وہاں کیا بٹ رہا ہے؟'' خالہ کا ڈولا ایک دم ہوا ہوگیا۔

''وہاں ایک سب سے بڑی آسانی میسر ہے۔''

''ناک سے کھاتے ہیں۔'' وہ جل کر بولیں۔

''یہ کوئی آسانی ہے' یہ تو بہت مشکل کام ہے۔''

''پھر.....؟''

''وہاں نوکری اس شرط پر ملتی ہے کہ وہاں کی لڑکی سے شادی کرو۔''

''توبہ استغفار..... اے دیکھو کیا ڈھنگ ہیں لڑکیاں بیاہنے کے۔

دیکھ لو دلہن..... یہاں ماں باپ نہیں کر سکتے' وہاں حکومتیں کرا رہی ہیں شادیاں..... اور یہاں کا یہ حال کہ تین تیرہ بارہ ..... خاندان والے ہی شادی نہیں ہونے دیتے۔ ایک بچی بیٹھی ہے رشتہ نہیں آ رہا۔

اچانک ایک دن کسی خالہ کی پسلی پھڑکی اور وہ اپنے ہونہار کا سوال لے کر پہنچ گئیں۔ یہ خالو کو جاتے دیکھا تو ان کی بحث پھوپھی بھی راج دلارے کا رشتہ لے کر پہنچ گئیں۔

اب لڑکی کی ماں پریشان' کسے ہاں کروں اور کسے ناں۔ اس کو ناں کہوں تو وہ ناراض۔ اس کو ہاں کروں تو وہ ناراض۔

وہی مثل ہوگئی۔ بلی نے پنجہ مار کر دودھ گرا دیا۔ نہ پیا نہ پینے دیا۔ آپس میں اتفاق ہو تو کسی کی بچی بیٹھی نہ رہے اور نہ کے باہر شادی کرنے کا سوچیں۔

دلہن! تمہارے خاندان میں کیا لڑکیاں نہیں ہیں.....؟''

خالہ اصغری نے منزہ کی جانب روئے سخن کیا۔

''ماشاءاللہ بہت ہیں۔'' اس نے ویکیوم کلینر کا سوئچ آف کیا تاکہ خالہ کی بات توجہ سے سن سکے۔

''تو کیا اچھی نہیں ہیں.....؟'' وہ الجھیں۔

''نہیں خیر۔ بہت اچھی اچھی لڑکیاں ہیں۔''

''تو تم یہ کر دو دلہن.....! بلال کو کسی کھونٹے سے باندھ دو' پہلی فرصت میں۔ تمہارے اپنے ہی خاندان کا ایک مسئلہ کم ہو ۔''

''یہ مانتا ہی نہیں۔ میں یا امی کیا کر سکتے ہیں.....'' اس نے محبت سے بھائی کو دیکھا۔

''نہیں مانتا..... خوب کہی..... لگا دو دو جوتے' اس کے تو اچھے بھی مانیں گے۔'' وہ ناراضگی سے گویا ہوئیں۔

''یہاں کی لڑکیاں میرے معیار پر پوری نہیں اترتیں خالہ.....!'' وہ شریر ہوا۔

''ارے کچھ خدا کا خوف کر بلال.....! تیری جاگیر میں سورج غروب نہیں ہوتا یا من و سلویٰ اترتا ہے تیرے گھر ۔'' اسی دم فون کی گھنٹی بجی۔

بلال نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا۔ ''ہیلو..... جی..... السلام علیکم!''

''جی..... آنٹی.....! وہ تو ہمارے نزدیک ہی رہتی ہیں بلکہ اس وقت تو گھر میں موجود ہیں..... ارے غضب خدا کا' پ آپی سے نہ کہئے گا۔''

منزہ نے الجھی ہوئی نظروں سے بلال کی سمت دیکھا۔

''کس کا فون ہے بلال.....؟''

''رابعہ آنٹی کا.....'' اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر بہن کو جواب دیا۔

''ہر کسی کے ساتھ ایک سے انداز میں شروع ہو جاتے ہو۔ کچھ خیال کیا کرو۔'' اس نے بلال کو تنبیہ کی۔

''اے کون ہیں یہ رابعہ آنٹی..... سسرالی رشتے دار ہیں تمہاری.....؟'' خالہ نے دونوں بہن بھائی کے درمیان قطع می کی۔

''اسد بھائی کی امی ہیں خالہ!'' منزہ نے فطری شائستگی سے خالہ اصغری کو جواب دیا۔

''اے بلال..... ذرا میری تو بات کرا دے بیٹے.....! مجھے تو ان سے بہت ضروری ملنا ہے۔'' خالہ کا جوش و خروش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیدنی تھا۔

"آنٹی..... خالہ موجود ہیں۔ لیجئے' بات کیجئے۔ وہ بھی آپ سے بات کرنے کیلئے بے چین ہیں۔"

"سلام علیکم بہن.....!"

"کیسی ہیں آپ.....؟" اے بس بہن موسم ہی ایسا ہے۔ آپ کا بچہ..... ماشاء اللہ لاکھوں میں ایک۔ اللہ نظر بد بچائے۔

بلال نے بتایا تھا.....؟ اے یہ بلال بڑا نیک اور خیر خواہ بچہ ہے۔ دوسروں کے دکھ درد اپنے سمجھتا ہے۔"

منزہ..... سخت الجھن میں نظر آ رہی تھی۔

"کیا بتایا تھا تم نے آنٹی کو.....؟ وہ بلال سے پوچھ رہی تھی۔

"کچھ نہیں..... بس خالہ کا تعارف کرایا تھا۔ پرسوں جب حلیم پہنچانے گیا تھا تو آپ کا پکا ہوا خاص تحفہ....."

"کوئی کام کرتے' کوئی بات کہتے ذرا سوچ بھی لیا کرو۔" منزہ نے ڈانٹا۔

"اب آنٹی خالہ سے ملاقات کر کے اسد بھائی کے لئے موزوں لڑکی کا پتا لیں گی..... تمہیں معلوم ہے خالہ کا احباب.....؟ اسد بھائی کے اپنے خاندان میں ایک سے ایک لڑکی موجود ہے۔ خوامخواہ کسی کا ٹائم ضائع ہوگا۔" منزہ بلال سے ناراضگی کا اظہار کیا۔

"وہ تو آپی....."

"بس چھوڑو..... اب ان کے کام بھی آنا۔ اگر اسد بھائی قابو ہیں نہ آپائیں تو تم خالہ کے کام آ جانا۔"

وہ خفگی سے کہہ کر..... پھر ویکیوم کلینر کارپٹ پر چلانے لگی۔

"سچ آپی..... آنٹی خود بھی سیریس ہیں۔ میں نے کوئی کنوینسنگ نہیں کی۔ یوں ہی تذکرہ کیا تھا۔" بلال سے منہ ناراضگی ایک لمحے کو برداشت نہیں ہوتی تھی۔

"اب وقت طے کر کے ملاقات تو کرانا ہوگی..... بات جو آگے بڑھا دی ہے۔ چودھریوں' ٹھاکروں' جاگیردا میں اسد بھائی شادی کریں گے نہیں۔

اجو ہوٹل والے ان کے معیار سے نیچے آ جائیں گے۔ وقت برباد ہوا یا نہیں.....؟ وہ بلال سے پوچھ رہی تھی۔

خالہ ابھی تک ریسیور کے سنگ سنگ جھول رہی تھی۔

خوب لہک لہک کر "ٹھیک کہا۔ بہت اچھے..... آپ کے کیا کہنے۔"

جیسے الفاظ تھوک کے بھاؤ اگل رہی تھیں۔

خلاف معمول شیخ رحیم الدین آج دوپہر ایک بجے ہی وارد ہوئے تھے۔

شکیلہ نے طاہری اور دہی کا رائتہ دوپہر کے کھانے پر بنایا تھا۔ وہ سب کھا پی کر ظہر کی نماز کی تیاریوں میں مگن تھ باپ کو خلاف معمول جلد گھر میں دیکھ کر کونے کھدروں میں گھسنے لگی تھیں۔"

"خیر تو ہے۔ آج جلدی کیسے آ گئے؟" صفیہ آگے بڑھیں۔

"گھر ہے میرا' جب چاہے آ سکتا ہوں۔" وہ حسب معمول الٹ کر بولے۔

صفیہ خاموش ہو گئیں اور کھانا لینے چل دیں۔

"کہاں جا رہی ہو.....؟ ادھر آؤ۔"

وہ ٹھٹک کر رک گئیں۔

"جی....." وہ قریب آئیں۔

"مغرب کے بعد انعام علی چار آدمی لے کر آ رہا ہے' نکاح کر رہا ہوں شکیلہ کا۔ کھانے پینے کا بندوبست کر لو۔"

صفیہ پر جیسے گویا پہاڑ سا ٹوٹ پڑا۔

پھٹی پھٹی آنکھوں سے شیخ صاحب کو دیکھنے لگیں۔

"سالم نگلو گی۔ ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔ کیا انہونی ہو رہی ہے.....؟" وہ بگڑ کر بولے۔

"آپ کی موجودگی کسی انہونی سے کم ہے کیا۔ جو آپ نے صادر فرمایا' اس کی تعمیل نہیں ہوگی۔"

وہ جیسے ہوش میں آ کر غضبناک ہو کر بولیں۔

"یہ تو وقت بتائے گا تعمیل ہوگی یا نہیں..... شکیلہ کو بلاؤ۔" وہ دہاڑے۔

"کوئی نہیں آ رہی شکیلہ' جو بات کرنا ہے مجھ سے کریں۔" وہ بھی غرائیں۔

"تمہارے ساتھ نکاح میں بندھ کر نہیں آئی تھی..... اولاد ہے وہ میری....." وہ مزید بگڑے۔

"آپ باپ ضرور ہیں اس کے' مگر خالق حقیقی اس کا اللہ ہے..... آپ....."

"میں کہتا ہوں' خاموش ہو جاؤ اور جو کہتا ہوں وہ کرو۔"

"ہرگز نہیں' مر کر بھی نہیں۔" وہ چٹان کی طرح ڈٹ گئیں۔

"میں شکیلہ سے پہلے تمہیں رخصت کر دوں گا۔ سمجھیں۔ زبان دی ہے میں نے' کھیل نہیں ہے۔"

وہ بری طرح بگڑ گئے۔

"کر دیں مجھے رخصت۔ میں اپنی بچیوں کو لے کر چلی جاؤں گی۔ روٹی ہی یہاں کھا رہے ہیں۔ محنت مزدوری کر کے ہیں اور کھا لیں گے۔"

"تم اگر اس گھر سے جاؤ گی تو تنہا ہو جاؤ گی۔ جو لینا چاہتی ہو لے لو اور فوراً سے پیشتر یہاں سے نکل جاؤ۔ میں کاغذ لکھ رہا ل' حرام کر رہا ہوں' تمہیں خود پر۔" وہ جیب سے قلم نکال کر کاغذ ڈھونڈنے لگے۔

شکیلہ دیوانہ وار بھاگتی ہوئی اندر کمرے میں آئی۔

"ابا جی..... خدا کے لئے..... خدا کے لئے..... یہ نہ کریں۔ اس عمر میں میری ماں کے سر پر خاک نہ ڈالیں۔ مجھے پ کا ہر فیصلہ منظور ہے۔ انعام علی کی بجائے اگر آپ کسی خاکروب کو بھی میرے لئے منتخب کریں گے تو بھی مجھے منظور ہ۔" وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔

"بکواس بند کرو شکیلہ۔ گلا گھونٹ دوں گی تمہارا۔ اب اس آمر کی نہیں چلنے دوں گی۔"

شیخ رحیم الدین کو پیچھے دھکیل کر وہ شکیلہ کی طرف بڑھیں۔

شیخ صاحب لیٹر پیڈ لے کر پلنگ پر بیٹھ رہے تھے۔

شکیلہ نے قلم ان کے ہاتھ سے چھین لیا۔

"کہہ تو رہی ہوں میں' مجھے آپ کا فیصلہ منظور ہے۔ جو آپ کہیں گے وہی ہوگا۔ چاہے امی میرے ٹکڑے ٹکڑے کر ہالائٹ میں ڈال دیں۔ مگر میں صرف آپ کی بات مانوں گی۔ یقین کریں۔ یہ نہ کریں ابا جی خدا کیلئے۔" وہ ان کے گھٹنوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر جھک گئی۔

صفیہ عقاب کی طرح شکیلہ پر جھپٹیں۔

''تو میری راہ مشکل بنا رہی ہے شکیلہ.....! میں اپنے بچے کی دربدری کے عوض یہ سودا نہیں ہونے دوں گی جس با کے پیچھے میری کوکھ میں آگ لگی ہے وہ بات نہیں ہونے دوں گی۔''

''فرض کرلیں امی.....! احسن بھائی دربدر نہیں ہوئے' فرض کرلیں وہ باہر چلے گئے ہیں' فرض کرلیں کہ ان کا کچو بگڑا۔ مگر ابا جی کے فیصلے میں مداخلت نہ کریں۔ میں ان کے فیصلے سے خوش ہوں۔ مجھے اپنے باپ کا فیصلہ منظور ہے۔''

''سن لیا تم نے' میری بیٹی میری بات رکھ رہی ہے۔ اصل سے خطا نہیں' کم اصل سے وفا نہیں' ثابت ہو گیا کہ یہ بیٹی ہے.....اگر تم نے اسے کچھ کہنے کی کوشش کی.....'' وہ رک گئے۔

صفیہ پہلے تو پھٹی پھٹی آنکھوں سے شکیلہ کو دیکھتی رہیں پھر تیورا کر فرش پر آ رہیں۔

شکیلہ نے باپ کی طرف یوں دیکھا گویا رحم کی بھیک مانگ رہی ہو۔

اگرچہ ان کا نام رحیم الدین تھا مگر ان پر یہ مثل صادق آ رہی تھی کہ آنکھ سے اندھے نام نین سکھ۔ رحم تو گویا انہیں کر نہیں گزرا تھا۔

باقی تمام لڑکیاں باہر کھڑی کانپ رہی تھیں۔ شکیلہ کی چیخ پر اندر در آئیں اور ماں کے اردگرد بیٹھ گئیں اور ہوش لانے کی تدبیریں کرنے لگیں۔

''نبیلہ!'' انہوں نے نمبر دو بیٹی کو مخاطب کیا۔

''جی اباجی.....!'' اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

''تم اگر اپنی یا شکیلہ کی ایک دو سہیلیوں کو بلانا چاہو تو بلا لو۔ شام کی چھوٹی سی دعوت کا انتظام کرو۔ مغرب کے بعد انعام علی بارات لے کر آ رہا ہے۔ کچھ منگانا ہو تو لکھ دو۔''

وہ جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئے۔

وہ ششدر سی انہیں جاتا دیکھنے لگیں

نمبر تین نائلہ پانی لے آئی تھی اور ماں کے چہرے پر چھینٹے مار رہی تھی۔ صفیہ کو ہوش میں آتا دیکھ کر شکیلہ باہر نکل گئی کونے میں بنے ہوئے چھوٹے سے کمرے میں گھس گئی اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

احسن پندرہ برس کی عمر تک اپنے تایا کی سرپرستی میں رہا تھا جنہوں نے بیوی کے مرنے کے بعد تنہائی اختیار کر لی تھی وہ چار سال کا تھا اور شکیلہ گود میں تھی۔ جب اس کے تایا نے بھائی سے خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ باہر جا رہے ہیں چاہتے ہیں احسن کو اپنے ہمراہ لے جائیں۔

ان دنوں شیخ رحیم الدین بے روزگار تھے اور گھر کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ شیخ صاحب کو بیٹے کا مستقبل روشن نظر ایک لحظہ دیر کئے بغیر انہوں نے بیٹا بھائی کو سونپ دیا۔ ان کے انہی بھائی کے تعاون سے ان دنوں گھر کا خرچ چل رہا تھ صفیہ جیٹھ کے احسان تلے دبی ہوئی تھیں۔ نہ چاہتے ہوئے بھی انہوں نے شوہر کا فیصلہ قبول کیا۔

دوسرے وہ شیخ رحیم الدین کی طبیعت سے اچھی طرح واقف ہو چکی تھی اور تقدیر کا زہر گھونٹ گھونٹ پی رہی تھیں۔ خیال کیا کو بیٹے کہ اچھا ماحول محبت کے ساتھ میسر آ رہا ہے تو برائی کیا ہے۔ یہاں تو سرکاری اسکول کی تعلیم ہی

نظر آ رہی تھی۔ وہاں بہترین تعلیم کے بہترین مواقع میسر نظر آ رہے تھے۔ احسن تایا سے قریب بھی بہت تھا اور باپ سے زیادہ ان سے محبت کرتا تھا۔

یہ سب عوامل اکٹھے ہوئے اور وہ اپنے تایا کے ساتھ بحرین چلا گیا۔ اس کی دوری کا اگرچہ دکھ تھا مگر ایک شاندار مستقبل کی خاطر صفیہ نے کلیجے پر پتھر رکھ ہی لیا تھا۔

سات برس کے عرصے کے دوران وہ اگرچہ آتا رہا تھا مگر ان کا کم اور تایا کا زیادہ لگنے لگا تھا۔ آٹھ سال بعد جب شیخ رحیم الدین کے بھائی مستقل وطن واپس آ گئے تب بھی احسن ان کے ساتھ ہی رہا تھا۔

شیخ صاحب کے بھائی کے قریب ہی اڑوس پڑوس میں صفیہ کی بہنیں آباد تھیں۔ آہستہ آہستہ وہ اپنی خالاؤں کے بھی نزدیک ہوتا گیا۔

صورت شکل بھی اچھی تھی' اس پر بہترین ماحول اور بے پایاں محبتوں نے اس میں خود اعتمادی کے ساتھ ساتھ خودسری بھی پیدا کر دی تھی۔

شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے لے کر اب تک لفظ ''نہ'' نہیں سنا تھا۔

پہلی ٹھوکر اسے اس وقت لگی جب شیخ صاحب کے بھائی خالق حقیقی سے جا ملے اور احسن کو واپس باپ کے پاس آنا پڑا۔

تایا کے مقابلے میں باپ کی ایک ایک ادا مختلف لگی۔ تایا بلا کے شفیق اور باپ پرلے درجے کا آمر۔

تایا کے گھر میں اسے ذہنی و فکری آزادی میسر تھی' یہاں ماحول اس کے الٹ تھا کہ چھینک مارنے سے پہلے بھی گویا اجازت ضروری تھی۔

تایا کے گھر میں اسے روزمرہ کے مسائل کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔ یہاں وہ ماں کو پائی پائی کا حساب دیتے ہوئے دیکھتا تھا۔

تایا گھر میں داخل ہوتے تھے تو دل جگمگا اٹھتا تھا۔ باپ کی آمد سے روح میں سناٹے اترتے تھے۔

تایا اعلیٰ سرکاری عہدیدار تھے۔

ذاتی گھر ساری عمر نہیں بنا پائے تھے۔ سرکاری رہائش گاہیں انہیں مرتے دم تک میسر رہیں۔ البتہ کچھ پیسہ احسن کے نام ضرور جمع تھا۔ جس کے لئے تاکید تھی وہ اس کی تعلیم پر خرچ کیا جائے۔

ان کے اپنے شاہانہ ٹھاٹ باٹ تھے وہی احسن کو بھی میسر تھے۔ پھر وہ شیخ صاحب کو بھی مالی معاونت کرتے رہتے تھے۔

ان کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد گویا ہر سمت ایک خلا پیدا ہو گیا تھا۔

سب سے بڑا خلا تو احسن کی ذات میں ہی پیدا ہوا۔

پھر شیخ صاحب کو بھی ایک مضبوط سہارا چھن جانے کا احساس ہوا۔ معاشی مسائل گھر گھر آئے تو وہ مزید تلخ ہوتے گئے۔ گویا کریلا اور نیم چڑھا والی مثل ہو گئی۔

احسن نے روز اول سے ان کی آمریت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور ماں سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اس ماحول اور اس لہجے کا عادی نہیں ہے۔

ماں کیا کہتیں وہ تو خود سمجھوتے کی چادر لپیٹے بیٹھی رہتی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

احسن تو کچھ عرصے ہی میں اس ماحول سے بیزار ہو گیا تھا۔ مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا اسے ماں سے شدید ہمدر
ہوتی گئی۔ اس کا دل ماں کیلئے حساس ترین ہو گیا' وہ صرف ماں کی وجہ سے اس ناگوار ماحول میں خود کو مدغم کرنے کی کوشش
کرنے لگا۔

من مانی تو وہ بہر حال کرتا ہی تھا..... جب جی چاہتا خالاؤں کے پاس کراچی چلا جاتا کہ آہستہ آہستہ کراچی میں کم
کے دِل میں آباد ہو گیا تھا۔

خالاؤں کا نور نظر تھا۔ ہر ایک نگاہ سے محبت ملتی تھی' جب بھی شیخ رحیم الدین کے گھر میں اس کا دم گھٹنے لگتا وہ اسلام آبا
سے کراچی کی طرف دوڑتا۔

یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم تھی کہ شیخ صاحب نے اس کی نفسیات بگاڑنے میں پورا پورا کردار ادا کیا تھا..... خوش مزاج او
مفاہمت پسند احسن کی جگہ اب ایک نئی شخصیت جنم لے چکی تھی۔ اگر چہ یہ شخصیت اکثریت پر آشکار نہیں تھی۔

وہ باپ کے زیادتیوں پر مبنی فیصلوں کے سامنے ڈٹ کر بھی کھڑا ہو جاتا تھا۔ بہنوں کی منتیں اور ماں کی کوئی تاویل اسے
ہتھیار ڈالنے پر مجبور نہ کر سکتی تھی۔

شیخ رحیم الدین کے لئے وہ لوہے کا چنا ثابت ہو رہا تھا۔

ان کے لئے وہ خطرے کا سگنل تھا۔ سانپ کے گلے کی چھچھوندر تھا جو اُگلتے بنتی تھی اور نہ نگلتے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ
صفیہ کو کوئی زور آور حمایتی میسر آئے اور وہ ان کی حاکمیت کے دائرے سے باہر نکل جائے۔ اس پڑھی لکھی عورت کے ساتھ
شروع دن سے ہی "ناک" کے مسئلے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ وہ کسی قیمت پر بھی بیوی کو مستحکم پوزیشن میں دیکھنا گوارا نہ کر
سکتے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ جب انہیں یہ علم ہوا کہ احسن اپنی خالہ کے ہاں شادی کا خواہش مند ہے (یہ خبر انہیں اپنی بہن کے
ذریعے ملی تھی)

تو انہوں حیرت انگیز طور پر اس کا فیصلہ قبول کیا تھا۔ اگر چہ وہ اس وقت تعلیمی دور سے گزر رہا تھا۔

وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح بیٹا ان کا احسان مند ہو اور ماں پر انہیں یعنی باپ کو فوقیت دینے لگے۔

انہوں نے احسن کا رشتہ حسب خواہش طے کر دیا تھا

دو شہوار اپنی دو ھیال میں سب بچوں سے بڑی تھی اور دادی کی لاڈلی تھی۔ لہٰذا جب دادی مرض الموت میں مبتلا ہوئیں
تو خواہش ظاہر کی کہ شہوار کا نکاح ان کی زندگی میں کر دیا جائے۔ وہ اسے دلہن بنا دیکھنا چاہتی ہیں۔

ان کی خواہش کے احترام میں ایک چھوٹی سی سادہ سی تقریب میں وہ احسن کی منکوحہ بن گئی۔

ابھی اس کی نئی نئی ملازمت تھی کہ گھر میں قیامت برپا ہو گئی۔

شیخ رحیم الدین نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اور احسن مل کر بھی سات بیٹیوں کو وقت پر نہیں بیاہ سکتے۔ یہی خیال ان کے
ذہن میں راسخ ہو گیا تھا جس کے ردِ عمل کے طور پر انہوں نے اس قسم کے رشتوں کی تلاش شروع کر دی تھی جن کے قائم ہونے
اخراجات کم ہوں۔ جب کہ احسن اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے سخت جدوجہد میں مصروف ہو چکا تھا یہی وجہ تھی کہ
جب باپ نے اپنا ہم عمر داماد کم خرچ بالانشین کی بنیاد پر منتخب کیا تو وہ ماتھے سے اکھڑ گیا۔

اس روز غالباً رات کے گیارہ بجے تھے۔

وہ دفتر کی فائلوں میں سر کھپا رہا تھا کہ اس نے پہلی مرتبہ ماں کی بلند آواز سنی۔

اس کی ماں کے منہ میں تو زبان ہی نہیں' پھر یہ آواز کس کی ہے؟ وہ چونک پڑا تھا۔

"احسن!" وہ ماں کی آواز پر اُٹھ کھڑا ہوا تھا اور ماں کے کمرے کی سمت بڑھا تھا اور آہستہ سے دستک دی تھی۔ شیخ رحیم
دین کی گرج چمک ہنوز جاری تھی۔

"آجاؤ.....!" ماں کی اجازت پر وہ کمرے میں داخل ہوا۔

صفیہ پلنگ پر بیٹھی غصے سے کھول رہی تھیں اور شیخ رحیم الدین کمر پر ہاتھ باندھے اِدھر سے اُدھر ٹہل رہے تھے۔

اس سے قبل صفیہ کچھ بولتیں' شیخ صاحب نے احسن کی سمت دیکھا۔

"سمجھاؤ اپنی ماں کو۔"

"کیا سمجھاؤں؟" وہ باپ کی عادات سے واقف تھا اس لئے اپنے طور پر فرض کر چکا تھا کہ پھر باپ نے ہی کوئی
یادتی کی ہے۔

یہی وجہ تھی کہ اس کا لہجہ خشک تھا۔

"اسے سمجھاؤ..... آج کل رشتے ملنا کس قدر مشکل ہے....." وہ گرم لہجے میں پھنکارے۔

"خیریت.....؟" اس نے باری باری ماں اور باپ کو دیکھا۔

"اپنا ہم عمر بہنوئی لائے ہیں ڈھونڈھ کر تمہارے لئے۔" صفیہ تلخی سے بولیں۔

"کیا مطلب.....؟" اسے گویا شاک لگا تھا۔

"قسمت سے ایک کروڑ پتی تمہاری بہن کا رشتہ مانگ رہا ہے۔ تمہاری ماں سے برداشت نہیں ہو رہا۔ یہ عورت نہیں
ہتی کہ اس کے بچے خوش حال زندگی گزاریں۔" وہ بھڑک کر بولے۔

"خیریت.....؟ اس کروڑ پتی کی نظر کرم ہماری سمت کیوں ہے؟" وہ سرد لہجے میں باپ سے پوچھ رہا تھا۔

"کیا اس کے ہم پلہ لوگوں میں لڑکیوں کا کال ہے؟" اس نے مزید سوال کیا۔

صفیہ کے منہ سے یہ سن کر کہ رشتے کا طلب گار باپ کی عمر کا ہے' وہ سناٹے میں آ گیا تھا۔ اسی لئے اس کے تیور کڑے
ئے۔

"دیکھو میاں.....! تم بھائی ہو اور یہ ماں مگر میں باپ ہوں۔ مجھے ایک کے بعد ایک نمٹانا ہے۔ اسی طرح اگر کوہ قاف
ے شہزادوں کے انتظار میں بیٹھے رہے تو یہ سب یہیں بیٹھی دکھائی دیں گی..... سن رہے ہو۔" وہ گرم نگاہوں سے صفیہ کو دیکھ
ربیٹے سے مخاطب تھے۔

"سن رہا ہوں۔"

"مگر ہم اب اتنے بھی گئے گزرے نہیں کہ ہم پلہ رشتہ نہ مل سکے۔" وہ رسانیت سے گویا ہوا۔

"پھر ہر لڑکی کیلئے کم از کم ایک لاکھ نقد موجود ہونا ضروری ہے۔" انہوں نے جتایا۔

"یہ خیال چند نمائشی قسم کے لوگوں کی وجہ سے عام ہے۔ ایک لاکھ..... کوئی فارمولا' کوئی قسم نہیں ہے۔" وہ بنوز پست
ازمیں باپ سے مخاطب تھا۔

"جب تک ہم کسی مستحکم پوزیشن کو پہنچیں گے' تمہاری بہنیں بوڑھی ہو چکی ہوں گی۔ ہوش کے ناخن لو احمقو۔" وہ ماں
یٹے سے ایک ساتھ مخاطب تھے۔

"مگر ہم مفروضوں کی بنیاد پر انسانی زندگیوں سے نہیں کھیل سکتے۔ ہمیں کہیں سے بھی اس کی اجازت حاصل نہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ دبے دبے برہم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"مگر میں تمہاری یا اس بے وقوف عورت کی اجازت کا محتاج نہیں ہوں۔ آیا سمجھ میں.....؟" وہ غیظ میں کف اڑانے لگے تھے۔

"آپ کیا سمجھتے ہیں، مجھے اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں ہے؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"میاں! احساس کے علاوہ روپیہ بھی درکار ہے۔" وہ استہزائیہ انداز میں بولے۔

"وہ بھی آجائے گا۔" وہ اب بھی نرمی سے کہہ رہا تھا۔

"ہاں بینک موجود ہیں اور مزید کھل رہے ہیں۔ ڈاکے مارنا شروع کردو۔"

انہوں نے طنزیہ مشورے سے نوازا۔

"میں یہ کام بھی کرسکتا ہوں۔ مگر اپنے گھر کے جیتے جاگتے زندہ وجود..... زندہ لاشیں بنتی نہیں دیکھ سکتا۔"

"دیکھو میاں.....!"

"بات یہ ہے اگر تم عالمی کورٹ کا وکیل بھی لا کھڑا کرو تو میں کسی دلیل کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں۔ سنا.....؟"

میں نے فیصلہ کرنا تھا سو کرلیا۔ زبان دی ہے کوئی مذاق نہیں۔" وہ فیصلہ کن انداز میں گویا ہوئے۔

"کس سے پوچھ کر آپ زبان دے آئے ہیں؟" وہ بھڑک اٹھا تھا۔

"میرے سب بڑے گزر چکے ہیں۔ میں مختار ہوں۔ کل کے بچوں سے اور دو ٹکے کی عورت سے مجھے کسی قسم اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔"

"کم از کم میری موجودگی میں آپ میری ماں کی قیمت مقرر کرنے سے پرہیز ہی کیا کریں۔"

اس کے بند آہستہ آہستہ کھلنے لگے تھے۔

"ورنہ.....؟" وہ ٹہلتے ٹہلتے رکے اور کڑے تیوروں سے احسن کو گھورنے لگے۔

"ورنہ ہم آپ سے الگ رہنے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

پتا نہیں کس طرح اس کے منہ سے اتنی بڑی بات نکل گئی تھی۔

"چہ خوب.....!"

اگرچہ ان کی انانیت اور مطلق العنانیت کو زبردست دھچکا پہنچا مگر وہ بظاہر طنزیہ مسکرائے۔

"تو ایسا کرو....."

وہ شعلہ بار نگاہوں سے بیٹے کو دیکھ رہے تھے۔

"ابھی اور اسی وقت اپنا اور گھر والوں کا بوریا بستر اٹھاؤ اور جدھر سینگ سمائیں نکل جاؤ۔ علاوہ شکیلہ کے۔"

وہ اس لئے کہ زبان دے چکا ہوں۔ بیٹی اسی کو دوں گا۔ چاہے تم زمین آسمان ملانے کا معجزہ کر دکھاؤ۔"

لو..... قضیہ اپنی جگہ موجود..... وہ کیوں گھر والوں کو دربدر کرتا پھرے۔

"ابا جی.....!" اس نے اپنی انا کچل کر رسانیت سے مخاطب کیا۔

"ہم سب کو چھوڑیئے۔ کم از کم شکیلہ سے تو رائے لے لیجئے۔" ہر طرف سے مایوس ہو کر اس نے نیا لہجہ اختیار کیا۔

"وہ کیا کہے گی.....؟

کیا کہہ سکتی ہے.....؟

میں ولی ہوں اس کا مختار ہوں اس پر۔" وہ غضبناک ہوئے۔

انہیں تو اب سے کچھ دیر پہلے کا احسن کا باغیانہ انداز نہیں بھول رہا تھا۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ کچا چبا جائیں یا سر پھاڑ ڈالیں۔

"آپ ہر بات میں شریعت سے متعلق فروعی و نزاعی مسائل اٹھاتے ہیں۔

اس سلسلے میں بھی تو شریعت کا واضح حکم موجود ہے۔"

اس نے باپ کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔

شیخ رحیم الدین بری طرح بلبلا اٹھے۔

اتنی گستاخی..... اتنی بے ادبی..... اس نے ان کا تاج پیروں میں لا رکھا تھا۔

"بے ادب..... گستاخ.....! اتنا بھی نہیں جانتا کہ ماں باپ کے اختیار ہر رشتے سے بھی بڑھ کر ہیں۔"

وہ چنگھاڑے۔

آپ خود کہہ رہے ہیں۔ "ماں باپ۔" اس نے نکتہ پکڑا۔

ماں کی مظلومیت اسے کج بحثی کے راستے پر لے آئی تھی۔

شیخ رحیم الدین کا بس نہ چلا کہ اپنے بال نوچنے لگتے۔

"ارے بے وقوف..... فلاں..... اور فلاں۔"

وہ بدکلامی پر اتر آئے ہمیشہ کی طرح۔

"تمہاری ماں پرلے درجے کی جاہل اور بے وقوف عورت ہے۔ اس سے مشورہ نہیں کیا جاسکتا۔"

"آپ کی زیادتیاں سہنے والی ہستی کی حیثیت سے تو لاثانی ہیں۔ یہ تو مان لیں۔" وہ بولا۔

"یہ فرزند ارجمند پیدا کیا ہے تم نے۔ یہ کمانڈر انچیف ہے تمہاری اولاد کا.....؟" وہ صفیہ پر الٹ پڑے۔

"لگا دو ان سب کو میرے پیچھے، چار سو بیس عورت..... یہ جال بچھائے ہیں چپکے چپکے.....؟" وہ جنونی دکھائی دے رہے تھے۔

وہ تو احسن کی کج بحثی پر تپ رہے تھے۔ جسے کج بحثی تو نہیں کہا جاسکتا تھا۔

ایک ذمہ دار جوان بیٹے کی حیثیت سے وہ گھر کے معاملات میں مداخلت کرنے کا حق رکھتا تھا۔

وہ اتنا آگے کیوں آیا تھا۔

اس میں سارا قصور شیخ رحیم الدین کی "مغل اعظم" قسم کی مطلق العنانیت کا تھا۔ اگرچہ وہ ہر زیادتی پر خاموش رہا تھا۔

مگر صفیہ اور شکیلہ کا اتنا زبردست استحصال اس سے برداشت نہ ہوسکا تھا۔

"میں آپ سے صرف اتنا کہہ رہا تھا کہ آپ امی کی بھی سنیں۔ انہیں بھی شکیلہ کی ماں کی حیثیت سے حق دیں کہ یہ اپنی رائے دے سکیں۔"

"ہماری سات پشتوں میں کبھی عورت کو اتنا سر نہیں چڑھایا گیا۔ اب کیا سورج مغرب سے نکلنے لگا ہے؟"

وہ طیش بھرے لہجے میں پوچھ رہے تھے۔

"آپ کی نظر میں اگر عورت فاتر العقل ہے اور صاحب الرائے نہیں ہے تو پھر میری طرف آجایئے۔

میں مرد ہوں..... آپ کا بیٹا ہوں۔ آپ سے ہوں۔ شکیلہ کا بھائی ہوں۔ پھر میری رائے پر غور کیجئے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں بچوں کو اتنی اہمیت دینے کے حق میں نہیں ہوں۔ میرا دماغ مت چاٹو۔ فیصلہ ہو چکا۔" انہوں نے قطعی انداز میں بات مکمل کی۔

"ہماری مرضی شامل ہوئے بغیر اتنا بڑا فیصلہ کیسے ہو سکتا ہے۔" وہ خفا نظر آیا۔

"یہ وقت بتائے گا۔" وہ بولے۔

اور وہ وقت کبھی نہیں آئے گا۔" وہ بھی فیصلہ کن انداز میں بولا۔

"احسن.....! میں نے بہت برداشت کیا ہے۔ اب حد ہو گئی ہے۔ اتنی بات تو کبھی میرے باپ نے مجھے نہیں کہی۔ دراصل یہ سارا قصور اس عورت کا ہے۔ اس نے بچوں کو میرے خلاف بہت خاموشی سے تیار کیا ہے۔ مگر میں نپٹ لوں گا۔ مگر پہلا کام تم یہ کرو کہ ابھی اور اسی وقت میرے گھر سے نکل جاؤ۔" وہ دھاڑے۔

"ارے غضب خدا کا۔ ایک آفت کے بعد دوسری۔ وہ کیوں جائے.....؟"

صفیہ بلبلا کر کھڑی ہو گئیں۔

مگر شیخ صاحب نے جیسے بیوی کی بات نہیں سنی۔ بدستور احسن کو گھورتے رہے۔

وہ سر جھکائے کھڑا تھا۔

"تم نے سنا نہیں.....؟" ان کا زہر اشتعال ہو گیا۔

"کہیں نہیں جائے گا یہ۔" صفیہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ بمشکل اس کے سینے تک آ رہی تھی۔

"میں کہہ رہا ہوں فوراً سے پیشتر یہ گھر چھوڑ دو۔" وہ پھر دھاڑے۔

انہوں نے خطرے کی بو سونگھ لی تھی۔ انہیں احساس ہو چلا تھا ان کی شہنشاہیت کے دن اس کے ہاتھوں پورے ہو جائیں گے۔ ایک ضرب کلیم لگا چاہتی ہے۔

اور اپنی اس حاکمیت کیلئے وہ ہر شے قربان کر سکتے تھے۔

احسن بدستور اپنی جگہ خاموش کھڑا تھا۔

"اگر جو تم مجھ سے ہو۔ واقعی میری اولاد ہو۔ تو ایک منٹ یہاں نہیں رکو گے اور میرے جیتے جی اس گھر میں داخل نہیں ہو گے۔"

وہ بہت کچھ کر سکتا تھا مگر اپنی ماں پر چھینٹے برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

"ٹھیک ہے ابا جی!" اسے ماں سے از حد شرم آ رہی تھی۔

"میں جا رہا ہوں۔ اس لئے کہ میں واقعی آپ کی اولاد ہوں۔ مگر وہ جو ظلم آپ کرنے جا رہے ہیں۔ وہ میرے گھر سے باہر جانے کے باوجود نہیں ہو پائے گا۔"

صفیہ بے قرار ہو کر اس کی صورت دیکھنے لگیں۔

اتنے برسوں بعد سوکھے دھانوں پر پانی پڑا تھا۔

اتنے برس بعد ٹھنڈی ہوائیں آئی تھیں۔

مشقت و تکلیف کا ایک ایک لمحہ قرن پر بھاری ہوتا ہے۔

یہ مضبوط دیوار۔

انہوں نے بیٹے کی سمت دیکھا۔

یہ مضبوط دیوار ایک دن میں تو نہیں بنی ہے۔

بلکہ ابھی یہ دیوار مکمل ہی کب ہوئی ہے۔

اگر دیوار نامکمل چھوڑ دی گئی۔

تو شیخ رحیم الدین کے یاجوج ماجوج پہلے سے کہیں زیادہ فساد مچائیں گے۔

ارے دل ہے میرا پتھر تو نہیں۔

"خبردار جو تم نے ایک قدم بھی بڑھایا۔"

انہوں نے احسن کا بازو جھنجھوڑا۔

"امی..... مجھے نہ روکیے۔ میں سب کچھ سہہ سکتا ہوں مگر اس قسم کی بات برداشت نہیں کر سکتا۔"

وہ بازو چھڑا کر تیزی سے باہر نکل گیا۔

صفیہ دیوانہ وار اس کے پیچھے دوڑیں۔ "احسن..... بات سنو میری۔"

احسن اپنے کمرے میں آ کر کچھ چیزیں سمیٹنے لگا۔

نائلہ اس کے پیچھے دوڑی دوڑی آئی تھی۔

"احسن بھائی۔ خدا کیلئے نہ جائیں' ہمیں آپ سے بہت ڈھارس رہتی ہے۔"

"جب ماں کی عزت کا سوال ہو تو زہر بھی پی لینا چاہئے۔ میں تو صرف گھر سے ہی جا رہا ہوں۔"

وہ نائلہ کی سمت دیکھے بغیر ہی کہہ رہا تھا۔

"ارے وہ تو بہت شاطر ہیں۔ اسی طرح نشانے لگا کر گالیاں دیتے ہیں۔ ان کی خواہش ہے' سدا ٹوٹی پھوٹی رہوں۔ مجھے کوئی سہارا نہ دے۔"

"تم ان کے منصوبے کو کیوں کامیاب بنا رہے ہو.....؟" صفیہ اس کے بستر پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

"امی! آپ حوصلہ رکھیں۔ مجھے اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہے۔ مجھے ایسا ماحول چاہئے جہاں میں پرسکون دماغ کے ساتھ اس جہنم سے آپ لوگوں کو نکالنے کے بارے میں سوچ سکوں۔ میں آپ سے دور نہیں ہوں۔ گھبرائیے نہیں۔"

"ارے میں مر جاؤں گی۔" وہ زار و قطار رو رہی تھی۔

"احسن بھائی! آپ شاید ہم سے چھٹکارا حاصل کرنے کا بہانہ چاہ رہے تھے۔" نبیلہ نے روتے ہوئے گویا طنز بھی کیا۔

احسن ایک دم چونک سا گیا۔

"یہ بات نہیں ہے۔ بلو۔ مجھے کچھ کر لینے دو۔ اس ماحول میں' میں تم لوگوں کے کسی طرح کام نہیں آ سکتا۔"

اس نے باپ کی گالی کا ذکر بہنوں کے سامنے کرنا مناسب نہیں سمجھا اور دلاسا دیا۔

"تم بدگمان مت ہو۔ میں ایک پرآسائش اور پرسکون ماحول میں رہ رہا تھا۔

تایا جان کے انتقال کے بعد جب میں اس گھر میں داخل ہوا۔ تو مجھے زندگی کی کڑواہٹ کا اندازہ ہوا۔ پھر بھی۔ پندرہ برس سے تمہارے ساتھ ہوں۔

چھٹکارا پانا ہوتا تو اتنا طویل کیسے گزارا کر لیتا.....؟ مجھے کچھ کر لینے دو۔"

وہ سب حسرت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ احمر کے نزدیک آیا۔

''ہم ملتے رہیں گے۔''

''اس وقت کہاں جاؤ گے.....؟'' صفیہ یاس بھرے لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔

''میں اس سے بڑی گالی بھی برداشت کر سکتی ہوں۔ مگر تم سے دوری میری جان لے لے گی۔'' صفیہ کا کلیجہ پھٹا جا رہا تھا۔

''خدانہ کرے امی۔ حوصلہ رکھیں۔ میں شیخ رحیم الدین صاحب کا بیٹا ہوں۔ مجھے ثابت کرنے دیجئے۔ اگر میں بھی ان کی ذات سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا تو اتنی زندگیاں بے موت مر جائیں گی۔ آپ میرے علاوہ ان سب کے بارے میں بھی تو سوچئے۔

امی..... شیخ صاحب کا معالج انہی کے گھر میں سے برآمد ہونا چاہئے۔''

کوئی اور وقت ہوتا تو صفیہ اس قسم کی صورت حال کبھی برداشت نہ کرتیں کہ بیٹا باپ کو ابا جی کہنے کی بجائے شیخ صاحب کہے۔

وہ بہت رکھ رکھاؤ والے خاندان سے تھیں۔ جائز زبان کھولنا بھی ان کے ماحول میں گستاخی اور بے ادبی تھی۔

یہ اس وجہ سے تھی کہ خاندان میں سب کچھ تھا مگر استحصال اور خود غرضی نہیں تھی۔

حقیقت میں انہوں نے کبھی احسن کو باپ کے مقابل لانے کی شعوری کوشش نہیں کی تھی مگر وہ ہوشمند انسان تھا۔

چند دنوں بعد تمیں کی سرحد بھی پھلانگنے والا تھا۔

اس کا دبنگ لہجہ۔

دوٹوک رویہ۔

انتہا پسندی پر مبنی مزاج۔

انہیں ہولایا کرتا تھا۔

وہ ڈرتی تھیں کہ..... کہیں وہ کسی دن باپ کے سامنے نہ آ کھڑا ہو۔

یہی وجہ تھی کہ وہ کبھی شیخ صاحب کی رپورٹنگ بیٹے سے نہیں کرتی تھیں اور بیٹیوں کو بھی سختی سے تاکید کی تھی کہ وہ باپ کے خلاف بھائی سے کوئی بات نہیں کریں۔

مگر وہ جیتا جاگتا باشعور انسان تھا۔ اندھا' بہرا' گونگا نہیں تھا۔

اس نے بہت ابتدا میں اندازہ لگا لیا تھا کہ اس گھر میں زندگی کا چہرہ خاصا مختلف ہے۔

وہ سوٹ کیس اٹھا کر تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

وہ سب پیچھے پیچھے روتی ہوئیں آئیں۔

بات کیا تھی۔

موضوع کیا تھا۔

اور واقعہ کیا ہو گیا تھا۔

شکیلہ کمرے میں بیہوش پڑی تھی اور کسی کو پتا نہ تھا۔

''میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی شیخ صاحب!'' صفیہ رو رو کر دیوانی ہو رہی تھیں۔

''ارے کیا کسی کا جنازہ اٹھ رہا ہے جو اس قدر رونا دھونا ہو رہا ہے۔''

شیخ رحیم الدین کی دھاڑ سے گھر لرز اٹھا تھا۔

''میرے کلیجے پر ہاتھ ڈالا ہے شیخ صاحب! تمہیں اللہ سمجھے۔''

انہوں نے شیخ صاحب کی آواز سن کر مزید سلگ کر جیسے بددعا دی تھی۔

وہ جا چکا تھا

اور وہ حواس باختہ سی ادھر اُدھر پھر رہی تھی۔

ایک ہی سوال ذہن میں گردش کر رہا تھا کہ.....

کیا ہو گا.....؟

آگے سرکتا ہوا ایک ایک لمحہ جیسے سوئے مقتل لئے جا رہا تھا۔

منتیں اس کی کر لی تھیں۔

خوشامدیں اس کی کر لی تھیں۔

دھمکیاں اسے دے کر دیکھ لی تھیں۔

وہ کون سا حربہ تھا جو آزمایا نہیں تھا۔

اس کے کپڑے پہن کر عجیب و غریب حلیہ الگ بنا لیا تھا۔

پھر بھی دل میں ایک موہوم سی امید تھی۔

ایسی امید جو جاں بلب تک کو میسر آ جاتی ہے۔

پھر اس پر مستزاد گھر بھر کی پریشانی کا خیال اسے مزید بے دم کئے دے رہا تھا۔

اس کی ماں تو جانبر نہ ہو سکے گی۔

ماں کا خون گویا اس کی گردن پر ہو گا۔

آخر ایسے بے درد کو دل دینے کی حماقت بھی تو کی تھی۔

بھاگ کر وہ ان سے جا بھی ملی تو کیا ہوا۔

وہ اس کی محبوبہ ہی نہیں منکوحہ بھی ہے۔

وہ آئندہ مرحلے میں مزید اینٹ سے اینٹ بجا سکتا ہے۔

وہ اس کی دسترس سے کسی طرح دور نہیں۔

وہ جانے کب تک ٹہلتی رہتی۔

گیٹ کی کھڑ پٹر سنائی دی۔

اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اگرچہ سورج غروب ہونے میں خاصا وقت تھا۔

مگر اس کا دل ایک الگ اتھاں میں غروب ہو رہا تھا۔

''کب سے مارچ پاسٹ جاری ہے؟''

وہ اس کے سر پر کھڑا پوچھ رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ لرز کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

وہ بغور اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔

محض ایک رات میں اس کے چہرے کے چراغ بجھ کر رہ گئے تھے۔

آنکھوں کے گرد حلقے بہت واضح تھے۔

رو رو کر پپوٹے علیحدہ متورم تھے۔

"یہ تمہارے کپڑے ہیں۔" احسن نے چند پیکٹ اس کے سامنے ڈال دیئے۔

"ایک لباس فاخرہ بھی ہے جو آج رات کے لئے تمہیں زیب تن کرنا ہے۔

اگر چہ روایتی ہنگامہ ہمیں میسر نہیں۔ مگر دل کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔"

شہوار کی جان پتے کی طرح لرزنے لگی۔

"لڑکی کو دلہن بناتے وقت پورا پورا سجایا جاتا ہے کہ وہ کسی کی زندگی میں قیامت برپا کر دے۔ تم تو پہلے ہی میرے دل میں ہنگامہ محشر اٹھا چکی ہو۔ مگر..... ایک چیز دو آتشہ بھی ہوتی ہے۔"

وہ مسکرا کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"باقی باتیں روایتی ہوں گی۔ اور روایتی جگہ پر ہوں گی۔"

اس نے ایک سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبایا اور لائٹر کا شعلہ دکھایا۔

اس عمل کے دوران وہ کن انکھیوں سے اس کا جائزہ بھی لیتا رہا۔

شہوار کی پیشانی عرق آلود تھی اور ہتھیلیاں بھی پسینے سے تر تھیں۔

"احسن.....!" اس کی کانپتی ہوئی آواز ابھری۔

"جناب!" اس نے صوفے سے ٹیک لگا کر اسے دلچسپی سے دیکھا۔

"آپ اگر مجھے اپنا کہتے ہیں اپنا سمجھتے ہیں تو میری صرف ایک بات سن لیجئے۔"

"جملہ شرطیہ مگر اہم ہے۔ سناؤ وہ کیا بات ہے جس کیلئے تم نے اتنا لمبا جملہ تیار کیا ہے۔"

اس کی آواز سنجیدگی کا لبادہ اوڑھ چکی تھی۔

"میں آپ کی عزت ہوں۔ میرے حوالے سے جو بھی رشتہ ہے وہ بھی آپ کے لائق عزت ہونا چاہئے۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"وہ تو ہے۔" احسن نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"کہاں ہے۔ آپ کا صرف تخیل پرفیکٹ ہے۔ عمل نہیں۔ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں۔ وہ ہم سب کی روسیاہی کیلئے کافی ہے۔"

"میرا تم سے نکاح ہوا ہے۔ یہ بات سارا زمانہ جانتا ہے۔" وہ تیزی سے بات کاٹ کر بولا۔

"مگر گھر بسانے کا یہ پروسیجر (طریقہ کار) ایک دم غلط ہے۔ اس عمل کی ساری گندگی میرے چہرے پر ہمیشہ کیلئے لگ جائے گی۔" وہ بولی۔

"مگر میرے پاس اس کے سوا دوسرا راستہ نہیں ہے۔ اور یہ راستہ بھی مجھے تمہارے اور اپنے بڑوں نے دکھایا ہے۔"

تب وہ برہم ہوا۔

"کیا آپ کو مجھ پر تھوڑا سا بھی اعتبار ہے.....؟" وہ لجاجت سے پوچھ رہی تھی۔

"کبھی تھا۔" وہ رکھائی سے بولا۔

"مگر جب تم نے میرے بجائے اپنے والدین کا ساتھ دینے کا اعلان کیا تو وہ ختم ہو گیا۔"

احسن نے ہاتھ آگے کر کے سگریٹ کی راکھ جھاڑی۔

"میری جگہ کوئی بھی ہوتی تو وہ یہی کرتی۔ والدین زندہ حقیقتیں اور پائندہ محبتیں ہوتے ہیں۔ میری زندگی اور پابندگی کے بارے میں بھی سوچئے۔"

"کوئی طلسم پڑھ کر مجھ پر پھونکئے تاکہ میں اپنی ذات فراموش کر کے کاٹھ کا اُلو بن جاؤں۔"

وہ تیزی سے اس کی بات کاٹ کر طنزیہ انداز میں گویا ہوا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میرا آپ کی محبت پر ایمان ہے۔ مجھے آپ کی شدتوں کا احساس ہے۔ میری صرف ایک بات مان لیجئے صرف ایک بار مجھ پر احسان کر دیجئے۔ آخری مرتبہ۔"

وہ منت سے بولی۔

"فرمایئے"

"مجھے چھوڑ آیئے۔ جو چاہے مجھ سے قسم لے لیجئے۔ میں صاف کہہ دوں گی کہ مجھے آپ کے ساتھ رہنا ہے۔ آخر اس سے پہلے بھی تو جاوید بھائی کے پروپوزل کے مقابلے میں میں نے آپ کیلئے آواز اٹھائی تھی۔ آئندہ مجھ سے کوئی ایسی بات سرزد نہیں ہوگی جس سے آپ کی دل آزاری ہوتی ہو۔ میں آپ کو کبھی مایوس نہیں کروں گی۔" اب اشک اس کے رخساروں پر بہنے لگے تھے۔

بہت سارے محبت آمیز لمحات احسن کی نگاہوں میں جھلملا گئے۔

"اگر حور پھر تم نے مجھ سے چال چلی.....؟"

"مجھے اس کا انجام پتا ہے۔" شہوار کا دل اس کے بدلے ہوئے لہجے پر خوشی سے دھڑکا۔

احسن چند لمحے اس کی صورت دیکھتا رہا پھر اٹھ کر باہر چلا گیا۔

تھوڑی دیر میں واپس آیا۔ تو ایک لیٹر پیڈ اور قلم اس کے ہاتھ میں تھا جو اس نے شہوار کی سمت بڑھا دیا۔

"لکھو۔ جو میں لکھوا رہا ہوں۔"

شہوار نے دونوں چیزیں جلدی سے تھام لیں۔ البتہ چہرے پر الجھن کے آثار نمودار ہو گئے۔

"لکھو۔" وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

میں دُرِ شہوار بنت سردار محبت علی خان ہر صورت اپنے شوہر احسن شیخ کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ ایک عاقلہ اور بالغہ کی حیثیت سے مجھے اختیار دیا جائے کہ میں اپنے شوہر کے ہمراہ ازدواجی زندگی گزار سکوں۔ میرے والدین مجھے اپنے شوہر کے پاس جانے سے روک کر جس بے جا کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ مجھے اس سلسلے میں قانون سے مدد چاہئے۔ مجھے امید ہے ایک آزاد ملک کی آزاد شہری ہونے کی حیثیت سے مجھے بھرپور قانونی تحفظ حاصل ہوگا۔ شکریہ۔

فقط دُرِ شہوار بنت سردار محبت علی خاں زوجہ احسن شیخ

"نیچے دستخط کرو.....!" احسن کی پرتحکم آواز گونجی۔

شہوار نے جلدی سے دستخط کر دیئے۔

"چلو.....!" احسن نے کاغذ لیٹر پیڈ سے علیحدہ کر کے جیب میں ڈال لیا۔

اسے اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا۔ جیسے وہ امید بھرا کوئی سپنا دیکھ رہی تھی۔

ایک ٹک اس کی صورت دیکھنے لگی۔۔

"آخری بار تمہارا اعتبار کر رہا ہوں اس لئے کہ اپنی طاقت سے واقف ہوں۔ چلو اٹھو۔"

وہ اسے دیکھے بغیر بولا۔

خوشی سے در شہوار کی ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔ اس پر ہنوز بے یقینی کی کیفیت طاری تھی۔

وہ باہر کی سمت بڑھا تو وہ بھی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا گیٹ کی سمت جا رہا تھا۔

"احسن!" شہوار نے اسے پکارا۔

وہ رک گیا..... اب کیا ہے؟" وہ وہیں کھڑا پوچھ رہا تھا۔

"مجھے لباس تبدیل کرنے دیں کہ....." وہ چپ ہو گئی۔

"تو پھر جلدی کرو۔" وہ واپس آتا ہوا بولا۔

وہ پھرتی سے کمرے میں گھس گئی۔ پورے وجود میں جیسے بجلی دوڑنے لگی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے آتشی گلابی سوٹ میں ملبوس باہر آئی۔ احسن کھڑا سگریٹ کے کش لے رہا تھا۔ اسے سامنے دیکھ کر فوراً گیٹ کی سمت بڑھ گیا۔

وہ تقریباً بھاگتی ہوئی اس کے پاس آئی۔

احسن گیٹ کے پٹ کھول کر گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔ شہوار گاڑی باہر نکلنے تک وہیں پورچ میں کھڑی رہی۔ احسن نے گاڑی باہر نکالی۔ پھر گاڑی سے اترا اور گیٹ میں تالا ڈالنے لگا۔ شہوار اگلا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی تھی۔

احسن ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر جلدی جلدی سگریٹ کے کش لینے لگا جیسے سگریٹ جلدی ختم کرنا چاہتا ہو۔ پھر چابی گھمائی۔ گاڑی اسٹارٹ کی اور سیدھی سڑک پر ڈال دی۔ وہ اگلے مرحلے کا انجام سوچے بغیر انتہائی خوشی کے عالم میں کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

"جب تم میرے ساتھ آ رہی تھیں تو رو رہی تھیں۔ اب والدین کے پاس جا رہی ہو تو بڑی خوش ہو۔"

احسن نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"یہ تو صورت حال پر منحصر ہے کہ ہنسنا ہے یا رونا ہے۔" وہ اعتماد سے گویا ہوئی۔

"مگر اس سے یہ بھی تو ثابت ہوتا ہے کہ تمہیں میری کوئی پرواہ نہیں ہے۔" وہ بولا۔

"ایسا نہیں ہے۔" وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

"پھر کیسا ہے؟" وہ کچھ سوچتے ہوئے بول رہا تھا۔

"ہر شخص کی اپنی الگ اہمیت ہوتی ہے۔" وہ بولی۔

"یہ کب ثابت کرو گی؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"انشاء اللہ بہت جلد۔" وہ جلدی سے بولی۔

"دیکھیں گے۔ اگر تم کچھ ثابت نہیں کر سکیں تو کوئی بات نہیں۔ ہم تو کچھ نہ کچھ ثابت کر ہی دیں گے۔" اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔

شہوار ایک دم چپ سی ہو گئی۔

"ٹریلر تو تم نے دیکھ ہی لیا ہے نوبت آئی تو پوری فلم بھی دکھا دیں گے۔" وہ بدستور دھمکی کی زبان میں بات کر رہا تھا۔

جیسے ہی گاڑی اس کے علاقے میں داخل ہوئی شہوار کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ تمام گھر والوں کے چہرے نظروں کے سامنے گھومنے لگے۔

اس کی واپسی پر گھر والوں کا ردعمل کیا ہوگا.....؟ یقیناً وہ خوشی سے بے قابو ہو جائیں گے۔ وہ سوچ رہی تھی۔

"گاڑی تمہارے گیٹ کے سامنے روکوں یا یہیں اتار دوں؟" احسن کی آواز پر وہ چونک پڑی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں نہیں۔" "بس مجھے یہیں اتار دیں۔"

"گیٹ کے سامنے اترنے میں کیا حرج ہے؟" احسن نے پوچھا۔

"کہیں....." شہوار نے کسی خدشے کا اظہار کرنا چاہا۔

"تمہارے بھائی مجھے جان سے نہ مار دیں' یہی سوچ رہی ہو نا؟" وہ ہنسا۔

"مگر میں تمہارے گھر کے سامنے اتاروں گا۔ ہارن بجاؤں گا تاکہ وہ دیکھ لیں کہ میں تمہیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔"

اس نے ایسا ہی کیا۔

شہوار گاڑی رکتے ہی دروازہ کھولنے لگی۔ احسن نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دروازہ کھولنے سے روکا اور مسلسل ہارن بجاتا رہا۔ چند لمحوں بعد گیٹ کھلا۔ نوفل کا چہرہ نظر آیا۔ احسن نے شہوار کو اترنے کا اشارہ کیا۔ وہ جلدی سے اتر گئی۔

نوفل گیٹ سے باہر آ چکا تھا۔

شہوار کے اترتے ہی احسن نے کھٹاک سے دروازہ بند کیا۔ ایک گہری نظر نوفل پر ڈالی اور تیزی سے گاڑی آگے بڑھا دی۔

نوفل حیران و ششدر شہوار کو دیکھ رہا تھا۔

"آپا.....!" وہ جیسے کسی گمان کے زیر اثر تھا۔

وہ بھاگ کر گیٹ پار کر گئی۔

سامنے سے نیلوفر آتی دکھائی دی۔ وہ الگ ہکا بکا کھڑی رہ گئی۔

"شہوار....." وہ بے یقینی کی کیفیت میں آگے بڑھی۔

شہوار اس کے سینے میں لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ چند لمحوں کے اندر اندر کاریڈور میں انسانوں کی بھیڑ لگ گئی تھی۔ اس کی ماں کی نازک حالت کے سبب تمام قریبی رشتے دار گھر میں موجود تھے۔

"ارے اندر عائشہ بیگم کو بتاؤ..... شہوار آ گئی ہے۔" اس کی ممانی سے بولیں۔

"بتانے کے بجائے شہوار کو فوراً ان کے کمرے میں لے جاؤ۔" ماموں نے بیوی کی بات سے اختلاف کیا۔ جو بے سوالات کی زد میں تھی۔

نیلوفر فوراً شہوار کو لے کر ماں کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

تمام رشتے دار چبھتی ہوئی اور سوالیہ نظروں سے جاتی ہوئی شہوار کو دیکھ رہے تھے۔

جیسے جیسے اندھیرا اترنے لگا صفیہ کی حالت اس مریض کی سی ہو گئی جسے زندگی کی کوئی امید دلاسے کو نہ ہو۔ جیسے جانے والا سوار صحرا میں حیران و پریشان کھڑا ہو۔ جیسے جائے پناہ طوفان کی زد میں۔

یا پھر۔ جیسے کوئی بھرا گھر آنکھوں کے سامنے لٹ جائے۔ پھر دل قابو میں نہ آئے۔

وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں یوں چپ بیٹھی تھی جیسے میت کے سرہانے بیٹھی ہوں۔ آنے جانے والوں کو نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"احمر.....!" احمر پاس سے گزرا تو انہیں پھر ایک خیال آیا۔

"جی امی.....!"

"بیٹے! بھائی کو فون کر آؤ..... میں کچھ دیر اس قضا سے نمٹنے کی کوشش کروں گی۔"

"امی! بھائی جان آف ہو چکے ہوں گے۔ ان کے گھر پر فون نہیں ہے۔"

"اچھا تو بیٹے کراچی اپنی خالہ کو ہی کر آؤ۔ وہ احسن کو پیغام دے دیں گی۔"

"امی..... آپ کو پتا ہے خالہ جان کا اب احسن بھائی سے کوئی رابطہ نہیں۔" اس نے ماں کو یاد دلایا۔

"احمر بیٹے.....! تیری بہن زندہ دفن ہو رہی ہے' تجھے احساس ہے اس کا..... کچھ نہیں کرے گا تو۔" چودہ پندرہ سال کے احمر نے ماں کو بلکتے دیکھا اور اکساتے ہوئے جملے سنے۔

جی..... صرف ایک اختیار ہے میرے پاس۔" وہ بڑی بردباری سے گویا ہوا۔ "وہ یہ کہ میں آنے والے کو جان سے مار دوں۔"

صفیہ ہول کر رہ گئی۔

ایک نہیں..... دو نہیں..... تین نہیں..... زخموں کے طویل سلسل۔

"ایسی باتیں نہیں کرو احمر۔ اللہ تمہیں ہر آفت سے اپنی پناہ میں رکھے۔

دیوانی ہو رہی ہوں۔ میری بات کا خیال نہیں کرو..... جانے کیا اول فول بک رہی ہوں۔ نہ دل ٹھکانے ہے نہ دماغ۔" انہوں نے سرد آہ بھری۔

مغرب کی نماز سے سب لوگ فارغ ہو چکے تھے۔

نبیلہ' نائلہ زار و قطار روتے ہوئے کچن میں کھانا تیار کر رہی تھیں۔ ہر بار کال بیل کی آواز پر کلیجہ منہ کو آ جاتا تھا۔ شکیلہ کے چہرے پر البتہ سکون کا عالم تھا۔ وہ انتہائی مطمئن نظر آ رہی تھی۔ شاید اس لئے کہ اس کی معمولی سی کمزوری ماں کے کمزور وجود میں پھر کوئی طوفان برپا کر سکتی ہے۔

یا پھر اس نے خود کو سمجھا لیا تھا۔

وہ اس مجاہد کی کیفیت اپنے اوپر طاری کر چکی تھی جو کسی عظیم مقصد کیلئے جذبہ شہادت سے پُر میدان جنگ میں اترتا ہے۔

اس کو پرسکون اور معمول کی حالت میں دیکھ کر احمر اور تمام بہنیں حیران و ششدر تھیں۔

نائلہ بریانی پر براؤن پیاز چھڑک رہی تھی۔ شکیلہ کچن میں داخل ہوئی۔

"نبیلی..... بہنیں ایسی ہوتی ہیں جیسی تم لوگ ہو۔ اباجی نے تم سے کیا کہا تھا کہ کسی سہیلی وغیرہ کو بلانا چاہو تو بلا لینا۔ میری اکلوتی سہیلی جو چار قدم پر رہتی ہے تم سے اتنا نہ ہو سکا کہ اسے بلوا لیتیں اور بلو! تم اتنی خوبصورت مہندی لگاتی ہو۔ تم سے اتنا نہ ہوا کہ میرے ہاتھ میں مہندی لگا دیتیں۔ شادی ایک بار ہی تو ہوتی ہے۔"

"خدا کیلئے باجی۔ چپ ہو جائیں۔ چپ ہو جائیں۔" نبیلہ اس کے گلے لگ کر بلک بلک کر رو دی۔

"رو کیوں رہی ہو۔ خود کو سنبھالو۔" شکیلہ کا ضبط حیرت انگیز تھا۔ "میں اتنی دیر سے منتظر تھی کہ امی یا تم میں سے کوئی آ کر مجھ سے کہے گا کہ باجی غسل کر لیجئے۔ مگر پتا نہیں تم لوگ کیا سوچ رہے ہو۔ اچھا میں غسل کرنے جا رہی ہوں۔ بیلا..... چندا ذرا مہندی کا عرق ہی نکال لو۔ عرق سے ہی کوئی ڈیزائن بنا دے گی بلو۔"

وہ سب اسے تشویش بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں جیسے شکیلہ کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہو۔

"سنا نہیں بیلا۔ دیر ہو رہی ہے۔ تم کھڑی شکل دیکھ رہی ہو۔" وہ قدرے ناراضگی سے گویا ہوئی۔ "مہندی کا پاؤڈر رکھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوا تو ہے۔ امی سر میں لگاتی ہیں۔

یہیں تو رکھتی ہیں امی۔" وہ ایک الماری کو جھانکنے لگی۔

"یہ لو۔" اس نے ایک چھوٹا سا جار نکال کر بیلا کے ہاتھ میں تھمایا۔ "اچھا میں نہانے جا رہی ہوں۔"

وہ عام سے انداز میں کہہ کر کچن سے باہر نکل گئی۔

"آپا..... عرق نکالوں یا....." بیلا نے نبیلہ کی سمت دیکھا جو انتہائی دُکھ سے شکیلہ کو جاتا دیکھ رہی تھی۔

"ہاں۔ ہاں' کیوں نہیں۔ آخر باجی کی شادی ہو رہی ہے۔ مہندی تو لگنا چاہئے' کتنی عقل مند ہیں شکیلہ باجی ہا مشکل آسان کر دی ہے۔ ورنہ ہم سے کسی کی ہمت تھی کہ باجی کو مہندی لگانے کا مشورہ دیتا۔"

"پتا نہیں وہ بڈھا کیسا ہے؟" نائلہ جل کر بولی۔

"کمبخت کو ایک دو سال بعد بھی تو مرنا ہے۔ جلدی میں نہیں مر سکتا تھا۔ آ گیا ہمارے گھر کے شعلوں کو مزید ہوا دینے نبیلہ نے بھی دل کی بھڑاس نکالی۔

"بیلا! احمر سے کہو اسماء باجی کو بلا لائے۔ شاید باجی اپنی سہیلی سے ہی کچھ کہنا سننا چاہتی ہوں۔"

یوں لگا جیسے کسی مرنے والے کی آخری خواہش کا احترام ہو رہا ہو۔

جتنی دیر میں اسماء آئی۔

اور جتنی دیر میں مہندی کا عرق نکلا شکیلہ کا غسل تمام ہوا۔ اس دوران دل ماتم کدہ بنے رہے۔

چھن۔ چھن۔ چھناک۔ نائلہ نے باہر کی سمت کچن سے جھانکا۔

شکیلہ اپنے خوبصورت اور گیلے بال تولئے سے جھاڑ رہی تھی۔

اس نے نائلہ کو اپنی سمت دیکھتا پا کر آہستگی سے مسکرا کر پوچھا۔ "امی کہاں ہیں؟"

"چھوٹے کمرے میں ہیں۔" نائلہ نے افسردگی سے جواب دیا۔ اسے شکیلہ کی مسکراہٹ سے خوف آیا۔ اسماء آ ہی شکیلہ سے لپٹ گئی۔

"اتنی آفت کیوں؟ آرام سے شادی نہیں کر سکتی تھیں بدتمیز! لو بھلا اکلوتی لاڈلی سہیلی۔ وہ بھی اس قدر عجلت میں دا مفارقت دے رہی ہے۔ سچ میں مجھی احمر مذاق کر رہا ہے۔"

"اچھا یہ تو بتا کیسا ہے وہ بے صبرا۔" اسماء نے سرگوشی کی۔

"دیکھا تو نہیں ہے۔

اباجی کا انتخاب ہے اس لئے یقین واثق ہے کہ اس کے آباؤ اجداد کا سلسلہ قیصر و کسریٰ سے ہی ملتا ہوگا۔" نبیلہ۔ اسماء کی بات سن لی تھی۔ ان کے قریب آ کر انتہائی تلخی اور طنز سے کہا۔

اسماء بے تحاشا چونک پڑی۔

"یعنی؟" وہ نبیلہ کے انداز پر متحیر و پریشان ہوئی۔

"یعنی یہ کہ ابھی تو ہم نے بھی نہیں دیکھا۔ اتفاق میں برکت ہے اور اللہ کا ہاتھ بھی جماعت پر ہے۔ سب اکٹھے دیکھ لیں گے بشمول آپ کے۔" نبیلہ طنزیہ ہنس پڑی۔

"کیا الٹی سیدھی ہانک رہی ہو۔ چھوڑو تم اسے آؤ میرے ساتھ۔"

"عرق تو لے آؤ۔ مہندی تو لگا دو کم از کم۔" شکیلہ نے نبیلہ کو پھر جتایا۔

اسماء ہکا بکا سی شکیلہ کو دیکھ رہی تھی۔ لان کے سادہ سے آسمانی سوٹ میں وہ نکھری نکھری سی بہت مطمئن نظر آ رہی تھی۔

مر رہا تھیں کس طرح کی کر رہی تھی۔ عجیب و غریب' خود ہی مہندی لگانے کو کہہ رہی ہے۔ ہوتا یہ کہ بہنیں اصرار کرتیں۔

پھر شکیلہ جیسی کم گو اور شرمیلی لڑکی۔

وہ بہت کچھ جاننے کو بے تاب ہوگئی۔ جس کیلئے لازم تھا کہ وہ شکیلہ کے ساتھ تنہا ہوتی۔ کھٹک تو وہ خیر اسی وقت گئی تھی جب احمر اسے بلانے آیا تھا۔ شیخ صاحب سے وہ بھی بخوبی واقف تھی مگر نبیلہ' نائلہ' انیلا کے طنز۔ شکیلہ کا اطمینان اسے الجھن میں ڈال رہا تھا۔

"آپا.....!" احمر کچن میں آیا۔

"ہوں" نبیلہ نے ہنکارا بھرا۔

"وہ لوگ آ گئے ہیں۔"

ڈھکنا نبیلہ کے ہاتھ سے چھوٹ کر گرا۔ جوں جوں رات ہو رہی تھی' اس دیری پر اس کے دل میں موہوم سی امید روشن ہونا شروع ہو گئی تھی۔ شاید بڈھا بیمار ہو گیا ہو' شاید اس کا مارے خوشی کے بلڈ پریشر ہائی ہو گیا ہو۔ پھر شاید ڈاکٹر نے کہا ہو کہ..... مگر..... طلسم الٹا ہو گیا۔ اسے واقعی شاک لگا تھا۔

"آ گئے.....؟" وہ احمر سے پوچھ رہی تھی۔ "کتنے لوگ ہیں؟" اس نے جھک کر ڈھکنا اٹھایا۔

"دو کاریں ہیں۔ پانچ چھ آدمی ہیں۔" وہ اطلاع بہم پہنچا کر باہر نکل گیا۔

"امی کو بتا دوں آپا۔" بیلا بھاگتی ہوئی کچن میں آئی۔

"خدا کیلئے ان کے پاس بھی نہ جانا تم۔" نائلہ نے فوراً ٹوکا۔ "انہیں اسی طرح رہنے دو۔"

"ہمیں ان کی سخت ضرورت ہے۔" نائلہ نے بیلا کو سمجھایا۔ ایک طرح سے دہلایا۔

"آپا..... آپ کو اباجی بلا رہے ہیں۔"

انیلا۔ بیلا کو بلانے آئی۔

نبیلہ نے سر پر آنچل ڈال لیا اور اباجی جہاں کھڑے تھے' ان کے قریب آ گئی۔

"جی۔"

"کمرے میں سوٹ کیس رکھا ہے۔ یہ سنبھالو اس کی چابی ہے۔ کپڑے ہیں اس میں شکیلہ کے۔"

اگر یہ دل پسند موقع ہوتا تو وہ سب کی سب سوٹ کیس پر جھپٹ پڑتیں۔ کہاں یہ کہ چابی لیتے وقت ہاتھ کانپ رہے تھے۔

سیمسونائٹ کا فل سائز سوٹ کیس تھا۔ نبیلہ اسے دھکیلتی ہوئی چھوٹے کمرے میں لے آئی جہاں اسماء شکیلہ کے ہاتھ میں مہندی لگا رہی تھی اور ساتھ ساتھ اس شادی کی تفصیلات بھی سن رہی تھی۔

جوں جوں تفصیلات سن رہی تھی مہندی لگانے کا شوق دھیما ہو رہا تھا۔ اور ہاتھ کی حرکت سست۔

اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔

نبیلہ۔ سوٹ کیس کھولنے میں مگن ہو گئی تھی۔

"آ گئے وہ لوگ.....؟" اسماء کا لہجہ عجیب سے دُکھ سنا رہا تھا۔

"جی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھٹاک کھٹاک کی آوازوں کے ساتھ سوٹ کیس کھولا گیا۔

الامان.....الحفیظ۔

پورے کمرے میں روشنیاں برسنے لگیں۔ بھاری کامدار و سنہری شرارہ اوپر ہی چکا چوند پھیلا رہا تھا۔

بھاری بھاری ساڑھیاں' زیورات کے چار پانچ بڑے بڑے ڈبے۔ وینٹی بکس' ہیئر ڈرائیر' سینڈلیں' امپورٹڈ ہاتھ کے لونز کے ڈبے۔

''اُف میرے خدایا۔'' بیلا نے کم عمری کے سبب اظہار میں جلدی کی۔

''یہ سیٹ دیکھیں باجی.....ڈائمنڈ کا ہے۔'' اس نے ایک ڈبہ شکیلہ کے سامنے کیا۔ جیسے معصومیت میں بہن کو بہلا رہی تھی۔

''ہوں۔'' شکیلہ کا چہرہ ہنوز ہر تاثر سے عاری تھا۔

''کہیں ایسا تو نہیں.....اباجی کی آمریت کے مقابلے میں باجی ''بوڑھی آزادی'' کو ترجیح دے رہی ہوں۔'' نبیلہ کے ذہن میں شکیلہ کے پرسکون چہرے نے شک کا ڈنک بھرا۔

''نہیں۔'' اس نے خود ہی اپنے خیال کی تردید کردی۔ ''باجی اتنی ایثار پیشہ ہیں کہ ہم سب کی خاطر جان بھی دے سکتی ہیں۔'' برسوں کے ساتھ کا مآل یہ سوچ رہی تھی۔

''آپا۔ دولہا دیکھ آؤں' بیلا نے اشتیاق سے نبیلہ سے گویا اجازت چاہی۔

''دیکھ آؤ۔ اگر امکان میں ہو۔'' اس نے چھوٹی بہن سے لہجہ بدلنا مناسب نہ سمجھا اور رسانیت سے گویا اسے اجازت دی۔ وہ جلدی سے باہر بھاگ گئی۔

نبیلہ نے عروسی جوڑا پلنگ پر پھیلا دیا اور دیگر لوازمات بھی نکال کر رکھ دیئے اور خود باہر نکل گئی۔

نائلہ اور انیلا دوسرے کپڑے الٹ پلٹ کرنے لگ گئی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد احمر نے آکر اطلاع دی کہ اباجی قاضی کے ہمراہ نکاح کیلئے آرہے ہیں۔

نبیلہ پھر کچن میں سے نکل کر بھاگی۔

اباجی قاضی جی کے ہمراہ کمرے میں پہنچ چکے تھے۔ ان کے دو دوست بھی ساتھ تھے۔

''تمہاری ماں کدھر ہے؟'' شیخ صاحب نے پلٹ کر آہستگی سے نائلہ سے پوچھا۔

''وہ کمرے میں ہیں مگر آپ انہیں نہ بلائیں۔'' نبیلہ نے ہمت کر کے کہا۔

''اچھا.....قاضی صاحب بسم اللہ کیجئے۔''

''شکیلہ بانو.....بنت شیخ رحیم الدین۔ تمہیں ایک لاکھ روپے مہر' نصف موجل' نصف مؤجل کے عوض انعام علی بن احمد علی کے نکاح میں دیا جاتا ہے۔ کیا تمہیں قبول ہے؟''

وہ سب کی سب دم سادھے کھڑی تھیں۔

شکیلہ پیڑھ موڑے سر جھکائے بیٹھی۔ اس کے تاثرات مخفی تھے۔

قاضی صاحب نے دوبارہ اپنے جملے دہرائے۔

''بیٹی.....اتنی آواز سے جواب دو کہ موجود گواہ بھی سن لیں۔'' قاضی صاحب نے خصوصی تاکید کی۔

''جی.....!'' شکیلہ کی آواز جیسے کسی کنویں سے نکلی۔

نبیلہ کا دل جیسے کسی نے بھینچا۔ اس کی آنکھیں برس پڑیں۔ وہ تیزی سے باہر آگئی۔

احمر جو کمرے سے باہر کھڑا خاموشی سے اندر کمرے کی کارروائی ملاحظہ کر رہا تھا۔ وہ نبیلہ کے پیچھے لپکا۔

نبیلہ اس کے گلے سے لگ کر سسک پڑی۔

''احمر.....چندا.....قیامت ہی ہوگئی ہے۔'' وہ بلک پڑی۔ احمر اس کی پشت تھپتھپا کر جیسے دلاسا دیتا رہا۔

''آپا.....روئیں نہیں۔ دیکھیں پلیز.....ورنہ میں بھی رو دوں گا۔'' احمر کی آواز بھرا گئی۔

نبیلہ اس سے الگ ہوگئی۔

''احمر.....کیا ہم اس شقی کو دیکھ سکتے ہیں؟'' اس کے دل میں خواہش جاگی۔

''بیچ والے کمرے میں آجائیں۔ میں دوسری طرف سے موقع پا کر پردہ ہٹاتا ہوں۔ کھڑکی سے دیکھ لیں۔ وہ انتہائی معصومیت سے تعاون پر تیار نظر آیا۔

''نائلہ' انیلا اور بیلا کو بھی بلا لاؤ۔ اور ہاں راحیلہ دوپہر سے امی کے پاس بیٹھی رو رہی ہے' ذرا دیر کو بھی باہر نکلیں اسے کہو آپا بلا رہی ہیں۔''

اور خود وہ بیچ کے کمرے میں چلی آئی۔

اور کونے سے لگ کر ڈرائنگ روم میں جھانکنے لگی۔

پورا منظر تو نظر نہیں آسکا البتہ صوفہ بالکل سامنے تھا جس پر دولہا میاں متمکن تھے۔ سیاہ سوٹ میں ملبوس' سفید رومال جیب میں ٹکائے' سرخ گلابوں کا ہار گلے میں ڈالے۔ انتہائی اعتماد اور بے نیازی چہرے سے ہویدا تھی۔

انتہائی سرخ و سفید چہرہ' کنپٹیوں پر چمکتے سفید بال' صحت مند' طویل القامت' بقول اباجی بیوی مرے مدت ہوگئی۔

اس نے تو کسی بے حد بوڑھے شخص کا ذہن میں تصور بنایا ہوا تھا جب کہ یہ شخص تقریباً پچاس برس کا دکھائی دے رہا تھا۔

کلائی میں بندھی گھڑی شاید بہت قیمتی تھی۔ بلب کی روشنی میں جگمگا رہی تھی جس کا عکس انعام علی کے چہرے پر بھی پڑ رہا تھا۔ دائیں ہاتھ میں سرخ' چمک دار اور خاصے بڑے پتھر کی انگوٹھی بھی موجود تھی۔

''اونہہ.....دولت سے تو یوں بھی نکھار آ ہی جاتا ہے۔'' وہ کھڑکی سے ہٹ گئی۔ اسی دم اسماء' انیلا' نائلہ' بیلا اور راحیلہ کے ہمراہ اندر داخل ہوئی۔

نبیلہ نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انہیں خاموش رہنے کی تلقین کی۔

''کیسا ہے؟'' اسماء کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

''دیکھ لیں۔'' اس نے جیسے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

وہ سب کھڑکی کی طرف لپکیں۔

''سامنے کھڑے ہو کر مت دیکھو۔'' اس نے نائلہ کو ٹوکا۔

''آپا.....یہ اتنے بوڑھے تو نہیں ہیں جتنا امی.....''

نبیلہ کے گھورنے پر راحیلہ ایک دم چپ ہوگئی۔

''یہاں سے باہر نکل کر تبصرہ کر لینا۔'' وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی اور سیدھی شکیلہ کے پاس پہنچی۔

جو سرخ ٹشو کی شرٹ پہنے ایک آنکھ پر شیڈز لگائے چپ چاپ بیٹھی تھی۔ اسماء اور نائلہ اسے تیار کرتے کرتے وہاں سے دولہا دیکھنے بھاگی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شکیلہ نے ایک لمحے کو نظر اُٹھا کر بہن کی سمت دیکھا اور پھر نگاہیں جھکا کر سابقہ انداز میں بیٹھ گئی۔
اس کی آنکھ میں آنسو کا ایک قطرہ نہیں تھا جب کہ نبیلہ کا دل بھر بھر آ رہا تھا۔
"شکیلہ باجی..... آپ روتی کیوں نہیں' دل پھٹ جائے گا آپ کا۔" وہ بہن کے قریب بیٹھ گئی۔
"باجی..... نقصان تو ہوا ہے مگر کچھ بچت ہو گئی ہے۔ انعام علی "ضعیف" نہیں ہیں۔ بس ادھیڑ عمر ہیں' خوبصورت ہیں۔ خدا کرے خوب سیرت بھی ہوں' دیکھ کر آئی ہوں..... ہاں..... مگر.....
آپ انعام علی سے..... ہو سکے تو یہ ضرور پوچھئے گا دولت کی بنیاد پر ظلم کا سلسلہ کب تک چلے گا۔" اس کی آواز بھرا گئی
"احسن بھائی۔"
"خدارا نبیلہ..... احسن بھائی کا نام نہ لو۔ بہت مشکل سے خود کو سنبھالے ہوئے ہوں۔"
شکیلہ نے تیزی سے نبیلہ کو ٹوک دیا۔
شکیلہ کی آواز لرز رہی تھی۔
پھر وہ سب کی سب اندر آ گئیں۔
"شکیلہ باجی..... فکر نہ کریں۔ وہ اتنے بوڑھے بھی نہیں جتنے کہ امی سمجھ رہی ہیں۔ میں امی کو بتا آؤں۔" راحیلہ انتہائی بھولپن سے رائے کا اظہار کر کے اجازت طلب کر رہی تھی۔
"جی..... نہیں..... کوئی ضرورت نہیں ہے۔ خاموشی سے بیٹھو۔ امی کو کوئی کچھ نہ کہے۔ تماشا بنواؤ گی۔" نائلہ نے بہن کو ڈانٹا۔
"انہیں اس وقت چھیڑنا قیامت ہو گا۔ ہوش میں رہو۔" نبیلہ نے بھی جھاڑ پلائی۔ راحیلہ دبک کر بیٹھ گئی۔
اسماء اور نائلہ شکیلہ کو دلہن بنانے میں مصروف ہو گئیں۔ دوسری طرف اباجی نے کھانا لگانے کا حکم دے دیا تھا۔
کھانے کا انتظام بڑے سے برآمدے میں کر دیا تھا جو اس کمرے کے بالکل سامنے تھا جو شکیلہ کی قیام گاہ بنا ہوا تھا۔
"اف خدایا۔ مجھے تو نبیلہ نے ڈرا ہی دیا تھا بوڑھا بوڑھا کہہ کر..... اگرچہ تمہارا اس کا جوڑ تو نہیں ہے۔
مگر شکر ہے "تماشا" نہیں لگے گا۔ اسماء نے جیسے سہیلی کو تسلی دی۔
مگر شکیلہ کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں ابھرا۔
خاموشی سے دلہن بنتی رہی۔ نائلہ اس کے پاؤں کے ناخنوں پر کیوٹکس لگا رہی تھی۔
باقی سب کو کھانے کے انتظام میں معاونت کیلئے نبیلہ نے بلوا لیا تھا۔
برآمدے میں ہلکا سا شور اُٹھا۔ اسماء نے وہیں سے بیٹھے بیٹھے جھانک تاک کی۔
"دیکھو گی.....؟" اس نے شکیلہ کے کان میں سرگوشی کی۔
شکیلہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔
"کوئی حرج نہیں ہے۔ کیوں نیلی.....؟ سامنے ہی تو بیٹھے ہیں دولہا میاں۔ دیکھ لیں نا باجی۔" نائلہ نے بھی اصرار کیا۔
"جانتو رہی ہوں انہیں ہمیشہ کیلئے دیکھنے۔ اتنے مال دار آدمی کے ہاں مجھے کام ہی کیا ہو گا۔ سوائے اس کے کہ بیٹھی دیکھتی رہوں۔" اس کی مسکراہٹ زہریلی اور لہجہ تلخ تھا۔
اسماء اور نائلہ کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ مزید کچھ کہتیں۔

کھانے سے فراغت کے بعد نبیلہ کمرے میں آئی تو ٹھٹک کر رہ گئی۔
زرتار آنچل سے جھانکتا افسردہ حسن قیامت ڈھا رہا تھا۔ وہ خود پر قابو نہ پا سکی۔ دوڑ کر شکیلہ سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
"ارے..... رے..... یہ کیا ہے نبیلہ؟" اسماء نے ٹوکا۔
اور اسے شکیلہ سے علیحدہ کیا۔
کوئی رسم وغیرہ نہ ہوئی۔ کیسے کیسے ارمان دلوں میں سلگ کر رہ گئے۔
اسماء نے بمشکل دو چار نوالے کھلائے تھے۔ جس کے فوراً بعد ہی شیخ رحیم الدین اندر آ گئے تھے۔
"بیٹی..... ہو سکے تو اپنی ماں کو بلا لاؤ۔ اگر وہ نہیں آتی تو شکیلہ کو باہر گاڑی میں بٹھا آؤ۔"
انہوں نے نائلہ کو مخاطب کیا تھا۔ آج لہجہ خصوصی طور پر نرم تھا۔
"اباجی..... امی نہیں آئیں گی۔" نبیلہ نے پھر ہمت کر کے جواب دیا۔
"تو پھر شکیلہ کو گاڑی میں بٹھا دو۔"
"اباجی..... اگر امی ادھر نہیں آ سکتیں تو کیا ہوا۔ شکیلہ باجی تو ان تک جا سکتی ہیں۔"
انیلا نے ایک طرح سے مشورہ دیا تھا۔
"ٹھیک ہے' بلا لاؤ اسے۔ مگر وہ بے وقوف عورت پھر کوئی..... فساد نہ مچائے۔" وہ کہتے ہوئے پھر باہر نکل گئے۔
"آیئے باجی..... امی سے مل لیجئے۔" نبیلہ نے آگے بڑھ کر اسے اٹھایا۔ راحیلہ اور بیلا چپ چاپ کھڑی آنسو بہا رہی تھیں۔
نبیلہ اور اسماء اسے تھام کر ماں کے کمرے میں لائیں۔
صفیہ نے آنکھیں کھولے سیدھی لیٹی ایک ٹک چھت کو گھور رہی تھیں۔ چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔
قدموں کی آہٹوں پر انہوں نے نگاہوں کا زاویہ بدلا اور جیسے پتھر کی ہو گئی۔
ایسی پری جمال بیٹی۔
ایسی تابعدار بیٹی۔
اتنی خدمت گزار..... ایثار پیشہ و صابر بیٹی۔ ان کا سینہ جیسے پھٹنے لگا۔
شکیلہ تیزی سے آگے بڑھی۔
ماں کے پاؤں تھام لئے۔
"امی..... مجھے معاف کر دیجئے..... مجھے معاف کر دیجئے..... مگر امی۔" وہ ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔
صفیہ اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ چند ثانیے شکیلہ کا چہرہ تھامے دیکھتی رہیں۔
پھر جھک کر اس کی دکھتی پیشانی پر بوسہ دیا۔
"معاف تو مجھے کر دو بیٹی۔ تمہیں جہنم دیا کہ سزا دی۔ ایک ہی بات ہے۔ میں کچھ نہ کر سکی میری بچی..... میں کچھ نہ کر سکی۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔
"اللہ تمہاری جھولی خوشیوں سے بھر دے..... یہ کوئی طے نہیں ہے کہ ہم عمر ساتھی سے ہی خوشیاں ملیں۔ میری اور تمہارے باپ کی مثال موجود ہے۔ صرف دو برس بڑے ہیں مجھ سے..... مگر..... ہر ماں کے کچھ ارمان ہوتے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انہوں نے ہونٹ کاٹے جیسے ضبط کررہی ہوں۔

"کیسی پریوں جیسی ہے میری بیٹی۔" انہوں نے پھر جھک کر پیشانی پر بوسہ دیا۔

اگر مجھے ہزار جنم بھی مل جائیں تو میں اپنی بیٹی کی قربانی اور بہادری کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔" وہ ہچکیاں لینے لگیں۔

"بھئی بچو..... ذرا ایک طرف ہوجاؤ۔ انعام علی اپنی ساس کو سلام کرنے آرہے ہیں۔

آیئے انعام علی۔" گھر والوں کیلئے شیخ رحیم الدین کا یہ انداز قطعی اجنبی تھا۔ لڑکیاں بدک کر ادھر اُدھر ہوگئیں۔ ایسے میں اسماء نے حواس بحال رکھے۔

ایک کرسی کھینچ کر صفیہ کے پلنگ کے نزدیک رکھی اور اس پر شکیلہ کو بٹھادیا اور دوسری کھینچ کر اس کے برابر رکھ دی۔

"آیئے انعام علی۔ دراصل آپ کی خوش دامن بیمار ہیں۔ آیئے۔" شیخ صاحب انعام علی کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوئے صفیہ جیسی خاندانی عورت اپنے اطوار زیادہ دیر فراموش نہ کرسکیں۔ سر پر آنچل ڈال کر کھڑی ہونے لگیں۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔" وہ انتہائی نقاہت سے گویا ہوئیں۔

"آپ..... پلیز تشریف رکھئے۔ زحمت نہ کیجئے۔" انعام علی نے انہیں اٹھنے سے باز رکھا۔

صفیہ کو غایت درجے کا لحاظ آرہا تھا کہ وہ اس ادھیڑ عمر کو سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دیں تو کیسے۔

نفرت و کدورت کی انتہا تھی کہ انہوں نے شیخ صاحب کو دیکھنا بھی گوارا نہ کیا تھا مگر دل و مامتا سے مجبور ہوکر۔ انہوں نے انعام علی کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ پھر ایک نظر شکیلہ کے چہرے پر ڈالی۔ کس قدر خوش بخت ہے یہ ساہوکار..... میری ہیرے جیسی بیٹی لے جارہا ہے۔ آہ۔

کچھ دل کو تسلی ہوئی تھی کہ یہ اتنا بوڑھا نظر نہیں آرہا تھا جتنا شیخ رحیم الدین کے تعارف کے انداز سے ظاہر تھا۔ کنپٹیاں سفید تھیں۔ انعام علی نے یہ "عیب" چھپانے کی بھی کوشش نہیں کی تھی اور کرتے بھی کیوں؟ جب بغیر مشکل وحیلہ انہیں سب کچھ مل رہا تھا۔ ہوسکتا ہے عمر واقعی بہت ہو۔ دولت تو یوں بھی بہت سے عیب چھپالیتی ہے۔

"اچھا۔ اب اجازت دیجئے۔"

وہ اجازت لے کر مڑ گئے۔

صفیہ نے ایک آہ سرد کھینچ کر بیٹی کو سینے سے لگایا۔ اب سب اجتماعی انداز میں رو رہی تھیں۔ بمشکل اسماء سے ماں کو علیحدہ کیا۔ باری باری سب سے گلے ملایا۔

"شیخ صاحب بدگمانی سمیت کمرے میں دوبارہ وارد ہوئے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ شاید صفیہ نے پھر ہنگامہ کیا ہے۔

"جلدی کرو۔"

نبیلہ اور اسماء نے شکیلہ کو تھاما اور کار تک لے آئیں۔ سیاہ رنگ کی مصنوعی کا اگلا دروازہ کھولے انعام علی منتظر کھڑے تھے۔

شیخ صاحب نے رسمی انداز میں شکیلہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "اچھا بیٹی..... اللہ کے سپرد" دوسری کار میں باقی اصحاب بیٹھ چکے تھے۔

شکیلہ نے زبردست قوت برداشت کا ثبوت دیا تھا..... انعام علی نے اسماء اور نبیلہ کی سمت دیکھا۔

"السلام علیکم" اب انہیں سلام کرنا ضروری ہوگیا۔ کیونکہ کمرے میں وہ کسی جانب متوجہ نہیں ہوئے تھے۔

"و..... سلام" انعام علی نے مختصراً جواب دیا جیسے عجلت میں ہوں۔

"اچھا جی..... او کے۔" انہوں نے رسماً مسکرا کر لڑکیوں کو دیکھا جن سے ان کا تعارف نہ ہوسکا تھا۔

پھر اپنے سسر کی طرف بڑھے۔ اور خدا حافظ کہہ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

ایسی عجیب و غریب شادی کا ان میں سے کسی نے کبھی تصور نہیں کیا تھا۔ جس میں ان کا حقیقی بہنوئی انہیں پہچانتا تک نہ

جس سے چھیڑ چھاڑ کی جرات نہ کرسکیں۔ جس سے نیگ وصول نہ کریں۔

وہ دور ہوتی ہوئی گاڑیوں کو روتی روتی آنکھوں سے دیکھ رہی تھیں۔

"آپا جلدی سے آئیں۔ دیکھیں امی کو کیا ہوگیا ہے۔" احمر کی آواز آئی تو وہ سب دوڑ گئیں۔

"واہ رے میاں بانکے تیرے گلے میں سوسو ٹانکے۔

ایسے میں مجھے یہ مثل یاد آئی۔

دلہن حد کردی ہے لوگوں نے۔ اے کھلا دھوکا۔ یقین مانو ایسا حلیہ بنا کے رکھتا ہے بن ربڑی والا جیسے کہیں کا جاگیردار کہتا تھا خالہ میری پنجاب میں پانچ دودھ دہی کی دکانیں ہیں۔ مہینے میں دو بار حساب کتاب کو پنجاب جاتا ہوں۔

اے کہاں آگرہ ساڑھی والے اور کہاں یہ مُوا۔ اے میں تو ایسی ذلیل و خوار ہوئی کہ کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

آگرہ ساڑی والے کون ساپڑھے لکھے ہیں اور انہوں نے کہا بھی یہی تھا کہ لڑکا چاہے ان پڑھ ہو مگر دولت مند ہونا ہے۔ ہماری لونڈیا ناز وں کی پالی ہے۔ تو میں اس نامراد بن کے رستے گئی..... گھر میں دو پلنگ ان میں بھی ایک کا پایہ ہوا۔ چار اینٹیں پائے کی جگہ رکھی ہوئی تھیں۔ غسل خانے کا دروازہ رسیوں سے بندھا ہوا۔ گھر میں گیس کا چولہا تک ہا..... مانو باورچی خانے سے راکھ تک باہر آرہی تھی۔

ہے ہے بن تیرا بیڑا غرق..... تو نے تو مروا دیا تھا..... بدذات دکان پر ایسے بن سنور کر بیٹھتا ہے جیسے پوتڑوں کا ب ہو۔"

خالہ کی زبان رکی اور کٹر کٹر سر دھنا چلنے لگا۔

"مانگے تانگے ٹکڑے..... گلی میں ڈکاریں..... ہونہہ۔"

منزہ خاموشی سے کپڑے سینے میں مشغول رہی۔ وہ شکر کررہی تھی کہ بلال گھر میں نہیں تھا۔ ورنہ اس "افسوس ناک قصے" پر خالہ اسے ایک نہ ختم ہونے والا مکالمہ شروع ہوچکا ہوتا۔

"پھر آگرہ ساڑی والوں نے آپ سے کیا کہا؟" اس نے خالہ سے سوال کیا۔

"اے کیا کہنا..... جی بھر کر شرمندہ ہوئی۔ ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ ابھی تو میں چھان پھٹک کررہی تھی۔ جب تک میری مانہ ہوتی میں آگے بات نہیں بڑھاتی۔ یہ تو بس ایک "ذکر" کی حد تک بات تھی۔ شکر ہے جان بچ گئی۔"

تو آپ کو ایسے "رسکی کام" کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کیا بشارت ہوئی تھی کہ کسی کو بھی آزاد نہ رہنے دو.....؟"

وہی ہوا جس کا خطرہ تھا۔ بلال فائل اٹھائے چلتی زبان اور جوتوں کی چرچراہٹ کے ہمراہ لاؤنج میں داخل ہوا۔

کون سے کام.....؟ خالہ "رسکی" کا مطلب پوچھنے لگیں۔ اس نے فوراً مطلب بتایا۔ "خطرے والے کام"۔

"اے لو..... خطرے تو زندگی کے ساتھ ہیں خطرہ تو ہر کام میں ہوتا ہے۔ ارے یہ ثواب کا کام ہے۔ نیکی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انہوں نے بلال کو سمجھایا۔

"اور ثواب بغیر خطرے کے ممکن نہیں۔

جیسے اگر میدان جنگ میں کوئی گولی کا خطرہ نہ ہو تو لڑنے والے کو ثواب ہی نہ ملے۔"

"اچھا..... تو میرے منہ مت لگ۔ خود تو کسی کام کا نہیں..... باتیں بنوا لو جتنی مرضی۔" خالہ برا مان کر پھر سرد تا چلا لگیں۔

بلال صوفے پر ڈھے گیا۔

"اور خالہ سنائیں۔ ہن ربڑی والے کے "کیس" کا کیا حال ہے؟"

خالہ نے چوری چوری منزہ کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں ہوا۔ تجھے کیا دلچسپی ہے؟" انہوں نے ذرا ڈر کر بلال کی سمت دیکھا۔

"مجھے اس لئے دلچسپی ہے کہ ربڑی مجھے بہت پسند ہے۔ یقیناً ہن حلوائی کے ویلیے میں سویٹ ڈش ربڑی تو ضرور ہو گی۔"

"اچھا چھوڑو۔ مجھے یہ بتا۔ اسد میاں کی ماں سے کب ملوا رہا ہے.....؟" انہوں نے جلدی سے موضوع بدلا۔

"جب آپ کہیں۔"

"ارے کیا واقعی.....؟" خالہ کو بلال کا حامی بھرنا مشکوک دکھائی دیا۔

"واقعی..... جب تک میرا آخری پرچہ نہیں ہو جاتا میں بزرگوں کا اسی طرح تابعدار بنا رہوں گا۔"

منزہ مسکرا پڑی۔

"کپڑے تبدیل کر لو۔ میں کھانا لگاتی ہوں۔"

"آپی۔ خاور بھائی کا کوئی خط وغیرہ آیا.....؟"

"ہوں..... آج کل جاپان میں ہیں۔ لکھا ہے کہ طوفان کی وجہ سے جاپان میں قیام ذرا طویل ہو گا اس لئے واپسی میں بھی دیر ہو گی۔ سچ خاور مانتے نہیں۔ میری تو ہر وقت جان سولی پر لٹکتی رہتی ہے۔ پانی سے مجھے ہمیشہ ہی خوف آتا ہے۔ خاور کے اصرار کے باوجود میں نے کبھی شپ کا سفر نہیں کیا۔" پچھلے سال جب عمرہ کرنے گئی تھی تو ہوائی جہاز سے گئی تھی۔" منزہ نے خالہ کو مخاطب کر کے بتایا۔

"اسے ہاں..... اور کیا مہینوں صورت کو ترستے رہو۔" خالہ نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ منزہ کچن کی سمت گئی تو خالہ نے بلال کو پھر چھیڑ دیا۔

"ارے بیٹے..... پڑھائی کے بعد کیا کرو گے.....؟"

"شادی۔ بہر حال نہیں کروں گا۔" اس نے فوراً ہی خالہ کو مایوس کر دیا۔

"یونہی لنڈورا پھرے گا.....؟" انہیں غصہ آ گیا۔

"یونہی لنڈورا پھروں گا۔" وہ بھی اسی انداز میں بولا۔

"گناہ ہوتا ہے۔" وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولیں۔

"لنڈورا پھرنے سے.....؟" اس نے تعجب سے خالہ کو دیکھا۔

"اور کیا.....؟" انہوں نے اپنی بات پر قائم رہنے کا ثبوت دیا۔

"شادی کرنے سے جنت الاٹ ہو جاتی ہے تو پھر آپ گناہ بخشوانے کیلئے حج کرنے کیوں گئی تھیں۔"

"اے وہ تو فرض ہے۔" وہ چڑ کر بولیں۔

"بھئی واہ۔ یہ تو نئی معلومات ہوئیں کہ شادی کر کے آدمی جنتی ہو جاتا ہے۔ پھر تو میں ہر سال کیا کروں گا۔" وہ شریر

"شرع میں چار جائز ہیں۔" خالہ سمجھیں وہ شریعت بھول بیٹھا ہے۔ اس لئے یاد دلایا۔

"مجھے پتا ہے حد نہیں پھلانگوں گا۔ سال کے سال بدل لیا کروں گا۔" وہ شرارت سے مسکرایا۔

"خالہ ایک کام کریں۔"

"ہوں۔" انہیں اچھے مشورے کی امید نہیں تھی۔ اس لئے شروع ہی میں بے زاری سے "ہوں" کہا۔

"آپ خادو کی تین اور کروا دیں..... قیامت والے دن عرش کے سائے میں ہوں گی۔"

"ارے وہ ایسا سوچ کر تو دیکھیں..... ہوش ٹھکانے لگا دوں گی۔" خالہ کا پارہ سوا نیزے پر پہنچ گیا۔

"مگر آپ کو تو اب کنتا ملے گا..... یہ بھی سوچا۔ ویسے بھی آپ کی تو خالو سے بنتی نہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"ارے میاں بیوی میں کھٹ پٹ تو ہوتی ہی ہے یہ ہے ہی بے غیرت رشتہ۔ بلال۔ اے تجھ سے کچھ کہا انہوں ل.....؟" خالہ نے رازداری سے پوچھا۔

"کہا تو نہیں..... مگر میں محسوس کرتا ہوں وہ کچھ کہنا چاہتے ہیں۔" وہ شرارت بھرے انداز میں بولا۔

"دیکھ۔ اگر وہ تجھ سے کچھ کہیں تو مجھے ضرور بتائیو۔ یوں بھی تو میرا بیٹا ہے۔" وہ بڑی سادگی سے بلال سے کہہ رہی ں۔ اور بلال قہقہہ لگانے سے عاجز تھا۔

"آپی....." اس نے تھوڑی دیر بعد کچھ سوچتے ہوئے منزہ کو مخاطب کیا۔

"ہوں۔"

"پھر میں چلا جاؤں؟"

"کہاں.....؟" وہ جانے کس خیال میں تھی چونک پڑی۔

"نوشہرہ..... رات سارہ پھوپھو بتا رہی تھیں ناں کہ امی کی طبیعت خراب ہے۔"

"تو اور کیا۔ تمہیں تو پہلی فرصت میں جانا چاہئے۔"

"بے چاری امی..... ٹھیک ہی کب تھیں۔ کوشش کر کے ساتھ لے آنا۔" وہ انتہائی دکھ بھرے انداز میں بولی تھی۔

بلال نے بہن سے کچھ کہنا چاہا پھر خالہ کی طرف دیکھ کر ایک دم چپ ہو گیا۔

"پھر کب ملواؤں آپ کو اسد بھائی کی امی سے.....؟"

"نوشہرہ جانے سے پہلے تو نے ہر حال میں یہ کام کرنا ہے۔"

"چلو بلال اٹھو۔ جلدی سے کھانا کھاؤ۔" منزہ کے لہجے میں اس بار کچھ ترشی تھی جیسے وہ اس موضوع کو سخت ناپسند کرتی

"آیئے خالہ..... آپ بھی۔" اس نے خود پر قابو پا کر خالہ کو مخاطب کیا۔

خالہ ہاتھ دھونے گئیں تو منزہ نے بلال سے پھر کہا۔

"بلال پوری کوشش کرنا۔ کہ امی تمہارے ساتھ آ جائیں ورنہ مجھے یقین ہے کہ وہ وہاں کبھی بھی صحت مند نہیں ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتیں۔"

"میں سمجھتا ہوں آپی۔ آپ فکر نہ کریں۔"

بلال کے لہجے میں کچھ دیر پہلے والی شوخی کے بجائے انتہائی سنجیدگی تھی۔

اس کی ماں کی حالت خوشی سے غیر ہو رہی تھی۔

لیکن جیسے ہی نوفل نے بتایا کہ..... امی آپا کو احسن بھائی چھوڑ کر گئے ہیں۔ کمرے میں موجود ہر شخص دم بخود رہ گیا۔

"احسن.....!!!" وہ انتہائی حیرانی سے شہوار کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

"کیا کہہ رہا ہے نوفل.....؟" وہ تیزی سے بولیں۔

"ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ آپا سے پوچھ لیں۔" اس نے شہوار کی سمت دیکھا۔

"کیا نوفل ٹھیک کہہ رہا ہے؟" ان کی آواز میں تحیر تھا۔

"جی۔" وہ سر جھکا کر بولی۔

"اس نے تمہیں کہاں سے ڈھونڈ نکالا۔ کہاں چلی گئی تھیں تم؟" انہوں نے اسے سینے سے الگ کر کے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

باقی سب لوگ بھی کمرے میں چلے آئے۔

"کیا ہو گیا تھا..... تم کہاں چلی گئی تھیں.....؟"

بڑی ممانی نے فکر مندانہ انداز میں اس کا شانہ ہلایا۔

"میں کہیں نہیں گئی تھی۔ مجھے لے جایا گیا تھا۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"اے لو..... اتنے ہجوم میں سے کیسے کوئی تمہیں لے گیا؟" اس کی نانی نے تعجب سے پوچھا۔

"بات کیا ہے شہوار۔ ٹھیک سے بتاؤ" اس کے ابو بھی آ چکے تھے۔ انہوں نے برہم انداز میں بیٹی سے پوچھا۔ فکر، تشویش اور بہت سے بے نام خوف ان کو جکڑے ہوئے تھے۔

"اور یہ احسن تمہیں کہاں مل گیا۔ رات جب وہ جا رہا تھا میں نے تب ہی کہا تھا کہ دیکھنا یہ کچھ نہ کچھ کرے گا۔ ارے بڑا ولیر بچہ ہے۔" اس کی نانی نے جو احسن کی بھی نانی تھیں۔ بڑے فخر سے کہا۔ "نوفل بتا رہا ہے تمہیں یہاں احسن پہنچا کر گیا ہے۔"

"تم لوگ خوامخواہ رحیم الدین کی باتوں میں آ رہے ہو۔ لاکھوں میں ایک ہے میرا احسن۔ دیکھ لو۔ یہ کام آخر اسی نے کیا کہ نہیں.....؟"

"اماں..... پلیز آپ ذرا خاموش رہیں۔" شہوار کے والد نے سنجیدگی سے ساس کو ٹوکا۔

"کیا ہوا تھا تمہارے ساتھ شہوار..... سچ سچ بتاؤ۔" اس کے ابو کے لہجے میں تفکر گونج رہا تھا۔

"کون لے گیا تھا تمہیں اور کہاں؟؟"

سب انتہائی توجہ سے شہوار کی بات سننے کے منتظر تھے۔

"مجھے احسن لے گئے تھے۔" وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔ ماموؤں اور باپ کی موجودگی میں اس پر سخت جھجک طاری تھی۔

"ہائیں....." کسی کے بھی خاک پلے نہیں پڑا۔

"کیا بک رہی ہو؟" اس کی نانی برہم ہوئیں۔

"ارے وہ تو کل گھر ہی میں تھا۔" وہ داماد سے نظریں چرا کر ناراضگی سے بولیں۔

"نانی جان مجھے احسن ہی لے گئے تھے۔" اس کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے۔

"ارے مگر کیسے.....؟؟ وہ تو کل سب کے ساتھ ہی تھا۔"

"اماں..... شہوار کو کہنے دیں..... بیچ میں نہ ٹوکیں۔" بڑی ممانی کا تجسس کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ ساس کی ٹوک انہیں سخت ناگوار گزری۔

"کس وقت لے گیا تھا احسن۔" شہوار کے ابو کی پیشانی عرق آلود ہو رہی تھی۔

"جب بارات آئی تھی ناں۔ تو انہوں نے مجھے بلوایا تھا۔"

"تم اس کے بلاوے پر گئی کیوں تھیں؟" اس کی امی کی ماتا برہمی کا لبادہ اوڑھنے لگی۔ بہت سارے واہمے آسیب کی طرح ان کے قلب پر جھپٹے۔

شہوار جھکا سر نہ اٹھا سکی۔

"اسے بات تو پوری کر لینے دو۔" اس کے ابو نے ناگواری سے اس کی ماں کو ٹوکا۔

"پھر اس نے تمہیں بلوایا؟" چھوٹی ممانی نے یوں کہا جیسے وہ کوئی دلچسپ کہانی سنا رہی ہو۔

"جی..... وہ وہاں گاڑی لئے کھڑے تھے۔"

"کہاں.....؟" امی نے گھورا۔

"جہاں خالہ بیگم کا مالی اپنی بکریاں باندھتا ہے۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"پھر.....؟"

"انہوں نے زبردستی مجھے گاڑی میں دھکیلا۔ ایسی آفت تھی میں کچھ سمجھ ہی نہ سکی۔" اس نے بہت آہستہ آواز میں بتایا۔

"کہاں لے کر گیا تھا.....؟" اس کی امی کے لہجے کی شکستگی اب صاف عیاں تھی۔ بھاوجیں ان کے سر پر کھڑی تھیں۔ ساری عمر کا ٹھسا اور طمطراق آناً فاناً ہوا ہو گیا۔

"مجھے اس جگہ کا نام معلوم نہیں..... کوئی نیا علاقہ ہے۔" اسے ماں کی سنجیدگی سے خوف محسوس ہوا۔

اس کی امی نے نظریں اٹھا کر اس کو گہری نظروں سے ٹٹولا۔

"مگر رات تو ہمارے ساتھ تھا احسن۔" اس کی نانی نے پھر یاد دلایا۔

"مگر موصوف پھر چلے بھی گئے تھے۔" بڑی ممانی نے چبھتے ہوئے انداز میں ساس کو جیسے کچھ جتایا۔ اب کمرے میں ایک مہیب سی قسم کا سکوت طاری ہو گیا تھا۔

"پھر وہ چھوڑ کیوں گیا؟" اس کی امی جان چکی تھیں۔ اس کے باپ میں سوالات کرنے کی طاقت ختم ہو چکی ہے۔ اس لئے انہوں نے خود ہی بات آگے بڑھائی۔

"میں نے ان کو خاندان کی عزت کا واسطہ دیا۔"

"اور اس کا چڑھا طوفان اتر گیا.....؟" چھوٹی ممانی کا لہجہ ناقابل فہم تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم نے....." بڑی ممانی نے کچھ کہنا چاہا۔ مگر شوہر کے گھورنے پر یک دم خاموش ہو گئیں۔ سب آہستہ آہستہ باہر نکلنے لگے۔

"میں اس آوارہ کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" اس کے ابو نے بیوی سے دھمکی آمیز انداز میں کہا اور باہر نکل گئے۔ ممانیاں بھی باہر چلی گئیں۔

"دیکھا اماں..... کیا ستم ڈھایا ہے اس احسن نے۔" شہوار کی امی نے اپنی ماں کو مخاطب کیا۔

"اے ہے..... یہ کیا ہو گیا.....؟" وہ منہ ڈھانپ کر رونے لگیں۔

شہوار کو سخت حیرانی ہوئی۔

"اب جبکہ وہ آ گئی ہے تو رونے کی وجہ؟"

اس کی نانی بھی اسے ٹٹولتی باہر چلی گئیں۔ سب کے ہونٹوں پر جیسے تالے پڑ گئے تھے۔ یہاں تک کہ نیلوفر بھی اب ڈری ڈری اور دور دور تھی۔ صرف چوبیس گھنٹے کے اندر اتنی بڑی تبدیلی۔ مگر کیوں.....؟

وہ تو آ گئی ہے۔ اب کیا ہوا.....؟

اس کی امی آہستہ آہستہ بستر سے اتریں۔ "میں وضو کر کے نماز پڑھ لوں۔"

اسے ماں کے انداز و اطوار پر شدید حیرانی ہو رہی تھی۔

امی وضو کرنے گئیں تو چھوٹی ممانی آ گئیں۔

"چائے بناؤں؟" وہ پوچھ رہی تھیں۔

"یا اللہ..... میں اپنے گھر آئی ہوں۔ مہمان تو نہیں ہوں۔ پھر یہ سب مجھ سے اس طرح پیش کیوں آ رہے ہیں۔" اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"نہیں..... میں چائے نہیں پیتی اس وقت۔" اس نے الجھ کر انکار کیا۔

چھوٹی ممانی نے اس کے بدلے ہوئے لہجے پر ذرا چونک کر دیکھا۔ پھر معنی خیز انداز میں مسکرا دیں۔ پھر آگے بڑھیں اور دروازہ بند کر دیا

شہوار حیرانی سے ان کی نقل و حرکت دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے بالکل نزدیک آ کر بیٹھ گئی تھیں۔

"احسن رات تمہارے پاس گیا تھا؟"

"نہیں۔" اس نے جھلا کر کہا۔

"دیکھو..... ہم گھر والے ہیں۔ ہم سے کچھ نہ چھپاؤ۔ ورنہ مشکل ہو جائے گی۔"

"جو بات تھی میں نے سچ سچ سب کو بتا دی ہے۔" وہ الجھی۔

"کیا ایک دوست کو بتانے کیلئے بھی تمہارے پاس کچھ نہیں ہے۔" وہ معنی خیز انداز میں پوچھ رہی تھیں۔

اس نے حیرانی سے ممانی کو دیکھا۔ جو واقعی اس کی دوست تھیں۔ دو سال پہلے وہ بڑی چاہ سے انہیں بیاہ کر لائی تھی۔

"نہیں..... میں سب کچھ بتا چکی ہوں۔" اس کا انداز قطعی تھا۔

"دیکھو شہوار..... احسن نے تم سے کچھ تو کہا ہو گا.....؟"

"کچھ سے کیا مطلب ہے آپ کا؟" اسے غصہ آ گیا۔

"بھئی دیکھو ناں۔ وہ تمہیں زبردستی لے کر گیا۔ آسانی سے تو نہیں چھوڑا ہو گا۔ آخر اس نے یہ سارا کھیل ہمارے

گھرانے سے انتقام لینے کی غرض سے تو رچایا تھا ناں۔" وہ جیسے اسے سمجھا بھی رہی تھیں۔

"اب تم اتنی بچی اور نادان بھی نہیں ہو۔ کیا میری بات نہیں سمجھ رہی ہو.....؟" اس نے حیران نظروں سے ممانی کو دیکھا۔ "کیا بات؟"

"رات وہ تمہارے پاس گیا تھا ناں.....؟"

"نہیں..... خدا کیلئے آپ یقین کیوں نہیں کر رہیں۔ وہ مجھے شام کو اس گھر میں قید کر کے گئے تھے پھر آج صبح آئے تھے۔"

"صبح سے اب تک وہ تمہارے ساتھ تھا.....؟" پھر سوال ہوا۔

"جی..... درمیان میں ایک دو گھنٹے کیلئے وہ کہیں گئے تھے۔"

"باقی وقت تو وہ تمہارے ساتھ تھا.....؟" وہ جیسے کچھ ثابت کرنے اور اگلوانے پر تلی ہوئی تھیں۔

"جی..... مگر وہ صبح آ کر سو گئے تھے۔"

"سو گئے تھے؟" ممانی یوں مسکرائیں جیسے وہ انہیں بے وقوف بنا رہی ہو۔

"دیکھو شہوار تم اگر کچھ چھپاؤ گی تو مشکل میں پڑ جاؤ گی۔ تمہیں احساس نہیں معاملہ کتنا سیریس ہے۔ تم شادی کے گھر سے غائب ہوئی تھیں۔ یہ خبر آگ کی طرح پھیل چکی ہے۔

اور میں جو تمہارے پاس آئی ہوں۔ اپنی مرضی سے نہیں آئی ہوں۔ مجھے باجی (شہوار کی امی) نے بھیجا ہے۔"

"مگر کیوں.....؟" وہ حیران ہوئی۔

"تاکہ تم سے ہر وہ بات پوچھوں جو حادثے کی طرح تم پر گزری ہے۔"

"مگر میں نے تو سب کے سامنے جو کچھ کہا ہے سچ سچ کہا ہے۔ اب کیا باقی ہے.....؟" وہ بگڑ اٹھی۔

"دیکھو ذرا آرام سے۔ احسن تمہارا میاں ہے۔ وہ تمہیں انتقاماً لے کر گیا۔ وہ اس طرح تمہیں کیسے چھوڑ گیا۔ رہا خاندان کی عزت کا واسطہ وہ تو تم جاتے وقت گاڑی میں بھی دے سکتی تھیں.....؟" وہ خاصی مشکوک نظروں سے اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔

اب وہ ان کی بات کا مطلب اچھی طرح سمجھ گئی۔

"ممانی جان..... میں آپ کا مطلب سمجھ گئی ہوں۔" اس نے نظریں جھکا کر کہا۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ میری واپسی مشروط طریقے سے ہوئی ہے..... اور یہ بات میں صرف امی کو بتاؤں گی کہ میں کس طرح ان کی قید سے آزاد ہونے میں کامیاب ہوئی۔"

وہ ماں کے بستر پر دراز ہو گئی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ یہ صورت حال بھی پیش آئے گی۔ اس نے کروٹ لی اور اس کی سسکیاں کمرے میں ابھرنے لگی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایسی خوشی جو کہ نہال کردے۔
کسی سربستہ راز کے جیسی خوشی۔
جس کا گواہ صرف اپنا دل ہو۔
جیسے کوئی دوشیزہ اپنی عمر بہاراں نشے میں خود ہی بدمست ہو کر مسرور ہو۔
ایسی بدمستی کی خوشی۔
ایسی خوشی جو کسی موسیقار کو اس وقت ملتی ہے جب وہ آتش جان کی لو بڑھا دینے والا سُر دریافت کرتا ہے یا پھر جب کوئی مصور شاہکار بنا کر قلم توڑ دیتا ہے۔ قلم توڑنے میں ایک لذت اور اس لذت میں گیان اور اس گیان میں روح کو بھسم کر دینے والی ایک سچی خوشی ہوتی ہے۔ جس کو یہ اصلی خوشی میسر آجائے۔
وہ زندگی کے مسائل اور امر بیل کے جیسے لپٹ جانے والے دُکھوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔
اس کا چہرہ اس کے باطن کا آئینہ بن کر آس پاس کے ماحول تک کو آئینہ تمثال کر دیتا ہے۔ اس کی زندگی میں ایسی خوشی کا تصور تک نہیں تھا۔
ایک کمی ایک خلاء ہنور اس کی ذات کی اساس تھا۔
ایک ناآسودگی کا جال تھا جس میں وہ ہمیشہ سے قید تھی۔
بالکل ایسے جیسے مونا لیزا میں شیر
جیسے پنجرے میں چڑیا۔
اگرچہ دنیاوی نقطہ نگاہ سے اس کی شخصیت قابل رشک تھی۔
سینئر کیمبرج تک وہ مری میں رہی۔ حالانکہ وہ ماں سے جدائی بالکل پسند نہیں کرتی تھی مگر اس کے باپ کا خواب کہ اس کی اکلوتی بیٹی سوسائٹی میں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کی حیثیت سے پہچانی جائے' وہ اسے ماہانہ جیب خرچ اتنی باقاعدگی اور فراغ دلی سے بھجواتے تھے کہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ اتنی ڈھیر ساری رقم کا کیا کرے۔
قیمتی سے قیمتی کپڑا' کاسمیٹکس' سینڈلیں' خوشبوئیں' رسوخ' ہر شے اسے حاصل تھی۔
اگر ایک دل تھا کہ کھل کر نہ دیا۔
خاور جیسا پیار کرنے والا شوہر۔ بھی یہ خلا پُر کرنے میں ناکام رہا تھا۔
خاور کے شپ پر روانہ ہونے سے قبل وہ ان کے سینے سے لگ کر بری طرح روتی تھی جیسے آئندہ ملاقات سے نا امید ہو۔

بلکہ وہ کئی دنوں پہلے سے "رخصتی" منانا شروع کر دیتی تھی۔ حیلے بہانے سے رونے بیٹھ جاتی تھی۔
خاور کا ایک گھنٹے سے زیادہ گھر سے باہر رہنا بند کر دیتی تھی۔
دوسری صورت میں وہ بگڑ جاتی تھی۔ خاور کے سلسلے میں وہ بڑی بے اعتبار واقع ہوئی تھی۔
جیسے وہ اس کے شوہر نہ ہوں اثاثہ ہوں۔
سسرال میں بھی یہ مشہور ہو گیا تھا کہ وہ بہت پیسے والے کی بیٹی ہے۔ اس لئے خاور اس کی مٹھی میں ہے۔ صبح ہی تو بلال کا فون آیا تھا کہ میں امی کو لے کر آرہا ہوں۔
تب سے اس کی یہ کیفیت تھی۔
ایک عجیب طرح کا دُکھ اسے گھیرے ہوئے تھا۔
یقیناً امی کی حالت خاصی خراب ہے۔ جب ہی تو بلال انہیں زبردستی لا رہا ہے ورنہ وہ آنے والی نہیں تھیں کہ بیٹی کے گھر پڑاؤ ڈالنا انہیں گوارہ نہیں تھا۔
"پتا نہیں کیسی ہوں گی.....؟" اس نے چشم تصور سے ماں کو دیکھا۔
اپنا ذاتی دُکھ تو اسے کوئی نہیں تھا۔
مگر ماں کے دُکھ سے وہ آزاد نہیں تھی۔
اس نے عجیب طرح کی کیفیت میں بیٹے کو تیار کیا۔ بچی کے سلسلے میں ملازمہ کو ہدایت دی۔ پرس اور گاڑی کی چابی اٹھا کر بیٹے کو گود میں لیا۔ اور باہر نکل آئی۔ گراؤنڈ فلور تک آتے آتے جانے کتنے ہمسایوں سے ہیلو ہائے کرنا پڑا۔
لفٹ کیلئے بھیڑ دیکھ کر وہ براستہ زینہ نیچے آئی تھی۔
جیسے ہی کمپاؤنڈ کی طرف بڑھی سامنے ہی اسد اپنی گاڑی لاک کرتے دکھائی دیئے۔
"السلام علیکم"
اسد نے چونک کر سر اٹھایا۔ "وعلیکم السلام" انہوں نے بچے کے پھولے پھولے رخساروں کو چھو کر جواب دیا۔
"خیریت..... کہاں کا ارادہ ہے؟" انہوں نے بلیو شلوار سوٹ میں ملبوس ہاتھ میں گاڑی کی چابی ہلاتی منزہ کو دیکھا۔
"امی اور بلال آرہے ہیں۔ انہیں لینے ائیر پورٹ جارہی ہوں۔"
بلال نوشہرہ گیا ہوا تھا.....؟ اسد چونکے۔
"جی صرف دو تین دن کیلئے۔"
"یہ غلط ہے بھابھی..... آپ مجھے بے خبر نہ رکھا کریں۔ بلال کی غیر موجودی میں تو آپ بالکل ہی تنہا ہو جاتی ہیں۔ خاور اگر سنے گا تو کیا سوچے گا کہ کیسا دوست ہے۔ میرے بچوں کا خیال بھی نہیں رکھ سکتا۔
"آیئے....." اسد نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔
"آپ تکلیف نہ کیجئے۔ میں خود ڈرائیو کر کے چلی جاؤں گی۔"
"معلوم ہے مجھے کہ آپ بہت ماہر ڈرائیور ہیں۔ چلئے آیئے" وہ مسکرائے اور اس قطعی انداز پر منزہ انکار نہ کر سکی۔
"امی کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں.....؟" اسد نے یونہی پوچھ لیا۔
"ان کی طبیعت کبھی ٹھیک نہیں رہی۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔
"اچھا.....!" اسد کے لہجے میں ہلکا سا تعجب نمایاں تھا۔ "کیا باہر بھی گئی ہیں علاج کیلئے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ان کا علاج باہر نہیں۔"

اسد نے اس کا گم صم سا انداز دیکھا تو سمجھے شاید وہ اس موضوع پر بات کرنا نہیں چاہتی۔ خاموشی سے ڈرائیو کرنے لگے۔

رات گہری ہو چلی تھی..... مگر ائیر پورٹ پر دن رات برابر ہو رہے تھے۔ ان کے ائیر پورٹ پہنچتے ہی پشاور سے پرواز آ پہنچی تھی۔

ساز و سامان تو کچھ تھا ہی نہیں۔ بلال ایک چھوٹا سا بیگ لے کر گیا تھا۔ اب امی کا ایک چھوٹا سا سوٹ کیس ساتھ تھا ڈارک براؤن سوٹ کیس پر سفید چکن کی چادر شانوں پر پھیلائے امی آگے تھیں اور بلال پیچھے۔ ایک سیاہ آ چھڑی ان کے ہاتھ میں تھی جو وہ زمین پر ٹکا کر چل رہی تھیں۔

ماں کی اس درجہ ناتوانی دیکھ کر منزہ کے دل پر ایک گھونسا سا پڑا۔

امی نے منزہ کا سر اپنے سینے سے لگا کر چوم لیا..... "اچھی ہو.....؟" ان کی کمزور سی آواز ابھری۔

"جی امی..... میں تو اچھی ہوں۔ یہ آپ نے کیا حالت بنا رکھی ہے؟" اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

وہ مبہم سا مسکرائیں۔ "اور یہ میرا لالا کیسا ہے؟"

انہوں نے نہایت محبت سے نواسے کے رخسار چھوئے۔ گویا انہوں نے منزہ کی بات سنی ان سنی کر دی تھی۔

بلال اسد سے مخاطب تھا۔

"امی..... یہ اسد بھائی ہیں۔"

"اچھا..... اچھا" امی نے نہایت توجہ اور دلچسپی سے اسد کو دیکھا۔

"آپ جانتی ہیں ناں امی اسد کو.....؟" ماموں پوچھ رہا تھا۔

"تمہارے بہن بہنوئی جس کا اٹھتے بیٹھتے کلمہ پڑھتے ہیں اسے میں کیسے نہ جانتی ہوں گی۔" انہوں نے اسد کے کا جواب دیتے ہوئے ان کا شانہ تھپتھپایا۔

دوست کی خوشدامن کا رویہ دیکھ کر اسد کے دل میں اپنے دوست کا مقام مزید بلند ہوا۔ اسد نے بیگ بلال کے سے لے لیا اور ایک ہاتھ سے منزہ کی امی کو سہارا دیا۔ اور بہت احترام سے انہیں گاڑی میں بٹھایا۔

بلال گود میں بھانجے کو لے کر اگلی سیٹ پر اسد کے ہمراہ بیٹھ گیا۔

جیسے ہی گاڑی منزل کی سمت بڑھی منزہ نے انتہائی محبت سے ماں کا ہاتھ تھام لیا۔

"اور سنائیں امی....."

"کیا سناؤں.....؟ تم ہی بتاؤ۔ میرے اختیار میں کیا ہے۔" ان کی آنکھوں میں پانی تیر گیا۔ منزہ نے بے ساختہ ہاتھ چوم لیا۔

"کاش میرے بس میں کچھ ہوتا میں سارے جہان کی خوشیاں آپ کی جھولی میں ڈال دیتی۔" اس کی آواز رندھ گ

"تمہارے باپ آئے تھے تم سے ملنے؟" امی نے جیسے کسی خیال سے چونک کر پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے چپکے سے اسد کی سمت دیکھا کہیں وہ ان کی گفتگو تو نہیں سن رہے۔ بلال نے کیسٹ لگا رکھی تھ مدھم مدھم موسیقی کار میں گونج رہی تھی۔ اور اسے یہ بھی پتا تھا کہ وہ دونوں کیا باتیں کریں گی۔

اور یہ باتیں کم از کم اسد کے کان میں تو نہیں پڑنا چاہئیں۔

کہ بعض اوقات مجرم بڑی مشکل سے برقرار رہتے ہیں۔

"آپ کے پاس کب گئے تھے پاپا؟"

"دو ماہ ہو گئے۔"

"میرے پاس۔ ہونہہ..... وہ ان کا آبائی گھر ہے۔"

منزہ نے محسوس کیا کہ اسے موضوع بدل دینا چاہئے۔

"اچھا..... امی..... بس اب آپ میرے پاس ہی رہیں۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔"

"تمہارے اصرار پر تو آ گئی ہوں۔ بیٹے مگر بیٹیوں کے گھر رہنا کچھ اچھا معلوم نہیں دیتا۔"

"آپ اتنی پرواہ کیوں کرتی ہیں؟ کہ یہ کرنے سے اچھا نہیں ہوتا۔ وہ کرنے سے اچھا نہیں ہوتا۔ اتنی احتیاطیں کرنے سے آپ کو ملا کیا ہے۔ مت پرواہ کیا کریں۔"

منزہ نے آہستہ آواز میں برہمی کا اظہار کیا۔

ٹرن۔ ٹرن۔

نوفل فون اٹینڈ کرنے آگے بڑھا۔

وہ جو وضو کرنے باتھ روم کی طرف بڑھی تھی ٹھٹک کر رک گئی۔ جانے کیوں اس کی چھٹی حس شارپ ہوئی تھی۔

وہ تیر کی طرح آگے بڑھی اور نوفل کے ریسیور اٹھانے سے پہلے ہی ریسیور جھپٹ لیا۔ نوفل نے الجھے ہونے انداز میں بہن کی سمت دیکھا مگر کچھ بولا نہیں۔

"ہیلو.....!" اس کی آواز میں لرزش نوفل نے صاف محسوس کی۔

"السلام علیکم" دوسری طرف سے آواز سن کر دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہی تھا جس کا اسے خطرہ تھا۔

"وعلیکم۔"

"کون.....؟ شہوار.....؟"

"جی....."

"آخاہ..... مزاج بخیر..... اور کیا حال چال ہیں؟ خالہ جان کو بلا دو۔ اگر یہ ممکن نہیں تو ان سے پوچھ کر بتاؤ کہ تمہیں لینے کب آؤں؟"

"ہیں۔" اس کی روح فنا ہونے لگی۔

"کیا بات ہے؟" احسن کا لہجہ بدل گیا۔ "کیا تم نے خالہ جان کو ابھی تک نہیں بتایا.....؟"

"مم..... موقع ہی نہیں ملا۔ ابھی تک..... پتا نہیں یہ سب کیسے ہو رہے ہیں.....؟ اس کی آواز بھرا گئی۔

"کیسے ہو رہے ہیں؟ کیا مطلب.....؟ لال ہرے پیلے.....؟"

وہ جیسے چڑ گیا۔

اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر نوفل کی سمت دیکھا۔

"تم باہر جاؤ نوفل..... امی پوچھیں تو بتا دینا کوا حسن کا فون ہے۔" نوفل خاموشی سے دروازے کی سمت بڑھ گیا۔

"ہیلو.....!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جی میں سن رہی ہوں۔" وہ گڑبڑائی۔

"میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں..... کیسے ہو رہے ہیں گھر والے۔ مطلب کیا ہے تمہارا.....؟"

"سب اجنبی اجنبی محسوس ہو رہے ہیں۔" وہ رو پڑی۔

"تم پرواہ کیوں کرتی ہو۔ میں تو ہوں نا تمہارا....." اس کی سسکیوں نے جیسے اس پر خاصا اثر کیا تھا۔

اسی دم اس کی امی نے ریسیور جھپٹ لیا تھا۔

دوسری طرف وہ کہہ رہا تھا۔ "یہ سب ٹیڑھے لوگ ہیں۔ تمہارے تعاون سے سب سیدھے کیے جا سکتے ہیں۔"

"شاباش بیٹے شاباش۔ آخر تم ہمارے جد امجد جوٹھہرے، تم ہمیں سیدھا نہیں کرو گے تو پھر کون کرے گا.....؟

تم نے ہمیں کہیں منہ دکھانے کے لائق نہیں چھوڑا ایک تو چوری پھر سینہ زوری۔ میں تمہاری خالہ ہوں۔ تمہاری ما سگی بہن۔ جو بجائے خود ماں ہوتی ہے کہ جس کے لئے کہا جاتا ہے کہ ماں مرے ماسی جیے۔"

وہ طیش کے عالم میں کلام کر رہی تھی۔

احسن جو شہوار کے بجائے خالہ کی آواز سن کر لمحے بھر کو چکرا گیا تھا۔ ایک دم سنبھل گیا۔

"آپ نے جو کچھ میرے ساتھ کیا ہے وہ ایک ماں کبھی نہیں کر سکتی۔ لہذا ماں اور ماسی والی مثل صریحاً غلط ہے۔ ا ہمیشہ کیلئے کاٹ دیجئے۔"

"تم پرلے درجے کے گستاخ ہو چکے ہو احسن۔ اچھا ہوا جلدی کھل گئے۔ اب چاہے تم زمانے بھر کی گندگی ہمارے منہ پر مل دو۔ شہوار کی دھول نہیں پا سکتے۔"

وہ غضبناک ہو کر چیخیں اور ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

چند لمحوں کے توقف کے فون کی گھنٹی پھر بجی۔

اس کی امی جو سانس درست کرنے لگی تھیں فوراً ریسیور پر جھپٹیں۔

دوسری طرف احسن ہی تھا۔

"ہیلو خالہ جان.....!"

"مت کہو مجھے اپنی ناپاک زبان سے خالہ۔" وہ بھنائیں۔

"فون بند کرنے سے پہلے میری ایک بات غور سے سن لیں۔ سارے تیر کمان سے نکل چکے ہیں۔ میں آپ لوگو اپنے روبرو شرمندہ دیکھنا نہیں چاہتا لہذا آئندہ دھمکیوں کی زبان میں پلیز گفتگو نہ کیجئے گا۔

اگر جو شبہ ہے کہ میں بڑ ہانک رہا ہوں تو تفصیلات صاحبزادی سے پوچھ لیجئے۔" اس نے کھٹاک کی آواز کے فون بند کر دیا تھا۔

اس کی امی ریسیور تھامے سناٹے کے عالم میں کھڑی رہ گئیں۔

ان کی بھاوج نے تو اطلاع دی تھی کہ "سب ٹھیک ہے۔"

"پھر یہ کیا ہے؟" معاً ان کو یاد آیا کہ ان کی بھابھی نے یہ بھی کہا تھا کہ شہوار کی "رہائی" مشروط ہوئی ہے۔ وہ ش صرف اپنی ماں کو بتائے گی۔ انہوں نے کچھ خوف سا محسوس کیا۔

"شہوار.....!" ان کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"جی امی.....!" اس نے ڈرتے ڈرتے ماں کو دیکھا۔

"کن شرائط پر احسن تمہیں یہاں پہنچا کر گیا ہے؟"

شہوار ان کے تیور دیکھ رہی تھی۔ اسے محسوس ہوا ادھر اس کے منہ سے سچ نکلا۔ ادھر امی نے اس کا بھرتا بنایا۔

"آپ بیٹھ تو جائیں پہلے۔" اس نے آہستگی سے ماں کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"اس طرح میرے نصیب کی کالک تو صاف نہیں ہو جائے گی جو تمہارے ہاتھوں میرے چہرے پر لگی ہے۔ تمہیں جو بتانا ہے بتا دو۔ کھڑے بیٹھے سے کیا فرق پڑتا ہے۔" ان کے انداز میں بلا کی ناراضگی تھی۔

"امی!" احسن مجھے ہمیشہ کیلئے لے گئے تھے۔ لیکن مجھے یہ سب منظور نہیں تھا۔ صرف آپ لوگوں کی خاطر مجھے زبردستی ان کی مرضی کے مطابق لکھ کر دینا پڑا۔"

"کیا لکھ کر دے آئی ہو۔" ان کا دل ڈوبنے لگا۔

شہوار نے خوف زدہ انداز میں ماں کی سمت دیکھا۔

"امی..... اگر میں انہیں لکھ کر دینے پر راضی نہ ہوتی تو وہ مجھے کبھی نہ چھوڑتے۔"

"تو مر تو سکتی تھیں۔" ماں کا غصہ قابو سے باہر ہو چکا تھا۔ "کیا دیا ہے اسے لکھ کر بتاتی کیوں نہیں؟"

شہوار نے آہستگی سے وہ الفاظ دہرا دیئے جو احسن نے لکھوائے تھے۔

اس کی امی سر تھام کر دھپ سے بیڈ پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئیں۔

"تمہارے باپ کا کیا مزاج ہے۔ جانتی ہو۔ یہ کیا غضب کر آئیں۔" ان کی آواز شکستہ تھی۔

"میں نے یہ سب آپ لوگوں کیلئے اپنے بہن بھائیوں کیلئے کیا ہے۔" وہ رو دی۔

"اس سے تو بہتر تھا کہ تم اس کے پاس رہ جاتیں۔ یہ گڑھا جو تم کھود کر آئی ہو اس غلطی سے زیادہ خوفناک ہے جو احسن نے کی تھی۔

میں تمہارے باپ کا سامنا کیوں کر کروں گی۔ تم بیٹی ہو اور وہ بھانجا۔ یہ کیا غضب کر دیا۔ احسن اگر مرد ہے تو تمہارے باپ کی ناک بھی کچھ کم نہیں۔ اب تک جو ہو سو کم ہے۔"

"پھر میں کیا کرتی.....؟" وہ رندھی ہوئی آواز میں پوچھ رہی تھی۔

"وہ مجھے کسی طرح بھی آزاد کرنے پر راضی نہیں تھے"

"وہ تمہارے باپ سے رخصتی کا مطالبہ کرے گا جس پر وہ ہرگز راضی نہیں ہوں گے۔ یوں پھر وہ تمہاری تحریر سے کام لے گا۔ پھر تو شاید تمہارے باپ اسے جان سے ہی مار ڈالیں گے۔ تمہارے ساتھ ساتھ گویا میں بھی برباد ہو جاؤں گی۔"

"تو پھر بتایئے میں کیا کرتی.....؟"

"تمہاری ضد کی وجہ سے یہ سب ہوا ہے۔ احسن اگرچہ میرا بھانجا ہے مگر جاوید اس کے مقابلے میں بہت دھیما اور سلجھا ہوا ہے۔" وہ برہمی سے کچھ جتا رہی تھیں۔

وہ کچھ نہیں بولی۔ چپ چاپ روتی رہی۔

ماں الگ سر پکڑے نڈھال سی نظر آنے لگیں تھی۔ اور کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔

صفیہ نے احمر کو تاکید کی تھی کہ وہ "سانحے" کی خبر احسن کو نہ دے کہ اب فائدہ بھی کچھ نہیں۔ جو قیامت آنا تھی وہ تو آ لی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شکیلہ کی رخصتی ہوئے دوسرا دن تھا۔ گھر میں موت کا سناٹا چھایا ہوا تھا کہ اچانک شیخ رحیم الدین کی بہن بچوں کے آ گئیں۔

وہ گذشتہ بیس سال سے قطر میں تھیں۔ عموماً خاصے طویل وقفے کے بعد وطن آیا کرتی تھیں۔ صفیہ کیلئے اپنی یہ نند لئے بھی اہم تھیں کہ ان کی ایک بیٹی کی پرورش ان کے ہاں ہو رہی تھی۔ بیلا سے چھوٹی شائلہ کو انہوں نے گود میں لیا تھا۔

شیخ رحیم الدین کی بہن ثمینہ کے اپنے بھانجے جو چھوٹے چھوٹے تھے۔ وہ بے اولاد نہیں تھیں۔ ان دنوں وہ پاکر آئی ہوئی تھیں۔ جن دنوں شائلہ صفیہ کی گود میں آئی تھی۔

شیخ رحیم الدین نے ساتویں بیٹی کی آمد پر زمین آسمان ایک کر دیئے تھے۔ قریب تھا کہ صفیہ میکے جا بیٹھتیں۔ ثمینہ بھائی کا رویہ اور بھاوج کا دُکھ محسوس کر کے شائلہ کو گود لے لیا۔ اس وقت ان کے ہاں تین بیٹے تھے۔ شائلہ کو گود میں کے بعد ان کے ہاں دو بیٹیاں پیدا ہوئی تھیں۔

ثمینہ کی آمد نے گھر بھر کو جیسے دوبارہ زندہ کر دیا تھا۔ شیخ رحیم الدین کسی کام کے سبب گھر میں نہیں تھے۔

اتنے گھر کے افراد پھر ثمینہ کے ہمراہ پانچ بچے۔ گھر میں جیسے کسی تقریب کا گمان ہونے لگا تھا۔

"شکیلہ کہاں ہے بھابھی جان.....؟" ثمینہ کو شکیلہ نظر نہ آئی تو استفسار کیا۔

صفیہ ہونٹ کاٹتی رہ گئیں۔ "یہیں ہے۔" انہوں نے جیسے تند کو ٹالا۔

"یہیں ہے تو نظر کیوں نہیں آ رہی؟" وہ حیران سی ہوئیں۔ انہیں بھاوج کے انداز کچھ غیر معمولی سے محسوس ہو رہے تھے۔

"نظر بھی آ جائے گی۔ تم لوگ غسل وغیرہ سے فارغ ہو جاؤ پھر سب ایک ساتھ شام کی چائے پئیں گے۔" وہ کھڑی ہوئیں۔

اسی دم باہر گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ پھر کچھ توقف کے بعد کال بیل بجی۔ ثمینہ کے بڑے بیٹے نے دروازہ کھولا۔

ایک دم چونک کر پیچھے ہٹتا ہوا دکھائی دیا۔

"شش.....شکیلہ باجی.....آپ۔!!"

صفیہ بے قرار ہو کر دروازے کی سمت لپکیں۔ فیروزی بھاری ساڑھی میں ملبوس شکیلہ آگے بڑھ کر ان کے سینے سے گئی۔ اور اپنے اشکوں کو بدقت تمام قابو میں کیا۔

"کیسی ہے میری بیٹی.....؟" ان کی آنکھیں بھر آئیں۔

"بہت اچھی ہوں۔ امی! آپ کی دعائیں ہیں۔" وہ ان سے الگ ہٹتے ہوئے بولی۔

"امی.....! انعام صاحب بھی ساتھ ہیں۔" اس نے آہستگی سے ماں کو مطلع کیا۔

صفیہ ایک دم سنبھل گئیں۔

انعام علی شکیلہ کے پیچھے ہی تو کھڑے تھے۔

"السلام علیکم۔" ان کی آواز اُبھری۔

"وعلیکم السلام۔ آئیے انعام علی۔" وہ ایک دم متواضع ہو گئیں۔

"تم کب آئے ٹیپو.....؟" وہ مسکرا کر پھوپھی زاد سے مخاطب ہوئی جو ہکا بکا کبھی شکیلہ کو کبھی انعام علی کو دیکھ رہا تھا۔

"باجی.....یہ کون ہیں؟" وہ خاصا پریشان دکھائی دیا۔

"تمہارے دولہا بھائی ہیں۔ گھر والوں نے تمہیں کچھ نہیں بتایا؟" وہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی برآمدے میں آ گئی۔

ساری بہنیں سرخوشی کی کیفیت میں اس کی سمت دوڑیں۔ ثمینہ جو ابھی تک باتھ روم کے دروازے تک ہی پہنچی تھیں ہکا بکا کھڑی نظر آئیں۔

شکیلہ تیزی سے ان کی طرف بڑھی۔ "السلام علیکم پھوپھو.....!"

"وعلیکم السلام!" وہ شکیلہ کو گلے لگاتے ہوئے بھی حیران و پریشان نظر آ رہی تھیں۔

دلہن کے روپ میں شکیلہ کو دیکھ کر جیسے ان کے ہوش و حواس گم تھے۔

"بھابھی جان! یہ سب کیا ہے؟" اب ان سے رہا نہ گیا۔

"تمہارے اس سوال کا جواب تمہارے بھائی کے پاس ہے۔" وہ کہتی ہوئی ایک طرف بڑھ گئیں۔

"شکیلہ! کیا ہے یہ سب؟" اب وہ بھتیجی سے مخاطب ہوئیں۔

"وہی ہے پھوپھو جو آپ دیکھ رہی ہیں۔" شکیلہ نے نظریں جھکا کر کہا۔

"یعنی میں اس قابل نہیں تھی کہ مجھے بھی اس خوشی میں شریک کیا جاتا۔" ان کا دل سخت بدگمان تھا۔

"خوشی۔ ہونہہ!" نبیلہ نے راستے میں پڑی ہوئی ایک کرسی کھسکائی۔

پھر بیٹھک کی سمت چلی گئی جہاں انعام علی صوفے پر متمکن ہو چکے تھے۔

"السلام علیکم!" نبیلہ نے سلام کرتے ہوئے بڑی گہری نظروں سے ان کا جائزہ لیا۔

"وعلیکم السلام!" انعام علی نے بھی اب نبیلہ کا جائزہ لیا۔

"سالی ہوں آپ کی۔"

"اچھا۔ اچھا" انہوں نے کوٹ کی ایک جیب سے سگار برآمد کر کے اس کا ایک سرا دانتوں سے کچلنا شروع کر دیا۔

"میرے علاوہ پانچ بہنیں اور ہیں شکیلہ باجی کی۔"

"مجھے معلوم ہے۔" انعام علی نے بے نیازی سے جواب دیا۔

"معلوم ہے۔ کیسے؟" نبیلہ نے ذرا تعجب سے پوچھا۔

"آپ کے والد صاحب نے اپنی فیملی سے مکمل غائبانہ تعارف کرا دیا تھا۔" انہوں نے رسانیت سے جواب دیا۔

"اوہ....." (شکر ہے ابا جی نے ان تکلفات کا خیال رکھا)

"شیخ صاحب گھر پر موجود نہیں ہیں؟" انعام علی نے سگار سلگایا۔

"جی نہیں۔"

"اصولاً تو شکیلہ باجی کو کل آنا چاہئے تھا۔ کل تمام دن ہم نے ان کا انتظار کیا۔" وہ گویا ہوئی۔

"کل ہم لنچ اور ڈنر پر احباب کے ہاں مدعو تھے۔" پھر مختصراً جواب آیا۔

"کل آپ سب گھر والے ہمارے ہاں ڈنر پر مدعو ہیں۔" انعام علی نے گویا دعوت دے ڈالی۔

"ہماری پھوپھو بھی آئی ہوئی ہیں قطر سے مع فیملی"

"انہیں بھی ساتھ لائیے گا بہت خوشی ہوگی۔" برمحل جواب آیا۔

اتنے میں شکیلہ پھوپھو کو ساتھ لئے کمرے میں داخل ہوئی۔

"یہ انعام علی ہیں پھوپھو.....اور انعام صاحب یہ میری اکلوتی اور حقیقی پھوپھو ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انعام علی نے بڑے سجاؤ سے انہیں سلام کیا۔

پھوپھو حیران پریشان سی انعام علی کا جائزہ لے رہی تھیں۔

براؤن سوٹ میں ملبوس انعام علی انہیں اپنے شوہر کے "ہم عصر" دکھائی دیئے۔ ان کا دل دُکھ سے لبریز ہو گیا۔ وہ والوں کے رویئے سے کچھ کچھ سمجھ رہی تھیں۔

اپنے بھائی کے بارے میں ان سے زیادہ کون جان سکتا تھا۔

"یہ کیا ہو گیا ہے بچی کے ساتھ۔ وہ کچھ رسمی باتیں کر کے باہر اپنی بھاوج کے پاس چلی آئیں۔

"کیا دیکھا ہے آپ لوگوں نے.....؟" وہ ناراضگی سے پوچھ رہی تھیں۔

"مال.....ہم لوگوں نے نہیں تمہارے بھائی نے....." وہ سپاٹ لہجے میں بولیں۔

"اف خدایا..... یہاں یہ سب کچھ ہو گیا۔ اور ہم کو خبر تک نہیں۔ کون کون شامل ہوا تھا شادی میں.....؟"

"کوئی نہیں۔ نہ تم لوگوں کی طرف سے نہ میرے میکے والوں کی طرف سے۔"

"ایسی کیا آفت آئی تھی.....؟" وہ جل کر پوچھ رہی تھیں۔

"ایسی مزید کئی آفتیں آنے کا امکان ہے۔" صفیہ تلخی سے بولیں۔ "ابھی تمہاری پانچ بھتیجیاں اور موجود ہیں۔"

"اور.....احسن.....؟ احسن نے بھی مزاحمت نہیں کی؟" وہ حیران نظر آئیں۔

"شیخ صاحب اسے گھر سے نکال چکے ہیں۔" ان کی آواز رندھی ہوئی تھی۔

"کہاں ہے وہ.....؟"

"کراچی میں۔"

"اس نے باپ کے فیصلے کیخلاف آواز اٹھائی تھی۔ اس کی سزا ملی ہے۔"

"مجھے کیا خبر کہ اتنی قیامتیں آ چکی ہیں۔" عجیب سے ملال ثمینہ کے چہرے پر نقش تھے۔

"ابھی پانچ بچیاں اس گھر میں موجود ہیں۔ پانچ مزید قیامتیں مزید آنے کا امکان موجود ہے۔" وہ تلخی سے بولیں۔

"مگر میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ بس بہت ہو چکا۔" ثمینہ جیسے تڑپ گئیں۔

"تم کیا کر سکتی ہو..... یہاں تو بیٹا در بدر ہو گیا اور اس شخص پر کوئی اثر نہیں۔"

"فیصل.....!" ثمینہ نے بیٹے کو آواز دی۔

"جی ممی.....!"

ذرا اپنے پپا کو فون کر کے کہو کہ امی کہہ رہی ہیں جتنی جلدی ہو سکے اسلام آباد پہنچیں۔"

"خیریت.....؟" وہ چونکا۔

"تم بس فون کر آؤ۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

کیوں ہولا رہی ہو عرفان کو۔ انہیں پریشان کرنے کا فائدہ.....؟" صفیہ کچھ نہ سمجھ سکیں۔

"بھابھی جان۔ جب تک عرفان نہیں آ جاتے، آپ مجھ سے کوئی سوال نہ کریں۔"

اسی دم شیخ صاحب نے گھر میں قدم رکھا۔

مہمانوں سے ملتے وقت وہ قدرے خوش اخلاق نظر آیا کرتے تھے۔ درحقیقت انہیں اس بات کی قطعی پرواہ نہیں تھی کہ کون ان کے پاس آ رہا ہے اور کون نہیں۔

مگر اس وقت گھر میں موجود مختلف سمتوں سے آئے ہوئے مہمان موجود تھے۔ ان کی حقیقی بہن جوان سے چھوٹی بھی ان کی ایک مخصوص جذبہ اس کے لئے دل میں موجود تھا۔ پھر وہ ایسی مہمان تھی جو "زیر بار" نہیں کرتے۔ دوسری طرف ان کا بھانجہ صاحب حیثیت داماد تھا۔

اور پھر الف سے یے تک ان کا اپنا انتخاب تھا۔

لہٰذا گھر والوں نے ان کی خوش مزاجی خصوصیت سے محسوس کی۔

مگر ثمینہ اندر ہی اندر اس بات پر بھائی سے سخت ناراض تھیں کہ وہ اپنے اہم فیصلے اور کام کرتے وقت انہیں اس طرح بھول جاتے ہیں جیسے ان کا وجود ہی نہ ہو۔

عجب طرح کی بے قراری انہیں لاحق ہو گئی تھی۔ کبھی کسی بھتیجی کے پاس جا بیٹھتیں کبھی دوسری کے پاس یا پھر بلاوجہ ایک کمرے سے دوسرے کمرے کی طرف سفر شروع کر دیتیں اور آڑی ترچھی نظروں سے انعام علی کا جائزہ لیتیں۔

گذشتہ اتفاقات کا اجمالی خاکہ تو ان کی بھابھی ان کے گوش گزار کر چکی تھیں اور وہ سن کر سر بھی پیٹ چکی تھیں مگر بھائی کے سامنے بولنے کی ہمت ان میں بھی نہیں تھی کہ شیخ رحیم الدین کو کسی کا لحاظ نہیں تھا۔

شکیلہ کسی کام سے اسٹور میں گئی تو پیچھے پیچھے چلی آئیں۔

"چندا..... کیسے ہیں یہ انعام علی.....؟" انہیں شکیلہ پر ٹوٹ کر ترس آ رہا تھا۔ موقع پاتے ہی بھتیجی کے دل کا حال جاننا چاہا۔

"دو ہی تو دن ہوئے ہیں مجھے ان کے ساتھ رہتے ہوئے۔ اب اتنی جلدی کتنا سمجھا جا سکتا ہے.....؟ اس نے سمجھداری کا ثبوت دیا اور بڑا اپنا تلا سا جواب دیا۔

"ارے میرا تو کھانا پینا زہر ہو چلا ہے۔ اتنی لمبی چوڑی سسرال ہے۔ کہاں کہاں اور کیا کیا باتیں سننے کو ملیں گی۔ رحیم بھائی نے ہمیشہ اپنی من مانی کی ہے یہی وجہ ہے کہ تنہا رہ گئے۔ ہر کوئی ان سے ملتے ہوئے کتراتا ہے۔

میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتی ..... کہ یوں بھی کوسوں فاصلے پر رہتی ہوں۔ مگر مجھے تمہارے ساتھ ہونے والی اس زیادتی کا اتنا ہی دُکھ ہے جتنا کہ بھابھی جان کو۔

مجھے ڈر ہے کہ رحیم بھائی دوسری لڑکیوں کے ساتھ بھی یہی کچھ نہ کریں۔ تمہارے پھوپھا کو بلوایا ہے میں نے لاہور سے وہ یہاں آنا نہیں چاہتے اور میں اصرار کرنا غیر ضروری سمجھتی ہوں۔ مگر اب ان کی موجودگی ضروری ہے۔ میں چاہتی ہوں فیصل اور فیضان کا رشتہ مانگ لوں رحیم بھائی سے۔"

"جی.....!" شکیلہ جو ایک صندوق کھول کر کچھ ٹٹول رہی تھی چونک کر پلٹی۔

"میرا ارادہ تو تھا..... مگر ذکر اس لئے مناسب نہیں سمجھا کہ بچے چھوٹے ہیں۔ فیصل اٹھارہ سال کا ہے اور فیضان سولہ سال کا۔ فہد اگر ابنارمل نہ ہوتا تو میں تو تین بھتیجیاں اپنے گھر لے آتی۔ اب یہ نصیب کی بات ہے۔ ابھی میں نے کسی سے یہ بات نہیں کی ہے۔ صرف تم سے کر رہی ہوں۔

جو میرے اختیار میں ہو گا میں تم لوگوں کیلئے کروں گی۔ نبیلہ، نائلہ، انیلہ تو لڑکوں سے بہت بڑی ہیں۔ البتہ راحیلہ اور بلا ان کیلئے موزوں ہیں۔ کیا خیال ہے تمہارا.....؟"

شکیلہ بے ساختہ ان کے گلے لگ گئی۔

"آپ کتنی اچھی ہیں پھوپھو کوئی تو ہے جو ہماری تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ایسی کوئی بات نہیں۔تم سب میرے اپنے بچے ہو۔" ان کی آنکھوں میں پانی اُتر آیا۔"افسوس یہ ہے کہ میں تم لوگو
کے لئے اتنا نہیں کرسکتی جتنا کرنا چاہئے۔

مگر اب تم بھی بیاہتا ہو۔جان جاؤ گی۔جب عورت ماں باپ کا گھر چھوڑ کر دوسرے کے بس میں جاتی ہے تو بعض
اوقات کتنی مجبور ہو جاتی ہے۔اب تمہارے پھوپھا آئیں گے تو انہیں سمجھاؤں گی۔بیس سالہ رفاقت نے مجھے اتنا معتبر تو کر
دیا ہے کہ ان سے اپنی کوئی بات منوا سکوں۔پھر بھی اگر وہ نہ مانے یا انہوں نے کچھ اور سوچا تو تم بددل نہ ہونا۔اگلی جمعرات
کو ہم قطر روانہ ہو رہے ہیں پھر وہاں جا کر میں کوشش کروں گی تم گھبرانا نہیں۔

نبیلہ وغیرہ کیلئے اگر میں کوشش کروں گی تو یہ مشکل ہے۔سارا خاندان رحیم بھائی کی عادت جانتا ہے۔لڑکیوں کی
بھابھی کی سب تعریفیں کرتے ہیں مگر رشتے مانگتے گھبراتے ہیں۔یہ بہت بڑی مشکل ہے۔خیر اللہ مشکل کشا ہے۔

میں تو تم سے تمہارے دل کا حال جاننے تمہارے پیچھے آئی تھی۔روئمائی میں کیا دیا ہے انعام صاحب نے۔"

اسٹور گویا ایک گوشہ عافیت تھا جہاں پھوپھی بھتیجی رازداری سے باتیں کرسکتی تھیں۔

"یہ کنگن دیئے ہیں۔" شکیلہ نے دائیں کلائی آگے کردی۔

"تمہارے دل نے کتنا قبول کیا انہیں؟ گنجائش ہے کچھ.....؟" ثمینہ نے غور سے شکیلہ کو دیکھا۔

شکیلہ نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبایا.....اسے جیسے کچھ سوچ کر حیا آئی۔

"اچھے ہیں۔" وہ نظریں جھکا کر بولی۔

"اور پھوپھو.....میں کوئی آئیڈیلسٹ تو ہوں نہیں۔نہ میرے تصورات میں پہلے سے کوئی تھا۔ان کی عادات وطرز
عمل سے بہت گنجائش پیدا ہوسکتی ہے۔مجھے ابا جی کی عزت کا بھرم ہی نہیں رکھنا ہے کل کو اللہ کے سامنے جواب بھی د
ہے۔جو ہو گیا سو ہو گیا۔اب مجھے اپنے نئے فرائض یاد رکھنا ہیں۔"

ثمینہ نے بے ساختہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر پیشانی چوم لی۔

"کتنی پیاری' کتنی سمجھدار ہے ہماری بیٹی۔"

"پھوپھو.....! آپ میرا ایک کام کردیجئے گا۔"

"وہ کیا.....؟"

"اگر کراچی میں احسن بھائی سے ملاقات ہو تو ان سے کہئے گا کہ وہ ہر قسم کا احساس جرم اپنے دل سے کھرچ ڈالیں
کیونکہ میں بہت خوش ہوں۔" وہ جلدی سے کہہ کر مڑ گئی اور کپڑے الٹ پلٹ کرنے لگی۔

"پتا ہے تم لوگوں کے پاس اس کا.....؟"

"ان کے آفس کا ایڈریس اور فون نمبر ہے احمر کے پاس۔"

"پھر تو میں اس سے ملے بغیر جا ہی نہیں سکتی۔"

"اور پھوپھو.....پتا ہے ایک زبردست قسم کی جنگ شروع ہو چکی ہے۔"

"جنگ.....کیا مطلب.....؟" وہ واقعی کچھ نہ سمجھ سکیں۔

"آپ کو تو پتا ہی ہے ابا جی کا۔جب احسن بھائی گھر چھوڑ کر چلے گئے۔ تو اس کے کچھ عرصے بعد انہوں نے کراچ
ٹرانسفر کرالیا تھا وہاں جا کر انہیں پتا چلا کہ ابا جی نے انہیں نیچا دکھانے کیلئے ان کی سسرال میں جانے کیا کیا کہا کہ خالو جا
شہوار کی رخصتی پر راضی نہیں ہیں۔احمر اور امی کو فون پر بتایا تھا احسن بھائی نے۔امی نے خالہ جان سے

خالہ جان کہہ رہی ہیں کہ مجھے اپنا گھر بچانا ہے۔مرد کا دماغ گھومتے کیا دیر لگتی ہے۔"

"یہ لو.....تمہاری خالائیں تو احسن کے گن گاتے نہیں تھکتی تھیں۔" ثمینہ نے تعجب سے کہا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ ابا جان نے آخر وہ کیا بات کہی ہے کہ خالو جان شہوار کو طلاق جیسی لعنت دلوانا چاہ رہے ہیں۔
بلکہ بضد ہیں۔"

"احسن کیا کہتا ہے؟"

"وہ تو کبھی بھی شہوار کو طلاق نہیں دیں گے۔دیکھ لیجئے گا۔مجھ تو ڈر ہے وہ کسی دن جا کر اٹھا کر ہی لے آئیں گے۔"

شکیلہ آخر بہن تھی۔نبض شناس احسن کی انتہا پسندی سے واقف تھی۔

"مگر اس طرح تو مزید بگاڑ پیدا ہوگا۔یہ تو نہیں ہونا چاہئے۔اور پھر مرد تو بہت زیادہ ناک والے بنتے ہیں اگر ناک
کے مسئلے اٹھ کھڑے ہوئے تو کئی نسلوں تک چلیں گے۔

خیر میں احسن کو سمجھاؤں گی۔تم فکر نہ کرو۔" ثمینہ نے تسلی دی۔

دونوں باہر آ گئیں۔

ڈھلے ڈھلائے برآمدے میں کرسیاں اور موڑھے ڈال دیئے گئے تھے۔درمیان میں دو میزوں پر چائے کچھ لوازمات
کے ساتھ موجود تھی۔

"تم دونوں کہاں رہ گئیں تھی۔آؤ نا چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" صفیہ نے ان کو اپنی طرف بلایا۔

شکیلہ نے موجود لوگوں پر تفصیلی نظر دوڑائی۔

انعام علی نظر نہیں آئے۔

"میں نے چائے اندر بھجوادی ہے۔تمہارے ابا جی بھی وہیں ہیں۔" صفیہ نے اس کی نگاہیں پڑھ لیں۔

شکیلہ ایک لمحے کو گڑبڑا سی گئی' پھر ماں کے مقابل بیٹھ گئی۔

"تم فکر نہ کرو۔میں کبھی ایسی بات نہیں ہونے دوں گی کہ تمہیں اپنے مرد کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔جو جنگ ہے
وہ میرے اور تمہارے باپ کے درمیان ہے۔" صفیہ نے بیٹی کو مزید تقویت دی۔اور بہت آہستگی سے یہ جملہ کہا تھا۔

شکیلہ چائے کا کپ اٹھا کر گھونٹ بھرنے لگی تھی۔اس نے بھاری ساڑھی ضرور باندھ رکھی تھی اور زیور بھی پہن رکھا تھا
مگر چہرہ میک اپ سے عاری تھی۔صفیہ نے بیٹی کو بغور دیکھا تو اسے ماں سے نظر ملاتے ہوئے بھی حیا آنے لگی۔

ثمینہ چلی گئی تھیں۔ان کے شوہر ایک دن کیلئے آئے تھے اور بیوی سے تمام حالات جان کر اپنے دونوں بیٹوں کا رشتہ
کرنے پر متفق ہو گئے تھے۔

صفیہ کو ایک ایک گونہ سکون کا احساس شاید زندگی میں پہلی بار ہوا تھا۔

بلکہ انہیں تو اپنے کانوں پر یقین ہی نہیں آیا جب ثمینہ نے فیصل اور فیضان کا رشتہ مانگا۔عجب گومگو کی کیفیت ان پر
طاری ہو گئی تھی۔

بحران کے لمحات میں ثمینہ نے نند ہوتے ہوئے ان کی ماں جائیوں سے بڑھ کر ان کا دکھ بٹایا تھا۔ان کا رواں رواں
اپنے رب کے بعد ثمینہ کا شکر گزار تھا۔

انہیں یہ بھی خبر تھی کہ ابھی ثمینہ کے لڑکے بہت کم عمر ہیں مگر ثمینہ نے یہ فیصلہ کر کے گویا اس بات کا ثبوت دیا تھا کہ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس گھرانے کی سچی ہمدرد ہے۔

پھر اس میں شک بھی نہیں تھا کہ بحران کے ہر لمحے میں ثمینہ نے نجات دھندہ کا کردار ادا کیا تھا۔ ان کی بیٹی ثمینہ کے ہاں پرورش پا رہی تھی۔ ثمینہ کے بچے اسے اپنی حقیقی بہن سمجھتے تھے۔

ثمینہ نے شمائلہ کو کبھی احساس نہیں ہونے دلایا تھا کہ وہ ان کی کوکھ سے پیدا نہیں ہے۔

اسے زندگی کی تمام سہولتیں حاصل تھیں۔ اس کے چہرے پر کھیلتی خوشیاں اور طمانیت اس بات کا بین ثبوت تھی۔ اس کی اُٹھان غیر معمولی اور کشش بے پناہ تھی۔ بہترین ماحول، بہترین رہن سہن اور عمدہ خوراک نے اس کو ایک دلکش روپ اور ممتاز شخصیت میں ڈھال دیا تھا۔ اگرچہ اسے حقیقت کا پتا چل گیا تھا مگر وہ پھوپھی کے گھر میں بہت مطمئن تھی۔

نند کے جانے کے بعد انہوں نے دوگانہ نفل شکرانہ ادا کی تھی۔

بہت بڑے دُکھ کے بعد بہت بڑی خوشی..... قدرت نے عطا کی تھی۔

مگر احسن کے مسئلے کی پھانس ان کے دِل میں ہنوز گڑی تھی۔

"کل میں احسن کو فون کروں گی اور اسے یہ خوشخبری سناؤں گی۔ کچھ اس کا بھی ذہن ہلکا ہوگا۔ میرا بچہ پریشانیوں میں گھرا ہوا ہے۔ اللہ اس کی حفاظت کرے۔ اسے خوشیاں دے۔ یہ خطا اتنی بڑی ہے شیخ صاحب کہ میں تمہیں مرتے دم تک معاف نہیں کروں گی۔ پتا نہیں میرا بچہ ڈھنگ سے کھاتا پیتا بھی ہوگا یا نہیں؟ کیسا اکیلا کر کے رکھ دیا ہے اسے۔

ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

مغرب کی اذان ہو چکی تھی وہ نماز کیلئے اٹھ گئیں۔

سب لڑکیاں برآمدے میں نماز پڑھ رہی تھیں۔

شیخ رحیم الدین نے ایک نظر بیٹیوں پر ڈالی۔

"نائلہ کہاں ہے؟" انیلا نے سلام پھیرا تو انہوں نے فوراً پوچھا۔

"اوپر ہیں ابا جی.....!"

"اوپر کیا بٹ رہا ہے؟" وہ بگڑے۔

"شام کے وقت چھت پر جانے کی کیا ضرورت ہے۔ آس پاس کے گھروں کے سارے لونڈے لپاڑے اس وقت اوپر ہوتے ہیں۔"

"وہ پڑھ رہی تھیں۔" بیلا نے سلام پھیر کر جلدی سے کہا۔

"ہونہہ..... پڑھ رہی تھی۔ بڑی پروفیسر ہے۔ پڑھنے سے فرصت نہیں ملتی۔"

صفیہ کا دل جل کر خاک ہو گیا۔

دل تو چاہا کہہ دیں کہ پہرہ لگا کر رکھا کریں چھت پر بھی۔ کہ وہ بھی آپ کی ریاست کا حصہ ہے۔" کیوں کہ وہ ان سے بالکل بات نہیں کر رہی تھیں۔ بس سلگ کر سوچتی رہ گئیں۔

نائلہ نے باپ کی گرج چمک سن لی تھی۔ جلدی جلدی اپنی کتابیں اور کاغذ سمیٹنے لگی۔ کانوں کے پیچھے دوپٹہ اُڑسا۔

جیسے ہی اپنا سامان اُٹھایا دل دھک سے رہ گیا۔

سامنے والوں کی ایک کھڑکی آباد ہو چکی تھی۔

وہ سیٹی پر ایک انڈین مقبول نغمے کی دھن بجا رہا تھا۔

آتے جاتے راستوں میں، بس میں، محفلوں میں، اُڑتی پڑتی نظریں تو یوں بھی "معمولات" میں شامل ہوا کرتی ہیں۔

مگر براہ راست مخاطب کرنے کا یہ واقعہ انتہائی اور گھبرا دینے والا تھا۔

گرتے پڑتے اس نے زینہ طے کیا اور کمرے میں جا کر کئی منٹ سانس درست کیا۔

"یہ کون بیہودہ لوگ آ گئے ہیں سامنے؟" وہ جیسے خود سے پوچھ رہی تھی۔

"نماز نہیں پڑھ رہی نیلی؟" نبیلہ جانے کب کمرے میں آ گئی تھی۔

"پڑھ رہی ہوں آپا.....!"

"بیٹی ایک بات کہوں۔ برا تو نہیں مانو گی؟"

"نہیں نہیں خالہ..... کہئے۔ منزہ گاؤ تکیے اکٹھے کئے بہت انہماک سے غلاف تبدیل کرنے میں مگن تھی۔

"بات یہ ہے دلہن۔ مجھے تمہاری ماں....." خالہ رُک گئیں۔

"ہاں ہاں..... کہئے۔" منزہ کے متحرک ہاتھ رُک گئے۔

"مجھے تمہاری ماں زندگی سے بیزار دکھائی دیتی ہیں۔ چار باتوں کے جواب میں ایک بات کرتی ہیں۔ جانے کیا سوچتی رہتی ہیں۔ میں تو خوش ہو رہی تھی کہ چلو تمہاری ماں آ جائیں گی تو گھر میں ایک رونق ہوگی۔ میرا دِل بہلے گا، برا نہ ماننا مزاج والی لگتی ہیں۔ حالانکہ جس مالدار آدمی کی وہ بیوی ہیں اس شخص کی تم بھی بیٹی ہو اور بلال بھی ہے۔ مگر تمہاری ماں تم سے بہت مختلف ہیں۔"

"ارے نہیں خالہ.....! میری امی تو بے حد سادہ اور پیاری ہیں۔" منزہ نے محبت آمیز لہجے میں کہا۔

"دولت سے تو وہ بے حد بیزار ہیں۔ آپ نے ان کے کپڑے دیکھے ہیں۔ گھر میں ململ کے دوپٹے اوڑھتی ہیں۔ رنگوا کر۔ سونے کی دو چوڑیاں میں نے ہوش سنبھالنے پر ان کے ہاتھ میں دیکھی تھیں۔ آج تک وہی پہنے ہوئے ہیں۔

پاپا جو رقم مجھے دیتے تھے پڑھائی کے دنوں میں جب میں ہاسٹل میں رہا کرتی تھی تو امی مجھے تاکید کرتی تھی کہ رقم سوچ سمجھ کر خرچ کیا کرو۔ فضول چیزیں نہ خریدا کرو۔ کپڑے موسم کے اور کم بنایا کرو۔ دو جوڑی جوتوں میں گزارہ ہو سکتا ہے تو ان مت خریدو۔ بے تکی جیولری مت خریدا کرو۔ لڑکیوں کو اتنی جیولری استعمال کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔

ضرورت مند اور مستحق لوگوں کا خیال رکھا کرو، غریب بچوں کو یونیفارم اور کتابیں مہیا کر دیا کرو۔ تعلیم یافتہ ہو کر کسی قابل ہوں گے تو تمہیں دعائیں دیں گے۔

اب بتائیے..... ان خیالات کی حامل خاتون کو مزاج دار یا مغرور کہنا درست ہے؟ انہیں ہر لمحہ خدشہ رہتا تھا کہ پاپا میں بڑی رقم دے کر کہیں بگاڑ نہ دیں۔

جب چھٹیوں میں، میں نوشہرہ میں ہوتی تھی۔

اُف توبہ امی میرا "ہوم اکنامکس" کا پیریڈ شروع کر دیتی تھیں۔ کہتی تھیں اکلوتی ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ تمہیں ناکارہ انسان بنا دیا جائے۔

امی اس بات سے بھی سخت ناراض ہوتی تھیں کہ سہیلیوں کے ساتھ جا کر آئے دن ریستوران میں، ہوٹلز میں کھانا کھایا جائے۔

میں پکانے سے بہت گھبراتی تھی تو مجھے ڈانٹ ڈانٹ کر کچن میں بھیجتی تھیں اور کہتی تھیں اگر تمہارے میاں کے پاس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اتنی دولت نہ ہوئی کہ وہ ہونٹنگ کرا سکے تو کیا بھوکی مروگی۔انہوں نے پیسے کی نمائش کبھی پسند نہیں کی۔

انہوں نے ہماری تربیت اس طرح کی جیسے کپڑا بننے کے لئے محنت سے تانا بانا تیار کیا جاتا ہے۔کل بلال کو ڈانٹ رہی تھیں وہ کوئی دوسری ڈش تیار کرنے کیلئے کہہ رہا تھا کہ کیوں بہن کی ناک میں تنکا چلا کر رکھتے ہو جو پکتا ہے وہی کھانا پڑتا ہے۔ پاپا کے پیسے تو کاغذات پر نقش ہیں۔ان سے تو ملکی معیشت ہی مستحکم ہو رہی ہے۔"

منزہ عجیب انداز میں ہنس پڑی۔

"ہمارے گھر کے اخراجات عام گھروں سے زیادہ نہیں۔امی کی جو باتیں میں نے آپ کو بتائی ہیں انہیں سن کر بھی اب آپ امی کو مغرور کہیں گی.....؟"

وہ مسکرا کر خالہ سے پوچھ رہی تھی۔

"خاموش بہت رہتی ہیں نا.....پھر اتنے بڑے آدمی کی بیوی ہیں اس لئے خیال آ گیا کہ شاید ہم ان کے برابر کے نہیں ہیں تو....."

"ارے نہیں خالہ.....ایسا کبھی سوچئے گا بھی نہیں۔"

"پھر کہیں ایسا تو نہیں.....خدانخواستہ انہیں کوئی دکھ ہو۔ان کے چہرے سے لگتا ہے جیسے وہ کوئی خاص بات سوچتی رہتی ہیں۔"

منزہ کی مسکراہٹ ایک دم غائب ہو گئی۔

اس نے خالہ کی سمت دیکھا۔(واقعی خالہ بے حد گہری نگاہ رکھتی ہیں۔تجربہ کار لوگوں کے سامنے احتیاط لازم رکھنا چاہئے)

"نہیں نہیں.....ایسی تو کوئی بات نہیں۔بس انسان کی اپنی طبیعت ہوتی ہے۔"اس نے جھٹ خالہ کے خیال سے اختلاف کیا۔

"اور سنائیں خالہ.....!کوئی نئی تازی۔کوئی نیا شکار پھنسا.....؟بلال کہیں جانے کیلئے تیار ہو کر لاؤنج میں آیا تو خالہ کو دیکھ کر پھر رگ پھڑکی۔

"خالہ!کل میں شادی شدہ لوگوں کے خیالات پڑھ رہا تھا۔ایک مشہور مفکر کہتا ہے۔شادی ایسا دائرہ ہے۔جو اندر ہیں وہ باہر آنا چاہتے ہیں اور جو باہر ہیں وہ اندر جانا چاہتے ہیں۔اندر کچھ گڑبڑ ہوتی ہو گی جب ہی تو باہر آنا چاہتے ہیں۔"

رحم کریں خالہ۔کیوں آزاد پنچھیوں کے پر کاٹتی ہیں۔آپ "نیرو" سے کم ظالم تو نہیں ہیں؟"

خالہ کا تو پارہ ہائی ہو گیا تھا۔وہ ان کے "کاز" کے خلاف جو بولتا تھا۔

"یہ کم بخت نیرو کون ہے؟اور مجھ سے کیوں ملا رہا ہے؟"وہ سلگ اٹھیں۔

"ہے نہیں' تھا۔روم کا بادشاہ۔بے گناہوں کو جانوروں کی کھالوں میں بند کر کے ان پر بھوکے شیر چھوڑ دیا کرتا تھا۔ شہر جلتا تھا اور وہ بانسری بجاتا تھا۔آپ بے چارے مردوں پر شیروں کی بجائے بیویاں چھوڑ دیتی ہیں۔ایک ہی بات ہے۔"

"دیکھ تو پٹے گا اب۔ارے اس کو اتنی باتیں پتا کیسے لگتی ہیں؟میری اتنی عمر ہو گئی مجھے تو پتا تک نہیں کہ نامراد روم کے باشا (بادشاہ) کا نام کیا تھا.....آج کے بچے بہت تیز ہیں۔اے کیا کتابوں میں پڑھاتے ہیں ان کے استاد.....؟"اب وہ منزہ سے پوچھ رہی تھیں۔

"جو استاد پڑھاتے ہیں' وہ تو یہ لوگ پڑھتے ہی نہیں۔"منزہ نے بھی بلال کی کھنچائی کی۔

اسی دم ماں کو اندر آتے دیکھا تو ایک دم باہر نکل گیا۔

"بیٹے!اسے تو کا کرو!کیوں بے چاری سیدھی سادھی خالہ کو ستاتا ہے۔"وہ ایک کرسی پر آ کر بیٹھ گئیں۔

"بہت منع کرتی ہوں امی!باز نہیں آتا۔"

"ارے بدتمیز نہیں ہے'بس شرارتی ہے'خوش بخت بچہ ہے'اس کی فکریں اٹھانے والے موجود ہیں'بس بے فکری کی وجہ سے لاابالی پن ہے۔"خالہ کو واقعی بلال سے سچی محبت تھی۔جب ہی تو اسے کچھ کہنے بھی نہیں دیتی تھیں۔

"آپ سنایئے کیا کر رہی تھیں۔"خالہ نے روئے سخن ان کی جانب کیا۔

"بلال کی دادی کی برسی قریب ہے۔قرآن پورا کر رہی تھی۔ہم ان نیک لوگوں کے لئے اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔"

"اے کیا بہت اچھی تھیں آپ کی ساس.....؟"خالہ کو جیسے یقین نہ آیا۔

"ایک ڈھال.....ایک چھت.....ایک سائبان تھیں وہ میرے لئے۔"منزہ کی امی نے ایک سرد آہ بھری۔"جنت مکانی میری ماں تھیں وہ ساس نہیں۔"

"اچھا.....!!"خالہ کو ایک ساس کی غائبانہ تعریف سے کچھ حیرت کچھ خوشی ہوئی تھی ورنہ وہ جس گھر جاتی تھیں' زیادہ مواد "ساس بہو" کے رشتوں سے حاصل کرتی تھیں۔

اور خود ان کی اپنی ساس سے کبھی نہیں بنی تھی۔

"ان کی کمی تو آج تک محسوس ہوتی ہے۔"

"جب آپ کو اتنا ملال ہے تو منزہ کے پاپا کو ماں کتنا یاد آتی ہوں گی۔"خالہ نے اندازہ لگایا۔

منزہ کی نظریں بے ساختہ ماں کی سمت اٹھیں۔وہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔اور دونوں نے ایک ساتھ ایک دوسرے سے نظریں چرا لیں۔

ایک ہفتہ بالکل خاموشی سے گزرا تھا۔

فون کی ہر گھنٹی پر اس کا دل دھڑک جاتا تھا۔فون کی گھنٹی نہیں بجتی تھی گویا قضا کی آواز ابھرتی تھی مگر آج صبح جب فون کی گھنٹی بجی وہ کپڑوں پر استری کرنے میں مصروف تھی۔فون دانیال نے اٹینڈ کیا تھا اور اس سے کہا تھا آپا احسن بھائی کا فون ہے۔یہ سن کر تو اس کی ٹانگیں بے جان ہو گئی تھیں۔

"امی کو کہو۔"اس نے بدقت کہا تھا۔

اور جب امی نے فون پر اسے کہا کہ

"وہ اس سے کلام نہیں کرنا چاہتیں۔

وہ اپنے خالو سے بات کرے جو رات کو آئیں گے۔"اور انہوں نے ریسیور رکھ دیا تھا۔

تب سے رات کی آمد تک اس کی جان سولی پر لٹکی ہوئی تھی۔

اس نے ٹھیک دس بجے فون کی آواز سنی تو یقین ہو گیا کہ احسن ہی کا فون ہے۔بھاگ کر باتھ روم میں گھس گئی' چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے باپ کے قدموں کی آواز سنی۔دل دھڑ دھڑ بجنے لگا تھا۔

سردار صاحب نے ریسیور اٹھایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہیلو۔ بول رہا ہوں۔"

"میں تمہارے سلام کا جواب دینا بھی پسند نہیں کرتا۔ سنا تم نے۔" وہ غضب ناک نظر آئے۔

"میں ہر رشتہ ختم کر چکا ہوں۔ تم اپنی ہر قسم کی خوش فہمی دور کر لو۔"

"تم نے جبراً جو تحریر بچی سے لکھوائی ہے اس کا توڑ میں تلاش کر چکا ہوں۔ اب تم سے کورٹ میں بات ہوگی۔"

"خدشہ ہے کہ الٹی تمہیں ہتھکڑیاں لگیں گی۔"

"میاں" کہنے کی حد تک ہر بات آسان ہوتی ہے۔ خیر مناؤ۔"

"مجھے اتنے گواہ میسر ہیں کہ انتخاب کرنا ایک مسئلہ ہوگا۔ میں تمہاری طرح اکیلا نہیں ہوں سمجھے۔" وہ بری طرح دھاڑے تھے۔

شہوار کی ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔

"تم نے جو میرے ساتھ کیا ہے میں نے اگر سبق نہ سکھایا تو نام بدل دینا۔" انہوں نے کھٹاک سے ریسیور کریڈل پر دے مارا۔

وہ پلٹے ہی تھے کہ گھنٹی پھر بجنے لگی۔

سردار صاحب نے آگے بڑھ کر پھر ریسیور اٹھایا۔

"دار پر بھی چڑھ جاؤ تو شہوار کی آواز نہیں سن سکتے۔ کوئی رشتہ نہیں ہے اس سے۔ کیونکہ وہ میری اولاد ہے۔ وہی کرے گی جو میں چاہوں گا۔ تم اگر سامنے ہوتے تو میں گولی مار دیتا۔ خبردار جو میں نے کبھی فون پر تمہاری منحوس آواز سنی۔"

سردار صاحب نے ریسیور پھر کریڈل پر دے مارا اور تیزی سے باہر نکل گئے۔ ڈرائنگ روم میں ان کے کچھ دوست آئے بیٹھے تھے۔

ورنہ وہ نو بجے کے بعد اسی کمرے میں بند ہو جاتے تھے۔ شہوار انہی کے کپڑوں پر استری کر رہی تھی۔

وہ باتھ روم سے نکل آئی اور پھر استری کرنے میں مگن ہو گئی۔

امی بھی کمرے میں آ گئی تھی۔

"احسن کا فون تھا۔ کیا کہہ رہے تھے تمہارے والد؟" وہ خود گویا ڈر کے مارے شوہر کے پیچھے پیچھے نہیں آئی تھیں۔

"ناراض ہو رہے تھے۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"ظاہر ہے خوش تو نہیں ہو سکتے۔ مردوں کی اس جنگ میں ہم بہنیں ایک دوسرے سے بری بن رہی ہیں۔ تم اگر جاوید کیلئے حامی بھر لیتیں تو یہ حالات پیدا ہی کیوں ہوتے؟" وہ پھر ملول ہوئیں۔ "تمہیں کیا پتا شیخ صاحب نے باپ ہوتے ہوئے بھی احسن کی کیا کیا باتیں بتائی ہیں۔ ایسے ہی تو کماؤ پوت کو گھر سے نہیں نکال دیا۔ اپنا پھل دار درخت بھی کوئی کاٹتا ہے۔ جب جوان بچیاں گھر میں موجود ہیں۔

صفیہ باجی تو ماں ہیں' ظاہر ہے وہ تو اولاد کے عیب چھپانے پر مجبور ہیں۔ مگر ہم کس بنیاد پر اپنی بچی کو بھینٹ چڑھائیں۔

جتنا درد انہیں اپنی اولاد کا ہے اتنا ہی ہمیں اپنی اولاد کا ہے۔ میں نے خط میں احسن کی کارروائی لکھ کر بھیج دی ہے۔ اب وہ بھی بیٹے کی حمایت نہیں کریں گی۔"

ماں بولتی رہیں' شہوار خاموشی سے وارڈ روب میں کپڑے لٹکانے میں مصروف رہی۔

"سارے خاندان میں ہمارا تماشا بنا دیا ہے۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ میرا تو دل بیٹھا جاتا ہے۔

اب تمہیں کون بیاہنے آئے گا۔ کہتے ہوئے کی زبان تو نہیں پکڑی جاتی۔ ہزار وہ تمہارا قانونی و شرعی خاوند تھا مگر [illegible] بھر غائب رہنے کے بعد میں کسی کو کیسے یقین دلاؤں۔"

وہ منہ پر دوپٹہ رکھ کر رونے لگیں۔

"ارے احسن..... تو بھی آباد نہیں رہے گا۔ تو نے ہمیں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رکھا۔ میں نے تو تمہارے [illegible] سے کہہ دیا تھا کہ کر دیں احسن ہی کے حوالے۔ یہ اس کا نصیب ہے۔ کیا لڑکی ساری عمر گھر بٹھائیں گے۔

مگر ان کی پٹھانوں والی غیرت..... انہیں ہم سب سے زیادہ اپنی ناک کی فکر ہے۔ آج بھی کوئی وکیل آیا تھا۔ دو گھنٹے [illegible] جانے کیا باتیں ہوئیں۔"

شہوار کے کان تو کھڑے تھے مگر بظاہر وہ کام میں مگن رہی۔

"اے میرے اللہ....." انہوں نے ایک سرد آہ کھینچی۔

ماں کو اس درجہ دکھی دیکھ کر شہوار کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ باہر نکل گئی۔

اپنے کمرے میں آئی تو نیلوفر سو چکی تھی۔

وہ وضو کر کے نماز پڑھنے میں مشغول ہو گئی۔

اچانک محسوس ہوا کہ ڈرائنگ روم میں یا ٹی وی لاؤنج میں کچھ شور سا ہو رہا ہے۔ آج کل تو ویسے بھی اس کی جان سولی پر لگی رہتی تھی۔

وہ ایک دم باہر آ گئی۔

اور جو منظر اس نے دیکھا..... دیکھ کر چکرا گیا۔

بغل میں چھڑی دبائے ایک سمارٹ سا پولیس افسر سردار محبوب علی خان سے بات چیت میں مصروف تھا۔ اس کے ہاتھ میں کچھ تھا جو وہ سردار صاحب کو دکھا رہا تھا۔

دو سپاہی اس کے پیچھے کھڑے تھے۔

انتہائی لڑاکا قسم کے تاثرات چہرے پر سجائے دو لیڈی پولیس الرٹ کھڑی تھیں۔

"لڑکی کدھر ہے..... باہر نکالیں۔"

ایک لیڈی کی کرخت آواز گونجی۔

شہوار کی ٹانگیں بے جان ہو چکی تھیں۔ اس میں اتنی ہمت بھی باقی نہیں رہی تھی کہ وہ بھاگ کر کسی کمرے میں بند ہو [illegible]۔

"بی بی..... لڑکی کو باہر لائیں۔" لیڈی انسپکٹر اس کی امی سے مخاطب ہوئی۔

"آپ پہلے میرے شوہر کی بات تو سن لیں۔ دیکھیں وہ آفیسر سے کیا بات کر رہے ہیں۔" اس کی امی کی آواز بے حد [illegible] تھی۔

"کبھی تمہارے شوہر کی بات سنیں۔ کبھی تمہاری لڑکی کے شوہر کی۔ ہمیں کسی بات سے مطلب نہیں۔

ہم وہی کرتے ہیں جو ہمیں حکم ملتا ہے۔" توبہ..... لیڈی انسپکٹر تھی کہ فولاد ڈھلا ہوا تھا۔

"اگر آپ اسے باہر لانے سے مجبور ہیں میڈم تو ہماری انسپکٹریہ کام خود بھی کر سکتی ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پولیس آفیسر..... شہوار کی امی سے معمول کے انداز میں مخاطب ہوا۔

"کیا آپ لوگ انسان نہیں؟

کیا آپ کے سینے میں دل نہیں؟

کیا انسانوں کو تماشا بناتے ہوئے آپ کو کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا.....؟" وہ رو پڑیں۔

"دیکھیں میڈم..... ہم آن ڈیوٹی ہیں۔ اپنے فرائض پورے کر رہے ہیں۔ آپ ہمارے کام کو پیچیدہ نہ بنائیں۔"

پولیس آفیسر بڑی شائستگی سے انہیں سمجھا رہا تھا۔

"اگر آپ کی بیٹی اپنے شوہر کو خط لکھتی تو بات کمزور بھی ہو سکتی تھی۔ مگر یہ دیکھئے۔" انہوں نے براہ راست قانو مخاطب کیا ہے۔"

آفیسر نے فل اسکیپ کاغذ پر لکھی ہوئی تحریر ان کے سامنے کی۔

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہماری بیٹی کی تحریر ہے" صدمے سے شاید ان کا ذہنی توازن بگڑ رہا تھا۔

"جو دستخط نکاح نامے پر موجود ہیں وہی اس درخواست پر بھی ہیں۔ آپ ہمارا وقت ضائع کر رہی ہیں۔" آفیسر کاغذ موڑ کر جیب میں ڈال لیا۔

"بغیر کسی اجازت نامے یا بنیاد کے ہم آپ کو کیوں تکلیف دے سکتے تھے.....؟"

اس نے لیڈی پولیس کو اشارہ کیا۔ شاید اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ لوگ یونہی وقت ضائع کرتے رہیں گے کے عقب سے گھر والے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

سیٹی کی آواز کے ساتھ۔ وہ دونوں اندر بڑھ گئیں۔

شہوار جس راہ داری میں کھڑی ہوئی تھی۔ وہ تاریک تھی۔ مگر لاؤنج سے وہاں روشنی پہنچ رہی تھی۔

"دُرِ شہوار..... دُرِ شہوار"

لیڈی پولیس انسپکٹر کی کرخت آواز اُبھر رہی تھی۔ جیسے کوئی میلے میں اپنا بچہ ڈھونڈ رہا ہو۔

ایک لیڈی کی نظر راہداری میں کھڑی شہوار پر پڑ گئی۔ وہ اس کی طرف بڑھی۔ دوسری اندر سے نیلوفر کو اٹھا لائی۔

نیلو کی تو گھگھی بندھی ہوئی تھی۔ آتے ہیں امی سے چپک کر کھڑی ہو گئی۔

شہوار کے تو جیسے اعصاب جواب دے چکے تھے۔ درحقیقت وہ اپنے گھرانے کی ایسی تذلیل کا..... تصور بھی نہ سکتی تھی۔

"تم..... دُرِ شہوار"

"تن..... نن..... نہیں..... یہ....." نیلو نے کانپتے ہوئے بت بنی شہوار کی سمت اشارہ کیا۔ دونوں بہنوں کی میں مشابہت بہت تھی۔

سردار صاحب کا سارا کروفر جھاگ کی طرح بیٹھ چکا تھا۔ وہ پشت پر ہاتھ باندھے ہوئے ٹہلتے جا رہے تھے ا آشام نظروں سے شہوار کی سمت دیکھتے جاتے تھے۔

وہ جس بات کو اپنے رسوخ کی وجہ سے بہت آسان سمجھ رہے تھے وہ بڑی مشکل ثابت ہوئی تھی۔

دُرِ شہوار کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر نے تو ان کے سارے کس بل سیدھے کر دیئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ شا نے اپنے نام کوئی تحریر لکھوائی ہے۔

مگر اس درخواست میں تو بیٹی براہ راست قانون سے مخاطب تھی۔

ان کو اب بھی احساس نہیں ہوا تھا کہ غصے کے طوفان میں دانائی کے چراغ نہیں جلتے۔ بے محل انا انسان کیلئے وہ بڑی ثابت ہوتی ہے جو وہ خود اپنے پاؤں پر مارتا ہے۔ ان کی سوچ انتہا پسندی کی حدوں کو چھو رہی تھی مگر قانون ان کے برابر جان تھا۔ سو وہ مصلحتاً چپ تھے۔

آفیسر نے شہوار کے نکاح..... کی تصویر لیڈی انسپکٹر کو دی تھی۔ جسے دیکھ کر اس نے شہوار کو بغور دیکھا تھا۔

"کیا اس کا میاں ساتھ نہیں ہے آپ لوگوں کے.....؟" شہوار کی امی نے "کسوٹی" کی طرح شہوار کو بوجھنے پر غالباً شمار کیا تھا۔

کہ میاں کی موجودگی میں اس طرح شناخت کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

"بی بی چادر اوڑھنا چاہو تو اوڑھ لو۔ اور کچھ لینا چاہتی ہو تو لے لو فوراً..... ہری اپ۔" لیڈی انسپکٹر نے اپنی چھڑی ہلائی۔

"میں کیا پوچھ رہی ہوں۔ اس کا میاں کہاں ہے۔" اس کی امی ذرا زور سے بولیں۔

"آپ برائے مہربانی ہمارے کام میں مداخلت نہ کریں۔ ہم انہیں خود ہی یہاں نہیں لائے ہیں۔" آفیسر نے اُچٹتی ہوئی نظر سردار صاحب پر ڈالی۔ اور دُرِ شہوار کے قریب چلا آیا۔

"بی بی..... یہ تحریر آپ ہی کی ہے ناں.....؟" شاید وہ خانہ پُری کیلئے پوچھ رہا تھا۔ وگرنہ نکاح نامے پر موجود دستخط کی سے تحریر ثابت ہو چکی تھی۔

شہوار کے اندر شاید مصلحت یا جھوٹ و بناوٹ سے کام لینے والی حس دم توڑ چکی تھی۔ اس نے نڈھال انداز میں سر کو ثبات میں جنبش دی۔

"شاید تمہیں میرے اثر و رسوخ کا اندازہ نہیں ہے۔ آفیسر۔" سردار صاحب کو بڑی دیر میں ایک موزوں جملہ بھائی یا۔

"مجھے افسوس ہے۔ مجھے اوپر سے حکم ملا۔ تعمیل میری ڈیوٹی ہے۔ ہری اپ۔" انسپکٹر نے جیسے سردار صاحب کی بات کو ہمیت نہ دی۔ اور اپنے کام میں مصروف نظر آیا۔

"امی.....!"

دُرِ شہوار چیخ مار کر ماں سے لپٹ گئی اور تڑپ تڑپ کر رو دی۔

"جلدی کرو بی بی۔ یہ رونا دھونا بند کرو۔" لیڈی انسپکٹر کی کڑک دار آواز گونجی۔

سردار صاحب منہ پھیر کر اندر کی طرف بڑھ گئے۔

گویا انہوں نے شہوار سے ہمیشہ کی لاتعلقی کا اظہار کر دیا۔

لیڈی پولیس نے شہوار کا بازو تھام لیا اور لے کر چلیں۔

"نیلو! جاؤ چادر لے کر آؤ اندر سے۔"

نیلو بھاگ کر اندر گئی اور کچھ توقف کے بعد آف وہائٹ خوبصورت چادر لئے چلی آئی۔

"شہوار۔ سے اوڑھ کر گھر سے نکلو۔

چہرہ چھپا لو..... کسی جاننے والے کی نظر نہ پڑ جائے۔ کاش تم پیدا ہوتے ہی مر جاتیں۔" شوہر کے رویئے نے ان کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مزید اوسان خطا کر دیئے تھے اس لئے بے تحاشہ جذباتی ہو گئیں۔

شہوار کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

نیلوفر بھاگتی ہوئی لاؤنج سے باہر نکل گئی۔

دونوں لیڈی پولیس اس کے دائیں بائیں تھیں۔ اسی دم دانیال اور نوفل بھی اوپر سے آ گئے۔ دونوں اے سی آر ائر پروف بیڈ روم میں تھے۔ اس لئے شاید ہنگامے کا پتا نہ چل سکا تھا۔

غالباً اب نیلوفر نے انہیں جگایا تھا۔

وہ دونوں حیران و ششدر اپنی آپا کو "یونیفارمز" کے جلو میں جاتا دیکھ رہے تھے۔

یہ انسان کی فطرت کا خاصا ہے۔

جب وہ مرنا نہیں چاہتا تو زندگی اسے خود زندہ رہنے کے آداب سکھا دیتی ہے۔ وہ جو سرطان میں مبتلا ہے۔ اسے موت سے خوف ہے۔ تمام تر تکالیف کے باوجود حاصل حیات یہ تمنا ہے کہ کوئی اسے زندگی کی امید دلاتا رہے۔ کوئی م دلغزالے کر آئے۔

جو کسی حادثے کا زخمی ہے.....

زندگی کی پیاس اسے بھی شدید ہے۔ وہ اپنا عضو کٹوا کر بھی زندہ رہنے کو ترجیح دیتا ہے۔ وہ جو دکھوں سے عاجز اسے بھی آنے والے کسی سکھ کا احتمال زندہ رہنے پر مجبور کرتا ہے۔

جتنے آسمان پر تارے ہیں۔

اتنے شاید زندگی کے بہانے۔

زندگی کے راستے۔

پھر وہ تو ایک نوخیز کلی تھی۔

کیا وہ اتنی بات پر موت کو گلے لگا لیتی کہ اس کا شوہر اس سے عمر میں بڑا ہے مگر.....

یہ بھی تو کتنی پرکشش بات ہے کہ وہ شہر کا ایک ممتاز شخص ہے۔

وہ اس گھر میں کیا آئی۔

جیسے کوئی دور افتادہ گاؤں کا باشندہ اچانک روشنیاں برساتے شہر میں آ نکلے۔ پھر سب سے بڑھ کر وجود کے فطر تقاضے۔

وہ اپنے گھر میں بڑی تھی۔ پروقار تھی۔ اس کا مقام تھا گھر میں۔ اس لئے طبعاً سنجیدہ تھی۔ انعام علی نے اتنے پروقا انداز میں اسے اپنائیت کا اظہار کیا کہ اس کا "اصل" مطمئن ہو گیا۔

اسے اتنے مہذب انداز میں چاہا گیا کہ اسے بہت کچھ نظر انداز کرنا پڑا۔

اتنے سجاؤ والا نفیس سا انسان.....

کہ وہ بھولنے لگی کہ اس کے گھرانے کی کمزوری سے فائدہ بھی اسی شخص نے اٹھایا ہے۔ اسے کتنے دن ہو گئے تھے اس گھر میں حکمرانی کرتے ہوئے۔

انعام علی نے ایک دن بھی اس سے کسی قسم کی باز پرس نہیں کی تھی۔

وہ بڑے رکھ رکھاؤ سے رہتے تھے۔

گھر میں سارا دن بھی رہتے تو نوعمر نوجوان دولہا بننے کی بھونڈی کوشش نہیں کرتے تھے۔ وہ اپنے کام میں مگن۔ گھر میں مصروف۔

اپنی تنہائی کے وہ لمحات۔ جب دنیا پس منظر میں چلی جاتی ہے۔

وہ جمع دو چار کا حساب بند ہو جاتا ہے.....

جب انسان خالصتاً "اپنے" لئے ہوتا ہے.....

وہ اس کی ذات کو باغ و بہار کر دیتے تھے۔ ہر فرق ایک موہوم لکیر میں ڈھل جاتا تھا۔

وہ ٹھنڈا سا یخ بستہ سا پکا بزنس مین۔ دنیا کی گداز ترین زمین میں ڈھل جاتا تھا۔ وہ اسے ذات کا اعتبار بخشتے تھے۔

اس کی بہت ساری شکایتیں از خود رفع ہو گئیں۔ بردباری اور سنجیدگی اس کا مزاج تھی۔ اسے ہر چیز اپنے مزاج سے ہم ل لگی۔

ملال و پچھتاووں کی کثیف فضا آہستہ آہستہ صاف ہونے لگی تھی۔

آج وہ معمولات سے فارغ ہو کر خانساماں کو دوپہر کے کھانے کے بارے میں ہدایت دے کر نہا دھو کر لان میں بال انے چلی آئی تھی۔

ہر سوٹ میں بے حد نکھری نکھری دکھائی دے رہی تھی۔

اسی دم چوکیدار نے گیٹ وا کیا اور کوئی اندر آیا۔

وہ انگلیوں سے اپنے بال سلجھا رہی تھی۔ ذرا چونکتی اور گردن موڑ کر دیکھا۔

بلیو جینز اور پنک شرٹ میں ایک نوجوان لڑکا اسے بڑے کڑے تیور کے ساتھ گھور رہا تھا۔

"آیئے..... کس سے ملنا ہے.....؟" شکیلہ کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ سے۔" فوراً جواب ملا۔

"مجھ سے.....؟" شکیلہ نے تعجب کا اظہار کیا۔

"مگر آپ کون ہیں۔ میں تو پہلی مرتبہ دیکھ رہی ہوں آپ کو.....؟" اس نے واقعی حیرانی سے کہا پھر مزید گویا ہوئی۔

"آپ اپنا تعارف کرایئے تو شاید میں....."

"مجھے بلال کہتے ہیں۔ اور میں جناب انعام علی کا فرزند ہوں۔ مگر ان سے زیادہ ارجمند نہیں ہوں۔" وہ استہزائیہ ا میں مسکرایا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے سر پر جیسے آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔

"جی!" اس نے انتہائی تعجب سے اس کی صورت دیکھی۔

"جی۔ شاید یہ آپ کیلئے انکشاف ہے۔" وہ پھر استہزائیہ انداز میں مسکرایا۔

"آپ تشریف رکھئے۔" شکیلہ نے خود پر قابو پاتے ہوئے کرسی کی طرف متوجہ کیا۔

"میں تشریف رکھنے کیلئے نہیں آیا۔ محض آپ کا دیدار کرنے پہنچا ہوں۔ ویسے سمجھ میں نہیں آ رہا کہ رونمائی میں کیا
کروں؟ کیونکہ میرے علم میں نہیں ہے کہ ماں کی رونمائی کس طرح ہونی چاہئے' اور اگر دلہن ماں کے روپ میں سامنے
اسے کیا پیش کرنا چاہئے۔" بلال کا انداز بے حد کاٹ دار تھا۔

"ویسے آپ کمال کی آرٹسٹ ثابت ہوئی ہیں۔ میرے پاپا کو محض متوجہ نہیں کیا بلکہ پورے کا پورا شکار کیا ہے۔ ایک
مین کو۔" وہ طنزیہ کہہ رہا تھا۔

"آپ نہ جانے کیا سمجھ رہے ہیں۔" شکیلہ کی آواز رندھ گئی۔

"جو دیکھ رہا ہوں' وہی سمجھ رہا ہوں۔" وہ تلخی سے بولا۔

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔" وہ پھر گلوگیر آواز میں بولی۔

"آپ میرے پاپا کی بیگم ہیں۔ کیا یہ بات غلط ہے۔ اگر یہ بات غلط ہے تو اسے درست کر دیجئے۔" وہ پھر
بولا۔ "کس حیثیت سے تشریف فرما ہیں آپ؟"

وہ ناتواں انداز میں کرسی پر بیٹھ گئی۔ "مگر ان کی بیگم کا انتقال ہو چکا ہے۔"

"آپ تو واقعی لاعلم ہیں۔" وہ عجب سے انداز میں ہنسا۔ "خیر سے ہماری والدہ محترمہ حیات ہیں اور ایک صاحبزا
بھی ہیں ان کی۔ مسز منزہ خاور۔ دو عدد پیارے پیارے بچوں کی والدہ محترمہ۔ خدا حافظ۔ پاپا کو بتا دیجئے گا کہ "میں"
تھا۔"

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

اسے اس وقت دیکھتی رہ گئی جب تک وہ گیٹ پار نہیں کر گیا۔

تو سمجھ رہی تھی کہ امتحان ختم۔

معلوم ہوا کہ امتحان تو اب شروع ہوئے ہیں۔

جی۔ مجھے امتحانوں کیلئے تیار بھی تو کیا ہوتا۔

یک بیٹا ہے۔ ایک بیٹی ہے۔

ن کی ماں بھی تو ہو گی۔

دن مسلسل بارش ہو تو میری طبیعت گھبرا جاتی ہے۔

مصائب کی بوچھاڑ برساتی ندی میں ڈھل کر مجھے کہاں بہا لے جائے گی؟

وہ کرسی کی پشت پر چہرہ ٹکائے ہچکیوں کے ساتھ رو رہی تھی۔

اس نے چادر کا گھونگھٹ سا نکالا ہوا تھا مگر اس کی بے قرار اور شاکی نظریں ادھر اُدھر کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔

چند قدم کے فاصلے پر اسے وہ سرخ کار نظر آ گئی جو احسن کی موجودگی کی علامت تھی۔

آفیسر پہلے ہی اس کار کے نزدیک جا پہنچا تھا اور احسن سے بات چیت میں مصروف تھا۔ احسن نے کن اکھیوں سے
نڈھال انداز میں آتے دیکھا۔ عجیب فاتحانہ سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر در آئی تھی۔

لیڈی کانسٹیبل نے اگلا دروازہ کھولا۔

آفیسر نے مسکراتے ہوئے احسن کا ہاتھ گرمجوشی سے دبایا۔

"سرکاری اعزاز" کے ساتھ رخصتی مبارک۔

احسن کا بلند قہقہہ شہوار کی رگِ جاں کو چھیدتا گزر گیا۔

وہ مرے مرے انداز میں سیٹ پر ڈھے گئی۔

اس کا جی چاہ رہا تھا' وہ احسن کا گریبان پھاڑ ڈالے اور پھوٹ پھوٹ کر روئے۔

اس نے ملن کے خواب ضرور دیکھے تھے مگر اس طرح نہیں۔

ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے سارا شہر اسے دیکھ کر قہقہے لگا رہا ہو۔

اور سردار محب علی خان کو پنجرے میں قید کر دیا گیا ہو۔

"آفیسر! میں اس تعاون پر آپ کا از حد مشکور ہوں اور اس کارروائی پر آپ کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

"ویسے تو یہ ہمارا فرض ہے مگر اس ایفیشنسی پر آپ کو سرزوار علی کا شکریہ ادا کرنا چاہئے مگر وہ آپ کے دوست ہیں اور
ست ہی دوست کے کام آتا ہے۔ ڈزن میٹر وش یو گڈ لک۔"

"مس آپ گاڑی میں بیٹھیں۔" آفیسر لیڈی کانسٹیبل کی سمت متوجہ ہوا جو الرٹ کھڑی تھی۔

"او کے سر۔" وہ ایڑیوں پر گھوم گئی۔

"کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا؟" احسن آفیسر سے پوچھ رہا تھا۔

"مسئلہ وِد آؤٹ یونیفارم ہوتا ہے مسٹر احسن! اور میں اس وقت یونیفارم میں ہوں۔"

دونوں کا مشترکہ قہقہہ فضا میں بلند ہوا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جو اس بات کا ثبوت تھا کہ احسن نے "یونیفارم" تک میں اپنی جڑیں پھیلائی ہوئیں ہیں۔ شہوار کے رخسار اشک سلسلہ وار بہتے رہے تھے جبکہ وہ چیخ چیخ کر رونا چاہتی تھی۔

"اچھا جی۔ خدا حافظ۔"

"خدا حافظ آفیسر۔ زوار علی کو شکریہ پہنچانا نہ بھولئے گا۔"

"بہت بہتر" وہ پیشہ وارانہ انداز میں چلتا ہوا جیپ کی طرف بڑھا۔

احسن چکر کاٹ کر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آیا۔

اور سیٹ سنبھالتے ہوئے ذرا زور سے کھنکار کر گلا صاف کیا جیسے اسے متوجہ کر رہا ہو۔ اور اس احساس کے سا

اب وہ مکمل اس کی دسترس میں ہے' شہوار کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔

احسن نے چابی گھمائی۔ جیپ اس کی کار کے پیچھے آ کھڑی ہوئی تھی۔

"اس کروفر کے ساتھ تو حسن بن طلال بھی ثروت کو لے کر نہیں گیا ہوگا۔" احسن نے پیچھے دیکھتے ہوئے ایکسیلی اور شوخی سے جملہ پھینکا۔

شہوار کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

چادر کے گھونگھٹ کی وجہ سے اس کا چہرہ چھپا ہوا تھا۔ احسن کو صرف اس کی ناک نظر آ رہی تھی۔

'پردہ ہے پردہ۔

پردے کے پیچھے پردہ نشین ہے۔

پردہ نشین کو بے پردہ نہ کر دوں تو احسن میرا نام نہیں ہے۔"

گاڑی دوڑ پڑی تھی اور وہ گنگنا رہا تھا۔

جیپ ہنوز پیچھے آ رہی تھی۔

"تمہارے پاس وائرلیس ہے؟ میں پیچھے آنے والی جیپ سے رابطہ قائم کر کے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم سردار صا کی ریاست کی حدود سے باہر آ چکے ہیں۔ خطرے کی کوئی بات نہیں آپ لوگ واپس اسٹیشن جا سکتے ہیں۔"

وہ جی بھر کر شاید طنز کرنا چاہتا تھا۔

وہ خاموشی سے سسکیاں بھرتی رہی۔

احسن نے ایک کیسٹ لگا دی' اس کی ایک ایک ادا سے رفیع مندی کا تاثر جھلک رہا تھا۔

کوئی ساتھ نبھائے دل کو بہلاتا نہیں
بے خودی میں بھی قرار آتا نہیں

رفیع کی دلسوز آواز گاڑی میں ابھری۔

"لاحول ولا قوۃ۔ یہ گیت تو تمہارے فراق میں سننے کیلئے تھا۔" اس نے جھٹ کیسٹ نکال دی اور دوسری لگا مکیش کی آواز گونجنے لگی۔

جھوم جھوم کے ناچو آج..... ناچو آج
گاؤ خوشی کے گیت ..... ہو ہو

شہوار کا کلیجہ پھٹنے لگا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کیسٹ نکالی اور کھڑکی سے باہر اچھال دی۔ مگر کچھ بولی نہیں' اسے رد

ی فرصت نہیں تھی۔

احسن نے قدرے حیرانی سے اس کی سمت دیکھا پھر نچلا ہونٹ دبا کر اسپیڈ بڑھا دی

احسن بالکل خاموش ہو گیا تھا اور بغور اس کی سسکیاں سن رہا تھا۔

جیپ ایک موڑ پر مڑ گئی تھی۔

خاصا طویل فاصلہ طے کر کے وہ وہاں پہنچ گئے۔ جہاں پہلے بھی ایک بار آ چکی تھی۔ احسن نے گاڑی سے اتر کر گیٹ کا کھولا۔ پھر پلٹ کر اس کی سمت آیا۔

"تشریف لائیے۔"

وہ بے حال سے انداز میں اترنے کی کوشش کرنے لگی مگر اسے چکر سے آ رہے تھے۔ احسن نے آہستگی سے اس کا بازو اور اترنے میں مدد دینے لگا۔

کھڑے ہوتے ہی وہ لڑکھڑا گئی۔

احسن نے تشویش بھری نظروں سے دیکھا پھر سہارا دے کر اندر کی طرف چلا۔

"جس دن میں گھر پر ہوتا ہوں' اسی دن یہ دھوبی گھاٹ کھلنا ہوتا ہے۔" شیخ رحیم الدین تہہ بند اور بنیان میں جامہ زیبی اختیار بنے گھر میں دھاڑتے پھر رہے تھے۔

ایک تو صحن میں پانی پڑا ہوا تھا۔ اس پر وہ اس پانی میں سٹر پٹر کرتے پھر رہے تھے۔

"دھل گئے ہیں ابا جی!" نبیلہ نے بہت تحمل سے جواب دیا۔

نائلہ ہالٹی کپڑوں سے بھرے زینے طے کر رہی تھی۔

"ہونہہ! کھڑے ہو تو کھڑے کیوں ہو؟ بیٹھے ہو تو بیٹھے کیوں ہو؟ حد ہے اب یہ کام تو گھروں میں روزانہ ہی ہوتے ابا جی کو چاہئے کہ ایک ٹائم ٹیبل لٹکا دیں۔"

وہ کپڑے رسی پر ڈالنے لگی۔

اسی دم ایک پتنگ پٹاخ سے اس کے سامنے آ گری۔

سفید پتنگ پر سبز مارکر سے لکھا ہوا تھا۔ "اس پتنگ کے ذریعے "مال" کی بلٹی کرائی ہے' وصول کر لیں۔"

نائلہ کا دل دھک سے رہ گیا' اس نے گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھا بلکہ پہلے سامنے ہی دیکھا کہیں بھی کوئی نظر نہیں آیا۔

اس نے بغور پتنگ کو دیکھا اس کی دُم سے ایک کاغذ پتھر سے بندھا ہوا تھا۔ اس نے جلدی سے دُم ہی پکڑ کر توڑ لی۔

پھر ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے جلدی جلدی کاغذ الگ الگ کر کے کھولا۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ کاغذ پر لکھا تھا۔

"یہ حسن آپ کے کس کام کا؟ میرے نام لگا دینے میں کوئی حرج نہیں۔"

نائلہ پسینے پسینے ہو گئی۔ ایک دم اسے دھیان آیا کہ "وہ" اسے کہیں نہ کہیں سے ضرور دیکھ رہا ہوگا۔ اس احساس کے ساتھ ہی اس نے کاغذ کا ٹکڑا پرزے پرزے کر کے ہوا میں اچھال دیا۔ اور بڑے اعتماد کے ساتھ دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

"آپ نے غلط جگہ کا انتخاب کیا ہے محترم۔ ہم اس گھر میں کتنے ہی تنگ سہی مگر ایسے سستے نہیں ہیں۔ وہ اور کوئی ہوتے ہیں جن کی وجہ سے یہ روایتیں نکلی ہیں۔" اس نے بڑے اعتماد سے سوچا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ابا جی سے بھی شکایت نہیں کر سکتی کہ وہ تو قتل سے کم کوئی دفعہ ہی نہیں لگوائیں گے خود پر۔
یتیمی کے عذاب سے تو یہ آگ برساتا ہوا باپ ہی غنیمت ہے۔ ورنہ تمہارے مزاج تو ٹھکانے لگوا ہی دیتی۔" وہ دل ہی دل میں اسے لعن طعن کر رہی تھی۔

وہ کھٹ کھٹ کرتی نیچے آئی تو ماں کو سکتے کیفیت میں تخت پر بیٹھا پایا۔ اس کا دل بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا آپا؟" وہ نبیلہ کی سمت پلٹی۔

"خالو جان کا تار آیا ہے۔"

"کون سے خالو کا؟" نائلہ خوفزدہ نظر آئی۔ (کسی بری خبر کے سبب)

"سردار خالو کا۔ احسن بھائی شہوار کو لے گئے ہیں۔"

"ہائیں مگر کیسے؟ خالو جان کی موجودگی میں ایسا کیونکر ہو سکتا ہے' وہ تو بڑے لمبے ہاتھ والے ہیں۔" نائلہ کو جیسے یقین نہ آیا۔

"یہ تفصیلات تو بعد میں پتہ چلیں گی مگر اب معاملہ بہت بگڑ گیا ہے۔"

"میرا بچہ ایسا نہیں تھا۔" صفیہ منہ ڈھانپ کر رونے لگیں۔

"ایک یہ۔ ایک اس کا بیٹا۔ دونوں ولی اللہ ہیں۔" شیخ صاحب نے صفیہ کی بات سن لی تھی۔ دور سے ہی جملہ پھینکا۔

"ارے ناک کٹوا دی ہے بدذات نے۔" شیخ صاحب اس کھلی شکست پر چوٹ کھائے ناگ کی طرح غضبناک نظر آ رہے تھے۔

"میں پہلے ہی کہتا تھا کہ اس لڑکے کی سوسائٹی اچھی نہیں۔ ایک دن اسی طرح لڑکیاں لے کر بھاگے گا۔" وہ چنگھاڑ کر بولے۔

"چھی چھی۔" لڑکیاں مارے غیرت کے گڑ کے رہ گئیں۔ شیخ صاحب تو کبھی بھی بولتے ہوئے احتیاط نہیں کرتے تھے۔

"یہ سارا بگاڑ اس عورت کا ہے۔"

ان کی تان ہمیشہ "اس عورت" پر آ کر ٹوٹتی تھی۔

صفیہ کے کان اس جملے کے عادی ہو چکے تھے لہٰذا وہ پھر صبر سے خاموش رہیں۔

"ابھی تو ابتدا ہے۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔" شیخ صاحب کمر پر ہاتھ باندھے پیچ و تاب کھاتے صحن میں ٹہل رہے تھے۔

"اس نے تو ناک کٹوا دی ہے۔ انہوں نے تو قریبی رشتوں' رشتے داروں کو نظر انداز کر کے بیٹی بیاہی ہے۔ اس سے خاندان بھر میں کس قدر عزت افزائی ہو رہی ہے۔"

صفیہ نے تلخی سے بڑبڑاتے ہوئے جلے دل کا پھپھولا پھوڑا' شیخ صاحب اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔

"پھر بھی امی! احسن بھائی نے اچھا نہیں کیا۔" نائلہ نے ماں کی نرمی کو غلط معنی پہنائے۔

"میں یہ کب کہہ رہی ہوں کہ اس نے اچھا کیا۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے' بڑے ہی اپنے چھوٹوں کو جڑ بنیادیں مہیا کرتے ہیں۔

ہر چند کہ یہ چھوٹوں کی بڑائی اور سعادت مندی ہوتی ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کی غلطیوں کو نظر انداز کر دیں مگر ہر جگہ ایسا

نہیں ہے۔
اور میرا احسن بھی ایسا نہیں تھا۔ شکیلہ کی شادی نے اس کا مزاج بدل دیا ہے۔ جوان جہان لڑکا۔ اپنی نظر سے دنیا کے قابل۔ میں نصیحتوں کے بل پر کب تک اسے زنجیریں پہناؤں؟
بہن کے دکھ اور آنے والے ایسے مزید ہولناک حادثوں کے واضح امکانات نے اس کے ذہن میں طوفان اٹھا دیئے ہیں میں اس کی ماں ہوں' جانتی ہوں اسے۔ پھر وہ خود بھی بہنوں کا بھائی ہے۔ جانے کہاں کہاں ٹھوکریں کھاتا پھر رہا ہو

"مگر امی!"

"تم زیادہ ذہن پر بار نہ ڈالو۔ یہ تمہارے سوچنے کی باتیں نہیں ہیں۔ میرا دجدان کہتا تھا کہ آنے والے وقت میں شیخ صاحب کو ایسے دن دیکھنے پڑیں گے۔
ہر نمرود کیلئے ابراہیم۔
اور ہر فرعون کے لئے موسیٰ۔ یہ اللہ کا قانون ہے۔ مجھ بے سہارا پر جو ستم ٹوٹے وہ تماشے تم نے سب نہیں دیکھے۔"
ان کو جانے کیا کیا یاد آیا۔ تو اشک سلسلہ وار بہنے لگے۔
نائلہ' نبیلہ' صفیہ کی تربیت یافتہ بیٹیاں تھی۔ وہ باپ کے لئے نمرود اور فرعون کے استعارے برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ خاموشی سے ماں کے پاس سے اٹھ گئیں۔

"اس طرح احسن بھائی کوئی کمال تو نہیں کر رہے۔" نائلہ نے کمرے میں داخل ہو کر جل کر کہا تھا۔

"یہ ایسی پرفارمنس نہیں ہے' جس پر داد دی جائے۔ اس طرح امی کی کوئی مدد نہیں ہو رہی بلکہ الٹا مزید پریشانیوں میں گھر جائیں گی۔"

نائلہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

"اور شہوار آپا تو اتنی خوبصورت بھی نہیں ہیں کہ ان کی خاطر نسلوں کی جنگ مول لی جائے۔ ظاہر ہے وہ بھی بھائی جان کے منصوبے میں شامل ہوں گی۔ یہ کام اکیلے تو نہیں ہو سکتا تھا۔" نبیلہ نے بھی بہن کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"اب دیکھئے گا۔ یہ قصہ ہزاروں بار ہمارے سامنے لوگ دہرائیں گے۔ بہت اچھا سپورٹ کر رہے ہیں احسن بھائی۔" نائلہ طنزیہ بولی۔

"اب کیا ہو سکتا ہے۔ لکیر پیٹنے سے کیا حاصل؟" نبیلہ نے قصہ کوتاہ کرنا چاہا۔

"ایک احسن بھائی کا قصہ کیا شکیلہ باجی کی شادی بھی تو "انہونی" ہے خاندان کیلئے۔" وہ مزید گویا ہوئی۔

"باپ بھائی سے سکھ ہی نہیں قسمت میں نصیب ہی برے ہیں' کیا کر سکتے ہیں۔"

نائلہ کی آواز رندھ گئی۔ وہ کروٹ بدل کر لیٹ گئی غالباً آنسو چھپانے کی کوشش تھی' نبیلہ خاموش ہو کر رہ گئی۔

تم اپنے ذہن کو اس طرف سے ہٹاؤ بلال۔ مجھے تمہارے مستقبل کی فکر ہے۔
منزہ نے ایزی چیئر پر جھولتے بلال کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا' پیشانی سے بال سمیٹے۔

"آپی آپ ذرا سوچئے۔ تماشا نہیں ہے یہ ہمارا۔"

"بلو۔ میرے چاند۔ میرا امی کا تم خزانہ ہو۔ سرمایہ ہو۔ مت پرواہ کرو۔" منزہ کی آنکھیں بھر آئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مگر آپی! حد ہوتی ہے۔ اگر ان کو شادی ہی کرنا تھی تو اپنی ہم عمر خاتون سے کر لیتے۔ سچ آپ جتنی ہوں گی وہ۔"

"تم سے کس طرح ملیں؟" منزہ نزدیکی موڑھے پر بیٹھ گئی۔ اپنے غم تو وہ بلال سے پوشیدہ ہی رکھتی تھی۔

"میں زیادہ دیر وہاں ٹھہرا ہی کب۔ سخت غصہ آ رہا تھا مجھے۔" وہ بگڑے بگڑے انداز میں بولا۔

"پھر بھی کچھ اندازہ ہوا ہوگا؟"

"وہ خوش کو شرمیں بھی دخل کر آ جائیں تو میں انہیں پسند نہیں کر سکتا۔" وہ بگڑ کر بولا۔

"سمجھ میں نہیں آتا انہیں کیا مجبوری لاحق تھی اچھی خاصی حسین خاتون ہیں۔"

"کیا واقعی؟" منزہ کی دلچسپی بڑھی۔

"مگر آپی! بندہ خواہ کتنا ہی حسین ہو اگر اعمال ناپسندیدہ ہوں گے تو اس کی صورت بھی دیکھنے کو دل نہیں چاہے گا۔"

"مگر بلال اس میں ان کا کیا قصور؟"

"خوب کہی۔ قصور کیسے نہیں۔ فٹی فٹی دونوں کا شیئر ہے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو قبول کیا ہے۔" اس کے لہجے میں استہزاء تھا۔

"بلال! ایسے انداز میں پاپا کا تذکرہ نہیں کرو بدتمیزی ہے یہ۔ بہرحال وہ ہمارے باپ ہیں۔ سرپرست ہیں۔ انہوں نے ہمیں کسی چیز سے محروم نہیں رکھا۔"

"انہوں نے اپنا آپ ہمیں میسر نہیں آنے دیا۔ یہ محرومی ان کی ہر نوازش پر بھاری ہے۔"

"یہ غلط ہے بلو انہوں نے تمہارے ناز اٹھانے میں کوئی کمی نہیں کی۔ نوشہرہ کی سڑکیں ہوں یا کراچی کے پارک ایبٹ آباد و مری کے پہاڑ و سبزہ زار۔ پاپا کی انگلی پکڑ کر تم ان مقامات پر اپنے نقش ثبت کر چکے ہو۔ جو انہوں نے کیا وہ مت ضائع کرو۔" منزہ نے سمجھایا۔

"سمجھ میں نہیں آتا آپی۔ آپ ان کی اتنی وکالت کیوں کر رہی ہیں؟" وہ چڑ کر بولا۔

"بدتمیزی نہیں کرو بلال۔ یہ "ان اُن" کیا ہوتا ہے۔ پاپا ہیں وہ ہمارے۔"

"وہ میری امی کے مجرم ہیں۔ میں انہیں معاف نہیں کر سکتا۔"

وہ ہاتھ میں پکڑا میگزین میز پر پٹخ کر باہر نکل گیا۔

"کس بات پر بگڑ رہا ہے یہ؟" منزہ کی امی نے کمرے میں داخل ہو کر استفسار کیا۔

"کسی بات پر نہیں امی۔ آئیں بیٹھیں۔"

"کوئی تو بات ہوگی۔" ماں نے گہری نگاہوں سے بیٹی کا جائزہ لیا۔

"نہیں امی! ایسی کوئی بات نہیں۔"

"اپنے پاپا سے مل کر آیا ہے؟" وہ افسردگی سے پوچھنے لگیں۔

"جی۔ وہاں گیا تو تھا۔"

"اپنی دوسری ماں سے بھی مل کر آیا ہے۔ شاید اسی لئے پریشان ہے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولیں۔

منزہ جڑ بنیاد سے ہل کر رہ گئی۔

"امی!" وہ تعجب و تحیر سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

"آ۔ آپ کو پتا ہے؟" اسے بہت سارا رونا آ گیا

"ہاں۔ بھلا مجھے کیوں پتا نہیں ہوگا۔ انہوں نے مجھے اطلاع دے کر یہ کام کیا ہے۔" وہ آہستگی سے بولیں۔

"بہت عرصے کے بعد وہ نوشہرہ پہنچے تھے صرف یہی اطلاع دینے۔" وہ مسکرا دیں۔

"یہ تو بہت ظلم ہے امی۔ اور آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔"

"آہ۔ ہا۔" انہوں نے گہری سانس بھری۔

"کیا فرق پڑتا ہے بتانے سے بیٹے۔ ناحق بچوں کے ذہن الجھانا۔"

"امی آپ نے پاپا کو روکا بھی نہیں۔" منزہ کے عجیب سے احساسات ہو رہے تھے۔ اگرچہ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ں سوسائٹی کو پاپا مود کرتے ہیں۔ اس سوسائٹی میں یہ ایسی کوئی حیرت یا شرم کی کوئی بات نہیں۔

"میں ان پر اس قسم کے حقوق جتانے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔" ان کا گلابی چہرہ اب کچھ سفید پڑتا محسوس ہو رہا تھا۔

منزہ کو نہ جانے کیوں محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی ماں کے دکھوں کی انتہا نہیں ہے مگر اس کی عجیب پوزیشن تھی۔ ماں کے امنے بھی۔ بلال کے سامنے بھی۔ اسے خود کو بھی بے حد مضبوط اور خوش باش ظاہر کرنا از حد ضروری محسوس ہوتا تھا۔

"امی! آپ کو دکھ تو ہوا ہوگا۔" اس نے ماں کی توجہ ہٹانے کو یونہی بات کی۔

"تمہارے پاپا کی دوسری شادی کا؟" انہوں نے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔

منزہ خاموش رہی۔

"یہ تو ایک دن انہوں نے کرنا تھا۔ رہی میرے دکھ کی بات۔ اللہ تمہارے سر پر تمہارے باپ کا سایہ قائم رکھے۔ وہ رے تھے ہی کب؟ اور بیٹی چھوڑو۔ تم کن چکروں میں پڑ رہی ہو۔ بلال کو بھی سمجھانا کہ باپ سے نہ الجھے۔ یہ ان کا حق کہ ایک عورت انہیں مطمئن اور خوش نہ رکھ سکے تو وہ دوسری کر لیں۔" وہ اپنی تسبیح اٹھا کر کھڑی ہو گئیں۔

"مگر امی۔ کوئی عمر۔ کوئی وقت۔"

"یہ سب بے کار چیزیں ہیں بیٹی۔ وقت دو ہی ٹھہرا کرتے ہیں۔ ذہن پر نقش ہوا کرتے ہیں۔ جب انسان کو سب ے زیادہ خوفزدہ اور مایوس کرنے والا غم ملتا ہے۔ ایسے غم کی یاد کبھی نہیں مٹتی۔

دوسرا وہ وقت۔ جب غیر یقینی حالات میں من چاہی خوشی ملتی ہے۔ ایسی خوشی ہمیشہ یاد آتی ہے۔ باقی ہر قسم کا وقت زرنے کیلئے ہے۔

میرے ہاں بھی ایک وقت مدت سے ٹھہرا ہوا ہے۔ میں اسی وقت۔ اسی زمانے میں ہمیشہ کیلئے قید ہوں۔

یہ روزانہ کیا قصے ہو رہے ہیں۔ میرا دل و ذہن اس طرف متوجہ ہی نہیں ہوتا۔ اس لئے تو تمہیں کہہ رہی ہوں کہ تم پرواہ ں کرو۔ مجھے کچھ بھی محسوس نہیں ہو رہا۔"

"امی!" منزہ سسک پڑی۔

"امی آپ کا غم مجھے مار ڈالے گا۔"

وہ جھک کر منزہ کی پیشانی کو بوسہ دینے لگیں۔

"میری زندگی تم پر نثار میری بیٹی۔ میری بات کا یقین کیوں نہیں کرتی۔ مجھے کوئی غم نہیں ہے۔ میں اپنے بچوں میں حد خوش ہوں۔

تم دونوں کو دیکھتی ہوں تو اپنے اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے مجھے اولاد دی۔ مجھے ماں بنایا۔ تم دونوں کے حوالے مجھ پر ایک نئی اور خوبصورت دنیا کھلی۔ اب تم بھی ماں ہو۔ محسوس کرتی ہوگی کہ ماں بننے کے بعد عورت کی فکر کا زیادہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حصہ اپنی اولاد کے بارے میں ہوتا ہے۔

میرے ذہن پر بھی مدت سے تم لوگ سوار ہو۔ تمہارے بارے میں تفکر کرنا بھی ایک خوشی ایک مصروفیت ہے۔"

"اس کی امی کتنی ذہین ہیں۔ کس خوبصورتی سے بات پلٹ دی ہے۔" منزہ نے محبت بھرے شاکی انداز میں ماں کو دیکھ کر سوچا۔

"ارے دلہن! یہ بلال کہاں غائب ہے؟

ارے اس نے کیسا پریشان کیا ہے۔" خالہ انتہائی پریشان حال میں داخل ہوئی تھیں۔

"اللہ خیر کرے۔ خیر تو ہے۔" منزہ فکرمند نظر آئی۔

"ارے تین تصویریں۔ اے مگر تم اسے کچھ نہ کہنا۔ میں خود نمٹ لوں گی۔" خالہ فوراً بات بدل گئیں۔

"پھر بھی۔" اب منزہ کی امی نے بھی استفسار کیا۔

"ارے تین تصویریں لے کر چلا ہوا ہے۔ کہہ رہا تھا ایک پسند کر کے بتا دوں گا۔"

منزہ کی امی نے سر پیٹ لیا۔

"ارے آپا! آپ کیوں پرائی بچیوں کی تصویریں اس طرح دیتی ہیں۔" انہیں برا محسوس ہوا۔

"کہہ رہا تھا ایک پسند کر کے بتا دوں گا۔ ارے اپنا بچہ ہے۔ جانتی ہوں میں اسے اچھی طرح۔"

"ارے۔ اے۔ خالہ۔ یہ آپ نے کیا بھانڈا پھوڑ دیا ہے۔" بلال بڑی عجلت میں داخل ہوا۔

"بلال!" منزہ نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"آپی! اسد بھائی آئے ہوئے ہیں۔ یہیں بلا لوں؟" وہ جلدی سے بولا۔

"ہاں۔ ہاں بلا لو بیٹا ہے ہمارا۔" منزہ کی امی پھر بیٹھ گئیں۔

"السلام علیکم!" سفید شلوار قمیض میں ملبوس شائستہ اطوار کے ہمراہ اسد داخل ہوئے۔

"چلو وہ تین تصویریں فوراً لے کر آؤ۔" منزہ نے بلال کو حکم دیا۔ جبکہ دونوں بزرگ خواتین اسد سے علیک سلیک میں مصروف ہو گئی تھیں۔

بلال نے منزہ کا موڈ دیکھا پھر باہر چلا گیا۔ چند منٹوں بعد واپسی ہوئی تو ہاتھ میں لفافہ تھا۔ اس نے خالہ کے سامنے ڈال دیا۔

"ادھر دکھائیں خالہ!" منزہ نے لفافے کی سمت ہاتھ بڑھایا۔

"ارے بہت اچھے خاندان کی ہیں۔"

"خالہ کا کلائنٹ کبھی برے خاندان سے ہو ہی نہیں سکتا۔" بلال نے خراب موڈ کے باوجود چٹکلا لگایا۔

"اچھا تو چپ کر۔" خالہ نے ٹوکا۔ وہ اسد کی موجودگی کی وجہ سے تفصیلات بتانے کیلئے بے چین نظر آ رہی تھیں۔

منزہ نے لفافے سے تینوں تصویریں نکال کر شرارت سے اسد کے سامنے ڈال دیں۔

"اسد بھائی! شاید آپ کی چاک شدہ پسلی ان میں سے کوئی ہو۔"

اسد نے اچٹتی ہوئی نگاہ تصاویر پر ڈالی اور لاپرواہی سے مسکرا دیئے۔

"بھابھی جنہوں نے ملنا ہوتا ہے وہ ایک دن مل جاتے ہیں۔ ترتیب وقت میں اس خوبصورت حادثے کا وقت مقرر ہوتا ہے تصویروں سے بات نہیں بنتی۔"

"تو کیا آپ روبرو دیکھنا چاہتے ہیں۔" خالہ جلدی سے پوچھ بیٹھیں۔

"ابھی تو میں کچھ بھی نہیں چاہتا ہوں۔" وہ مسکرائے۔

"مگر دیکھ لینے میں حرج کیا ہے؟" منزہ نے شرارت سے کہا۔

"بری بات ہے۔ عورت کوئی شغل تو نہیں ہے۔ اگر آپ اپنے گھر کی خواتین کیلئے عزت و وقار پسند کرتے ہیں تو پھر یہی معیار ہر گھر کیلئے مقرر ہونا چاہئے۔"

"کتنا نیک بچہ ہے۔ مگر بیٹے! اب تم کر ہی لو۔ یہی عمر ہوتی ہے۔" خالہ نے ہمت نہ ہاری۔

"اسد بھائی! آپ کی عمر تک تو میں چار کر لوں گا۔" بلال نے کن انکھیوں سے خالہ کو دیکھا۔

"اے ہاں۔ کرے گا یہ چار۔ تیرے تو باپ میں بھی ہمت نہیں ہو سکتی دو کرنے کی۔ اور۔"

کمرے میں جیسے کوئی بڑا شیشہ ٹوٹا۔

عجیب سی چھن چھناک کانوں میں گونجی۔

اسد نے ایک لمحے میں بدلتا ہوا ماحول شدت سے محسوس کیا۔ جبکہ بلال باہر نکل گیا تھا۔

خالہ جان اپنی جگہ حیران پریشان تھیں کہ ان کے منہ سے آخر کیا "سرزد" ہو گیا ہے۔

"آؤ بیٹی! خیر سے آج کیسے آنا ہوا؟" صفیہ نے کچن کے دروازے میں کھڑے کھڑے استقبال کیا۔

"السلام علیکم۔ خالہ جان۔ نائلہ آپا ہیں؟"

"ہاں ہاں۔ نائلہ گھر میں ہی ہے۔ آج کیسے نائلہ یاد آ گئی؟" صفیہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"مجھے سندھی بوٹی سیکھنا ہے ان سے۔ مونا جی کہہ رہی تھیں کہ نائلہ آپا کو آتی ہے۔"

"ہاں۔ ہاں۔ نائلہ۔ بھئی کہاں ہو۔ یہ روبی آئی ہے۔" صفیہ نے نائلہ کو آواز دی۔

"جی امی!" وہ بال سلجھا رہی تھی۔ برش اور بال ہاتھ میں تھامے چلی آئی۔

"السلام علیکم آپا! کام سے آئی ہوں آپ کے پاس" روبی نے مسکرا کر نائلہ کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔

"ہوں بولو۔" نائلہ کو شاید اس کی آمد پر تعجب تھا۔ جب سے یہ نئے ہمسائے آئے تھے یہ لڑکی دوسری بار آئی تھی۔ اس سے پہلے تو سامنا ہونے پر دیکھ کر مسکراتی تک نہیں تھی۔

"آپ کو سندھی بوٹی آتی ہے؟"

"ہاں۔ سیکھو گی یا بنواؤ گی؟"

"سیکھنے آئی ہوں" وہ مسکرائی۔ "سکھا دیں گی؟"

"کیوں نہیں۔ کیا جاتا ہے سکھانے میں۔ ٹھہرو ذرا میں چوٹی باندھ لوں۔"

"ماشاء اللہ آپا آپ کے بال کتنے خوبصورت ہیں۔"

صفیہ باہر چلی گئی تھیں۔ نائلہ نے جواب میں صرف ایک مسکراہٹ پر اکتفا کیا۔

"باقی لوگ کہاں ہیں؟" روبی نے کھڑکی سے پار جھانکا۔

"یہیں ہیں اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں۔" نائلہ نے چوٹی آگے کر کے بل ڈالنا شروع کئے۔

"آپ کے ابا جی تو نہیں ہیں گھر میں؟" روبی کو اچانک کچھ یاد آیا تو گھبرا سی گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہیں تو گھر پر ہی مگر تم بے فکر رہو۔ کچھ نہیں کہیں گے تمہیں۔" نائلہ کے لہجے میں عجیب سی شکستگی در آئی تھی۔

"میں نے سنا ہے وہ لوگوں کا اپنے گھر پر آنا پسند نہیں کرتے۔" روبی نے گہری نگاہ سے نائلہ کو دیکھا۔

"وہ تو اور بھی بہت سی باتیں ناپسند کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں سنا ہے؟"

وہ تلخی سے ہنس کر پوچھنے لگی۔

"نہیں۔" روبی نے کچھ حیرانی سے انکار کیا۔

"چلو چھوڑو۔ کپڑا۔ فریم وغیرہ لائی ہو؟" نائلہ برش صاف کر کے ٹوٹے ہوئے بال لپیٹنے لگی۔

"سب چیزیں لائی ہوں۔ ہاں چھ تاری نہیں ہے۔ ریشم کی ریل سے کام چل جائے گا؟"

"ہاں۔ ہاں۔ ٹھیک ہے۔ ٹھہرو میں یہ پھینک آؤں۔" وہ ہاتھ میں ٹوٹے ہوئے بالوں کا "پارسل" لے کر باہر گئی۔

اور تھوڑی دیر بعد واپس آ گئی۔

"لاؤ" اس نے "سامان" ہاتھ میں تھاما پھر آسانی کپڑے کا ٹکڑا فریم پر چڑھایا۔ بڑے انہماک سے ریشم سوئی پر دیا۔ کپڑے میں سے سوئی نکالی۔ اور روبی کو متوجہ کیا۔

"یہ دیکھو۔"

"آپا!"

"ہوں۔"

"مجھے سندھی بوٹی کاڑھنی آتی ہے۔"

"ہوں۔ ہائیں۔" نائلہ نے روانی میں پہلے تو ہوں کہہ دیا پھر بری طرح چونکی۔

"مگر تم ہی تو کہہ رہی تھیں کہ سندھی بوٹی۔"

"جی میں نے کہا تھا مگر یہ تو صرف بہانا تھا۔ آپ سے تنہائی میں ملنے کا۔"

نائلہ حیران پریشان اس کی صورت دیکھنے لگی۔

"میں آپ کے پاس ایک کام سے آئی ہوں۔ مگر وعدہ کریں کہ نہ ہی آپ ڈانٹیں گی اور نہ ہی چیخیں گی۔"

نائلہ کا ذہن سوچ میں پڑ گیا۔ "تم کہو۔ تم میرے گھر میں بیٹھی ہو لہذا ڈانٹ تو نہیں سکتی۔" وہ سوچتی نظروں روبی کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ آپ کا گھر تو نہیں ہے۔" روبی مسکرائی۔

"پھر کس کا ہے؟ اور میرا کیوں نہیں ہے؟" نائلہ کو اب غصہ آ رہا تھا۔

"آپ کا گھر تو وہ ہوگا جو آپ کے "ان" کا ہوگا۔" اپنی دانست میں وہ چھیڑ رہی تھی۔

"اوہ!" نائلہ نے گہرا سانس لیا۔ "کیا کہہ رہی تھیں تم؟"

"پہلے وعدہ کریں ڈانٹیں گی نہیں؟" وہ اپنی جگہ اڑی ہوئی تھی۔

"چلو وعدہ" نائلہ نے جلدی سے کہا۔ اس کا ذہن سوچوں کے گرداب میں الجھا ہوا تھا کہ وہ "سندھی بوٹی" بہانے کیوں آئی ہے؟ خاص طور پر اس سے کچھ کہنے۔

"آپا! مجھے بھائی جان نے بھیجا ہے۔"

نائلہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس نے گھبرا کر چودہ پندرہ سالہ روبی کی صورت ٹٹولی اور پھر کمرے میں ادھر اُدھر دیکھا۔

(یہ پاس کھڑکی والے کی پیامبر ہے)

"میں تم سے ہرگز نہیں پوچھوں گی کہ کیوں؟" نائلہ نے ناراض انداز میں فریم اس کے آگے ڈال دیا۔

"بھائی جان کہہ رہے ہیں آپ ایک بار ان کی بات سن لیں۔ آیا وہ آپ کو۔"

"پلیز خاموش ہو جاؤ روبی! آج کے بعد اس قسم کی گفتگو تم نے یا کسی اور نے مجھ سے کی تو مجھے مجبوراً اباجی کی مدد لینا پڑے گی۔"

"آپا آپ کو شاید اندازہ نہیں ہے۔"

"مجھے سب اندازے ہیں کہہ دینا اپنے بھائی جان سے اول تو میں اس قسم کی لڑکی نہیں ہوں دوسرے اباجی کو اگر پتہ پڑ گئی تو سب سے پہلے ان کے ہاتھوں میرا قتل ہوگا۔ اب تم لوگ سوچ لو کہ کیا چاہتے ہو؟" نائلہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"میرے بھائی ایسے ویسے لڑکے نہیں ہیں آپا!"

"وہ تو میں اندازہ لگا چکی ہوں۔" نائلہ نے ترش انداز میں اسے ٹوک دیا۔

"کہہ دینا مجھے اس قسم کے کھیل اس قسم کے مذاق پسند نہیں۔ یہ حرکت دوبارہ ہوئی تو اس کا انجام اچھا نہ ہوگا۔"

"آپ ناراض ہو گئیں؟" روبی نے قدرے خفیف سے انداز میں اسے دیکھا۔

"تم یہی سمجھ لو۔" وہ ہونٹ کاٹتی ہوئی بولی۔

"اور ہاں روبی! میرا ایک پیغام پہنچا دینا اپنے بھائی کو۔"

"جج جی!" روبی ہمہ تن گوش نظر آئی۔

"اپنے بھائی سے کہنا۔ اگر ایسا ہی کوئی پیغام آپ کی بہن روبی کے نام لے کر کوئی آپ کے ہاں پہنچے تو آپ اس سے کس طرح پیش آئیں گے؟"

نائلہ یہ کہہ کر چھپاک سے باہر نکل گئی۔

"سکھا دی بچی کو سندھی بوٹی؟" صفیہ تخت پر بیٹھی عینک لگائے کچھ سی رہی تھیں۔

"جی امی!" اس نے خود پر قابو پا کر جواب دیا۔

"ذہین بچی ہے بڑی جلدی سیکھ گئی۔" وہ سادگی سے کہہ کر دوبارہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"روبی چلی گئی آپا؟" بیلا نے پوچھا۔

"نہیں۔ میں ذرا پانی پینے آئی ہوں۔ پیاس لگ رہی ہے۔" نائلہ کے دل و دماغ میں جھکڑ سے چلنے لگے تھے۔

فردوس گم گشتہ میں بھی تو یہ اسی طرح سے میرے ہمراہ تھی۔

شامل تو اب۔

شامل عذاب۔

کربِ بانہوں میں میرا ہاتھ تھام کر چلنے والی۔

قربت کے نشے میں سرشار میرے زانو پر سر رکھ کر آنکھیں موند کر سو جانے والی۔

میری انکشاف بھری کسی بات پر کھلکھلا کر ہنس دینے والی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوبصورت ماورائی درختوں کے ماورائی سایوں تلے دفن نبھانے کے وعدے لینے والی ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے اُڑنے کو بے چین ہو جانے والی۔

مجھے ہمیشہ کی بیداری دے کر میرے ہی پہلو میں سکون بخش نیند لینے والی۔

مجھے بے چینیاں دے کر مجھ سے ہر طرح کا سکھ طلب کرنے والی۔

اور پھر۔

مجھے شجر ممنوعہ کے گناہ میں ملوث کرنے والی۔

اس کے بغیر تو میرا خمیر ہی تیار نہیں ہوا۔

میرے خمیر کا علیحدہ کیا گیا حصہ۔

یہ میرا نصف۔

یہ میرا بقایا۔

زمین پر آنے کے واقعے میں میرے ساتھ اس کا بھی تو ذکر ہے۔

اور۔

اشک ندامت بھی اس نے میرے ہی ہمراہ بہائے۔

درماندگی کے ہولناک سفر۔

وحشتوں کی پراسرار داستان۔

کوئی بھی شے تو اس کے بغیر مکمل نہیں۔

احساس تنہائی میں آدم کی روح کا پہلا تقاضا۔

پھر۔ یہ کیسے مجھ سے علیحدہ کی جا سکتی ہے۔

بے وقوف لوگ۔ احمق زمانہ۔

اسے مجھ سے الگ کرنا چاہتا ہے۔ ہونہہ.....

یہ اتنا ہی خلاف فطرت ہے جتنا کہ سورج کا مشرق کے بجائے مغرب سے نکلنا۔

بظاہر سامنے اخبار کھلا ہوا تھا۔

مگر وہ غفلت کی حالت میں لیٹی ہوئی شہوار کو دیکھ کر نہ جانے کیا کیا سوچ رہا تھا۔

اس کی وحشت اور خون خرابہ کرنے والے انداز دیکھ کر احسن نے اسے خواب آور دوا پانی میں ملا کر دی تھی۔ تاکہ نیند اس کے اعصابی تناؤ کو ختم کر دے۔

رو رو کر چونکہ اس کے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے اس لئے اس نے پانی بڑی بے صبری سے پی لیا تھا۔ تقریباً دو گھنٹے ہو گئے تھے اسے سوئے ہوئے۔

"آہ" شہوار کی سسکاری اسے چوکنا کر گئی۔

اس نے اخبار ایک طرف پھینک دیا۔ صوفے سے پاؤں نیچے لٹکا کر سلیپر پہنے اور اس کے قریب چلا آیا۔ بیڈ نہیں بلکہ سینے پر بازو لپیٹ کر اسی طرح کھڑے کھڑے اسے دیکھنے لگا۔

شہوار نے کچھ دیر بعد آنکھیں کھول دیں۔ پہلے تو خالی نظروں سے احسن کو دیکھتی رہی۔ جیسے کچھ سمجھ نہ آ رہا ہو

ایک دم اُٹھ بیٹھی۔

"آ۔ آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" لہجہ ناراض' آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"جھک مار رہا ہوں۔ آپ کو کوئی اعتراض۔" وہ بگڑ کر بولا۔

شہوار ایک دم چونک پڑی۔ احسن کے انداز وہی تھے۔ اسے کسی قسم کا کوئی احساس ندامت نہیں تھا۔

"دیکھو محترمہ! اب اُٹھ جاؤ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر چائے پی لو۔ یہ آپ کا خادم تیار کر رہا ہے۔"

وہ نقاہت بھرے انداز میں اُٹھ بیٹھی۔ دوپٹہ شانوں پر پھیلایا اور بستر سے اتر آئی۔

احسن نے وارڈ روب کھول کر ایک پیکٹ نکالا اور اس کی طرف اچھال دیا۔

"اس میں ایک سوٹ ہے۔ اسی دن کا لایا ہوا جس دن آپ مجھے چکما دے کر اپنے گھر بلکہ اپنے والد کے گھر جانے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔" وہ طنزیہ انداز میں کہہ کر باہر نکل گیا۔

اس نے انتہائی تحمل سے پیکٹ کھولا۔ سبز رنگ کا خوبصورت کاٹن کا سوٹ تھا۔ وہ کپڑے اٹھا کر باتھ روم میں چلی آئی۔

عجیب سے احساسات ہو رہے تھے۔ کبھی مر جانے کو جی چاہتا اور کبھی مار دینے کو

احسن کی شکل سے چڑ محسوس ہو رہی تھی۔

ٹھنڈے پانی نے دہکتی آگ کو کچھ کم کیا۔ آدھ گھنٹے کا غسل ایک گھنٹے پر محیط تھا۔ وہ باتھ روم سے باہر آئی تو احسن اسی جگہ دراز اخبار چہرے کے سامنے پھیلائے لیٹا تھا۔ جہاں کچھ دیر قبل وہ لیٹی ہوئی تھی۔

باتھ روم کا دروازہ کھلنے کی آواز پر احسن نے اخبار چہرے کے سامنے سے ہٹا کر اسے دیکھا۔

"شکر ہے' آپ کا غسل تمام ہوا۔ کیا ایک ماہ کا غسل اکٹھا ہی کر لیا؟" وہ کچھ نہیں بولی۔

اس کی طرف سے پشت کئے تولیے سے بال خشک کرنے میں مصروف رہی۔ پھر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کر بال سلجھانے لگی۔

"ہو سکتا ہے کہ زلف دراز کا سلسلہ مزید ایک گھنٹے تک طے نہ ہو۔ کیوں نہ پہلے چائے پی لی جائے۔"

وہ شاید اُکتا گیا تھا۔

"آپ چائے پی لیں۔ میرا موڈ نہیں ہے۔" وہ بپھرے ہوئے انداز میں بولی۔

"مگر مجھے تمہارے موڈ کی پرواہ نہیں۔" وہ برہمی سے گویا ہوا۔

"آپ کو پرواہ کس چیز کی ہے؟" وہ تلخی سے کہہ کر پھر برش چلانے لگی۔

"اگر جو تم یہ سوچ رہی ہو کہ اس طرح میری زندگی ناقابل برداشت بنا دو گی تو یہ تمہاری بھول ہے۔ میں جیت چکا ہوں۔ کوئین میرے نیٹ میں ہے۔"

وہ اخبار جھٹک کر پھر کچھ پڑھنے لگا۔

"انسان۔ انسان ہوتے ہیں۔ کیرم کی گوٹیں نہیں۔" وہ بگڑ کر بولی۔

"ہاں۔ مگر "انسان"۔" وہ استہزائیہ انداز میں مسکرا کر بولا اور اخبار پٹخ کر اٹھ کھڑا ہوا اور باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر میں ٹرے میں چائے اور دیگر لوازمات لے کر کمرے میں داخل ہوا اور ٹرے کارنر ٹیبل پر رکھ دی۔

"تشریف لائیے۔" وہ طنز سے بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ اپنی کم مائیگی اور بے بسی کو جانتی تھی۔ برش رکھ کر چادر لپیٹ کر اس کے مقابل بیٹھ گئی۔

''اس گرمی میں یہ چادر۔ کیا شکرانے کے نفل پڑھنے کا ارادہ ہے؟'' وہ جیسے چڑ رہا تھا۔

''آپ مجھ سے اس طرح باتیں کیوں کر رہے ہیں؟'' بے بسی سے آنکھیں بھر آئیں۔

''آپ کے انداز سے قطعی ہم آہنگ۔ یہ میری گفتگو۔ پھر فرمایئے' آپ سے کس طرح باتیں کروں؟ محبت رومان پرور باتیں اسی وقت کی جاسکتی ہیں جب فریق ثانی اس پر آمادہ ہو۔''

''میرا یہ مطلب نہیں۔'' آنسو رخساروں پر لڑھک آئے۔ اس کے انداز سے گھبرا کر جھٹ وضاحت کی۔

''آپ کا یہ مطلب تو کبھی ہو بھی نہیں سکتا۔ اعتراف محبت آپ کی اداؤں میں چھپا ہوا تھا۔ دو بول نکاح کی م میں ضرور ادا ہوئے ہیں مگر آپ کی ہمت پہچانتا ہوں۔''

شہوار کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

وہ اس کے ساتھ تنہا تھی۔ اس کی گفتگو کے بیچ کسی مداخلت کا کوئی امکان نہیں تھا۔ پھر ان کے بیچ رشتہ۔ وہ اندر ہی سہم رہی تھی کہ۔

خدا جانے وہ کیا کہہ جائے۔ اگر کچھ کہنے لگے تو اسے روکا کیسے جاسکتا ہے۔

احسن نے اس کے بہتے اشک دیکھے مگر صرف نظر کیا اور چائے کی پیالی اس کے سامنے رکھ دی۔

''یہ آپ کا گھر ہے محترمہ۔ ایڈجسٹ ہونے کی کوشش کیجئے۔ آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو میری محبت کی صداق اعتراف کرتا۔ قدر کرتا میری اور ایسی سچی محبت کے حصول پر خود پر ناز کرتا اور ایسے خالص ساتھی کے سامنے زمانے کو مارتا۔''

''ماں باپ کی محبتیں بھی خالص ہوتی ہیں۔ اپنی خوشی کیلئے اپنے پیاروں کو دکھ دینا۔ بدترین خود غرضی ہے۔''

وہ رو پڑی۔

''یہی بات اپنے گھر والوں اور میرے والد صاحب پر فٹ کر دیجئے۔ اب کیا صورت بنتی ہے؟'' اس نے پھر زہ دیا۔

''دیکھو شہوار! بس اب ختم کرو۔ میں نے بہت عذاب اٹھا کر تمہیں حاصل کیا ہے۔ اب اگر تم میرا دماغ خراب کرو میں تمہارا حشر بگاڑ دوں گا۔''

اس نے بری طرح بگڑ کر پیالی ٹرے میں پٹخی اور باہر نکل گیا۔

شہوار اندر ہی اندر سہم گئی تھی۔ پھر اس سے چائے بھی نہ پی گئی۔

کافی دیر ٹرے سامنے رکھے سوچوں میں گم رہی۔

اور زندگی کے مذاق پر کڑھتی رہی۔

اسے احساس تھا کہ اب وہ اپنے پاپا کیلئے بھی قابل قبول نہیں ہے۔ آگے کنواں پیچھے کھائی والی مثل تھی۔ مگر وہ اس زیادتی کا مزہ ضرور چکھائے گی۔

احسن نے سمجھا کیا ہے؟ پتا نہیں پاپا امی سے کس طرح پیش آرہے ہوں گے؟ اس کا دل جیسے کسی نے بھینچ ڈالا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ٹرے اٹھا کر باہر چلی آئی۔

بائیں سمت کچھ کھٹر پٹر محسوس ہوئی' گردن موڑ کر دیکھا۔

احسن موٹا سا پائپ لگائے کار دھو رہا تھا۔ اتنے مگن انداز میں جیسے معمول کے حالات ہوں اور زندگی میں کوئی نئی بات نہ ہوئی ہو۔ پینٹ کے پائنچے چڑھائے ہوئے تھے۔ باقی جسم پر مزید کوئی کپڑا نہیں تھا۔ بال پیشانی پر جھک آئے تھے۔ شاور اپ شڑاپ پانی میں چلت پھرت ہو رہی تھی۔

اُف خدایا کتنا بے حس انسان ہے۔ کسی بھی قسم کا احساس ملامت محسوس نہیں ہوتا تھا۔ اس نے آزردگی سے سوچا۔

احسن نے ٹرے اُٹھائے ہوئے شہوار کو کچن کی سمت جاتے ہوئے دیکھا۔ ایک مبہم سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر در آئی تھی۔

وہ بجھے بجھے انداز میں اور مرے مرے ہاتھوں سے کپ دھونے میں مشغول تھی کہ وہ اسی حلیے میں بھیگا بھیگا سا اس کے پاس چلا آیا۔

''کھانا باہر سے آئے گا۔ شام کا کھانا ایک دوست کے ہاں ہے۔ بے چارے نے ایڈوانس دعوت دے رکھی ہے۔ ابھی ایک دو دن تم سے کام نہیں کرانا ہے۔ سنا ہے' شروع شروع میں دلہن کے بہت ناز اُٹھائے جاتے ہیں۔ ایک دو دن تو میں بھی تمہارے ناز اٹھانے کو تیار ہوں۔'' وہ کچھ نہیں بولی۔ اپنے کام میں مصروف رہی۔

وہ اس کی قربت سے پھر سہم گئی تھی۔

احسن نے گیلے ہاتھ سے اس کا بازو تھام لیا اور اپنی طرف اس کا رخ کیا۔ شہوار کی جان سوکھے پتے کی طرح کانپ گئی۔

''کیا زمانے سے جیت کر تم سے ہار گیا ہوں شہوار؟'' احسن کے لہجے میں گھائل کر دینے والی ایک عجیب سی کسک تھی۔

شہوار سسک پڑی۔

احسن کی بانہوں کی پناہ گاہ بھی اس کیلئے باعث تقویت نہیں تھی اب۔ دل و دماغ جو ٹھکانے نہیں تھے۔

''تم تو ہر دم خوش رہنے والی' برائی میں اچھائی ڈھونڈنے والی' اندھیرے میں روشنی کی کرن ڈھونڈ کر لانے والی ہو میرے عمل میں ابھی تک کوئی خیر کا پہلو دکھائی نہیں دیا تمہیں۔''

احسن نے انگلیوں کی پوروں سے اس کے اشک صاف کئے۔

''احسن۔ آپ نے میرے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔'' وہ اس کا حصار توڑ کر بھاگ گئی اور کمرے میں آکر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

''پاپا کو کتنا شاک پہنچا ہوگا' وہ تحریر دیکھ کر۔ ہائے مجھ سے یہ کیا سرزد ہو گیا۔'' ضمیر کی ملامت اسے بے چین کئے ہوئے تھی۔

کال بیل مسلسل بج رہی تھی۔ وہ اس کے انداز دیکھ کر کچھ دیر تو سوچ میں غرق رہا پھر قمیض پہن کر دوپہر کا کھانا لینے چلا گیا تھا۔ واپس آیا تو ہنوز شہوار دروازے کا بولٹ گرائے اندر خود کو قید کئے ہوئے تھی۔

اس نے یہ ساری بدنامی۔

یہ سارے خطرات محض اسی کی خاطر تو مول لئے تھے۔ اس کی محبت میں۔

اسے تو میرے جذبات کی قدر کرنا چاہئے۔ اگر جو ماضی میں شہوار تم نے مجھے فریب دیا تھا اور تمہارے جذبات حقیقی نہیں تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو میں تم سے نپٹ لوں گا۔"

اس نے اپنی خودسری سے مغلوب ہو کر تہیہ کیا تھا۔

"یہ اس بھری دوپہر میں کون آ گیا۔ اس محلے میں نووارد ہوں۔ کسی سے علیک سلیک نہیں۔ رشتے دار ظالم سماج ساتھ ہیں۔ ماں' بہنیں' بھائی میلوں کوسوں دور ہیں۔

شاید سردار صاحب مجھ سے "نپٹنے" آئے ہوں۔ اسی زمین پر رہتا ہوں۔ پتا معلوم کر لیا ہوگا۔ اب یہ ایسی بھی نئی بات نہیں۔"

اس نے خود ہی سے بہت کچھ فرض کر لیا اور اپنی مخصوص خود اعتمادی سے کام لیتا ہوا گیٹ کی سمت بڑھا۔

"شاید سردار صاحب مجھے "شہید عشق" کا درجہ دینے آئے ہوں' رائفل کی نال سیدھی کئے ہوئے۔" وہ تلخی سے مسکرا تھا۔

گیٹ وا کیا تو جیسے بری طرح چونک پڑا۔

"السلام علیکم۔" اس کی آواز میں بلا کی حیرت تھی۔

"وعلیکم السلام۔ کیا یہیں سے بھگا دو گے؟" اسے گیٹ میں اژدہا دیکھ کر وہ مسکرائیں۔

"اوہ آیئے پھوپھو!"

"السلام علیکم احسن بھائی!" فیصل بھی سامنے آیا۔ فیضان ٹیکسی ڈرائیور سے نمٹ رہا تھا۔ فیصل کے ہاتھ میں پھلوں کے تھیلے تھے۔

وہ سب احسن کے پیچھے پیچھے چلے آئے۔

احسن حیران تھا کہ پھوپھو نے اسے کیسے ڈھونڈ نکالا۔

وہ انہیں لے کر ڈرائنگ روم میں چلا آیا۔

"احسن بھائی۔ آپ پہلے سے زیادہ ڈیسنٹ لگ رہے ہیں۔" فیصل نے مسکرا کر سراہا۔

"اچھا تمہاری نگاہ بھی آخر کار حسین ہو ہی گئی۔" احسن نے بڑا جاندار قہقہہ لگایا اور فیصل کی پشت تھپتھپائی۔

"فیضی بیٹے! تم اپنے بھائی کے گھر سے ٹھنڈا سا پانی برآمد کر کے پلاؤ۔" ثمینہ فیضان سے مخاطب ہوئیں۔

"میں لے آتا ہوں۔ کیوں بے چارے مہمان کو مہم پر روانہ کر رہی ہیں۔"

"چھوڑو۔ تم بیٹھو یہاں' کتنے برسوں بعد تو تمہاری صورت دیکھ رہی ہوں۔ بے حد بے چینی تھی تم سے ملنے کی۔ کیا کر رہے ہو؟"

"ایک فرم میں جاب کر رہا ہوں۔ سائیڈ بزنس بھی شروع کیا ہوا ہے۔ اپنے دوست کے ساتھ' اسکول سے یونیورسٹی تک ہم ساتھ ہی پڑھے تھے۔ سرمایہ تقریباً اسی کا ہے۔ محنت میری ہے' وہ تو عراق میں ہے۔" احسن نے تفصیل سے بتایا۔

"پھر تو کافی مصروف انسان ہو گئے ہو۔" ثمینہ مسکرائیں۔

"اب آپ یہ بتائیں کہ اس جنگل کی طرح پھیلے ہوئے شہر میں آپ نے مجھے کس طرح ڈھونڈ نکالا؟" احسن کا انتہائی تجسس بالآخر زبان پر آ ہی گیا۔

ثمینہ نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔

"تو پھر مانتے ہو نا' ہمیں؟" ثمینہ نے ذرا افتخار سے جتایا۔

"پھر بھی پتا تو چلے۔" احسن نے اصرار کیا۔

"کتنے ظالم ہو تم۔ ماں تک کو اپنا ٹھکانا نہیں بتایا۔" ثمینہ نے کھچائی کی۔

احسن ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"مجھے ٹھکانا بنائے ہوئے زیادہ دن نہیں ہوئے۔ یہ گھر بھی میرے اسی دوست کا ہے جس کے ساتھ میں بزنس کر رہا ہوں۔ ماں۔ ماں ہوتی ہے پھوپھو۔ میں اپنی وجہ سے امی کو کسی کڑے امتحان میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ میں نے انہیں پتا نہیں دیا۔ آپ اسے مصلحت کا تقاضا کہہ لیجئے۔ اب آپ بتایئے یہاں کس طرح پہنچیں۔" وہ ہنوز اپنے سوال پر ڈٹا ہوا نظر آیا۔

"تمہارے آفس گئی تھی۔ پہلے فون کیا تھا پتا چلا کہ تم چھٹیوں پر ہو۔ بڑے سدھار رکھے ہیں تم نے اپنے ساتھی۔ پتا ہی نہیں بتا رہے تھے۔ آئیں بائیں شائیں کرنے لگے۔ بہت مشکل سے تمہارے اسٹینو نے بتایا۔ اس بے چارے کو تو خود بھی پتا نہیں تھا۔ اپنے کسی بڑے سے معلوم کر کے بتایا تھا۔"

"آپ نے میری وجہ سے بہت تکلیف اٹھائی۔" احسن کا انداز معذرت خواہانہ تھا۔

"اب تو اٹھا ہی لی۔" ثمینہ ہنس دی۔

"بہت بے تاب تھی تم سے ملنے کیلئے۔ اگلے ہفتے کراچی آنے کا ارادہ تھا۔ مگر سسرال میں ایک شادی اٹینڈ کرنا پڑ گئی تھی۔ مجبوری تھی۔"

فیضان ایک گلاس پانی اور بوتل لے کر آ چکا تھا۔ اس نے گلاس بھر کر ماں کو پیش کیا۔

"اسلام آباد گئی تھیں؟" احسن نے پوچھا۔

"ظاہر ہے۔ اب صرف ایک بھائی کے دم سے تو میرا میکہ آباد ہے۔" ثمینہ نے کہا۔

"امی کیسی ہیں؟" احسن کے انداز میں عجیب سا دکھ تھا۔

"اچھی ہیں۔ بلکہ بالکل ٹھیک ہیں۔ تمہیں بہت پیار کہہ رہی تھیں۔"

"اور باقی لوگ؟" وہ نہ جانے کیا پوچھنا چاہ رہا تھا۔

"باقی لوگ بھی ٹھیک ہیں۔ سب تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔ احسن۔ گھر سے یوں تعلق نہیں توڑا کرتے۔" ثمینہ نے جیسے اسے سمجھایا۔

"پھوپھو! آپ کی امی سے بہت دوستی ہے۔ مجھے یقین ہے' انہوں نے آپ کو سب کچھ بتا دیا ہوگا۔ وگرنہ میں اتنا کمزور نہیں ہوں کہ مشکل وقت میں سب کا ساتھ چھوڑ دوں۔ پھر ان لوگوں کا جو کہ میرے سب سے زیادہ اپنے ہیں۔ میں جو اپنے ہاتھ پاؤں مار رہا ہوں۔ انہی کیلئے یہ سب کر رہا ہوں۔ برسوں ہی احمر کے ذریعے اگی کو دس ہزار روپے بھجوائے ہیں تاکہ ان کو تقویت رہے کہ میں ان سے دور ہو کر بھی انہی کیلئے کام کر رہا ہوں۔ آپ کیا سمجھتی ہیں مجھے اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں ہے؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔ خدانخواستہ مجھے تم سے ایسی امید ہرگز نہیں ہے۔ بھائی صاحب کی تو عادت ہی ایسی ہے۔"

"بعض اوقات انسان اسی کے ہاتھوں سب سے بڑا دکھ اٹھاتا ہے' جو سب سے زیادہ اپنا ہوتا ہے۔"

احسن نے پھوپھو کو مزید بولنے سے روک دیا۔ اس کے لہجے میں کرب سا تھا۔ ثمینہ حقائق سے واقف تھیں' خاموش ہو کر رہ گئیں۔

"پھر تو ابا جی نے شکیلہ کا مسئلہ کھڑا نہیں کیا؟" اسے ایک دم ضروری بات یاد آئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ثمینہ کی ہمت جواب دے گئی۔ فیصل اور فیضان ماں کو بغور دیکھنے لگے۔ احسن ثمینہ کی خاموشی پر کھٹک سا گیا۔

''کیا بات ہے۔ پھوپھو۔ آپ کیا سوچنے لگیں؟'' وہ بے چین نظر آیا۔

''کچھ نہیں۔'' ثمینہ زبردستی مسکرائیں۔

''لیکن کوئی بات ہے ضرور۔ آپ کے انداز سے ظاہر ہے۔ کیوں فیضی۔ تم بھی گئے ہو گے پھوپھو کے ساتھ۔ کچھ تو تمہیں پتا ہو گا؟'' اب وہ فیضان سے مخاطب تھا۔

''امی بتائیں گی۔ فیضی نے گھبرا کر ماں کو دیکھا۔

''گویا کوئی بات ہے ضرور جو امی بتائیں گی۔'' احسن کو یقین آ گیا۔

''جو بات ہے آپ بتا دیں پھوپھو! اتنی آسانی سے نہیں مروں گا خاصا سخت جان ہوں۔'' وہ زہر خند کے ساتھ بولا۔

''شکیلہ کی شادی ہو گئی ہے۔'' وہ آہستگی سے گویا ہوئیں۔

احسن نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبایا پھر ایک گہرا سانس سینے سے آزاد کیا۔

''تو اباجی۔ یہ مقدمہ جیت گئے۔ مگر میں بھی انہی کا بیٹا ہوں۔ میں انہیں زندگی کی تصویر کا دوسرا رخ ضرور دکھاؤں گا۔'' اس کا لہجہ اتنا سرد تھا کہ یہ ٹھنڈک ثمینہ کی ریڑھ کی ہڈی میں اتر گئی۔

''بری بات..... احسن۔ باپ ہیں وہ تمہارے۔'' ثمینہ نے ٹوکا۔

''پھوپھو! جو دھوپ میں جل رہا ہو..... سائبان بنانا کیا اس کا فطری حق نہیں؟''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر۔''

''مگر وگر کچھ نہیں پھوپھو۔ روایات انسانوں کے رویوں سے مضبوطی پکڑتی ہیں۔ اگر باپ کا احترام انسانی روایات کا ایک حصہ ہے تو اس روایت میں باپ کا مرکزی کردار ہونا چاہئے۔ کیونکہ باپ سے اولاد ہوتی ہے۔ باپ اولاد سے نہیں۔''

''خدا کیلئے احسن' چپ ہو جاؤ۔ ایسی باتیں نہیں کرتے۔'' ثمینہ سٹپٹا گئیں۔

''پھر ایسی باتیں کب کروں؟ جب یہ سارے اصول رشتے اباجی کی ڈکٹیٹر شپ کی بھینٹ چڑھ جائیں؟ زندگی میں جو کچھ آپ اور میں چاہتے ہیں۔ کیا اس گھر کے افراد خواہشات نہیں رکھتے انہیں کھل کر زندہ رہنے ہنسنے مسکرانے کا حق نہیں ہے۔ جو خدا اباجی کا ہے پھوپھو۔ وہی میرا' آپ کا اور ان سب مظلوموں کا ہے۔''

ثمینہ ساکت بیٹھی رہ گئیں۔

وہ تیس بتیس سال کا ہوش مند جوان تھا۔ اپنے دماغ سے سوچنے والا۔ اپنی نگاہ سے دیکھنے والا۔ وہ اسے بچوں کی طرح کس طرح بہلاتیں۔

وہ اسے باپ سے قریب کرنے کیلئے کون سی دلیل دیتیں کہ جس باپ کی وجہ سے وہ در ماندہ نظر آ رہا تھا۔

وہ بچپن سے اسے دیکھتی آ رہی تھیں۔ کسی بھی قسم کی اخلاقی برائی اس سے وابستہ نہیں رہی تھی۔ جس کی جرات خود عتادی اور ذہانت کے چرچے بچپن سے تھے۔ وہ اپنے ہم عصروں کی زد پر تھا۔

اور کس وجہ سے؟

وہ بہت اچھی طرح جانتی تھیں۔ مگر رشتہ و مقام ایسا تھا کہ وہ احسن کے درست موقف کے باوجود اس کے حمایت کیلئے واز بلند نہیں کر سکتی تھیں۔

''پھر بھی احسن! کیسے ہی سہی۔ وہ باپ ہیں تمہارے۔'' انہوں نے پھر سمجھانے کی کوشش کی۔

''پھوپھو! کمال کرتی ہیں آپ۔ کیا یہ بات مجھے معلوم نہیں؟ مگر آپ لوگ بھی کیا کریں یہاں کی معاشرتی اقدار ہی ایسی ہیں کہ گھر کا ڈکٹیٹر نفسیاتی مریضوں کی کھیپ تو تیار کر سکتا ہے۔ مگر خود کو بدلنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے ٹکڑوں پر جو رہے ہوتے ہیں۔''

''شکیلہ نے تمہارے نام ایک پیغام بھیجا ہے۔'' ثمینہ نے جلدی جلدی سے بات بدلی۔

احسن نے سوالیہ نظریں ثمینہ کے چہرے پر ٹکا دیں۔

''وہ کہہ رہی تھیں کہ میں بہت خوش ہوں۔ احسن بھائی سے کہئے گا میرا غم نہ کریں!''

''اباجی اگر اسے شوٹ بھی کر دیتے تو وہ یہی بات کہتی۔'' وہ تلخی سے ہنس دیا۔

''آپ نے دیکھا ہے موصوف کو؟'' وہ دکھ سے پوچھ رہا تھا۔

''سچی بات ہے کہ دیکھا ہے۔ میرے سامنے آئے تھے دونوں۔ ادھیڑ عمر دکھائی دے رہے تھے۔ خوشحالی اور آسودگی تو بھی انسان کو بوڑھا ہونے سے روکتی رہتی ہے۔ اچھا سو برسا انسان ہے۔ اصل عمر تو اللہ ہی کو معلوم۔ ویسے آدمی بہت ں اور پروقار ہے۔''

''یہ آپ مجھے بہلا رہی ہیں؟'' وہ طنز سے مسکرایا۔

''ارے نہیں۔ خدانخواستہ۔ ٹھیک ہے وہ شکیلہ کے جوڑ کا نہیں ہے۔ مگر اُجڈ اور چھچھورا نہیں ہے۔ اچھے خاندان کا ائی دیتا ہے۔''

''پھر موصوف کیلئے کیا مسئلہ تھا۔ قیامت برپا کرنے کیلئے انہیں ہمارا ہی گھر نظر آیا تھا؟''

''امی سچ کہہ رہی ہیں۔ شکیلہ باجی کے سپینڈ بہت گریس فل سے ہیں۔'' فیصل نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''اور ہاں۔ ایک خوشخبری بھی تمہیں دینا ہے۔ فیضی۔ وہ مٹھائی کا ڈبہ تو ذرا اِدھر لاؤ۔'' ثمینہ نے بیٹے کو مخاطب کیا۔

احسن کے لبوں پر افسردہ سی مسکراہٹ در آئی۔

(یہ پھوپھو ہمیں بہت چاہتی ہیں ناں۔ زخموں پر مرہم رکھنے کا کوئی بہانہ ساتھ لائی ہوں گی)

ثمینہ نے مٹھائی کا ڈبہ کھولا۔

''لو منہ میٹھا کرو۔''

''مگر میں پہلے خوشخبری سننا چاہوں گا۔''

''راحیلہ اور بیلا کے رشتے طے ہو گئے ہیں۔''

''یہ بھی کوئی نامی گرامی ساہوکار ہوں گے۔'' احسن سر سے پاؤں تک تلخ دکھائی دیا۔ اس نے مسکرا کر فیصل کو دیکھا تھا۔ فیصل نظریں جھکا کر رہ گیا تھا۔ البتہ فیضان اپنی شریر سی مسکراہٹ پر قابو نہ پا سکا تھا۔ ثمینہ کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

''یہ بیٹھیں ہیں ناں۔ تمہارے سامنے نامی گرامی ساہوکار۔'' ان کی ہنسی نہیں رُک رہی تھی۔

''کیا مطلب؟'' وہ الجھا۔ یا واقعی یقین نہیں آ رہا تھا۔

''مطلب یہ کہ راحیلہ کا رشتہ فیصل سے اور بیلا کا فیضان سے طے کر دیا ہے۔''

''یہ کب ہوا؟'' احسن کو سچی روحانی خوشی ہوئی تھی۔

''چند ہی دن ہوئے۔ جب میں اسلام آباد گئی تھی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

احسن فوراً ہی معاملے کی تہہ میں اتر گیا۔ اسے ان ''ایمرجنسی'' رشتوں کی وجہ فوراً سمجھ میں آ گئی اس نے دل پھوپھی کی بے انتہا قدر محسوس کی۔

''شائستہ کیسی ہے؟'' اسے فوراً اپنی بہن یاد آئی۔

''ماشاء اللہ۔ بالکل ٹھیک ہے۔ آج تو میں اسے جان بوجھ کر ساتھ نہیں لائی کہ گھر ڈھونڈنے میں پریشانی ہوئی تو اس کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔''

''آپ نے بہت نازک مزاج بنا دیا ہے۔'' احسن نے مسکرا کر پھوپھو کو گویا پھر چھیڑا۔

''اللہ نے چاہا تو ہمیشہ اسے ناز اٹھانے والے ملتے رہیں گے۔'' وہ محبت سے بولیں۔

''آیئے۔ پھر کھانا وانا ہو جائے۔''

''تم پکاؤ گے؟'' ثمینہ ہنس پڑیں۔

''ارے نہیں۔ مجھے تو آملیٹ اور چائے کے علاوہ اور کچھ بنانا آتا نہیں۔ آپ کی آمد سے کچھ دیر پہلے میں کھانا لایا تھا اچھی خاصی مقدار میں ہے۔ اور اچھی جگہ کا بنا ہوا ہے مگر۔ پہلے میں ذرا گھر والوں کو اٹھا دوں۔''

خوشخبری سن کر شکیلہ کا دکھ جیسے بہل گیا تھا۔ احسن کے انداز میں پھوپھو کی قدردانی صاف محسوس ہو رہی تھی۔

''گھر والے!'' ثمینہ حیرانی سے پوچھ رہی تھیں۔

''کیا اسلام آباد سے کوئی آیا ہوا ہے؟'' وہ الجھن میں پڑ گئیں۔

''جو بھی ہے' وہ آپ کے سامنے ہی آ جائے گا۔ آیئے میرے ساتھ۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ثمینہ حیران پریشان اس کے پیچھے چل پڑیں۔

''گھر والو۔ اٹھ جاؤ۔ اور ثمینہ پھوپھو کے ساتھ دوپہر کے کھانے میں شریک ہو جاؤ۔'' وہ دروازے پر دستک دے کر بولا۔

شہوار جو بستر پر آنکھیں موندے چپ چاپ پڑی تھی۔ ایک دم چونک پڑی۔ اس قید خانے میں کسی اپنے کی..... جان پہچان کے بندے کی اطلاع' دل بمشکل سنبھلا۔

اس نے اپنی وہی کریم کلر کی چادر اٹھا کر شانوں پر پھیلائی۔ پھر ایک دم ٹھٹک گئی۔

''شاید احسن بہانے سے مجھے باہر بلا رہے ہوں۔'' وہ پھر بیٹھ گئی۔

''آپ کہئے پھوپھو۔ شاید گھر والوں کو میری بات کا یقین نہیں ہے۔''

''مگر ہے کون۔ پتا تو چلے؟'' ثمینہ نے خفگی سے احسن کو دیکھا۔

''گھر والو۔ آواز سن لی' اب دروازہ کھول دو۔''

شہوار نے ثمینہ کی آواز پہچان لی تھی۔ بے تاب ہو کر دروازہ کھول دیا۔ ثمینہ ہکا بکا شہوار کو دیکھ رہی تھی جو بے قرار ہو کر ان کی طرف بڑھی تھی۔

ثمینہ نے بھی اس کا انداز دیکھ کر اپنی بانہیں کشادہ کر لیں۔

شہوار ان کے سینے سے لگی بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔

وہ برابر اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر چپ ہونے کی تلقین و تاکید میں مصروف ہو گئی تھیں۔

بمشکل اسے لے کر کمرے میں آئیں۔ بہت شفقت سے اس کے رخسار تھپتھپائے پھر احسن کی سمت پلٹیں۔

''یہ سب کیا ہے احسن؟'' ان کا لہجہ بدل گیا تھا۔

''آنٹی.....! انہوں نے مجھے ساری دنیا سے الگ کر کے رکھ دیا ہے۔'' شہوار نے بھرائی ہوئی آواز میں جیسے شکایت کی۔

''احسن.....!'' ثمینہ کا دل بیٹھ گیا۔ ''کیا کر بیٹھے ہو؟'' ان کی آواز کانپ رہی تھی۔

''پھوپھو۔ جب رشتے اپنی قیمت کھونے لگیں اور مسئلہ ہار جیت کا اٹھنے لگے تو پھر یہ سب ممکن ہو جاتا ہے۔''

وہ شعلہ بار نگاہوں سے شہوار کو دیکھ کر بولا۔

''اگر تم نے جذبات میں کوئی انتہائی قدم اٹھایا تو بہت بڑی حماقت کی ہے۔'' وہ ناراضگی سے گویا ہوئیں۔

''آپ کو تمام حالات کی شنید نہیں ہے۔ اس لئے آپ ایسا کہنے میں حق بجانب ہیں۔ آیئے کھانا کھا لیجئے۔'' اس کا انداز مطمئن اور نارمل تھا۔

''جہنم میں جائے کھانا۔ ارے اس بچی کا کیا بنے گا؟'' وہ جیسے صدمے سے چور ہو گئی تھیں۔

''آپ کی یہ بچی۔ میری بیوی ہے۔''

''معاشرے میں رہنے کے کچھ ضابطے اور اصول ہوتے ہیں احسن! یہ محض سرکشی ہے۔''

''ہمارے ہاں تو صرف ایک اصول رائج ہے پھوپھو۔ کہ جس کے ٹکڑوں پر پل رہے ہوتے ہیں وہ زندہ رہنے کا خراج وصول کرتا ہے۔'' اس نے تلخی سے پھوپھو کی بات کاٹ ڈالی۔

پھر اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور ثمینہ کے شانے تھام لئے۔

''حقائق جانے بغیر فرد جرم عائد نہیں کرتے پھوپھو۔ پلیز پہلے کھانا کھا لیں۔ پھر میں آپ کو حرف حرف حقیقت سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آگاہ کروں گا۔ آپ کو میری قسم پھوپھو۔ پلیز۔"

ثمینہ نے اس کے عاجزانہ اور محبت آمیز رویے کو محسوس کیا۔

(کوئی بات تو ہے۔ اگر بدلحاظی اس کی فطرت ہوتی تو میرا لحاظ بھی نہ کرتا)

"پلیز پھپھو.....!"

پھر وہ اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

احسن نے شہوار کو مخاطب نہیں کیا اور اسے نظر انداز کرتا ہوا پھوپھو کو لے کر کمرے سے باہر نکل گیا اور انہیں لے سیدھا کچن میں آیا۔

ثمینہ اسے ادوین آن کرتے دیکھ کر آگے بڑھیں۔ "لاؤ میں خود کرلوں گی۔"

"صرف کھانا گرم ہی تو کرنا ہے۔ یہ کوئی مشکل بات نہیں۔"

"مگر خواتین کی موجودگی میں تم یہ کام کیوں کرو؟ ہٹو ایک طرف۔" ثمینہ نے احسن کو ایک طرف کیا۔

"جاؤ تم شہوار کو بلا لاؤ۔ کیا وہ کھانا کھا چکی ہے؟"

"نہیں..... پھوپھو آپ اگر اسے بلا لائیں تو وہ کم وقت میں آپ کی بات مان جائے گی۔"

"ٹھیک ہے میں اسے بلا لاتی ہوں مگر تم تردد نہیں کرو۔ ہم مل کر کھانا لگا لیں گے۔"

وہ جاتے جاتے پلٹیں اور احسن کو کچن کے کام سے روکا۔

احسن نے ایک لمحے کو کچھ سوچا پھر کچن سے باہر نکل گیا۔

ثمینہ شہوار کو کمرے سے باہر لانے میں کامیاب ہوگئیں تو وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

"آپ بیٹھیں آنٹی۔ میں کھانا لگاتی ہوں۔" اس کے لہجے میں آنسوؤں کا اثر تھا۔

احسن نے اس پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی پھر فیصل اور فیضان سے باتوں میں مصروف ہوگیا۔

ثمینہ کچن سے باہر برتن لا کر میز پر رکھنے لگیں شہوار کے روکنے کے باوجود۔

شہوار نے کھانا گرم کرنا شروع کردیا تھا۔ اور ساتھ ساتھ آنسو بھی رخساروں پر بہہ رہے تھے۔

ثمینہ نے شفقت کے ساتھ اسے اپنے گلے سے لگا لیا۔

"روؤ نہیں شہوار! مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔ تم کب سے ہو یہاں.....؟"

"رات سے۔" وہ بولی۔

"اچھا۔ رات کو آئی تھیں۔" ثمینہ کے لہجے میں استعجاب تھا۔

"آئی نہیں۔ لائی گئی ہوں۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"اتنا بڑا کام احسن نے کیسے کرلیا؟" انہیں حیرت بہت تھی۔

"ان سے ہی پوچھ لیجئے گا۔" وہ ناراض انداز میں گویا ہوئی۔

"تو تم رات سے کمرے میں بند ہو؟"

"نہیں۔"

"پھر.....؟ ویسے تمہاری مرضی اگر نہیں تھی تو یہ سب کیسے ممکن ہوا؟ کیا تمہارے والدین نے احسن کے کہنے پر کردی.....؟" ثمینہ کا تجسس کمال پر تھا۔

"ثمینہ کا تجسس کمال پر تھا۔

"میں آپ کو کیا بتاؤں؟ آپ احسن سے ساری تفصیلات پوچھ لیجئے گا۔" وہ سالن کا ڈونگا اُٹھا کر باہر نکل گئی۔ ثمینہ اور فیضان اس کے پیچھے پیچھے چلی آئیں۔

"احسن بھائی۔ ہمیں بالکل امید نہیں تھی کہ ہم یہاں شہوار بھابھی سے بھی مل لیں گے۔" فیصل شہوار کی موجودگی پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

"کبھی کبھی بہت ساری باتیں خلاف توقع بھی ہوا کرتی ہیں۔ چلو تم کھانا کھاؤ۔" احسن نے مختصر جواب دے کر اس کی طرف سے دھیان ہٹانے کی طرف کی۔

"ارے بھئی شہوار! اب آ بھی جاؤ۔" ثمینہ نے پانی کی بوتل ٹیبل پر رکھتی ہوئی شہوار کو مخاطب کیا۔

"آپ کھائیں آنٹی۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔" اس نے وہاں سے ہٹتے ہوئے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"ہائیں۔ بھوک کیوں نہیں ہے؟ چلو بیٹھو شہوار۔ ضد نہیں کرتے۔"

"رہنے دیں پھوپھو۔ اگر بھوک نہیں ہے تو کیا ضرورت ہے۔" احسن کا انداز بگڑا ہوا تھا۔

"وہ رات سے یہاں ہے۔ کمرے میں کیا من وسلویٰ اترا ہے۔ جو اسے بھوک نہیں ہے؟" ثمینہ نے کرسی چھوڑ کر احسن اور شہوار کے بیچ تناؤ کو محسوس کر رہی تھیں۔

"چلو بیٹے..... شاباش ضد نہیں کرتے آؤ۔ میرے ساتھ بیٹھو۔" وہ اسے بچوں کی طرح چمکار کر بٹھاتے ہوئے

شہوار ان کے سامنے مزید ضد نہ کرسکی اور تھوڑا سا سالن پلیٹ میں ڈال کر آہستہ آہستہ کھانے لگی۔

"ہلیہ تو دیکھو کیا بنا رکھا ہے۔ بال سلجھا کر چوٹی تو باندھ لی ہوتی بیٹا۔ کوئی چوڑی، کنگن تک کلائی میں نہیں ہے۔ اور یہ کانوں میں ذرا ذرا سے رنگ ڈالے ہوئے ہیں۔ خیر سے بیاہتا ہو۔ تمہاری امی نے تمہیں کچھ تو پہنا کر بھیجا ہو

شہوار کا دل بھر آیا۔ مگر احسن کے بدلے ہوئے رویے کے سبب وہ اپنے اشکوں پر قابو پائے ہوئے تھی۔

"جو پولیس پارٹی احسن ہمارے ہاں لائے تھے اس نے اتنی مہلت ہی نہیں دی کہ امی مجھے کچھ پہننے کو دیتیں۔ ایسے آنٹی وہ مجھے ایسے حالات میں کچھ پہننے ہی کو کیوں دیتیں.....؟ میری رخصتی ہمیشہ کیلئے ہو رہی تھی۔ اور ہمیشہ کی رخصتی تو آپ سمجھتی ہیں۔ مسلمان جنازوں پر چڑھاوے نہیں چڑھاتے۔"

وہ جیسے پھٹ پڑی تھی۔

فیصل اور فیضان حیرت سے منہ کھولے اسے دیکھ رہے تھے۔ ثمینہ کا ہاتھ پلیٹ میں ساکت تھا جبکہ احسن بدستور کھانے میں مگن تھا۔

اس نے ایک نگاہ غلط شہوار پر ڈالی اور اپنی پلیٹ میں سالن ڈالنے لگا

"آپ کھانا کھائیں پھوپھو۔ یہ اس وقت کا سب سے ضروری کام ہے۔" اس نے ثمینہ کو متوجہ کیا۔

"آں.....؟ ہاں۔" وہ جیسے کسی خیال سے چونک پڑیں۔

انہوں نے احسن کی سمت دیکھا۔ اس کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری تھا۔

لفظ "پولیس پارٹی" اب ان کے ذہن پر مسلسل بج رہا تھا۔ انہوں نے نگاہ اٹھا کر اپنے بیٹوں کی طرف دیکھا اور جیسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مزید گفتگو کا پروگرام ملتوی کر دیا۔

کھانے کے بعد فیصل اور فیضان کو ثمینہ نے احسن کے بیڈروم میں بھیج دیا تھا۔ اور خود ساری تفصیل سننے کے بے چینی کا برملا اظہار کر رہی تھیں۔

سہ پہر سے وہ ڈرائنگ روم میں بند تھے۔ نہ جانے کون ملنے والا آیا ہوا تھا۔

ملازم ایک بار کافی لوازمات کے ساتھ اور ایک بار کولڈ ڈرنگ لے جا چکا تھا۔

انہیں شام کو ایک تقریب میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے بھی شرکت کرنا تھی جو کسی تجارتی و صنعتی تنظیم کی طرف منعقد کی جا رہی تھی۔

پانچ بجتے ہی وہ تیاری میں لگ گئی۔

ان کے پسندیدہ کولون کے ساتھ غسل کیا' پھر خاصی دیر بال سکھانے میں مصروف رہی۔ ساتھ ساتھ ملازمین کو کاموں کے سلسلے میں ہدایت دیتی رہی۔

گاہے گاہے ڈرائنگ روم کی سمت نگاہ اٹھ جاتی تھی مگر بند دروازوں سے ٹکرا کر واپس آ جاتی تھی۔ رائل بلیو ساڑھی فال درست کرتے ہوئے معاً باہر چہل پہل سی محسوس ہوئی۔ مگر پھر فوراً خاموشی چھا گئی۔

وہ پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی کہ شاید ملازمین ہوں گے۔

اس نے پھر گھڑی کی سمت دیکھا۔ وہ ان کے دیئے گئے وقت کے مطابق تیار تھی..... مگر ان کا ابھی تک باہر آنے کا ارادہ نہیں تھا۔ وہ سخت کوفت میں مبتلا ہو گئی تھی۔

مگر کچھ کر نہیں سکتی تھی۔

موڈ اس قدر خراب ہو رہا تھا کہ کمرے سے باہر نکلنے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔

وہ مضطرب انداز میں ادھر اُدھر ٹہلنے لگی۔

اسی دوران دروازہ کھلا اور انعام علی اندر داخل ہوئے۔

اسے ایک دم تیار دیکھ کر پہلے ٹھٹکے پھر جیسے فوراً ہی یاد آ گیا۔

"آپ تیار ہو گئیں؟

مجھے بالکل بھی دھیان نہیں رہا۔ افسوس..... دراصل یہ چیمبر آف کامرس کے چیئرمین کا پی اے تھا۔ الیکشن ہونے ہیں ناں آج کل میں۔ آج کل ہر بزنس مین پہلے سے زیادہ مصروف ہے۔ دراصل چیئرمین۔ چیمبر میں اپنی مقبولیت کو ہے۔ اگرچہ اس نے اپنی چیئرمین شپ کے دوران کوئی خاص ذاتی ایڈوانٹیج حاصل نہیں کیا ہے مگر وقت بدلتے دیر کہ ہے۔"

شکیلہ خاموشی سے اسٹول پر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔ اس کی جانتی تھی بلا کہ چیمبر آف کامرس کے کیا ہیں۔

مگر انگریزی اخبار الٹا پڑھنے کی کوشش میں ٹرک اُلٹ جانے کی خبر سنانے والے دیہاتی کی طرح گردن ہلاتی رہ

"میں تیار ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگاؤں گا۔" وہ تیزی سے باتھ روم میں چلے گئے۔

شکیلہ نے ملازمہ کو آواز دے کر بلایا اور لان سے سرخ اَدھ کھلا گلاب لانے کو کہا۔

پیمو قفے کے بعد ملازمہ دو اَدھ کھلے گلاب لے کر حاضر ہو گئی۔

شکیلہ نے بالوں کا سادہ سا جوڑا بنایا تھا۔

آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے وہ گلاب اٹکانے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر اسے اطمینان نہ ہوا کہ پھول صحیح مقام و پر ہے۔

تیسری بار وہ کوشش میں مصروف تھی کہ انعام علی باہر آ بھی گئے۔

وہ لئے سے سر خشک کرتے ہوئے اس کے نزدیک چلے آئے۔

"لائیے' میں لگا دیتا ہوں۔ میرا بھی اِک مدت کا ارمان ہے۔"

شکیلہ کے سامنے ان کا یہ الگ روپ تھا۔ ان کے ٹھنڈے اور گیلے ہاتھوں سے اس کی انگلیاں ٹکرائیں تو وہ ساری جان پ گئی۔

اس نے دن کے اُجالے میں کوئی لطیف قسم کا تاثر ان کے چہرے پر نہیں دیکھا تھا۔ اسے اپنائیت کا یہ لمحہ زندگی کا لگا۔

انہوں نے پھول بلکہ اَدھ کھلی کلی اس کے بالوں میں اٹکا دی۔

"مجھے آپ کی تیاری پسند آئی۔ آپ اس وقت عین میری سوچ کے مطابق ہیں۔" وہ پھر اپنے بال خشک کرنے لگے۔

سفید بنیان اور سیاہ پینٹ میں ملبوس واقعی وہ اپنی عمر سے بہت کم محسوس ہو رہے تھے۔ ہاتھوں کی گرفت کی وجہ سے ل کی مچھلیاں تھرک رہی تھیں اور ان کی صحت مندی اور توانائی کا واضح تاثر دے رہی تھیں۔

شکیلہ نے فوراً نگاہیں جھکا لیں۔

انعام علی اس کی نظریں خود پر محسوس کر رہے تھے۔ اس کی جانب متوجہ ہوئے۔

"کیا میں واقعی اتنا خوش نصیب ہوں کہ اپنی کم عمر اور خوبصورت بیوی کی حقیقی محبت اور توجہ پا سکوں؟" وہ پوچھ رہے

وہ ان کے لہجے کا تاثر سمجھنے میں تو ناکام رہی مگر ان کے قریب آ کر ان کے بازو پر اپنی انگلیاں جما کر بولی۔

"میں نے آپ کو نکاح کی صورت میں قبول کیا ہے۔ اپنی زندگی آپ کے نام کر دی ہے۔ میری وفا پر اگر آپ شک ما گے تو گویا مجھے بے موت ماردیں گے۔

پتے گھٹتے جا گتی ہوں اتنی دیر بس یہی بات یاد رہتی ہے کہ انعام علی اس دنیا میں سب سے زیادہ میرے ہیں۔

نکاح ایک عہد ہوتا ہے۔ میں مسلمان لڑکی ہوں' میری پرورش ایک مہذب عورت نے کی ہے۔ عہد شکنی نہ میرے پسند ہے نہ میری تہذیب میں۔ میں دِل و جان سے اسی کی ہوں۔ جس کے نکاح میں ہوں۔"

شکیلہ کو اقرار وفا میں اس درجہ لطف آیا کہ اسے خود پر حیرانی ہوئی کہ وہ یہ سب کچھ کیسے کہہ گئی؟ اسے یہ باتیں کرنا کیسے آ ؟

"مگر مجھے محسوس ہوتا ہے کہ جس دن سے بلال آپ سے مل کر گیا ہے۔ آپ کا ذہن مستقل الجھا رہتا ہے۔ کیا میری یشن غلط ہے؟" انہوں نے نفاست سے بالوں میں برش چلایا۔

"نہیں' ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ نے تو ابا جی کو سب کچھ بتا دیا تھا۔ انہوں نے ہی ہم سے چھپایا تو آپ کا کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مگر میں محسوس کرتا ہوں کہ آپ کو مستقل سوچ لگی ہے۔ آپ کے ذہن میں جو بھی سوال آتا ہے۔ وہ پو
لیجئے۔"

"نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ نگاہیں چرا کر پلٹ گئی۔

اسی دم دروازے پر دستک ہوئی۔

"کم اِن۔" انعام علی سفید شرٹ پہن رہے تھے بڑے مصروف انداز میں کم اِن کہا۔ شکیلہ دم بخود کھڑی
سامنے بلال بڑی خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"السلام علیکم۔" الفاظ دعائیہ مگر لہجہ "بددعا" کا تھا۔

"اوہ۔ بھئی میں تمہاری امی کو بتانا تو بھول ہی گیا کہ تم آئے ہوئے ہو۔"

"یہ میری امی نہیں ہیں۔" وہ زہریلے لہجے میں پھنکارا۔

"شٹ اپ!" انعام علی برہم ہوئے۔

"کیوں ڈانٹ رہے ہیں۔ پلیز۔" شکیلہ کی طبیعت گھبرائی۔

"آؤ بلال بیٹھو۔" وہ لجاجت سے گویا ہوئی۔

"میں بیٹھنے نہیں آیا۔" اس کا انداز انتہائی جارحانہ تھا۔

"تو پھر جاؤ۔ خدا حافظ۔" انعام علی نے انتہائی برہمی سے کہا اور ٹائی کی ناٹ بنانے لگے۔ بلال پلٹ گیا۔

شکیلہ کی حساس طبیعت بے کل سی ہوئی۔

"بات سنو بلال، پلیز۔ دیکھو۔ بیٹھو تو سہی۔ میں چائے بنواتی ہوں۔" وہ اس کے تعاقب میں بڑھی۔

"شکریہ۔ مجھے چائے پینا ہوگی تو میں خود بنوا کر پی لوں گا۔ یہ میرے باپ کا گھر ہے۔ ویسے آپ بہت اچھا
کرتی ہیں۔"

"بلال!" انعام علی گرجے۔

"نہیں۔ نہیں پلیز ڈانٹئے نہیں۔ بچہ ہے۔" شکیلہ نے منت کے انداز میں انہیں روکا۔

"بچہ ہے۔ مگر بدتمیز بھی ہے۔ میں جانتا ہوں یہ ایسا کس کی شہ پر کرتا ہے۔ یہ جس کتب میں پڑھتا ہے میں وہا
"نہیں پلیز۔ بچوں کو الزام کے گھاؤ نہیں دیتے۔ پیار سے سمجھاتے ہیں۔ بیٹا ہے وہ آپ کا۔" شکیلہ نے انہیں
میں ٹوک دیا۔

انعام علی خون کا گھونٹ پی کر رہ گئے۔ شکیلہ کے نازک ہاتھ ان کے سینے پر تھے' بلال باہر نکل چکا تھا۔

شکیلہ کو بلال کے اس طرح جانے کا بے حد رنج تھا۔ وہ اپنی جگہ پر خاموش کھڑی رہ گئی تھی۔

"بدتمیزی' بدتمیزی ہوتی ہے۔ اور بس۔" انعام علی آئینے کے سامنے کھڑے کوٹ پر برش چلا رہے تھے اور آئے
ہی دیکھتے ہوئے شکیلہ سے مخاطب تھے۔

"مگر ہمیں اس بات کا پتا بھی لگانا چاہئے کہ کوئی انسان ناپسندیدہ فعل کا مرتکب آخر کیوں ہو رہا ہے؟" شکیلہ
ڈرتے ڈرتے انہیں دیکھا۔

"میرے پاس اس قسم کی بے کار باتوں کیلئے وقت نہیں ہے۔ اور میں جو وقت جن کاموں میں صرف کرتا ہوں
کے نتیجے میں یہ اس معاشرے کے صاحب عزت لوگ ہیں۔ انہیں سلام کرنے والوں کی کمی نہیں۔ اس معاشرے

ل ہیں۔ اور کیا چاہئے؟
پ میری دن رات کی محنت ہی کا تو نتیجہ ہے۔ ان کی آنے والی نسلوں تک کیلئے میری توانائیاں اور وقت استعمال ہو رہا
ہے۔"

وہ کھٹاک کھٹاک بریف کیس کھول کر کچھ تلاش کرنے لگے۔

"لیکن وہ بچہ ہے۔ وہ اپنے بڑوں کے ذہن تک پہنچنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔"

"مگر بڑے تو اس کی سطح تک سوچ سکتے ہیں ناں۔ آپ اُس پر ناراض نہ ہوا کریں۔"

"میں اس پر ناراض نہیں ہوتا ہوں۔ میری ناراضگی کی وجہ یہ ہے کہ کوئی میری اولاد کو آلہ کار بنا رہا ہے۔"

شکیلہ خاموش ہوگئی۔ اس سے زیادہ بولنے کا حوصلہ اس میں نہیں تھا۔

"آیئے.....!" انعام علی نے کار کی ٹیبل سے کار کی چابی اٹھاتے ہوئے اسے متوجہ کیا۔ اور خود باہر نکل گئے۔ شکیلہ نے
بڑبڑ پڑی ہوئی چیزیں اٹھا کر اپنے اپنے مقام پر پہنچائیں اور دروازہ لاک کیا۔

انعام علی کار پورچ سے باہر نکال چکے تھے اور فرنٹ ڈور کھولے اس کے منتظر تھے۔

وہ بچے تلے قدم رکھتی ہوئی ان کی طرف آئی تو انہوں نے اس کی خوبصورت اور پروقار چال کو پسندیدہ نگاہوں سے
دیکھا۔ ایک اطمینان ان کے چہرے سے ہویدا تھا۔

"امی۔ امی۔" منزہ کی حالت غیر ہونے لگی۔

"امی۔ آپ کو کیا ہوگیا ہے۔" ماں کے سر دہاتھ اس کے ہاتھ میں تھے۔

گھر میں اس وقت کوئی بھی نہیں تھا۔

وہ ایمبولینس کے لئے فون کرنے لگی۔ معاً خیال آیا کہ جتنی دیر میں ایمبولینس پہنچے گی اس سے پہلے اسد پہنچ جائیں
گے۔ تھوڑے ہی فاصلے پر تو ان کا گھر تھا۔

اس نے فوراً اسد کا نمبر ملایا اور بے ربط الفاظ میں انہیں فوراً پہنچنے کیلئے کہا۔

ریسیور رکھ کر وہ پھر امی کے قریب جا بیٹھی۔ دونوں بچوں نے الگ رونا شروع کر دیا تھا۔

پانچ منٹ سے کچھ زائد عرصے میں اسد وہاں پہنچ چکے تھے۔

"کیا ہوا بھابھی؟"

"پتا نہیں امی کو کیا ہوگیا ہے۔ عشاء کی نماز پڑھ کر تسبیح کرتے کرتے۔ ایک دم گر گئیں۔" منزہ سامنے ایک ہمدرد کو دیکھ
کر بچوں کی طرح رو دی۔

"ارے یہ کیا کر رہی ہیں آپ۔ حد کرتی ہیں۔ انشاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گی۔ پلیز بچوں کو سنبھالئے۔"

اسد نے فوراً جھک کر منزہ کی امی کو بازوؤں میں اٹھا لیا تھا اور لاؤنج سے باہر نکل گئے تھے۔

منزہ نے جلدی سے پرس اٹھایا اور نیچے ہمسائی کو فون کیا کہ وہ اس کی واپسی تک اس کے بیٹے کو اپنے ساتھ رکھے اور
بچی کو گود میں اٹھا کر لفٹ کی سمت آئی۔ شکر ہے کہ بھیڑ نہیں ہے۔" اس نے لفٹ میں داخل ہوتے ہوئے سوچا۔

اسد پچھلی سیٹ پر امی کو لٹا چکے تھے اور منزہ کے منتظر تھے۔

"پتا نہیں امی کو کیا ہوگیا۔ میرا تو دل گھبرا رہا ہے اسد بھائی۔" وہ پھر رونے کو ہوگئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اوں۔ ہوں۔ بھابھی پلیز۔ یہ تو انتہائی بچگانہ فعل ہے۔ زندگی میں سخت مقام بھی آتے ہیں۔ انہیں فیس چاہئے۔"

"نہیں ہوتا مجھ سے یہ سب کچھ۔ نہیں کرتی فس ویس۔ اب خاور آجائیں اگر ان کے تمام ڈاکومنٹ چیک رکھے۔"

اب فکر غصے کے طوفان میں بدل گئی اور طوفان کا رخ خاور کی سمت ہوگیا۔

کوئی اور وقت ہوتا تو اسد اس بات پر مسکراتے۔ مگر اب خاموشی بہتر تھی۔

"کتنا اکیلا کر کے چلے جاتے ہیں۔ میرا کوئی خیال ہی نہیں۔" وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔

"خدانخواستہ آپ اکیلی کیوں ہیں۔ بھائی ہے' بچے ہیں' والدین ہیں' میں ہوں۔" اسد کے انداز میں جیسے تسلی تھی

"مگر جو چیز میں خاور کے رشتے کی وجہ سے محسوس کرتی ہوں۔ وہ تو مجھے کوئی بھی نہیں دے سکتا۔ اب دیکھئے... کی حالت۔ اب امی بھی تو میری ذمہ داری ہیں۔

اللہ نہ کرے امی کو کچھ ہوگیا تو میں بھی مرجاؤں گی۔ آپ دیکھئے گا۔" وہ روہانسی ہوگئی۔

"آپ واقعی بہت کم حوصلہ ہیں۔ بھابھی۔

خاور ٹھیک ہی کہتا ہے کہ یار مجھے دوہرے امتحان درپیش ہیں۔ ایک تو یہ کہ میں بیوی والا ہوں' دوسرے یہ کہ بیوی کم عمر ہے۔"

اسد نے جیسے اس کی توجہ بٹائی' منزہ خاموش ہورہی۔ ماں کی حالت محسوس کر کے اس کا دل ڈوبا جارہا تھا۔

علاقے کا جدید' ورلڈ کلاس پرائیویٹ ہاسپٹل اب ان کے سامنے تھا۔

اسد نے بڑی پھرتی اور تندہی سے سارے مرحلے نمٹائے۔ وہ تو حیران پریشان بچی گود میں اٹھائے بس سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

ان لمحوں میں اسد اسے رحمت کے فرشتے سے کچھ کم دکھائی نہ دے رہے تھے۔

اس نے اتنی دیر میں ہوش مندی کا بس یہ کام کیا تھا کہ ریسپشن سے اپنی ہمسائی کو فون کیا تھا تاکہ بلال فوراً ہاسپٹل پہنچ سکے۔

کیونکہ گھر سے نکلتے وقت تو اسے اتنا دھیان ہی نہیں رہا تھا کہ وہ اسد سے پوچھتی وہ کہاں لے کر جائیں گے امی کو۔ وہ تو یہ سن کر ہی چکرا کر گرنے لگی کہ امی "انتہائی نگہداشت" کے مرحلے سے دوچار ہیں۔ اسد اس کو تسلی و تشفی دینے میں مصروف ہوگئے تھے۔

"بھابھی! اگر ممکن ہے تو آپ اپنے پاپا کو بذریعہ فون مطلع کردیں۔ کیونکہ ہوسکتا ہے' ان کی ضرورت پیش آجائے۔ ویسے تو خطرے کی کوئی بات نہیں۔ مگر محض احتیاط کے طور پر۔

یوں بھی انہیں اس وقت اپنی بیوی کے قریب ہونا چاہئے۔ آنٹی کو بھی ان کی وجہ سے تقویت محسوس ہوگی۔"

منزہ سر جھکائے خاموشی سے سنتی رہی۔

"آپ مجھے فون نمبر دے دیں۔ میں مطلع کردیتا ہوں۔" اسد منزہ کی خاموشی کو نہ سمجھ سکے۔

"آپی.....! کیا ہوگیا امی کو.....؟"

بلال تیزی سے اندر آتا دکھائی دیا۔

"کچھ نہیں۔ بھئی۔ ذرا آرام سے۔" اسد نے اسے اپنے کاندھے سے لگالیا۔

"کچھ نہیں تو پھر آپ لوگ یہاں کیا کررہے ہیں؟" وہ انتہائی پریشان و مضطرب نظر آرہا تھا۔

"شاید ذہنی دباؤ کی وجہ سے ایسا ہوا ہو۔ آنٹی بیہوش ہوگئی تھیں گھر پر..... ڈاکٹر چیک اپ کررہے ہیں۔ گھبرانے کی بات نہیں۔"

اس نے اس کا شانہ تھپتھپایا اور نہایت اپنائیت سے اسے تسلی دی۔

مگر بلال کو جیسے ان کی بات پر یقین نہیں تھا۔ تفکرات ہنوز اس کے چہرے سے ہویدا تھے۔

"بلال۔ ایسا کرو اپنے پاپا کو فون کرو۔ ان کی موجودگی سے آپ لوگوں کو بھی ڈھارس ہوگی۔"

"کیا امی کی حالت.....؟"

"ارے نہیں یار۔ بات نہیں سمجھے۔ بھئی جب بیوی کی ایسی کنڈیشن ہو کہ وہ ہاسپٹل میں لائی جائے تو شوہر کو اس امر سے باخبر رہنا چاہئے اگر انہیں بعد میں پتا چلے گا کہ ایسی گڑبڑ ہوئی تھی اور انہیں نہیں بتایا گیا۔ تو وہ ناراض نہیں ہوں گے آپ لوگوں پر؟"

اسد اسے سمجھاتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"وہ ناراض نہیں ہوں گے۔" وہ درشت انداز میں کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

"میں کردیتی ہوں فون۔ بلال اس وقت پریشان ہے۔" منزہ نے بات سنبھالی۔

"بھابھی! آپ بلال کو اتنا نازک نہ بنائیں۔ اسے میدان عمل میں اترنے دیں۔ ایمرجنسی قسم کے حالات سے اسے نمٹنے کا موقع دیں۔ وہ مرد ہے۔ اسے حالات کے آگے سپر ڈالنے کے بجائے حالات کا مقابلہ کرنا سکھایئے' اسے پریشان ہونے کے بجائے اس وقت بے حد عملی ہونا چاہئے۔" اسد نے جیسے سمجھایا۔

"آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اسد بھائی۔ وہ بالکل بجا ہے۔ مجھے تسلیم ہے۔ چلئے میں کردیتی ہوں پاپا کو فون۔"

منزہ نے جیسے ماحول کو اپنی گرفت میں لیا۔

بچی اسد کو تھما کر وہ پھر ریسپشن پر آئی۔

اسے احساس تھا کہ وہ کیا کررہی ہے۔

اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ادھر سے کیا جواب آئے گا۔

مگر بعض اوقات بھرم زندگی سے بڑھ کر اہم ہوجاتے ہیں۔

اس نے ریسیور کان سے لگایا۔ اسد اس کے نزدیک چلے آئے تھے۔

"ہیلو۔"

دوسری طرف ملازمہ تھی۔

"نہیں ہیں گھر پر؟" منزہ نے پوچھا۔

ملازمہ کہہ رہی تھی کہ وہ بیگم صاحبہ کے ساتھ کسی تقریب میں گئے ہوئے ہیں۔

"پاپا تو گھر پر ہی نہیں ہیں۔" منزہ نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر بہت نیچی آواز میں اسد سے کہا۔

"تو میسج دے دیں..... بھابھی۔ آخر نوشہرہ سے کراچی آتے آتے انہیں وقت تو پھر بھی لگ جائے گا۔"

"کیا امی کی حالت بہت سیریس ہے؟" اسد کے اصرار پر وہ جیسے متوحش سی نظر آئی۔ (اب وہ انہیں کیونکر بتائے کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پاپا نوشہرہ میں نہیں کراچی میں ہی ہیں۔)

''نہیں بھابھی! ایسی کوئی بات نہیں۔'' اسد جیسے زچ ہو گئے۔

(اب بھلا یہ بھی کوئی ان کے زیر ہدایت ہونے والا کام تھا۔ دونوں بہن بھائی کو تو پہلی فرصت میں خود ہی اپنے با سے رابطہ قائم کرنا چاہئے تھا۔) اسد سوچ رہے تھے۔

''آپی! امی کو کیا ہو گیا ہے؟'' بلال بے حد پریشان نظر آ رہا تھا۔

''کچھ نہیں۔ فکر نہیں کرو۔ اسد بھائی کی بات ہوئی ہے۔ کہہ رہے ہیں گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔''

وہ لمحہ ترتیب وقت میں کتنا سنگین ہوتا ہے۔

جب ایک مضطرب دوسرے پریشان حال کو تسلی دینے کا ''کارنامہ'' انجام دیتا ہے۔

کافی وقت سولی پر لٹک کر گزارا تھا۔

تب کہیں جا کر یہ خوش خبری سنی تھی کہ امی کو ہوش آ گیا ہے۔

ڈاکٹر نے اس خاص ہدایت کے بعد ملنے کی اجازت دی تھی کہ وہ لوگ مریضہ سے گفتگو نہیں کریں گے۔

دونوں بہن بھائی نہایت بے قراری سے ماں کی سمت بڑھے تھے۔

ان کی آنکھوں میں اولاد کو دیکھ کر جیسے زندگی سمٹ آئی۔

انہوں نے لرزیدہ اور حواس باختہ سی منزہ کا ہاتھ تھام لیا۔

بمشکل ان کی نحیف سی آواز ابھری۔

''میری بیٹی بہت پریشان ہے۔''

''ہم نے انکل کو فون کر دیا ہے آنٹی! آپ گھبرائیں نہیں۔'' اسد ان کے نزدیک آ کر گویا ہوئے۔

منزہ کی امی نے سوالیہ نظروں سے منزہ کو دیکھا۔

وہ نظریں چرا کر بولی۔

''پاپا کو۔ امی۔''

اور وہ سادگی سے مسکرا دیں۔ اور آنکھیں موند لیں۔

پھر وہ سب ڈاکٹر کی ہدایت پر باہر آ گئے۔

ڈاکٹر اسد کو سمجھا رہا تھا۔

''آپ بہت لکی لوگ ہیں۔ یہ بیہوشی فالج کا حملہ ثابت ہو سکتی تھی۔ اور ہارٹ اٹیک بھی' اللہ نے بہت کرم کیا ہے۔'' آپ لوگوں کو چاہئے' مریضہ کو ہر وقت خوش رکھیں۔''

(ہمارا بس چلے تو ہم خود کو بیچ کر اپنی ماں کو خوشیاں لا دیں) بلال نے انتہائی کرب سے سوچا۔

صفیہ کے تو مارے خوشی کے صبح ہی سے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے۔

ان کی دور کی رشتے دار کوئی رشتے لے کر آ رہی تھیں۔ انہوں نے یقین دلایا تھا کہ بہت اچھے لوگ ہیں۔ جہیز کا تو انہیں بالکل بھی لالچ نہیں ہے۔

ان کی بڑی بہو بھی بغیر جہیز کے آئی تھی۔ لڑکی والے تو دے رہے تھے۔ لڑکے والوں نے خود ہی لینے سے انکار کر

دیا تھا۔

اور اصرار کے باوجود ایک بھی چیز نہیں لی تھی۔''

بقول رشتے دار خاتون کے بڑے حسب نسب والے خاندانی لوگ ہیں۔

نبیلہ کا حلیہ رشتے دار خاتون لڑکے والوں کو بتا چکی تھیں اور خاصی پر امید نظر آتی تھیں۔

لڑکیوں میں علیحدہ جوش و جذبہ پایا جاتا تھا۔

صبح سے گھر کی صفائی ستھرائی میں مشغول تھیں۔

نائلہ نے تو نفل بھی مان لئے تھے کہ اگر نبیلہ کا رشتے طے ہو گیا ان ''شرفاء'' میں تو وہ..... شکرانے کے نفل ادا کرے گی۔

اس نے بطور خاص شام کی چائے کیلئے کچھ لوازمات تیار کئے تھے۔ پورے گھر میں جیسے زندگی کی لہر دوڑ گئی تھی۔

یہ اور بات تھی کہ صفیہ کو آج احسن کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔

اگر میرا احسن بھی آج موجود ہوتا تو آنے والوں پر اس کی شخصیت کا بہت اثر پڑتا۔

میرا لائق فائق ہونہار بیٹا۔

وہ اس کی تازہ ترین کوتاہی کو نظر انداز کر کے پھر محبت سے اسے سوچ رہی تھیں۔

کتنے صبر آزما اور جان لیوا انتظار کے بعد مہمان آئے تھے۔

بعض اوقات مسلسل غم۔

انسان کو بہت راسخ اور بردبار بنا دیتے ہیں۔ لہٰذا نبیلہ انتہائی نارمل انداز میں اپنے کام دھندوں میں مگن تھی' اس کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری تھا۔

رشتہ لانے والی رشتہ دار صفیہ کی رشتے دار ہی نہیں بچپن کی سہیلی بھی تھیں۔ ایک دوسرے کے بہت سے رازوں کی امین بھی تھیں دونوں۔

محبت اور اعتماد کا رشتہ بھی استوار تھا۔

لہٰذا صفیہ بہت خوش امید نظر آ رہی تھیں کہ ان کی سہیلی اپنا بھی کوئی رول ضرور ادا کریں گی۔ یکے بعد دیگرے کئی لڑکیوں کے چہرے دیکھ کر لڑکے کی والدہ نے پوچھا۔

''ماشاء اللہ۔ کتنی بچیاں ہیں۔؟''

''اللہ نظر بد سے بچائے سات بیٹیوں اور دو بیٹوں کی ماں ہوں۔'' صفیہ نے بہت اعتماد سے جواب دیا۔

''کتنی بچیاں شادی شدہ ہیں؟'' یہ ان کا اگلا سوال تھا۔

''صرف ایک کی.....

ویسے میری ایک بیٹی میری نند کے ہاں پرورش پا رہی ہے۔ وہ اس کی خوشی تھی۔ اس نے بہت اصرار، بہت چاہ سے اپنی بیٹی گود لی تھی۔ ماشاء اللہ شہزادی بنا کر رکھا ہوا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے، بہت اچھی۔ اس قابل ہے کہ اس سے محبت کی جائے۔ اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔'' صفیہ کے لہجے میں ثمینہ کے لئے محبت از خود چھلک آتی تھی۔

''خیر، اس میں کچھ حصہ تو آپ کا بھی ہو گا۔ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مہربانی آپ کی۔لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ واقعی بہت نیک سیرت ہے۔"

لڑکیاں میز پر چائے اور لوازمات سجا رہی تھیں۔

لڑکے کی والدہ بڑی گہری نظروں سے لڑکیوں کو دیکھ رہی تھیں۔

نیلے اور سرخ پھولوں والے کرتے شلوار میں نائلہ انتہائی انہماک سے اپنے کام میں مشغول تھی۔

"اس بچی کا کیا نام ہے؟"

نائلہ خالی ٹرے اٹھا کر کمرے سے باہر نکل رہی تھی اس کی خوبصورت چوٹی کمر پر لہرا رہی تھی۔

محترمہ جیسے اس کی چوٹی پر نثار ہو گئیں۔

"اس کا نام نائلہ ہے۔" صفیہ کے ذہن میں جیسے کوئی خدشہ جاگا۔

"ماشاءاللہ۔بہت پیارا نام ہے۔جیسی خود ہے ویسا نام ہے۔"

"صفیہ کی تو ساری ہی بیٹیاں ماشاءاللہ خوبصورت ہیں۔یہ تیسرے نمبر کی بچی ہے۔دوسرے نمبر کی وہ بچی ہے جو ابھی آپ نے دیکھا تھا جامنی سوٹ میں۔"

صفیہ کی سہیلی نے جیسے لڑکے کی والدہ کو کچھ جتایا۔

"میرا بیٹا.....ڈاکٹر ہے.....آسٹریلیا سے بھی کورس کر کے آیا ہے۔آنکھ،ناک،کان،وغیرہ کا اسپیشلسٹ ہے۔

ہمیں.....کسی کے لینے دینے سے نہ سروکار ہے،نہ دلچسپی۔

بس اتنی تمنا ہے کہ شریف اور خاندانی لوگوں سے واسطہ پڑے۔

اچھے انسانوں کے بھوکے ہیں بہن ہم!

آپ خیال نہ کیجئے گا۔آپ نے تو اپنی سب بچیوں ہی کی شادیاں کرنا ہیں،بیٹی ذات تو ہوتی ہی پرائی ہے۔"

صفیہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔تمہید طولانی تھی اور کسی طوفان کا پیش خیمہ بھی۔

"جی.....جی.....آپ کہیے۔" وہ بمشکل گویا ہوئیں۔

"بچیاں تو ماشاءاللہ آپ کی سب ہی اچھی ہیں۔مگر مجھے آپ کی نمبر تین بیٹی نائلہ بہت بھائی ہے۔یہ دل کے معا

ہیں بہن.....جو دل پر چڑھ جائے۔

میں نے یہ سب باتیں پہلی ہی ملاقات میں آپ سے اس لئے کر لی ہیں کہ مجھے پہلے سے بہت کچھ بتا دیا گیا

آپ سے رشتے داری تو عین ہماری خوش نصیبی ہو گی۔"

"میں اپنے میاں سے بات کر کے ہی کچھ کہہ سکتی ہوں....." صفیہ نے کہا۔

"ضرور.....مجھے تو نائلہ اتنی پسند آئی ہے کہ میرا بس چلتا تو ابھی لے جاتی....." لڑکے کی والدہ نے بہت جذ

انداز میں کہا۔

صفیہ خاموشی کے سوا دوسرا راستہ اختیار نہ کر سکتی تھیں۔

بیلا نے اتنی دیر میں سارا معاملہ کچن میں نائلہ کے گوش گزار کر دیا تھا۔

اور وہ یوں ہو گئی تھی جیسے نبیلہ کی مجرم ہو۔

سارے شوق ولولے جیسے دم توڑ گئے۔

"ہونہہ.....بکرا منڈی میں آئی ہوئی ہیں محترمہ.....مجھ میں ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں۔جو آپا میں

ہیں۔

اس نے زور سے ٹرے ایک طرف پٹخی۔

"میں شکیلہ باجی نہیں ہوں.....کہ ہر حکم پر سر جھکا دوں،میں صرف انصاف پر مبنی فیصلے تسلیم کرتی ہوں۔

آپا سے پہلے میری شادی ہو ہی نہیں سکتی۔عجب تماشا ہے۔" مارے کوفت کے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"تم کیوں اس طرح کی باتیں کر رہی ہو۔تمہارا اس میں کیا قصور ہے؟ وہ اپنی مرضی کی مالک ہیں۔" نبیلہ نے بہت تحمل سے اسے سمجھایا۔

"عورت ہو کر عورت کی انسلٹ کرتی ہیں۔جب انہیں تمام حقائق بتا دیئے گئے تھے تو انہوں نے میرا نام لیا ہی کیوں؟

"بھئی،اپنی اپنی پسند ہے۔" نبیلہ نے پھر اسے خاموش کرایا۔اس کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری تھا۔

"بڑی آئیں پسند والی بن کر۔"

وہ پاؤں پٹخ کر چھوٹے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

اسے رہ رہ کر نبیلہ کا خیال آ رہا تھا کہ اس کے دل پر کیا گزر رہی ہو گی۔

"رد" کیا جانا کوئی معمولی واقعہ ہوتا ہے؟

ایک عجیب قسم کا احساس جرم اسے لاحق ہو رہا تھا۔

بھلا.....آپا میں کیا کمی ہے؟ سنا ہے آج کل لوگ صاف رنگ کی لڑکی ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔آپا کا تو رنگ بھی اچھا بھلا سفید ہے۔ہم سب کے رنگ تو امی پر گئے ہیں۔بس ذرا احسن بھائی کا رنگ گندمی سا ہے۔

وہ بستر پر لیٹی جانے کیا انٹ شنٹ سوچے جا رہی تھی۔

رہ رہ کر نبیلہ کا خیال آئے جا رہا تھا۔

ہائے اللہ.....پتا نہیں آپا کیا محسوس کر رہی ہوں گی؟"

"چھوٹی آپا! مہمان جا رہے ہیں۔" راحیلہ نے آ کر اطلاع دی۔

"میری طرف سے جہنم میں جائیں۔" وہ جل کر بولی اور کروٹ بدل کر راحیلہ سے منہ موڑ لیا۔

اسے یہ وہم ستا رہا تھا کہ کہیں ابا جی بھی اس پر راضی نہ ہو جائیں۔

"آپ انہیں خدا حافظ نہیں کہیں گی؟" راحیلہ معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔

"بابا جاؤ تم.....میری طرف سے خدا ہی حافظ۔" وہ راحیلہ پر برس پڑی۔

راحیلہ ڈر کر فوراً باہر نکل گئی۔

جب وہ رات گئے تک باہر نہ نکلی تو نبیلہ اس کے پاس چلی آئی۔

"چندا.....اس طرح کیوں لیٹی ہو؟ کھانا نہیں کھاؤ گی؟" وہ پیار سے اس کے بال سنوارتے ہوئے بولی۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" وہ اسی طرح منہ موڑے موڑے بولی۔

"بھوک کیوں نہیں ہے؟ ایسا کیا کھایا تھا کہ ابھی تک ہضم نہیں ہوا؟" نبیلہ نے اپنا پورا وزن اس پر ڈال دیا۔

"بس ایسے ہی....." اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

"پگلی.....حقیقت پسند بنو.....یہ دنیا ہے.....وہ جو کسی نے کہا ہے کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حادثے بن کر یہاں لوگ ملا کرتے ہیں۔

ایسا تو زندگی بھر ہوگا..... حادثوں کے مفہوم بدل جاتے ہیں..... مگر حادثے زندگی کا مستقل حصہ ہیں..... چندا..... یوں جان نہیں جلایا کرتے۔"

"بس میرا دل نہیں چاہ رہا..... کہہ تو دیا..... وہ جھلائی۔

"کیا تم میری وجہ سے ایسا کر رہی ہو؟" نبیلہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

نائلہ خاموش رہی۔

"اگر تم میری وجہ سے ایسا کر رہی ہو تو حماقت کر رہی ہو..... میں کوئی خوابوں میں رہنے والی لڑکی نہیں ہوں..... میں حقیقت کا سامنا کرنے کی ہمت رکھتی ہوں۔

میں نے حوصلے کے ساتھ زندہ رہنا اپنی ماں سے سیکھا ہے۔

صبر و استقلال کے قرینے مجھے احسن بھائی نے بتائے ہیں۔ ان کا بھی تو کوئی دل ہے؟

چاروں سمت دیکھنے کے بعد مجھے احساس ہوتا ہے کہ میں بہت محفوظ ہوں۔

اور نیلی! شادی خوشی کا بہانہ یا خوشی کی معراج تو نہیں ہے۔

ہماری امی بھی تو شادی شدہ اور سہاگن ہیں۔" وہ تلخی سے ہنس دی۔

"انہوں نے شادی سے پہلے جو خوشی بھری زندگی گزاری..... شادی کے بعد سے اب تک وہ ان سابقہ خوشیوں کی خراج دے رہی ہیں..... اور....."

وہ رک کر طنزیہ ہلکی ہنس دی۔

"اور اولاد..... کی دولت ملنے کے بعد وہ مسلسل زندگی کو 'ٹیکس' ادا کر رہی ہیں۔"

"میرا دل آپ جیسا نہیں ہے۔" نائلہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"تو بتاؤ..... اگر زندہ رہنا ہے۔

چلو اٹھو..... کھانا کھاؤ..... ورنہ میں بھی نہیں کھا رہی....." نبیلہ نے قدرے خفگی سے کہا۔ نائلہ ناچار اٹھ کھڑی ہوئی۔

ابا جی دسترخوان پر بیٹھے آنے والوں کا پایوڑیٹا دریافت کر رہے تھے۔

اور صفیہ کو مجبوراً ان سے کلام کرنا پڑ رہا تھا..... اس اولاد کے لئے ابھی نہ جانے انہیں مزید کتنی بار ہتھیار ڈالنا تھے۔

صفیہ نے آہستگی سے ان سے کہہ دیا تھا کہ ابھی بچیاں بیٹھی ہیں۔ بعد میں بات کروں گی۔

کھانا خاموش فضا میں تمام ہوا۔

کھانے کے بعد برتنوں کی دھلائی کا سلسلہ شروع ہوا..... پھر سب عشاء کی نماز میں مصروف ہو گئیں۔

ابھی ان کی نماز بھی تمام نہیں ہوئی تھی کہ ابا جی کی مخصوص دھاڑ سنائی دی۔

"کہہ دینا..... ہم 'نمبر' سے کریں گے..... یہ ہمارا گھر ہے..... پنساری کی دکان نہیں۔

ارے انہوں نے چھانٹی لگائی تو کیوں.....؟ تم نے مجھے اس وقت بتایا ہوتا۔ دماغ درست کر دیتا ان کے۔

اور تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ چلو نائلہ ہی سہی..... تین سال چھوٹی ہے وہ نبیلہ سے..... اپنی ہی اولاد کا حق نہیں پہچانتیں؟" اب طوفان کا رخ صفیہ کی طرف تھا۔

"ہم نے تو سب ہی کی شادی کرنا ہے..... کسی کو بٹھانا تو نہیں ہے..... اچھے گھروں کے رشتے مشکل سے ملتے ہیں۔

رہی تھی....." صفیہ سپاٹ انداز میں گویا ہوئیں۔

ہ جیسی عورتوں نے اس قسم کے لوگوں کے دماغ خراب کر رکھے ہیں..... خدا ہیں یہ ہمارے.....؟ ہم ان کی یوں نا جیں بھئی.....؟ وہ غضب ناک ہو کر پھر دھاڑے۔

اگر ان کی پسند ناپسند ہے تو ہماری بھی ہے..... اگر دولت کا نشہ چڑھا ہوا ہے تو سر پر رکھ کر نا جیں اپنی دولت کو۔

کہہ دینا اپنی چہیتی آمنہ کو..... آئندہ کوئی قصائی کی نسل کا نمائندہ میرے گھر میں قدم نہ رکھے، میرے گھر میں یں بھیڑ بکریاں نہیں۔ سنا تم نے؟

'نمبر' سے کریں گے۔"

رحیم الدین کے منہ کے آگے تو خندق تھی..... بولتے ہوئے تو کبھی وہ احتیاط کرتے ہی نہیں تھے۔ صفیہ ہی تو بہ تلا ہو آ گئیں۔

فرض کے بعد تسبیح میں مصروف تھی۔ اس نے گردن موڑ کر انیلا کو دیکھا اور ایک گونہ سکون کا سانس لیا۔

ارے اتنا اچھا رشتہ ہے۔ بیٹی والوں کو تو اپنے اندر لچک رکھنا چاہیے..... ایک "یہ" ہیں ساری دنیا کو اپنی "رعایا" ے ہیں۔

ہار میں بھی اپنی سی کر کے دیکھوں گی۔ "ان" کی بھلی چلائی....." وہ کچن کی طرف جاتے ہوئے بڑبڑا رہی تھیں۔

کام بنانا تو کبھی آئے نہیں۔ بگاڑنے میں البتہ بہت مہارت ہے۔

ب ایک کر کے کریں گے تب جا کر کہیں فرض ادا ہوں گے..... یہ اپنی شرائط پر اڑ رہے ہیں۔

ے ہم سب نے قیامت کے بورے سمیٹنے ہیں۔

ان سا ایسا کام ہے جو انہوں نے بگاڑا نہ ہو۔

میرا ور بدر ہے..... بہن محض ان کے اقدام کی وجہ سے مجھ سے کٹ گئی ہے۔

ا کو علیحدہ عمر بھر کا روگ۔

رہ کھولنی نہیں آتی، بس دھاگا توڑنا آتا ہے۔"

ری طرح کھول رہی تھیں۔

شکیلہ یہیں کراچی ہی میں ہے۔" احسن کو اس انکشاف سے حیرت آمیز خوشی ہوئی۔

ہاں..... کلفٹن میں ہے اس کا گھر۔" ثمینہ نے بتایا۔

آپ گئی تھیں اس سے ملنے؟" احسن کی جیسے تمام حسیات زندہ ہو گئیں۔

ابھی کہاں پہلی فرصت میں تمہارے ہی پاس آئی ہوں..... اس کے ہاں بھی جاؤں گی۔"

اگر موصوف کراچی میں رہتے ہیں تو طوفان برپا کرنے اسلام آباد کیوں پہنچے؟ جبکہ کراچی کی تو آبادی بھی سب ہے۔" زہر خند انداز تھا۔

شب خون مارنے کے لئے یہاں گھر زیادہ وافر ہیں....." وہ تلخی سے گویا ہوا۔

تم اپنی جان مت جلاؤ احسن..... شکیلہ خوش ہے۔"

ہنہہ..... خوش ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھوپھو..... یہ جو سارا سیٹ اپ..... آپ..... اپ سیٹ دیکھ رہی ہیں ناں۔ اس کا نقطہ آغاز موصوف کی ذ
ہے۔"

"ٹھیک ہے..... مگر احسن..... اس میں ان کا کیا قصور نکلتا ہے۔ وہ شخص شکیلہ کا ہاتھ پکڑ کا زبردستی تو لے کر نہیں گ
بھائی صاحب کی آمادگی سے وہ گھر میں داخل ہوا۔ بھائی صاحب اگر منع کر دیتے وہ کیسے آ سکتا تھا، سوچو۔
اسے تو ایک ضرورت تمہارے دروازے پر لے گئی..... اگر دروازہ بند کر دیا جاتا تو وہ اللہ کا بندہ کوئی اور گھر دیکھ
میں انعام علی کا کوئی قصور نہیں نکلتا۔
بھائی صاحب نے اپنے ملنے جلنے والوں سے کہہ رکھا تھا کہ لڑکی کی عمر نکلی جا رہی ہے کوئی رشتہ بتائیں۔ بتانے والے
نے بتا دیا۔
اب باقی مرحلے تو بھائی صاحب کے اختیار میں تھے" ثمینہ نے سمجھایا۔
"پھوپھو! آپ کے دل میں موصوف کے لئے خاصی گنجائش پیدا ہو گئی ہے۔"
"حق بات کہنا چاہیے احسن..... جب غلطی کی ابتدا ہمارے اپنے گھر سے شروع ہے تو ہم دوسرے فریق پر
کیوں دھریں۔
اور پھر میں تمہیں اس لئے بھی سمجھا رہی ہوں کہ تم اس کے سلسلے میں ہر قسم کی جذباتیت سے پرہیز کرنا۔ لڑکی کا
بنانے کی ضرورت نہیں۔"
"میں ان نزاکتوں کو سمجھتا ہوں۔ آپ فکرمند نہ ہوں..... ایڈریس تو ہو گا آپ کے پاس..... شکیلہ کا۔" وہ دھیمے
میں گویا ہوا۔
"ہاں ہے۔ نوٹ کر لو۔" انہوں نے ٹیبل سے پرس اٹھایا۔ "فون نمبر بھی ہے۔"
احسن نے جیب سے قلم اور ایک کارڈ نکالا۔ ثمینہ بولنے لگیں، اور وہ کارڈ کی پشت پر نوٹ کرنے لگا۔
"ارے..... یہ تو میرے آفس سے بہت قریب ہے۔" احسن چونک پڑا۔
"تعجب ہے، شکیلہ میرے اس قدر نزدیک ہے اور میں بے خبر ہوں۔" وہ جیسے متاسف نظر آیا۔
"اب تم مجھے بتاؤ..... کیا قصہ ہے؟ شہوار یہاں کیوں نظر آ رہی ہے؟" ثمینہ نے پینترا بدلا۔
"یہ سب اباجی کا کیا ہوا ہے پھوپھو۔"
"مگر تمہیں اچھے وقت کا، حالات بدلنے کا تحمل کے ساتھ انتظار کرنا چاہیے تھا۔" وہ تیزی سے بات کاٹ کر بولیں
"ہونہہ..... حالات بدلنے کا..... خلع کی درخواست دی جا رہی تھی۔ اس کے بعد کس اچھے وقت کا انتظار کرنا
گیا تھا۔" وہ خفگی سے بولا۔
"کون دے رہا تھا خلع کی درخواست؟ تمہارے خالو.....؟ تمہارا نکاح شہوار کے ساتھ ہوا تھا یا خالو کے ساتھ
کی مرضی کے بغیر خلع کی درخواست کیسے دی جا سکتی تھی؟" ثمینہ نے اس کی بات کو جیسے بچگانہ بات سمجھا۔
"شہوار کی مرضی..... ہونہہ....." وہ تلخی سے ہنسا۔
"ان کے والد صاحب زور سے چھینک ماریں تو محترمہ ایک گھنٹے تک کانپتی رہتی ہیں..... اب بھی آپ ان
کی بات کریں گی.....؟" وہ استہزائیہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔
"لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ "خلع" کی بات محض دھمکی ہو..... یا محض وقتی جذباتیت۔"

ثمینہ نے پھر ایک دلیل دی۔
"اور گھروں میں تو میرا جانا ہے..... صرف شہوار کے ہاں تو نہیں جاتا تھا۔
مجھے چھوٹی خالہ نے بتایا تھا کہ سردار خالو خلع کی درخواست دینے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اور ان کا موقف یہ ہے کہ
جب اپ خود اپنے بیٹے کو برا کہنے پر مجبور ہے تو.....
آپ سمجھ رہی ہیں ناں پھوپھو.....؟"
"ہاں..... ہاں..... سمجھ رہی ہوں میں۔"
"مگر تمہیں یہ ساری گندگی اپنے منہ پر ملنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر وہ اپنی بیٹی کو مطلقہ کہلوانے میں خوشی محسوس کر
رہے تھے، اور بالتحقیق یہ انتہائی قدم اختیار ہے تھے تو اٹھانے دیتے..... تمہیں لڑکیوں کی کمی ہے کیا؟" وہ جیسے برا مان کر
بولیں۔
"گھٹنا پیٹ کی طرف ہی جھکتا ہے۔" ثمینہ کو اپنے بھتیجے ہی کا زیادہ خیال آیا۔
"ان کی جذباتیت سے نقصان انہیں ہی پہنچتا..... اب کیا ہے..... جو سنے گا تمہیں ہی الزام دے گا۔ کسی کو کیا پڑی
ہے حقیقت کی چھان بین کرنے میں اپنا وقت ضائع کرے۔"
بہرحال..... تم نے اچھا نہیں کیا..... بلکہ دوسروں کے گناہ بھی اپنے سر لے لئے ہیں۔ کچی روٹی کی طرح کا کام ہوا
ہے یہ۔
کھاؤ گے تو مزہ بھی نہیں آئے گا۔ تکلیف ہو گی وہ علیحدہ۔"
"پھوپھو..... ٹھیک ہے مجھے لڑکیوں کی کمی نہیں..... مگر لڑکیوں میں اور کوئی "شہوار" نہیں ہے۔"
"اتنا چاہتے ہو.....؟" وہ سب کچھ بھلا کر جیسے ہنس پڑیں۔
"پھوپھو..... وہ ان لوگوں میں سے ہے جو اپنا بھی خیال نہیں کر سکتے..... جو اس سے محبت کرنے کا دعویٰ کرتے
ہیں۔ انہیں اپنے دعوے کی سچائی میں اس کے احساسات و جذبات کا پاس رکھ کر عملی ثبوت پیش کرنا چاہیے۔"
"مگر..... اس کا انداز بھی تم دیکھ رہے ہو..... کیا ملا ہے تمہیں اس طرح انتہائی قدم اٹھا کر؟" ثمینہ نے گہرا تجزیہ کیا۔
"ٹھیک ہو جائے گی پھوپھو..... آج نہیں تو کل حقیقت کو پہچان جائے گی۔"
"بہرحال..... یہ غلطی ہوئی ہے اور یہ غلطی تمام عمر تمہارا تعاقب کرے گی۔" انہوں نے جیسے بہت دکھ سے کہا تھا۔
"غلطی سردار خالو کر رہے تھے۔ اپنی بیٹی کو جذبات میں آ کر ایک مسلسل داغ لگانا چاہ رہے تھے۔" وہ مستقل اپنی
بات پر اڑا ہوا تھا۔
"بھابی سنیں گی تو انہیں بہت صدمہ ہو گا۔" ثمینہ کو ایک دم صفیہ کا خیال آیا۔
"میں نے پانی پر نقش یا نمک کا گھر نہیں بنایا ہے۔ میرے اقدام کی ٹھوس وجہ اور بنیاد موجود ہے۔ امی..... درگزر کر
دیں گی۔"
"اتنے خوش امید ہو.....؟"
"وہ میری ماں ہیں۔ خدانخواستہ میں نے کوئی غیر شرعی یا غیر قانونی کام نہیں کیا ہے۔ وہ میری بیوی ہے..... اور اصل
چیز نکاح ہی ہوتی ہے۔"
ثمینہ اس سے غلطی کا اعتراف کرانے میں ناکام ہو گئی تھیں..... زچ ہو کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"دیکھوں..... یہ فیصل اور فیضی شہوار کے ساتھ کیا باتیں بنا رہے ہیں۔"

وہ بیڈروم میں چلی آئیں۔

"آپ ہے آنٹی۔"

شہوار سنبھل کر بیٹھ گئی۔

"کیا آؤں..... تم تو سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتیں۔"

شہوار کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"مجھے امی بہت یاد آ رہی ہیں آنٹی....." وہ گلوگیر آواز میں بولی۔

"دو چار بچوں کی ماں بن جاؤ گی تو پوچھوں گی، امی کتنا یاد آتی ہیں؟"

ثمینہ نے کثیف فضا کو لطیف بنانے کی کوشش کی۔

ان کی خود سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ احسن کو کس طرح راضی کریں کہ وہ شہوار کو اس کے گھر چھوڑ آئے..... نئے سرے سے مذاکرات کا دور شروع کیا جائے۔ جس میں صفیہ پیش پیش ہوں۔

اگلے ہفتے انہیں قطر روانہ ہونا تھا۔

وہ عجیب قسم کے ذہنی خلفشار میں مبتلا ہو گئی تھیں۔

یہ نکاح طرفین کی آمادگی اور سب کی رضامندی سے بڑے پیمانے پر ہوا تھا۔

اگر احسن نے کورٹ شپ کی ہوتی تو اس مسئلے کا بہت آسان حل تھا کہ اس سے ہر قسم کا تعلق آسانی سے ختم کیا جا سکتا تھا۔

مگر..... سب کی خوشی کے ساتھ ہونے والا یہ نکاح کوئی کمزور بندھن نہیں تھا۔

اس تقریب میں پورا خاندان شریک ہوا تھا۔

محض شیخ صاحب کی ضد اور انا کے سبب ایک آسان مرحلہ ناقابل عبور ہو گیا تھا۔ مگر وہ اپنے بھائی کی غلطی کا اعتراف ان کے بیٹے کے سامنے کرنے کی ہمت نہیں رکھتی تھیں۔ انہیں لہٰذا احسن کا اقدام برمحل اور درست نظر آ رہا تھا۔

مگر وہ اس کی تائید سے کترا رہی تھیں۔

کہ اس کے بعد انہیں یہ الزام بھی اٹھانا تھا کہ وہ بچوں کو غلط راہ دکھا رہی ہیں۔ لہٰذا وہ خاموشی ہی کو بہتر سمجھ رہی تھیں۔

"یہ تمہاری کلائیاں کتنی سونی ہیں۔

آج کل تو لڑکیاں میچنگ کی قسم قسم کی چوڑیاں پہنتی ہیں۔ میری چوڑیاں شاید ڈھیلی ہوں، مگر کام چل جائے گا۔"

ثمینہ نے اپنی بائیں کلائی سے دو سونے کی چوڑیاں اتار کر اس کی کلائی میں ڈال دیں۔

"یہ زیادتی ہے آنٹی..... پلیز یہ نہ کریں۔"

شہوار پریشان سی ہو گئی۔

"کوئی زیادتی نہیں ہے..... بری بات..... ایسے نہیں کرتے۔"

احسن بھی ان کے نزدیک چلا آیا تھا۔

"جب تک احسن تمہارے لئے اچھے سے کنگن جوڑے لے کر نہ آئے، بات نہیں کرنا اس سے۔"

وہ اس کا رخسار چوم کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

آنٹی۔!"

ہوں۔"

آپ ان سے کہہ دیں، مجھے گھر چھوڑ آئیں....." وہ ثمینہ کے جانے کے انداز سے جیسے خوفزدہ ہو گئیں۔ ثمینہ کو اس

سا آ گیا۔

پھر بیٹھ گئیں۔

ں کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

یار محبت سے اس کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

بیٹے..... یہ درست ہے کہ تمہارے ساتھ برا ہوا ہے۔ مگر جو تمہارے گھر والے کر رہے تھے۔ اچھا وہ بھی نہیں تھا۔

ے گر کر کھجور میں اٹکنے والی بات تھی۔

احسن کی منکوحہ ہو۔ تمہارا سب سے قریبی تعلق ہے اس سے..... وہ اپنی امانت لے کر آ گیا ہے۔ کوئی چیز چرائی

ہے۔

پستوں نے بیٹھے بٹھائے بچوں کی زندگیاں پیچیدہ بنا دی ہیں۔

راحسن تمہیں لے کر نہ آتا تو تمہارے گھر والے تمہیں طلاق دلوانے پر مصر تھے۔

ب میری پوزیشن سمجھو..... میں نہ احسن کے اقدام کی حمایت کر سکتی ہوں اور نہ تمہارے گھر والوں کی۔

ہ یہ بات تو کسی قیمت پر بھی نہیں کہہ سکتی کہ کوئی اپنی لڑکی کو محض اپنی انا کی وجہ سے طلاق دلائے..... طلاق تو حلال

میں بھی اللہ کو ناپسند ہے۔

رام سے اچھے وقت کا انتظار کرو، مجھے امید ہے سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

ب انا کی آگ بجھے گی، غصے کا طوفان اترے گا، تو حقیقت واضح ہو جائے گی۔ دعا کرو..... بیٹے۔!"

اٹھ کھڑی ہوئیں۔

آپ جا رہی ہیں آنٹی؟" شہوار بھی گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

ہاں..... میرے پاس بہت تھوڑا وقت ہے، زیادہ دن تو مجھے لاہور میں لگ گئے۔!"

آنٹی..... مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" وہ ہونٹ کاٹنے لگی۔ اشک رخساروں پر لڑھک آئے۔

کس بات کا ڈر؟"

انجانے قسم کا آدمی تمہارے پاس ہے۔ تمہارا بے تحاشہ خیال رکھنے والا۔"

ں نے انگلیوں کی پوروں سے اس کے اشک صاف کئے۔

کنا سینے پر بازو لپیٹے خاموش کھڑا تھا۔

چھو چھو۔ آپ سے ایک ضروری بات کرنا ہے۔"

ہاں..... ہاں..... کہو....." وہ پوری طرح متوجہ تھیں۔

پلیز..... آپ امی کو میرے گھر کا پتا کسی قیمت پر نہ بتائیے گا۔ کہہ دیجئے گا آفس میں ملی تھیں۔"

نہیں..... نہیں آنٹی..... آپ خالہ جان کو ضرور بتائیے گا۔" شہوار بے قراری سے بات کاٹ کر بولی۔

اور کوئی نہیں تو کم از کم مجھے اپنی خالہ جان تو مل جائیں۔" اس کا انداز نارضگی کا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

احسن نے ایک اچٹتی سی نگاہ شہوار پر ڈالی۔

"پھوپھو! آپ میرے ساتھ آئیں۔"

"فیضی! تم لوگ یہیں بیٹھو..... اپنی بھابی صاحبہ کے پاس۔" اس کا انداز و لہجہ ناقابل فہم تھا۔

اس نے "بھابی صاحبہ" پر خاصا زور دیا تھا۔

اور ثمینہ کے ساتھ لاؤنج میں آ گیا تھا۔

"پھوپھو پلیز..... آپ سنجیدگی سے میری بات پر غور کریں۔ میں اس گھر میں نہیں ہوں۔

اس وقت ہمیشہ سے زیادہ امی کی ضرورت ہے وہاں۔

اور۔

اور ابا جی..... انہیں اس مقام پر لے آئے ہیں۔ کہ مجھے مضبوط پا کر شاید وہ ان سے رہائی تک کے لیے جائیں۔

اور پھوپھو..... ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ وہاں پانچ لڑکیاں ہیں جنہیں آج ہمیشہ سے زیادہ امی کی ضرورت ہے کیا اس عمر میں ان کا تماشہ بننا چاہیے؟

میں شکیلہ کو بھی سمجھا دوں گا..... یقیناً وہ اپنے گھرانے کی بہتری کے لئے میرا ساتھ دے گی۔"

"تم ان کی نگاہ سے اوجھل ہو احسن..... بہت ظلم ہو رہا ہے ان پر۔" ثمینہ دکھ سے بولیں۔

"پھوپھو، میں نے ایک ایک بات بتا دی ہے آپ کو۔"

"یہ محض جذباتیت نہیں ہے احسن؟"

"نہیں پھوپھو..... معاشرے میں اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرنے والوں کو ان کے رویے کی بد احساس کون دلائے گا؟"

بس پلیز، آپ میرے ساتھ تعاون کریں۔

میں کوشش میں ہوں کہ نبیلہ و نائلہ کے رشتے جلد از جلد ہو جائیں۔

میں آپ کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں۔ کہ میں فاؤل نہیں کھیلوں گا۔

جہاں بھی اپنی بہنوں کے رشتے کروں گا۔ ان کو تمام تر حقائق سے باخبر رکھوں گا۔ مجھے خوشی ہے کہ چھوٹی تعاون کر رہی ہیں۔

آمنہ خالہ کے ذریعے انہوں نے ایک رشتہ بھجوایا ہے۔ ڈاکٹر ہے لڑکا..... بہت اچھے لوگ ہیں۔"

"ارے تم تو واقعی بہت فعال ہو۔" ثمینہ واقعی بہت خوش ہوئیں۔

"میں بھی کوششوں میں ہوں..... فکر نہ کرو..... اللہ پر بھروسہ رکھو۔" ثمینہ نے اسے یقین دلایا۔

"کوئی بھی لوگ ہوں پھوپھو۔ حقیقت قطعی نہ چھپائیے۔ اس طرح کے کاموں کا انجام ہمیشہ بھیانک ہوتا۔

اور پھر خدانخواستہ ہم نے چوری نہیں کی۔ ڈاکہ نہیں ڈالا۔ محض ایک ہی تو مسئلہ ہے کہ والدین میں ہم آہنگی نہ

اور ہم آہنگی نہ ہونے کا سبب ایک فرد واحد کی ذات ہے۔ ڈکٹیٹر شپ کا مسئلہ ہے۔

شہوار میرے گھر میں ہے۔

کیوں ہے؟ یہ بھی کسی سے چھپانے کی ضرورت نہیں۔ میں جس وقت اسے اس کے گھر سے لایا تھا۔ وہ

بیوی تھی۔ میں نے اپنے حق ورثے کا استعمال کیا۔

کئی انسانوں کو بے موت مرنے سے بچانے کے لئے۔

آپ سمجھ گئیں ناں؟"

"ہاں..... ہاں....." وہ جیسے چونک پڑیں۔

تم فکر نہ کرو۔

میں خود بھی فی الحال ظاہر کرنا نہیں چاہتی کہ میں تم سے ملی ہوں۔

بھائی صاحب تو سنتے کے ساتھ ہی مجھ پر اپنے گھر کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کر دیں گے اور اب ایسا کوئی مسئلہ ہونا چاہیے۔

اس لئے کہ اب اس گھر سے دہرا رشتہ ہو گیا ہے۔ اور تم سے بھائی صاحب کی انا کی جنگ ہے۔

میں پھر بھی تم سے یہی کہوں گی احسن..... اگر باپ سے ہارنا بھی پڑے تو ہار جانا۔

اس لئے کہ بہر حال وہ تمہارے باپ ہیں۔

تم ہار و یا جیتو۔ ان کا مرتبہ قیامت تک کے لئے ایک جگہ قائم ہے۔

وہ جیت جائیں تو تمہارے باپ ہیں۔

وہ ہار جائیں تو تمہارے باپ ہیں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں پھوپھو، میں باپ کے مقابل نہیں آ رہا۔ کاش وہ مجھ پر ہاتھ اٹھا دیتے مگر زبان کے گھاؤ سے چھلنی نہ کرتے۔

اس گھر میں موجود سات آٹھ زندگیوں کا مسئلہ ہے۔

میں صرف ان کی خاطر اسٹینڈ لے رہا ہوں۔

گھر سے میرا نکلنا ہو یا.....

شہوار کی یہاں موجودگی۔

میں ان کو کچھ احساس دلانا چاہتا ہوں۔

ظلم اور استحصال بہر حال میری برداشت سے باہر ہے۔"

ثمینہ چپ..... بیٹھی سنتی رہیں۔ آخر ایک گہرا سانس لیا۔ پھر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"پھر بھی بیٹا..... دھیان سے..... مجھے تم بے انتہا عزیز ہو۔"

"آپ فکر نہ کریں....." احسن نے اعتماد سے کہا۔

"اور دیکھو..... شہوار کو تکلیف نہ دینا..... پھول سی بچی ہے۔ آمروں کی جنگ میں ماری جا رہی ہے۔

اس وقت چھالے جیسا دل ہو گا اس کا۔ دیکھو دھیان سے۔" احسن مبہم سے انداز میں مسکرا دیا۔

ثمینہ کو اس کی مسکراہٹ سے کچھ الجھن سی محسوس ہوئی۔ مگر وہ مزید کچھ بولنا نہیں چاہ رہی تھی۔

واپس احسن کے بیڈ روم میں آئیں۔

فیصل اور فیضان شہوار سے باتوں میں مصروف تھے۔

"چلو اٹھو بچوں..... دیر ہو رہی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آپ کیوں جارہی ہیں آنٹی؟" شہوار بستر سے اٹھ کر ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

ثمینہ نے اسے بے اختیار گلے لگا لیا۔

"حوصلے سے کام لو بیٹا..... یہ اب تمہارا گھر ہے۔ اکثریت کی مرضی سے تمہارا نکاح ہوا تھا۔ تم اپنے آپ کو کم کرنے کے بجائے، حالات کی بہتری کے لئے احسن کے ساتھ کوشش کرو۔"

پھر انہوں نے اپنا پرس کھولا..... ایک ہزار کا نوٹ نکال کر شہوار کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"نہیں..... نہیں..... پلیز یہ نہ کریں۔

یہ چوڑیاں..... بہت اچھا گفٹ ہیں..... پلیز آنٹی یہ میں نہیں لوں گی۔"

"چوڑیاں تو میں نے احسن کی پھوپھی کی حیثیت سے دی ہیں۔ اور یہ تمہاری منہ دکھائی ہے، اس رشتے میرے اور تمہارے درمیان تمہاری امی کی وجہ سے بنتا ہے۔ چلو رکھ لو..... بری بات..... بات مان لیتے ہیں بیٹا۔"

ان کے قطعی انداز کے سامنے شہوار بے بس سی ہو گئیں۔

ثمینہ نے اسے پیار کیا اور کمرے سے نکل گئیں۔

شہوار حواس باختہ سی ننگے پاؤں ان کے پیچھے پیچھے چل دی۔

احسن لاؤنج سے باہر آ چکا تھا۔

اس نے اتفاق و خیز اں شہوار کو آتے دیکھا تو کچھ سوچ کر مسکرا دیا۔

"آیئے پھوپھو..... میں آپ کو ڈراپ کر آتا ہوں....." اس نے پیش کش کی۔

"نہیں..... تم یہیں رہو..... یہ اکیلی گھبرائے گی۔" انہوں نے پیش کش واپس لوٹا دی۔

"اس ماحول کا تو محترمہ کو عادی ہونا پڑے گا..... میرے کاندھوں پر تو یوں بھی بہت سی ذمہ داریاں ہیں۔"

"نہیں بس تم رہنے دو..... ماشاء اللہ میرے دو جوان بیٹے میرے ساتھ ہیں۔" انہوں نے مادرانہ شفقت سے نگاہوں سے اپنے بچوں کو دیکھا۔

"مجھے کچھ اچھا نہیں لگ رہا۔"

"تم رہنے دو..... اچھا برا..... خدا حافظ۔"

شہوار ترسی ہوئی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ ثمینہ کو بے ساختہ اس پر پیار آ گیا۔

آگے بڑھ کر اس کا رخسار چھوا۔

"خدا حافظ..... گھبراتے نہیں۔"

وہ دونوں انہیں گیٹ کے اس پار جاتا دیکھتے رہے۔

احسن نے ذرا دور سے کھنکار کر گلا صاف کیا۔ اور آگے بڑھ کر گیٹ بند کر دیا۔ شہوار جیسے کسی خیال سے چونک پڑی۔

مٹھی میں بند ثمینہ کا دیا ہوا نوٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے خفا خفا انداز میں بولی۔

"یہ لیجئے..... آنٹی نے دیے تھے یہ پیسے۔"

"آپ کو دیے ہیں..... آپ ہی رکھیے....." وہ گہری نگاہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں کیا کروں گی....." وہ بہت بگڑی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

احسن نے کوئی جواب نہیں دیا اور تیزی سے اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا۔ جیسے اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔

وہ بہت محبت سے سبزی کا سوپ امی کو پلا رہی تھی۔

اور ان سے ہلکی پھلکی باتیں بھی کرتی جا رہی تھی۔

"ہمیں اپنے پاپا کو فون نہیں کرنا چاہیے تھا۔" وہ نقاہت بھرے انداز میں بولی تھیں۔

"اسد بھائی..... اصرار کر رہے تھے امی۔

میں ان کے سامنے اپنے اندرونی معاملات لانا نہیں چاہتی۔ مجھے انسلٹ فیل ہوتی ہے۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"آہ..... ہم نے کیا دیا ہے بھلا بچوں کو....." وہ دکھ سے بولیں۔

"ایسا نہیں سوچتے امی..... پلیز....." وہ جیسے تڑپ گئی۔

"ایک چور دروازے میں دکھ کا آسیب کھڑا ہے۔ جو میرے بچوں کو دا سے خوش نہیں ہونے دیتا۔"

"امی پلیز..... مت سوچیے اس قسم کی باتیں۔ آپ ہمارے پاس ہیں۔ ہمیں یہ خوشی بہت ہے۔" اس نے محبت سے دیکھا۔

اسی وقت کال بیل بجی۔

منزہ نے دیکھا بلال موجود نہیں تھا..... ملازمہ بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

وہ پیالہ رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ایک منٹ امی..... ابھی آئی۔"

اس نے گھڑی کی سمت دیکھا دوپہر کے گیارہ بج رہے تھے۔

دروازہ تو کھلا ہوا تھا۔ آنے والا جیسے اجازت کا طلبگار تھا۔

وہ آگے بڑھ آئی۔

سیاہ رنگ کی خوبصورت کڑھائی سے آراستہ چادر لپیٹے ایک بڑی دلکش سی لڑکی سامنے کھڑی تھی۔

اس کا گلابیاں گھلا ہوا سفید چہرہ سیاہ چادر سے جیسے چاند کی طرح طلوع تھا۔

"جی.....؟" منزہ نے حیرانی سے نو وارد کو دیکھا۔

"آپ منزہ ہیں.....؟ خوبصورت لب وا ہوئے۔

"جی ہاں..... مگر آپ.....؟" وہ الجھی۔

"میں شکیلہ ہوں۔"

پھر مزید دھیمی آواز میں بولی۔

"شکیلہ انعام علی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منزہ کی آنکھوں میں شناخت کے سارے تجربات اُمڈ آئے۔
اب اس کی نگاہ سرسری اور محض مہمان نواز نہیں تھی۔
ساری محرومیاں بصیرت بن کر آنکھوں میں سمٹ گئی تھیں۔
وہ وحشت زدہ سی ہو کر شکیلہ پر بے قرار نگاہیں ڈال رہی تھی۔
''آ.....آ.....آپ.....'' وہ ہکلا کر رہ گئی۔
''جی.....اگر آپ منزہ ہی ہیں اور بلال کی بہن ہیں تو صحیح سمجھ رہی ہیں۔
منزہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ بیمار ماں کا چہرہ جیسے سامنے آ گیا تھا۔
''آپ کی امی موجود ہیں.....؟'' شکیلہ اس کا تذبذب نہ سمجھ سکی۔
''جج.....جی.....ہاں.....''
''آیئے تشریف لایئے۔'' فوری فیصلہ ہو گیا اور منزہ ایک طرف ہٹ گئی۔
شکیلہ کو لے کر ڈرائنگ روم میں آئی اور وسط میں رُک گئی۔ صوفے کی طرف اشارہ کر کے گویا ہوئی۔
''تشریف رکھئے۔''
''بہتر یہ ہے کہ آپ مجھے اپنی امی سے ملا دیں۔'' شکیلہ نے گویا بیٹھنے سے انکار کیا۔
''ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' منزہ نگاہ چرا کر بولی۔
''جی.....ملازمہ کے ذریعے پیغام ملا تھا۔'' شکیلہ نے حالات سے واقفیت کا اظہار کیا۔
منزہ جو اس کے خلاف دن رات سنگ سنگ کر سوچتی تھی اب اسے اس کے نرم اور شفیق انداز کے سامنے عجیب بسی کا احساس ہو رہا تھا۔
''آپ کو پاپا نے بھیجا ہے.....؟'' وہ سادگی سے پوچھ بیٹھی۔
شکیلہ بے ساختہ مسکرا دی۔

''جی نہیں.....ان کو تو میرے یہاں آنے کی بھی خبر نہیں ہے۔''
''منزہ چونک پڑی۔'' میں سمجھی نہیں۔''
''اگر آپ اپنی امی سے مجھے ملوا دیں تو میں آپ کی بے حد مشکور ہوں گی۔
آپ کا کیا خیال ہے، وہ مجھ سے ملنا پسند نہیں کریں گی؟ شکیلہ نے منزہ کی ہچکچاہٹ کو کچھ کچھ سمجھا۔
''نہیں.....نہیں.....ایسی کوئی بات نہیں۔ میری امی بہت اچھی ہیں۔ بہت صابر، بہت برداشت کرنے والی۔'' اس لہجے میں افتخار سا جھلکنے لگا تھا۔
''آیئے.....'' اس نے جیسے شکیلہ کی قربت کے سحر میں مبتلا ہو کر ''رسک'' لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔
شکیلہ کے چہرے پر جیسے گہرا اطمینان سا اتر آیا۔ وہ منزہ کے پیچھے چل پڑی۔
''امی.....آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔'' منزہ نے ماں کو متوجہ کیا جو آنکھیں موندے جانے کس سوچ میں تھیں۔
انہوں نے فوراً چونک کر آنکھیں کھول دیں۔
ایسا چہرہ جو کسی حسن ہو گئی ہے۔ دعا ہو سکتا ہے۔
صباحت، انکسار.....اور وقار.....یہی تاثرات ایکدم ذہن میں آئے تھے۔
''السلام علیکم!.....''
صبح ازل کا سکوت غالباً ایسی ہی آواز سے ٹوٹا ہو گا۔
وہ اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کرنے لگیں۔ ''وعلیکم السلام.....''
''برائے مہربانی تکلیف نہ کیجئے ایسے ہی ٹھیک ہے۔'' شکیلہ نے انہیں اٹھنے سے روکا۔
(شاید یہ منزہ کی کوئی ہمسائی ہیں) انہوں نے سوالیہ نظروں سے بیٹی کی سمیت دیکھا۔
''کیا آپ اپنا تعارف امی سے خود کرائیں گی.....؟'' منزہ کی رگ جاں میں عجیب سا دکھ متحرک ہوا۔
''جی.....یہ مناسب ہے۔''
''میں ابھی آئی.....'' شاید منزہ ماں کے تاثرات دیکھنے کی تاب نہیں رکھتی تھی۔ باہر نکل گئی۔
''میں اپنے گناہ بخشوانے کے ارادے سے آپ کے پاس نہیں آئی ہوں۔ محض انسان ہونے کے ناتے میری کچھ ذمہ داریاں ہیں.....میں عہدہ برآ ہونے کی کوشش کر رہی ہوں۔ میں شکیلہ ہوں۔''
''شکیلہ.....میں نے آپ کا نام آج پہلی بار سنا ہے۔'' حیرانی اور نقاہت کا ملا جلا تاثر دے رہی تھیں۔
شکیلہ چونک پڑی۔
''چور بہت اندھیرے میں آتا ہے۔ مگر صحن و دیوار پر پاؤں کے نشان چھوڑ جاتا ہے۔ یہاں تو نام و نشان تک سے آگاہی نہیں۔''
''میں سمجھی بلال یا منزہ نے آپ کو بتا دیا ہو گا۔'' وہ کچھ پریشان سی نظر آئی۔
''میرے بچے مجھے آبگینہ بنا کر رکھے ہوئے ہیں.....بہت سی باتیں مجھ سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔'' وہ ہلکا سا مسکرائیں۔
''مگر اب میں کچھ کچھ سمجھ رہی ہوں۔ غالباً آپ انعام علی کی.....''
''جی۔جی.....'' شکیلہ نے جلدی سے ان کا جملہ تمام کرنے کی کوشش کی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"انعام علی کیسے ہیں؟" انہوں نے آنکھیں موند لیں۔

بند آنکھیں شک کا فائدہ دے جاتی ہیں۔ بہت سے راز محفوظ رہ جاتے ہیں۔

"اچھے ہیں۔" شکیلہ کی آواز بے حد دھیمی تھی۔

جیون ساتھی کسی عورت کے شعور کا اولین اور رنگین خواب ہوتا ہے۔

انعام علی۔

دو عورتوں کے مشترک خیال تھے۔

دونوں عورتوں نے انہیں اپنی روح کی بھرپور طاقت سے محسوس کیا تھا۔

مگر ایک عورت ہاری ہوئی تھی ایک جیتی ہوئی۔

دونوں عورتیں ان کی خلوت کی امین تھیں..... مگر ایک نہال تھی..... اور دوسری بے حال۔

دونوں کے ناموں کے ساتھ انعام علی کا نام تھا۔

مگر ایک کے لئے وجود تھے تو دوسری کے لئے عدم۔

جسے پیا چاہے وہی سہاگن ہوتی ہے اور اپنی نگاہ میں ممتاز ہوتی ہے۔

"تمہاری موجودگی ہی میری ہار کی علامت ہے۔ یہی میرا تعارف، یہی میری کہانی ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ میں تمہیں الزام نہیں دے رہی۔

وہ شخص جو کبھی میرا نہیں تھا..... تم پر اسے چھیننے کا الزام کبھی بھی نہیں لگا سکتی۔"

وہ نہایت تحمل اور آہستگی سے گویا ہوئیں۔

"یہی تو میں جاننا چاہتی ہوں کہ انہوں نے یہ سب کیوں کیا؟" شکیلہ نے آہستگی سے نگاہ اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"تم نے انعام علی سے نہیں پوچھا.....؟ وہ حیرانی سے بولیں۔

"نہیں میری ہمت نہیں پڑتی..... ڈر سا لگتا ہے ان سے....." شکیلہ نے اپنی کمزوری کا اعتراف کیا۔

"ڈر تو مجبوروں کو لگتا ہے۔" وہ عجیب تشنہ سی ہنسی ہنس کر گویا ہوئیں۔

"تم تو..... انعام علی کے لئے..... اللہ کا انعام ہو..... ڈرنا تو نہیں چاہیے۔ ویسے تم ایک دوسرے سے کب ملے تھے؟" وہ بغور شکیلہ کو دیکھ کر پوچھنے لگیں۔ انداز نقاہت بھرا تھا۔

"جس شام ہمارا نکاح ہوا تھا۔ اس رات تقریباً سوا دو بجے میں نے پہلی بار انہیں دیکھا تھا۔" وہ بھی بڑے ضبط گویا ہوئیں۔

منزہ کی ماں شکیلہ سے خاصی بڑی تھیں مگر مشترک رشتے نے جیسے ہر فاصلہ سمیٹ دیا تھا۔ شکیلہ کو احساس تھا کہ لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ اس نے "انعام علی" سے دولت کی خاطر شادی کی ہے۔ شاید منزہ کی ماں بھی یہی سمجھ رہی تھیں۔

"میں سمجھی نہیں..... تم نے شادی سے پہلے انعام علی کو نہیں دیکھا تھا.....؟" انہیں جیسے یقین نہ آیا وہ مسلسل بولنے سے ہانپنے لگی تھیں۔

"جی نہیں۔" شکیلہ کا گلا رندھ گیا۔ اس نے نزدیک رکھا ہوا پانی کا گلاس منزہ کی امی کے ہونٹوں سے لگایا۔ وہ تکیے کے سہارے نیم دراز تھیں۔

وہ چند گھونٹ بھر کر جیسے پرسکون ہو گئیں۔

"کتنا حیرت بھرا انکشاف ہے۔ جب کہ انعام علی تو کہتے تھے....." وہ کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔

"جی..... کیا کہتے تھے.....؟" شکیلہ بے صبری سے گویا ہوئی۔

"بتاؤں گی..... مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم اتنی بے خبر ہو۔" وہ دکھ سے بولیں۔

"مجھے تو آپ کا نام بھی معلوم نہیں۔" شکیلہ کی آواز پر اب آنسو غالب تھے۔

"نور بانو..... ہونہہ....." وہ خود ہی تلخی سے مسکرائیں "آنکھ سے اندھے نام نین سکھ۔" اور کیا پوچھنا چاہتی ہو.....؟"

شکیلہ نے بغور ان کا چہرہ دیکھا..... ماضی کا ایک خوبصورت چہرہ.....

اور ایک شاندار یادگار۔

یہی تصور شکیلہ کے ذہن میں آیا تھا۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" وہ مبہم سا مسکرائیں۔

"کچھ نہیں۔" وہ چور سی ہو گئی۔

"اس چہرے پر انعام علی کا نام نقش نہیں ہے۔

ہلال..... اس کی انہوں نے کبھی نوبت نہیں آنے دی۔" انہوں نے آنکھیں موند لیں۔

"انعام علی نے تمہیں آنے کیسے دیا؟ اتنے نرم تو وہ اپنی اولاد کے لئے بھی نہیں ہیں.....؟"

منزہ کی امی نے جیسے گہری سوچ سے جاگ کر پوچھا۔

"میں ان کو بتا کر نہیں آئی..... ملازمہ کے ذریعے پیغام ملا تھا کہ آپ بیمار ہیں۔"

شکیلہ نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا..... یہ عیادت خدانخواستہ تمہیں مہنگی پڑ سکتی ہے۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے۔"

"یہ بھی انہی کا گھر ہے۔ ان کے گھر والے ہیں..... اور میں اس گھرانے کی فرد..... میں الگ تھلگ کیوں کر رہ سکتی؟" شکیلہ پوچھ رہی تھی۔

"مگر تم یہ بات انہیں نہیں سمجھا سکو گی۔"

"کیا آپ کو میری آمد ناگوار گزری ہے؟" شکیلہ نے کچھ اور مفہوم اخذ کیا۔

"میں نے تمہیں بتایا نا کہ مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ تم ابھی انعام علی کو زیادہ نہیں جانتی ہو۔"

"اس گھر میں ان کے بچے بھی تو ہیں..... میرا بہرطور ان سے تعلق ہے۔ انہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔"

نے ایک اور دلیل دی۔

"میں آ سکتی ہوں۔" منزہ نے دروازے پر دستک دی۔

"ہوں....." اس کی امی نے ہنکارا بھرا تو وہ تیزی سے اندر آ گئی اور بغور دونوں کو دیکھا..... امی اسی طرح نیم دراز اور مہمان سر جھکائے جیسے کسی خیال میں مستغرق۔

"آؤ..... بیٹے.....!" منزہ کی امی نے بیٹی کے ہراساں سے چہرے پر محبت بھری نگاہ ڈالی۔

"امی..... وہ..... بلال....." وہ رک گئی۔

"کہاں ہے بلال۔ بلاؤ ناں اسے..... یہ تمہاری چھوٹی امی ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منزہ نے جیسے تڑپ کر ماں کو دیکھا۔

شکیلہ کی پلکوں پر بھی جیسے منوں بوجھ آ پڑا تھا۔ بلال کا نام سن کر اس کا دل تیزی سے دھڑکا تھا۔

اسی دم بلال اندر داخل ہوا۔ چونکا، ٹھٹکا۔ پھر جیسے ہوش میں آ گیا۔

"کیسے کیسے لوگ ہمارے دل کو جلانے آ جاتے ہیں۔ وہ آگے بڑھا۔

"بلال.....!" منزہ نے جیسے اسے ڈانٹا۔ "سلام کرو۔"

"مجھے سلام کرنا سکھا رہی ہیں آپی..... میں کوئی سال بھر کا شیر خوار ہوں..... کہ بیٹا..... "چام" کرو....." استہزائیہ ہنسا۔

"یہ پرلے درجے کی بدتمیزی ہے..... منزہ اسے سمجھاؤ۔"

نور بانو نے کرب سے آنکھیں موند لیں۔ پھر بھیگی آنکھوں سے شکیلہ کی سمت دیکھا جس کا چہرہ دھواں دھواں بولیں۔

"یقین کرو۔ یہ ہرگز میری تربیت نہیں ہے۔"

"امی..... یہ آپ کس کے سامنے اخلاقیات کے چراغ روشن کر رہی ہیں.....؟ ان لوگوں کے سامنے..... سے اخلاقیات کا وجود سخت خطرے میں ہے؟"

وہ پرہ اٹھا کر تیزی سے باہر نکل گیا۔

شکیلہ کی آنکھوں سے دو قطرے گرے اور اس کی کالی چادر میں جذب ہو گئے۔

بالکل ایسے ہی جیسے اور بہت سے حادثے آنسو بن کر بار بار اس کے دل کی ذرخیز زمین میں جذب ہو چکے۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

نور بانو گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"اجازت دیجئے۔ پھر آؤں گی....." وہ نگاہیں چرا کر گویا ہوئی۔

"پھر آؤں گی۔"

دونوں ماں بیٹی نے تعجب سے اسے دیکھا۔

یقیناً اس کا دل غم آشنا ہوتا ہے جو ستم خاموشی سے جھیلتا ہے۔

(انعام علی..... کیسے پایا ہے اس دُرِ نایاب کو؟ اور کہاں سے؟) نور بانو باوجود کوشش کے اسے ٹھہرنے کے سکیں۔

"اس کی ماں کتنے اصرار سے بلا کر گئی ہے۔ اس طرح کی تقریبات میں تو لڑکیوں کے دم سے رونق ہوتی اخلاقی ہوتی ہے۔"

"اور سب لوگ تو گئے تھے کل مہندی میں۔ ایک میرے نہ جانے سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

نائلہ نے کتاب چہرے کے آگے کر لی۔

"کان کھا گئی کل روبی..... نیلی آپا کیوں نہیں آئیں۔" راحیلہ نے روبی کی نقل اتاری۔

"بیٹی! تمہاری طبیعت بھی اور سی ہو جائے گی۔ اتنی مشکل سے تمہارے ابا جی کہیں جانے کی اجازت دیتے

اے پیار سے سمجھایا۔

ہر اموڈ نہیں ہے امی۔" وہ نگاہ چرا کر بولی۔

بھو بیٹی! اتنے اصرار اور پیار سے کوئی بلائے تو جانا چاہیے۔ بری بات ہوتی ہے۔ روبی کہہ رہی تھی اگر آج نیلی آپا ں تو میں خود آ کر لے جاؤں گی۔" بیلا نے بتایا۔

بھو تو کتنی محبت کرتی ہے تم سے..... محبت کی قدر کرتے ہیں بیٹا۔ اتنا تو تم نے مجھے کبھی نہیں بلوایا۔" صفیہ کچھ ئیں۔

ی..... اور سب تو جا رہے ہیں..... لے کے....." وہ ماں کے بدلتے لہجے پر کچھ جھلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

برے پاس ایسے کوئی خاص کپڑے نہیں ہیں۔ اگر بارات میں جانا پڑ گیا..... تو....."

ایک مناسب بہانا سوجھ گیا۔

ارات پرسوں ہے۔ وہ جو احسن نے کچھ تھری پیس سوٹ بھجوائے تھے تمہاری چھوٹی خالہ کے ہاتھ ان میں سے کوئی ہا" صفیہ نے رائے دی۔

یک ذرا سی بات کے لئے میں اتنے قیمتی سوٹوں کو برباد کروں۔"

یا بات ہے نیلی! تم برابر بحث کئے جا رہی ہو۔ حد ہوتی ہے۔ کیوں مزاج نہیں مل رہے تمہارے؟" صفیہ خفا ہو

آپ ناراض نہ ہوں امی..... میں تیار ہو رہی ہوں۔" وہ روہانسی سی ہو کر اندر کمرے میں چلی گئی۔

ڑی دیر میں وہ گلابی سوٹ میں تیار ہو کر آ گئی۔ راحیلہ اور بیلا پہلے سے تیار تھیں۔

لا کا صحیح پیمپر تھا اس لئے وہ نہیں جا رہی تھی۔ نبیلہ گھر کی "رکھوالی" کر رہی تھی۔ وہ کل جا چکی تھی۔

لہ نے کوفت کی وجہ سے ہلکا سا پاؤڈر یا لپ اسٹک تک نہیں لگائی تھی۔ بالوں کی وہی سادہ سی چوٹی تھی۔ جو وہ عام گوندھا کرتی تھی۔

انوں میں تو کچھ ڈال لو۔" صفیہ نے ٹوکا..... "شادی کا گھر ہے۔"

کیا ڈالوں.....؟"

ری جھمکیاں پڑی ہیں دراز میں۔ میں نے تو کانوں میں پھول پہن لئے ہیں۔"

لہ کچھ بولے پھر اندر بڑھ گئی۔ تھوڑی دیر میں جھمکیاں پہن کر باہر آ گئی۔ جھمکیوں نے اس کے چہرے کی کشش ا اضافہ کر دیا تھا۔ صفیہ نے فوراً اس کے چہرے سے نگاہ ہٹالی اور اسے ٹوکا۔

چہرہ ٹھیک کرو۔ موڈ درست کرو۔ شادی میں جا رہی ہو۔"

کو بہت سارا رونا آ گیا۔

ماں کی طرف سے پشت کر کے چادر اوڑھنے لگی۔

سائیوں کا گھر جگمگا رہا تھا اور شور شرابے کی آواز باہر تک آ رہی تھی۔ غالباً مہندی آ چکی تھی۔

گرد پرانسانوں کا اژدہام سا تھا۔ اندر جانے کا راستہ ہی نہیں مل رہا تھا۔ اس کے قدم یوں بھی سست تھے۔ ماں بہنیں گم ہو پھنس کر رہ گئی۔ عجب کوفت کے عالم میں وہ ایک طرف کو ہو گئی کہ کب موقع ملے اور کب اندر جائے۔

سے نصیب..... کیا میں عالم خواب میں ہوں؟" بھاری اور گھمبیر سرگوشی اسے عین اپنے کان میں سنائی دی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے اپنے دل کی دھک دھک سے جیسے کانوں کے پردے لرزنے لگے۔

وہی ہوا جس کا خطرہ تھا۔ اس کا جی چاہا پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ وہ اسی لئے آنا نہیں چاہتی تھی کہ یہ خوامخواہ میں ہتلا ہو جائے گا۔ پھر اس کا ازالہ کیسے ہوگا؟ اب وہ امی کو کیوں کر سمجھائے۔

ظاہر ہے پھر کسی نہ کسی طرح ابا جی تک تو بات پہنچ ہی جانی تھی۔

جس ماحول میں اس کی پرورش ہوئی تھی اس کے مطابق تو یہ "حرکتیں" گناہ کبیرہ میں گردانی جاتی تھیں جو کے چیلے سے سرزد ہو رہی تھی۔

اس کا رواں رواں کانپ اٹھا تھا۔

اس نے دیوار سے ٹیک لگا کر جیسے تھکن اتارنے والا گہرا سانس لیا۔ ابھی تک ہتھیلیوں میں پسینہ اتر رہا تھا۔

"ارے نیلی آپا..... آپ آ گئیں۔ شکر خدا کا۔" روبی ایک سرخوشی کی کیفیت میں اس سے لپٹ گئی۔

نائلہ کا اس سے اس درجہ بے تکلفی کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے آہستگی سے علیحدہ کیا۔

"آیئے آپا..... ! یہاں بیٹھیے۔" اس نے ایک کرسی پیش کی۔

"امی کہاں بیٹھی ہیں؟"

وہ بیٹھنے کے بجائے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"وہ تو باہر صحن میں امی کے پاس ہیں۔ بیلا اور راحیلہ وہ سامنے بیٹھی ہیں۔ دولہا والوں کی ٹیم میں۔ یعنی ہمارے میں۔" وہ ہنسی۔

"آپ بھی وہیں آ جائیں۔"

"نہیں، میں یہیں ٹھیک ہوں۔" وہ سرد مہر انداز میں کہہ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

بہارو پھول برساؤ میرا محبوب آیا ہے۔

دیواروں میں نصب ایمپلی فائر سے اچانک گیت امڈ پڑا۔

"کیسٹ کس نے لگائی.....؟ کون ہے.....؟ یہاں مقابلہ ہو رہا ہے۔" لڑکیاں بے ترتیب لہجوں میں چیخ پڑیں۔

"بھائی جان ہیں، ذرا تمیز سے۔" روبی سے شوخی سے نائلہ کو دیکھا۔

"منع کرو بھائی جان کو، پتا نہیں ہے کہ یہاں مقابلہ ہو رہا ہے۔" لڑکیاں چیخیں۔

"رازی! کیا ہے؟ کیوں بچیوں کو ستا رہے ہو.....؟ کسی بزرگ خاتون نے ٹوکا۔

"ممانی جان..... ! یہ بے سری آواز میں سن سن کر میرے کانوں میں خراشیں پڑ گئی ہیں۔

اس نے والیوم اونچا کر دیا۔ گیت خاصا آگے بڑھ چکا تھا۔

نظاروں ہر طرف اب تان دو اک نور کی چادر
بڑا شرمیلا دلبر ہے، چلا جائے نہ شرما کر
ذرا تم دل تو بہلاؤ میرا محبوب آیا ہے

نائلہ کو یوں محسوس ہوا گویا ہر نگاہ اس پر ہو۔ اس کا تماشا سا بن رہا ہو۔

"رازی بھائی..... پلیز بند کریں..... ورنہ دلہن والے سمجھیں گے کہ ہم نے ہار سے بچنے کے لئے یہ ڈرامہ کیا ہے

یاں منت کے انداز میں چیخیں۔

یوں تنگ کر رہے ہو رازی....." ایک اور خاتون نے جیسے گھرکا۔

وہ ایک طرف ہٹ گیا۔

کے دوران جب حشر کا منظر برپا ہوا تو وہ..... دیوار سے ٹیک لگا کر ایک کونے میں کھڑی ہو گئی۔

ے خاک بھی لطف محسوس نہیں ہوا تھا۔ اس کی آڑی ترچھی شوخ نگاہوں نے اس کی جان پر بنا رکھی تھی۔

بی کے بڑے بھائی کے گرد خواتین امڈی پڑ رہی تھیں۔ وہ بہت محتاط انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ معاً وہ جیسے

ھ کر سامنے آیا تھا۔

ملنے کا عمل سیکنڈ کے ہزارویں حصے پر مشتمل ہوگا۔

راس کی رگ جاں کو چھو گیا۔

ی دعوت کیا ہوتی ہے.....؟ یہ اس کی زندگی کا اولین تجربہ تھا۔

ج سے پہلے اسے اندازہ نہیں تھا کہ نگاہیں بولتی بھی ہیں۔

ئی منٹوں تک نظریں اٹھانے کا حوصلہ نہ کر سکی۔

ں کا وجود جیسے نگاہوں کی بارش میں بھیگتا چلا گیا تھا۔ کافی دیر اس کے حواس بحال نہ ہو سکے۔

م تمام ہوئی..... کیونکر.....؟ اسے ہوش نہ تھا۔

م کے بعد کھانے کا شور بلند ہوا..... بھیڑ کا رخ باہر کھلنے والے دروازوں کی سمت ہو گیا۔ وہ بھی "ریلے" میں بہتے

لا لپک کر اس کے پاس آ گئی تھی۔

ہوں.....!" وہ ہنکارہ بھر کر رہ گئی۔

آیئے..... بیلا..... آپا کو ادھر لے آؤ..... آپا..... یہ دیکھئے چیئر بھی رکھی ہے۔ آپ بیٹھ کر کھانا کھا لیں۔" روبی

کسی کونے سے نکل آئی تھی۔

ہم کھا لیں گے۔ تم فکر نہ کرو۔" نائلہ نے آہستگی سے کہا۔

مگر روبی ٹشو پیپر کے ہمراہ دو پلیٹیں لے آئی اور ایک ایک دونوں بہنوں کے ہاتھ میں تھما دی۔

کباب، پراٹھا اور حلوہ۔ آج کا ڈنر ان اشیاء پر مشتمل تھا۔

لہ کی جیسے بھوک چمک اٹھی تھی۔

ں نے چوری چوری ادھر ادھر دیکھا لیکن وہ کہیں نظر نہ آیا۔ وہ مطمئن ہو کر کھانے میں مصروف ہو گئی۔ کھانے کے

اسے پانی کی طلب ہوئی۔

ھر ادھر نگاہ دوڑانے لگی..... "بیلا..... پانی کا انتظام کس طرف ہے؟"

"آپ؟"

"آپ یہیں ٹھہریں..... میں لاتی ہوں۔" بیلا ایک طرف بڑھ گئی۔

"پانی حاضر ہے جناب!"

وہ اچانک پانی کے گلاس کے ہمراہ پیچھے سے نکل کر آیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پلیٹ نائلہ کے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچی۔

اسے لیتے ہی بن پڑی۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا تھا کہ وہ کیا کرے۔

آپ یقیناً میری سابقہ حرکات کے پس منظر میں مجھے چیپ سا انسان سمجھ رہی ہوں گی۔" اف خدایا..... نزدیک آ کھڑا ہوا تھا۔ اس پر مستزاد گفتگو بھی کر رہا تھا۔

"یقین کیجئے۔ وہ سب محض شرارت تھی۔" وہ جیسے بات کرنے کا یہ موقع گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ اور اسے جی بھر کا ارمان پورا کر رہا تھا۔

نائلہ کے حلق میں پانی جیسی سیال شے بھی اٹکنے لگی۔ دل جیسے پسلیاں توڑ کر باہر آیا چاہتا تھا۔

اس نے بمشکل خود پر قابو پایا..... اور ایک نگاہ صرف ایک نگاہ اس پر ڈالی۔ سرمئی شلوار قمیص میں ملبوس قریے بنائے ہوئے تھا۔ مونچھوں تلے لب مسکرا رہے تھے۔

"آپ آگ سے کھیل رہے ہیں۔" نہ جانے کیسے اس کے منہ سے یہ جملہ نکل گیا تھا۔ حالانکہ اس جیسی لڑکی اس جملے کی ادائیگی آسان نہ تھی۔

"چاند سے بھی تو نہیں کھیل سکتا۔" برجستہ جواب آیا تھا۔

اس کی نگاہیں جیسے اس پر تصدق ہو رہی تھیں۔

نائلہ آگے قدم بڑھا چکی تھی۔ مگر اس نے یہ جملہ سن لیا تھا۔ اس خوبصورت تشبیہ کا اثر صرف اتنا ہوا کہ گھبراہٹ میں اضافہ ہو گیا تھا۔

"یہ لیجئے پانی..... ہائیں..... پانی مل گیا آپ کو۔ میں خوامخواہ چکراتی رہی یہاں وہاں۔"

بیلا نے جیسے تھک کر وہ گلاس اپنے منہ سے لگا لیا تھا۔

"آپا..... وہ جو گلابی ساڑھی والی خاتون سے بات کر رہے ہیں ناں، وہ روبی کے نمبر دو بھائی ہیں۔ وہ جو سرمئی سوٹ میں ہیں..... رازی کہتے ہیں نا ہیں گھر والے۔ اصلی نام پتا نہیں کیا ہے۔ اور وہ جو میرون ساڑھی میں پھولوں پہنے ہوئے ہیں، وہ روبی کی سب سے بڑی بہن ہیں۔" بیلا نے اس کو جیسے متوجہ کیا۔

"ہوں۔" نائلہ غائب دماغی سے ہوں ہاں کرنے لگی۔

"وہ جو روبی کے بھائی رازی ہیں ناں، بہت شرارتی ہیں۔ بہت تنگ کر رہے تھے گانوں کے بیچ میں" بیلا پھر بو

"امی کس طرف کھڑی ہیں بیلا.....؟" اس نے ایک دم موضوع سے ہٹ کر سوال کیا۔

"اس طرف کونے میں بھیدی کی امی (بھسائی) کے ساتھ۔" بیلا نے اشارہ بھی کیا۔

"آؤ۔ چلو، اسی طرف چلتے ہیں..... اب تو یوں بھی اسے کھانا کھانا دوبھر تھا۔

اس نے رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔

صبح کے نو بج چکے تھے۔ دروازہ ہنوز بند تھا۔

اب تو مزید برداشت نہ کر سکتا تھا۔ سلیپر گھسیٹتا ہوا بیڈ روم کے دروازے تک آیا۔ اور دروازہ بری طرح دھڑ دھڑا

اس کی حرکت میں جھلاہٹ کا تاثر واضح تھا۔

چند ثانیے بعد چٹخنی گرنے کی آواز آئی اور دروازہ وا ہو گیا۔

وہ سامنے کریم کلر کی چادر پیشانی تک منڈھے ہوئے کھڑی نظر آئی۔

"میرا گھر میں پڑاؤ ڈالنے کا قطعی کوئی ارادہ نہیں۔ میری کچھ ذمہ داریاں بھی ہیں۔ کیا بے کار سمجھا ہوا ہے۔ جاگیردار ہوں جو بیٹھے بیٹھے روٹی مل جائے گی۔"

وہ بڑبڑاتا ہوا وارڈ روب کی سمت بڑھا۔ سامنے ایک چادر جائے نماز کے انداز میں بچھی ہوئی تھی۔ وہ اس پر جا کر

وہ ٹھٹک گیا۔

"یہ کون سی نماز کا وقت ہے.....؟" وہ قدرے متعجب نظر آیا۔

چلو اس بہانے تم اللہ سے قریب ہوئیں..... یقیناً یہ سہرا میرے سر بندھنا چاہیے۔" وہ طنزیہ انداز میں مسکرا کر اپنے

رے نکالنے لگا۔

وہ بدستور خاموش رہی۔

احسن کپڑے بازو پر لٹکا کر باتھ روم میں چلا گیا۔

تقریباً بیس منٹ بعد باہر آیا تو وہ بیڈ کی چادر درست کر رہی تھی۔

"کیا ناراضگی اس قدر ہے کہ ناشتے کے نام پر ایک کپ چائے بھی....." وہ بات ادھوری چھوڑ کر تولیے سے سر خشک

نے لگا۔

وہ بیڈ شیٹ کرنے میں مصروف تھی۔

"دروازہ اندر سے بند کر کے سونا اگرچہ آپ کا اپنا صوابدیدی فعل ہے مگر ایک بات غور سے سن لیجئے محترمہ در شہوار

یا"

شہوار کے ہاتھوں کی حرکت رک گئی۔

"میں اپنی محنت کی کمائی چوری کی کمائی کی طرح کھانا کبھی پسند نہیں کروں گا۔ میں آپ کو جیت لایا ہوں..... اس

بالی کی خوشی اب ہر خوشی پر بھاری ہے۔ تھوڑی بہت عزت نفس ہم بھی رکھتے ہیں محترمہ!"

وہ برش بالوں میں چلاتے ہوئے بہت اعتماد سے مخاطب تھا۔

"امید ہے تولہ بھر عقل میں یہ سیدھی بات سما گئی ہو گی۔ اور ایک کپ چائے کے امکانات پیدا ہو گئے ہوں گے۔"

شہوار تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

احسن اس کے جانے کے بعد ٹائی اٹھا کر ناٹ بنانے لگا۔ پھر بیلٹ کستے ہوئے اپنے سراپے پر ناقدانہ نظر دوڑائی اور

ج کے سامنے سے ہٹ کر گیا اور شوز پہننے لگا۔ پھر اپنا سیاہ اسٹائلش سا بریف کیس اٹھا کر ڈائننگ کی طرف آ گیا۔ اور

یس ٹیبل پر رکھ کر کھولنے لگا۔

سنہری قلم نکال کر جیب میں اٹکایا اور رکھے ہوئے کاغذات چیک کر کے بریف کیس بند کر دیا۔

وہ چھوٹی سی ٹرے ہاتھ میں اٹھائے اس کے پیچھے بے آواز کھڑی ہوئی تھی۔

ڈارک براؤن پینٹ اور لائٹ براؤن شرٹ میں اپنے مضبوط وجود کے ہمراہ بہت ڈیسنٹ سا لگ رہا تھا۔

اس کے وجود سے اٹھنے والی ہلکی ہلکی مہک شہوار کے گرد جیسے گھیرا بنانے لگی۔

سوا احسن نے اس کی موجودگی کو محسوس کیا اور فوراً گھوم پڑا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہوار نے گڑبڑا کر ٹرے جلدی سے ٹیبل پر رکھ دی۔

"سامنے بیٹھ کر بھی دیکھ سکتی ہو۔ اس میں زیادہ آسانی ہے۔" وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ ایک معنی خیز مسکراہٹ اس کے لبوں پر کھیلنے لگی تھی۔

"چونکہ تم دلہن بننے کے موڈ میں نہیں ہو، اس لئے دلہنوں والے ناز نخرے بھی ختم۔ دیکھو مین گیٹ پر اخبار پڑا ہوگا۔ اٹھالاؤ۔"

وہ چائے کا کپ اٹھا کر سپ لینے لگا۔

شہوار بحالت مجبوری جیسے اپنی قسمت کو کوستی گیٹ کی طرف بڑھی تھی۔ اپنی بے بسی پر جیسے نئے سرے سے رونا چاہتی تھی۔

اس نے اخبار اٹھالیا..... جی چاہا اخبار کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ٹیبل پر بکھیر دے مگر وہ ایسا کرنے سے عاجز تھی۔

اخبار لے کر جیسے ٹیبل پر پٹخ دیا۔

"آپ چائے نوش نہیں فرمائیں گی.....؟" وہ جیسے اس کی حالت سے لطف اٹھا رہا تھا۔

"جب میرا موڈ ہوگا فرمالوں گی۔" وہ پھٹ پڑی۔

"بہتر....." وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔ اور اخبار کھول کر نظریں دوڑانے لگا۔ وہ چائے ناشتے کے لوازمات کے ساتھ لائی تھی مگر وہ صرف چائے پی رہا تھا۔

احسن اخبار کا اولیں صفحہ چہرے کے سامنے کئے ہوئے تھا۔ شہوار اخبار کے پچھلے حصے پر نظریں جما کر بیٹھ گئی۔ جیسے اخبار کو چیر کر راستہ بناتی ہوئی احسن کو گھور رہی ہو۔

"کیوں بسم اللہ غلط کر رہی ہیں۔ میں چلا جاؤں گا تو آرام سے پڑھ لیجئے گا۔ محترمہ..... ہوسکتا ہے آپ کو صدر پاکستان کا کوئی تازہ آرڈیننس نظر آجائے جس کے تحت ایک منکوحہ کو آزاد ہونے کی آسانیاں میسر آرہی ہوں۔"

احسن نے اخبار کا صفحہ پلٹتے ہوئے جیسے اسے ستایا۔

"پلیز..... احسن.....!" وہ ہونٹ کاٹنے لگی۔

احسن جلدی جلدی چائے تمام کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"گیٹ اندر سے بند کر لیجئے..... دوپہر کو میرا اپنی اون کھانا آپ تک پہنچا دے گا۔ کیونکہ کھانا بنانے کا موڈ تو مجھے دکھائی نہیں دے رہا۔

"مجھے دیر ہو جائے گی۔ یقیناً یہ آپ کے لئے خوشخبری ہے۔ چار بجے آف ہو کر مجھے فرم جانا ہوتا ہے۔ سات بجے تک وہاں ہوتا ہوں پھر آج مجھے ضرور شکیلہ کی طرف جانا ہے۔ خواہ رات ہو جائے۔"

"شکیلہ کی طرف....." وہ جیسے سب کچھ بھلا کر چونک پڑی۔

"جی..... شکیلہ کی طرف..... کیا چلنا ہے؟" احسن نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ اس پر ڈالی۔

"و..... وہ یہاں؟"

"ہاں کلفٹن میں رہتی ہے۔"

"صرف شکیلہ.....؟" وہ سب کچھ فراموش کر کے حیران و پریشان دکھائی دینے لگی۔

"جی نہیں..... اس کے مسینڈ بھی ہوتے ہیں۔" وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"ہائیں.....!" وہ ایک دم ہونق سی ہوگئی..... ہسینڈ!!"

"میں سمجھا تھا کہ شاید پھوپھو یا فیضان وغیرہ نے تمہیں بتا دیا ہوگا مگر تم تو بالکل بے خبر ہو۔"

"تم" سے خطاب گویا اس کی سنجیدگی کی علامت تھا۔

"خیر..... اس وقت مجھے دیر ہو رہی ہے۔ اور فی الحال میں تمہیں اس سے ملانا بھی نہیں چاہتا۔ ممکن ہے وہ ویسے بھی پٹھان ہو۔

گیٹ بند کر لو۔ خدا حافظ....." وہ گاڑی کی سمت بڑھ گیا۔

وہ ہکا بکا سی کھڑی رہ گئی۔

اس سے پیشتر کہ وہ حرکت کرتی وہ پھر اسے اپنی جانب آتا دکھائی دیا۔

وہ اندر ہی اندر ڈر گئی۔

"میں محض یہ یاد دہانی کرانے پلٹا ہوں کہ تمہارے والدین تمہیں ہمیشہ کے لئے رخصت کر چکے ہیں۔

اور میں معرکہ سر کر چکا ہوں۔

تحریر ہنوز محفوظ ہے۔

قسمت کی آزمائش ملحوظ ہو تو اس گھر کے دروازے کھلے چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ پچھتاووں کے ساتھ میں بھی تمہیں قبول کروں گا۔"

اس کے لہجے کی غراہٹ پر شہوار کانپ کر رہ گئی..... مگر منہ پھیر کر بولی.....

"جانتی ہوں میں۔

میرے پاؤں کی نیچے اب زمین نہیں رہی....." اس کا لہجہ بھیگ گیا۔

احسن گاڑی باہر نکال رہا تھا۔

اور وہ گیٹ بند کرنے کی خاطر وہیں کھڑی تھی۔ لیکن دماغ اب شکیلہ میں گم تھا۔

تنہائی.....

خاموشی.....

اور پھر سوچتا ذہن.....

آگہی و کشف کے سلسلے دراز ہونے لگتے ہیں.....

انسان خود پر منکشف ہوتا ہے.....

اسے اپنی ذات کے حوالے یاد آنے لگتے ہیں.....

ایک انسان.....

جو کسی کے لئے نعمت ہوتا ہے.....

کسی کے لئے ملال.....

کسی کیلئے جلاپا.....

کسی کے دل کی ہوک.....

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کسی کی آنکھوں کی ٹھنڈک.....
کسی کے ذہن میں رستے ناسور کی طرح.....
کسی کی یاد میں نسیم سحر کے جھونکے کی مانند
کسی کی زندگی کا حاصل.....
کسی کی دعا کی روح.....
کسی کی دعائے نیم شبی.....کسی کی آہ سحرگاہی۔
کسی کے دل کی تابندہ لو.....
کسی کی آنکھ کا دکھی اور حیران آنسو.....
کسی کی پیشانی پر داغ سجدہ کا باعث.....
کسی کے داغ جگر کا سبب.....
کسی کی تمنا کا موضوع.....
کسی کی حسرت ناتمام.....
کسی کے لئے سرخوشی.....
کسی کے لئے پہاڑ جیسا دکھ.....

جیسے وہ.....

ایسے ہی بے شمار حوالوں کے جال میں مقید تھی۔
اپنی ماں کی ہر دھڑکن کی دعا تھی۔
تو بلال کی خونی بددعا.....احساس کی صورت اسے گھیرے ہوئے تھی.....
اپنے بھائی کے لئے پچھتاوے اور ملال کا نشان تھی.....
انعام علی کیلئے سرمست کر دینے والی خوشی.....

وہ بیڈ روم کی وحشت ناک تنہائی سے گھبرا کر ٹی وی لاؤنج میں چلی آئی تھی۔
ٹی وی کھولا.....وہاں دنیا کے مصائب پر کوئی مذاکرہ چل رہا تھا۔اس نے بیزاری سے بند کر دیا اور کیسٹ الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ایک مزاحیہ ڈرامے پر نگاہ ٹھہر گئی.....ان نے کیسٹ لگائی۔
پھر واپس نکال لی۔
ایسے ہنسنے مسکرانے والے کھیل تو گیریژن میں ہی اچھے لگتے ہیں۔اکیلا بیٹھ کر ہنستا آدمی کتنا عجیب لگتا ہے۔وہ جیسے خود اپنے آپ مسکرائی۔
پھر رفیع کے "سنہرے گیت" لگا کر گاؤ تکیہ سر کے نیچے رکھ کر وہیں کارپٹ پر ہی دراز ہو گئی۔
بمشکل ایک گیت ہی پورا ہوا ہوگا کہ ملازمہ نے اطلاع دی۔مہمان آئے ہیں۔
"بٹھاؤ اور کہو.....صاحب آنے والے ہیں۔"
وہ بدستور اسکرین پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔
"وہ.....جی آپ سے ملنے آئے ہیں....." وضاحت کی گئی۔

"مجھ سے.....!!!" شکیلہ کو از حد تعجب ہوا۔"نام نہیں پوچھا؟"
"جی.....احسن نام بتایا ہے۔"
شکیلہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔اسے جیسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔
وہ ننگے پاؤں تقریباً دوڑتی ہوئی ڈرائینگ روم میں داخل ہوئی تھی۔
آہ.....واقعی.....سامنے اس کا عزیز از جان بھائی پرشکوہ کوچ پر بڑے وقار سے فروکش تھا۔
اچانک خوشی نے اس کا اعصابی نظام درہم برہم کر دیا تھا۔
احسن اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
ہر وہ آنسو جو اس نے احسن کے نام کا بچا رکھا تھا اس کے گلے لگ کر بہا دیا۔
اسے بسرایا ہوا ایک ایک ملال یاد آیا.....
کہ اس کی رخصتی کس طرح ہوئی تھی.....
جیسے اس کا کوئی بڑا بھائی ہی نہ ہو۔
احسن اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے چپ ہو جانے کی تائید کر رہا تھا۔
"احسن بھائی.....آپ کا دکھ مجھے مار ڈالے گا۔" وہ ہچکیاں لے رہی تھی۔
"تم سے کس نے کہا میں دکھی ہوں.....؟" اس نے محبت سے شکیلہ کا بازو تھاما۔
"آپ ہمارے جو نہیں رہے۔" وہ بلک رہی تھی۔
"یہ معجزہ تو دنیا کا بڑے سے بڑا جادوگر بھی نہیں دکھا سکتا۔میں تو قیامت تک تم سب کا ہوں۔"
"جب ہم آپ کو دیکھ نہیں سکتے.....مل نہیں سکتے۔"
"تم دیکھو گی ابھی اور ملو گی بھی۔بلکہ سب دیکھیں گے بھی ملیں گے بھی۔
زندگی کی مشکلات کو جھیلنا اور کوئی حل برآمد کرنا ہی زندگی ہے۔گھبراتے نہیں ہیں۔ہمت سے کام لیتے ہیں۔" احسن نے اسے خود سے الگ کر کے صوفے پر آرام سے بٹھایا اور تسلی دی۔
"جب سے مجھے پھوپھو آپ کے بارے میں بتا کر گئی ہیں۔ایک ایک لمحہ عذاب کی طرح گزر رہا تھا۔میں نے آپ کا ایڈریس مانگا۔انہوں نے دیا ہی نہیں کہنے لگیں کہ شام تک آپ خود آ جائیں گے۔آپ کل کیوں نہیں آئے.....؟"
"کل فرم میں حساب کتاب کا دن تھا۔بیلنس وغیرہ دیکھنے ہوتے ہیں۔رات بہت ہو گئی تھی۔"
احسن نے اسے آرام سے سمجھایا۔ابھی وہ اسے حقیقت بتانے کے موڈ میں نہیں تھا۔
"اچھا آپ نے پھوپھو کو ایڈریس بتانے سے منع کیا تھا؟" شکیلہ کو عجیب سے واہمے نے ستایا۔
"اس لئے کہ پہلے میں تمہارے پاس آنا چاہتا تھا۔" اس نے بہن کی محبت کا ردعمل اپنے دل میں محسوس کیا۔جیسے اس کا وجود پھول کی مانند ہلکا ہو گیا ہو۔اسے دنیا کی کوئی الجھن درپیش نہ ہو جیسے جنتی ماحول میں آ گیا ہو۔جس میں کوئی ناگواری نہیں تھی.....وہ آسمانی سا ماحول.....جہاں محض سلام ہو.....محبت ہو.....سکھ ہو۔
"آپ تو یہاں سب رشتے داروں سے ملتے ہوں گے....." شکیلہ نے جیسے کچھ جاننا چاہا۔
"میں ابھی تک کسی سے نہیں ملی.....جب ابا جی نے کسی کو انوائیٹ نہیں کیا تو میں کس طرح ان سب سے ملوں جب کہ سب ہی قریبی رشتے دار ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

احسن نے شکیلہ پر ایک نگاہ ڈالی۔

وہ پہلے سے زیادہ نکھری ہوئی اور صحت مند لگی..... ایک ہاتھ میں کنگن دوسرے میں سونے کی چوڑیاں، انگلیوں دیدہ زیب انگوٹھیاں، گلے میں چم چم کرتی سنہری زنجیر، ناک میں جگمگاتی ہیرے کی لونگ۔

بہترین تراش کا عمدہ لباس۔

''کیا یہ اتنی ناپختہ ہے کہ بہل گئی۔'' احسن نے دکھ سے سوچا۔

''میں بھی بہت عرصے سے کسی سے نہیں ملا۔'' اس نے گہرا سانس لیا..... جیسے کچھ سوچ کر بولا۔

''سردار خالو کے ہاں بھی نہیں!!!'' شکیلہ کو حیرت ہوئی۔

''نہیں۔'' اس کا انداز قطعی تھا۔

''امی بتا رہی تھیں کہ خالو جان نکاح ختم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سب ابا جی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔''

شکیلہ نے جھجکتے ہوئے جیسے کچھ پوچھنا چاہا۔

''تمہارے خیال میں یہ ٹھیک ہے؟'' احسن مسکرا دیا۔

''کیا.....؟ شکیلہ کچھ سمجھی نہیں۔

''یہی کہ یہ بندھن ختم ہو جائے۔'' وہ بولا۔

''اللہ نہ کرے۔'' شکیلہ تو جیسے بلبلا کر رہ گئی۔

''شہوار کیونکہ آپ کی پسند ہے، اس لئے ابا جی آپ سے ناراض ہونے کی وجہ سے۔''

''کیا ناراضگی میں زندگی سے کھیلتے ہیں.....؟'' عجیب سی یاسیت اس کے لہجے میں در آئی۔

بعض رشتے دار ایسے ہوتے ہیں جن کے سامنے انسان اپنے اصل سے مخاطب ہوتا ہے۔

وہ اس کی حقیقی بہن تھی۔ ماں جائی تھی۔

اس کی زندگی کے سارے رنگ۔

اس کی حیات کے تمام رویوں کی عینی گواہ.....

شکیلہ نے محبت سے اس کا بازو تھام لیا۔

''میری عمر بھی آپ کو لگ جائے احسن بھائی..... انشاء اللہ زندگی میں آسانیاں بھی آئیں گی۔''

احسن مسکرا دیا۔

''اپنوں کی طفل تسلیاں بھی یقین سے کم نہیں ہوتیں۔

''تم سناؤ..... کیسی ہو.....؟''

''میں بہت مطمئن اور خوش ہوں۔ آپ میرا یقین کیجئے میں آپ سے جھوٹ نہیں بول رہی۔ محض ایک دکھ مجھے کھانے کو..... کافی ہے کہ میری ذات آپ کے لئے مشکلات کی وجہ بنی۔''

''ایسے نہیں کہتے۔'' احسن نے اسے ٹوک دیا۔

''اپنے ہوتے کس لئے ہیں..... اپنے بھی خود غرضی دکھائیں تو ان کی اپنائیت کس کام کی.....؟''

اس نے بہت چاہت سے بہن کو دیکھا۔

''وہی تو میں کہہ رہی ہوں، یہ سب بلاوجہ ہوا..... انعام صاحب اتنے اچھے ہیں۔ اتنے اچھے ہیں کہ میرے پاس

تعریف کے لئے الفاظ نہیں۔''

احسن غور سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں بھائی..... انعام صاحب اتنا خیال رکھتے ہیں۔ اتنی اچھی عادات کے مالک ہیں۔''

''ارے بھئی کون آیا ہے جس کے روبرو ہمیں سپاس پیش کیا جا رہا ہے.....؟''

اچانک ایک دروازے سے انعام علی اپنی مخصوص وضع میں بریف کیس سمیت ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔

شکیلہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

''السلام علیکم۔'' اس نے سلام کیا اور جھک کر بریف کیس ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

''وعلیکم السلام۔'' ان کی سوالیہ نگاہ احسن پر تھی۔

''انعام صاحب۔ یہ احسن بھائی ہیں۔'' شکیلہ نے تعارف کرایا۔

''او..... ہو.....'' انعام علی کا ہاتھ بہت تیزی سے احسن کی سمت بڑھا۔

''السلام علیکم۔'' احسن نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

''یقین کیجئے۔ آپ سے ملنے کا بے حد اشتیاق تھا..... شکیلہ کی گفتگو کبھی آپ کے تذکرے کے بغیر تمام نہیں ہوتی۔ آپ سے شادی والے دن ملاقات نہیں ہو سکی تھی مگر شکیلہ ہی کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ آپ کراچی ہی میں ہوا کرتے ہیں۔

نظریات کے ٹکراؤ سے ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے مگر مستقل نہیں رہتی۔ آپ جیسے بیٹے سے کوئی باپ زیادہ عرصے تک ناراض نہیں رہ سکتا۔''

احسن نے چونک کر شکیلہ کا چہرہ دیکھا۔

شکیلہ نے نظریں چرا لیں۔

کیا واقعی شکیلہ کی اتنی انڈر سٹینڈنگ ہو چکی ہے کہ وہ انعام علی کو تمام حالات سے باخبر کر چکی ہے۔ اسے گویا حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

''بہر حال آپ فکر مند نہ ہوں، مجھے کبھی انسانوں کے ذاتی معاملات میں مداخلت پسند نہیں رہی۔''

انہوں نے خوشگوار موڈ کا مظاہرہ کر کے گویا شکیلہ کا دل جیت لیا تھا۔

وہ جیسے بھائی کا کوئی نادیدہ سا بوجھ ہلکا کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اس کی سابقہ اطاعت اور سلیم فطرت نے آج یہ دن دکھایا تھا کہ انعام علی نے اس کا مان رکھا تھا۔ اس کی تو تڑپ یہ تھی کہ اس کا بھائی پرسکون ہو جائے۔

انعام علی نے کوٹ اتار کر شکیلہ کو تھمایا اور ٹائی کا حلقہ پھیلاتے ہوئے مسکرائے۔

''آج ڈنر شاندار ہونا چاہیے..... مہمان..... صرف مہمان ہی نہیں بلکہ مہمان خصوصی ہیں۔'' انہوں نے گویا شکیلہ کو تاکید کی۔

''کھانا..... آج میں کھانا باہر نہیں کھا سکتا۔ میرا مطلب ہے اپنی رہائش گاہ سے باہر، کیونکہ گھر پر کوئی میرا منتظر ہے۔''

شکیلہ جاتے جاتے ٹھٹک گئی۔

''یہ آپ کی زیادتی ہو گی احسن ہمارے ساتھ۔'' انعام علی نے خاصی سنجیدگی سے کہا۔

احسن نے انعام علی کو بغور دیکھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شائستگی بھی تھی..... صورت بھی..... شخصیت بھی..... کشش و وقار بھی۔ اس نے ان کی پیشانی پر پڑی افقی لکیر گہری نگاہ سے دیکھا۔ (میں یقین کرلوں کہ شکیلہ کے ساتھ زیادتی نہیں ہوئی)..... ''آپ میرا یقین کیجئے۔ میں بالکل کہہ رہا ہوں کوئی گھر پر میرا منتظر ہے۔''

''بھائی..... یہ کیسے ہوسکتا ہے.....؟'' شکیلہ اس کے نزدیک آئی۔

''میں وعدہ کرتا ہوں، جلد ہی آپ لوگوں کے ساتھ کھانا کھاؤں گا..... انشاء اللہ..... زندگی بخیر۔ رہائش گاہ نئی ہوئی ہے اس لئے فی الحال فون نہیں ہے۔ یہ میرا کارڈ ہے۔ اس پر آفس کا فون نمبر ہے۔ فون کرلیا کرو..... آتا جاتا رہوں گا۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے شکیلہ کو تسلی دی۔

''مگر ابھی تو آپ نے چائے تک نہیں پی۔'' شکیلہ آزردہ ہوئی۔

''اچھا۔ تم چائے لے آؤ۔'' اس نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر جیسے اس کا دل رکھا۔ اور فوراً باہر نکل گئی۔

انعام علی اس سے اس کے پیشے و مصروفیت کے بارے میں گفتگو کرنے لگے تھے اور احسن نے انہیں پڑھنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔

وہ از حد محتاط تھا..... کہ اب اس شخص کے ساتھ اس کی بہن کا مستقبل وابستہ تھا۔

وہ احسن کی لیاقت، ذہانت اور جدوجہد سے متاثر نظر آرہے تھے۔

''آپ بہت اوپر جائیں گے احسن..... سیلف میڈ کریٹڈ پرسن۔''

انعام علی کانٹی نینٹل قسم کے بزنس مین کی حیثیت اختیار کرچکے تھے۔ گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہوا تھا۔ بھانت بھانت کے انسانوں سے ملتے تھے۔

ان کا تجزیہ کوئی معنی رکھتا تھا۔

احسن کو جیسے توانائی کی تازہ کمک ملی۔

''شکریہ۔ میں اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے اچھی امید ہی رکھتا ہوں۔'' وہ انعام علی کی موجودگی میں پہلی بار ریلیکس کرمسکرایا۔

اس نے پھر غور سے انعام علی کو دیکھا..... اور ڈرائنگ روم میں نظریں دوڑانے لگا۔

(رویے اور لہجے.....

انسان کی زندگی پر کتنا طاقتور اثر ڈالتے ہیں۔

اباجی..... آپ کا رویہ یہ نہ ہوتا تو شاید یہ کام اچھے ماحول میں ہوجاتا.....؟)

(میں اپنی ماں کو کب تک نظر انداز ہوتا دیکھوں)

''خیریت.....؟ بڑی گہری سوچ ہے.....؟''

انعام علی کی آواز نے جیسے اسے چونکا دیا۔ اسی دم شکیلہ ملازمہ کے ہمراہ داخل ہوئی۔

''یہ چائے کے روپ میں تم مجھے ڈنر کرا رہی ہو.....؟''

احسن نے سجی ہوئی ٹرالی کو تشویش بھری نظروں سے دیکھا۔

''اکیلے ہیں آپ اس شہر میں..... پتا نہیں کب کھانا کھاتے ہوں گے، کب چائے ملتی ہوگی۔ اس پر اتنا ڈھیر سارا کام۔''

شکیلہ بڑی چاہ سے چائے بنانے لگی..... اور کچھ نہ کچھ لینے پر اصرار کرنے لگی۔

''یہاں سے گھر پہنچنے میں تیس منٹ ضرور لگ جائیں گے۔''

''گھر پر آپ کا کوئی دوست ہے.....؟'' شکیلہ نے دریافت کیا۔

''ہوں۔''

''کیا وہ اکیلے میں ڈرتے ہیں جو آپ جلدی کررہے ہیں؟'' وہ پھر گویا ہوئی۔

احسن نے ایک نظر انعام علی کی سمت دیکھا۔ پھر شکیلہ کی طرف متوجہ ہوکر مسکرادیا۔

''ہاں..... کچھ کچھ ڈرتا تو ہے بے چارہ۔''

''ارے.....!'' شکیلہ بچوں کی سی سادگی سے ہنس پڑی۔

''پھر وہ آپ کے دوست کیسے ہوئے.....؟ کیونکہ سنا ہے انسان جیسا خود ہوتا ہے۔ ویسا ہی دوست بناتا ہے۔''

''یونہی بہانے سے مجھے بتا رہی ہیں کہ ان کا بھائی بہت بہادر ہے۔'' انعام علی نے بھی بڑی احتیاط سے مذاق میں ٹال لیا۔

شکیلہ مسکرا پڑی۔

احسن اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی بے قرار نظریں پھر رسٹ واچ پر دوڑ پڑیں۔

''آپ بالکل اچھا نہیں کررہے احسن بھائی۔ میں نے تو ابھی جی بھر کر آپ سے باتیں بھی نہیں کیں۔'' وہ شاکی انداز میں بولی۔

''پھر ملیں گے انشاء اللہ!'' احسن نے دلاسا دیا۔

''بات یہ ہے کہ معاملہ آپ کے دوست کا ہے ورنہ ہم ہر قیمت پر آپ کو روکتے۔''

انعام علی بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

دونوں میاں بیوی اسے خدا حافظ کہنے اس کی گاڑی تک آئے۔

شکیلہ نے جیسے ترسی ہوئی نظروں سے اس کی دور ہوتی ہوئی گاڑی کو دیکھا تھا۔

اس نے پھوپھو کو محض اس لئے منع کیا تھا کہ مبادا شکیلہ پریشان ہوجائے یا اس کے لئے کوئی مسئلہ پیدا ہوجائے۔

وہ چاہتا تھا کہ پہلے وہ انعام علی سے مل کر حالات کا جائزہ لے پھر شکیلہ کو نئی تازی خبریں پہنچانے یا نہ پہنچانے کا فیصلہ کیا جائے۔

واقعی پھوپھو اور فیصل و فیضان نے وعدہ نبھایا تھا..... اور شکیلہ کو نہیں بتایا تھا کہ وہ شہوار کو گھر لا چکا ہے۔

ثمینہ نے عہد کی پابندی یوں بھی کی تھی کہ احسن پر اعتماد تھا کہ وہ کچھ سوچ کر ہی منع کررہا ہوگا۔ خاص طور پر انہیں شکیلہ کا بھی خیال تھا۔ واپسی پر احسن نے فیصلہ کرلیا تھا کہ آئندہ جب وہ جائے گا تو شہوار کو ساتھ لے کر جائے گا۔

اس وقت وہ بہت اسپیڈ سے گاڑی چلا رہا تھا۔

شہوار کی بزدلی کو مدنظر رکھتے ہوئے قسم قسم کے واہمے پریشان کرنے لگے تھے۔ گھر کا گیٹ سامنے آیا تو اس نے دم لیا۔

بیل بجا بجا کر اس کا انگوٹھا اکڑ گیا۔ مگر اندر کوئی ردعمل ظاہر ہی نہیں ہورہا تھا۔ یہ البتہ اس نے دور ہی سے دیکھ لیا تھا کہ

گھر کی تمام لائیٹس آن تھیں۔ تقریباً پانچ منٹ بعد کھٹر پٹر ہوئی..... گویا وہ اب آ رہی تھی۔

اتنی دیر اگر زندگی میں کوئی اور لگاتا (دروازہ کھولنے پر) تو شاید وہ طوفان کھڑا کر دیتا۔ مگر یہاں صورت حال تھی۔

"کون ہے.....؟" اس کی نرم سی آواز سماعت سے ٹکرائی جو کچھ لرز بھی رہی تھی۔ اب اسے ستانے کا موڈ بن گیا۔

وہ خاموش کھڑا رہا۔

"کون ہے؟" اس مرتبہ آواز کچھ بلند تھی۔

احسن چپ کھڑا رہا۔

بلکہ اب اس نے گیٹ پر انگلی سے دستک بھی دی۔

"احسن صاحب سو رہے ہیں....." غالباً وہ نووارد کو جتا رہی تھی کہ وہ گھر کے اندر اکیلی نہیں ہے۔

"وہ کھڑے کھڑے کیسے سو سکتے ہیں محترمہ.....؟" احسن نے نچلا ہونٹ دبا کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

کھٹ کھٹ..... کھٹاک..... گیٹ کھل گیا۔ اور وہ الٹے پاؤں اندر دوڑ گئی۔

احسن گاڑی اندر لایا..... گیٹ بند کیا۔ ایک ہاتھ میں بریف کیس پکڑے دوسرے سے ٹائی ڈھیلی کرتا ہوا اندر برآمدے میں داخل ہوا۔

وہ پھر جائے نماز نما چادر پر بیٹھی ہوئی ملی۔ چہرہ ہاتھوں سے ڈھانپ رکھا تھا۔ غالباً خاموشی سے آنسو بہائے جا رہی تھے۔

احسن کے دل کو کچھ ہوا..... مگر خود پر قابو پا کر بدستور شرارت بھرے لہجے میں گویا ہوا۔

"پیچھے زمین کا چھوٹا سا قطعہ بے کار پڑا ہے۔ خانقاہ بنوا دوں تمہارے لئے.....؟"

احسن اس کے نزدیک چلا آیا..... اس کی خاموشی اسے اب بہت محسوس ہوئی۔

"شہوار.....!" اس نے پکارا۔

اس کی سسکیاں تیز ہو گئیں۔

"شہوار.....!" احسن دوزانو بیٹھ گیا۔

شہوار نے زاویہ نہیں بدلا۔

احسن نے آہستگی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

شہوار نے نہایت تیزی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ "ہاتھ نہیں لگائیں مجھے۔"

"تمہارا تقدس مجروح ہوتا ہے ہاتھ لگانے سے تو نہیں لگاتا۔ لیکن یہ رونا دھونا کب تک.....؟"

"کیوں لائے ہیں آپ مجھے..... کس بات کا انتقام لے رہے ہیں؟ میں اس قید تنہائی میں پڑی سڑی رہوں؟ رات کو آ رہے ہیں۔ اور شاید روز نہ آئیں گے۔ اتنا ویران علاقہ جا ہے ڈر کے مارے میرا دل بند ہو جائے۔ کیا مل جائے گا آپ کو اس طرح.....؟"

وہ ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔

"یہ تمہاری دھاندلی کی سزا ہے۔ میں تمہیں چھوڑ آیا تھا۔ تمہیں موقع دیا تھا کہ اپنا حق استعمال کرو۔ گھر پہنچتے ہی تمہارے تیور بدل گئے..... اگر تم ہمت دکھاتیں تو اس قسم کے حالات کی نوبت ہی نہ آتی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرا خلق تھا۔ تم میری خاطر وہ لفظ منہ سے نہیں نکال سکتی تھیں.....

ہٹا جان سے مارنے کی دھمکیاں فون پر سنوانے لگیں۔ میں غیر طریقے سے ہار تو برداشت کر سکتا ہوں..... دھاندلی تم نے میرے جذبوں کو محض تماشا سمجھا۔ بزدلی کی بھی حد ہوتی ہے۔

پھر میں یہ سمجھوں کہ نکاح سے قبل کے تمہارے انداز محض دھوکا اور فریب تھے اور میری اور موت کا مسئلہ بن گئے۔

میں نے تمہیں بہت بھیانک ذلتوں اور ندامتوں کے احساس سے بچانے کی خاطر یہ سب کیا..... دھاندلی نہیں..... تم میرے جذبوں کو محض تماشا سمجھا۔ بزدلی کی بھی حد ہوتی ہے۔

پھر میں یہ سمجھوں کہ نکاح سے قبل کے تمہارے انداز محض دھوکا اور فریب تھے جو میری زندگی اور موت کا مسئلہ بن

میں نے تمہیں بہت بھیانک ذلتوں اور ندامتوں کے احساس سے بچانے کی خاطر یہ سب کیا..... اس لئے کہ میں نے جذبوں میں سچا تھا۔ تمہاری طرح ڈرامہ نہیں کر رہا تھا۔ تمہارا ٹھہرا مذاق..... کسی کی زندگی پر بن گئی۔

مذاق کرنے سے پہلے نہیں تو مذاق کرنے کے بعد ہی بتا دیا کرتے ہیں کہ یہ مذاق تھا۔ جو کچھ بزرگ کر رہے تھے اگر ان کی ٹھوس بنیاد ہوتی تو میں سب سے پہلے سر جھکا دیتا۔ مگر محض مفروضوں پر انسانوں سے کھیلا جا رہا تھا۔ میں نے حقیقت کا سامنا کرنے کا فیصلہ کیا کہ مجھے خود سے زیادہ تمہاری فکر تھی۔

مگر میں نے تمہیں غلط سمجھا..... تم وہ نہیں ہو۔ پچھتا رہا ہوں تم سے نکاح کر کے نہیں، تمہارے فریب میں آ کر۔"

شہوار کے آنسو تھم گئے تھے۔ وہ ساکت بیٹھی اسے شعلے اگلتے دیکھ رہی تھی۔ اس کے آنسوؤں کا الٹا اثر ہوا تھا۔

"تمہیں کس سے ڈر نہیں لگتا؟" وہ پھر شروع ہو گیا۔

"اندھیرے سے، تنہائی سے، والد صاحب کی چھینک سے۔ دادا نانا کے کھنکارنے سے محرم میں سڑک پر گزرنے والے ماتمی جلوسوں کی آوازوں سے لال بیگ سے چھپکلی سے۔ گاڑی کی تیز اسپیڈ سے۔ مسجد سے اچانک ہونے والے لاؤڈ اسپیکر کی اعلان کے آغاز سے۔ اچانک لائٹ چلے جانے سے..... الاں سے..... فلاں سے۔"

وہ بری طرح برس پڑا۔

شہوار کانپ کر کھڑی ہو گئی۔ بے شک وہ اس کی رگ رگ سے واقف تھا۔

"آپ اس طرح مت ڈانٹیں..... مجھے ڈر لگتا ہے....." اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"اوہ.....!" احسن سر تھام کر گرنے کے انداز میں کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ڈانٹ سے یا مجھ سے.....؟" وہ بے بسی سے پوچھ رہا تھا۔

"دونوں سے۔" وہ سہمے ہوئے انداز میں بولی۔

"ایسا کرو۔ کہیں سے مجھے کوئی پتھر لا دو۔"

"ممی کیوں.....؟" وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی..... جیسے حواس ساتھ چھوڑے ہوئے تھے۔

"اپنے سر میں ماروں گا..... یا الٰہی کہاں پھنسا ہوں....." وہ اٹھ کر باتھ روم میں بند ہو گیا تھا۔

چند منٹوں بعد کپڑے تبدیل کر کے باہر آ گیا۔

"جو کچھ ہے گھر میں گرم کرو۔ صرف تمہاری وجہ سے ایک پر تکلف ڈنر چھوڑ کر آ رہا ہوں۔ پتا تھا مجھے..... کہ خوف کھایا ہوا ہوگا۔ ڈر پیا جا رہا ہوگا۔ اور اس غذا سے پیٹ نہیں بھر سکتا۔" وہ نائٹ سوٹ کی شرٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے مخاطب تھا۔ وہ فوراً باہر نکل گئی تھی۔ ایک عجیب حالت بے بسی طاری تھی۔

کھانا لگا کر وہ اس کے خراب موڈ کے باعث ڈر کے مارے بغیر کہے ہی کھانے بیٹھ گئی تھی۔

''بات سنیں.....'' اس نے بڑی ہمت سے اس کی سمت دیکھا۔

''جو دل چاہے سناؤ..... بات یا صلوات.....'' وہ بیزار کن انداز میں گویا ہوا تھا۔

''میں امی کو فون کرنا چاہتی ہوں۔''

''اب وہاں کوئی تمہارا فون نہیں سنے گا''

''امی سن لیں گی۔'' نوالہ اس کے حلق میں اٹکنے لگا۔

''کوئی سننے دے گا تو سنیں گی۔'' وہ اطمینان سے بولا۔

''تم انہیں فون کرنا کیوں چاہتی ہو.....؟''

''میں انہیں اپنی بے گناہی کا یقین دلانا چاہتی ہوں۔'' وہ سادگی سے کہہ بیٹھی۔

''مجھے تم سے اس سے زیادہ کی امید بھی نہیں ہے..... حاصل حیات یہ ہے کہ میں نے فریب کھایا اور میں اکیلا رہ

''اگر..... زندگی میں تم نے مجھے اپنی وفا..... نام نہاد وفا کا یقین دلانے کو کوشش کی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوا

امتحان ختم..... تم پر کھی جا چکیں۔''

وہ کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا۔

شہوار دھلے لٹھے کی طرح سفید پڑ گئی۔

''احسن.....!'' اس نے جاتے ہوئے احسن کو آواز دی۔

وہ رک گیا۔

شہوار اس کے مقابل جا کھڑی ہوئی۔

''پلیز آپ کھانا کھائیں..... میں آپ کو سمجھا نہیں سکتی مجھ میں اتنی صلاحیت نہیں ہے۔''

''اب میں تمہارے کسی فریب میں آنے والا نہیں۔

نہ سادگی کے فریب میں، نہ معصومیت کے۔ نہ آنسوؤں کے۔ نہ اس بھولی صورت کے۔'' وہ دوسری سمت سے قدم بڑھانے لگا۔

''نہیں پلیز۔ آپ کھانا کھائیں۔''

''کھا چکا ہوں میں۔ ہٹو ایک طرف۔''

''آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔'' وہ پھر روہانسی ہوئی۔ ''احسن! میں نے آپ سے کسی بات لئے کبھی اصرار نہیں کیا۔ خدا کے لئے احسن مجھے سمجھنے کی کوشش کریں۔''

''آپ سے میرے تعلق کو چار دن ہوئے تو وفا کے مسئلے اٹھ کھڑے ہوئے' والدین سے تو میرا برسوں کا اور خو تعلق ہے۔ انہیں مجھ سے کیا امید کرنا چاہیے۔ بتائیے؟

''شہوار..... میں تمہیں محض ذاتی مطلب برآری کی خاطر بیاہ کر نہیں آیا ہوں۔ مجھے اصول و قوانین توڑ کر بازی کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے بھڑ کتے الاؤ میں چھلانگ لگائی ہے۔ میں جانتا ہوں۔ لیکن ان واقعات کا ظہور حالات میں ہوا۔ تمہارے دماغ میں یہ بات نہیں آتی۔

تم کمزور ہو..... میری دسترس میں ہو، اس لئے میں طاقت کے استعمال سے گریز کرتے ہوئے تمہارا بازو پکڑ کر ایک
یں کر رہا ہلکہ تمہاری بات مان رہا ہوں۔
لیکن یہ اپنے ذہن سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کھرچ دو کہ مجھے تم پر یا تمہارے خلوص پر اعتماد ہے۔
ب صرف بات نبھے گی۔
ہو سکتا ہے وہ بھی نہ نبھے..... تم نے مجھے دھوکا دیا۔ میرا تماشا بنایا..... اب اگر تم کہو تو میں تمہیں طلاق کے کاغذات کے
ہارے والدین کے پاس پہنچانے پر تیار ہوں..... اتنا بڑا اقدم تو میں نے تم پر بھروسے کی وجہ سے اٹھایا تھا۔ اب
بروسا ہی نہیں رہا اور میں ان سے یہ بھی کہنے کا حوصلہ رکھتا ہوں کہ میں غلط تھا۔ شہوار درست تھی..... اس لئے کہ مجھے
یں تھا کہ معصوم چہرے دھوکا بھی دیتے ہیں۔
اس کے لہجے میں شائستگی در آئی۔
''احسن!'' ایک دم شہوار اس کے بازو سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
''وہ سب طلاق کی باتیں کر رہے تھے، تو بھی میرے دل میں امید کی شمع روشن تھی کہ آپ ان کے لئے مشکلات کھڑی
یں گے۔ مگر ایسا نہیں کریں گے مجھے آپ پر اندھا بھروسا تھا..... کہ آپ کوئی نہ کوئی حل نکال لیں گے۔ میں نے آپ
یا کے بہت سے مردوں سے زیادہ خود اعتماد مضبوط سمجھا..... جیسے کوئی اوتار..... اس اندھے یقین کو اندھیرے میں شمع
رح جلایا۔ کہ احسن کبھی مجھے دھوکا نہیں دیں گے۔
کبھی مجھے چھوڑیں گے نہیں..... وہ کوئی حل نکالے بغیر دم نہیں لیں گے۔
دو مصائب کے طوفانوں میں کبھی مجھے اکیلا چھوڑ کر راستہ نہیں بدلیں گے..... مگر..... آج آپ نے میرا مان توڑ دیا۔
یہ اتنا ناپاک لفظ آپ کی زبان پر آیا تو کیوں.....؟
اس کا مطلب ہے کہ مجھ سے جدائی آپ کے لئے سانحہ نہیں ہو سکتی۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ تین مردوں کی جنگ
مجھے محض آلہ کار بنایا گیا۔ میرے نقصانات کا کسی کو بھی احساس نہیں ہے۔ کیا میں انسان نہیں ہوں.....؟
وہ بری طرح رو رو کر کہہ رہی تھی۔
احسن کو تو لینے کے دینے پڑ گئے تھے کیونکہ اب وہ بے ہوش ہو کر اس کے بازوؤں میں آ رہی تھی۔

مفیہ نے بارات وولیمے میں اس پر زور نہیں ڈالا تھا کہ وہ چلے۔
کیونکہ مہندی والے روز انہوں نے اسے بے حد چپ چپ دیکھا تو ان کا نرم دل تڑپ سا گیا تھا کہ ناحق زبردستی

بچے کڑھیں تو ماں کو سوا تکلیف ہوتی ہے۔
بچے خوش ہوں تو ماں ان سے زیادہ خوش ہوتی ہے۔
اور وہ تو ان کی بڑی خود اعتمادی بیٹی تھی..... حوصلے دینے والی۔ ہمت بڑھانے والی۔
ناموافقت کو برداشت کرنے والی۔
اس کو چپ و افسردہ دیکھ کر انہیں بے حد ملال ہوا تھا کہ خواہ مخواہ ڈانٹ بھی دیا اور زبردستی بھی کی۔ لہٰذا پھر انہوں نے
ساسوں کے حوالے سے نہ کوئی بات کی نہ کوئی چلنے کو کہا تھا۔ ابا جی کی بھی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ ہوتی تھی۔ بقول ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے۔

"لوگ شادیوں میں کھانا کھلاتے ہیں یا سحری کراتے ہیں۔ سسرے احسان کرتے ہیں بلا کر۔"

ان خیالات کی روشنی میں ظاہر ہے، وہ شادیوں میں جانا پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کا کھانا گھر پر تیار کرنا ضروری نائلہ کو یہ آڑ بہت تھی۔

لہذا نہ وہ گئی۔ نہ ڈسٹرب کر دینے والے واقعات مزید ہوئے۔

شادی کو بمشکل ہفتہ ہی گزرا تھا کہ روبی کی امی اپنی نند کے ہمراہ بہت اپنائیت کا مظاہرہ کرتی ان کے ہاں آئیں۔ صفیہ، احمر کا کرتا سی رہی تھی بلکہ آخری 'ٹچز' دے رہی تھیں۔ سی تو دن ہی میں لیا تھا۔ لڑکیاں اپنے اپنے معمو میں مگن تھیں۔

اباجی عشاء کی نماز پڑھنے گئے ہوئے تھے۔

صفیہ نے مسکرا کر پڑوسن کو خوش آمدید کہا۔ خیریت دریافت کی۔ صفیہ کو یہ خاتون اچھی لگی تھی۔ کچھ ضرورت سے ہی سیدھی سادھی تھیں۔

"گھر میں اتنے دن شادی کا ہنگامہ رہا۔ اب بیٹا بہو سیر کو گئے ہوئے ہیں۔ روبی ان کے ساتھ میری بہن کے چلی گئی۔ گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔"

"آپ نے اچھا کیا کہ چلی آئیں۔" صفیہ اخلاق سے گویا ہوئیں۔

"بچیاں..... سو گئیں کیا.....؟"

ارے نہیں۔ ابھی سے کہاں..... نماز وغیرہ پڑھ رہی ہوں گی۔"

اسی دم نبیلہ نے اندر آ کر مہمان خواتین کو سلام کیا۔

"جیتی رہو۔" دونوں خواتین کو سلام کیا۔

"جیتی رہو۔" دونوں خواتین نے دعا دی۔

"یہ بڑی سے چھوٹی ہے ناں؟ آپ نے بتایا بھی تھا شاید..... دراصل ہم اس گھر میں نئے نئے آئے ہیں جان پہچا ہوتے ہوتی ہے۔"

"جی..... جی ہاں..... یہ بڑی سے چھوٹی ہے۔"

"کیا نام بتایا تھا روبی نے۔" وہ آواز بلند سوچ رہی تھیں۔

"روبی نے.....؟؟؟" صفیہ حیران ہوئیں۔ "ویسے اس کا نام نبیلہ ہے۔ انہوں نے مشکل آسان کی۔

"بہت پیار ہے روبی کو آپ کی بچیوں سے۔ اب کیا گھما پھرا کر بات کروں۔ سیدھی بات ہے کہ ہم نبیلہ کو اپنی بیٹی چاہتے ہیں۔ سارا محلہ آپ کی بچیوں کی تعریف کرتا ہے۔ میرا بیٹا ہے، سرفراز نام ہے اس کا۔ آپ نے تو دیکھا ہی ہو گھر میں سب اسے رازی کہتے ہیں۔ باپ کے ساتھ بزنس کرتا ہے۔"

صفیہ حیرت آمیز خوشی کو چھپانے میں جیسے ناکام ہو رہی تھیں۔

دل ہی دل میں حیران بھی تھیں کہ بہت ساری تفصیلات کو نظر انداز کر کے وہ رشتہ مانگ رہی تھیں۔

(جب نبیلہ کا معاملہ طے ہو جائے گا تو یقیناً ڈاکٹر کا رشتہ نائلہ کے لئے اس کے اباجی منظور کر لیں گے۔ اف خدایا اتنی آسانی سے مسئلے حل ہوں گے خواب میں بھی نہ سوچا تھا) صفیہ کو اپنی خوش بختی کا جیسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

"آپ کی قدر افزائی ہے۔ مگر آپ تو جانتی ہیں کہ ان معاملات میں ہتھیلی پر سرسوں نہیں جمائی جا سکتی۔ میں نبیلہ کے ابا سے بات کروں گی۔ پھر نبیلہ کی پھوپھی بھی ہیں قطر میں۔ ان کی رائے بھی لینا ہو گی۔ آپ کو جواب کے لئے انتظار کرنا ہو گا۔"

صفیہ نے سلیقے سے انہیں سمجھایا۔

"ہاں..... ہاں..... کیوں نہیں..... آپ ہر طرح سے تسلی کریں۔ ہر زاویے سے سوچیں یہ آپ کا حق ہے۔ ہم من بھائی بچی کے لئے انتظار بھی کر لیں گے۔"

رازی کی امی نے بھی تسلی آمیز جواب دیا۔

"ارے بھئی نائلہ..... کہاں ہو..... اگر نماز سے فارغ ہو گئی ہو تو چائے وغیرہ لے آؤ بیٹا۔"

صفیہ نے نائلہ کو آواز دی۔

"اچھا امی۔!" نائلہ کی آواز آئی۔

نبیلہ چائے تیار کر چکی تھی۔ اباجی شام کو پھل لائے تھے۔ اس نے وہ بھی رکھ لئے اور احمر سے بسکٹ وغیرہ بھی منگوا لئے تھے۔

اس نے رازی کی امی کی بات سن لی تھی۔ بہت خوشگوار دھڑکنوں کے درمیان اس نے چائے کا اہتمام کیا تھا۔

نائلہ نے اس کے چہرے پر بکھرے رنگ دیکھے تو ذرا الجھی مگر کچھ سمجھی نہیں۔ بس تیار چائے لے کر کمرے میں چلی گئی۔

سیاہ چکن کی چادر میں سے اس کا بے ریا خوبصورت سا چہرہ جیسے شمع کی مانند روشن تھا۔

"بچیاں آپ کی سب پیاری ہیں۔ ماشاء اللہ۔" ہمسائی نے بڑے پیار سے، شفقت سے نائلہ کو دیکھا۔

"اللہ کا کرم ہے۔ بس اللہ ان کے نصیب اچھے کرے۔" صفیہ انکساری سے گویا ہوئیں، نائلہ نے چائے بنا بنا کر پیش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنا شروع کی۔

اس بات کا تو آپ اطمینان رکھیں کہ لڑکے کو کوئی لت نہیں ہے۔ سگریٹ البتہ میں نے سنا ہے، کبھی کبھار پی لیتا ہے مگر میرے سامنے کبھی نہیں پی۔ بس کام سے کام رکھتا ہے۔ گھر سے کبھی بلاوجہ باہر نہیں رہا۔ ماشاء اللہ اسی کی محنت سے ہمارا کاروبار پھیل رہا ہے۔

ہر ماں اپنے بچے کی تعریف کرتی ہی ہے مگر آپ یقین کریں، میں بالکل بھی مبالغہ نہیں کر رہی ہوں۔'' رازی کی نے جیسے یقین دلایا۔

صفیہ مسکرادیں۔'' اللہ مزید توفیق دے جو اپنی اماں کو راضی رکھنے میں کامیاب ہے۔ وہ یقیناً خوش بخت ہے۔''

نائلہ کے ہاتھ میں چمچہ کانپنے لگا۔

(یہ کیا ہو رہا ہے؟) اس کی ہستی اتھل پتھل ہونے لگی۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا وہ کوئی ناسمجھ بچی تو نہیں تھی۔

معاً اس کے ذہن میں کوندا سا لپکا۔ نبیلہ کے حیا آمیز انداز وہ تو مہمانوں کے لئے خود چائے لے کر جاتی ہے۔ اس نے نائلہ کو آواز دے کر بلایا اور چائے لے جانے کو کہا۔

وہ وحشت زدہ سی ہو کر باہر نکل آئی۔

وہ جیسے کسی نتیجے پر پہنچنا نہیں چاہتی تھی۔ خود فریبی اس وقت کی سب سے اہم ضرورت تھی۔

آہستہ آہستہ اس کے اعصاب جواب دے رہے تھے۔ رازی کی ایک ایک حرکت فلم کی طرح اس کے ذہن کے پردے پر چل رہی تھی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس واقعے کو کیا نام دے۔

رازی کی امی اور ان کی بہن واپس بھی چلی گئیں مگر وہ چھت پر ٹہلتی رہی۔ پلٹ پلٹ کر اس کی نظریں روبی کے گھر کا طواف کر رہی تھیں۔ اور کوئی سرا ہاتھ آ کر نہیں دے رہا تھا۔

یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیوں ہو رہا ہے؟ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

آخر کار وہ شل اعصاب کے ساتھ نیچے آ گئی۔

سامنے ابا جی پلنگ پر صحن کے بیچوں بیچ دراز تھے، پیڈسٹل فین فل اسپیڈ سے چل رہا تھا۔

نزدیک ہی صفیہ موڑھے پر بیٹھی ہوئی ان سے کچھ کہہ رہی تھیں۔

''ارے بالکل انجان لوگ ہیں۔ ہم ہر طرح سے اپنی تسلی کریں گے۔'' وہ بے نیازی سے گویا ہوئے۔

صفیہ جل کر رہ گئیں۔ اس بات کی تو خیر وہ خود بھی قائل تھیں۔ مگر جان یوں جلی تھی کہ شکیلہ کو تو جیسے انہوں نے رشتے داروں میں بیاہا تھا۔

''ظاہر ہے، وہ تو کریں گے ہی۔ مگر لوگ واقعی اچھے دکھائی دے رہے ہیں۔''

''مطلب کے وقت سب اچھے ہی بن کر ملا کرتے ہیں۔

خیر..... دیکھیں گے تو سہی۔ آگے اللہ مالک ہے۔'' شیخ صاحب نے خلاف توقع بہت پرسکون لہجے میں کہا۔

صفیہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ مبادا اگلی بات پر ''لہجہ'' ہی بدل جائے۔

نائلہ ایک مستقل سوچ کی کیفیت میں تھی۔ کچن میں جا کر خاموشی سے سمیٹا سمٹائی میں لگ گئی تھی۔

صفیہ..... خوشی سے نہال اس کے پاس چلی آئیں۔

''میں سمجھی تم سو گئیں۔''

''میں چھت پر تھی۔'' وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

اسے صدمہ نہیں تھا۔

اسے دکھ نہیں تھا۔

بلکہ وہ تو حیران و پریشان تھی کہ یہ تماشا کیا ہے؟

''ایک خوشخبری ہے تمہارے لئے۔'' صفیہ جیسے کسی کو خوشی میں شریک کرنے کے لئے بے چین تھیں۔

''سنایئے امی..... بہت دن ہو گئے کوئی خوشخبری نہیں سنی۔'' اس نے ایک جار کا ڈھکنا اچھی طرح جما کر بند کیا اور شیلف پر پہنچایا۔

''روبی کی امی نبیلہ کا رشتہ لے کر آئی تھیں۔ روبی کا چھوٹا بھائی تو تم نے شاید دیکھا ہو۔

بہت اچھا بچہ ہے۔ میں جتنے دن بھی ان کے ہاں تقریبات میں گئی بہت ہی آؤ بھگت کی اس نے بچھا جاتا تھا آگے، جان خالہ جان کہہ کر۔''

''اچھا..... نائلہ کے لبوں پر ایک تمسخرانہ مسکراہٹ لہر کی طرح ابھر کر معدوم ہو گئی۔

''ہاں بھئی..... مجھے تو وہ بچہ اپنے اخلاق کی وجہ سے بہت بھایا تھا۔ اس نیت سے بہرحال میں نہیں سوچا تھا۔ یہ سب رب کی بات ہوتی ہے۔

تمہارے ابا جی راضی ہو جائیں تو میں سوچ رہی ہوں کہ تمہارا معاملہ بھی انشاء اللہ طے ہو جائے گا۔ پھر تمہاری اور نبیلہ کی شادی ساتھ ہی کر دیں گے۔ راحیلہ اور بیلا کی ایک ساتھ ہو جائیں گی۔ انیلا کا بھی اللہ کوئی سبب پیدا کر دے گا۔

ارے اللہ بڑا مہربان ہے۔ یہ ہم انسان ہی جلد باز ہیں'' وہ خوشخبری سنا کر ہوائی قلعے بناتی واپس چلی گئیں۔

نائلہ نے کچن کی لائٹ بند کی اور واپس آ گئی۔

''اب تم سو جاؤ بیٹی! سارا دن ہو گیا ہے تمہیں کام کرتے۔'' صفیہ اسے تاکید کرتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

نائلہ کا لہجہ اور چال دونوں ہی میں محسوس کی جانے والی تبدیلی تھی۔

وہ اپنے اور بہنوں کے مشترکہ کمرے میں آئی تھی۔

زیرو پاور کے نیلے بلب کی روشنی سے کمرے میں پراسراریت سی چھائی ہوئی تھی۔

انیلا سینے پر کتاب الٹائے اپنے مخصوص بے فکرانہ انداز میں سو رہی تھی۔ نائلہ نے آہستگی سے کتاب اٹھا کر ٹھکانے پر رکھ دی۔

اسے چونکہ نیند نہیں آ رہی تھی اس لئے نگاہ خوامخواہ ہی ادھر ادھر بھٹک رہی تھی۔

بیلا اور راحیلہ غالباً ایک دوسری سے باتیں کرتے کرتے سوئی تھیں بالکل ایک دوسرے سے لگی سو رہی تھیں۔

اچھا خاصا کشادہ اور کھلا کمرا نو جوان لڑکیوں کی موجودگی سے بھرا بھرا لگ رہا تھا۔

معاً اس کی نظر نبیلہ پر پڑی۔ وہ بغور نائلہ کو دیکھ رہی تھی۔

مدھم سے روشنی میں بھی اس کا چہرا جیسے دمک رہا تھا۔ نائلہ نے ایک دم نظر چرالی۔

''کیا بات ہے نیند نہیں آ رہی؟''

''ہوں۔ سوچ رہی ہوں کچھ پڑھ لوں کالج میں ٹیسٹ شروع ہونے والے ہیں۔'' اسے فوراً معقول بات سوجھ گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آج خیر تو ہے، نیند کیوں نہیں آ رہی؟ تمہارا تو سونے والوں میں پہلا نمبر ہوتا ہے؟" نبیلہ کچھ حیران ہوئی۔

"کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے آپا!" وہ بے معنی انداز میں مسکرا دی۔

"چھوڑو..... پڑھائی..... جس کام کی تکمیل مشکوک ہو، اس پر کیا وقت صرف کرنا۔ ڈاکٹر صاحب تمہارے پڑھ چکے ہیں۔" نبیلہ کے لہجے میں ایک خوبصورت کھنک تھی۔

نائلہ بری طرح چونک پڑی۔ "ڈاکٹر صاحب!" وہ غائب دماغی کی کیفیت میں بتلا تھی۔

"ارے بھی۔ وہی آسٹریلیا کے اسپیشلسٹ۔" وہ سرگوشی کرتے ہوئے مسکرائی۔

نائلہ نے بغور نبیلہ کو دیکھا۔

امید کی شمعیں۔ بے وجہ بھی نہیں جلا کرتیں۔

لمحوں میں تصور کئی نوری سال طے کر چکا تھا۔ مستقبل جیسے کسی اور جہاں سے طلوع ہوا چاہتا تھا۔

اسے محبت نہیں ہوئی تھی۔

حتیٰ کہ ادراک بھی نہیں ہوا تھا۔

مگر اس کی جھیل جیسی زندگی میں کسی نے پتھر جو مارا تھا۔

اس کا ارتعاش تو معدوم نہیں ہوا تھا۔

پھر یہ نیا پتھر.....

ارتعاش تیز ہو گیا تھا۔

دو ارتعاش..... دو زاویے..... انداز۔

لہروں کے موضوعات الگ تھے۔ یعنی ان کے دو مختلف کناروں سے ان کا آغاز ہوا تھا مگر اب وہ یک جان تھیں۔

ارتعاش..... انتشار میں ڈھل چکا تھا۔

وہ کتاب اٹھا کر نبیلہ کی سمت پلٹی۔

"آپا! مفروضوں کے سبب سے تبدیلی لانا حماقت ہوتی ہے۔"

"کیا! یوسی ہے یہ؟" نبیلہ الجھی۔

"حقیقت پسندی....." وہ مختصراً گویا ہوئی۔

"خوشی ڈھونڈنے سے زیادہ بھی تو ضروری کام ہو سکتے ہیں آپا!" وہ تیزی سے باہر نکل آئی۔

جب دکھ نہ ہو.....

جب رنج نہ ہو.....

جب خوشی بھی نہ ہو.....

تو ایک ہی کیفیت باقی بچ رہتی ہے۔

اور وہ ہے۔ "حیرانی۔"

اور حیرانی۔ سرگردانی لاتی ہے۔ کتاب تو کسی صحرا کا استعارا تھی جس میں بھٹک بھٹک کر اسے کسی سرے کو ڈھونڈنا تھا۔

وہ ماں کے کمرے کی سمت چلی آئی۔

انگلی سے دستک دی۔

"کون.....؟"

"میں ہوں امی..... نائلہ۔"

"آ جاؤ....."

اس نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔

"امی! میرے ٹیسٹ ہونے والے ہیں۔ مجھے پڑھنا ہے۔ میں چھت پر بیٹھ کر پڑھ لوں؟"

اس نے اس لئے اجازت طلب کی تھی کہ مبادا رات گئے چھت پر جانے کو وہ مناسب نہ سمجھیں ابا جی کی طرح۔

"باہر والے کمرے میں بیٹھ کر پڑھ لو۔" صفیہ بھی غالباً شوہر کی وجہ سے ہچکچائیں۔

"وہاں بہت گھٹن محسوس ہوگی۔ پلیز امی۔"

صفیہ نے اس کا بے تاثر چہرہ دیکھا۔ پھر سوچ کر بولیں..... "اچھا!"

نائلہ پلٹ گئی..... صحن میں ابا جی کے خراٹے گونج رہے تھے۔ وہ دبے پاؤں زینے طے کرنے لگی کھلی چھت پر پہنچ کر نے گہرا سانس لیا۔

لائٹ اس نے پہلے ہی جلا دی تھی۔ بچھی ہوئی بان کی چارپائی پر وہ گرنے کے انداز میں لیٹ گئی۔

سر پر تاروں بھرا آسمان مسلا تھا۔ وہ تارا تارا ڈھونڈنے لگی۔

سامنے پڑوسیوں کی بند کھڑکیوں کے پار اس کا ذہن جا پہنچا تھا۔ اس شوخ کی ایک ایک ادا بجلی کے کوندے بن کر لپک رہی تھی۔

تمام تر سوچوں کے باوجود اس کی عقل کوئی سرا پکڑنے سے قاصر تھی۔ اس نے یہ سب کیوں کیا؟"

کیا اس لئے کہ میں نے اسے مایوس کیا؟ کیا وہ اپنی شکست کا انتقام لے رہا ہے؟ سر اٹھل گیا تھا۔

"اوہ..... تو یہ بات ہے۔" نائلہ نے گہرا سانس لیا۔ اب اسے نبیلہ پر ترس آ رہا تھا۔

اچانک اسے محسوس ہوا جیسے دو آنکھیں اسے گھور رہی ہوں۔

وہ آڑی ترچھی لیٹی ہوئی تھی۔ ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔

سامنے والوں کی بالکنی کی ٹیوب جلی ہوئی تھی۔ وہ گرل پر کہنیاں جمائے جھکا ہوا اسے دیکھ رہا تھا۔

نگاہ ملنے پر وہ بڑے دلفریب انداز میں مسکرایا تھا۔

مسکراہٹ میں بے تکلفی اور اپنائیت کا ملا جلا تاثر تھا۔

مسکراہٹ کی زبان میں بہت خوبصورت گفتگو تھی۔

نائلہ کا دماغ گھوم گیا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی کتاب زور سے پلنگ پر پٹخی اور جیسے بھاگ کر زینہ طے کرنے لگی۔

"خالہ!"

"میرے چاند....." وہ چھالیہ کترتے ہوئے نہال ہو کر گویا ہوئیں۔

"ایک خاتون ہیں اگر آپ ان کا رشتہ تلاش کر دیں گی تو اللہ میاں آپ کو بہت ثواب دیں گے۔"

"اے..... ہے۔ بتا تو سہی ہے کون؟" وہ مستعد ہو کر بیٹھ گئیں۔

"لڑکی نہیں ہیں۔ خاتون ہیں..... طلاق ہو گئی تھی بے چاری کو..... میاں اچھے نہیں نکلے بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ ناں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ پیاز کی بوری میں سے کچھ پیاز اچھے نہیں نکلتے۔ باغ میں اگنے والی ایک ہی پھل کا سائز ایک جیسا نہیں ہوتا۔"

"ارے آگے تو بول۔" خالہ بلال کے فلسفے سے عاجز آ گئیں۔

"وہی تو بول رہا ہوں۔ اسی طرح میاؤں کی بوری سے کوئی کوئی میاں خراب نکل آتا ہے۔ یہ میں آپ کو سچ بتا رہا ہوں تاکہ وہ بے قصور ثابت ہوں۔ ان کے میاں خراب نکلے بہت ظالم تھے۔ کھانے کو دیتے تھے۔"

"اے..... ہے ایسا شقی آدمی تھا۔" خالہ نے جی بھر کر تاسف کا اظہار کیا۔

"ایسا ویسا۔ اتنی خوبصورت ہیں کہ جب بیٹھی ہوئی ہوں تو لائٹ جلانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

"اچھا!" خالہ کا جذبہ شوق ہوا ہوا۔

"ارے عورت خوبصورت ہو تو اس کا رشتہ مل ہی جاتا ہے۔ چاہے وہ طلاق یافتہ ہی کیوں نہ ہو۔ لوگ دوسر بنا لیتے ہیں۔ گھر تو بس ہی جاتا ہے۔" خالہ نے مطمئن انداز میں کہا۔

"پیسہ ویسہ بھی کافی ہے۔"

"یہ تو اور بھی اچھا ہوا۔ کتنے لوگوں نے مجھ سے چپکے سے کہا ہے کہ وہ دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں چٹکی بجا کرا دوں گی شادی۔ بس تو ان سے ملا دے۔"

"گویا خفیہ شادی کرائیں گی؟" بلال نے قدرے ناراضگی سے پوچھا۔

"ارے جب شادی ہو جاتی ہے تو پھر خفیہ نہیں رہتی۔ خالہ نے سمجھایا۔

"عورت کو سوت برداشت کرنا ہی پڑ جاتی ہے۔ گلے پڑا ڈھول بجانا ہی پڑ جاتا ہے بیٹے!"

ان کے اطمینان کا وہی عالم تھا۔

"اچھا.....؟"

"اور کیا..... ارے تو ہرج کیا ہے۔ کسی کا بھلا ہی ہوتا ہے۔" انہوں نے انگلی کی پور پر چونا لگا کر چاٹا۔

"اچھا ہوا آپ نے میری مشکل آسان کر دی۔ اب میں آپ سے بلا جھجک ہر بات کر سکتا ہوں۔" بلال نے سانس لیا۔

"ہاں، ہاں کیوں نہیں..... میرا بیٹا ہے تو تو۔" انہوں نے لاڈ کیے۔

"تو پھر بات یہ ہے ایک بار ان خاتون نے ہمارے خالو جان یعنی آپ کے شوہر نامدار کو دیکھا تھا۔ ویسے وہ آ بھی جانتی ہیں۔"

خالہ جان پان چبانا بھول گئی تھیں۔ ہونق ہو کر بلال کو دیکھ رہی تھیں۔

"وہ خاتون مجھ سے کہنے لگیں کہ بلال! یہ خالہ تو خاصی بوڑھی ہیں۔ ان کے میاں ماشاء اللہ جوان نظر آتے ہیں۔ چاہتی ہوں کہ چلو، میں ہی انہیں کوئی خوشی دے دوں۔ خوبصورت تو ہیں ہی۔ ساتھ ہی نہایت شریف بھی ہیں۔ طلاق بعد میرا تو مردوں پر سے اعتبار ہی اٹھ گیا ہے۔" مگر خالو کی تعریف کرتے ہوئے کہنے لگیں۔ "اس شخص پر تو شرافت ہے۔"

خالہ کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔

"کیا ہانک رہا ہے لڑکے؟" ان کی برہمی قابل دید تھی۔

"درست ہانک رہا ہوں۔" بلال نے مسکراہٹ دبا کر اسی انداز میں جواب دیا۔

"کہاں دیکھا تھا اس بدذات نے تیرے خالو کو؟" وہ غصے سے کانپنے لگی تھیں۔

"خالو پارک میں سیر کرنے جاتے ہی ہیں، آپ کو پتا ہے۔"

"اچھی طرح پتا ہے اور یہ بھی پتا چل گیا کیوں جاتے ہیں۔ چھیلے بنے پھرتے ہیں۔ دھلے اجلے کپڑے میں دھودھو پہناؤں اور یہ دوسروں کو پرچاتے پھرتے ہیں۔ اگر تو نے اس کلموہی کا نام کبھی میرے سامنے لیا یا ذکر کیا تو مجھ سے برا ولی نہ ہوگا۔ میں کہے دے رہی ہوں۔ سنا تو نے؟" وہ بری طرح بگڑ کر بولیں۔

"بالکل سن لیا۔" وہ معصومیت سے بولا۔

"مگر خالہ یہ تو بڑے ثواب۔"

"ارے چپ کر..... سوت عذاب ہی ہوتی ہے۔ کوئی ثواب وواب نہیں اس راہ میں۔"

"مگر ابھی تو آپ کہہ رہی تھیں کہ گلے پڑا ڈھول بجانا ہی پڑتا ہے۔" وہ بڑی معصومیت سے کہہ رہا تھا۔

"ارے میں تو پھاڑ کر رکھ دوں ایسے ڈھول کو۔" وہ بگڑ کر بولیں۔

"اور دیکھ زیادہ بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ بدذات مجھے بوڑھی کہہ رہی ہے۔ غموں نے سر سفید کر دیا ہے۔ ورنہ ابھی عمر ہے میری۔ بس تو مجھے اس کا ٹھکانہ بتا دے۔ میں خود ہی نمٹ لوں گی۔"

"چھوڑیں خالہ۔ غلطی ہو گئی بے چاری سے۔"

"غلطی۔ ہونہہ۔ آج تیرے خالو سے تو بات کر کے رہوں گی۔ مجھے خرچہ دیتے وقت تو تاکید کرتے ہیں کہ یہی پیسے ہیں، اس سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔ دوسری کرنے کے چاؤ چڑھ رہے ہیں۔ وہ نامراد کیا گھاس کھاتیے۔ قصور بہرحال "ان" کا بھی ہے تیرا تو بڑا احسان ہے میرے بچے تو نے مجھے یہ سب بتا دیا۔"

"ارے نہیں خالہ..... احسان کیسا، یہ تو میرا فرض تھا۔" انکسار و شرم کا کامیاب مظاہرہ ہوا۔

"نام کیا ہے اس عذاب کا؟"

"چھوڑیں خالہ! کیا فائدہ معاف کر دیں بے چاری کو۔"

"معاف تو میں اچھی طرح کروں گی۔ خیر، میں تیرے خالو سے سب اگلوا لوں گی۔ تو فکر نہ کر۔"

"خالو بتا دیں گے؟" بلال نے تعجب سے پوچھا۔

"بتائیں گے؟ صرف پچھلا ہی نہیں بتائیں گے۔ بلکہ پیشگوئیاں کرنے لگیں گے۔" وہ دانت پیس کر بولیں۔

"بلال؟" منزہ نے اندر آ کر اپنا سر پیٹ لیا۔

"یہ شرارت نقصان دہ بھی ہو سکتی ہے۔ یہ بہت بڑا گناہ ہوتا ہے کہ میاں بیوی کے درمیان لڑائی کرائی جائے۔ خالہ آپ اس کی حرکتوں سے واقف ہیں۔ پھر بھی ہر بار یقین کر لیتی ہیں؟" منزہ نے جیسے زچ ہو کر کہا تھا۔

"ارے۔ مرد ذات ہے، باہر پھرتا ہے میں نے کہا۔ کیا خبر سچ ہی کہہ رہا ہو۔" خالہ ایک دم چونک کر حواسوں میں آ گئیں۔ بلال دبے پاؤں باہر نکل رہا تھا۔

"ٹھہر ذرا۔ بتاتی ہوں تجھ کو۔"

اسی دم کال بیل بجی تھی۔

"دھیان دوسری سمت منتقل ہو گیا۔" دیکھو بلال کون آیا ہے؟" منزہ نے بلال سے کہا اور خود ڈرائنگ روم میں جھاڑ

پوچھ کرنے لگی۔

"آپی! پاپا آئے ہیں۔" بلال کی سنجیدہ اور دھیمی آواز پردہ سماعت سے ٹکرائی۔

منزہ کو جیسے یقین نہ آیا۔ وہ مبہوت سی کھڑی باپ کو دیکھتی رہ گئی۔

"السلام علیکم پاپا!" وہ ان کے سینے سے لپٹنے کی خواہش دبا کر بہت تکلف سے گویا ہوئی۔

ان کا جواب سر کی جنبش کی صورت وصول ہوا۔

"ارے بیٹی! یہ تمہارے باپ ہیں۔ لو میں نے تو آج پہلی مرتبہ دیکھا ہے۔ السلام علیکم بھائی صاحب!"

خالہ سر پر دوپٹہ جما کر اور کچھ جھینپ کر بولیں۔

انعام علی نے ہاتھ میں پکڑا بریف کیس سینٹر ٹیبل پر رکھتے ہوئے خالہ کی سمت دیکھا پھر بلال سے گویا ہوئے۔

"کون ہیں یہ خاتون؟" ان کے انداز میں اس بلا کی سرد مہری تھی کہ خالہ بوکھلا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اچھا بیٹی میں چلتی ہوں۔" انہوں نے جھپاک سے اپنا برقعہ اٹھایا اور کسی کی طرف دیکھے بغیر باہر نکل گئیں۔

انعام علی ٹائی کا حلقہ پھیلاتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئے۔ منزہ ان کے قریب آ بیٹھی۔

"کیسے ہیں پاپا آپ؟"

"ٹھیک ہوں..... خاور کا فون دوبئی آیا؟" انہوں نے منزہ کی سمت دیکھا۔

"وہ تو آج کل پانی پر ہیں۔ میسج ملا تھا کہ خیریت سے ہیں۔"

"اور کوئی پرابلم؟" انہوں نے سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبائی اور لائٹر سے سلگانے لگے۔

"یا الٰہی خیر۔ آج پاپا "پرابلم" دریافت کرنے کیسے آ گئے؟" منزہ اندر ہی اندر ہول کر رہ گئی۔

"نہیں پاپا۔ سب ٹھیک ہے۔" وہ اداسی سے "ٹھیک" ہونے کی اطلاع دے رہی تھی۔

بلال ڈرائینگ روم سے غائب تھا۔

"تمہاری امی۔ نوشہرہ چلی گئیں؟" انعام علی نے سگریٹ کا گہرا کش لیا۔

"نہیں میرے پاس ہیں۔ میں ان کو جانے بھی نہیں دوں گی۔" منزہ نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔

"ان کی طبیعت یوں بھی ٹھیک نہیں رہتی۔ ہمارے علاوہ کون ہے ان کا جو ان کا خیال رکھے گا۔" منزہ کے لہجے میں اور شکائیت از خود در آئے تھے۔

"اچھی بات ہے۔ تم اپنے معاملات میں آزاد ہو۔ کہاں ہیں تمہاری امی؟"

منزہ نے حیران ہو کر باپ کی شکل دیکھی (خیریت؟)

"اندر بیڈ روم میں ہیں۔"

"سو رہی ہیں؟" وہ الجھے۔

"نہیں۔ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اس لئے آرام کر رہی ہیں۔" اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

انعام علی اٹھ کھڑے ہوئے۔ "مجھے تمہاری امی سے ضروری باتیں کرنا ہیں۔"

وہ قدم بڑھا کر گویا ہوئے تھے۔ منزہ ان کے پیچھے پیچھے چلی آئی تھی۔ کانپ کر رہ گئی تھی۔

ہائے اللہ۔ اب میری امی پر کون سے عذاب اتارنے آئے ہیں۔

کوئی نیا زخم۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نیا کچوکا۔

کوئی نیا ستم۔ وہ بے حد خوفزدہ سی نظر آنے لگی تھی۔

بلال بیڈ پر ماں کے برابر میں بیٹھا ہوا اخبار دیکھ رہا تھا۔ باپ کو آتے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے پاپا!" اس نے باپ کو کچھ جتانا چاہا۔

"معلوم ہے مجھے" انہوں نے خاصی تلخی سے کہا۔

نور بانو اٹھ کر بیٹھ گئی تھیں۔

"السلام علیکم!" وہ ان کی سمت دیکھے بغیر گویا ہوئی تھیں۔

"و..... السلام....." انعام علی نے جیسے عجلت میں بوجھ اتارا۔

منزہ نے بلال کو باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ اور خود بھی باہر نکل گئی۔

خاصی تگ و دو کے بعد وہ ہوش میں آئی تھی۔ پہلے تو اس نے گھر پر ہی اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی تھی۔ پھر جب نہیں بنی تو گاڑی میں ڈال کر نزدیکی ہاسپٹل میں لایا تھا۔

اسے ہوش آتا دیکھ کر اس نے سکون کا گہرا سانس لیا۔

شہوار نے سوئی سوئی آنکھوں سے احسن کی سمت دیکھا۔ سفید ملگجے شلوار قمیص میں ملبوس آنکھوں میں رت جگے کی لالی لئے وہ خاصا بکھرا ہوا لگ رہا تھا۔

شیو بڑھی ہوئی تھی عجب بے ترتیب حالت تھی۔

"ارے میں بچ گئی ہوں؟ آخر میرا دل بند کیوں نہیں ہو جاتا۔ کیا میرے اعصاب فولاد کے ہیں کہ برین ہیمرج بھی نہیں ہوتا؟" وہ منہ موڑ کر کہہ رہی تھی۔

"اور بھی خطرناک بیماریاں ہیں۔ دو تین کے نام اور لے لو۔ کہ مجھے یہ کیوں نہیں ہو جاتا مجھے وہ کیوں نہیں ہو جاتا۔"

وہ چڑ کر گویا ہوا تھا۔

وہ آنکھوں پر بازو رکھ کر خاموشی سے لیٹی رہی۔

وہ اٹھ کر ڈاکٹر سے جانے کی اجازت لینے چلا گیا۔

معمول کی کاروائی سے نمٹ کر وہ اس کے ہمراہ ہاسپٹل سے باہر آئی۔ جہاں احسن کی گاڑی کھڑی تھی۔

وہ آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی فرنٹ سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔ احسن دوسری طرف سے ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا تھا۔

خاصی دیر خاموشی سے گاڑی چلانے کے بعد اس نے شہوار پر اچٹتی ہوئی نظر ڈالی۔

"ڈاکٹر کہہ رہا تھا انہیں خوش رکھنے کی کوشش کیجیے۔ اب میرے لائق خدمت ہو تو بتایئے۔ احسن نے موڑ کاٹتے ہوئے دریافت کیا۔

"ابھی تو میں آپ کی خدمتوں ہی سے بہرہ مند ہو رہی ہوں۔" وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"شکریہ۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ کنویں میں ڈال رہا ہوں" وہ جواباً اسی انداز میں گویا ہوا۔

وہ کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی یہاں تک کہ گھر آ گیا۔ شہوار نے تیزی سے اپنی کار کا دروازہ کھولا اور اتر گئی۔

احسن نے اس کی یہ تبدیلی نوٹ کی۔ آج اس کے انداز میں ہچکچاہٹ یا تردد نہیں تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے گاڑی سے اتر کر گیٹ کھولا تو وہ بے تکلف انداز میں آگے بڑھ گئی۔

احسن جس وقت کمرے میں آیا تو وہ غسل..... میں مصروف ہو چکی تھی۔ وہ نوکرانی کو بلانے پڑوس کے گھر چلا گیا جب وہ نوکرانی سمیت گھر میں داخل ہوا تو وہ گیلے بال برآمدے میں کھڑی سکھا رہی تھی۔

"یہ خاتون اس گھر کی صفائی ستھرائی کریں گی۔ کیا آپ انہیں کام سمجھانا پسند فرمائیں گی۔ اس سے قبل جو محترمہ آتی تھیں، وہ جا چکی ہیں۔"

احسن یہ کہہ کر اندر بڑھ گیا۔

"آپ یہاں نئے آئے ہو؟" پٹھانی نے دلچسپی سے شہوار کو دیکھا۔

"ہوں۔" وہ ہوں کر کے رہ گئی۔

"نئی نئی شادی ہے؟"

شہوار خاموش رہی۔ وہ بالکل سادہ لباس میں تھی۔ اسے پٹھانی کا سوال چونکا گیا۔

"ماتھے پر لکھا ہے میرے؟" وہ پھیکی سی ہنسی ہنس کر پوچھنے لگی۔

"بال بچہ نہیں ہے ناں کوئی۔" پٹھانی نے وضاحت کی۔

شہوار نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔

(وہ جو کبھی دعائیں ہو سکتی تھیں اب میرے لئے بددعائیں ہیں۔)

"اچھا تم جا کر صفائی کرو۔" اس نے فوراً ٹالا۔ جب کر لوگی تو دیکھوں گی کہ کیسی صفائی کی ہے۔"

کچھ دوا اور انجکشن کا اثر۔ کچھ نیند پوری نہ ہونے کا سبب تھا اسے شدت سے خواہش ہوئی کہ وہ آنکھیں موند کر جائے۔ غسل کی وجہ سے غنودگی عود کر آ رہی تھی۔

نوکرانی صفائی کر رہی تھی اس لئے لاؤنج میں بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ احسن کی بیڈروم میں موجودگی اس لئے مشکل پھر کوئی تکرار، کوئی خطرناک صورت حال درپیش ہونے کا خطرہ تھا۔

بیڈروم میں آئی تو احسن بیڈ پر دراز غالباً سونے کے موڈ میں تھا۔

اندر داخل ہوتے ہوئے ایک لحظے کے لئے نگاہ ملی۔ وہ کترا کر وارڈ روب کی طرف بڑھی، ایک بیڈشیٹ نکال کر کارپٹ پر بچھائی اور احسن کے برابر سے تکیہ اٹھا کر اپنا بستر سیٹ کیا پنکھے کی اسپیڈ بڑھائی۔ اور اپنے عارضی بستر پر دراز ہو گئی۔

"وہ جو خاتون صفائی کے لئے آئی ہوئی ہیں۔ "صفایا" بھی کر سکتی ہیں۔ یہ بعید از امکان نہیں ہے۔ آج پہلا ہے۔"

"مجھے نہیں پتا۔ مجھے سخت نیند آ رہی ہے۔" وہ جیسے بگڑ کر بولی۔

احسن کو اس کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ وہ اس کے موجودہ احساسات سمجھنے سے قاصر تھا۔

وہ خود بھی رات بھر کا جاگا ہوا تھا۔ مگر سلیپر پاؤں میں ڈال کر ناچار باہر نکل گیا۔

ایک گھنٹے بعد جب ملازمہ چلی گئی تو وہ گیٹ بند کر کے نیند سے بے حال اپنے کمرے میں واپس آیا تو وہ ہاتھ پاؤں چھوڑے ہوئے بے سدھ سو رہی تھی۔

سونے کے انداز میں بلا کی لاپروائی تھی۔ نہ جانے کیوں وہ مسکرا دیا۔

پھر وہ اپنا اعتبار قائم رکھنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ شہوار کی بے نیازی اس کا ثبوت تھی۔

نور بانو نے انعام علی کی خاموشی محسوس کی اور ایک نگاہ ان پر ڈالی۔

"کیسی طبیعت ہے؟" وہ کچھ دیر بعد کھنکھار کر گویا ہوئے۔

"زندہ ہوں۔" وہ یاسیت سے گویا ہوئیں۔

"شکیلہ آئی تھیں یہاں؟" وہ پوچھ رہے تھے۔

نور بانو چونک پڑیں۔ آیا انہیں بتائیں یا نہیں کیونکہ شکیلہ نے خود کہا تھا کہ انعام علی کو بتائے بغیر آئی ہے۔

"ان کے آنے یا نہ آنے سے کیا فرق پڑتا ہے؟" انہوں نے جچا تلا جواب دیا۔

"وہ بہت نائس لیڈی ہے، مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں!" انعام علی نے بڑے اعتماد سے کہا۔

نور بانو نے کرب سے آنکھیں موند لیں۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے تھے۔ شکیلہ کو رفیقہ حیات بنے ہوئے اور انعام علی براجمان ہو رہے تھے۔

انہوں نے ایک عمر کشٹ کیا تھا۔ راستے پھر بھی بے نور تھے۔

"یقیناً یہ آپ کی خوش نصیبی ہے۔" وہ آہستگی سے گویا ہوئیں۔

"مگر بلال میرے لئے پرابلم کری ایٹ (مسائل پیدا کر) رہا ہے۔"

"میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔" وہ سرد آہ بھر کر بولیں۔

"تمہارا اس پر اثر ہے اگر مخلصانہ کوشش کرتیں۔" وہ چپ ہو گئے۔

ہر الزام کی طرح نور بانو نے یہ الزام بھی اپنے ظرف میں گم کر دیا۔

یقین دلانے کے سارے مرحلے طے ہو چکے۔ میں بے بس ہوں۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں گویا ہوئیں۔

"تم بے بس نہیں ہو۔ تمہارا بیٹا تمہاری طاقت بن رہا ہے۔" وہ خشک لہجے میں غرائے۔

"حالانکہ میں نے اسے کبھی انسانوں سے کھیلنے کی تربیت نہیں دی۔" نور بانو نے مستحکم لہجے میں وضاحت کی۔

"تمہارے خون سے اس کی پرداخت ہوئی ہے۔ خون کا اثر ہی تربیت کی بنیاد ہوتا ہے۔ وہ قدرے ناراضگی سے بولے۔

"بلال صرف میرا ہی بیٹا نہیں، وہ آپ کی بھی اولاد ہے۔" نور بانو نے یاسیت سے ان کا چہرہ دیکھا۔

"تم لوگوں کی وجہ سے شکیلہ ذہنی طور پر پریشان ہو سکتی ہیں اور میں یہ برداشت نہیں کر سکتا۔ جب کہ۔" وہ رک گئے۔

"جبکہ وہ پرکٹیکلی پیریڈ سے گزر رہی ہے۔" وہ نگاہ چرا کر بولے۔

"مبارک ہو آپ کو۔" وہ بے معنی انداز میں مسکرا دیں۔ انہیں وہ دن یاد آ گئے جب منزہ ہونے والی تھی۔ ان کی ساس پاؤں خوشی سے زمین پر ٹک نہیں رہے تھے۔ لیکن انعام علی نے ان سے کہا تھا۔

"تم مسئلہ ہو نور بانو۔ تمہارے وجود سے میرے لئے مسائل ہی جنم لیں گے۔"

"بلال سے کہو۔ وہ ہوش کی دوا کرے۔ ورنہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔" وہ گویا دھمکی دے رہے تھے۔

"میں اسے سمجھاؤں گی مگر خدارا اسے اپنے جیتے جی یتیم نہ کیجئے گا۔ وہ جیسے تڑپ کر بولیں۔

"کیا اس نے شکیلہ کو کچھ کہہ دیا ہے؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اسے کہو۔ وہ شکیلہ کی رسپیکٹ کرے۔ اور میری غیر موجودگی میں کبھی گھر نہ ٹھہرے۔" انہوں نے حکم دیا۔

"بہتر۔ میں اسے کہہ دوں گی۔ ان کا انداز ہمیشہ کی طرح مفاہمت آمیز تھا۔

"یاد رکھو، بلال کی وجہ سے جو کچھ بھی ہوگا میں اس کا ذمہ دار تمہیں سمجھوں گا۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور کوٹ کی میں کچھ ٹٹولنے لگے۔

پھر ایک چیک نکال کر نور بانو کی سمت بڑھایا۔

"یہ رکھ لو۔" ان کے انداز میں سرد مہری بدستور تھی۔

"منزہ کو دے دیجئے گا۔" وہ حسب سابق ہچکچائیں۔

"یہ تمہارا ہیڈک ہے۔" انہوں نے چیک بستر پر پھینک دیا۔

نور بانو نے اٹھا کر تکیے کے نیچے دبا دیا۔

"منزہ!" نور بانو نے آواز دی۔

جی امی!" وہ فوراً آموجود ہوئی جیسے کہ منتظر تھی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے ایک نظر ماں پر ڈالی تھی اور ایک باپ پر۔

"اپنے پاپا کے لئے چائے کافی وغیرہ لے کر آؤ بیٹے!" وہ تاکیدی انداز میں بولیں۔

"چائے یا کافی پاپا؟" اس نے آرام سے پوچھا۔ ساتھ ساتھ وہ ان کا چہرہ بھی پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"کافی۔ میں ڈرائنگ روم میں ہوں۔" انعام علی نے قدم بڑھائے۔

"امی بھی تو پئیں گی۔ اس کا مطلب تھا ماں، باپ دونوں ساتھ کافی پئیں۔

"ضرور پلاؤ..... اپنی امی کو بھی۔ میں نے تمہیں روکا تو نہیں ہے۔ وہ قدم بڑھاتے چلے گئے۔ منزہ نے ماں کی نہیں دیکھا۔ اور انعام علی کے پیچھے پیچھے خود بھی کمرے سے باہر چلی گئی۔

انعام علی ڈرائنگ روم میں پہنچے تو بلال بھانجے کو کارپٹ پر لٹائے اس سے شرارتیں کرنے میں مشغول تھا۔ اس نیچے ہی نیچے آتے ہوئے باپ کو دیکھا اور بھانجے کو گود میں اٹھا کر کھڑا ہوا اور اسے زور سے ہوا میں اچھالا

بے بی کدھر ہے؟" وہ نواسی کو پوچھ رہے تھے۔

"ہماری ملازمہ سودا سلف لینے جاتی ہے تو پرام میں بٹھا کر اسے بھی سیر کرا دیتی ہے۔ منزہ نے بلال کے بجائے جواب دیا۔ "میں اتنی دیر میں دوسرے کام کر لیتی ہوں۔"

"تم بچی کے لئے گورنس کیوں نہیں رکھ لیتیں؟" وہ تازہ اخبار اٹھا کر آرام سے بیٹھ گئے۔

"میرے پاس بہت ٹائم ہوتا ہے۔ اس کی ضرورت نہیں ہے پاپا۔" وہ جاتے جاتے پلٹ پڑی۔

"پاپا دوپہر کے کھانے میں آپ کے لئے کیا خاص چیز بناؤں؟" اس نے محبت سے پوچھا۔

"میں..... دوپہر کو کھانا نہیں کھاتا بیٹا۔ صرف فروٹ جوس لیتا ہوں۔"

منزہ نے تفصیلی نظر باپ پر ڈالی۔ کتنا خیال رکھنے لگے ہیں اپنا۔

"ماشاءاللہ۔" اس نے انعام علی کی قابل رشک صحت دیکھ کر دل ہی دل میں کہا۔

"ایپل جوس بنا لوں پاپا!"

انعام علی منع کرتے کرتے رک گئے۔ آخر وہ ان کی بیٹی تھی۔

منزہ بہت چاہ سے پوچھ رہی تھی۔ اور جواب طلب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"اچھا! اگر انار کا جوس ہو تو بہتر ہے۔ ورنہ جو تمہاری مرضی۔

منزہ کافی بنانے چلی گئی۔

کچن میں آئی تو نور بانو وہاں موجود تھیں۔

"کیا تمہارے پاپا چلے گئے؟ کافی نہیں پی؟"

"ابھی ہیں۔ میں نے روک لیا ہے۔ کہ آج لنچ ہمارے ساتھ کر لیں۔ مگر پاپا تو لنچ ترک کر چکے ہیں۔ صرف جوس پئیں گے۔" وہ ماں کی سمت دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

"امی۔ پاپا کیا کہہ رہے تھے آپ سے؟" وہ کریم پھینٹتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"کچھ نہیں۔" وہ برنر دھیما کرنے کے لئے اوون پر جھک گئیں۔

پھر سیدھی ہو کر اس کی سمت دیکھے بغیر گویا ہوئیں۔

"میرے تکیے کے نیچے چیک رکھا ہے۔ بلال کو دے دینا، وہ اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرا دے گا۔ اور اپنے پاپا سے کہو وہ آرام کر لیں۔ اور دیکھو کافی میں مٹھاس زیادہ نہ ہو۔"

منزہ کو رونا آ گیا۔

"اس کی امی ہمیشہ ہی سے ایسی تھیں۔ یوں ہی کرتی رہی تھیں۔ پاپا ناراض ہوں گے۔

اتنی خدمت گزاریوں کا انہیں جو صلہ مل رہا تھا۔ وہ ہمیشہ سے دیکھ رہی تھی۔

اس نے کافی تیار کی۔ پاپا کو پیش کی اور ماں کی تاکید کے سبب کہہ دیا کہ وہ آرام کر لیں۔

"میں دن میں بستر کے قریب بھی نہیں جاتا ہوں۔ ویٹ بڑھ جاتا ہے بیٹے۔"

بلال نے بڑے طنز سے مسکرا کر بہن کی جانب دیکھا۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ واقعی وہ اپنا بہت خیال رکھ رہے تھے۔ اس کے اثرات واضح تھے۔ ان کا پیٹ بھی نارمل تھا۔ اور چہرہ بھی چمکدار۔ ہاتھ پاؤں کی جلد بھی شفاف تھی۔ حالانکہ اس عمر میں تو جلد ڈھیلی پڑ جاتی ہے اور مسام کھلے ہوئے نظر آتے ہیں۔

بلال کب سے بیٹھا ہوا تھا مگر انعام علی نے اس کو ایک بار بھی مخاطب نہیں کیا تھا۔

منزہ کو یہ بات بہت محسوس ہو رہی تھی۔

"بلال! پاپا کو اپنی مارکس شیٹ تو دکھاؤ۔" آخر اس نے راستہ نکالا۔

"پاپا میری مارکس شیٹ دیکھنے نہیں آئے ہیں آپی!"

انعام علی نے کوئی تاثر نہیں دیا۔ وہ ہونٹوں میں سگریٹ دبائے اخبار کو اچھی طرح پھیلائے ہنوز مگن تھے۔

منزہ نے بلال کو گھورا تو وہ جھلا کر باہر ہی نکل گیا۔

انعام علی نے پھر بھی نظریں نہیں اٹھائیں۔

کیا پاپا کو بلال سے بالکل بھی محبت نہیں رہی؟ اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔

وہ ان کے قریب آ بیٹھی۔

"کتنے دن لگ جائیں گے۔ خاور کو واپسی میں؟ انہوں نے گردن موڑ کر منزہ کو دیکھا۔

"تقریباً تین ماہ مزید لگ جائیں گے۔" اس نے فارمل سے باپ کو فارمل سا جواب دیا اور ایک سکوت دونوں کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

درمیان پھر حائل ہو گیا تھا۔

شور کے معنی ہوں نہ ہوں۔

سکوت کے معنی البتہ ہوتے ہیں۔

غور کیا جائے تو سمجھ میں آ جاتے ہیں۔

اس نے دوپہر کو کھانا نہیں کھایا تھا رات کو بھی اس نے انکار کر دیا۔

حتیٰ کے احسن کے خراب موڈ کی بھی پرواہ نہیں کی تھی۔ وہ عجب الجھن میں پڑ گیا تھا۔

اس کے دل میں کیا ہے؟ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

کافی دیر ٹی وی کے سامنے غائب دماغی کی کیفیت میں بیٹھا رہا۔ پھر ایک دم کچھ سوچ کر اٹھا ٹی وی بند کیا اور اس کے قریب چلا آیا۔

"اٹھو!" وہ پرتحکم لہجے میں گویا ہوا۔

وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"چلو۔ تمہیں شکیلہ سے ملا لاؤں۔"

"ہائیں۔" وہ ایک دم اٹھ بیٹھی جیسے یقین نہ آ رہا ہو۔

اور چادر لپیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

احسن نے ایک سرسری نگاہ اس پر ڈالی اور رسٹ واچ کلائی میں ڈالنے لگا۔

"انسان کو مہینے میں ایک آدھ مرتبہ منہ دھو لینا چاہیے۔" وہ اس کے اجاڑ حلیے پر چوٹ کر رہا تھا۔

شہوار نے جیسے سنا ہی نہیں..... اور باہر نکل گئی۔

احسن نے گھر لاک کیا۔ گاڑی نکالی وہ پہلے ہی باہر نکل کر کھڑی ہو گئی تھی۔

وہ ڈرائیونگ کرتے ہوئے اڑتی پڑتی نگاہ اس پر ڈال لیتا تھا۔

"پروگرام کا ایجنڈا مرتب کر لیا یا نہیں؟" مونچھوں تلے اس کے لب مسکرا رہے تھے۔

شہوار نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں؟"

"جو بات سمجھ میں نہ آئے، اس کا جواب کیسے دیا جا سکتا ہے؟" رات تم نے مجھے خوش کر دیا۔ چلو کسی بہانے پتا تو چلا کہ محترمہ ہمارے بارے میں کیا خیالات رکھتی ہیں۔

"رکھتی تھی۔" وہ تیزی سے بات کاٹ کر برہمی سے گویا ہوئی۔

"خیر، چلو یہ بھی کم نہیں۔ ماضی ہی میں سہی۔ کبھی آپ کی نگاہ میں اہمیت رکھتے تو تھے۔" وہ ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے، پروگرام کا ایجنڈا کچھ اس طرح ہو گا۔ سب سے پہلے تو رونا دھونا ہو گا۔ پھر میری شکایات کا سلسلہ ہو گا۔ شاید درمیان میں پھر رونے دھونے کا آئٹم ہو گا۔ غالباً آخری آئٹم یہ ہو گا کہ شکیلہ سے دریافت کیا جائے گا۔ کہ اس کی شادی اچانک کیوں ہوئی؟ کسی کو خبر کیوں نہ ہوئی؟"

یہ باتیں آپ بھی بتا سکتے تھے۔ وہ ناراضگی سے بولی۔

ڈرائیو کرتے ہوئے خاصی دیر ہو گئی تھی۔ وہ کچھ بے چین ہوئی۔

"کہاں ہے شکیلہ کا گھر۔ اتنی دیر ہو گئی ابھی تک نہیں آیا؟"

"گھر خود چل کر گاڑی کے نزدیک نہیں آئے گا۔

حد سے زیادہ بدگمانی بھی ستم ہے۔ سب سے بڑا معرکہ تمہیں اپنے گھر لانا تھا۔ یہ سر ہو چکا اب تو ہر بات بہت معمولی اور چھوٹی ہے۔

میرا گھر ایک سرے پر اور شکیلہ کا دوسرے سرے پر ہے ظاہر ہے دیر تو لگے گی۔

کراچی جیسا وسیع شہر جس کے دو سروں کے درمیان دنیائیں آباد ہیں۔

مطمئن رہو۔ کوئی دھوکا نہیں ہو رہا تمہارے ساتھ۔

وہ اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔ احسن نے بھی اس کی طرف اچانک دیکھا تھا۔ نظر ملنے کا عمل ہوا تو اس کا دل بے اختیار دھڑک گیا۔ اس نے فوراً نظر چرا لی۔

"تم نے مجھ سے کبھی نگاہ نہیں ملائی۔ اتفاقاً دیکھا تو دیکھ لیا۔ نہ شادی سے پہلے نہ شادی کے بعد حالانکہ ہم دنیا کے مضبوط اور قریب ترین رشتے سے منسلک ہیں۔ کیا میری آنکھیں بہت بھیانک ہیں؟"

وہ احسن کی بیوی تھی۔ وہ اس کی بیوی تھی۔ وہ اس سے اس قسم کی گفتگو کرنے کا حق محفوظ رکھتا تھا۔

(تمہاری تو ساری تو نائیاں تمہاری آنکھوں میں سمٹ آتی ہیں۔ مجھ میں تاب نہیں)

وہ سر جھکائے سوچ رہی تھی۔

"اس میں بھی کوئی بھید ہے؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"ضرورت بھی کیا ہے۔" وہ رکھائی سے کہہ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"یہ تو اب میرا کام ہے کہ تمہیں آخری حد تک ضرورت مند بنا دوں۔ اور تمہاری ہر ضرورت کی تکمیل میرے ذریعے ہو۔

"ضروریات اللہ تعالیٰ پوری کرتا ہے۔" اسے غصہ آ گیا۔

"مگر اس نے مجازی خدا بھی بنائے ہیں۔" احسن کا قہقہہ بہت جاندار تھا۔

"چلیے جناب!" معاً اس نے گاڑی روکی۔

"یہ رہا گھر۔"

شہوار نے بے حد تعجب سے پرشکوہ سے گھر کی سمت دیکھا۔ نیم پلیٹ پڑھی۔

"انعام علی کون ہیں؟" وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔

"شکیلہ کا انعام ہیں۔" برجستہ جواب آیا۔

چوکیدار نے گیٹ وا کر دیا۔

"بیگم صاحبہ ہیں گھر پر؟" احسن نے چوکیدار سے دریافت کیا۔

"جی جناب۔" وہ مودبانہ گویا ہوا۔

دوسرے ملازم کے ذریعے پیغام بھجوایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسرے ملازم کے ذریعے پیغام بھجوایا۔

چند لمحوں کے بعد شکیلہ بے تاب انداز میں باہر آتی دکھائی دی۔ سنہری بارڈر والی سیاہ ساڑھی میں ملبوس تھی۔ جیسے ہو کر کہیں جا رہی ہو۔

وہ جتنی تیزی سے آگے بڑھی تھی اتنی تیزی سے ٹھٹک کر رک گئی۔

"احسن بھائی..... شہوار.....!" وہ خوشی اور حیرت سے بے حال ہوئی۔

"ڈبلی کیٹ ہے۔ شہوار کا۔ آج ہی فاؤنڈری سے باہر آیا ہے۔" وہ مسکرا دیا۔ وہ ایک دم شہوار سے لپٹ گئی۔

"اوہ میرے خدا! مجھے یقین نہیں آ رہا کہ احسن بھائی اور شہوار ساتھ ساتھ ہیں۔" وہ بے تحاشا خوش تھی۔

"فریب نظر ہے۔ دلی ہنوز دوراست۔" وہ چبھتے ہوئے انداز میں گویا ہوا۔

"فریب نظر کیسے ہو سکتا ہے۔ شہوار ایک حقیقت کی طرح موجود ہیں۔

وہ سادگی سے گویا ہوئی اور شہوار کا ہاتھ تھام کر اندر چلی۔ "آیئے بھائی!" وہ ڈرائینگ روم کے بجائے انہیں اپنے روم میں لائی تھی۔

شہوار شکیلہ کے بدلے انداز دیکھ کر بے حد حیران تھی۔ اس پر اس کا پرشکوہ انداز زندگی۔

وہ الجھ رہی تھی کہ وہ اس کی سگی خالہ زاد ہے۔ اتنا بڑا واقعہ ہو گیا اور انہیں خبر تک نہ ہوئی۔

"احسن بھائی! سچ سچ بتائیں، یہ سب کیسے ہو گیا؟ ابا جی کا فون آیا تھا انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کی کہ جس سے پتا چلتا۔" وہ رک کر دونوں کو غور سے دیکھنے لگی۔

شہوار جو اتنی دیر سے ضبط کیے بیٹھی تھی۔

دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر رونے لگی۔

احسن نے گہرا سانس لے کر خود کو کرسی پر گرا لیا اور چابی سائیڈ ٹیبل پر اچھال دی۔

"سنبھالو شکیلہ..... یہ پروگرام طویل بھی ہو سکتا ہے۔ اس کا اشارہ شہوار کے رونے دھونے کی سمت تھا۔

"اگر میں اتنا رو تا جتنا کہ یہ محترمہ آنسو بہاتی ہیں۔ میرے جسم میں تو پانی کی کمی واقع ہو جاتی۔

"تو پھر کچھ وجہ ہو گی ناں۔ ایسے تو کوئی نہیں روتا۔" شکیلہ نے سٹپٹاتی نظروں سے بھائی کی طرف دیکھا۔ اور شہوار کو ساتھ لگا لیا۔

"ہم دونوں اچھی دوست ہیں..... مند بھائی بعد میں ہیں۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ شہوار مجھے سب بتا دے گی۔

معاف کرنا..... بھائی آہستہ آہستہ ہی منہ پر چڑھے گا۔ خدا کے لئے کچھ بتاؤ ناں، کیوں رو رہی ہو۔ کیا احسن بھائی نے کچھ کہا ہے؟"

"انسان عادت سے بھی مجبور ہوتا ہے۔ رونا دھونا ان کی عادت ہے تم پریشان مت ہو۔" اس نے شکیلہ کو حواس باختہ دیکھ کر تسلی دی۔

"شکیلہ! ان سے کہو..... بس کریں۔" وہ روتے روتے جیسے احتجاج کر بیٹھی۔

"احسن بھائی پلیز....." شکیلہ نے بھائی کو منت سے دیکھا۔

"میں یہاں سے ٹل ہی جاتا ہوں۔ دل کی بھڑاس نکالنے میں آسانی ہو گی۔"

وہ باہر کی سمت بڑھا۔

"اف خدایا..... اتنی دبلی ہو رہی ہو۔ آنکھوں کے گرد حلقے پڑے ہوئے ہیں۔

"میں انہیں کھانے پینے کو نہیں دیتا۔ یہ حال ہونا تو قدرتی امر ہے۔" وہ قدرے ناراض انداز میں پلٹ کر گویا ہوا، اور باہر نکل گیا۔

اس کے جاتے ہی وہ شکیلہ کے کاندھے سے ٹک کر نئے سرے سے رونے لگی۔

"میرا دل گھبرا رہا ہے شہوار..... خدا کے لئے۔" شکیلہ واقعی بے حد پریشان تھی۔

شہوار نے بمشکل خود پر قابو پایا۔ خاموش ہو کر پلکیں جھپکنے لگی۔

"بتاؤ ناں..... تمہیں میری حالت کا اندازہ نہیں ہے شہوار؟"

"تمہاری رخصتی کب اور کیسے ہو گئی، جبکہ میں نے تو سنا تھا۔"

"کوئی نہیں ہوئی رخصتی..... احسن مجھے خود لے آئے ہیں۔" وہ بگڑے بگڑے لہجے میں بولی تھی۔

"ہائیں..... ایسے کس طرح بھائی تمہیں لے آئے؟" شکیلہ کے لئے یہ ناقابل یقین بات تھی۔

"ثبوت اور یقین کے لئے میری موجودگی کیا کافی نہیں ہے؟" وہ سرد مہری سے گویا ہوئی۔

"وہی تو میں پوچھ رہی ہوں۔ یہ سب اتنا آسان تو نہیں تھا۔" شکیلہ بری طرح الجھ گئی۔

"کیا تمہیں چپکے سے لے آئے؟"

(ایک مرتبہ چپکے سے بھی لے گئے تھے) اس نے سوچا مگر کہا نہیں، اور واقعہ کو گول کر گئی۔

"یونیفارم والے براتی لائے تھے اپنے ہمراہ۔ اس نے اختصار سے کام لیا۔

"پولیس! نہیں، نہیں..... شکیلہ کو یقین نہ آیا۔ وہ تو کبھی تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ خاندانی معاملات اتنی نازک حالت تک جائیں گے۔

"یہ تھانہ..... پولیس تو بڑی بے عزتی کی بات ہے۔" اسے جھرجھری آ گئی۔

"مگر دنیا کی کوئی طاقت تمہاری رضامندی کے بغیر اپنا اثر نہیں دکھا سکتی۔"

اس کے ذہن میں سوال ابھرا۔

اب احسن کا اولین اقدام بتانا ضروری ہو گیا تھا۔ تب ہی وہ خط لکھنے کے سلسلے میں بے قصور ثابت ہو سکتی تھی۔

اس نے سرگوشی کے انداز میں "فساد" کی ابتدا گوش گزار کی۔ اس میں مجبور ہو کر خط (بنام قانون) لکھنے کا بھی اقرار تھا۔

شکیلہ ساکت سی بیٹھی بہت غور سے ایک ایک لفظ سن رہی تھی۔

"لیکن ایک بات ہے شہوار..... تم کہو گی کہ اپنے بھائی کی سائیڈ لے رہی ہوں۔ جب احسن بھائی تمہیں واپس چھوڑ گئے تھے۔ تو تم خالہ جان سے بات کر سکتی تھیں۔ تم احسن بھائی کی منگیتر نہیں بیوی تھیں آخر۔

میں سمجھ رہی ہوں تمہاری کم ہمتی کی وجہ سے احسن بھائی کو یہ انتہائی قدم اٹھانا پڑا۔ اور نہیں تو..... کم از کم یہ تو کہہ سکتی تھی کہ تمہیں طلاق نہیں چاہئے۔ ساری عمر اسی طرح بیٹھنا منظور ہے۔ ظاہر ہے تمہاری مرضی کے بغیر خلع کی درخواست ہی مکمل ہوتی۔

"میں کہہ نہیں سکتی تھی۔ شکیلہ بات یہ ہے جب پاپا خلع کی درخواست اور دوسرے کاغذات تیار کر رہے تھے تو انہوں نے مجھے سنانے ہی کے لئے غالباً امی سے کہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اگر شہوار نے ہمارے فیصلے کے خلاف آواز نکالی تو میں خود اسے احسن کے دروازے پر چھوڑ کر آؤں گا۔ اس کی شکل نہیں دیکھوں گا۔

اب تم بتاؤ میں تو بزدل سی لڑکی ہوں۔ حالات کے چیلنج سے نمٹنے کا حوصلہ مجھ میں کہاں ہے۔ اس کی آواز بھر

"مگر..... ہو تو پھر بھی سب کچھ گیا۔" شکیلہ نے تاسف سے کہا۔

"سچ شکیلہ..... مجھے یہ احساس مار ڈالے گا، کہ میری وجہ سے میرے گھرانے کی انسلٹ ہوئی۔" اشک پھر

احسن بھائی بہت ذہین ہیں۔ انہوں نے خالو جان کے قطعی انداز کو بھانپ لیا ہوگا۔ ورنہ وہ صبر سے مزید لیتے، مگر کوئی انتہائی قدم نہ اٹھاتے..... اتنا مجھے یقین ہے کیونکہ ایک مرتبہ وہ امی سے کہہ رہے تھے کہ کم از کم نائلہ کے بعد ہی وہ تمہیں لائیں گے۔ وہ تین بہنوں کی رخصتی تک انتظار کرنے کے لئے آمادہ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بجائے نکاح کا مضبوط بندھن باندھنے کے حق میں تھے۔ اور تمہاری دادی کی خواہش پر فوراً تیار ہو گئے تھے۔

"مگر شکیلہ میری وجہ سے میرے گھرانے کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ سوچو تو سہی۔"

"انسان کے اپنے عمل ہی میں جزا و سزا چھپی ہوتی ہے۔" شکیلہ نے آڑے ترچھے انداز میں اسی کے گھرا

وار ٹھہرایا۔

"جی نہیں..... یہ سب رحیم خالو کی وجہ سے ہوا ہے۔ تمہیں کیا پتا وہ کتنے لمبے لمبے خط لکھتے تھے۔ احسن کے خلا

کبھی پپا کے نام کبھی امی کے نام..... یہاں تک کہ ایک دن میں نے سوچا کہ کیا وہ سگے باپ ہیں؟"

"مگر سردار خالو تو بھائی کو بچپن سے جانتے ہیں۔ تم لوگوں کے گھروں میں کھیلے ہیں وہ۔" شکیلہ مطمئن نہ ہوئی۔

"اب تم اسے میری قسمت کی خرابی کہہ لو۔ انہوں نے تحقیق کرائی تو پتا چلا کہ احسن نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گم دیا ہے۔ چپا کے نزدیک احسن کے بگڑنے اور بھٹکنے کا یہ واضح ثبوت تھا۔

وہ امی سے کہتے تھے۔

"دیکھا تم نے..... کتنا خود غرض اور غیر ذمہ دار ہے۔ باپ کا ہاتھ بٹانے کے بجائے مشکل وقت میں باپ کو چھوڑ دیا۔ کس قدر ناخلف نکلا۔

پھر وہ امی پر برسنے لگتے تھے کہ انہوں نے اس رشتے کی پرزور حمایت کیوں کی تھی۔ جب کہ امی میرا جھکاؤ دیکھ تھیں۔"

شکیلہ اس کی رازدار تھی۔ وہ اس سے ہمیشہ بلا جھجک ہر بات کرتی آئی تھی۔

اسی دم ملازمہ نے آ کر مداخلت کی۔

"بیگم صاحبہ! احسن صاحب کہہ رہے ہیں ان کی بیگم نے رات سے کچھ نہیں کھایا۔"

"شہوار.....!" شکیلہ نے اسے فہمائشی انداز میں گھورا۔ "کیوں اپنے آپ کو جیتے جی مار رہی ہو؟

کتنی بری بات ہے۔ اس بات سے احسن بھائی کس قدر پریشان ہوں گے۔ ٹھہرو..... میں کھانے کا انتظام ہوں۔ دیر نہیں لگے گی۔ مگر تم ایک کام کرو۔"

شہوار نے نظریں اٹھا کر سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"میرے میاں آتے ہوں گے۔ تم میری لگی بھابی ہو۔ پلیز اپنا حلیہ درست کر لو۔"

"میرا دل کچھ بھی کرنے کو نہیں چاہتا۔" وہ بیزار سے انداز میں گویا ہوئی۔

"میری خاطر۔ میری بات مان لو۔ پلیز شہوار..... وہ تمہیں اس حال میں دیکھ کر کیا سوچیں گے۔ اب دیکھو ناں ایک انہیں حقیقت نہیں بتا سکتے ناں۔"

"تم کہیں جا رہی تھیں؟" اس نے شکیلہ کے سراپے پر نظر ڈالی۔

"جا نہیں رہی تھی۔ آئی تھی۔ ساتھ والوں کے بچے کی برتھ ڈے تھی۔"

اس نے اپنا ایک نیا سوٹ نکال کر شہوار کے سامنے ڈال دیا۔

"نہیں کرو شکیلہ پلیز..... کپڑے میرے ٹھیک ہیں۔ میں ہلکا سا میک اپ کر لوں گی۔ بس....."

"یہ بالکل نیا ہے، کل ہی سل کر آیا ہے۔ اترن نہیں ہے۔"

"میرا یہ مطلب نہیں ہے۔" وہ جلدی سے بولی۔

"اب میں تمہارا دوسرا مطلب نہیں سنوں گی۔ پلیز اٹھو فٹافٹ..... شاباش۔"

وہ مجبور سی ہو گئی۔

کاہی سبز انتہائی نفیس اور سبک کپڑے سے تیار شدہ لباس تھا۔ خوبصورت تراش خراش تھی۔ اس پر بہت اٹھ رہا تھا۔

شکیلہ نے بہت چاہ سے اس کا ہیئر اسٹائل بنایا۔ سوسائٹی موو کرنے کی وجہ سے وہ ان چیزوں میں خاصی ایکسپرٹ ہو گئی تھی۔

چمک دار شاکنگ پنک لپ اسٹک لگائی..... تو شہوار نے فوراً اعتراض کیا۔

"یہ بہت تیز ہے۔"

"ارے چھوڑو..... کلر سبز کپڑوں پر بہت جچتا ہے۔"

صابن سے منہ دھو کر سر میں تیل ڈال کر چوٹی گوندھنے والی شکیلہ میں انقلابی تبدیلیاں آ چکی تھیں۔

"تم کتنی بدل گئی ہو شکیلہ!" وہ اپنی حیرانی چھپا نہ سکی۔

شکیلہ مسکرا دی..... "وقت بدل دیتا ہے۔ بلکہ بدل کر رکھ دیتا ہے۔"

اس کی ناک میں سونے کی خوبصورت لونگ ڈالی۔ کانوں سے رنگ اتار کر بڑی بڑی چاندی کی جھمکیاں پہنائیں۔

"اف..... کیا غضب ڈھا رہی ہو..... خالی پیٹ....." وہ بے اختیار اس سے لپٹ گئی۔ پھر الگ ہوتے ہوئے بولی۔

"ایک منٹ ٹھہرو..... میں کھانا لگواتی ہوں۔ انعام صاحب بس آنے ہی والے ہیں۔"

"تمہیں بہت محبت ہے انعام صاحب سے۔" وہ نہ جانے کیوں پوچھ بیٹھی۔

"ضمیر کا تقاضا ہے..... ویسے بھی وہ بہت اچھے ہیں۔" وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔

شہوار کمرے کی سجاوٹ و آرائش پر نگاہ دوڑانے لگی۔

معاً اس کی نظر فریم میں جڑی ایک تصویر پر رک گئی۔ جو بیڈ کے سرہانے لگی ہوئی تھی۔ تصویر کلر ڈ تھی۔ اس لیے چہرا تو گلابی نظر آ رہا تھا۔ وہ غور سے تصویر دیکھنے لگی۔ برابر ہی میں شکیلہ کی تصویر تھی۔ وہ پھر انعام علی کی تصویر غور سے دیکھنے لگی۔ یہ کوئی نوجوان تو نہیں ہے..... بہر حال شکیلہ کا ہم عمر بھی نہیں ہے۔ اس کے ذہن میں یہ خیال جم گیا۔ اسی لمحے شکیلہ اندر داخل ہوئی۔

"شکیلہ..... یہ..... کون ہیں؟" اس نے انعام علی کی تصویر کی سمت اشارہ کیا۔

"انعام صاحب کے بیڈ روم میں ان کے علاوہ کس کی تصویر ہو سکتی ہے؟" وہ مسکرائی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"واقعی....." وہ بے یقینی کے انداز میں بولی۔

"واقعی....." شکیلہ پھر مسکرائی..... "کیوں کیا! اچھے نہیں ہیں؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

شہوار نے پلٹ کر شکیلہ کا چہرہ بغور دیکھا..... اس کے چہرے پر کسی قسم کا کوئی منفی تاثر نہیں تھا۔

"نہیں..... بہت! اچھے ہیں....." وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی تھی..... "مگر....."

"مگر.....؟" شکیلہ کو تو معلوم تھا کہ اس کے ذہن میں کیا ہے..... مگر وہ مگر سے آگے جاننا چاہتی تھی۔

"کیا تمہاری اور ان کی عمر میں خاصا فرق نہیں ہے.....؟" بالآخر وہ کہہ بیٹھی۔

"ہاں..... ہے تو..... مگر انہیں اپنی بیوی کو خوش رکھنا اور مطمئن کرنا آتا ہے۔ وہ ایک کامیاب شوہر ہیں۔ میں خوش ہوں۔" وہ مسکرادی۔

"کس کی پسند سے ہوئی ہے یہ شادی.....؟" وہ گم صم سی تھی۔

"ہمارے ہاں فیصلے کرن کرتا ہے۔ تم لا علم نہیں ہو۔"

"گویا یہ خالو جان کی چوائس ہیں۔" شہوار نے گہرا سانس لیا۔ اب وہ بہت کچھ سمجھ رہی تھی۔ باہر سے باتوں کی آنے لگی تھی۔

"غالباً انعام صاحب آگئے ہیں..... آؤ....." شکیلہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"بھوک سے یقیناً تمہارا بُرا حال ہوگا..... کھانا بالکل تیار ہے..... پہلے انعام صاحب سے ملا دوں، پھر کھانا کھا۔" وہ اسے لے کر لاؤنج میں چلی آئی۔ جہاں انعام علی اور احسن گفتگو کر رہے تھے۔

احسن نے شہوار کو دلچسپی سے دیکھا۔ وہ ایک دم بدلی ہوئی نظر آنے لگی تھی۔

"السلام علیکم۔" شکیلہ نے حسب معمول سلام کیا۔ پھر شہوار نے بھی آگے بڑھ کر سلام کیا۔

وہ انعام علی کو بچوں کی سی حیرانی اور تجسس سے دیکھ رہی تھی۔

انعام علی نے ذرا چونک کر شہوار کی سمت دیکھا۔

"آپ انہیں بغیر تعارف کے بوجھ ہی نہیں سکتے۔" شکیلہ مسکرائی۔

"ایسا نہیں ہے۔ غالباً یہ احسن کی مسز ہیں۔"

"ہیں.....! شکیلہ حیران ہوئی پھر ایک دم ہنس پڑی۔" آپ کو احسن بھائی نے بتا دیا ہوگا۔"

"جی نہیں..... مجھے احسن نے تو نہیں بتایا۔ البتہ اُن کی آنکھوں نے بتایا ہے۔" وہ بہت پُروقار انداز میں مُسکرائے شہوار کو اس جملے پر ڈھیروں شرم آگئی..... وہ نادانستہ شکیلہ کی اوٹ میں ہوگئی۔

"انعام صاحب..... پلیز آپ چینج کرلیں..... ہماری اس مہمان کی بھوک ہڑتال ختم کرنا ہے۔" انعام علی اس بات سمجھے تو نہیں البتہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ چاروں کھانے کی میز پر تھے۔ تب انعام علی نے شکیلہ سے پوچھا تھا۔

"بھئی، آپ نے تو کبھی نہیں بتایا کہ احسن اپنی مسز کے ساتھ آباد ہو چکے ہیں۔ ہاں، یہ معلوم ہوا تھا کہ احسن صاحب "نکاح شدہ" ہیں۔"

"خاصی پُر پیچ اسٹوری ہے، آرام سے بتاؤں گی۔" وہ مسکرا کر گویا ہوئی۔ احسن نے اس کا اعتماد اور اطمینان محسوس کیا۔ جیسے اسے انعام علی سے کوئی خوف یا خطرہ نہ ہو..... جیسے انعام علی اس کے اثر میں ہوں۔

تب وہ شہوار کو زبردستی اصرار کر کے کھانے میں مصروف ہوگئی تھی۔

شہوار کو بے اختیار بار بار دیکھ رہا تھا..... اور سوچ رہا تھا۔

وہ خوش نظر ہے..... یا واقعی شہوار خوش رو اور خوش انداز ہے۔

عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت تھا۔ جب روبی اپنی ماں کے ہمراہ آئی۔

صفیہ سبزی کاٹ رہی تھیں، روبی اور اس کی امی کو دیکھ کر پُرتپاک انداز میں اٹھیں۔ بہت عزت سے انہیں بٹھایا خیریت دریافت کی۔

مگر انہوں نے نوٹ کیا کہ روبی بھی خلاف عادت سنجیدہ ہے اس کی ماں کے تاثرات بھی اس روز سے مختلف ہیں جس روز وہ رشتہ لائی تھیں۔

نبیلہ تو انہیں دیکھتے ہی کونے کھدرے میں گھس گئی۔ لیکن نائلہ انہیں سلام کر کے وہیں آس پاس کام میں مصروف تھی۔ انہوں نے تو روبی سے سلام کے علاوہ بات ہی نہیں کی..... اس کا دل رازی کے نام تک سے متنفر تھا۔ اس لیے متعلقین بھی معتوب تھے۔

تھوڑی دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے روبی کی امی آہستگی سے گویا ہوئیں۔

"بہن! ہم سے بہت بڑی بھول ہوگئی ہے۔ مگر آپ کی شرافت اور دھیمے پن سے حوصلہ ہوا ہے کہ اپنے دل کی بات کہہ سکیں۔"

"دراصل بہن! بات یہ ہے کہ ہمیں آپ کی بیٹی نائلہ سے رشتہ کرنا ہے..... میرے بچوں کی خواہش ہے۔ روبی نے کہا نا بڑی سے چھوٹی..... میرے دھیان میں نہیں رہا کہ آپ کی ایک بیٹی شادی شدہ ہے۔ ایک تو بچیوں سے زیادہ ملنا جلنا نہیں ہوا، اس لیے نام بھی اِدھر کے اُدھر مل جاتے ہیں۔ میں بہت شرمندہ ہوں، آپ سے معافی مانگنے کے لیے تیار ہوں۔ مجھے تو آپ کی سب بچیاں پیاری لگی ہیں۔ مگر بات یہ ہے کہ۔ برا نہ مانئے گا۔ نائلہ کے لیے میرے بیٹے نے کہا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روبی نے ماں کو ٹہوکا مار کر سرگوشی میں کچھ کہا۔ صفیہ گہری نظر سے بوکھلائی ہوئی۔ روبی کی امی کو دیکھ رہی تھیں۔ کوئی شک نہیں رہا تھا کہ روبی کی ماں بے حد سادہ عورت ہے، کہ روبی بیٹی ہو کر ماں کی رہنمائی کر رہی تھی۔

"معاف کیجیے گا بہن، میں نہ جانے کیا الٹا سیدھا بول گئی۔ میں دراصل کہہ رہی تھی کہ روبی نے تو دراصل لڑکیوں کے حساب سے بتایا تھا کہ بڑی سے چھوٹی..... میرے دھیان میں نہیں رہا..... میں سمجھی کہ آپ کی شادی سے چھوٹی....."

رازی کی امی اس اُلجھاؤ پر خاصی بدحواس ہو رہی تھیں، اس لیے کبھی کچھ اور کچھ کہہ رہی تھیں۔ ابھی انہوں نے تھا کہ میرے دھیان میں نہیں رہا کہ آپ کی بیٹی شادی شدہ ہے۔ اور ابھی ابھی وہ بیان بدل چکی تھیں۔

صفیہ ٹھنڈے مزاج کی سمجھدار خاتون تھیں۔ وہ روبی کی امی کی بدحواسی سمجھ رہی تھیں..... اور ان کی مجبوری بھی محسوس رہی تھیں۔

کیونکہ یہ کوئی آسان اور نظر انداز کر دینے والی بات نہیں ہوتی کہ کوئی کبھی کسی گھرانے کی لڑکی کا رشتہ مانگے پھر اس بات سے انحراف کر کے نیا پروپوزل پیش کر دے۔ اس بات پر تعلقات ہمیشہ کے لیے خراب ہونے کا پورا پورا خطرہ ہوتا ہے۔

صفیہ رازی کی امی کی پوزیشن اور اس کی نزاکت کو محسوس کرنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ را سیدھی سادی ماں، بچوں کی خواہش اور دباؤ کی وجہ سے ہتھیار ڈالنے پر منتشر ہیں، اس لیے وہ صبر و سکون سے سر جھکائے بات سنتی رہیں۔ "خدا کے لیے بہن آپ ناراض نہ ہو جائیے گا..... آپ بھی سمجھنے کی کوشش کریں..... وقت اور زمانہ رہا ہے۔ آج بچے اپنے فیصلے خود اعتمادی سے کرتے ہیں کیونکہ ہم ہی نے انہیں یہ آزادی کے راستے دکھائے ہیں۔

ہمارے خاندان میں بھی ماشاء اللہ لڑکیوں کی کمی نہیں..... بچے آزادی سے ملتے جلتے ہیں۔ کئی بچوں نے اپنی ماں باپ کو بتا کر شادیاں کی ہیں.....

میرے بیٹے نے نائلہ کے لیے کہا ہے..... میں آپ پر یہ بات کبھی ظاہر نہ کرتی مگر مجھ سے جو بھول چوک ہو گئی

ے مجھے آپ سے کھل کر بات کرنی پڑ رہی ہے۔ آپ بھی ماں ہیں، آپ سمجھ سکتی ہیں کہ ایک ماں کو اپنے بچوں ی خاطر کن کن راستوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

ید ہے کہ آپ مجھے معاف کر دیں گی۔" رازی کی ماں کا انداز بے حد عاجزانہ تھا۔ صفیہ جو گہری سوچ میں تھیں، ان زیر بے حد شرمندہ سی ہو گئیں۔

ے، آپ کمال کرتی ہیں۔" وہ چونک کر گویا ہوئی تھیں۔

ن کا بے ساختہ رویہ تھا..... وگرنہ ان کی اندرونی کیفیت اس سے مختلف نہ تھی۔ ان کے اندر طوفان برپا ہو چکا تھا۔

رہ کر نبیلہ کا خیال آ رہا تھا۔

ہو چ رہی تھیں کہ ڈاکٹر کا رشتہ بھی نائلہ کی سمت منتقل ہو گیا تھا اور اب پھر معاملہ نائلہ کی طرف پلٹ رہا تھا۔ اس کا اثر لیا ہو گا۔

ب سے بڑھ کر شیخ صاحب کا قطعی ردعمل انہیں بہت واضح محسوس ہو رہا تھا۔ وہ کچھ کچھ حیران بھی تھیں کہ نائلہ صرف ہ روبی کے ہاں گئی تھی جبکہ نبیلہ تین چار مرتبہ ان کے ساتھ جا چکی تھی۔ نائلہ کی صرف ایک جھلک اتنی قطعی تھی کہ لڑکا ن مرحلے میں آ گیا۔ جبکہ تقریب میں نائلہ کے علاوہ بے شمار لڑکیاں تھیں۔ جو خوبصورت بھی تھیں۔ اور اچھے ں کی بھی تھیں جبکہ نائلہ تو گئی بھی رو در کر تھی۔

ر کچھ کچھ نائلہ کے رویے کی طرف بھی متوجہ ہو رہی تھیں کہ وہ وہاں جانے سے کترا کیوں رہی تھی۔ کیا وہ صورت حال ے سمجھ چکی تھی مگر کس طرح؟۔

یہاں آ کر ان کے دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔

"میں آپ کے احساسات کو سمجھ رہی ہوں۔ یقین کیجیے، میں اتنی شرمندہ ہوں کہ آپ اندازہ نہیں لگا سکتیں۔" روبی کی نے اپنے طور پر ان کے احساسات کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی۔

میں آپ کو کسی بھی فیصلے سے آگاہ کرنے سے قاصر ہوں۔ یہ معاملہ نائلہ کے ابو کے سامنے جائے گا۔ پھر وہ جو فیصلہ ائے، اس کے سامنے ہم سب مجبور ہوں گے۔ میں آپ کو کسی بھی قسم کی خوش فہمی میں مبتلا کر کے کسی امتحان میں ڈالنا اہتی۔" صفیہ نے اِدھر اُدھر دیکھ کر آہستگی سے جواب دیا۔ آس پاس اس وقت کوئی لڑکی موجود نہیں تھی۔

مگر نائلہ کچن میں موجود تھی اور اس کے کان دونوں خواتین کی گفتگو کی طرف لگے ہوئے تھے۔

اس کے جذبات میں انقلاب سا برپا ہو رہا تھا۔

لاشعوری طور پر ایک سرخروئی کا احساس اس پر حاوی ہو رہا تھا۔

منہ بند کلی جیسی زندگی تھی۔

کسی کی توجہ و التفات کی شبنم قطرہ قطرہ اس کلی میں سرایت کر گئی تھی۔

اس لیے کہ شبنم کو گرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

کلی میں شبنم کے قطرے اتر رہے ہوں اور کلی کو احساس نہ ہو، نہایت فطری سی بات ہے۔

یہ تمام واقعہ بے ساختہ تھا..... بے ساختہ واقعات ہمیشہ سوچ کو موڑ دینے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

اس نے رازی کی توجہ کے لیے جتن نہیں کیے تھے۔

اس نے کسی التفات کیلئے کشٹ نہیں کیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دامن نہیں پھیلایا تھا۔

جو کچھ ہوا تھا..... از خود ہوا تھا.....

سوچ پر جو ویرانی چھائی تھی، اس کی وجہ محض اتنی تھی کہ.....

وہ واقعات جو..... فطری جذبات کے حق میں جا رہے تھے، ایک دم خلاف ہو گئے تھے۔

اب خواہ نبیلہ کا رشتہ رازی سے ہو بھی جاتا تو اسے مطلق دھچکا نہ لگتا.....

کیونکہ وہ ایک تو ہیں آمیز احساس سے آزاد ہو چکی تھی۔

اس کی ''دوشیزگی'' کا مان سلامت تھا۔

اس کے ''منتخب'' ہونے کا اعزاز برقرار تھا۔

اُس نے نہایت ہلکی پھلکی کیفیت میں چائے بنائی..... روبی کی ماں کا ایک جملہ اس کے جذبات میں ہلچل مچا رہا تھا۔

''نائلہ کے لیے میرے بیٹے نے کہا تھا.....''

''انتخاب'' کا اعزاز دینے والا اس کے وجود میں سرایت کرنے لگا تھا۔

اس کا جی چاہا..... روبی کی ماں جلدی سے چلی جائے اور اسے فی الفور تنہائی میسر آ جائے۔ پھر وہ آئینے کو دیکھے۔

اب سے پہلے اسے آئینے کی افادیت کا احساس نہیں ہوا تھا، زیادہ سے زیادہ یہ کہ آئینہ دیکھ کر مانگ سیدھی کی جائے۔

یا پھر یہ کہ کاجل احتیاط سے ڈالا جائے تاکہ پھیل نہ جائے اور دونوں آنکھوں میں ایک سا لگے۔

گھر کے لگے بندھے، آمرانہ قسم کے ماحول میں سوچ کی اڑان محدود ہی رہی تھی۔

وہ آئینے میں دیکھنا چاہتی تھی کہ اس میں ایسی کیا خاص بات ہے کہ وہ ''منتخب'' ہے۔

جبکہ وہ نبیلہ کو ہمیشہ سے خود سے زیادہ خوش شکل سمجھتی رہی تھی..... پھر وہ دونوں ایک ٹکسال کے ''سکے'' تھیں..... اچھی خاصی مشابہت تھی دونوں میں..... تھوڑا بہت فرق تھا..... نبیلہ کا قد بھی اس سے اونچا تھا۔

اور رنگ میں بھی گلابی پن تھا۔

اور وہ دن میں اس سے زیادہ مرتبہ ''چھت'' پر بھی رہتی ہے.....

اسے ''انتخاب'' کا سبب جاننے کا اشتیاق ہو رہا تھا.....

کس قدر بے خبری کی زندگی گزر رہی تھی..... شاید ایسے ہی کسی واقعے کے سبب شاعر بے ساختہ کہہ اُٹھا تھا۔

حُسن کو خود بیں و خود آرا کر دیا
کیا کیا میں نے اظہارِ تمنا کر دیا

اسے نہ جانے کیسے یہ شعر یاد آ گیا..... جبکہ اس سے پہلے تو اسے کوئی شعر یاد ہی نہیں آتا تھا اور وہ پورے ماحول سے بے نیاز ایک الوہی سی کیفیت میں گرفتار چائے لے کر باہر چلی آئی۔ وہ چائے خود اس لیے لائی تھی کہ کرنا چاہتی تھی، اس نے یہ گفتگو نہیں سُنی ہے اور وہ تمام صورتحال سے لاعلم ہے۔

کیونکہ اسے ماں سے جواب آ رہا تھا۔ اسے احساس تھا صفیہ اس کی سمت ضرور متوجہ ہوں گی۔

نیلی آپا، آپ بھی ہمارے ساتھ چائے پئیں۔'' روبی اسے دیکھ کر کھل اٹھی۔

نائلہ نے ماں کی سمت ٹرے رکھتے ہوئے یوں ہی دیکھ لیا تھا..... اور وہ ساری جان سے کانپ کر رہ گئی۔ اب تک تو وہ بے مطمئن تھی کہ اس سارے واقعے میں اس کا کوئی دوش یا کوئی شعوری حصہ نہیں تھا۔

صفیہ کی نگاہوں میں تنبیہہ تھی..... انہوں نے نگاہوں کے ذریعے اسے وہاں سے فوراً چلے جانے کا حکم دیا تھا۔

''میں ذرا کچن میں مصروف ہوں.....'' وہ زبردستی اور معذرت خواہ انداز میں مسکرائی۔ اس سے قبل کہ روبی یا اس کی کچھ کہتیں، وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

ماں کے انداز پر اس کا دل بُری طرح دھک دھک کر رہا تھا۔ وہ دوپٹے سے ہتھیلیوں کا پسینہ پونچھنے لگی تھی۔

''گوشت میں مسالا ڈال دیا نیلی.....؟'' نبیلہ اچانک کچن میں داخل ہو کر پوچھ رہی تھی۔

''ڈال رہی ہوں آپا.....'' وہ گڑبڑا کر مستعد ہو گئی۔

''چلو میں ڈال دوں گی، تم مہمانوں کے پاس جا کر بیٹھ جاؤ۔'' وہ سادگی سے کہہ کر جارا تارنے لگی۔

''امی ہیں ان کے پاس..... ہماری کیا ضرورت ہے؟'' وہ چھلا ہوا لہسن اور ادرک اٹھا کر پیسنے کے ارادے سے سِل کی سمت بڑھتے ہوئے سنبھل کر بولی۔

''مگر روبی بھی تو ہے۔'' نبیلہ ہچکچائی۔

''پھر کیا کریں؟'' وہ کچھ جھلا کر بولی تھی۔

نبیلہ ایک دم چُپ سی ہو گئی..... نائلہ کو یہ دھیان نہیں رہا کہ نبیلہ ابھی اصل واقعے سے لاعلم ہے اور وہ ان لوگوں سے خوش ہے..... اور اس کے خیال میں نائلہ کو بہن ہونے کے ناتے اس قسم کے خاص مہمانوں کے ساتھ خاص رویہ اپنانا چاہیے تھا۔ اب وہ اس لیے چپ ہو گئی تھی کہ مزید اصرار سے دل کی قلعی کھلتی سو جواب آڑے آ گیا۔ بہرحال اسے نائلہ کے طرزِ انداز پر تعجب ضرور تھا۔ نائلہ جیسی حساس اور ذمہ دار سی لڑکی کی یہ ''مجرمانہ'' غفلت تھی، نبیلہ کے نزدیک۔

مغرب کی اذان سے چند لمحے قبل روبی کچن کے دروازے ہی میں آ کھڑی ہوئی۔

''اچھا جی..... ہم جا رہے ہیں۔'' وہ مسکرا کر دونوں کو باری باری دیکھنے لگی۔

نبیلہ نے قدرے جھینپ کر اس کی سمت دیکھا۔ مدھم مسکراہٹ اس کے لبوں پر آئی۔

''اچھا..... خدا حافظ.....''

''خدا حافظ روبی.....'' نائلہ نے پیشانی سے لٹیں پیچھے کرتے ہوئے بہت نرمی اور ملائمت سے خدا حافظ کہا تھا۔ شاید پہلی بار روبی سے وہ اتنی نرماہٹ سے ہمکلام ہوئی تھی۔

''فی الحال تو آپ سے یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ ہمارے ہاں آیئے گا۔'' نبیلہ کی اس کی طرف پشت تھی، اور روبی نائلہ سے مخاطب تھی..... اپنی عمر کے حساب سے بہت نزاکتوں سے بے بہرہ تھی اور شرارت کے موڈ میں تھی۔

نبیلہ نے دھڑکتے دل کو قابو میں کیا۔ (مجھ سے نہیں..... مگر نائلہ سے تو کہہ سکتی ہو)۔ اس نے سوچا۔

مغرب کی اذانیں ہو رہی تھیں۔

نائلہ نے باہر آ کر اِدھر اُدھر دیکھا..... صفیہ برآمدے کے کونے میں لگے ہوئے بیسن کے سامنے کھڑی وضو کر رہی تھیں۔

نائلہ جھپاک سے باتھ روم میں گھس گئی۔

''ہائے اللہ..... امی اس وقت نہ جانے کیا سوچ رہی ہوں گی.....'' عجیب سے خدشات جاگنے لگے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شکیلہ نے شہوار کو روک لیا تھا۔

اُسے ڈھیروں باتیں شہوار سے کرنا تھیں۔ بہت سے راز و نیاز محفوظ تھے، وہ منتقل کرنا تھے۔

اس نے تو بھائی کو بھی بہت اصرار سے روکا تھا..... مگر وہ سمجھداری سے پہلو بچا گیا تھا..... ابھی وہ انعام علی ''مخالفت'' بھولا نہیں تھا جو اس نے بہت شدّ و مد سے کی تھی..... لہٰذا وہ انعام علی کی محل سرا میں قیام کے بارے میں بھی پسند نہ کرتا تھا۔

اس گھر میں اس کی حقیقی بہن تھی۔ وہ قدرتی جذبوں کے سامنے بے بس تھا..... اسے سے ملنا اس کی ''پیدائشی مجبوری'' تھی۔

وہ تو شہوار کو بھی وہاں چھوڑنے کے حق میں نہیں تھا مگر شہوار کی نیت دیکھتے ہوئے اس نے یہ ناگواری برداشت کر لی تھی۔

شکیلہ کے تو پاؤں خوشی کے مارے زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ اس کی مدارات میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی تھی زمانے بھر کی باتیں کی تھیں پھر بھی عجیب سی تشنگی باقی تھی۔

اگلے روز وہ اسے سیر کرانے بھی لے گئی۔ ڈرائیور ہمراہ تھا۔ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر نئے جہانوں میں گم ہو گئیں۔ سیر سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں تھی..... اصل مقصد تو ایک دوسرے کی قربت تھا۔ دونوں ہی ایک بے یقینی کی کیفیت سے دوچار تھیں۔

شکیلہ الگ سب سے کٹی ہوئی تھی.....

اور شہوار علیحدہ سب سے دُور تھی..... تمام قریبی رشتوں سے..... متعلقین سے.....

شہوار نے اپنی ساری افتاد و بلا اس کے گوش گزار کر دی تھی.....

شکیلہ نے اپنی زندگی میں آنے والی تبدیلی کے اسباب سے اس کو حرف حرف آگاہ کر دیا تھا۔

یہ ملاقات دونوں کے لیے کسی نعمت سے کم نہیں تھی۔

دل کی بھڑاس نکلی تو طبیعتیں بھی ہلکی ہو گئیں۔

لیکن شہوار کے دل میں ایک خلش بدستور موجود تھی کہ شکیلہ نے اپنے بھائی کی زیادتی کے خلاف کوئی آواز نہیں اُٹھائی۔

جبکہ وہ خود رشتے داروں سے دُور رہی اپنے گھرانے سے منسلک ہے..... میکہ تو آباد ہے۔

حالانکہ شکیلہ نے اسے بتایا تھا کہ وہ تنہائی کا شکار ہے..... اس کا دل چاہتا ہے کہ اس کی بہنیں یا امی اس کے پاس رہنے کے لیے آئیں اور احمر کے لیے تو اس کا دل تڑپتا ہے مگر ابا جی پتا نہیں کن مصلحتوں کی خاطر سب کو دُور دُور رکھے ہوئے ہیں۔

شکیلہ نے بتایا تھا کہ انعام علی کو اس کا جلدی جلدی میکے جانا پسند نہیں اور ابا جی شادی کے بعد صرف ایک مرتبہ آئے بھی آدھ گھنٹہ کے لیے اور وہ صرف دو مرتبہ گئی.....

شاید اس نے یہ تفصیل اس لیے بھی شہوار کو بتائی تھی تاکہ شہوار کو یہ جان کر تقویت پہنچے کہ وہ بھی کم و بیش اسی طرح کے حالات سے دوچار ہے۔

جس جب دوسرے دن بھی لینے نہ آیا تو شہوار کا دل کانپنے لگا کہ خدا معلوم اب کون سا امتحان درپیش ہے..... اس پر یہ تھا کہ ان دو دنوں میں اس کا فون بھی نہیں آیا تھا۔

انعام علی آج کہیں ڈنر پر مدعو تھے..... اس لیے وہ دونوں ہی کھانے پر موجود تھیں۔

شکیلہ اس سے باتیں کر رہی تھی مگر وہ غائب دماغی کی کیفیت میں مبتلا تھی۔

''کہاں گم ہو؟'' شکیلہ نے اس کی غیر حاضر دماغی کو بھانپ لیا تھا۔

''آج تیسری رات ہو گئی.....'' اس کے منہ سے اچانک بلا ارادہ نکل گیا۔

شکیلہ کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

شہوار اس معنی خیز قہقہے کی وجہ سے بُری طرح جھینپ گئی۔ ظاہر ہے، دونوں ایک دوسرے کی دوست اور ایک دوسرے کی رگوں سے خوب واقف تھیں۔

''ارے..... اللہ..... یہ تم بولیں؟.....'' شکیلہ بدستور ہنس رہی تھی۔

''میرا مطلب ہے.....'' اسے شکیلہ کے شریر سے قہقہے پر رونا سا آ گیا۔

''دیکھو ناں..... بن بلائے مہمان کوئی اس طرح تھوڑا ہی ٹھہرا کرتے ہیں.....'' اس نے بہر حال اپنی بات مکمل کی۔

''بھئی میں مطلب وطلب بالکل نہیں پوچھ رہی..... بات گھمانے پھرانے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں.....'' شکیلہ کو ستانے میں بہت لطف آ رہا تھا۔

''یقین کرو.....'' وہ منت سے کچھ کہنے لگی۔

''چلو یقین کر لیا.....'' شکیلہ نے بات کاٹ دی تھی۔ ''اور تم سے کس ستم گر نے کہا کہ تم مہمان ہو..... ہم تمہیں اپنائیت کے مقام کی انتہا پر لا رہے ہیں اور تم ہو کہ خود کو مہمان سمجھنے پر اڑ گئی ہو.....''

اسی وقت ملازمہ اندر داخل ہوئی۔

''بی بی..... احسن صاحب آئے ہیں.....'' روئے سخن شکیلہ کی طرف تھا۔

شہوار کا دل بڑے زور سے دھڑکا.....

ایک نئے طرز کی دھڑکن سے آشنائی ہوئی.....

ہر دھڑکن جیسے برقی رو بن کر اس کے وجود میں سرائیت کر گئی۔ اس نے بے ساختہ اپنا ہاتھ سینے پر رکھ لیا تھا۔

ہر واہمہ، ہر خدشہ جیسے جادو کے زور سے ہوا ہو گیا تھا۔

اعصاب شکن تناؤ سے نجات کے بعد طبیعت کس طرح بحال ہوتی ہے، یہ نیا تجربہ بھی زندگی کی کتاب میں رقم ہو گیا تھا۔

اگرچہ وہ اس سے ناراض تھی.....

شاکی تھی.....

برگشتہ تھی.....

مگر.....

جائے پناہ بھی تو وہی آخری تھی.....

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مسلسل اعصاب شکن واقعات و حالات نے اسے حد درجہ بزدل بنا دیا تھا۔ ہلکی سی تبدیلی کے آثار تک سے ہولنے لگتا تھا۔

والدین سے دوری کے مرحلے ابھی طے نہیں تھے۔ احسن کی دو دن کی بے خبری اسے خواہ مخواہ ہی سہما رہی تھی۔

"یہیں لے آؤ....." شکیلہ نے ملازمہ سے کہا تھا۔

چند لمحات کے وقفے کے بعد بھاری سی چاپ ڈائننگ ہال میں سنائی دی۔ شہوار کے ہاتھ میں نوالہ تھا..... سر جھکا تھا..... مگر شکیلہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھی۔

"السلام علیکم بھائی....."

"وعلیکم السلام....." احسن کا لہجہ نارمل نہیں تھا..... شہوار بے دیکھے ہی اس میں "اُتر" سکتی تھی۔ لہٰذا اسے نگاہ اٹھا کر دیکھنا ہی پڑا۔ وہ تبدیلی کا سبب آنکھ سے دیکھنا چاہتی تھی۔ آواز سے تو وہ تبدیلی انداز محسوس کر چکی تھی۔

سیاہ شلوار سوٹ..... سیاہ رنگ بھی سیاہی کی انتہاؤں کو چھوتا ہوا..... بڑھی ہوئی شیو..... سرخ آنکھیں..... بیزار سا انداز.....

"کیا ہوا بھائی؟..... آپ کی طبیعت؟"

"پرسوں سے بخار میں پڑا ہوا ہوں۔"

سارا بد دعاؤں کا اثر ہے....." نکھری نکھری سی شہوار پر نگاہ پڑی تو مزاج میں از حد خوشگوار سی تبدیلی آ گئی۔

شہوار نے نگاہ اٹھا کر نہ دی.....

"ہائے اللہ..... آپ پرسوں سے بخار میں جل رہے ہیں؟....." شکیلہ تڑپ کر رہ گئی۔ اس کو وہ وقت بھی یاد تھا جب معمولی سی حرارت پر ماں سے لے کر سب بہنیں اس کی تیمارداری میں جت جاتی تھیں۔

ساری زندگی اسی طرح گزری تھی کہ ہر چیز کہنے سے پہلے تیار ملی تھی۔

شکیلہ رو پڑی.....

"میری وجہ سے میرا بھائی کتنی تکلیف میں ہے..... گھر کی عذاب ناک تنہائی اور بیماری..... پھر کوئی پوچھنے والا بھی نہیں۔"

"ارے..... یہ رونا کس خوشی میں بھئی؟....." وہ واقعی سمجھ نہیں پایا۔

جب ہی حیرانی سے پوچھ رہا تھا.....

شکیلہ کرسی چھوڑ کر اس کی کرسی کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

دوپٹے سے آنکھیں پونچھیں اور احسن کی کلائی تھام لی.....

"اُف..... ابھی تک بخار ہے..... دوا نہیں لی....."

"لی تھی بھئی..... اتنے سے بخار پر یہ رونا دھونا زندہ ہوں بھئی....." وہ شکیلہ کا شانہ تھپتھپا کر مسکرایا۔

احسن بھائی....." شکیلہ نے ناراضگی سے اسے دیکھا۔ "اچھی باتیں منہ سے نکالنے پر بھی جیب سے کچھ نہیں جاتا۔"

"امی کو پتا چلے ناں کہ آپ بیمار اور تنہا ہے، ان کا تو دل ہی پھٹ جائے۔"

"خدا نہ کرے..... تم میری امی کو کبھی اس طرح کی خبریں پہنچانا بھی نہیں..... میں پر اُمید ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے موقع ضرور دے گا کہ میں اپنی ماں کے کسی طرح کام آ سکوں۔

کیا انسان بیمار نہیں ہوتے؟....." وہ بہن سے پوچھ رہا تھا۔

"مگر آپ کو کس انداز میں پرورش کیا گیا، اس لحاظ سے تو یہ آپ کے لیے سخت امتحان کا وقت ہے۔"

"انسان وہی کامیاب ہوتے ہیں جو ہر طرح کے امتحان سے گزرنے کا فیصلہ اور تدبیر رکھتے ہیں..... تم سب کی ناز برداریوں نے مجھے نکما بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ تو بھلا ہو کچھ لوگوں کا....."

کوہ کن بنا کر رکھ دیا....." اس نے متبسم سے انداز میں مسکرا کر شہوار کی سمت دیکھا....." اب تو لائف از دی اسٹرگل کی موو بن رہے ہیں ہم لوگ۔"

شہوار کو پتا تھا یہ جملے اس کے لیے ہیں۔

اس لیے وہ سر جھکائے پانی کے گلاس کی سمت بے تاثر انداز میں دیکھتی رہی۔

"بھائی آپ نے کچھ کھایا پیا بھی.....؟" شکیلہ کو اچانک خیال آیا۔

"افسوس ذمہ داروں کی موجودگی کے باوجود میری ذمہ دار تم ہی ہو ابھی تک....." اس نے تاسف سے کہہ کر شہوار کی سمت دیکھا۔

"ٹھہریے..... میں آپ کے لیے کوئی ہلکی سی چیز تیار کراتی ہوں۔

شکیلہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چھوڑو یار..... بس اب چلیں گے، دیر ہو رہی ہے۔"

"ایسے کیسے چھوڑ دیں..... پتا نہیں ان دو دنوں میں آپ پر کیا گزری، کیسے رہے، کیا کھایا پیا؟"

وہ بولتی ہوئی باہر چلی گئی۔

ہاتھ میں پکڑی ہوئی کی رنگ سے کھیلتے ہوئے وہ اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔ شہوار کو اس کی نظریں محسوس ہو رہی تھیں۔

اس لیے نگاہیں اٹھانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

"صرف دو دن مجھ سے دُور رہیں اور چہرے پر خاصا ٹوراآ گیا..... سوچتا ہوں تمہیں چاہ کر ظلم ہی کیا تم پر..... اچھی بھلی بچوں جیسی بے خبر زندگی گزار رہی تھیں۔ اور میں نے تمہیں بڑے ہونے کا احساس دلا دیا۔ بہت پچھتا رہا ہوں..... ویسے کیا حال ہے؟" اس کے لبوں پر شریر سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"ٹھیک تو تم ہو، غلط تو میں ہی ہوں۔"

اس کے لہجے کی گمبھیرتا سے اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

ایسے لمحات اس کی زندگی میں بارہا آئے تھے وہ جب بھی روایتی تخاطب سے ذرا آگے بڑھنے لگتا..... اس کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگتے تھے۔ اس خیال سے گھبراہٹ ہونے لگتی تھی کہ خدا معلوم یہ بے لگام کیا کہہ بیٹھے۔ کوئی وارفتہ سا جملہ..... اس کی تاب سے زیادہ.....

"میں دیکھتی ہوں، شکیلہ کیا کر رہی ہے....." وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"یہ شکیلہ کا گھر ہے..... اسے تو یہاں کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہنا ہے..... خواہ تم یہاں ہو یا نہ ہو۔

کبھی وہ سنو تو جو میں کہنا چاہتا ہوں....." وہ اس کی حالت سے حظ اٹھانے لگتا تھا۔

"اتنا کچھ تو سنا ہے....." وہ بات کا رُخ بدل کر ماحول تبدیل کرنے لگی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہ مگر کبھی نہیں سُنا..... جو خزانے کی طرح تمہارے لئے میرے دل میں محفوظ ہے۔"

وہ باز نہیں آیا۔

وہ ایک دم باہر نکل گئی..... اور سامنے سے آتی ہوئی شکیلہ سے ٹکراتے ٹکراتے بچی.....

"الٰہی خیر....." شکیلہ نے اس کے شانے تھام لیے..... "کہاں بھاگی جا رہی ہو؟"

تم ابھی تک احسن بھائی سے اتنا گھبراتی ہو..... جبکہ اتنے دنوں سے ساتھ ہو....."

شکیلہ نے جانچ لیا تھا کہ اس کا رویہ احسن کے ساتھ کیا ہے۔

"کیوں ستاتی ہو میرے بھائی کو؟" وہ شرارت سے ہنس پڑی۔

"میں ذرا چادر اوڑھ لوں....." اس نے بات بنائی۔

"ابھی سے..... ابھی تو بھائی سوپ پئیں گے..... گرم گرم ہے، دیر لگے گی۔؟

"پھر کیا ہے؟....." وہ زبردستی شکیلہ کے بیڈ روم کی طرف بڑھ گئی جہاں اس کی چادر وارڈ روب میں رکھی تھی۔

بیڈ روم میں آ کر وہ دھم سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اور گہرا سانس لیا۔

"میری تو خود سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے احسن کے سامنے اتنی گھبراہٹ کیوں ہوتی ہے۔ زندہ تو نہیں کھا جائیں مجھے۔"

معاً اس کی نظر سرہانے رکھے فون پر پڑی..... سکس ٹو ایٹ..... ایک نمبر نے جیسے اسے بے اختیار کر دیا۔ سے اس کے ذہن میں دوڑنے بھاگنے لگے۔

آج پھر وہ احسن کے ساتھ چلی جائے گی۔

قید تنہائی کا سلسلہ..... از سر نو.....

خدا معلوم اب اس کے نصیب میں اپنے پیاروں کو دیکھنا۔ ان سے ملنا ہے یا نہیں۔ کتنا اچھا موقع ہے۔ میں اپنی امی کی آواز تو سُن سکتی ہوں.....

دو دن تو ہمت کرنے اور ارادہ باندھنے ہی میں گزر گئے تھے۔

مگر اب دل بے اختیار ہو رہا تھا..... قیامت جو پھر سر پر آ کھڑی ہوئی تھی۔

چند منٹ گزرے تھے کہ شکیلہ نے تشویش بھری نظروں سے اس کی سمت دیکھا۔

"شکیلہ..... میں امی کو فون کر لوں۔" اس کی آواز بہت مدھم تھی۔

"ارے..... یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟..... میں تو خود سوچ رہی تھی۔ تم خالہ جان کو فون کیوں نہیں کر رہی ہو ماں کا دل تو بہت نرم ہوتا ہے۔" شکیلہ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر گویا تسلی دی۔

"احسن بھائی سوپ پی رہے ہیں..... تم کر لو اطمینان سے..... میں ابھی آئی....."

وہ پھر باہر چلی گئی.....

شہوار نے کانپتے ہاتھوں سے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا تھا۔

نمبر پش کر کے وہ جیسے دم سادھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ بیل ہو رہی تھی۔

پھر کسی نے ریسیور اٹھایا.....

"ہیلو....." دوسری طرف نوفل تھا.....

بھائی کی آواز سُن کر جیسے وہ بے اختیار ہو گئی تھی۔ "ہیلو..... نوفل..... میں بول رہی ہوں..... شہوار....."

اس کی آواز کانپنے لگی تھی.....

السلام علیکم آپا....." نوفل کی آواز میں حیرت بھی تھی اور مسرت بھی.....

"کیسی ہیں آپ؟....." وہ پوچھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہوں....." اس کی آواز بھرا گئی۔

"امی ہیں.....؟" اس نے خود پر قابو پا کر پوچھا.....

"جی ہیں..... ایک منٹ ہولڈ کریں، ابھی بلاتا ہوں....." اسے بھی جیسے ماں کو بتانے کی جلدی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اس کی امی کی آواز اُبھری۔

"ہیلو....." ان کی آواز بہت افسردہ اور نحیف تھی۔

آہ..... اس کی امی..... اسے جیسے کانوں پر یقین نہ آیا تھا۔

"السلام علیکم امی....."

وعلیکم السلام..... کیسی ہو؟" اس کی امی کے انداز والہانہ و دارفتہ نہیں تھے۔ عجیب سی سرد مہری محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا دل بیٹھنے لگا۔

"امی....." وہ سسک پڑی۔

"امی..... یقین کریں جو کچھ ہوا اس میں میری مرضی شامل نہیں ہے، نہیں تھی۔ امی میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں لہ....."

"اب یقین دلاؤ یا نہیں، کوئی فرق نہیں پڑتا..... یہ تو حقیقت سے بعید بات ہے کہ جو کچھ ہوا وہ تمہاری مرضی کے لاف تھا۔ ایس پی جب ہمارے دروازے پر آیا تو اس کے ہاتھ میں تمہارا تحریر کردہ خط تھا جس میں تم نے قانون سے مدد گی تھی۔

شہوار تمہیں کم از کم اپنی بہن نیلوفر کا ہی خیال کر لینا چاہیے تھا۔ کیا اس کا گھر نہیں بنا چاہیے۔" اُن کی آواز رندھ گئی۔

"امی..... کاش آپ لوگوں نے مجھے صفائی کا موقع دیا ہوتا..... آپ کو کیا معلوم میں نے خط کن حالات میں لکھا تھا..... مجھے احسن کی قید سے رہا ہونے کی جلدی تھی..... صرف آپ لوگوں کی خاطر..... کاش امی، آپ میرا یقین کر لیں....." وہ رو رو کر کہہ رہی تھی۔

"مجھے کیا معلوم تھا کہ احسن حد سے گزر جائیں گے....." وہ بہت آہستگی سے گفتگو کر رہی تھی۔

"میں اگر یقین کر بھی لوں تو تمہارے پاپا قیامت تک تمہارا یقین نہیں کریں گے۔" دوسری طرف وہ بھی رو رہی تھیں۔

"امی..... آپ کو اور پپا کو مجھ سے اس قسم کے اقدام کی امید نہیں ہونی چاہیے تھی۔ آپ میرے والدین ہیں۔ مجھے دنیا کے ہر رشتے سے زیادہ عزیز ہیں۔ آپ کی عزت میری کسی بھی خوشی سے زیادہ اہم ہے۔ آپ لوگ اپنے خون سے اتنی جلدی بدگمان ہو گئے۔" اس کے آنسو بدستور بہہ رہے تھے۔

"جو کچھ ہوا شہوار..... بہت ہی بُرا ہوا..... میں تمہارے باپ کے سامنے تمہاری وکالت نہیں کر سکتی..... اپنا بڑھاپا خوار نہیں کر سکتی..... کیا اس عمر میں دنیا کو خود پر ہنساؤں.....؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''امی..... میری صرف یہ تمنا ہے کہ کاش میں مرجاؤں..... مگر مرنے سے پہلے آپ کا اور پپا کا یقین حاصل کرلوں
امی..... میں آپ کا خون ہوں..... آپ لوگوں کے ساتھ یہ ظلم کرنے کا تصور بھی میں نے نہیں کیا تھا..... مجھے
اور صرف آپ کی پرواہ ہے.....

میری شادی احسن سے ہوتی یا کسی اور سے..... مجھے آپ کی خوشی مقدم رکھنا تھی..... اگر آپ لوگ میری شادی
اور کردیتے تو میں آپ کی خوشی کی خاطر ایسا بھی کرلیتی..... احسن کے رشتے سے آپ بھی خوش تھیں اس لیے.....''

اچانک اسے محسوس ہوا جیسے دوسری طرف کسی نے ریسیور چھین کر زور سے کریڈل پر دے مارا ہو..... رابطہ منقطع
ہوچکا تھا۔

وہ آنسو بھری نگاہوں سے ریسیور کو گھورنے لگی..... اسے یقین تھا کہ پاپا کے سوا امی کے ہاتھ سے کوئی اور ریسیور
چھین سکتا تھا.....

ہائے اللہ..... امی کسی نئے عذاب سے دوچار نہ ہوگئی ہوں۔ اس کی نظروں کے سامنے سردار محب علی کا پرجلال
چہرہ گھومنے لگا۔ اس نے بے دم سے انداز میں ریسیور رکھ دیا اور چادر سے آنکھیں پونچھنے لگی۔ اسے ماں کی فکر لاحق
تھی۔

وہ نڈھال سے انداز میں پلٹی تو جیسے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی۔

احسن دروازے کے بیچوں بیچ کھڑا اسے جن نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ ادا اس کے لئے صریحاً اجنبی تھی۔

ان آنکھوں میں شعلوں سے اثرات تھے۔ اتنے شدید کہ اسے اپنا وجود سلگتا ہوا محسوس ہوا۔

اس نے چادر اپنی طرح لپیٹی۔ اس کے ہاتھ پاؤں لرزنے لگے تھے۔ اسے احسن کی نگاہوں سے خوف محسوس ہو
رہا تھا۔

وہ پلٹ گیا تھا وہ بھی مرے مرے قدموں سے اس کے پیچھے چلی آئی..... شکیلہ ملازمہ کے ساتھ مل کر کھانے کی
صاف کررہی تھی۔

''اچھا بھئی شکیلہ.....'' احسن کی سپاٹ آواز ابھری۔

''تھوڑی دیر اور ٹھہر جاتے۔ انعام صاحب آتے ہی ہوں گے۔''

''بہت دیر ہوجائے گی۔ پھر ملیں گے انشاء اللہ.....'' احسن کا لہجہ ہنوز بے تاثر تھا۔

''بھائی..... شہوار کو جلد لائیے گا۔'' اس نے تاکید کی۔

''اب تو تمہارے پاس ہمارا ایڈریس ہے۔ تم بھی آجایا کرو..... امی کو فی الحال میرا اپنا نہ رہنا..... میں نہیں چاہتا
حالات اتنے خلاف ہوجائیں کہ سنبھلنے نہ پائیں..... تم جانتی ہو ابا جی کی طبیعت۔'' اس نے بھی بہن کو تاکید کی۔

''جانتی ہوں بھائی.....'' وہ افسردگی سے بولی۔

''اچھا شہوار.....'' اس نے شہوار کو گلے لگایا۔ جو ہراساں سی نظر آرہی تھی۔

''خدا حافظ.....''

''خدا حافظ.....'' شہوار نے بھی آہستگی سے جواب دیا۔

شکیلہ گیٹ تک انہیں رخصت کرنے آئی تھی۔

''بھائی یہ جو کارنر پر المڈوے کلینک ہے، وہاں چیک اپ ضرور کراتے جائیں۔''

''اچھا.....'' وہ لاپروائی سے کہہ کر ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان ہوگیا۔ اور شہوار کی طرف کا لاک کھول دیا مگر دروازہ
نہ کھلا۔

شہوار نے خود دروازہ کھولا اور بیٹھ گئی..... پھر دروازہ بند کرلیا۔

احسن نے اس کی سمت ایک نظر بھی نہیں ڈالی تھی۔

شہوار نے چوری چوری اس کی سمت دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں اب بھی شعلے دہک رہے تھے۔

سنجیدگی چھائی ہوئی تھی..... اور سرخ آنکھیں ایک عجیب پراسرار سا دکھائی دے رہا تھا۔ شہوار کو جھرجھری سی آگئی۔

ہونٹ بھینچے ہوئے خاصی آہستہ رفتار سے ڈرائیونگ کررہا تھا۔

ایک چوک پر سگنل سرخ ملا تو اس نے تیزی سے ایک سگریٹ سلگائی اور گاڑی کے شیشے مکمل طور پر نیچے کردیے۔

''اس کی خاموشی شہوار کے لئے سوہان روح تھی۔'' کہیں انہوں نے میری باتیں تو نہیں سن لیں؟''

ڈائننگ ہال میں وہ اسے جس کیفیت میں چھوڑ کر گئی تھی۔ اب وہ کیفیت اور تاثرات نہیں تھے۔

اس لئے اس کا کلیجہ انجانے خدشات کے تحت کانپ رہا تھا۔

سگنل زرد ہوکر سبز ہوا۔ گاڑی حرکت میں آگئی۔

شہوار نے ایک مرتبہ پھر اس کی سمت دیکھا۔

ہونٹوں میں سگریٹ دبائے وہ بدستور ونڈ اسکرین پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ اور اس میں ہمت نہیں تھی کہ اسے
گاڑی مسلسل چلتی رہی۔

شہوار نے محسوس کیا کہ آج وہ کسی اور راستے سے گھر جارہا ہے۔ خاصے پررونق علاقے یکے بعد دیگرے گزر رہے
جبکہ ان کے گھر کے راستے تو اس وقت ویران سے ہوجاتے تھے۔

وہ راستے کی تبدیلی پر حیران سی تھی۔ معاً وہ چونک پڑی۔ یہ تو اس کے اپنے گھر، اپنے میکے کا راستہ تھا۔

اس نے گھبرا کر احسن کی صورت دیکھی۔

''کک..... کہاں جارہے ہیں ہم؟'' وہ ہکلا کر رہ گئی۔

احسن ہنوز خاموش تھا۔ اس نے جواب دیا نہ کوئی تاثرات۔

چند منٹوں کے بعد ہی احسن نے سردار محب علی کے گیٹ کے سامنے گاڑی روک دی۔

''یہاں..... یہاں کیوں آئے ہیں؟'' وہ دہل کر پوچھ رہی تھی۔

''تمہارا سب کچھ یہیں ہے۔'' اس نے غرا کر جواب دیا۔

''مگر اب یہ دروازہ میرے لئے بند ہوچکا ہے۔'' وہ کانپ رہی تھی۔

''جب تم ان کے لئے اتنے شدید جذبات رکھتی ہو تو یہ بھی زیادہ دیر تمہارے لئے پتھر نہیں بن سکتے۔'' وہ خون آشام
لہجے میں پھنکارا۔

''آپ کو اس طرح میرا تماشا بنانے کا کوئی حق نہیں ہے۔'' وہ جیسے پھٹ پڑی۔

''تمہیں میرا تماشا بنانے کا حق ہے تو مجھے کیوں نہیں؟'' وہ بپھر کر بولا تھا۔

''اتنے خودغرض..... اتنے بے حس ہیں آپ..... میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔'' وہ برہمی کی انتہا کو چھو رہی تھی۔

''میں جانتا ہوں محترمہ..... کہ رحم بہت اچھی چیز ہے..... مگر دھوکے بازوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اب آپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس گاڑی سے فی الفور اتر جایئے۔" وہ پھر غرایا۔

"اب اس گھر میں میرے قدم نہیں جا سکتے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"جا سکتے ہیں..... اس لئے کہ روئے زمین پر صرف یہی تمہارا گھر ہے۔ فوراً اتر جاؤ، میں ابھی فون کر کے یہاں مانگ لوں گا۔ اپنی غلطی اور جرم کا اعتراف کر لوں گا۔ تمہاری بے گناہی ثابت کرنے کے لئے اپنی پوری توانائی خر دوں گا..... اب برائے مہربانی آپ میری گاڑی سے اتر جایئے۔"

"میری گاڑی....." آن کی آن میں وہ ایک دم اجنبی بن گیا تھا۔

اب آپ اتر جایئے..... بیل بجایئے..... تب تک میں موجود ہوں گا۔"

"خدا کے لئے احسن..... آپ تو مجھے سمجھئے....." وہ جیسے تڑپ کر کہہ رہی تھی۔

"تم نے تو مجھے کسی قابل ہی نہیں چھوڑا..... کاش میں کچھ خدا کے لئے ہی کر لیتا۔ آخرت ہی سنور جاتی۔

رہی سمجھنے کی بات تو بہت اچھی طرح سمجھ چکا ہوں....." بھڑکتے جذبات میں وہ دو دن پہلے اعتراف جو شہوار کی ز سے سرزد ہوئے تھے، جل کر بھسم ہو چکے تھے۔

احسن کے ذہن میں فی الوقت ماضی کی کوئی تصویر نہیں تھی۔

"آپ اتنے شقی..... اتنے ظالم..... اتنے خود غرض..... اتنے بے حس ہیں..... کاش مجھے ادراک ہو جاتا۔ آپ کو ستا کر، تماشا بنا کر کبھی خوش نہیں رہ سکتے۔"

"میں اب کسی نامعقول خوشی کا آرزومند نہیں ہوں بے فکر رہو۔"

وہ اس کی بات کاٹ کر بگڑ کر گویا ہوا تھا۔ "بددعائیں نیچے اتر کر بھی دی جا سکتی ہیں..... کیا میں خود اتاروں؟ وہ بے غضب ناک نظر آیا۔

شہوار نے اپنی طرف کا دروازہ کھولا۔

"آپ قطعی قابل محبت نہیں ہیں..... بلکہ آپ سے جتنی نفرت کی جائے کم ہے۔"

احسن نے سگریٹ کا باقی ماندہ ٹکڑا آخری کش لے کر باہر اچھال دیا جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہیں۔

"میں جا رہی ہوں احسن..... مجھے یقین ہے، شاید آپ کو نہ ہو..... کیونکہ میں سردار محب علی کی بیٹی ہوں۔

مجھے یہاں کھڑے ہو کر بھی ان کی رائفل کی نال اپنی طرف اٹھی ہوئی نظر آ رہی ہے۔

بہت شکریہ..... شاید آپ کے اس عمل کے نتیجے میں مجھے زندگی کے بوجھ سے نجات مل جائے۔ میرے خاندان کی بربادی کا ذمہ دار آپ ہی کے سر سہی۔"

وہ بڑے اعتماد سے کہتی ہوئی اتر گئی..... مگر دروازہ بند نہیں کیا.....

احسن نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ زور سے بند کیا۔

"میں نے ظلم کیا..... دھوکا دیا..... ہونہہ..... یہ تو اسی طرح ہے جیسے ایک چور دوسرے کو چور کہے۔" وہ شہوار کے بڑھتے ہوئے قدموں کے ساتھ نظروں کا سفر طے کر رہا تھا۔

شہوار نے ایک بار بھی پلٹ کر نہیں دیکھا تھا..... بلکہ اس کی چال میں پہلی بار وہ عجیب سا اعتماد دیکھ رہا تھا۔

اس نے کال بیل کا بٹن پش کیا تھا..... اور سر جھکا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

چند ثانئے بعد گیٹ وا ہوا۔ گیٹ کھولنے والا نوفل تھا۔

ن نے گاڑی فوراً آگے بڑھا دی۔

ں کا خیال تھا، اس کی موجودگی سے شہوار کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔ لیکن اس کی غیر موجودگی شہوار کے گھرانے کے افراد میں نرم گوشہ پیدا کر سکتی تھی۔

اتنا بڑا دھوکا کھا کر بھی میرا ذہنی توازن کس طرح قائم ہے؟" وہ خود سے پوچھ رہا تھا۔ "یہ سب تمہاری خاطر تھا۔ تمہاری محبت نے مجھے فیصلے کی ناقابل شکست طاقت مہیا کی تھی، اب پردہ ہٹا ہے تو کچھ باقی نہیں ہے۔" وہ آتش میں جیسے بھڑ بھڑ جل رہا تھا۔ تمہاری بدنصیبی کہ تم نے یہ دھوکے بازی میرے ساتھ کی....."

شکیلہ صبح سے ڈرائنگ روم کی سیٹنگ تبدیل کرنے میں مصروف تھی۔ اگرچہ اٹھانے اور رکھنے کا سارا کام نوکر کر رہے وہ چلتے پھرتے ہی نڈھال ہو گئی تھی۔

ذرا سستانے کے لئے وہ اپنے بیڈ پر لیٹ گئی تھی۔ آنکھیں موندے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ملازمہ نے اطلاع دی۔ کہ چھوٹے صاحب آئے ہیں۔

بلال..... اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ انعام علی کی غیر موجودگی میں اسے بلال سے عجیب سا خوف محسوس ہا۔

وہ اپنے آپ کو سمیٹتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کہاں ہیں؟" اس نے دریافت کیا۔

"لاؤنج میں فلم لگا کر دیکھ رہے ہیں۔" ملازمہ بتا کر پلٹ گئی۔

شکیلہ دوپٹہ پورے وجود پر پھیلا کر باہر آ گئی۔

لاؤنج میں آئی تو دیکھا بلال ریموٹ کنٹرول ہاتھ میں لئے اسکرین پر نظریں جمائے گاؤ تکیے کے سہارے نیم دراز

بلال نے اچٹتی نظر اس پر ڈالی تھی اور انجان بن گیا تھا۔

"السلام علیکم....." شکیلہ نے اسے مخاطب کیا۔

بلال اس کے سلام کرنے پر کچھ چونکا تھا۔ اور اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ شکیلہ اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

"کیسے ہو؟" وہ احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھ کر مخاطب ہوئی۔

"ویسا ہی..... جیسا روز پیدائش تھا..... لہجے میں تلخی تھی۔

شکیلہ چپ سی ہو گئی۔ اس نے نگاہ اٹھا کر دال کلاک دیکھا۔ دس بج رہے تھے۔

"ناشتا کرو گے؟" وہ ہچکچاتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"تھوڑی دیر بعد لنچ کا وقت ہونے والا ہے میں زندگی بھر بغیر ناشتے کے نہیں رہا۔ اگر والد صاحب مجھ سے بری ہیں تو میری امی میرے لئے بہت ہیں۔" وہ جانے کیا جتا رہا تھا، شکیلہ کے خاک بھی پلے نہیں پڑا۔

"ایسی کوئی بات نہیں..... تمہارے پاپا تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔" شکیلہ نے انعام علی کے لئے اس کے دل میں بائش پیدا کرنے کی کوشش کی۔

ا کے لبوں پر بڑی استہزائیہ ہی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اچھی بات ہے۔ انسان جس کا کھائے اسی کا گانا چاہیے۔ اس نے ٹی وی کی آواز اونچی کر دی۔

شکیلہ جیسے گڑ کر رہ گئی۔ وہ اس بدتمیزی پر احتجاج کرنے کا بھی حوصلہ نہیں رکھتی تھی۔ چند ثانئے وہ چپ ہو کر رہ گئی۔

دوپہر کے کھانے پر کیا خاص چیز کھانا پسند کرو گے۔" اس نے تمام تر توانائیاں مجتمع کر کے اپنے آپ کو سنبھالا

بلال سے مخاطب ہوئی۔

"کیونکہ کھانا بٹلر بناتا ہے۔ اس لئے میں اسے بتا چکا ہوں۔" بلال نے اسی اکھڑ لہجے میں جواب دیا۔

"امی کیسی ہیں تمہاری؟" شکیلہ نے فوراً ہی موضوع بدل دیا۔

"حالات آپ کے حسب منشاء ہیں۔ ہنوز بیمار ہیں۔" وہ سرد انداز میں کہہ رہا تھا۔

"اللہ نہ کرے جو میرا یہ منشاء ہو....." شکیلہ نے قدرے افسردگی سے کہا۔

"ان بے چاری نے میرا کیا بگاڑا ہے جو میں اس قسم کی خواہشات کروں۔" وہ مزید گویا ہوئی۔

"مگر آپ نے تو ان کا سب کچھ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔" وہ تلخی سے گویا ہوا۔

"آپ نے غالباً پاپا کے ذریعے میسج بھجوایا تھا۔ کہ ان کی غیر موجودگی میں میں یہاں نہ آیا کروں، کیوں؟

یہ میرا گھر ہے۔ جب میری مرضی ہوگی، آؤں گا۔ آپ یا پاپا میری ذات سے منکر ہو کر دیکھئے۔ اگر یہ ممکن ہو

کے لہجے میں چنگاریاں اڑ رہی تھیں۔

"میں اپنی بہن کے ہاں اس لئے پڑاؤ ڈالے ہوئے ہوں کہ خاور بھائی ملک میں نہیں ہیں۔ جب وہ آ جائیں

میں مستقل طور پر یہاں آ جاؤں گا۔ اگر آپ کو یہ پسند نہ ہو تو کہیں اور انتظام کر لیجیے گا اپنا۔" وہ روڈلی کہہ کر پھر لیٹ

"یہ تمہارا گھر ہے۔ تمہارا پورا حق ہے اس گھر پر..... اس میں میری پسند اور ناپسند کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔ تم

آ جاؤ یہاں۔" شکیلہ اس کی گستاخی پر آنسو پیتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

بلال نے کوئی توجہ نہیں دی۔ چہرے پر البتہ خشک تاثرات کا جال بچھا تھا۔

شکیلہ کچن کی صورتحال کا جائزہ لینے چلی آئی۔

دکھ اور رنج لہو میں گھل کر رہ گیا تھا۔ اسے رونا آ رہا تھا مگر وہ ضبط کئے ہوئے تھی۔ بٹلر تندہی سے اسٹو بھونے

تھا۔

سارے کچن میں بھنتے ہوئے گوشت کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔

شکیلہ کو چکر سا آ گیا.....

ایک زور کی ابکائی آئی.....

وہ تقریباً دوڑتی ہوئی باتھ روم میں گھس گئی تھی۔

ملازمہ نے جو اسے دوڑتے ہوئے دیکھا تو خود بھی اس کے پیچھے دوڑی۔

سارا کھایا پیا قے کی صورت اس نے باتھ روم میں الٹ دیا تھا۔

قے در قے نے اس کا حال خراب کر دیا تھا۔ پیلے پیلے دائرے آنکھوں سے سامنے ناچ رہے تھے۔

وہ دیوار تھامے کھڑی تھی۔ مگر ٹانگیں مسلسل کانپ رہی تھیں۔

ملازمہ نے اسے شانوں سے تھام لیا۔ کم عمر سی پٹھان لڑکی تھی۔ اس لئے ایک دم حواس باختہ سی نظر آنے لگی تھی

کلی کرا کر، منہ دھلا کر وہ شکیلہ کا سارا بوجھ خود پر اٹھائے بمشکل اسے بستر تک لائی تھی۔

بلہ مٹی کے ڈھیر کی طرح بیڈ پر ڈھے گئی۔ اور ملازمہ بلال کی سمت دوڑ گئی۔

چھوٹے صاحب..... بیگم صاحب کو آ کر دیکھو..... بہت برا حالت ہے۔"

ل کو جیسے جھٹکا سا لگا۔

ر پھر ایک دم سرد مہر انداز میں گویا ہوا

کیا ہوا؟"

آپ چل کر دیکھو۔ برا حالت ہے۔" وہ پریشانی سے کہہ رہی تھی۔

ل نے ریموٹ کنٹرول کا بٹن پش کر کے ٹی وی آف کر دیا۔ اور الجھے ہوئے انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔

ہا کر ہا جیسے وہ اس کے بیڈ روم میں آیا تھا۔ مگر شکیلہ پر نظر پڑتے ہی چونک اٹھا تھا۔

بالکل ہاتھ پاؤں چھوڑے ہوئے لیٹی تھی۔ چہرے پر زردی سی کھنڈی ہوئی تھی۔

بلینکٹ ڈال دو اوپر۔" بلال نے ملازمہ کو حکم دیا۔

ر خود وہیں کھڑا ہو کر ڈاکٹر کو فون کرنے لگا۔

چھوٹے صاب..... بیگم صاب بے ہوش تو نہیں ہو گیا؟" ملازمہ نے شکیلہ کے بے حس و حرکت دیکھ کر تشویش کا

ا۔

ل نے ریسور رکھ کر شکیلہ کے چہرے پر نگاہ ڈالی اور جھک کر اس کی کلائی تھام لی۔ پھر گہرا سانس لے کر سیدھا ہو

آ رہے ہیں ڈاکٹر صاحب۔" اس نے نزدیک ترین ڈاکٹر کو کال کیا تھا۔ ملازمہ کو کہہ کر باہر نکل آیا تھا۔ اور بکھرے

لیسٹ ٹھکانے پر لگانے میں مصروف ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ وہ کیا سوچ رہا تھا۔ اس کے چہرے سے

یں لگایا جا سکتا تھا۔

ر وی سی آر کیبنٹ بند کیا۔ گویا اس نے اپنا پروگرام موقوف کر دیا تھا۔

درہ منٹ سے کچھ کم ہی کا وقفہ گزرا تھا کہ ڈاکٹر آ گیا تھا۔

ال اسے لے کر خود شکیلہ کے بیڈ روم میں آیا تھا۔

کیلہ بے دم تھی، بے ہوش نہیں تھی۔ بس جیسے بھرپور قے کی وجہ سے اس کی ساری توانائی نچڑ کر رہ گئی تھی۔

اکٹر چیک اپ کے بعد سیدھا ہو گیا۔ ایک انجکشن دیا۔ شکیلہ نے آنکھیں کھول دی تھیں۔

"کوئی گھبراہٹ والی بات نہیں ہے..... آپ اچھی طرح فروٹنگ کیا کریں۔

آپ نے اس سے قبل چیک اپ کرایا ہے؟" ڈاکٹر شکیلہ سے مخاطب تھا۔

شکیلہ نے اثبات میں گردن سے اشارہ کیا۔

آپ کی اٹینڈنٹ ڈاکٹر....."

"ڈاکٹر عذرا....." شکیلہ نے نحیف آواز میں بتایا۔

"ویک ٹیس بہت ہے۔ آپ اپنا خیال رکھا کریں۔ ڈزن میٹر....."

بلال جو شاید کسی وجہ سے باہر تھا، پھر دروازے کے بیچ میں آ کھڑا ہوا تھا۔

"آپ....." ڈاکٹر شکیلہ کی سمت اشارہ کر کے رشتہ پوچھ رہا تھا تاکہ اسی مناسبت سے کوئی بات کی جا سکے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شکیلہ نے نظریں موڑ کر بلال کی طرف دیکھا۔

"بیٹا ہے، ہارا" اس نے جلدی سے کہا۔ مبادا ڈاکٹر کچھ بلال کے سامنے ہی کہہ دے۔

ڈاکٹر نے قدرے حیرانی سے باری باری دونوں کو دیکھا۔

"اچھی بات ہے۔ آپ اپنا خیال کیجئے..... اوکے....." سنبھل کر گویا ہوا اور اپنا سامان اٹھانے لگا۔

"واٹس ٹربل ڈاکٹر....." بلال نے کانونٹ لہجے میں ڈاکٹر سے بظاہر لاپروائی سے پوچھا۔

"کوئی نہیں....." وہ مسکرا دیا..... "ٹھیک ہو جائیں گی۔" بلال الٹے پاؤں مڑ گیا۔

ڈاکٹر چلا گیا تھا۔

اور شکیلہ..... اپنی کلائی پر بلال کی انگلیاں محسوس کرتے ہوئے بے یقینی سے سوچ رہی تھی۔ کیا واقعی بلال کو اس کے لئے گنجائش پیدا ہو گئی ہے۔ وگرنہ اس کی آنکھوں میں تو اس نے نفرت دیکھی تھی کہ اس کے مرنے سے بھی کوئی فرق نہ پڑتا۔

گویا اس کی محنت رنگ لا رہی تھی۔

ایک طمانیت بھرا احساس اس پر چھا گیا تھا۔

وہ جانتی تھی کہ اسے کیا "عارضہ" لاحق ہے۔ اور وہ ڈیڑھ دو گھنٹے میں سنبھل جائے گی مگر جب بلال ڈاکٹر کو چھوڑنے گیا تھا تو وہ اس لئے چپ رہی تھی کہ اسے اچھا لگ رہا تھا۔

اس نے دراز سے ایک سرخ نوٹ نکال کر ملازمہ کو دیا۔

"چھوٹے صاب کو دے دو۔" اس نے فیس کی نیت سے دیا تھا۔

"جو میری جیب میں ہے۔ وہ بھی "صاحب" ہی کا دیا ہوا ہے۔" بلال کی آواز پر شکیلہ نے چونک کر دیکھا۔ وہ دروازے کے قریب ہی کھڑا تھا۔ اور پھر پرانی وضع میں تھا۔

مگر اب شکیلہ اس کے رویئے کو سرسری لے رہی تھی۔ ابھی کچھ دیر قبل اس نے ایک اچھا مظاہرہ دیکھا تھا۔

قبول آج ہمارا سلام ہو جائے
نظر نظر سے ذرا ہمکلام ہو جائے

نوجہاں کی آواز کار چاؤ کمرے میں پھیل گیا۔

نائلہ نے احسن کا بھیجا ہوا خوبصورت ٹو اِن ون ٹیپ ریکارڈر آن کیا تھا۔ اور ریڈیو کی سوئی یونہی گھمانے لگی تھی خوبصورت نغمے نے اسے سوئی لگانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اور اب وہ دھلے ہوئے کپڑوں کی تہہ بناتے ہوئے خود بھی ساتھ گنگنانے لگی تھی۔

صفیہ دروازہ بند کر کے کمرے کے سامنے سے گزر رہی تھیں۔ انہوں نے کبھی قدرے حیرانی سے گنگناتی ہوئی دیکھا تھا۔ یہ اس گھر کا انقلابی واقعہ تھا۔ انہیں یاد نہیں پڑتا تھا کہ انہوں نے کبھی اپنی کسی بیٹی کو گنگناتے ہوئے سنا ہو۔

"نائلہ..... تمہارے ابا جی گھر پر ہیں....." انہوں نے گویا تنبیہہ کی۔

"آواز دھیمی کرو۔ اور یہ ٹیپ ریکارڈر چلانے کی کیا ضرورت ہے۔ تمہارے ہی لئے رکھا ہے۔ تمہارے ابا نے پڑ گئی تو کیا پوچھیں گے نہیں کہ یہ کہاں سے آیا ہے؟ خوامخواہ طوفان اٹھ کھڑا ہو گا۔ گھر کی ہر چیز وہی لاتے ہیں۔"

انہوں نے کبھی کھلا پیسہ نہیں دیا کہ یہ کہہ سکیں کہ یہ قیمتی ٹیپ ریکارڈر ہم نے خریدا ہے۔

کیونکہ ان کا ذہن الجھا ہوا تھا اس لئے لہجہ بھی معمول سے ہٹ کر تھا۔

نائلہ جیسے کسی گہری نیند سے جاگی تھی۔ اس نے خوفزدہ نظروں سے ماں کی سمت دیکھا۔ دل کے چور نے سہما سا دیا اور کچھ بہت محسوس ہوا۔

"سوری امی..... میں نے اس لئے چلایا تھا کہ احسن بھائی نے خط میں لکھا تھا، یہ گھر کے لئے ہے۔ احمر کے لئے ہے۔"

اس نے جلدی سے پلگ نکال دیا۔

"وہ تو اسی طرح لکھتا ہے۔ اگر چہ وہ تم لوگوں کی شادی بیاہ کی نیت سے کچھ نہ کچھ رقم بھیجتا رہتا ہے۔ مگر دوسری چیزیں جو بھیجتا ہے۔ وہ بھی پیسوں ہی کی آتی ہیں۔ اس لئے اٹھا کر رکھ دیتی ہوں کہ وقت پر کام آئیں اس کے لکھنے سے کیا ہوتا ہے۔ بچہ ہے میرا..... پیسہ بنانے کی مشین تو نہیں ہے۔ تم لوگوں کو خود ہی احساس کرنا ہے۔ خدا معلوم کون سی گھڑی ہو گی۔ تمہارے باپ پلٹا کھائیں گے۔ اور میں اپنے چاند کی صورت دیکھوں گی۔ اب دل مطمئن ہے۔ میرا صبر رائیگاں نہیں جائے گا۔"

وہ موضوع سے ہٹ گئی تھیں..... اور احسن ان کی ہستی پر پھر چھا گیا تھا۔

نائلہ نے ٹیپ ریکارڈر دوبارہ پیک کرنا شروع کر دیا۔ جیسے ماں کی دلجوئی کر رہی ہو۔ اسی دم احمر کتابیں لئے ہوئے داخل ہوا۔

"دیر ہو گئی بیٹا؟" صفیہ نے محبت سے بیٹے کو دیکھا۔

"نہیں امی..... وہیں اکیڈمی ہی میں دیر ہو گئی تھی۔" احمر نے کتابیں رکھ کر ماں کو جواب دیا۔

"احسن کو فون کیا تھا بیٹا؟"

"جی امی..... پچھلے ہفتے کیا تھا تو کہہ رہے تھے بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ کو بتایا بھی تھا میں نے۔ آج کیا تو پتا چلا بھائی تین دن سے آفس نہیں آ رہے۔"

"ہائے اللہ....." صفیہ کے ہول سا اٹھنے لگا..... "اللہ کرے خیریت سے ہو۔"

"پہلے تو ہمارے پاس اس کا نمبر نہیں تھا۔ پتا نہیں اس میں اس نے کیا مصلحت ڈھونڈی تھی۔ شاید وہ تمہارے ابا جی کی انا کے سبب احتیاط کر رہا تھا۔"

"ہاں..... اس نے لکھا بھی تو تھا کہ امی خدا کے لئے جذبات میں آ کر میری وجہ سے کوئی ایسی بات نہ کر بیٹھیے گا کہ میرے بڑھاپے کا تماشا بن جائے وقت کا انتظار کیجیے۔ کوئی نہ کوئی حل ضرور نکلے گا۔"

"ارے اسی بات نے تو میرے قدم روک رکھے ہیں کہ جوان بیٹوں کا ساتھ ہے ورنہ میں اس سے ملے اسے دیکھے بغیر رہ سکتی تھی؟ ہائے شیخ صاحب خدا تمہیں سمجھے۔" انہوں نے ہونٹ کاٹ کر جیسے اشک روکے۔

"مگر اب میرا دل چاہ رہا ہے۔ کم از کم آواز ہی سن لوں..... نمبر دے دو مجھے کسی دن موقع نکال کر کر آؤں گی" وہ ہولناک سی نظر آنے لگی تھیں۔

نائلہ تو احمر کے پاس شروع سے تھا۔ وہ تو احسن کے کہنے پر چھپائے ہوئے تھا کہ اس نے کہا تھا امی فون پر بات کریں گی تو ڈھونڈ لیں گی، بے چین ہو جائیں گی۔

مگر ایک روز احمر نے غلطی سے کہہ دیا تھا کہ بھائی جان کا نمبر ہے میرے پاس۔ اسے دھیان نہیں رہا تھا کیونکہ کافی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وقت گزر گیا تھا۔

اب صفیہ ہر ہفتے اسے چپکے سے کچھ رقم دے کر کہتی تھیں۔ کہ وہ احسن کی خیریت معلوم کر آئے۔ احمر کی ہی زبانی کی گفتگو سن کر انہیں کچھ سکون آ جاتا تھا۔

''چلئے گا امی..... آپ میرے دوست کے ہاں سے کر لیجیے گا۔''

''کیا کرنے کے پروگرام بن رہے ہیں صاحبزادے؟'' شیخ رحیم الدین سر پر ہی تو آ کھڑے ہوئے تھے۔ سٹی گم ہو گئی۔

''کیا صاحبزادے..... میرا مطلب ہے بڑے اور ہونہار صاحبزادے سے رابطے قائم کیے جا رہے ہیں؟'' نے اگرچہ ان کی گفتگو کا صرف یہ آخری جملہ سنا تھا۔ مگر ان کا ذہن اندازے لگانے میں بہت تیز تھا۔

انہوں نے غور سے نائلہ اور احمر کے دھواں دھواں چہرے دیکھے۔

''ارے بھئی، فون وون سے تمہاری کیا تسکین ہو گی..... تم دو جوڑے اٹھا کر ہمیشہ کے لئے کیوں نہیں چلی جاتیں ناہنجار کے پاس.....'' وہ بہت چبا چبا کر بول رہے تھے۔

صفیہ خود کو سنبھالے پرسکون سے کھڑی تھیں۔

''بہت زیادہ گمان بھی گناہ ہوتے ہیں شیخ صاحب..... جاؤ احمر تم اپنا کام کرو۔''

انہوں نے احمر کو جیسے رہا کیا۔

''نائلہ..... تم روٹی ڈال لو..... اندھیرا ہو گیا ہے۔

وہ خود اتنا سمجھدار ہے کہ اچھی طرح آپ کا مزاج سمجھتا ہے۔ اپنا تو اتا پتا تک نہیں دیا اس نے۔''

صفیہ کو اس وقت پرسکون ماحول کی بہت ضرورت تھی۔ ان کی ذرا سی بے احتیاطی لڑکیوں کے حق میں وبال ہو تھی۔ اس لئے وہ کڑوے گھونٹ بھر کر ماحول کا توازن برقرار رکھنے کی کوشش میں مصروف تھیں۔

''پھر احمر دوست کے ہاں سے کیا کروا رہا تھا؟ وہ ہنوز مشکوک تھے۔

''بات تو فون کی ہو رہی تھی۔ یہ درست ہے..... مگر سردار بھائی کو فون کرنے کے بارے میں بات ہو رہی تھی۔''

''کیوں بھئی، اب کون سا تماشا باقی رہ گیا ہے۔ تمہارے بیٹے نے تو فلک میں نشان گاڑ دیئے ہیں۔

بیٹے نے زخم دیئے ہیں..... تم نمک چھڑکو گی؟'' وہ جیسے ان کے دل پر نشانے باندھ رہے تھے۔

''ارے وہ تمہاری سگی بہن ہے۔ کچھ رحم کرو اس پر۔''

''میں..... ذرا معلوم کرنا چاہ رہی تھی کہ.....''

''کہ کتنے لوگ ان پر ہنس چکے ہیں۔ اور کتنے باقی ہیں ان پر ہنسنے کے لئے۔ یہی ناں؟'' وہ غضب ناک ہو بات کاٹ دی تھی۔

''خدا کے لئے شیخ صاحب۔'' وہ عاجز سی ہو گئیں۔

''تم کو تو لازم ہے کہ ایسی اولاد پر چار حرف بھیجو۔ اور قیامت تک دودھ نہ بخشو۔ اس کے تصور سے بھی اس طرح کرو جیسے ناپاک ہونے کا خدشہ ہو۔ تف ہے۔ ہونہہ۔''

وہ پشت پر ہاتھ باندھ کر، بولتے بڑبڑاتے باہر نکل گئے۔

صفیہ باقی ماندہ کپڑے تہہ کرنے لگیں۔

پیچیدہ احسن کے اس اقدام کے حق میں نہیں تھیں جو اس نے شہوار سے سلسلے میں کیا تھا مگر وہ اس کا پس منظر بھی دیکھ ان کے دل کو یقین تھا کہ شیخ صاحب کے الجھائے ہوئے ماحول میں اس سے زیادہ کی بھی امید کی جا سکتی ہے۔

ن ہی کا بیٹا ہے۔ انتہا پسندی اسے ورثے میں ملی ہے۔

شعوری طور پر انہیں کچھ سکون سا محسوس ہو رہا تھا کہ احسن اب تنہا نہیں ہے۔ یقیناً شہوار اس کا خیال رکھ رہی ہو گی۔

ں کے تو اپنے خواب کرچی کرچی ہوئے تھے۔

ہ اپنے ہاتھوں سے لانے کے خواب.....

یز بھانجی کو سہاگن کے روپ میں اپنے گھر میں چلتے پھرتے دیکھنے کے خواب..... بیٹے کی بارات..... دولہا کی نے کا اعزاز..... کیا کیا خواب انہوں نے نہیں سجائے تھے۔

وں کی ہلاکت خیز آندھیوں کے بیچ یہ خواب انہیں تقویت بخشا کرتے تھے۔

مگر وہ ہر طرح سے شیخ صاحب کو اور سردار بھائی کو ان تمام حالات کا ذمہ دار سمجھتی تھیں۔

خ صاحب کے بھڑکانے کے باوصف یہ سردار محب علی کا فرض بنتا تھا کہ وہ صفیہ سے تمام معاملات پر گفتگو کرتے، یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے۔

نہوں نے وہی حقیقتیں معلوم کرنے کی جدوجہد کی جو احسن کے خلاف تھیں اور خلاف بھی صرف گھر کے اندرونی ی کی وجہ سے تھیں۔

ان کو کیا یہ تفکرات کم تھے کہ روبی کی ماں نے بھی حالات کو پیچیدہ بنانے میں اپنا کردار ادا کر دیا تھا۔ وہ کل شام سے ک موقع کی مناسبت سے بات کا بہانہ تلاش کر رہی تھیں۔

ور پیچیدگیاں پھر عود کر آ گئی تھیں۔

نائلہ ریڈیو لگاتی، نہ بات یہاں تک پہنچتی۔

وہ اتنے دنوں سے صبر و ضبط سے حالات کو سدھارنے میں لگی ہوئی تھیں۔ شیخ صاحب کے سامنے بھولے سے بھی کا تذکرہ نہیں کرتی تھیں۔

صرف اس لئے کہ شیخ صاحب کچھ ٹھنڈے پڑیں تو وہ گفتگو کر کے حسب منشاء نتائج حاصل کریں۔

آخر کب تک بیٹیاں بیٹھی رہیں گی؟

معاً انہیں نائلہ کی گنگناہٹ یاد آ گئی۔ اس کے بدلے بدلے انداز یاد آ گئے۔

کہیں نائلہ کو یہ تمام واقعات معلوم تو نہیں ہیں۔

کیا اس معاملے میں اس کا کوئی حصہ تو نہیں ہے۔ انہیں طرح طرح کے وہم ستانے لگے۔

انہیں ایک دم دھیان آیا۔

کل جب وہ رازی کے رشتے کے سلسلے میں اسے بتا رہی تھیں کہ نبیلہ کے لئے آیا ہوا ہے تو اس نے اس طرح کے جذبیت کا مظاہرہ نہیں کیا تھا جس طرح بیلا اور راحیلہ کے سلسلے میں کیا تھا۔

اور ان رشتوں پر ان کے ساتھ بیٹھ کر رات گئے تک باتیں کی تھیں۔

کیا اسے سب کچھ پتا ہے؟

گیا تو کبھی روبی کے ہاں نہیں گئی۔ مہندی والے روز بھی وہ اسے ڈانٹ ڈپٹ کر لے گئی تھیں۔ رازی بھی کبھی ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے گھر نہیں آیا.....

اس محلے کی لڑکیوں کی ہمت نہیں پڑتی تھی شیخ صاحب کی وجہ سے کہ وہ اس گھر میں بے دھڑک آ جائیں۔

وہ تو پھر لڑکا تھا۔

پھر اس نے کس طرح نائلہ کے لئے اتنا قطعی فیصلہ کر لیا؟

سوچ سوچ کر ان کے اعصاب شل ہو گئے۔

تو وہ تھک کر بستر وغیرہ لگانے میں مصروف ہو گئیں۔

نبیلہ اور نائلہ دونوں مل کر رات کی روٹی پکایا کرتی تھیں۔ پہلے شکیلہ اور نائلہ پکاتی تھیں۔ ایک وقت کا سالن انیلا مل کر تیار کرتی تھیں۔ اور دوسرے وقت کا نبیلہ۔ صبح کا ناشتہ صفیہ ہمیشہ سے خود ہی تیار کرتی تھی کیونکہ سب کو جاتے تھے اور صبح اپنی تیاریوں میں مصروف ہوتے تھے۔

وہ اتنی بیٹیوں کی ماں تھیں مگر برابر ان کے ساتھ لگی رہتی تھیں۔ انہوں نے کبھی کام کا بوجھ لڑکیوں پر نہیں ڈالا اور کام کی تقسیم اس طرح کر دی تھی کہ سب ہی مطمئن اور ہلکے پھلکے رہتے تھے۔

اس وقت نبیلہ اور نائلہ کھڑی ہوئی روٹیاں پکا رہی تھیں اور باتیں بھی کر رہی تھیں۔

نائلہ کیونکہ خواب سے جاگ چکی تھی اس لئے نبیلہ کے سامنے کچھ چور سی ہو رہی تھی۔ اور اپنے آپ کو ملامت تھی۔

مجھے صرف یہ ہی یاد رہا کہ کسی نے مجھے چاہا..... اور یہ بھول گئی کہ جو کچھ ہوا اس کا اثر نبیلہ پر کیا ہو گا؟ وہ سوچ کیسی بدترین خود غرضی ہے..... اس نے نبیلہ کی سمت دیکھا۔

"کن سوچوں میں ہو؟" نبیلہ مسکرائی۔ تب اسے یاد آیا کہ نبیلہ کل سے اب تک معمول سے زیادہ مسکرائی۔ دل جیسے کٹ گیا۔

"یہ آپ نے کیا قیامت اٹھائی ہے؟" وہ دل ہی دل میں روبی کی ماں سے مخاطب ہوئی۔

"کچھ نہیں آپا..... ایسے ہی....." اس نے روٹی اتار کر دسترخوان میں محفوظ کی۔

"یہ کل روبی کی امی پھر آئی تھیں..... خیریت؟" نبیلہ جیسے تھک گئی تھی انتظار کر کے کہ نائلہ اس سے اس خام پر بات کرے۔

نائلہ کا دل جیسے بیٹھ گیا..... کتنے تکلیف دہ مرحلے طے ہونا باقی ہیں..... مجھے کیا ہو گیا تھا؟

"پتا نہیں آپا..... شاید ایسے ہی آ گئی ہوں۔" اس نے نظر بچا کر جلدی سے پیڑا بنانا شروع کر دیا۔

"امی نے تو جواب کے لئے انہیں انتظار کرنے کو کہہ دیا تھا۔" نبیلہ سے دوستانہ ماحول میں ہر بات کر لیتی تھی

"میرے خیال میں وہ جواب کی وجہ سے تو نہیں آئی تھیں۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو امی تذکرہ ضرور کرتیں" نے نبیلہ کی توے پر ڈالی ہوئی روٹی جلدی سے سینکنا شروع کر دی۔

نبیلہ خاموش ہو گئی۔

"آپا..... ایک بات پوچھوں؟" نائلہ کچھ ہچکچا رہی تھی۔

"ہوں....." ہنکارے کی صورت میں اجازت ملی۔

"آپ کو کیسے لگتے ہیں" روبی کے گھر والے؟"

خوبصورت سا رنگ نبیلہ کے چہرے پر آ کر ٹھہر گیا۔

ی..... یہ تو بڑے ہی بہتر جانتے ہیں کہ کیا اچھا ہے، کیا برا ہے۔ ہمارے سوچنے کی باتیں نہیں ہیں یہ۔" اس نے بجھایا۔

پھر بھی..... آپ کے بھی تو کچھ خیالات ہوں گے۔ کوئی رائے ہو گی ان لوگوں کے بارے میں؟"

میری کوئی رائے نہیں..... میری امی بہت سمجھدار ہیں۔ مجھے ان کا ہر فیصلہ قبول ہے۔ جس کو وہ اچھا کہہ دیں، ریک وہ اچھا ہے۔ جس کو برا کہہ دیں، وہ برا ہے..... بس۔"

بڑی سیاستدان ہیں آپ۔" نائلہ زبردستی مسکرائی۔

آپا تو جنتی ہیں۔" پیچھے سے انیلا کی آواز آئی۔ "اس قدر تابعدار جو ہیں۔"

وں چونک پڑیں.....

یم کیا زیرو زیرو سیون بنی جاسوسی کر رہی ہو؟" نبیلہ جھینپ گئی۔

یں تو ابھی ابھی آئی ہوں۔ امی کہہ رہی ہیں جلدی سے کھانا لگا لو۔" وہ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

ہاں..... فائٹ بیلا کے ساتھ مل کر لگا تو..... آج ایک بڑا اچھا ڈرامہ بھی آئے گا۔"

یلہ مزید مستعد ہو گئی۔

نبیلہ سے رہا نہیں جا رہا تھا..... وہ اپنے ذہن کو بوجھ سے جلد از جلد آزاد کر دینا چاہتی تھی۔

نا سے تو ٹھیک طرح سے کھانا بھی نہ کھایا گیا۔

کھانے کا مرحلہ تمام ہوا۔

گیاں ٹی وی دیکھنے میں مشغول ہو گئیں۔ تو صفیہ ٹی وی کی آواز کی وجہ سے چھت پر نماز پڑھنے چلی گئیں۔ آج وہ بات کے موڈ میں تھیں۔ ان پریشان کن حالات میں اللہ ہی کی مدد پر نظر جا کر ٹھہرتی تھی۔ اسی کے بھروسے سے کچھ رتی تھی۔

سن کی فکر..... شکیلہ سے دوری..... ہر چند کی اس کی سکون بھری زندگی کی خبریں انہیں ملتی رہتی تھیں مگر بے دیکھے دل ا۔ پھر روبی کی ماں کی پھیلائی ہوئی پیچیدگی..... اور اس کے مقابل شیخ رحیم الدین کا قطعی اور حتمی انداز زندگی۔

لا کے اعصاب چٹخنے لگے تھے۔

پاسے خضوع و خشوع سے عبادت میں مصروف ہو گئی تھیں۔

ں وقت وہ نماز کے لئے کھڑی ہوئی تھیں۔ انہوں نے روبی کے گھر کی بالکنی میں کسی کو کھڑا ہوا دیکھا تھا۔ مگر اندھیرا سے سب پہچان نہیں سکی تھیں۔

جب وہ چار سنتیں پڑھ چکیں، تب بھی کوئی وہیں کھڑا تھا۔

حال تک کہ جب وہ چار فرض پڑھ کر تسبیح میں مصروف ہو گئیں۔

کوئی ہنوز موجود تھا۔

نہوں نے کون سا کتاب یا اخبار پڑھنا تھا جو روشنی کی ضرورت ہوتی۔ اس لئے لائٹ نہیں جلائی تھی۔ نماز کے لئے ں کی روشنی کافی تھی۔ اماوس کی راتیں چل رہی تھیں۔ تاروں کی روشنی بڑھی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

ہوا کہ سامنے بالکنی کی ٹیوب جلی..... ریلنگ پر کہنیاں جمائے راز کی مسلسل ان کی چھت کی سمت متوجہ تھا۔ ادھر بالکنی کی ہو گئی..... ادھر ان کے ذہن میں ایک جھماکا ہوا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انہوں نے اپنی تمام تر قوت اردی کو مجتمع کر کے بقیہ رکعتیں ادا کیں۔
لیکن نماز مکمل ہوتے ہی ان کی نگاہیں پھر سامنے اٹھ گئیں..... سامنے رازی ہنوز موجود تھا۔
وہ جائے نماز اٹھا کر منڈیر تک چلی آئیں..... سامنے گھر کی جلتی ہوئی روشنیاں ان کے چہرے پر پڑیں۔
بظاہر وہ جائے نماز تہہ کرنے میں مصروف تھیں مگر توجہ مکمل طور سامنے تھے۔
ان کے روشنی میں آتے ہی رازی ایک دم اندر پلٹ گیا تھا۔ اور بالکنی کی ٹیوب بھی بند ہو گئی تھی۔
وہ آہستہ آہستہ زینہ طے کرنے لگیں۔
ایک زینہ وہ اپنے باطن میں بھی طے کر رہی تھیں۔
ایک طرف ان کی قوت فیصلہ بحال ہوئی تو دوسری طرف نئے امتحان کا مرحلہ تھا۔
کاش ڈاکٹر کی والدہ نبیلہ کو پسند کر لیتیں تو نائلہ کا مسئلہ خوش اسلوبی سے طے ہو جاتا۔
وہ نیچے آئیں تو ڈرامے کا اختتامی منظر چل رہا تھا اور لڑکیاں پورے خضوع و خشوع سے اسکرین پر نظریں جمائے تھی۔
نائلہ "ناظرین" میں سب سے پیچھے بیٹھی ٹننگ میں مشغول تھی۔ صفیہ نے گہری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔
انہوں نے بھانپ لیا تھا کہ اسے ڈرامے سے قطعی کوئی دلچسپی نہیں۔ ہاتھ ٹننگ میں مصروف تھے۔ مگر غائب کے چہرے سے ظاہر تھی۔
"نائلہ بیٹے!"
"جی امی۔" وہ جیسے کسی خواب سے چونک اٹھی۔ وہ گویا..... صحیح سمجھ رہی تھیں۔ اسے تو ان کی آمد کی بھی خبر نہ
"کتنا باقی ہے ابھی.....؟" ان کا اشارہ سویٹر کی طرف تھا۔
"ابھی تو ایک آستین باقی ہے امی۔" وہ دوبارہ مصروف ہوتے ہوئے گویا ہوئی۔
وہ اس کے نزدیک چلی آئیں۔

ماشاء اللہ بہت خوبصورت ڈیزائن ڈالا ہے تم نے۔" پھر ادھر ادھر دیکھ کر گویا ہوئی "ایک سویٹر احسن کا بھی بنا دینا۔"
امی..... آپ اون لا دیجیے گا میں فٹافٹ تیار کر دوں گی..... احسن بھائی بہت خوش ہوں گے۔" اسے بھائی کے
جیسے نئی زندگی ملی۔
کون سا ہونا چاہیے؟" وہ نائلہ سے پوچھ رہی تھیں۔
سن بھائی پر تو تمام ہی رنگ اچھے لگتے ہیں۔ پچھلے سال جو آپ نے ان کا بلیک سویٹر تھا کتنا جچا تھا ان پر....."
ہاں ماشاء اللہ..... اللہ اسے نظر بد سے بچائے۔ وہ تو جو پہن لے جچتا ہے نائلہ بیٹے..... جب یہ سب لوگ سو جائیں
میری بات سننا۔ میرے کمرے میں آ جانا۔"
نے قدرے چونک کر ان کی شکل دیکھی۔ "خیریت امی.....؟"
ں ایک ضروری مسئلے پر صلاح و مشورہ کرنا ہے۔" وہ آہستگی سے کہتی ہوئی اپنے کمرے کی سمت پلٹ گئیں نائلہ کی
کا حل تھا اور سلائیاں ایک دوسرے سے الگ۔ وہ جاتی ہوئی ماں کو بغور دیکھ رہی تھی۔

نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کے وجود پر شبہ ہو۔
سامنے جاتی کار کو دیکھا۔
پا.....!!!!" اس نے آنکھیں پھاڑ کر شہوار کو دوبارہ دیکھا۔
خت حیرانی خوف میں بدل گئی..... گیٹ لائٹ کی روشنی میں وہ اس کے تاثرات بخوبی دیکھ سکتی تھی۔
ں..... میں ہوں تمہاری آپا..... راستہ دو....." وہ بھرائی ہوئی آواز میں گویا ہوئی۔
جیسے ہوش میں آ گیا..... اور ایک دم مستعدی سے گیٹ میں بنے ہوئے چھوٹے دروازے میں مضبوطی سے ڈٹ

ئیں..... نہیں..... پلیز آپا....." اس نے کڑیل جوان بھائی کو سراپا خوف پایا۔
کیا نہیں.....؟" وہ ہکا بکا سی رہ گئی۔
کون ہے نوفل.....؟" معاً اس نے باپ کی آواز سنی۔
ل نے جیسے اسے مکمل اپنی اوٹ میں لے لیا..... "کوئی نہیں پاپا۔ میرا دوست ہے عرفان۔"
ہلکا سا کت کھڑی نوفل کی ایک ایک حرکت دیکھ رہی تھی۔
سامنے سے ہٹو نوفل۔" وہ جیسے کسی خیال سے چونک پڑی۔
نہیں آپا..... آپ اندر داخل نہیں ہو سکتیں..... اگر واقعی آپ کو ہم سے تھوڑی بہت محبت ہے۔" وہ قطعی انداز میں
تھا۔
مگر کیوں نوفل.....؟ وہ جیسے بے دم ہو کر رہ گئی۔
ہر سوال کا جواب آپ کے پاس موجود ہے آپا۔" وہ پست آواز میں کہہ رہا تھا۔
مگر اب میں آ گئی ہوں نوفل" وہ رونے کو ہو گئی۔
کوئی فائدہ نہیں آپا۔" وہ بے چارگی سے گویا ہوا۔
مگر میرے پاس کوئی پناہ نہیں ہے نوفل۔ میں کہیں اور نہیں جا سکتی۔" آخر اشک بے قابو ہو ہی گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نوفل نے جیسے بری طرح چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"آپا.....!!!"

"ہاں نوفل..... سچ کہہ رہی ہوں۔"

نوفل گیٹ سے باہر آ گیا اور پیچھے سے گیٹ بند کر دیا۔

روشنی کی سمت کلائی کر کے اس نے وقت دیکھا۔

"آیئے.....!" اس نے قدم آگے بڑھا دیئے۔

"ہائیں....." اس نے گڑبڑا کر نوفل کو دیکھا۔

"مگر کہاں.....؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"خدا کے لئے نوفل..... تم تو میرے اپنے ہو۔ مجھے مزید در بدر نہ کرو۔" وہ منت سے بولی۔

"آپا..... آپ میری اپنی ہیں تب ہی تو کہہ رہا ہوں میرے ساتھ آیئے۔ پلیز آپا....."

اس نے تیزی سے قدم آگے بڑھا دیئے۔ شہوار ناچار اس کے پیچھے ہو لی۔

ایک طویل سڑک دونوں نے طے کی تھی اور غالباً دو تین گلیاں..... پھر نوفل ایک عمارت سے سامنے ٹھہر گ

شہوار نے عمارت پر نگاہ دوڑائی..... شفقان اکیڈمی۔" بڑا سا بورڈ عمارت کی پیشانی پر چسپاں تھا۔

"ایک منٹ آپ یہیں ٹھہریئے آپا..... میں ابھی آیا۔"

نوفل اندر چلا گیا۔ اور چند منٹوں بعد ہی واپس آ گیا..... "آیئے آپا۔"

شہوار حیران و پریشان اس کے پیچھے چل پڑی۔

نوفل فوراً ہی ایک کمرے میں داخل ہو گیا..... غالباً یہ آفس تھا۔ بڑی سی آفس ٹیبل سامنے ہی تھی جس

ٹیبل لیمپ اور دیگر دفتری لوازمات قرینے سے سجے تھے۔ ٹیبل کے ایک طرف ریوالونگ چیئر، دوسری طرف

کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ دائیں ہاتھ پر دیوار کے ساتھ ایک صوفہ سیٹ بھی موجود تھا۔

نوفل نے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر دیا اور پنکھا چلا دیا۔

"مجھے سردی لگ رہی ہے نوفل، اسے بند کر دو۔" شہوار نے اپنے اندر حرارت بڑھتی ہوئی محسوس کی تھی۔

کر پنکھا بند کر دیا۔

"آپا..... اب آپ اطمینان سے مجھے ہر بات، ہر واقعہ بتایئے۔" وہ اس کے نزدیک صوفے پر بیٹھ گیا۔

"جب احسن بھائی آپ کو اتنے اہتمام سے لے گئے تھے اور ایک قطعی فیصلہ ہو گیا تھا تو پھر..... اب

ہے؟"

وہ سوال جو دیر سے اس کے ذہن میں متحرک تھا لبوں پر آ گیا۔ شہوار نے ہونٹ کاٹ کر جیسے اشک رو کے

"احسن کا اقدام میری مرضی کے خلاف تھا نوفل۔ میں ان کے ساتھ ایڈجسٹ نہیں ہو سکتی تھی..... ذات سے وہ خوشی مل سکتی تھی۔ جو وہ چاہتے تھے۔"

"مگر آپا..... آپ پاپا کو جانتی ہیں، ان کا مزاج مدنظر رکھتے ہوئے آپ کو سمجھوتا کر لینا چاہیے تھا۔"

وہ اس سے خاصا چھوٹا تھا مگر بڑے بزرگانہ انداز میں اسے سمجھا رہا تھا۔

"میں دن رات ضمیر کی لعنت ملامت سن کر کسی خوشی سے لطف اندوز نہیں ہو سکتی تھی۔" وہ کرب سے کہہ رہ

پا.....!" نوفل جھجک کر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

ہاں..... کیا..... مگر.....؟" نوفل کی ادھوری بات اسے بے چین کر گئی۔

حسن بھائی کی کامیابی آپ کے تعاون کا نتیجہ تھی۔ معاف کیجئے گا آپا....."

ہن سے یہ سب کہتے ہوئے حیا آ رہی تھی۔

ی عاقبت نا اندیشی..... عجلت، جذباتیت..... اور احسن سے کچھ بلند توقعات نے مجھ سے یہ غلطی سرزد کرائی

یوں کہو مجھ سے سرزد ہوئی۔ مجھے احسن سے اس درجہ پستی کی امید نہیں تھی نوفل..... میں نے تو محض اس قید سے

گر عجلت میں ایک فیصلہ کیا تھا۔ مجھے اس وقت اس فیصلے کی ہولناکی کا اندازہ نہیں تھا۔"

ی سے نظریں چرا رہی تھی۔

اب کیا ہوا.....؟" نوفل کے چہرے پر بلا کی تشویش تھی۔

ن مجھے ہمیشہ کے لئے چھوڑ گئے ہیں۔ یہی میری بے گناہی کا ثبوت بھی ہے۔ اگر اس خط میں میری دلی رضا

ں ہوتی تو میں..... ان کے ساتھ نباہ نہ کر لیتی.....؟" وہ جیسے بھائی پر اپنی بے گناہی ثابت کرنا چاہ رہی تھی۔

آپا..... میں آپ سے پورے یقین سے کہہ رہا ہوں آپ پاپا کو کسی طرح بھی قائل نہیں کر سکتیں۔

تھوڑی دیر پہلے جو آپ نے فون کیا تھا۔ آپ کو اندازہ نہیں..... پاپا نے گھر میں قیامت برپا کی..... انہوں نے

ا کچھ نہ کہا۔ کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی کہ وہ امی کا ہاتھ پکڑ کر باہر کر دیتے۔ آپ کا فون اٹینڈ کرنے پر بھی پابندی

ر نے دل کر نوفل کا چہرہ دیکھا۔

تو میں نے اور دانیال نے معاملہ سنبھالا۔ شاید کچھ اثر نیلوفر آپی کے رونے دھونے کا ہوا ہو..... پاپا اپنے آپ

تھے۔"

شاید کچھ اثر میری بے چارگی کا بھی ہو جائے نوفل۔" وہ آزردگی سے گویا ہوئی۔

پا..... آپ کس خواب میں ہیں..... آپ کو ہم سب کی خاطر قربانی دینا ہی ہوگی۔

ں..... میں مرنے کے لئے تیار ہوں..... نوفل..... مجھے اب اس سے آگے کچھ نہیں سوجھتا۔ پاپا مجھے مار

ہیں سکون مل جائے۔" وہ جیسے ملتجی ہوا۔

حسن اور پاپا..... ایک خمیر سے اٹھے ہوئے دو وجود ہیں نوفل..... میں احسن کے پاس کسی قیمت پر نہیں جا سکتی

ے پاپا کے ہاتھوں کا کسی اور بہانے موت منظور ہے۔ مگر میں ضمیر کی خلش کے ہمراہ احسن کے ساتھ زندگی نہیں گزار

گر آپا..... پاپا آپ کو معاف نہیں کریں گے۔ ان کی غیرت وانا کا مسئلہ بن چکا ہے۔ ان کی جنگ اب براہ راست

انا سے ہے۔"

ہوتی رہے..... مگر میں احسن کے پاس نہیں جاؤں گی۔

ر احسن شیخ انا پرست اور خوددار ہے تو میں بھی سردار محب علی خان کی بیٹی ہوں۔"

کے لہجے میں عزم در آیا تھا۔ وہ کچھ دیر پہلے والی ڈری سہمی شہوار نہیں تھی..... ڈری ڈری..... روئی روئی۔

"کیا آپ نے باضابطہ تعلق ختم کرلیا ہے؟" نوفل اس کے قطعی انداز کے بعد انتہائی پریشان نظر آنے لگا۔

"جو چاہے سمجھ لو۔" وہ ناراضگی کے انداز میں گویا ہوئی۔

"میرا مطلب ہے آپا۔ احسن بھائی نے آپ کو....."

"نہیں..... فی الحال ایسی کوئی بات نہیں ہے..... کیا تمہارے لیے یہ بہت نہیں کہ میں کسی بھی قیمت پر نہیں جاؤں گی۔" وہ تلخی سے گویا ہوئی۔

"آپا..... میں اپنا گھر بناؤں گا ناں تو اسے ہمیشہ آپ کے لئے کھلا رکھوں گا۔ میں جانتا ہوں میری آپا کے لئے کانٹے نہیں خرید سکتی۔ میں آپ کی بے گناہی پر یقین کرتا ہوں میرزندگی کا بہت سا حصہ آپ کے ساتھ میں آپ کے مزاج اور فطرت کے ہر ہر روپ سے واقف ہوں۔

مگر..... وہ رک گیا۔

"مگر.....؟ وہ جو نوفل کے منہ سے اپنے بارے میں مثبت رائے سن کر عجیب سی طاقت محسوس کرنے لگی تھی کانپ کر رہ گئی۔

"مگر آپا..... اب آپ کے جانے سے سب سے زیادہ نقصان امی کو پہنچے گا۔ کیا آپ کو یہ منظور ہوگا؟" چہرے پر نوجوانی کی چمک کے بجائے تفکرات کا دھواں تھا۔ وہ تڑپ کر رہ گئی۔

"ہاں..... یہ تو مجھے پتا ہے۔ اس معاشرے کا مرد ایک ترپ پتہ محفوظ رکھتا ہے۔ اور جہاں اسے ہار کا ڈر دیتا ہے۔ وہ یہ کارڈ استعمال کرتا ہے۔ میں اپنی امی کو اپنے پیارے بہن بھائیوں کو کسی امتحان میں نہیں ڈالوں گی راہ دکھاؤ نوفل میں اب کہاں جاؤں.....؟ یہ یاد رہے کہ میں احسن کے پاس جانے کے بجائے فٹ پاتھ کروں گی۔"

آپا..... سنا ہے شکیلہ باجی کی بھی شادی ہوگئی ہے۔ خالو جان کی مرضی اور پسند سے۔"

نوفل بہت دھیمی آواز میں اس سے بات کر رہا تھا۔

"اور یہ بھی کہ وہ بھی کراچی میں رہتی ہیں۔"

"تمہارا کیا مطلب ہے..... میں شکیلہ کے پاس چلی جاؤں؟ شکیلہ میری بہن سہی مگر اس کے شوہر ہم نئے اور اجنبی ہیں۔ وہ ان کا گھر ہے۔ اور یوں بھی میں شکیلہ کے پاس جانا پسند نہیں کروں گی۔ اس کی تمام اپنے سفاک اور بے رحم انسانیت سے عاری بھائی کے ساتھ ہیں۔"

وہ بے حد تلخ ہوگئی۔

"مگر آپا یوں کب تک گزارا ہوگا..... نہ باپ..... نہ شوہر..... آپا آپ کا دکھ مجھے زندگی بھر خوش نہیں گا۔" نوفل کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

شہوار تو جیسے تڑپ اٹھی۔

"میں تمہاری بہن کب ہوں؟ میں تو مسائل کا انبار ہوں۔ میرے پیارے بھائی۔"

اس نے نوفل کا ہاتھ بہت پیار سے تھام کر بڑے کرب سے کہا۔

"کیا واقعی پاپا..... اب زندگی بھر مجھ سے نفرت کرتے رہیں گے.....؟" وہ انتہائی حسرت سے بھائی کو پوچھ رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آپا..... مجھے اس وقت صرف یہ فکر ہے کہ میں آپ کی جائے پناہ کہاں تلاش کریں..... ایک منٹ..... میں ذرا ن کردوں۔ بغیر اطلاع کے آ گیا ہوں۔ وہ سخت پریشان ہوں گی۔"

سے معاً یاد آیا۔

فقارہ انیس سال کے لڑکے کے چہرے پر آناً فاناً برس ملے ہو رہے تھے۔

واٹھ کر فون کرنے لگا۔

امی..... میں اپنے دوست کے ہاں سے بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف فون ماں ہی نے اٹھایا تھا۔

"مجھے ایمرجنسی آنا پڑا۔ اس کی طبیعت خراب ہے۔"

"آپ نہیں جانتیں، وہ میرا کلاس فیلو ہے۔ گھر پر کبھی نہیں آیا۔"

"آپ پریشان نہ ہو جائیے گا۔ مجھے دیر ہو سکتی ہے۔"

"سوری امی..... مجھے دھیان نہیں رہا..... آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔"

شہوار رشک و حسرت سے نوفل کو ماں سے ہمکلام دیکھ رہی تھی۔

اسے ایکا ایکی بہت بڑے نقصان کا احساس ہوا۔

جی چاہا دھاڑیں مار مار کر رو دے۔

مگر اس نے بہت ضبط کیا۔

نوفل اس کے قریب تھا..... اس کے دل کو عجیب سی تقویت حاصل تھی۔ مگر یہ سوچ بھی آ رہی تھی..... اس کا ساتھ بھی تک.....؟

نوفل فون بند کر کے پھر اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا تھا۔

"آپا..... صرف ایک حل ہے۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ میری بات مان لیں۔"

شہوار نے ذرا ڈر کر نوفل کی شکل دیکھی۔

"آپا! اس کے علاوہ میرے سامنے کوئی راستہ نہیں ہے۔"

"کہو....." شہوار کا دل ڈوبنے لگا۔

"آپ صفیہ خالہ کے پاس چلی جائیں۔"

"نہیں..... نہیں..... احسن سمجھیں گے....." وہ جیسے بدک کر بولی تھی۔

"سمجھنے دیجئے ان کو..... جو چاہے۔

مگر آپا جب آپ ان کو احسن بھائی کی تمام "کارگزاری" بتائیں گی تو وہ آپ کے لئے بہت کچھ کر سکیں گی۔

ممکن ہے وہ پاپا کو آپ کے حق میں کرنے میں کامیاب ہو جائیں اور آپ ہر خوف و خطرے سے نجات پا کر ہمارے ل آ جائیں۔ یقین کیجیے اس وقت صرف وہی آپ کے بہت کام آ سکتی ہیں۔"

شہوار کے دل میں اس کی تجویز اتر رہی تھی۔ گھر واپسی کا راستہ وہاں سے آسان ہو سکتا تھا۔

"مگر میں نے تو کبھی اتنی دور کا سفر تنہا نہیں کیا۔ نوفل....." اسے نئی پریشانی لاحق ہوئی۔

"میں یہاں سے آپ کو پلین میں بٹھا دوں گا اور احمر کو اس کے دوست کے ذریعے میسج بھیج دوں گا۔ وہ ایئر پورٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے آپ کو لے جائے گا۔

آپا..... فیصلہ جلد کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو پاپا مجھے بھی گھر سے نکال دیں۔ بہت دیر ہو جائے گی۔"

شہوار نے غور سے نوفل کی شکل دیکھی۔ اس کی وجہ سے اس کا بھائی سخت مشکل میں تھا۔ اسے ترس آ گیا سے پہنچنے والے نقصان میں حصہ دار تھا مگر ہر بات بھلائے اس وقت اس کے ساتھ تھا۔ اسے بھائی پر ٹوٹ کر پیا

(پاپا..... آپ باپ ہیں اور مجھے نہیں سمجھتے..... اور یہ بھائی ہے.....)

"ٹھیک ہے نوفل..... میرے پیارے بھائی میں تمہیں مزید پریشان نہیں کروں گی۔ جو تم کہو گے میں کر ہوں اگرچہ اندیشے مجھے ہولا رہے ہیں۔"

"فکر نہ کریں آپا..... انشاء اللہ صفیہ خالہ آپ کے بے حد کام آئیں گی۔ وہ بہت مہربان اور سمجھدار ہیں۔"

کھڑا ہوا۔

"آپ ایک منٹ ٹھہریے میں عرفان سے کچھ پیسے لے کر آتا ہوں۔ یہ اکیڈمی عرفان کے بڑے بھائی ہے۔ وہ کسی کورس کے سلسلے میں امریکہ گئے ہوئے ہیں ان کی غیر موجودگی میں عرفان ہی یہاں کا انتظام چلا رہا اکانومی کی سیٹ تو ملنا مشکل ہوگی۔ فرسٹ کلاس میں البتہ ضرور مل جائے گی۔

وہ جیسے خود کلامی کے انداز میں کہہ کر آگے بڑھا۔

"نوفل.....!" شہوار نے اسے پکارا۔

وہ پلٹ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

تم اتنی ساری رقم عرفان کو کس طرح واپس کرو گے.....؟ لو یہ چوڑیاں رکھ لو۔"

وہ ثمینہ کی دی ہوئی چوڑیاں کلائی سے اتارنے لگی۔

کیا کر رہی ہیں آپا..... دے دوں گا کسی نہ کسی طرح۔ مرد ہوں آپا۔ کچھ نہ کچھ کر سکتا ہوں۔ اسے بہن کے سے جیسے دکھ ہوا تھا۔ ایک دم دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

شہوار صوفے پر بیٹھ کر دروازے کو گھورنے لگی۔

اس کا ذہن نہ جانے کہاں کہاں گھوم رہا تھا۔ اچھی طرح سبق سکھاؤں گی۔ احسن!

تم نے مجھے کمزور اور بزدل سمجھ کر ہی تو یہ ستم توڑا ہے۔ اس کا دل بھر آیا۔

پانچ دس منٹ کے وقفے کے بعد نوفل آ گیا تھا۔

"آیئے آپا"!

شہوار جلدی سے کھڑی ہو گئی..... اچھی طرح چادر لپیٹی..... اور نوفل کے پیچھے چل پڑی

راہداری میں چند لڑکے کھڑے تھے ان میں سے ایک آگے بڑھا۔

السلام علیکم۔

یہ میری آپا ہیں عرفان۔

شہوار نے زبردستی مسکرا کر اس کے سلام کا جواب دیا۔

"یہ چابی لو نوفل....." عرفان نے کی رنگ اس کی سمت بڑھائی۔

تھینکس اے لوٹ عرفان۔ نوفل نے شکریہ ادا کیا۔

کیا تم نے عرفان کو سب کچھ بتا دیا ہے؟ شہوار نے پوچھا۔

نوفل عرفان کی بائیک دھکیل کر باہر لا رہا تھا۔ ایک جھٹکے کو رک گیا۔

سب کچھ تو نہیں..... بس یہ کہہ دیا ہے کہ کچھ انٹرنل پرابلمز ہیں۔

شہوار نے گہرا سانس لیا۔

نوفل نے بائیک اسٹارٹ کی۔ شہوار اس کے پیچھے بیٹھ گئی۔ راستے بھر دونوں نے بہت کم بات کی تھی۔

نوفل ٹکٹ لینے گیا تو وہ ٹرمینل کے ریلنگ پر بازو کا کرا دھر ادھر دیکھنے لگی۔

انسانوں کا جم غفیر..... ہنوز موجود تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے یہاں رات نہیں ہوتی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ صفیہ خالہ اس سے انداز میں ملیں گی.....؟

کہیں ایسا نہ ہو کہ اندازے غلط ہو جائیں..... اور وہاں بھی مایوسی ہی منتظر ہو۔ طرح طرح کے خیالات آ رہے تھے۔

انہی خیالات کے بیچ اس ستم گر کا تصور بھی آ جاتا تو وہ نفرت سے مٹھیاں بھینچنے لگتی۔ میں صرف اپنے ماں باپ کے واپس آنے کے لئے اپنی خالہ کے پاس جا رہی ہوں۔ مجھے تمہاری شکل سے بھی نفرت ہے احسن۔

اگر میرے پاس متبادل راستہ ہوتا تو میں کبھی صفیہ خالہ کے پاس نہ جاتی۔

اگرچہ یہاں سے سمندر بہت قریب ہے۔

مگر میں کیوں مروں؟ اس سے تمہیں کیا فرق پڑے گا۔ میری ماں میرے بہن بھائی نئے زخم سے دوچار ہوں گے۔

میں انہیں خود سے وابستگی کی اتنی کڑی سزا کیوں دوں.....؟

میں تمہیں کیوں نہ ستاؤں.....؟ اس سے ہزار گنا زیادہ جتنا تم نے مجھے ستایا ہے۔ اگر میں مر جاؤں گی تو میرے پیچھے ف یہ داستاں رہ جائے گی کہ میں مجرم تھی۔

میرے پیاروں کے لئے عمر بھر کا طعنہ۔

میں ایسا ہرگز نہیں کروں گی۔

ہمیشہ آزمائش کے لمحوں ہی میں انسان کو اپنی صلاحیت و حوصلے سے آگاہی ہوتی ہے۔ اسے احساس ہوا۔ وہ اتنی کمزور ل ہے جتنا خود کو سمجھتی رہی ہے۔

خاصی دیر ہو چلی تھی۔ اسے نوفل پر ترس آنے لگا۔

میری وجہ سے میرا بھائی کتنی مصیبت میں ہے۔ بے چارہ۔

"آپا.....!" معاً اس نے نوفل کی آواز سنی۔

وہ چونک کر مڑی۔

"یہ لیجئے ٹکٹ۔"

شہوار نے ٹکٹ ہاتھ میں لے لیا۔

"میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اسے کہاں رکھوں....." شہوار نے بے بسی سے بھائی کی طرف دیکھا۔

اوہ..... نوفل کو بھی جیسے اس مسئلے نے پریشان کر دیا۔

آپ کے پاس پرس نہیں ہے؟ نوفل کو حیرانی ہوئی۔

قیدی کو روٹی، پانی اور کوٹھری ملتی ہے۔ وہ ہونٹ کاٹ کر بولی۔ میں احسن کی قید سے چھوٹ کر آ رہی ہوں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نوفل نے پینٹ کی پچھلی پاکٹ سے اپنا پرس نکالا۔ کچھ رقم اسی میں رہنے دی اور پرس شہوار کے ہاتھ میں تھما دیا۔
ہے تو مردانہ پرس، مگر مجبوری ہے۔ چادر میں چھپا لیجئے گا۔
آپا! آپ لاؤنج میں چلی جائیے۔ فلائٹ صبح چار بجے کی ہے۔ میں احمر کو فون کر دوں گا۔ آپ گھبرائیے نہیں۔ اگر
کا نمبر نوٹ کر لیجئے۔ کوئی مسئلہ ہو تو عرفان کو فون کر دیجئے گا۔ بلکہ ایک نمبر اس کے گھر کا بھی نوٹ کر لیجئے۔ کیونکہ اگر
چار بجے کھلتی ہیت۔
نوفل نے اسے دو فون نمبر بتا دیے۔
آپا..... اب میں چلوں گا۔ ورنہ پاپا.....“
”ہاں ہاں..... تم جاؤ نوفل..... رات خاصی گہری ہو چکی ہے۔ فکر نہیں کرو۔ میں بالکل نہیں گھبراؤں گی تم پریشان
ہونا۔
اب وہ اسے تسلیاں دے رہی تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ نوفل کے شانے پر رکھ دیا۔ آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔
مجھے معاف کر دینا نوفل.....!
کیسی باتیں کرتی ہیں آپا۔ یہ آپ کی زندگی کا چیلنج ہے۔ یہاں سب اپنے اپنے چیلنج سے نمٹتے ہیں۔ سب کو اللہ
راستہ دکھاتا ہے۔
اسے نوفل پر ٹوٹ کر پیار آ گیا۔ کتنی بڑی بڑی باتیں کرنے لگا تھا۔ اس کے حافظے میں تو وہ بھی نوفل تھا جو
چھوٹی باتوں پر بھی حیرانی کا اظہار کرتا تھا۔ معصوم اور بے وقوف سا۔
اسلام آباد پہنچ کر مجھے ایک مرتبہ فون ضرور کیجئے گا۔ میں سات بجے تک اکیڈمی ہوتا ہوں۔ خدا حافظ آپا۔
وہ شہوار پر ایک افسردہ سی نظر ڈال کر پلٹ گیا۔
خدا حافظ۔ وہ اسے جاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ دل جیسے نیچے..... بہت نیچے ڈوبتا جا رہا تھا۔

صفیہ نے دل کڑا کر کے شیخ صاحب کو مخاطب کیا تھا۔ میں کہہ رہی ہوں، سن رہے ہیں.....؟
”ہوں..... ہوں.....“ شیخ صاحب نے ان کی طرف دیکھے بنا بے زاری سے ہنکارا بھرا۔
ماشاء اللہ ہماری کئی بیٹیاں ہیں..... ایک ایک کر کے بیاہیں گے تو ہی یہ فرض ادا ہو سکیں گے۔
تمہارا کیا خیال ہے، مجھے یہ سب معلوم نہیں.....؟ وہ اکھڑ..... انداز میں کہہ کر پھر اس کتاب کی سمت متوجہ ہو گئے
ان کے ہاتھ میں تھی۔
میرا یہ مطلب نہیں..... آپ آگے بھی تو سنیں۔ وہ ضرورت سے زیادہ مٹھاس لہجے میں بھر کر بولیں۔
سناؤ..... سن رہا ہوں..... ان کا انداز ہنوز لاپروائی کا مظہر تھا۔
وہ ہمسائی آئی تھیں ناں..... رشتہ لے کر.....
”کیا ہو گیا انہیں.....؟ وہ تیوری پر بل ڈال کر صفیہ کو دیکھنے لگے۔“
”اللہ نہ کرے کہ انہیں کچھ ہو..... کل کی خیر ہو.....“ میں نے آپ کو بتایا تھا ناں کہ وہ نبیلہ کا رشتہ لے کر آئی تھیں۔
”پھر.....؟“ شیخ صاحب نے نظر کا چشمہ بائیں ہاتھ سے اتار کر صفیہ کی طرف دیکھا۔
ان بے چاری سے ذرا سی چوک ہو گئی۔ نئی ہیں ناں یہاں۔ ہماری بچیوں کے نام انہیں ٹھیک سے یاد نہیں رہتے

ہیں۔ ان کی سیدھی سادی عورت ہیں۔
”کیا چوک ہو گئی؟ شیخ صاحب ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئے۔“
”وہ اصل..... نائلہ کا رشتہ..... لائی تھیں۔“
انہیں پہلی فرصت میں منع کر دو۔ وہ آئندہ میرے گھر میں قدم نہ رکھیں۔ شیخ صاحب آناً فاناً آگ بگولا ہو گئے جس کا
اندازہ صفیہ کو پہلے ہی تھا۔
آپ پوری بات تو سنیں۔
سن لی پوری بات۔ ان کے حق میں تمہاری وکالت مجھ پر کوئی اثر نہیں کرے گی۔ سن لیا.....؟
ان سے غلطی ہو گئی۔ انہوں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔ وہ تو بے چاری بہت شرمندہ ہو رہی تھیں۔
ہم سے بھی غلطی ہو گئی کہ ہم نے ان کی بات سن لی۔ جو لوگ دوسروں کا تماشہ بناتے ہیں، ہم ان کو اپنے گھر میں ایک
منٹ برداشت نہیں کر سکتے۔ کہہ دینا بڑی بی سے صاف صاف۔
شیخ صاحب! ذرا غور کریں..... اگر ہم یہی کچھ کرتے رہے تو کیا بنے گا ان بچیوں کا؟ وہ زچ سی ہو گئیں۔
میں بے غیرت نہیں ہوں کہ دوسروں کی شرائط پر اپنی بیٹیاں انہیں دے دوں۔ میری لڑکیاں عیب دار نہیں ہیں۔ مجھے
کسی کے سامنے جھکنے کی ضرورت نہیں۔
نعوذ باللہ..... شیخ صاحب یہ گمان میں شامل ہے۔ اللہ سے پناہ مانگتے رہنا چاہیے۔
مانگو..... اچھی بات ہے۔ مگر میں اپنی بچیوں کے معاملات میں خود مختار رہوں۔ وہ بگڑ اٹھے..... بحث کرنے کی
ضرورت نہیں مجھ سے۔
آپ بچیوں کے معاملات میں خود مختار ہیں۔ یہ کوئی بتانے کی بات نہیں مگر ہمیں یہ بھی دھیان رکھنا چاہیے..... کہ بطور
انسان ان کے احساسات بھی ہیں جن کا پاس کرنا تمام والدین کی ذمہ داری ہے۔ صفیہ نے ہنوز دھیمے پن سے انہیں
سمجھایا۔
کیا مطلب؟ وہ اپنے شادی بیاہ کے معاملات خود طے کریں گی؟ وہ چونک کر پھر بھڑک کر گویا ہوئے۔
میرا یہ مطلب نہیں۔ صفیہ جلدی سے بولیں۔
ایک تو تمہاری ایک بات میں ہزار مطلب ہوتے ہیں۔ وہ برہمی سے گویا ہوئے۔
میرا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اس طرح کے رویوں سے ان کے ذہنوں پر اچھے اثرات مرتب نہیں ہوں گے۔ وہ
پالنے کی بچیاں نہیں..... پڑھی لکھی ہوش مند، سمجھ دار لڑکیاں ہیں۔
کیا انہیں شک ہے کہ ہم ان کا بھلا نہیں چاہتے؟ شیخ صاحب نے کڑے تیور سے انہیں دیکھا۔
وہ بے چاریاں کیا کہیں گی مگر ماں ہونے کے ناتے مجھے ان کے احساسات کی فکر رکھنا چاہیے۔
فکر نہیں کرو۔ وہ میری اولاد ہیں۔ ان کے احساسات تمہاری سوچ کی طرح نامعقول نہیں ہو سکتے۔
ہو بھی سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ میری بھی اولاد ہیں۔ صفیہ بھی خود پر پڑتی چوٹ سے چیخ گئیں۔
صاف صاف کہو..... کیا کہنا چاہتی ہو؟ شیخ صاحب ایک دم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔
دیکھیں یہ نیا دور..... نیا وقت ہے..... وہ باتیں جو پہلے.....
اصل بات کرو۔ شیخ صاحب نے بات کاٹ دی..... زندگی میں پہلی بار ان کی ذہن میں کچھ خدشات کلبلائے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے.....وہ بیوی کی تمہید سے کھٹک رہے تھے۔

دراصل ہمسائی کے بقول ان کے لئے تو ہماری سب بچیاں برابر ہیں۔

تین سو ساٹھ چلتر تو عورت کے میں گنوا سکتا ہوں۔ خیر آگے کہو۔

وہ ٹکڑا لگانے سے باز نہیں رہ سکتے تھے۔

میں لڑکیوں کے ساتھ ان کے ہاں شادی میں گئی تھی۔ وہاں ان کے لڑکے نے نائلہ کو دیکھ لیا تھا۔

شرم کرو صفیہ.....! تم نے یہ بات اپنے منہ سے میرے سامنے نکالی تو کیوں؟

شیخ صاحب دہاڑ کر پلنگ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

لڑکے نے رشتہ بھجوایا ہے۔ شیخ صاحب.....اس نے کوئی غلط راستہ اختیار نہیں کیا۔

صفیہ کو دوٹوک بات اس لئے کرنا پڑی کہ شیخ صاحب کے سامنے آئیں بائیں شائیں کرنا اپنا مقدمہ ہی کمزور کر کے مترادف تھا۔

اس لڑکے کی اتنی جرات کیسے ہوئی کہ اس نے ہماری بچی کو دیکھتے ہی رشتہ بھجوا دیا۔ ریوڑیوں کی طرح بٹ رہی لڑکیاں.....نو دو لیتے کہیں کے۔ ارے اس نے سمجھا کیا کہ ہم ایسے گرے پڑے ہیں جو چاہے منہ اٹھا کر رشتہ مانگنے آجا اور پھر بچیوں کا تماشا بنائے کہ "یہ" نہیں "وہ"۔ وہ نہیں "یہ"

بکرا منڈی سمجھا ہے میرا گھر۔ ہماری لڑکیاں کھانے جا رہی ہیں کسی کے گھر، کوئی بوجھ ہیں جو روکھی سوکھی میسر کھائیں گی۔ مگر میں اپنے گھر کا تماشا بنانے والوں کو کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ میں ایسے لوفر لڑکے کو اپنی بیٹی نہیں دے جسے لڑکیاں دیکھنے کی بری عادت ہو.....سمجھیں.....؟

یہ دلیل انکار کے لئے وزنی نہیں ہے۔ لڑکا خوش شکل ہے۔ والدین کا چہیتا ہے۔ خوش حال ہے۔

اسے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔ صفیہ کو غصہ آ گیا۔

پھر یہاں کیوں جھک مار رہے ہیں وہ لوگ.....؟

اور ہاں.....خبردار جو آئندہ غیروں کے ہاں تم لڑکیوں کو لے کر گئیں۔ آج کل کسی کا بھروسہ نہیں۔ اب آئیں میری طرف سے انکار کر دینا۔ صاف کہہ دینا شرفاء کے یہ طریقے نہیں ہوتے کہ وہ گھڑی گھڑی بات بدلتے رہیں۔

صفیہ جان چکی تھیں وہ اپنی اڑیل طبیعت سے اس وقت مجبور ہیں اور کچھ نہیں سنیں گے۔ لہذا وہ باہر نکل گئیں مگر ابھی انہوں نے ہار نہیں مانی تھی۔

یوں بھی شیخ صاحب کا ردعمل ان کے لئے خلاف توقع نہیں تھا۔

نائلہ جو ساتھ کے کمرے میں کان لگائے کھڑی تھی جلدی سے بستر پر آ کر بیٹھ گئی۔

اس کمرے میں احمر سوتا تھا جو اس وقت انگلش فلم دیکھنے میں مشغول تھا۔

یہ کام تو قیامت تک نہیں ہو سکتا رازی۔

اور ہونا بھی نہیں چاہیے۔ نہ میرے حق میں نہ آپا کے حق میں۔

اس لئے کہ یہ عجیب و غریب تانے بانے سے تیار رشتہ.....کسی کے حق میں بھی سچی خوشی کا پیامبر نہیں بن سکتا۔

مجھے افسوس ہے رازی! تم اپنی سچائی کے باوجود ہار رہے ہو۔

نائلہ نے فیصلہ کن سوچ اپنا کر اپنا وجود ایک دم ہلکا پھلکا کر لیا اور دوپٹہ سر پر جما کر باہر آ گئی۔

آپا.....! مجھے تو آپ نائٹ واچ مین لگتی ہیں۔ سارا گھر سو جاتا ہے آپ نہ جانے کیا کرتی رہتی ہیں؟

احمر نے اسے گم صم سا دیکھ کر مخاطب کیا۔

وہ اس کے بال بکھیر کر ہنس پڑی.....ختم نہیں ہوئی ابھی فلم۔ آواز آہستہ کرو۔ ابا جی ناراض ہوں گے۔

احمر نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی تھی۔ اور دوبارہ اسکرین پر نظریں جما کر بیٹھ گیا تھا۔

تم سوئیں نہیں نائلہ.....؟ صفیہ اچانک نمودار ہوئیں۔

سو رہی ہوں امی.....

اگر نیند نہیں آ رہی تو چلو باتیں کر لیتے ہیں دونوں ماں بیٹی۔ وہ اس کا چہرہ غور سے دیکھ رہی تھیں۔

نہیں.....نہیں.....نیند تو مجھے سخت آ رہی ہے۔ نائلہ نے فوراً گھبرا کر کہا۔

بہت اچھا کیا امی آپ نے مجھ سے باتیں کرنے سے ابا جی سے بات کر لی۔ آپ اتنی بڑی ہیں.....سمجھ دار اور تجربہ

ار ہیں۔

خدا معلوم مجھ سے کہاں چوک ہو جاتی.....

اور آپ بھید پا جاتیں۔

بھرم رہ گیا۔

ابھی مجھے دو چار روز خود پر قابو پانے دیں.....امی۔

سانحہ.....بہر حال مجھے زندگ بھر یاد رہے گا۔

کہ میں بھی کسی قابل تھی۔

کچھ دینے کی حیثیت رکھتی تھی۔

میرے پاس بھی دینے کو کچھ تھا۔

اس کے باوجود میں نے خالی ہاتھ لوٹا دیا تھا۔

خزانہ اگرچہ میرے پاس تھا۔

مگر چابی گم تھی۔

کیا سوچ رہی ہو؟ صفیہ کی گہری نظریں یوں بھی آج کل نائلہ کا احاطہ کئے رہتی تھیں۔

کچھ نہیں امی.....وہ سٹپٹا گئی۔

سوچ رہی ہوں کالج جاؤں یا نہیں.....صبح کو.....کیونکہ آج کل پڑھائی تو ہو نہیں رہی۔

جب پڑھائی نہیں ہو رہی تھی تو رہنے دو۔ خواہ مخواہ تھکن ہی ہو گی۔

جی.....

کیا بات ہے.....کیا تم پریشان ہو.....؟ صفیہ اس کے گومگو رویے سے الجھ گئیں۔

نہیں تو امی.....اس نے گھبرا کر ماں کی شکل دیکھی۔

مجھے لگتا ہے.....تم میں روز والی بات نہیں ہے۔ حتی کہ جب میں شام کو فون پر شکیلہ سے بات کر کے آئی تو بھی تم نے اپنی باجی کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔ جب کہ اس سے پہلے تو تمہارے سوالات ہی ختم ہو کر نہیں دیتے تھے۔

آپ فکر مند نہ ہوں امی.....میں بالکل ٹھیک ہوں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اللہ ہمیشہ ٹھیک رکھے..... اچھا..... ذرا میرے ساتھ آؤ، تم سے دو ایک ضروری باتیں کرنا ہیں۔ یہاں احمر فلم دیکھ رہا ہے۔

وہ اسے لے کر گھر کے کونے میں بنے چھوٹے سے کمرے میں آ گئیں۔

نائلہ حیران پریشان ان کے پیچھے چلی آئی تھی..... نہ جانے کیوں اس کا دل دھڑک رہا تھا..... وہ تخت پر ماں کے مقابل بیٹھ کر انتہائی سہمے ہوئے انداز میں ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

آنکھوں میں سہم۔

نیم والب۔

سر پر اچھی طرح جمایا ہوا دوپٹہ۔

صفیہ کو بے اختیار پیار آ گیا..... انہوں نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ لے کر پیشانی پر بوسہ دیا۔

پریشان کیوں ہو..... ایسی کوئی خاص بات نہیں..... میں ہوں ناں ابھی تمہارے حصے کی پریشانیاں اٹھانے کے لئے۔

نائلہ کے دل کو کچھ قرار آیا.....

میں سوچ رہی ہوں کہ..... کہ خیر سے شکیلہ کے ہاں خوشی ہونے والی ہے۔ میں جاؤں یا تمہیں بھیج دوں۔ تم ذرا ذمہ دار ہو۔ نبیلہ کے ہاتھ پاؤں جلدی پھول جاتے ہیں۔ اس نے بھی فون پر یہی کہا کہ امی ہو سکے تو نیلی کو بھیج دیجئے گا۔

تمہارے ابا جی تو شاید کسی کو بھی بھیجنا پسند نہ کریں۔ مگر وہاں میری بچی بہت اکیلی ہے۔ شکوہ کر رہی تھی جاتی ہوں میری بیٹیاں بہت سمجھ دار ہیں۔

صاف بات یہ ہے بیٹی میرا دل انعام علی کی طرف سے صاف نہیں ہے۔ لاکھ میری بچی خوش ہے۔ میں جانتی ہوں میری بیٹیاں بہت سمجھ دار ہیں۔

بیان بدلنے کے بعد فیصلہ بہت آسان ہو گیا تھا۔ یعنی کہ سیدھے سیدھے انہیں صاف جواب دے دیا جائے کیونکہ اس عمل میں نبیلہ کا خوامخواہ تماشا ہے۔ میرے نزدیک میری تمام بچیاں برابر ہیں۔ مگر.....

(اف توبہ..... کتنا خطرناک ہے یہ "مگر") نائلہ کا دل بری طرح دھک دھک کر رہا تھا۔

مگر یہ راستہ رازی نے اپنی ماں کو دکھایا ہے..... کیا تمہیں رازی کے اس عمل کی پہلے سے خبر تھی.....؟

امی..... امی لفظے کو تو جیسے نائلہ کو سانپ ہی سونگھ گیا تھا۔

کہیں ایسا تو نہیں نیلی تمہارے باپ کے بنائے ہوئے اس گھر کے سسٹم کی وجہ سے باپ ہی پر سے نہیں ماں پر سے بھی تمہارا اعتبار اٹھ گیا ہو۔

خدا نہ کرے امی..... آپ کا تو اعتبار ہے کہ آپ کے لئے تو جان بھی دے سکتی ہوں..... یہ ان لوگوں کا یکطرفہ فیصلہ ہے۔ میں بالکل بے قصور ہوں..... یقین کیجئے۔

مارے شرم کے نائلہ کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

اگر ان کو انکار میں جواب دے دیا جائے؟

امی..... آپ کا جو دل چاہے فیصلہ کریں..... مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے اس قصے میں۔

شاباش..... مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ میری بیٹیاں مجھ سے مایوس ہو کر اپنے فیصلے خود نہیں کر سکتیں۔ اپنی دکھی ماں کو

ں کی دلدل میں نہیں اتار سکتیں۔

ں پڑھی لکھی عورت ہوں نیلی۔ میں ان ماؤں میں سے نہیں ہوں جو بوسونگھتے ہی اولاد کی ضد میں راستہ چلنے لگی ہیں

ج بچوں اور والدین کے درمیان کبھی نہ ختم ہونے والا الجھاؤ پیدا ہوتا ہے۔ اور ہمیشہ کی بے اعتباری اور فاصلے پیدا

ے ہیں۔

والدین کو تو اس طرح ہونا چاہیے کہ بچے ساری دنیا میں سب سے زیادہ اعتبار ان پر کریں۔ والدین کے وجود سے تو

تقویت کا احساس ملنا چاہیے نہ کہ گھٹن کا۔

بچوں کا بااصول زندگی کا عادی بنانا چاہئے۔ نہ غیر فطری بندش۔ اور ہمارے مذہب کے مطابق تو ہر انسان کو ہر

ورت ہی آزادی میسر ہے۔ مگر مذہب کو جاننے کی کوشش ہی کون کرتا ہے۔ اس کے اندر تو انسانوں کے لئے سکون اور

ی خوشی ہے۔

اگر رازی نے رشتہ نہ بھجوایا ہوتا تو میں تم سے اس طرح کی بات کبھی بھی نہ کرتی مگر کیونکہ اس نے باقاعدہ پیام بھجوایا

اس لئے میرا فرض بنتا تھا کہ میں معاملے کی تہہ میں اتروں۔ نادانستگی میں کوئی غلطی نہ کر بیٹھوں..... خواہ مخواہ کے

ڑے ہاتھ لگیں۔ بہرحال نیلی تھوڑی بہت غلط بیانی تم نے کی ہے۔

جی..... امی.....؟

ہاں..... تمہیں ہر حال رازی کے گھرانے کے بارے میں علم تھا کہ وہ تمہارے بارے میں کیا سرچ رہے ہیں۔ خیر اس

سے مجھے اطمینان ہوا ہے کہ تم نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی جو مجھے میری ہی نظروں میں گرا دیتی..... کہ میرے بچے

بات سے مایوس ہو گئے ہیں کہ ان کی ماں ان کے کسی کام کی نہیں..... اور تمہارے باپ کے طعنوں کی شاید حد نزدیک

آتی۔ میں نے اپنی طرف سے کوشش کی تھی کہ فیصلہ تمہارے حق میں ہو جائے۔ شادی تو تمہاری کرنا ہی ہے۔ لیکن.....

صفیہ اس درجہ آزاد خیال بھی نہیں تھیں کہ بیٹیوں کو بر تلاش کرنے کی آزادی دے دیتیں۔

چونکہ شیخ صاحب کی قائم کردہ گھٹن زدہ فضا انہیں ہولایا کرتی تھی۔ احسن کی خودسری تو اس مردانہ معاشرے میں کھپ

ئی تھی۔

مگر خدانخواستہ لڑکیوں کی اس قسم کی خودسری کسی دور میں بھی فائدہ مند نہیں ہو سکتی اور کئی نسلیں اس طعنے کا بوجھ اٹھانے

ذمہ دار ٹھہر سکتی ہیں۔

مگر مجھے یہ خیال رہ رہ کر آتا ہے کہ انعام علی نے شیخ صاحب کی کم مائیگی کو ہوشیاری سے اپنے حق میں استعمال کیا

ہے۔ وہ میرے نزدیک موقع شناس اور کاروباری ہیں۔ میری پھول سی بچی۔

اور جب میرا دل صاف نہ ہو تو میں کسی سے بھی بات چیت نہیں کر سکتی۔

جس انداز میں شادی ہوئی ہے اور جن حالات میں ہوئی ان کے مطابق تو مجھے یا تمہارے ابا جی کو وہاں لقمہ توڑتے

وئے بھی غیرت آنا چاہیے۔

کم از کم مجھے..... کیوں کہ اس شادی کی، اس شادی کے دولہا کی سب سے بڑی مخالف میں تھی۔

ہر چند شکیلہ کی سکھ بھری زندگی نے میرے ذہن سے بہت بوجھ اتار دیا ہے مگر مجھے پتا ہے اس نے اپنے آپ کو ڈھال

لیا ہے۔

زمانہ چہرہ دیکھتا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چہرہ ٹٹولتا ہے۔

ماں تو ماں ہوتی ہے۔

اسے تو اولاد کے دل کی خبر ہونا چاہیے۔ اسے تو دل ٹٹولنا چاہیے۔

اعلیٰ ظرف انسان زندگی کے تمام دکھ جھیلتے ہوئے بھی ہمیشہ یہی کہا کرتے ہیں کہ "سب ٹھیک ہے۔"

جب کہ ٹھیک نہیں ہوا کرتا۔

جب میرا دل ہی صاف نہیں انعام علی کی طرف سے تو میں دن رات ان کے سامنے کیسے رہ سکتی ہوں۔

پھر ظاہر ہے، دوسری صورت یہی ہے کہ میں تم میں سے کسی کو بھیج دوں۔ نہیں بھیجوں گی تو وہ کڑھے گی۔

امی..... آپ بلو آپا کو (نبیلہ کو) بھیج دیجئے گا..... ان کی باجی سے زیادہ انڈر اسٹینڈنگ ہے۔ باجی بھی ان سے ہر
خوش رہتی ہیں انیلا وغیرہ تو لاپرواہیں..... خواہ مخواہ باجی پر بوجھ ہوگا..... بس آپ بلو آپا کو بھیج دیجئے گا۔

ہاں..... اسی کو بھیج دوں گی..... ابھی تو تمہارے ابا جی کو آرام کرنا ہوگا..... خدا معلوم کیا سوچ ہے ان کی.....؟
بچیوں کا کہیں آنا جانا پسند نہ بچیوں سے کسی کا ملنا جلنا پسند۔ اور ہاں ایک بات اور کرنا ہے تم سے۔ وہ جیسے کسی خیال سے
چونک کر بولیں۔

جی..... نائلہ نے ان کی سمت غور سے دیکھا۔

وہ روبی کی ماں آئی تھیں ناں۔

جی..... جی۔ نائلہ کا دل دھڑکا۔

انہوں نے ایک نیا مسئلہ کھڑا کر دیا ہے۔

نائلہ دل ہی دل میں سہم گئی..... (آ گئی ناں پھر وہی بات)

جب وہ پہلے سن آئی تھیں تو انہوں نے نبیلہ کے رشتے کے لئے کہا تھا۔ اب وہ تمہارے لئے کہہ رہی ہوں۔ کہہ رہی
ہیں غلطی سے نبیلہ کا نام لے بیٹھیں تھیں۔ اصل میں تو نائلہ کے لئے آئی تھیں۔

نائلہ کی نظریں جھکی رہ گئیں۔

بہت شرمندہ ہو رہی تھیں۔ تمہارے لئے اصرار کر رہی ہیں..... مگر تمہارے ابا جی نے انکار کر دیا ہے۔

میں تم سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ اب کیا کرنا چاہیے.....؟ انہوں نے بغور نائلہ کا چہرہ دیکھا۔

میں کیا کر سکتی ہوں امی..... آپ بڑی ہیں۔ اپ جو فیصلہ کریں گی، وہ اچھا ہوگا.....

ایک بات پوچھوں بیٹی..... خیال نہیں کرنا..... اور سچ سچ بتا دینا یہ سوچ کر کہ میں تمہاری ماں ہوں۔

دنیا میں اللہ کے بعد سب سے زیادہ تمہاری خیر خواہ۔

جی امی.....! نائلہ کی آواز کانپنے لگی۔

انہیں شیخ صاحب کی مکمل قسم کی آمریت سے ہمیشہ سے خوف آیا کرتا تھا..... جو اپنے نگہداشت انسانوں کو کل پرزوں
سے چلنے والے روبوٹ سے زیادہ اہمیت دینے کو تیار نہیں تھے۔

عزت کی شدید خواہش بھی انسانوں کو برداشت کی غیر معمولی طاقت دے دیا کرتی ہے۔ جو انہوں نے آج تک اپنے
اندر محسوس کی۔

مگر اب اولاد کے معاملات اہمیت اختیار کرتے جا رہے تھے۔ وہ پہلے سے زیادہ مستعد اور چوکس ہو رہی تھیں۔

ی وجہ تھی کہ وہ نائلہ کو بہلانا چاہتی تھیں..... تاکہ وہ کسی ذہنی خلفشار میں مبتلا نہ ہو جائے۔

روی در محرومی۔

بی در مایوسی..... بے حد خطرناک ہوا کرتی ہے۔

ی سبب وہ اتنی نرم ہو رہی تھیں۔

ی سبب وہ اس کا دل ٹٹول رہی تھیں۔

راب سے کے جواب نے انہیں ہلکا پھلکا کر دیا تھا۔

ی..... اس سارے قصے میں بلو آپا کا جو تماشا بنا ہے..... میں اس گھرنے کی بہت سنگین غلطی سمجھتی ہوں۔

ی بہن کو تکلیف اور دکھ دے کر میں کسی خوشی کو حاصل کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ خواہ اس میں میرا کتنا بڑا نقصان

ں نہ ہو رہا ہو..... فی الحال تو ایسا بھی نہیں ہے۔

لہ نے نہایت خود اعتمادی سے ماں کو واضح جواب دے دیا۔

فیہ نے بے ساختہ نائلہ کی پیشانی چوم لی۔

ری بیٹی بالکل ویسی ہے جیسا میں اسے سمجھتی ہوں..... اللہ نصیب اچھے کرے۔

ا انہیں محسوس ہوا جیسے کال بیل بجی ہو۔

دا خیر کرے اتنی رات کو کون آ سکتا ہے۔

ہ باہر نکلیں تو احمر بیرونی دروازہ کھول رہا تھا۔

دونوں اپنی اپنی جگہ کھڑی ہو کر احمر کے پلٹنے کا انتظار کرنے لگیں۔

احمر کسی سے بات چیت میں مصروف تھا۔

کون ہے بیٹا؟ وہ ضبط نہ کر سکیں۔

ایک منٹ امی.....

پھر اس نے دروازہ بند کر دیا۔ وہ اس کے قریب ہی چلی آئیں۔

امی..... نوفل کا فون آیا تھا کراچی سے۔

الٰہی خیر..... اتنی رات کو.....

بھابی جان..... آ رہی ہیں۔ صبح صبح پہنچیں گی یہاں۔ وہ خود جیسے کچھ سوچ رہا تھا۔

کو بھابی جان.....؟ وہ واقعی نہیں سمجھیں۔ اتنے بڑے خاندان میں نہ جانے کتنی "بھابی جان" تھیں۔

شہوار بھابی.....

ہائیں شہوار اکیلی.....!!!..... صفیہ انتہائی حیرانی سے گویا ہوئیں۔

مگر شہوار تو احسن کے پاس تھی پھر نوفل.....؟ وہ سخت پریشان ہو گئی تھیں۔

کیا پیغام آیا ہے؟

یہی کہ شہوار بھابی علی الصبح پہنچ رہی ہیں۔ میں انہیں ایرپورٹ سے لے آؤں۔ احمر نے جواب دیا۔

اچھا..... صفیہ پر ہنوز حیرانی کا اثر تھا۔

نائلہ علیحدہ ہکا بکا کھڑی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مگر اتنی صبح صبح تم جاؤ گے کیسے؟ اتنی صبح تو گاڑی ملنا مشکل ہے۔ اگر وہ اکیلی ہے تو بہت پریشان ہو گی پریشانی نے ستایا۔

امی..... علی ڈیکوریشن والے سے بات کرلوں؟ اس کے ہاں سے گاڑی کا انتظام ہو سکتا ہے۔ پیسے تو ڈبل احمر نے فوراً حل بتایا۔

اگر ایسا ہو سکتا ہے۔ تو ضرور کرو۔ صفیہ نے کہا۔ خواہ کتنے پیسے لگیں۔

میں ابھی آپا بات کر کے۔ احمر دروازہ کھول کر فوراً باہر نکل گیا۔

الٰہی خیر کرنا..... بچی یہاں اکیلی کیوں آ رہی ہے؟ احسن کے بجائے پیغام نوفل نے کیوں دیا؟

میرے مالک میں اتنے امتحانوں کی بھلا کہاں طاقت رکھتی ہوں۔ صفیہ بری طرح ہول رہی تھیں۔

امی..... پتا نہیں کیا بات ہے۔ میرا تو دل گھبرا رہا ہے۔

ہاں..... اللہ خیر کرے۔

ارے کیا تم لوگوں کی ابھی رات نہیں ہوئی.....؟ شیخ صاحب کی کراری آواز گونجی..... غالباً ان کی کھٹ پٹ آنکھ کھل گئی تھی۔

ہاں..... ہاں..... سو رہے ہیں..... بچے پڑھ رہے تھے۔ صفیہ جلدی سے بولیں۔

ہاں..... ساری حکمت بس اسی گھر پر برس رہی ہے۔ ان کی بڑبڑاہٹ سنائی دی۔

انہیں تو ہوا بھی نہیں لگنی چاہیے اس پیغام کی..... سارا محلہ جگا کر رکھ دیں گے۔ صفیہ سرگوشی میں بولی تھیں۔

دونوں نے ایک گونہ سکون کا سانس بھرا صفیہ نے نہایت آہستگی سے دروازہ بند کیا۔

آتی ہوئی نیند بھی اس نئی افتاد کے باعث رخصت ہو گئی تھی۔ صفیہ کا جی چاہ رہا تھا کہ صبح آنا فانا ہو جائے۔

جاؤ..... تم دونوں سو جاؤ اب۔ پھر وہ احمر کی سمت متوجہ ہوئیں وہ میں صبح ساڑھے چار بجے جگا دوں گی تمہیں۔

تو کیا آپ کا سونے کا ارادہ نہیں؟ نائلہ کے کسی سوچ سے جاگ کر پوچھا تھا۔

نہیں..... نہیں لیٹ رہی ہوں میں بھی (لو بھلا..... اب نیند کہاں.....) ایک سوال ذہن میں لٹو کی طرح گر تھا۔

احسن کے بغیر تنہا.....

کیا یہ احسن کا باپ سے صلح کی طرف ایک قدم ہے.....؟

مگر اندر سے نفی میں جواب مل رہا تھا۔

وہ اپنے بستر پر آ کر آنکھیں موند کر لیٹ تو گئی تھیں۔ مگر دل و ذہن کو ایک پل قرار نہیں تھا۔

تجھے..... کل میں نے صدر میں دیکھا تھا۔ وہ نیلے کپڑوں میں کون تھی تیرے ساتھ.....؟

خالہ نے برقعہ بھی نہیں اتارا تھا اور شروع ہو گئی تھیں۔

ارے خالہ آتے ہی بھانڈا پھوڑ دیا۔ بلال نے گھبرانے کی کامیاب ایکٹنگ کی۔

دیکھ بلال..... یہ کوئی اچھی راہ نہیں چل رہا تو..... انہوں نے خبردار کیا۔

ارے کسی کام کی بھی تو نہیں وہ..... لونڈوں کی طرح کٹے ہوئے بال..... ہڈیوں کا پنجر نرا۔ دلہن وہ جو میں نے

پتلی کی لڑکی بتائی تھی۔ اس کے تو پاؤں کی دھول بھی نہیں ہے وہ صدر والی۔ خالہ نے منزہ کو مخاطب کیا۔

میں نہیں آؤں گا مغلوں کے چکر میں..... مجھے بھی "رنگون" میں دبا دیں گے۔

نور بانو مسکرا دیں..... بلال کی وجہ سے ان کے ہونٹ مسکرانا نہیں بھولے تھے۔

اور کیا دبا دیا ہے مغلوں نے رنگون میں؟

باقی کیا چھوڑا ہے دبانے کے لئے..... نہیں نہیں..... وہ نیلے کپڑوں والی صحیح ہے۔ وہ اخبار کھول کر بیٹھ گیا۔

ارے بالکل جوڑ کی نہیں ہے تیرے..... خالہ نے نہایت غصے سے کہا۔

مجھے جوڑ توڑ والی..... چاہیے بھی نہیں۔

آپ نہیں سمجھائیں گی اسے۔ خالہ نے بے بسی سے بانو کو مخاطب کیا۔

کیا سمجھاؤں، مجھے تو اصل بات معلوم ہی نہیں۔ انہوں نے نہایت محبت سے بلال کو دیکھا۔

نیلے کپڑوں والی۔ کے نام پر تو آپ کے کان کھڑے ہونا چاہیے تھے۔ آخر آپ ماں ہیں۔ خالہ کو نور بانو کے سکون پر تھا۔

کان تو ہوتے ہی کھڑے ہیں۔ کیا کان بیٹھتے بھی ہیں خالہ.....؟ بلال نے شرارت سے دریافت کیا۔

آئیں بائیں شائیں کرنے کی ضرورت نہیں۔ دلہن، اس سے پوچھو کون تھی وہ نیلے کپڑوں والی؟

کون تھی وہ بلال.....؟ منزہ نے خالہ کو دل رکھنے کو پوچھ ہی لیا۔ اسے یقین تھا کہ ضرور خالہ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔

میں آج ہی درخواست ٹائپ کر کے وزیر اعظم سیکریٹریٹ بھجوا رہا ہوں کہ آئندہ پنج سالہ منصوبے میں خواتین و رات کے چلنے کے لئے الگ الگ سڑکیں وقف کی جائیں..... اور اس منصوبے پر آنے والی لاگت کا نصف خالہ کی خاص سے وصول کیا جائے۔ خدا معلوم کون مظلوم تھی نیلے کپڑوں میں..... نہ جانے کس کی شامت نے دھکا دیا تھا جو ے ساتھ آ کھڑی ہوئی تھی۔

کاش میں اس کا چہرہ ہی دیکھ لیتا جو مفت میں بدنام ہو رہی ہے۔

بلال نے سرد آہ بھری۔

ارے خالہ..... صدر میں تو کھوے سے کھوا چلتا ہے۔ شام کو تو خاص طور پر..... آفس جانے والی خواتین..... رات..... ان کی چھٹی کا وقت ہوتا ہے۔ پھر گاڑیوں کا اژدہام کہ روڈ کراس کرنا ایک مسئلہ..... کوئی بے چاری کھڑی ہو کسی گاڑی کے انتظار میں یا سڑک پار کرنے کی وجہ سے۔

ایسا نہیں ہے اپنا بلال..... آپ اطمینان رکھیں۔ منزہ نے مسکرا کر ان کو تسلی دی۔

منزہ اپنے بیٹے کو کپڑے پہنانے میں مشغول تھیں..... نور بانو خالہ کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھیں بات چیت کرنے کے سے۔

خالہ کی آمد سے گھر کے لگے بندھے ماحول میں ایک ہلچل سی برپا ہو جاتی تھی۔

اور سنائیں، اکبر علی کی دلہن کیا کر رہی تھیں.....؟ نور بانو نے خالہ کی بہو کا حال دریافت کیا۔

کرنا کیا انہیں میکے کے پھیروں ہی سے فرصت نہیں۔ خالہ نے منہ بنایا۔

اتنے میں کال بیل بجی تھی اور گفتگو کا سلسلہ تھم گیا تھا۔

دروازہ بلال نے کھولا تھا۔ منزہ نے اسے ایک دم پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس سے قبل وہ پوچھتی شکیلہ اندر آ چکی تھی۔

السلام علیکم۔اس نے سب کو مشترکہ سلام کیا تھا۔آج بھی وہ سیاہ چادر میں اپنا سراپا چھپائے ہوئے تھی۔

نور بانو جو نوا سی کا جھولا ہلا رہی تھیں فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔آگے بڑھ کر شکیلہ کا استقبال کیا تھا۔

یہ کون ہیں بلبن.....؟ خالہ نے گم صم سی منزہ کو مخاطب کیا۔

یہ ہماری دور کی رشتے دار ہیں۔بلال نے بلند آواز سے بتایا تھا۔اس کے لہجے میں بلا کی تپش تھی۔

ارے یہ تو ماشاءاللہ خاصی خوبصورت ہیں۔شادی شدہ ہیں.....؟ خالہ نے دلچسپی سے دیکھا۔

ارے خالہ.....!

بلال.....فالتو باتیں نہیں کرتے۔جاؤ تم اپنا کام کرو۔منزہ نے فوراً ٹوک دیا۔اس خیال سے کہ جانے وہ کہ بیٹھے۔

بلال وہیں ڈٹا رہا۔

سنا نہیں بلال.....چلو اٹھو.....یہاں سے اپنا کام کرو۔منزہ نے پھر اسے گھورا۔

وہ منہ بنا کر وہاں سے چل پڑا۔

شادی شدہ ہیں آپ.....؟ خالہ کی سوئی ہنوز اپنی جگہ اٹکی ہوئی تھی۔

جی ہاں خالہ.....یہ شادی شدہ ہیں.....منزہ نے جیسے بہت اکتا کر کہا تھا۔

خیر سے۔خیر سے،اس عمر میں تو لڑکیاں اپنے گھروں ہی میں ہونا چاہئیں۔خالہ کو دلی خوشی ہوئی تھی یہ سن کر۔

کیا کرتے ہیں آپ کے دولہا.....؟

شکیلہ نے نور بانو کی طرف دیکھا۔

کچھ تو کرتے ہی ہوں گے بے چارے.....لاؤ اسے مجھے دو منزہ.....تم چائے بنا لو.....انہوں نے بچے کی طرف ہاتھ بڑھائے۔

منزہ نے بیٹے کو ماں کی گود میں دے دیا اور ڈرائنگ روم سے باہر جانے کے لئے ابھی ایک قدم ہی اٹھایا تھا کہ بیل بج اٹھی۔

اس نے خود ہی جا کر دروازہ کھولا تھا.....سامنے اسد کھڑے تھے۔

اسے اسد کو سامنے دیکھ کر پرخلوص سی سچی خوشی ہوئی۔

السلام علیکم اسد بھائی.....کہاں سے تشریف آ رہی ہے صدیوں بعد.....؟ آیئے آیئے۔اس کے انداز میں گلہ تھا۔

اسد مسکراتے ہوئے اندر آ گئے۔

شکیلہ ایک دم سٹپٹا گئی تھی سامنے ایک اجنبی کو دیکھ کر۔

شکیلہ کو گڑبڑاتا دیکھ کر اسد بھی اپنی جگہ شرمندہ ہو گئے تھے۔

خالہ اسد کو دیکھ کر بڑے وارفتہ انداز میں اپنی جگہ سے اٹھی تھیں۔

السلام علیکم.....وعلیکم السلام کے تبادلے.....خالہ کی قل قل کرتی ہنسی۔نور بانو کی دعائیں۔کمرے میں جیسے پوری طاقت سے دوڑنے لگی تھی۔

اسی شور شرابے کو سن کر بلال واپس ڈائننگ روم میں آ گیا تھا۔

اسد نے بے ساختہ اسے بڑے پرجوش انداز میں گلے لگایا تھا۔کیسے ہو یار.....؟

اسد کیونکہ خاصے وقفے کے بعد آئے تھے اس لئے استقبالیہ انداز شدت لئے ہوئے تھا۔

بھابی.....میں بیٹھنے کے لئے نہیں آیا ہوں.....بس ایک بڑی.....بہت بڑی خوشی شیئر کرنے آیا ہوں۔

(خاور کے بغیر کوئی بڑی خوشی ہو ہی نہیں سکتی) منزہ بے دلی سے مسکرا دی۔

نیکسٹ فرائڈے نائٹ خاور ہمارے آپ کے درمیان یہاں ہوگا.....انشاءاللہ.....ابھی کچھ دیر پہلے ہی میں نے یہ ارپیسو کیا ہے۔اس نے تو مجھے سختی سے منع کیا تھا کہ آپ کو نہ بتاؤں۔وہ فرائیڈے کو نائٹ کو اچانک خوشی دینا چاہتا تھا۔ رہیں نے آپ کو بہت دنوں سے سخت پریشان اور الجھا ہوا دیکھ رہا تھا۔میں نے سوچا یہ ظلم ہے.....آپ کو اس نے ت ماہ سے پریشان کر رکھا ہے۔آپ کو سات دن لگاتار خوش رہنا چاہیے۔

منزہ کے وجود میں تو جیسے نئی زندگی دوڑ پڑی تھی۔اسے یہ یقین تھا کہ اسد مذاق نہیں کر رہے۔ نے والی سچی خوشی نے کا چہرہ جگمگا کر رکھ دیا۔

شکیلہ اس شور شرابے سے گھبرا کر منزہ کے بیڈروم میں چپکے سے اٹھ کر چلی گئی تھی۔دس پندرہ منٹ بعد ڈرائنگ روم سناٹا چھا گیا تھا۔آوازیں بند ہو گئیں تھیں۔وہ اٹھ کر باہر نکلنا ہی چاہتی تھی کہ بلال اندر چلا آیا۔

بہت اچھا کیا آپ نے کہ خود اٹھ آئیں اس محفل سے کیونکہ اس محفل میں آپ کے نام کی کوئی جگہ نہیں تھی۔

شکیلہ خاموش رہی۔

میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جب ہمیں اس بات کی مطلق پروا نہیں ہے کہ آپ ہم سے ملتی ہیں یا نہیں تو آخر یہ تکلیف کیوں کرتی ہیں.....؟ آپی کی میاں آنے والے ہیں آئندہ ہفتے۔ہم ان کو نہیں بتانا چاہتے کہ ہمارے باپ کوئی تازی ترین دوسری بیگم بھی ہیں۔نہیں اچھا لگتا ہمیں.....سن رہی ہیں آپ.....؟ امید ہے کہ اس گھر میں یہ آپ کا فری دورہ ہوگا.....اور آپ کبھی بھول کر بھی یہاں.....

بلال.....! نور بانو کی کانپتی آواز سنائی دی۔

بلال نے ماں کی آواز کی سمت دیکھا۔

ایک لمحے کو تو وہ بھی چکرا گیا تھا۔

نور بانو کے ہمراہ دروازے میں انعام علی بھی کھڑے ہوئے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شکیلہ نے بھی بدحواس ہو کر انعام علی کی سمت دیکھا تھا۔

نور بانو کا چہرہ دھلے ہوئے لٹھے کی طرح سفید پڑ چکا تھا۔

انعام علی انتہائی غیض کے عالم میں بلال کی سمت بڑھے تھے مگر نور بانو ان سے زیادہ تیزی سے دونوں باپ بیٹے درمیان آ کھڑی ہوئی تھیں۔

نہیں..... نہیں..... بچہ ہے..... انعام علی..... خدا کے لئے..... ان کا لہجہ تھر تھرا رہا تھا۔

یہ بچہ ہے..... اور تم اس کی ماں ہو۔ تمہیں تو میں خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ سب کیا دھرا ہی تمہارا تمہارے..... ہاتھوں بے وقوف وہ بنے گا جو تمہیں جانتا نہ ہو..... جیسے کہ یہ محترمہ۔

انہوں نے غضبناک نظروں سے شکیلہ کی سمت دیکھا۔ انعام علی کا یہ انداز اس کے لئے اجنبی تھا۔ وہ ساری جان کانپ کر رہ گئی۔

ہٹو ایک طرف۔ انہوں نے نور بانو کو ایک جھٹکے سے پرے کر دیا۔ مگر شکیلہ بجلی کی تیزی سے دونوں کے درمیان آ کھڑی ہوئی۔

بانو باجی ٹھیک کہہ رہی ہیں انعام صاحب..... بچہ ہے یہ..... پلیز.....

اس نے ملتجی انداز میں انعام علی کے شانے سے تھام کر انہیں اگلی حرکت سے باز رکھا۔

اپنے خاندان کی سب سے اہم ذات میں ہوں شکیلہ بیگم۔ اور آپ کے لئے کافی ہوں۔ آپ کو بہت شوق میرے گھرانے سے مراسم مضبوط کرنے کا..... یہ آپ کے کسی کام کے نہیں میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔ اس کی اتنی کیسے ہوئی کہ اس نے اپ کی توہین کی..... وہ شکیلہ کے ہاتھوں کو جھٹک کر اسے ہٹانے لگے۔

کہہ تو دیا بچہ ہے۔ ہو گئی غلطی..... نا سمجھ ہے۔ شکیلہ نے انہیں پھر تھام لیا۔

مگر یہ سارے بچگانہ فعل میرے اور تمہارے ہی لئے کیوں؟ میں اس کا وہ حشر کروں گا کہ اسے اپنے لئے ڈھال والے بھی تم سے معافی مانگیں گے۔ انہوں نے پھر ایک جھٹکے سے شکیلہ کو ایک طرف کیا۔ بلال اپنی جگہ سے ایک انچ نہیں ہلا تھا۔

مجھے نہیں چاہیے معافی..... کچھ نہیں ہوا میرے ساتھ۔ پلیز انعام صاحب! شکیلہ نے سنبھل کر پھر انہیں تھام لیا۔

میں کہہ رہا ہوں ہٹو میرے سامنے سے..... انعام علی بری طرح دھاڑے۔ ایک لمحے کو تو شکیلہ بھی خوفزدہ ہو گئی۔

شکیلہ نے پھر بھی انعام علی کو ایک انچ آگے بڑھنے نہیں دیا۔

باجی پلیز، آپ بلال کو لے کر کمرے سے باہر چلی جائیے۔ اس نے جلدی سے نور بانو کی منت کی۔

میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ پاپا جو سزا دینا چاہتے ہیں، دے لیں۔ بلال نے پھر بگڑ کر کہا۔

پھر تو شکیلہ کو انعام علی پر قابو پانا دوبھر ہو گیا۔

پاپا پلیز.....! پیچھے سے منزہ کی بھی روتی ہوئی صدا آئی۔

مگر اب انعام علی اپنے آپ میں نہیں رہے تھے۔

شکیلہ بمشکل ان کو سنبھالے ہوئے تھی۔

آپ کو اللہ کا واسطہ۔ اپ کو [illegible] کم اگر آپ نے بلال پر ہاتھ اٹھایا۔ شکیلہ نے روہانسی ہو کر ان کی منت کی۔

انعام علی ایک دم ڈھیلے پڑ گئے..... اور شکیلہ اور بلال پر ایک قہر آلود نظر ڈالی۔

میں تمہیں عاق کر دوں گا نواب کی اولاد..... ساری جائیداد یتیم خانے کے نام کر دوں گا۔ مگر پھوٹی کوڑی نہیں دیں آج سے میرا.....

شکیلہ نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

یہ آج سے ہمارا بیٹا ہے اور کل بھی..... بچوں کے ساتھ بچے تو نہیں بن جاتے..... یہ کم عمری کے سبب آپ کے ذہنی [illegible] نہیں پہنچ سکتا۔ مگر آپ تو اپنے معیار سے نیچے نہ آئیے۔ درگزر کر دیں۔ سمجھ آ جائے گی تو پھر ایسی باتیں نہیں کرے

تم جو چپکے چپکے ان سے ملتی رہی ہو، اس میل ملاپ نے کام دکھایا ہے۔ اب تم ابھی انہی میں سے ہو۔ جانتی ہو یہ دشمن میرے۔ تمہیں اگر ان لوگوں کے مفادات عزیز ہیں اور تمہیں ان سے ہمدردی ہے تو رہو انہی کے ساتھ.....

یہ عورت اسی طرح مجھے عمر بھر ڈستی رہے گی۔

انہوں نے انگلی اٹھا کر نور بانو کی طرف اشارہ کیا۔

نور بانو نے جیسے کرب سے ہونٹ کاٹ لئے۔

آج ان کا منصوبہ میری آنکھوں کے سامنے مکمل ہو گیا۔ میں نے تمہیں منع کیا کہ ان سے میل ملاپ مت رکھو..... مگر تم نے مجھے دھوکا دیا۔

نہ یہ میرے کہنے میں ہیں نہ تم۔

شکیلہ ہکا بکا منہ کھولے انعام علی کو دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر قبل جو حادثے کی عمارت چرچرائی تھی اس کا سارا ملبہ شکیلہ پر ہی [illegible] تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تم بھی انہی کا حصہ ہو۔ انہی کے ساتھ رہو۔ اگر یہ تمہیں ساتھ رکھنے سے انکار کردیں تو اپنے والد صاحب کے
جانا میرے گھر میں پاؤں رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

وہ تیزی سے دروازہ کھول کر جو منزہ نے احتیاط سے بند کردیا تھا باہر چلے گئے۔

شکیلہ تو جیسے سناٹے میں آ گئی تھی۔

اس نے بے یقینی کی کیفیت میں باہر نکلتے انعام علی کو دیکھا تھا۔

جب سے اس کی شادی ہوئی تھی انعام علی نے اسے کبھی تم سے مخاطب نہیں کیا تھا۔

آج صرف تم سے ہی مخاطب نہیں کیا بلکہ قطعی فیصلہ بھی سنا گئے۔

وہ دم سادھے کھڑی تھی۔

بلال سر جھٹک کر ایک میگزین کھول کر بیٹھ گیا تھا۔

نور بانو نے نہایت محبت سے شکیلہ کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

بیٹھ جاؤ شکیلہ..... گھبراؤ نہیں..... وقتی جذباتیت ہے جو سراسر بلال کی بے وقوفی کا نتیجہ ہے۔ ہم تمہیں اپنی
ویران نہیں کریں گے۔ تمہیں سب کچھ کھونے نہیں دیں گے..... منزہ..... پانی لاؤ اپنی چھوٹی امی کے لئے۔

باجی.....! شکیلہ کی آواز کانپ رہی تھی۔

ہاں..... ہاں..... بولو.....

باجی..... میرے والد صاحب تو انعام علی سے بھی زیادہ سخت گیر ہیں..... میں کہاں جاؤں.....؟ چھوٹے
والی شکیلہ کی آنکھوں سے اشک رواں ہوگئے۔

گھبراؤ نہیں۔ حوصلہ کرو، کچھ نہیں ہوگا۔ میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گی۔

انہوں نے پیار سے شکیلہ کو گلے لگایا۔ نہایت شفقت سے اس کے رخسار اپنے دوپٹے سے صاف کئے۔

مگر شکیلہ کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔

کن حالات میں اس کی شادی ہوئی تھی۔

اسے اپنے گھر کا عظیم ترین نقصان یاد آ رہا تھا۔

اس کا عزیز از جان..... بھائی..... اور ماں کی تڑپتی ہوئی ممتا۔

وہ نور بانو کے گلے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

تا حد نگاہ پھیلے ہوئے مرغزار

ان مرغزاروں میں چوکڑیاں بھرتی ہوئی ہرنی.....

ہو چوکڑی اس کی سرخوشی کا استعارہ.....

مگر..... ایک "ازلی سہم" اس ہرنی کی زندگی سے زنجیر ہوتا ہے۔

اور واقعی کبھی کسی شکاری سے سامنا ہو جائے۔

کوئی گھاٹی راہ پڑ جائے۔

جس کی گولی پاس سے گزر جائے۔

تو.....

ہرنی کا کلیجہ تادم مرگ دھک دھک ہی کرتا رہتا ہے۔

پہ نہ لگنے والی گولی ایک عذاب ناک یادداشت ہوتی ہے۔

مرغزاروں کی ایک حد ہوتی ہے۔

ہرنی انہی حدود میں رہتی ہے۔

پھر بھی وہ اپنے حصے کی سرمستی و خوشی ان ہی حدود سے کشید کر لیتی ہے۔

جیسے کہ وہ خود.....

باپ کی آمرانہ حد بندیوں کے باوجود۔

ماں کے پرفضا و باغ و بہار اور تقویت دینے والے وجود سے.....

اسی ماحول میں کوئی نہ کوئی سرخوشی کشید کرتی رہی تھی۔

زندگی گویا ایک خفیہ گھات میں چھپا ہوا شکاری۔

اور رازی کی آمد کسی بارود کی گولی سے کم تو نہیں تھی۔

سنسناتی ہوئی جیسے کان کے پاس سے گزر گئی تھی۔

ایک عذاب ناک یادداشت۔

کہ دل ہنوز سوکھے پتے کی طرح کانپتا تھا۔

شہوار کی آمد کی خبر نے اس کی بھی نیند اڑا رکھی تھی۔

کتنی دیر سے بستر پر کروٹیں بدل رہی تھی۔ شہوار کی آمد کے بارے میں سوچ سوچ کر جب اعصاب تھک گئے تو ذہن
افتاد میں آ پھنسا تھا۔ اسے سو فیصد یقین تھا کہ ابا جی کبھی راضی نہیں ہوں گے۔

اسے یہ سوچ کر دکھ ہوتا تھا کہ رازی اس ناکامی سے کیسے نمٹے گا۔

رازی کی سچائی اور اس کے عملی قدم نے چپکے سے ایک نرم گوشہ اس کے قلب میں بنا دیا تھا..... اسے خود بھی پتا نہیں چلا
یہ سب کیسے ہو گیا۔

اسے خواہ مخواہ کا ایک احساس جرم لاحق ہو رہا تھا۔

وہ خود کو رازی کے دکھ کا ذمہ دار محسوس کر رہی تھی۔

مگر اس کی کیفیت اس قیدی کی طرح تھی جس کے ہاتھ پاؤں میں بیڑیاں اور گلے میں طوق پڑا ہو۔

اور وہ اپنے دوسرے ساتھ قیدی کی تکلیف محسوس کر رہا ہو۔ مگر اس کی بیڑیاں کھولنے سے مجبور ہو۔

آہ..... اس نے صبح کاذب کا اجالا کھڑکی سے جھانکتے دیکھا اور ایک آہ خود بخود اس کے سینے سے آزاد ہوئی۔

معاً اسے برآمدے میں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ چونک پڑی۔ سامنے نگاہ کی بیلا، راحیلہ، انیلا ایک
اسے سو رہی تھیں۔

نبیلہ اس کے برابر میں انتہائی غفلت کے عالم میں سو رہی تھی۔ اس کا ہاتھ لحاف سے نکل کر نیچے لٹک رہا تھا۔

باہر قدموں کی آواز معدوم ہو رہی تھی۔

وہ آہستگی سے بستر سے نکل آئی..... اور شال اٹھا کر لپیٹ لی۔ پھر نبیلہ کی سمت آئی۔ انتہائی احتیاط سے اس کا ہاتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لحاف کے اندر کر دیا۔ اسے یقین تھا باہر امی ہی ہوں گی جو پریشانی کی وجہ سے سو نہیں سکی ہوں گی۔ کمرے سے باہر
ہیں سرد ہوا کے جھونکے نے اس کا سواگت کیا۔

جسم میں پھریری سی دوڑ گئی۔

صفیہ تہجد کی نیت سے وضو کر رہی تھی۔

وہ ان کے پیچھے جا کھڑی ہوئی۔

صفیہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا اور دوبارہ وضو میں مصروف ہو گئیں۔ فارغ ہو کر اس کی سمت پلٹیں۔

نیند نہیں آ رہی بیٹا.....؟

جی امی..... میں سمجھ گئی تھی کہ آپ ہی ہوں گی۔ اس لئے اٹھ آئی کہ آپ کے لئے چائے بنا دوں۔ سردی بھی
ہے۔

اللہ میری بیٹی کو ہر طرح کا سکھ دے..... نیند نہ بھی آ رہی ہو تو اس سردی میں لحاف سے باہر آنا بھی خاصی ہمت کا
ہے۔

انہیں اپنی سعادت مند سی بیٹی پر پیار آ گیا۔

میں بھی سو نہیں پائی۔ شہوار کی طرف سے فکر لگی ہے۔!! ان کے چہرے پر پھر گہرا تفکر چھا گیا۔

مجھے بھی اسی وجہ سے نیند نہیں آئی۔ اللہ کرے سب خیریت ہو۔

"آمین" صفیہ نے اپنے کمرے کا رخ کیا۔

نائلہ چائے بنانے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

بہت دل سے چائے بنائی..... اللہ میاں اب رحم کرنا میری امی پر۔ اب انہیں کوئی نیا حادثہ درپیش نہ ہو۔ بہت
ہیں۔ میری امی۔ نائلہ چائے بناتے ہوئے پھر سوچ میں گھر گئی تھی۔

چائے لے کر وہ دبے آواز قدموں سے ان کے کمرے میں آئی۔ سبز زیرو پاور کا بلب آن تھا۔ ابا جی اپنے بستر
جہان سے بے خبر گہری نیند میں ہلکے ہلکے خراٹے لے رہے تھے۔ وہ بالکل چت سوتے تھے۔ انتہائی آرام دہ حالت میں
صفیہ ایک کونے پر بچھے تخت پر نماز میں مصروف تھیں۔ نائلہ کھڑی رہی۔ انہوں نے سلام پھیرا اور اس کی سمت دیکھا۔

امی! چائے فلاسک میں لے آئی ہوں تاکہ ٹھنڈی نہ ہو جائے۔ اس نے فلاسک کی سمت اشارہ کیا۔ اور اسی طرح
بغیر چاپ پیدا کیے باہر نکل گئی تھی۔ صفیہ نے جاتی ہوئی نائلہ کو دیکھا۔

ہاتھ دعا کے لئے پھیلے ہوئے تھے۔ اور ان ہاتھوں میں نائلہ کا وجود جیسے پھول بن کر سجا ہوا تھا۔

پانچ بجنے میں کچھ دیر باقی تھی۔ تب انہوں نے خاموشی سے احمر کو جگا دیا تھا۔

اٹھو بیٹا..... نماز میں تو ابھی دیر ہے مگر تم تو تیار ہو کر ہلکا سا ناشتہ کر لو۔ وقت سے پہلے ہی ایرپورٹ پہنچ جاؤ تو بہتر
بچی اکیلی ہے کہیں پریشان نہ ہو۔

احمر کو جگا کر وہ اس کے لئے ناشتہ بنانے میں مصروف ہو گئی تھی۔ نائلہ کو تاکید کر آئی تھیں کہ اب وہ باہر نہ آئے۔ وہ
کر لیں گی جو کچھ بھی کرنا ہوگا۔

نائلہ کے وجود سے ان کو دوسراہٹ کا احساس ہو رہا تھا۔ جیسے ان کو کوئی طاقت ور ساتھ حاصل ہو۔

اللہ نے مجھے اتنا کچھ تو دے رکھا ہے۔ میں محرومیاں ہی کیوں گنوں اس کی مہربانیاں کیا کم ہیں۔

احساس تشکر ان کی رگ و پے میں سرایت کر گیا۔

احمر نے جب تک غسل کیا اور ناشتے سے فارغ ہوا فجر کا وقت بھی قریب آ گیا تھا۔

تم بس جلدی سے ایرپورٹ چلے جاؤ۔ یہاں سے فاصلہ خاصا ہے۔ نماز کا وقت راستے میں ہو جائے گا۔ وہیں کہیں
مسجد میں نماز پڑھ لینا۔

صفیہ تو جیسے یوں چاہتی تھیں کہ احمر اڑ کر ایرپورٹ پر پہنچ جائے۔

امی! بھابی جان اسلام آباد ایرپورٹ سے "دریافت نہیں ہوں گی۔ وہ تو پلین کی آمد کے بعد ہی ہمیں دستیاب ہوں
گی۔

وہ ماں کی بے چینی دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔

امی! آپ بھی چلیں ناں۔ آپ کو دیکھ کر بھابی جان کو فوری خوشی حاصل ہوگی۔

اللہ اس کا نصیب اچھا کرے۔ بس میں کیا جاؤں تمہارے ابا جی بھی لاعلم ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ شہوار کے سامنے
بدمزگی ہو۔ اللہ کرے وہ خیریت سے گھر آئے۔

وہ اٹھ گئیں۔ احمر کو رقم تھمائی اور اسے دروازے تک رخصت کیا۔ وہ چاہتی تھیں احمر شیخ صاحب کے جاگنے سے پیشتر
گھر سے نکل جائے۔

احمر کے جانے کے بعد وقت تیزی سے سر کا پتا ہی نہ چلا۔ سب لوگ نماز و تلاوت میں مصروف ہو گئے تھے۔ صفیہ اور
چپ تھیں۔ انہوں نے شہوار کی آمد کے موضوع پر کوئی بات نہیں کی تھی۔ نبیلہ البتہ ایک عجیب قسم کی تبدیلی فضا سے جیسے
سونگھ رہی تھی۔

کیا بات ہے، آج احمر ابھی تک نہیں آیا نماز پڑھ کر.....؟ وہ ناشتا بنانے کی نیت سے کچن میں داخل ہوئی اور ماں
سے یونہی سوال کر دیا شیخ صاحب تو سوا سات بجے تک گھر سے نکل جاتے تھے۔ صفیہ دعائیں کر رہی تھیں کہ شہوار شیخ
صاحب کے روانہ ہونے کے بعد ہی آئے تو اچھا ہے کہ وہ احسن کی بیوی ہے اور احسن..... پتا نہیں وہ اکیلی کیوں آ رہی
ہے۔

آتا ہوگا۔ وہ اپنے خیال سے چونک کر نبیلہ سے گویا ہوئی۔

شیخ صاحب کے معمولات میں ان کا ساتھ دیا۔ جلدی جلدی ناشتہ پہنچایا۔ ہاتھ پاؤں خواہ مخواہ پھولے جا رہے تھے۔

نائلہ عجیب سست سست سی ہو رہی تھی۔ بار بار اس کی نظریں دروازے کی سمت اٹھ رہی تھیں۔

نبیلہ کو وہ روزانہ سے مختلف دکھائی دی تھی مگر وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

پتا نہیں احمر کہاں چلا گیا امی! ابھی تک نہیں آیا۔ اسے پھر تشویش ہوئی۔

آ رہا ہے۔ صفیہ کے منہ سے یونہی نکل گیا۔

ہائیں..... نبیلہ نے اس عجیب و غریب جواب پر ماں کی شکل دیکھی۔ صفیہ چائے بنا رہی تھیں۔

کیا امی کو احمر کیتلی میں نظر آ رہا ہے۔ اسے ہنسی آ گئی۔ مگر اس کی ہنسی میں تفکر کی آمیزش تھی۔

صفیہ کی دعا قبول ہو گئی تھی۔ ادھر شیخ صاحب گھر سے نکلے ادھر باہر گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ صفیہ تو جیسے دوڑ پڑی
تھیں۔

نائلہ الگ تیر کی طرح دروازے کی سمت بڑھی تھی۔ اس کی دیکھا دیکھی سب ہی اس کے پیچھے دوڑی تھیں۔ شہوار نیچے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اتر آئی تھی۔ احمر ڈرائیور سے کچھ کہہ رہا تھا۔ شہوار نے دروازہ کھلتے ہی تیزی سے قدم بڑھائے تھے۔

اجاڑ، ویران سی شہوار کو دیکھ کر صفیہ کے پیروں تلے سے جیسے زمین کھسک گئی تھی۔

کسی انہونی کے خیال سے انہیں چکر سا آنے لگا تھا۔

شہوار اندر داخل ہوتے ہی ان کے بازوؤں میں سما گئی تھی۔ اور گھٹ گھٹ کر رو رہی تھی۔

نہ سلام نہ دعا.....

اور یہ تسلسل کے ساتھ گریہ وزاری۔

صفیہ کا دل جیسے کوئی مٹھی میں لئے بھینچ رہا تھا۔

انہوں نے شہوار کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

خیریت تو ہے نا بیٹی.....؟

معاً شہوار سنبھل گئی۔ اسے ایک دم خیال آیا کہ اسے خود پر قابو رکھنا چاہیے۔ ان بے چارے سیدھے سادے لوگوں کو ایک دم پریشان کیا جائے۔

اس بے درد کے دکھڑے رونے کے لئے تو عمر پڑی ہے۔

شہوار نے فوراً آنکھیں پونچھ لیں۔

السلام علیکم خالہ جان..... معاف کیجئے گا۔ اتنے دنوں بعد آپ کو دیکھا تو دل بھر آیا۔ وہ محجوب سی مسکراہٹ کے گویا ہوئی۔

صفیہ مگر اس کے حلیے اور انداز سے کھٹک رہی تھیں۔

بھابی جان! ذرا آگے بھی نظر ڈالیے۔ پوری بنا لین گارڈ آف آنر پیش کرنے کے لئے تیار ہے۔ احمر نے اپنی بافتہ سی بہنوں کی سمت توجہ دلائی۔

سب باری باری اس سے گلے ملیں۔

نبیلہ نے ماں اور نائلہ سے خفگی سے گلہ کیا کہ اتنی بڑی بات سے اسے کیوں لاعلم رکھا گیا۔ جب کہ اس نے کئی بار بھی تھا کہ احمر کہاں ہے.....؟

حد کرتی ہیں بلو آپا..... یہ کوئی چھپانے والی بات ہے۔

جب رات کو خبر آئی تو سب لوگ سو چکے تھے۔ میں امی اور احمر جاگ رہے تھے۔ اب کیا سب کو جگا کر خبر کرتے بھابی جان نے تو بہر حال صبح ہی آنا تھا ناں۔ صبح میں اور امی اباجی کی وجہ سے خاموش تھے۔

نائلہ نے شہوار کی چادر تہہ کرتے ہوئے رسان سے پوری صورت حال سمجھائی۔

ہائے سچ نیلی آپا ہمیں جگا کر خبر کر دیتیں۔ ہم تھوڑے سے گانے ہی گا لیتے۔ راحیلہ نے معصومیت سے خوشی کیا۔

اور ڈھول تمہیں اباجی لا کر دیتے۔ نائلہ نے جل کر کہا۔

شہوار نے گلے سے لپٹا ہوا دوپٹہ پھیلا کر سر پر اوڑھ لیا تھا۔ صفیہ اسے اپنے کمرے میں لے گئی تھیں۔

کپڑے اگرچہ شہوار کے قیمتی اور خوبصورت تھے مگر چہرے سے کسی قسم کی خوشی اور سکون کا پتا نہیں چلتا تھا۔ ایسا تھا جیسے وہ کئی دنوں کی بیماری کے بعد اٹھی ہو۔

بی جان! آپ اکیلی کیوں آئی ہیں۔ ہم نے سنا تھا..... بیلا شروع ہوئی۔

نے فوراً ٹوکا۔

بات ہے؟ سانس تو لینے دو اپنی بھابی کو۔

سامان..... میرا مطلب ہے کپڑے وغیرہ نہیں تمہارے ساتھ.....؟

ں خالہ جان میرے پاس صرف یہ سامان ہے۔

ں..... آپ یہ پرس لیتی ہیں.....؟ بیلا پھر بول پڑی۔

ار نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموش رہی۔

شہوار کے بالکل قریب ہو کر بیٹھ گئی اور بڑے پیار سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

چھی ہیں..... یہ تو آپ کو بھی معلوم ہے۔ اور ہمیں بھی کہ بھائی جان تو یہاں نہیں آ سکتے شاید اسی لئے انہوں نے بھیجا ہے۔ آپ نے بہت اچھا کیا یہاں آ کر۔ آپ کو دیکھ کر ہم بھائی جان سے بھی مل رہے ہیں اور آپ سے

ی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ نبیلہ کو کس طرح خاموش ہونے کی تلقین کریں۔

پا..... بھابی جان بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہیں۔ بھابی جان آپ غسل کر کے ناشتہ کر لیجئے۔ پھر آرام کیجئے گا۔ یان سے بعد میں ہوں گی۔ نائلہ نے پھر صورت حال سنبھالی۔

..... احمر دروازے میں اٹکا ہوا ماں کو بلا رہا تھا۔

یہ اس کے قریب پہنچیں تو وہ باہر نکل کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ اس طرح کہ کمرے میں موجود افراد کی نظر اس پر اور پڑ سکے۔

..... پلیز آپ سب سے کہیں کہ وہ بھابی جان سے سوال جواب نہ کریں..... انہوں نے مجھے کچھ بتایا تو نہیں مگر اونچ سے باہر آئیں تو وہ رو رہی تھیں۔ حالانکہ انہوں نے اس وقت مجھے دیکھا بھی نہیں تھا..... مجھے لگتا ہے کہ کوئی

تے بھر انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ بس اتنا پوچھا تھا کہ نوفل کا میسج کتنے بجے ملا تھا؟ میں نے بھابی جان ے میں پوچھا تو کہنے لگیں پلیز اس وقت خاموش رہو۔ احمر اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔

یہ کی پیشانی پر لکیریں گہری ہو رہی تھیں۔ ایک گہرا تفکر ان کی آنکھوں سے عیاں تھا۔ وہ احمر کی گفتگو کا ایک ایک ے گن رہی تھیں۔

رے میں واپس آ کر انہوں نے لڑکیوں کو تتر بتر کر دیا۔ ہر ایک کو کوئی نہ کوئی کام بتا دیا اور شہوار کو غسل کے لئے کہا۔

لا وہ جو تم نے اپنا نیا سوٹ سیا ہے ناں کاٹن کا..... وہ شہوار کو دے دو۔

جاتے جاتے پلٹ پڑی۔

بی جان آپ اتنی دور سے آئیں اور کپڑے بھی نہیں لائیں۔ اس کی حیرت انتہائی تھی۔

! صفیہ کو بیلا کی مداخلت پر غصہ آ گیا۔ کیا کہا ہے میں نے تمہیں؟

ہی ہوں امی۔ وہ بدستور استعجاب کی کیفیت میں تھی۔

لہ نے جلدی سے نیا سوٹ نکال کر استری کی اور شیمز وغیرہ کے لوازمات کے ساتھ باتھ روم میں لٹکا دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جس وقت شہوار غسل میں مصروف تھی صفیہ نے سبز مخمل کی ایک شال نہ جانے کہاں سے برآمد کی۔ اور نائلہ کے سامنے پھیلا کر گویا ہوئیں.....

یہ میری شادی پر میری امی نے جہیز میں دی تھی۔ اس پر تلے کا سچا کام ہے۔ آج کل اتنی دبیز مخمل کہاں ملتی ہے پر ذرا ہلکی سی استری پھیر دو۔ شہوار غسل..... سے فارغ ہو تو اسے اوڑھا دینا۔ اس کی چادر اور کپڑوں سے اندازہ ہوا کہ کراچی میں ابھی سردی کم ہی ہے۔ اور دیکھوں سے زیادہ باتیں نہ کرنا۔ اصل معاملہ جو بھی ہے دیر سویر معلوم ہو ہی گا۔

امی میں بھی کچھ دیر سوؤں گی۔ نائلہ نے جمائی لی۔

ہاں تم بھی ایسا کرو غسل کر کے سو جاؤ۔ نیند اچھی آئے گی رات بھر جاگی ہوئی ہو۔

شہوار نے برائے نام ناشتہ کیا۔ پلین میں ڈھیروں لوازمات سلیقے سے ناشتے کے نام پر سامنے آئے تھے۔ وہاں بھی صرف ایک کپ چائے پی تھی۔ بال اگرچہ اس نے سلجھا لئے تھے مگر گیلے ہونے کی وجہ سے کھلے چھوڑ دیئے صفیہ نے اسے گرم بستر پر لٹا دیا۔ اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

اب تم آرام کرو۔ میں جانتی ہوں تم رات بھر کی جاگی ہوئی ہو۔ کسی قسم کی فکر اور پریشانی اپنے آپ پر مسلط کر ضرورت نہیں۔ تم میری اپنی بچی ہو۔ میرے ہوتے ہوئے خود پر وزن رکھنے کی ضرورت نہیں۔ اگرچہ تم نے مجھ نہیں کہا۔ کچھ نہیں بتایا مگر مس تمہاری اچانک آمد مجھے بہت کچھ سمجھا رہی ہے۔ مسئلہ خواہ کوئی ہے اور کیسا ہی ہے۔ تم رہو۔ آرام سے سو جاؤ۔ نائلہ بھی نہا کر یہیں آ کر سو جائے گی۔ وہ دروازہ بند کر کے باہر نکل گئیں۔

شہوار کے ذہن و دل سے جیسے واقعی منوں بوجھ سرک گیا تھا۔

اسے صفیہ خالہ کے بھیس میں اپنی ماں کا لمس ملا تھا گویا..... کچھ اس درجہ سکون کا احساس ہوا کہ چند لمحوں ہی گہری نیند میں ڈوب چکی تھی۔

منزہ پانی کا گلاس ماں کو تھما کر تیزی سے ڈرائنگ روم میں آئی تھی۔ غالباً وہ باپ کو روکنا چاہتی تھی یا وہاں موجو اور اسد کے تاثرات دیکھنا چاہتی تھی۔

وہ ڈرائنگ روم میں پہنچی تو وہاں انعام علی تھے اور نہ خالہ۔ البتہ اسد گہری سوچ میں مستغرق سگریٹ کے گہرے کش لے رہا تھا۔

منزہ ٹھٹک کر رک گئی۔

اسد نے ایک لمحے کے لئے نظریں اٹھائیں اور پھر جھکا لیں۔

یہ آپ کے والد صاحب تھے بھابی؟ وہ نظریں جھکائے جھکائے پوچھ رہے تھے۔

تھے نہیں..... ہیں..... وہ آہستگی سے گویا ہوئی اور اسد کے قدموں میں کھیلتے ہوئے اپنے بیٹے کو گود میں اٹھا لیا۔

آپ نے کبھی تذکرہ نہیں کیا کہ یہیں اسی شہر میں رہتے ہیں۔ ان کا لہجہ شاکی سا تھا۔ منزہ خاموش رہی۔

جو لوگ لائق اعتبار نہ ہوں ان سے واقعی اپنی باتیں چھپانا چاہئیں۔ میں خاور کے گھر کو اپنا گھر سمجھتا رہا ہوں۔

منزہ جانتی تھی وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ بس نگاہ اٹھا کر انہیں دیکھتی رہ گئی۔

پاپا کی اونچی آواز آپ کے علاوہ خالہ نے تو نہیں سنی.....؟ منزہ کی آواز بھرا گئی۔ ہمدردی کے احساس سے

ل اٹھنے لگے تھے۔

نہیں..... وہ ان کی آمد کے فوراً بعد اٹھ کر چلی گئی تھیں۔ اسد نے سر جھکا کر جواب دیا۔

ور آپ نے کیا سنا؟ اس نے اسد کی طرف پشت کر کے اپنے اشک صاف کئے۔

ب سنانے والے ہی محتاط نہیں تھے تو میں ہر طرح سے بے قصور ٹھہرتا ہوں۔ جیسے شرمندہ تھے۔

ب یہ محترمہ نہیں تھیں تب بھی میرے والدین اسی طرح ایک دوسرے سے دور تھے۔ وہ شکستہ سے لہجے میں گویا

مگر آپ کی والدہ تو بے حد نائس خاتون ہیں۔ اسد کو شدید حیرانی ہوئی۔

ساری دنیا یہی کہتی ہے سوائے پاپا کے۔ وہ دکھ سے کہہ رہی تھی۔

ان کی کوئی وجہ تو ہو گی ناں۔ معاف کیجئے یہ سراسر آپ کی ذاتیات میں مداخلت ہے۔ انہوں نے سوال کے ساتھ اظہار شرمندگی بھی کیا۔

کوئی بات نہیں..... آپ بھی ذاتیات ہی ہیں اسد بھائی۔ منزہ نے آہستگی سے کہا۔

مگر آپ کو حیرت ہو گی کہ یہ معمہ ہم ان کی اولاد ہو کر بھی حل نہیں کر سکے۔ امی اس سوال پر ہمیشہ خاموش ہو جاتی ہیں۔

اپنے پوچھنے کی کبھی ہمت نہیں ہوئی۔ اس نے جواب دیا۔

واقعی.....؟!!!! ان کو در حقیقت حیرانی ہوئی۔

واقعی..... میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے۔ ان کے رویے یہی دیکھے ہیں۔

منزہ..... بیٹے تم اندر شکیلہ کے پاس بیٹھو..... میں تمہارے پاپا کے پاس۔

نور بانو تیزی سے بولتی ہوئی اندر آئی تھیں مگر اسد کو دیکھ کر یک دم خاموش ہو گئیں۔

امی! اسد بھائی..... خاور کے بھائی ہیں۔ بہت ہو چکی پردہ داری کہیے آپ کیا کہہ رہی تھیں؟ منزہ کچھ تلخ سی نظر آئی۔

معاف کرنا بیٹا..... ایسی کوئی بات نہیں۔ نور بانو خفیف سی دکھائی دیں۔

کوئی بات نہیں خالہ جان۔ میں چلا جاتا ہوں۔ اسد نے بہت تدبر سے صورت حال سنبھالی۔

نہیں اسد بھائی۔ آپ کہیں نہیں جائیں گے۔ اسد بھائی نے سب کچھ سن لیا ہے اور میں نے بتا دیا ہے کہیے آپ کیا کہہ رہی ہیں؟

نور بانو ایک نظر اسد کی طرف دیکھا پھر اپنی برہم سی بیٹی کو دیکھا۔

میں تمہارے پاپا کے پاس ضروری کام سے جا رہی ہوں۔

"آپی"!! امی کو روکیے اور "ضروری کام" سے کہیے کہ وہ اپنے مسئلے خود حل کرے۔

بلال نے پیچھے سے آ کر سخت برہمی سے کہا تھا۔

تم چپ رہو بلال..... تمہاری اور صرف تمہاری وجہ سے میں ایک اور گہرے گڑھے میں گرنے لگی ہوں۔ وہ غریب رہے اسے تو شاید ٹھیک اندازہ بھی نہیں کہ وہ کس وبال میں گھر گئی ہے۔ تم نے اگر مجھے لے جانے سے انکار کر دیا ں کا مطلب یہ نہیں کہ میں جا نہیں سکتی؟ باہر کرائے کی سواریاں بہت ہیں۔

بلال! تمہارے بچپنے نے مجھے دوہری مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ جاؤ اپنا کام کرو۔ وہ شدید ناراضگی سے گویا ہوئیں ل طرح چادر لپیٹ کر باہر کی سمت بڑھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹھہریے خالہ جان..... آپ جہاں جانا چاہتی ہیں میں پہنچا دیتا ہوں۔

اسد چابیاں اٹھا کر کھڑے ہو گئے۔

نہیں بیٹا..... تمہیں تکلیف ہوگی۔ وہ تکلف سے بولیں۔

بیٹا بھی کہتیں ہیں اور تکلف بھی کرتی ہیں۔ اسد نے شکوہ کیا اور ان کے پیچھے چل پڑے۔

منزہ..... شکیلہ کا خیال رکھو..... اس کی دلجوئی کرو۔ وہ باہر نکل گئیں۔ منزہ بھاگ کر بالکنی جا کھڑی ہوئی۔

دو تین منٹ کے وقفے کے بعد اس نے اسد کی سرخ گاڑی سڑک پر گاڑیوں کے ہجوم میں گم ہوتے دیکھی تھی۔

اسد باہر گاڑی ہی میں تھے۔ نور بانو نے انہیں اندر چلنے کو کہا بھی مگر وہ طرح دے گئے۔

نور بانو اندر داخل ہونے لگیں تو چوکیدار تکرار کرنے لگا۔ اسد کو حیرت کا ایک اور جھٹکا لگا..... اور چوکیدار اپنی ا

نہیں پہنچانتا۔

ام آپ سے عرض کیا۔ صاحب گھر پر نہیں ہے۔ آپ پھر تشریف لانا۔

اسد گاڑی سے اتر آئے۔

یہ تمہاری مالکن ہے خان۔ وہ قدرے ناراضگی سے گویا ہوئے۔

امارا مالکن بالکل جوان ہے۔ ام اپنا مالکن پہچانتا ہے امارا نظر کمزور نہیں اے۔

جواباً خان بھی ناراض نظر آیا۔

تم بلال کو پہچانتے ہو؟ اسد نے دوسرا انداز اختیار کیا۔

بلال.....؟ ہاں..... وہ امارا چھوٹا صاب اے۔ خان نے لاپروائی سے جواب دیا۔

تم نے کبھی غور کیا کہ بلال کی مان تمہاری مالکن ہیں اور وہ بھی تمہاری مالکن ہیں یہ بلال کی والدہ ہیں؟

یہ بھی تمہاری مالکن ہیں۔ بلکہ یہ تمہاری مالکن ہیں اور وہ بھی تمہاری مالکن ہیں یہ بلال کی والدہ ہیں۔

بوڑھا کان پہلے چونکا اور پھر جیسے سب کچھ سمجھ گیا۔ اور نور بانو کو دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔

ام سمجھا..... سمجھ گیا آپ بلال کی والدہ ہے۔ اور یہ کہہ کر گیٹ وا کر یا۔ ام پہلے دیکھا نہیں۔ معاف کرنا۔

نور بانو کے کلیجے سے ایک ٹیس اٹھی۔ انعام علی جس نے تمہارے بچے پال کر جوان کر دیے۔ تمہارا ملازم اسے تک نہیں۔ جب کہ میں تمہاری خاندانی بیوی ہوں جسے سینکڑوں باراتیوں کے ہمراہ تم لے کر گئے تھے۔

اسد دوبارہ گاڑی میں جا بیٹھے تھے۔ نور بانو نے بھی اصرار نہیں کیا تھا کہ نہ جانے انعام علی انہیں اپنا کونسا

دکھائیں۔

یہ تو پتا چل گیا تھا کہ وہ گھر پر نہیں پہنچے۔ لامحالہ انہیں انتظار کرنا تھا۔ وہ جاتے جاتے پھر پلٹیں۔

بیٹا..... انعام علی نہ معلوم کب آئیں۔ تمہیں خواہ مخواہ تکلیف ہوگی۔ جب وہ آ جائیں گے تو ان کا ڈرائیور مجھے

کر دے گا۔ تمہارا بے حد شکریہ۔

آپ بھی کمال کرتی ہیں خالہ جان۔ شکریہ کس بات کا۔ اگر کوئی مسئلہ ہو تو بلال کو فون ضرور کر دیجئے گا۔ انہو

تاکید کی نور بانو کی نظر جھکی کی جھکی رہ گئی۔

یہ پرایا خون..... آن کی آن میں جیسے ان کی آپ بیتی جان گیا تھا۔ (آہ)

ٹھیک ہے تم فکر نہ کرو کچھ نہیں ہوگا انشاء اللہ..... وہ پلٹ گئیں۔

ان کی چال بے حد سست تھی۔ اسد انہیں جاتے ہوئے بغور دیکھ رہے تھے۔

جوں ہی وہ اندر غائب ہوئی اسد نے گاڑی بڑھا دی تھی۔ ان کا رخ اپنے گھر کی طرف نہیں تھا بلکہ گاڑی مناسب

سے فاور کے گھر کی طرف ہی رواں تھی۔ گاڑی کی رفتار ان کی ذہنی کیفیت کی غماز تھی۔

اور با نو کا پروقار، سادہ حسین چہرہ ان کی نظروں کے سامنے بار بار آ رہا تھا۔ اتنے رکھ رکھاؤ والی..... عالی ظرف۔

ی داشعاری کا پیکر۔ اتنی مکمل سی عورت کے ہوتے ہوئے انعام علی کو دوسری شادی کی ضرورت کیوں پیش آئی۔

پر طمانیت اور پرسکون اطوار اس بات کی شہادت دیتے تھے کہ یہ عورت جھگڑا کرنے میں پہل نہیں کر سکتی۔

ہلکے چہرے پر واضح تحمل کی روشنی ملتی تھی جو مقابل کو بھی جھگڑے پر نہیں اکسا سکتی تھی۔

اسد کا تمام علم، تجربات، ذہانت اور مردم شناسی کی صلاحیت یہاں پر آ کر ہار مان رہی تھی۔

فیاض فاور نے بھی منزہ کی تاکید ہی پر ان سے یہ بات چھپائی ہوگی۔ وگرنہ اسد کے سامنے تو اس کے پیٹ میں بڑی

بڑی بات نہیں رکتی تھی۔

فاور ان دونوں ٹریننگ سے فارغ ہو کر ہی تو نوشہرہ گیا ہوا تھا۔ اپنے ایک کزن کی بارات میں..... اور واپس آیا تو و

سے بلا جھجک راز دل کہہ بیٹھا تھا۔ کہ وہ نوشہرہ کے گلی کوچوں میں لٹ کر آ گیا ہے۔

یار! میں نے اب سے قبل اتنی مالدار لڑکی اور اس قدر عاجز و مسکین نہیں دیکھی۔

عاجز اور مسکین۔ کی اصطلاح پر اسد نے بھرپور قہقہہ لگایا تھا۔

تم نے محبوب کے ساتھ عاجز و مسکین کی اصطلاح پہلی بار سنی ہے۔ محبوب کے صفاتی ناموں میں اچھا اضافہ ہے۔

فاور نے مذاق سے کہا گیا اپنا جملہ بھی یاد آیا۔

جس کی ماں اپنے تمام ہنر کے باوجود ٹھکرائی ہوئی عورت ہو اس کی بیٹی اعتماد سے عاری، سہمی ہوئی کبوتری کی طرح ہو

تعجب کی تو کوئی بات نہیں۔ اسد نے ایک موڑ بہت آہستگی سے کاٹا۔

ماں کی محرومی۔ بیٹی کو کشش بن گئی..... اچھا نقصان پورا ہوا تھا۔ انسانوں کے رویے کے پیچھے دوسرے انسانوں کے

کمزوری ہوتے ہیں۔ ایک کا عیب دوسرے کا ہنر بن جاتا ہے۔

کیا تم ظریفی ہے..... وہ جیسے خود بخود مسکرا دیے۔ استعجابیہ اور متحیر مسکراہٹ.....

سامنے فاور کا اپارٹمنٹ دکھائی دے رہا تھا۔ انہوں نے گہرا سانس لے کر تھوڑی سی اسپیڈ بڑھائی تھی۔

پہر کے دو بج چکے تھے۔ شہوار و نائلہ ہنوز گہری نیند سو رہی تھیں۔ تب صفیہ نے کہا تھا کہ انہیں سونے دو تم لوگ

جاؤ۔

نب راحیلہ نے حیرانی اور کوفت کے ملے جلے احساس کے تحت ماں سے کہا تھا۔

کی..... شہوار بھابی ہماری بھابی کی حیثیت سے پہلی بار ہمارے گھر آئی ہیں۔ ان کے بغیر ہی کھانا کھا لیں؟

طبیعت تھکی ہوئی ہے۔ نائلہ بھی رات بھر کی جاگی ہوئی ہے میرا دل نہیں مانتا کہ انہیں اس میٹھی نیند سے جگاؤں۔ ابھی

اسے میں گئی تو نائلہ تو کھٹکے پر کسمسائی بھی تھی۔ مگر شہوار تو لگ رہا تھا مہینوں کی جاگی ہوئی تھی۔ بالکل بے خبر ہاتھ

پاؤں ڈالے ہوئے بے سدھ سو رہی ہے مت جگانا اسے تم لوگ کھانا کھا لو تمہاری بھابی تمہارے پاس ہی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان کا ذہن پھر کسی کنویں میں اترنے لگا۔

اندرونی تفکرات کی شہادت ان کی پیشانی کی گہری لکیریں دے رہی تھیں۔ کھانا انہوں نے برائے نام کھایا۔ ظہر کی نماز پڑھنے میں مصروف ہوگئی تھیں۔ شیخ صاحب کہہ گئے تھے آج وہ پانچ بجے تک ہی لوٹیں گے۔ وگرنہ روزانہ وقت تک وہ آجاتے تھے۔

شہوار ان کے کمرے میں سو رہی تھی۔ انہیں اس طرف سے بھی پریشانی تھی۔ کہ وہ شہوار کو شیخ صاحب کے سامنے "بیان" کے ساتھ لائیں۔

ظاہر ہے یہ بات تو انہیں معلوم تھی کہ احسن شہوار کو زبردستی لے گیا تھا۔ اس پر شیخ صاحب نے تبصرہ بھی کیا تھا۔ محفوظ رکھنے کے عادی نہیں تھے۔ فوراً حساب چکانا ان کی سرشت تھی۔

صفیہ کو خاصی لعن طعن کرنے کے بعد انہوں نے کہا تھا۔

احسن اپنی کارروائی میں قیامت تک کامیاب نہیں ہوسکتا تھا۔ اگر شہوار کی اپنی مرضی شامل نہیں ہوتی۔

صاف ظاہر تھا کہ ان کے ذہن میں شہوار کا کیا امیج بن چکا ہے۔ اس امیج ہی کی وجہ سے شہوار کا ان سے سامنا دھماکے سے کم نہیں ہوسکتا تھا۔ شہوار کے چہرے پر چھائی یاسیت اور ویرانی اس بات کا اظہار کر رہی تھی کہ اسے اس ہمدردی کی سخت احتیاج ہے۔

لفظ رعایت اور احتیاط شیخ صاحب کی لغت سے خارج تھے۔ ابھی وہ اس ادھیڑ بن میں تھیں کہ رازی کی امی کے ہمراہ چلی آئیں صفیہ نے انہیں دیکھ کر ایک گہرا سانس لیا۔ آج کی تاریخ میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔

حد سے بڑھے غم تو میں مسکرادیا

تفسیر بن کر وہ ناچار مسکرادیں۔

وعلیکم السلام بہن..... وہ پراخلاق مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر سلام کا جواب دے رہی تھیں۔

وہ انہیں کچھ دینے قاصر تھیں تو کیا ہوا۔ ان کی عزت افزائی تو ان کے اختیار میں تھی۔ وہ انہیں لے کر ڈرائنگ روم میں آگئیں۔

وقت تو دوپہر کا ہے اور آرام ہے مگر بہن کیا کروں میرے گھر کے شوق کا عالم نہ پوچھئے۔ میری گھر کے تو در و دیوار جیسے ہر وقت نائلہ نائلہ کرتے رہتے ہیں۔ روبی کی امی کا شوق بالکل قابل بیان نظر آتا تھا۔

نبیلہ جو ساتھ کے کمرے سے کھانے کے برتن سمیٹ رہی تھی حق دق رہ گئی..... نائلہ..... نائلہ

(بڑی بی اگر اس طرح ساری زندگی نام غلط ملط کرتی رہیں)

صفیہ سر جھکائے بیٹھی رہیں۔

میری بہو بہت دنوں سے سیر کے لئے گئی ہوئی تھی۔ آئی تو صبح شام نائلہ کا نام سننے کو ملا کہنے لگی امی مجھے تو ملائیں۔

صفیہ نے اس بار بھی نظریں نہیں اٹھائیں۔

کیا کر رہی ہے نائلہ؟

سو رہی ہے۔ رات میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی میری وجہ سے جاگتی رہی ہے..... اس لئے.....

نبیلہ نے ہاتھ میں اٹھائے ہوئے برتن واپس دسترخوان پر رکھ دیے تھے۔

حقیقت بڑی بی اور صفیہ نائلہ ہی کی بات کر رہی ہیں۔ کیونکہ سوتو وہی رہی ہے۔

ئیں، یہ سب کب اور کیسے ہوگیا.....؟ ایک مرتبہ پھر ٹھکرائے جانے کے احساس سے اس کے اعضا بے جان سے

گھر میں تغیرات اتنے دبے پاؤں کیسے آنے لگے ہیں کہ اسے کانوں کان خبر نہ ہونے پائی۔

چھا..... اچھا..... خیر تھوڑی دیر میں تو اٹھ جائے گی۔ اللہ کا شکر ہے رازی نے ایسی لڑکی کو پسند کیا جو مجھے بھی دل سے

ہے۔ اگر بچے ایسی لڑکیوں کو پسند کرلیں جو ماں باپ کو نہ بھائیں تو بڑی مشکل ہوجاتی ہے۔

یلہ سناٹے میں رہ گئی۔ بات صرف رشتے ہی کی نہیں رازی کی پسند کی بھی ہو رہی تھی۔ اوہ..... اسے تین چار روز پہلے

ی کی وہ گرج چمک یاد آئی جوان کے بند کمرے میں محدود تھی۔

ے پڑتے جملے اگرچہ اس کے کانوں نے سنے تھے مگر وہ کچھ سمجھ نہیں پائی تھیں۔ اس نے جیسے اپنی تمام تر توانائی مجتمع

برتن اٹھائے۔ مگر جیسے اٹھ نہیں پائی تھی۔ راحیلہ کو سامنے پاکر برتن اسے تھما دیے۔

ابا جان بھائی تو گھر پر نہیں ہیں۔ انیلا باجی پوچھ رہی ہیں چائے کے ساتھ کیا رکھیں..... کس سے منگائیں؟

بلا سے کہو پکوڑے بنالے کینو بھی رکھے ہوئے ہیں۔ وہ جو شام کے لئے کبابوں کا قیمہ رکھا ہے۔ اس میں سے تھوڑا

ر میں آکر تل دوں گی۔ جاؤ جلدی کرو..... شاباش۔

دسترخوان سمیٹتے ہوئے بے تاثر انداز میں ہدایات دے رہی تھی۔

جیلہ پلٹ گئی تھی۔

بانیلی ان تغیرات سے باخبر ہے.....؟

ں! آپ نے شیخ صاحب سے بات کی تھی.....؟ رازی کی امی نے دریافت کیا..... ان کی بے چینی اس بات کی

ی کہ واقعتاً اس رشتے میں ان کی اپنی مرضی شامل ہے۔

پ بھی ہتھیلی پر سرسوں جمانا چاہتی ہیں اور اس رشتے کے دوران جو کچھ ہوا وہ بھی آپ سامنے رکھیں۔ میں کوشش

ں کہ شیخ صاحب قائل ہوجائیں۔

لب یہ کہ شیخ صاحب قائل نہیں ہو رہے؟ رازی کی والدہ نے فوراً بات پکڑی۔ اور صفیہ کی بات کاٹ دی تھی۔

پ خود ہی سمجھئے جس طرح اس معاملے میں اتار چڑھاؤ آئے ہیں۔ آپ جانتی ہیں۔ پھر مردوں کے مزاج۔

انتہائی دانشمندی سے صورت حال سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ وہ درحقیقت رازی کے رشتے سے ایک دم

کل چاہ رہی تھی۔ ایک امید افزا سوچ کہ ممکن ہے خدا کوئی بہتری کی صورت پیدا کردے اور صورت حال بدل

خوشخبری نہ سہی امید ہی دلا دیجئے۔ رازی کی والدہ جیسے بجھ کر رہ گئی تھیں۔

یہ سب میری اختیار سے باہر نہ ہوتا تو آپ کو ممکن ہے خوشخبری ہی سننے کو ملتی مگر میں ان کے باپ کے سامنے مجبور

انکار نہیں کر رہی ہوں بلکہ میں تو صرف مہلت مانگ رہی ہوں کہ میں اپنی پوری کوشش کروں گی..... شیخ صاحب

ا میں قائل کرنے کی۔ رازی کے والد سے کہیے کہ وہ خود بھی شیخ صاحب سے موقع مناسب دیکھ کر ملاقات

کھا اپنی طرف سے بھی کوشش کریں۔ صفیہ نے ایک اور تجویز پیش کی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ضرور..... میں آج ہی ان سے کہوں گی۔ دراصل ہم تو یہی سمجھ رہے تھے کہ جب رشتہ لے جائیں گے تو بھی ہماری طرف آئیں گے۔ بات بڑھے گی۔ مردوں کی آپس میں ملاقات ہوگی۔ مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔ بلکہ اپنی نند سے بھی مشورہ کرنے کا ذکر کیا تھا۔ ان کی بابت بھی بات نہیں دہرائی۔

رازی کی والدہ جیسے آج بہت کچھ سوچ کر بلکہ "سبق" یاد کر کے آئی تھیں۔

دیکھئے ناں..... اگر آپ ناموں کے سلسلے میں مغالطہ نہ کرتیں تو ایسا سب کچھ نہ ہوتا۔ یعنی آنا جانا شروع مگر..... بات ہی ایسی ہوگئی۔ صفیہ رک گئیں۔

میں نے تو آپ سے معافی بھی مانگ لی تھی بہن! رازی کی امی نے جیسے بے بس ہو کر کہا تھا۔

بات یہاں تک پہنچی تو سارا معمہ نبیلہ نے کھڑے کھڑے حل کر لیا۔ اب اسے مطلق شوق نہیں تھا کہ وہ سنے۔ وہ بہنوں کا ہاتھ بٹانے کچن میں چلی آئی تھیں۔

مگر اب اس کا دماغ ٹھکانے نہیں تھا۔ اس کی حرکات وسکنات سے غائب دماغی کی کیفیت ظاہر تھی۔

جن لوگوں کا نصیب مجھ جیسا ہوگا وہ اس صورت حال کا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہوں گے.....؟

جس طرح کامیاب اور بڑے لوگوں کی سوانح حیات لکھی جاتی ہے اس طرح مجھ جیسے بدنصیبوں کی سوانح جانی چاہیے تاکہ بدنصیبوں کو بھی زندگی گزارنے اور جینے کا بہانا مل سکے۔ کوئی روشنی کی کرن، کسی امید کی ضوان حاصل کر سکے۔

جس طرح بڑے انسان بننے کے شوقین اپنے پیش روؤں کی سوانح پڑھ کر اپنے اندر جوش اور ولولہ پیدا کر اپنے شخصی نقائص دور کر کے خود کو پالش کرنے کی..... کوشش کرتے ہیں تاکہ وہ کامیابی میں ان سے بھی چا نکل سکیں۔

اسی طرح بدنصیبوں کی سوانح وتاریخ میں بھی اس بات کا ذکر ہونا چاہیے کہ جب کوئی انسان کامیابی کے کسی چھوٹی سی خوشی کا خواہشمند ہو اور اسی کے لئے ترستا رہے۔

جب کوئی انسان بار بار ٹھکرایا جائے۔

جب خیالات اور جذبات بھی دوسری سوچ کے ماتحت ہوں۔

جب اس کے فعل وعمل آزاد نہ ہوں۔

جس کی سوچ رہن رکھی ہو۔

جس کے ہاتھ پاؤں تابع ہوں۔

جو ایک سر بریدہ کی طرح کا وجود رکھتا ہو کہ جیسے اس کے جسم پر سر ہی نہیں۔

سر.....

جس پر پیشانی بھی ہوتی ہے۔

انا وغرور کا علامتی نشان..... انسان کے نصیب کا استعارہ.....

سر..... جس کے ساتھ چہرہ اور اس چہرے پر ناک بھی فٹ ہوتی ہے۔

غیرت ووقار کا دوسرا نام۔

معاشرے کے ایسے سر بریدہ اور سر کٹے انسانوں کی سوانح..... جو پیشانی اور ناک دونوں سے محروم ہوں

ہوئے لوگ۔ تب ایسے کڑے وقت میں بدنصیب لوگ کیا کرتے تھے؟ مرنے کے علاوہ۔

یوں کی سوانح سے اور کوئی احساس ملے نہ ملے۔ یہی بہت کہ دل کو تسلی ہو کہ ہم سے زیادہ بھی قسمت کے مارے چکے ہیں۔

کامیابی کی کشش سے بے نیاز.....

صرف ایک خوشی..... اور

دل پسند لمحے.....

سوچ کی ایک گھڑی کے لئے ترستے مر گئے۔

اس وقت شدید خود ترسی کی کیفیت میں مبتلا ہو چکی تھی..... اس کا جی تو بھر بھر آ رہا تھا۔

نائلہ کی فوقیت سے حسد نہیں ہو رہا تھا..... بلکہ اپنے مسترد کئے جانے کا شدید احساس تھا۔

پھر چپکے سے یہ احساس بھی کہ اگر نائلہ کو رازی نے پسند کیا ہے تو وہ نائلہ سے پہلے ہے..... بدشکل وبدہیئت بھی

تانے میں زمین میں وہ نہیں رہتی۔ پھر وہ اپنی دراز قامتی کے باوجود نظر کیوں نہیں آئی تھی؟

سے بڑھ کر نائلہ کے سامنے احساس توہین۔

ام میں ضرور منہمک دکھائی دے رہی تھی مگر..... اس وقت اسے خود پر ترس کھانے کے علاوہ کائی کام نہیں سوجھ رہا

تک رازی کی امی اور بھابی موجود ہیں۔ صفیہ کا دل تیزی سے دھڑکتا رہا..... کہ نہ جانے کب شیخ صاحب اور اپنی عادت کے مطابق ان کے سامنے ہی کوئی بے احتیاطی کر بیٹھیں۔

کی بھابی بہت بے چین تھیں نائلہ کو دیکھنے کے لئے۔ مگر صفیہ نائلہ کو سامنے لانے سے کترا رہی تھیں کہ جو کام پہنچتا نظر نہیں آ رہا تھا اس کو مزید پھیلانے سے کیا حاصل۔

ں ساس بہو بھی جیسے صفیہ کی الجھن سمجھ چکی تھیں۔ پھر جب انہوں نے اپنے اصرار کے جواب میں صفیہ کی ٹال کی تو بجھے ہوئے چہروں کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

میری بات کا یقین کریں۔ میری بات کا یقین کریں۔ میری طرف سے کوشش میں کمی نہ ہوگی۔ باقی اللہ بہتر صفیہ نے بھی اپنی طرف سے مناسب جواب دینے کی کوشش کی تھی۔

کے جاتے ہی شہوار اور نائلہ کو جگا دیا تھا۔

بیٹے۔ تمہارے خالو جان آتے ہوں گے۔ اب اٹھ جاؤ اگر سونا چاہتی ہو تو احمر کے کمرے میں سو جاؤ وہ بالکل ہے۔ شہوار اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ مگر جیسے ابھی پوری طرح جاگی نہیں تھی۔ خالی خالی نظروں سے صفیہ کو دیکھنے لگی۔ کیا خالہ جان۔

رہے ہیں بیٹے۔

ایکدم چونک کر ہوش میں آ گئی چار بج گئے.....؟

سونا چاہتی ہو تو دوسرے کمرے میں سو جاؤ۔ ورنہ منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھا لو۔ انہوں نے پیار سے اس کے سر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر ہاتھ پھیرا۔

شہوار بستر سے نیچے اتر آئی.....اور صفیہ کی بھاری شال اچھی طرح لپیٹ لی۔ بہت دیر سوئی ہوں اب کیا سوؤں۔

نائلہ ان دونوں کی بات چیت کے دوران جاگ گئی تھی۔ فوراً بستر سے نکل آئی تھی۔

ابا جی آ گئے کیا امی؟ بستر سے اترتے ہی پہلا سوال یہ ہوا تھا۔

نہیں، بس آتے ہی ہوں گے۔ تم لوگ منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھا لو۔ فٹافٹ۔

اب جی نہیں آئے مگر روبی کی امی آئی تھیں کافی دیر بیٹھ کر گئی ہیں۔ انیلا بھی کمرے میں آ چکی تھی۔ اس نے نائلہ کو یہ خبر سنائی تھی۔

نائلہ پاؤں میں چپل اڑس رہی تھی۔ ایک سیکنڈ کو اس کی حرکت رک گئی۔

اس نے صفیہ کی سمت دیکھنا چاہا.....مگر نہ جانے کس جذبے کے تحت وہ سر نہ اٹھا سکی۔ پھر تیزی سے باہر نکل گئی۔ شہوار کو ساتھ لئے ہوئے اس کے پیچھے نکل آئی تھیں۔

نائلہ اور شہوار منہ ہاتھ دھونے اور بال باندھنے میں لگ گئیں تو صفیہ جلدی جلدی ان کے لئے کھانا گرم کرنے لگی۔ نبیلہ انہیں تنہا کام کرتے دیکھ کر ہاتھ بٹانے چلی آئی۔ کیونکہ صفیہ کی عادت تھی کہ وہ کودہی کام میں لگ جاتی تھی۔ ہاتھ بٹانے کے لئے آواز نہیں دیتی تھیں۔ جوں جوں وقت سرک رہا تھا۔ صفیہ کو ہولا رہا تھا۔

ابھی شیخ صاحب کو شہوار کی آمد کی اطلاع دینے کا "اہم ترین" کام باقی تھا۔ اور دوسری طرف ان واقعات کو جاننے کی بے چینی جن کی وجہ سے شہوار یہاں نظر آ رہی تھی۔

ظاہر ہے شیخ صاحب کو اطلاع دینے سے پہلے انہیں خود تمام واقعات کا علم ہونا چاہیے تھا۔

تب ہی شہوار کی موجودگی ان کے لئے قابل برداشت بنائی جا سکتی تھی۔ انہوں نے نبیلہ کے ساتھ مل کر احمر کے کمرے میں کھانا لگا دیا تھا۔

کھانے پر انہوں نے شہوار کی وجہ سے تھوڑا سا اہتمام کیا تھا۔ احسن ان کی کمزوری تھا۔ ان کی رگ جاں سے قریب.....ان کا قلب.....ان کے احساس کی شدت۔

اور شہوار ان کی سگی بھانجی ہی نہیں احسن کی زندگی کا ایک حصہ تھی۔ اس کے لئے ان کے جذبات "خصوصی" تھے۔

جب تک احسن ان کی زندگی میں خصوصی اہمیت کا حامل تھا وہ شہوار سے بدگمانی یا بے اعتنائی کا عمل روا نہیں رکھ سکتی تھیں۔

شہوار کو گم صم دیکھ کر انہیں اگرچہ طرح طرح کے وہم ستا رہے تھے۔ مگر وہ ہر طرح کے وہم کو مسترد کر کے مسلسل فریبی کے عمل سے گزر رہی تھیں۔ یہ اور بات ایک احساس پوری طاقت سے دل میں جگہ بنا چکا تھا کہ شہوار کی موجودگی معمول کا واقعہ نہیں ہے۔

وہ کھانا اندر پہنچا کر آئیں تو نائلہ پانی کا جگ لئے چلی آ رہی تھی۔

چپکے سے گویا ہوئی.....ابا جی آ گئے ہیں امی۔

ہیں.....ہائیں.....اچھا اچھا.....جب تک میں نہ کہوں شہوار کو یہاں سے لے کر مت نکلنا یہیں بیٹھی رہنا۔

وہ چونک کر پھر قدرے گھبراتے ہوئے باہر نکل گئیں۔ نائلہ نے دروازہ بند کر لیا۔

شیخ صاحب برآمدے میں کھڑے ہوئے اپنے ہمراہ لائے ہوئے چند بڑے بڑے لفافے نبیلہ کو تھما رہے تھے۔

صفیہ کے کمرے میں چلی آئیں۔ وہ شیخ صاحب کے ذاتی کام ہمیشہ خود کرتی تھیں بیٹیوں سے نہیں کراتی تھیں۔

ان کے سلیپر پلنگ کے نیچے سے کھسکا کر سامنے رکھے پھر کپڑے نکالنے لگیں۔ شیخ صاحب اندر آ گئے تھے۔

ارے بھئی، تم کہاں کونوں کھدروں میں گھسی رہتی ہو۔ ان کی پاٹ دار آواز گونجی۔

آپ کے کپڑے نکال رہی ہوں کھانا کھائیں گے.....؟

پہلی وقت ہے کھانا کھانے کا۔ وہ اپنی اتار کر پلنگ پر پھینکتے ہوئے حسب عادت خشک انداز میں گویا ہوئے۔

کپڑے میرے ٹھیک ہیں۔ کپڑے وپڑے نہیں بدل رہا میں۔ صبح کے لئے تیار کر دینا بس۔

اور ہاں سنو، آج شام کے کھانے پر کوئی اچھی چیز بنا لینا۔ کچھ لوگ نبیلہ کے سلسلے میں آ رہے ہیں۔ انہیں شادی کی جلدی ممکن ہے لڑکی پسند آنے کی صورت میں وہ آج ہی بات۔ طے کر جائیں۔ اچھے خاندانی لوگ ہیں۔ وہ تین عورتیں اور شاید مرد ہوں گے۔

انہوں نے پلنگ پر بیٹھ کر پاؤں سے جرابیں کھینچتے ہوئے نہایت اطمینان سے اطلاع دی۔

صفیہ نے ایک دم پلٹ کا شیخ رحیم الدین کی سمت دیکھا تھا۔

جو اس وقت سے پناہ مانگ رہی تھیں کہ شکیلہ کے بعد آئندہ کبھی شیخ صاحب کسی بیٹی کا بر خود دار ڈھونڈ کر لائیں۔

الٰہی خیر.....کالی زمین پر اکثر انسان میری طرح ہر قدم پر امتحان سے دوچار ہوتے ہوں گے.....؟ یا صرف میں

کا دل بھر آیا۔

کے کی عمر کیا ہے؟ انہوں نے خود کو سنبھال کر نہایت سنجیدگی سے شیخ صاحب کا چہرہ دیکھا۔

شیخ رحیم الدین کو سوال و جواب کے عمل سے سخت چڑ محسوس ہوتی تھی۔ وہ تو آمر مطلق کی طرح صرف حکم پر عمل درآمد کرتے تھے۔

صفیہ پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈال کر نہ جانے کس نیکی کے صدقے بڑے تحمل سے جواب دیا۔

کوئی انتیس تیس سال۔

صفیہ کے جیسے اوسان بحال ہوئے۔

آپ نے دیکھا ہے یا صرف سنا ہے.....؟ ایک خدشے نے پھر سر ابھارا۔

تم کھاتا ہوں صفیہ بیگم گھاس نہیں.....

صفیہ ایک دم چپ سی ہو گئیں۔

کیا سمجھتی ہو تم..... بڑا لائق لڑکا ہے۔ باہر سے پڑھا ہوا ہے۔ باپ بھائیوں کا مشترکہ کاروبار ہے۔ نو دو لیتے نہیں لینا ان رکھو۔

صفیہ کو جہاں بہت خوشی ہوئی وہاں قدرے حیرانی بھی۔

جب اس قدر خصوصیات ہیں تو ہم پلہ لوگوں میں رشتہ کیوں نہیں کر رہے.....؟ ان کے منہ سے نکل گیا۔

بیٹا کا نصیب ماں کی طرح خراب ہو، یہ کوئی ضروری تو نہیں۔ شیخ صاحب زبان سے انکار وہ چٹخا اور صفیہ کے دل پر

تیس سال کا معقول صورت پڑھا لکھا..... دولتمند..... صفیہ کو یقین آ کر نہیں دے رہا تھا۔

بھلا ایسے لوگ شیخ صاحب کو کہاں مل جاتے ہیں.....؟ محلے میں تو سلام کرتے دکھائی نہیں دیتے۔ صفیہ ہنوز سوچ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مستغرق تھیں۔ شیخ صاحب پلنگ پر آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے تھے۔ گویا صفیہ کو اشارہ تھا کہ وہ ان سے مزید کوئی بات کریں۔

صفیہ آہستگی سے باہر چلی آئیں۔

اب ان میں جیسے چابی سی بھر گئی تھی۔ چند لمحوں کے لئے تو وہ شہوار کو بھی فراموش کر بیٹھی تھیں۔ وہ جیسے چاہتی تھیں وقت جلدی سے قریب آ جائے کہ وہ بھی یقین بھر خوشی آزما کر دیکھیں..... کہ کیسا ہوتا ہے وہ سرور جب..... انسان اپنی خواہش کی تکمیل ہوتے دیکھتا ہے۔

سراب و خواب سی زندگی کے پیچھے بھاگتے بھاگتے خود ہی دھول ہو کر رہ گئی تھیں۔

وقت بہت کم تھا۔ وہ تیزی سے نائلہ کی سمت آئی تھیں۔

نائلہ نے جیسے بے تاب نظروں سے ان کا چہرہ پڑھنا چاہا تھا۔

ابا جی سے بات کر لی آپ نے امی.....؟

تم کیوں فکر مند ہو؟ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ شہوار اپنے گھر میں ہے۔ اس وقت تو تمہارے ابا جی نے ایک کام سمجھایا ہے۔ کچھ لوگ نبیلہ کے سلسلے میں آ رہے ہیں۔ تصویر کشی تو تمہارے ابا جی نے ایسی کی ہے کہ میں ابھی سے کہہ بیٹھی ہوں خدا کرے جیسا تعارف ہے، وہ لوگ ایسے ہی ہوں۔

وہ لوگ رات کا کھانا یہیں کھائیں گے۔ فٹافٹ کام میں لگ جاؤ۔ پھر وہ شہوار کی سمت پلٹیں۔

بیٹی! گھبراؤ نہیں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم اگرچہ ہو تو چپکے سے احمر کے ساتھ جا کر ماں کو فون کر آؤ۔ اسے تسلی جائے گی۔ احسن کو کرنا۔

خالہ جان! شہوار نے تڑپ کر ان کی بات کاٹ دی۔

میں کسی کو فون نہیں کرنا چاہتی۔ کوئی نہیں ہے میرا نہ ماں نہ باپ نہ احسن..... اگر میں مر بھی جاؤں تو احسن کو میرے جنازے پر بھی نہ آنے دیجئے گا..... نفرت ہے مجھے اس نام سے۔ وہ ہذیانی انداز میں گویا ہوئی تھی۔

صفیہ جو باہر کی سمت قدم بڑھا چکی تھیں..... بوکھلا کر واپس پلٹیں اور اب ہکا بکا شہوار کی صورت دیکھ رہی تھیں۔

ہائیں کیا مطلب؟ وہ کم گو سی شہوار کو اس انداز و حالت میں دیکھ کر واقعی حیران و پریشان ہو گئی تھیں۔

میں کب سے منتظر ہوں کہ اس گھر کا کوئی بھی فرد مجھ سے پوچھے کہ میں اس در پر کیوں پڑی دکھائی دے رہی ہوں کسی نے نہیں پوچھا اب تک۔

وہ منہ ڈھانپ کر بلک بلک کر رو دی۔

صفیہ کا دل بیٹھنے لگا۔ وہ اس کے نزدیک بیٹھ گئیں اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

میں نے تو فوراً اس لئے نہیں پوچھا کہ خدا معلوم کیا بات ہے۔ ظاہر ہے یہ تو میں جان سکتی ہوں کہ تم غیر معمولی حالات ہی میں یہاں آ سکتی ہو۔ سوچ رہی تھی تمہاری تھکن اتر جائے تو آرام سے پوچھوں گی..... احسن نے اگر تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے تو.....

خالہ جان..... جیتے جی مار دیا ہے انہوں نے۔ وہ ہچکیوں کے درمیان بولی۔

صفیہ کے پاؤں کے نیچے سے جیسے زمین سرکنے لگی تھی۔

احسن..... مجھے معلوم نہیں تھا کہ جو کمی شیخ صاحب چھوڑ دیں گے وہ تم پوری کرو گے۔ تم جیسے ناخلف کے لئے میں

آنکھیں سفید کر رہی ہو.....؟

تم نے میرا خیال نہیں کیا..... میرا..... اپنی ماں کا..... کیا کیا ہے تم نے اس بچی کے ساتھ.....؟

ان کا دل ڈوبنے لگا تھا۔ سر اتنی زور سے چکرایا کہ آنکھوں کے سامنے چنگاریاں سی اڑتی محسوس ہوئی تھیں۔

دن رات کے غم ان کے دل سے زندگی قطرہ قطرہ نچوڑتے تھے۔ اب ان میں کہاں طاقت تھی کہ وہ یقین و اعتبار اور ان کے پرخچے اڑتے دیکھتیں اور خاموشی سے سہہ جاتیں۔

بعض اوقات سیلاب کے منہ زور ریلے میں بند کا سب سے مضبوط نظر آنے والا ستون پہلے ٹوٹتا ہے۔

بارش میں چھت وہاں سے ٹپکنے لگتی ہے، جہاں سے پہلے کبھی ٹپکی ہوتی۔ بعض اوقات گاہک اسی دوکان پر ٹھگا جاتا ہے جس پر اعتبار و یقین کے مرحلے طے کیے ہوتے ہیں۔

ارے احسن..... ایک کراہ ان کے سینے سے ابلی تھی اور وہ بے ہوش ہو چکی تھیں۔

شہوار ایک دم خوفزدہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی..... اور جیسے احساس جرم سے چور نظروں سے بے ہوش خالہ کی سمت دیکھا

آنسو تھم گئے تھے۔ بلکہ راستے ہی میں اٹک گئے تھے۔

سب کی سب انہیں ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگیں۔

شہوار ان کی پائنتی جا کر فرش پر بیٹھ گئی۔ اور پاؤں تھام لئے۔

خالہ جان..... پلیز ہوش میں آئیں۔

اب کوئی نیا الزام میرے سر نہ آ جائے..... اٹھیے..... پلیز..... مجھے منحوس کہیے۔ مجھے کوسیے۔

جو اپنے بڑوں کے لئے دکھ ہو۔

مشفقوں اور مہربانوں کے لئے لعنت ہو۔ اسے زندگی بھر خوش رہنے کا کوئی حق نہیں۔

وہ صفیہ کے پاؤں پر سر رکھے بلک بلک کر رو رہی تھی۔

خالہ جا..... اٹھیے..... مجھے کوئی اتنی بڑی بات کہیے کہ میں صدمے سے مر جاؤں۔

یہ لڑکی کون ہے؟ شیخ رحیم الدین کی گرجدار آواز گونجی تھی۔

کمرے میں روشنی بھی زیادہ نہیں تھی اور شہوار کا چہرہ بھی صفیہ کے پاؤں پر جھکا ہوا تھا۔

وہ ہڑبڑا کر سیدھی ہو گئی۔ السلام علیکم خالو جان.....! اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا تھا۔

شیخ صاحب ایک لمحے کو جیسے منجمد ہو گئے تھے۔ یوں بھی ان کا ذہن سویا ہوا تھا۔ ماں کو بے ہوش دیکھ کر بیلا دیوانہ وار دوڑ کر انہیں بلا لائی تھی۔

ہوں۔ انہوں نے ایک لمبی ہوں کے ساتھ شہوار کو سر سے پاؤں تک گھورا۔

خوب..... تو سفارت کار بھیجا گیا ہے۔ وہ مجبور تھے۔ ان کی زبان کو تیر برسانے کی عادت تھی۔

شہوار اپنے سلام کا عجیب و غریب جواب پا کر دم سادھے کھڑی تھی۔

میں پوچھتا ہوں تمہیں اس گھر میں داخل ہونے کی جرات کیسے ہوئی.....؟ یہ شیخ رحیم الدین کا گھر ہے بی بی۔ سرداروں کا نہیں..... کہ پگ اونچی..... کام چھوٹے..... میں اپنی بن بیاہی بیٹیوں کو تمہاری صحبت نہیں دے سکتا۔

یہ مرغی کے پروں میں سمٹ کر بیٹھنے والی بچیاں ہیں۔ سردار.....

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خالو جان! خدا کے لئے۔ شہوار نے تڑپ کر ان کی بات کاٹ دی۔

آپ کو اللہ کا واسطہ..... میرے ناکردہ گناہوں کی کیچڑ بس مجھ پر ہی پھینکیے۔ میرے ماں باپ صرف اتنے گنہگار ہیں کہ وہ میرے ماں باپ ہیں۔ اس سے زیادہ ان کا قصور نہیں۔ آپ کو حق ہے جیسا چاہے مجھ سے سلوک کیجئے۔ مگر میرے والدین۔

جس کے ساتھ تمہارا تعلق ہے۔ کیا وہ تمہارے لئے کافی نہیں.....؟ ہم تمہارے کسی کام کے نہیں ہیں۔ دو غیر ناک دکھائی دیے۔

میں اس ناہنجار کا نام زبان پر لانا نہیں چاہتا۔ اس سے وابستہ کسی چیز کو دیکھنے تک کا روادار نہیں ہوں۔ پھر تم تو اس کے آدھا گھر ہو۔

آپ اگر ان کا نام زبان پر ایک دفعہ لانا نہیں چاہتے تو میں ہزار بار لانا پسند نہیں کرتی..... کوئی تعلق نہیں ہے میرا ان سے۔

شہوار جو کبھی ان کے سامنے "جی" اور "ہوں" سے زیادہ نہیں بولی تھی کس بری طرح پھٹ پڑی تھی۔

شیخ رحیم الدین نے الجھی ہوئی نظریں بیوی پر دوڑائیں۔ احمر کہاں ہے؟

باہر گیا ہوا ہے۔ شاید پڑھنے۔ نائلہ نے جلدی سے کہا۔

ہاں۔ پڑھنے..... اس کی پڑھائی ختم نہیں ہوتی..... اتالیق لگے گا بادشاہوں کا..... باہر گھومنے کے بہانے بنائے ہوئے ہیں۔ لے کر آتا ہوں ڈاکٹر کو۔ تب تک تم پانی کے چھینٹے وغیرہ مارو۔ ہاتھ پیر سہلاؤ۔ وہ عجیب سی نگاہ شہوار پر ڈال کر باہر نکل گئے۔

وہ سب..... ماں کے تلوؤں ہتھیلیوں سے چمٹ گئیں۔

مگر صفیہ کو ہوش آ کر نہ دیا۔

وہ سب ماشاء اللہ اتنی تھیں کہ شہوار کو خالہ پر ہاتھ رکھنے کی جگہ ہی نہ ملی۔

وہ ایک طرف کھڑی ہو کر ان سب کی کاروائی دیکھنے لگی۔

ان تمام باتوں کے ذمہ دار تم ہو احسن..... میں نہیں.....

خالہ کی کیفیت سے جو احساس جرم بار بار ڈسنے لگتا تھا۔ بالآخر اس نے جھلا کر اس کا رخ ہی موڑ دیا۔

میں کیا کروں.....؟

مجھے پہلے سے ان تمام باتوں کا علم ہو جاتا تو..... میں احسن کی شکل پر نگاہ ڈالنا بھی کفر سمجھتی۔

احسن نے ایک بار اسے شانوں سے تھام لیا تھا..... اس دن کی حرکت اس کے دل کا ناسور بن گئی تھی۔

اسے اپنے وجود کے اس حصے سے کراہیت آنے لگی تھی..... کاش میری زندگی میں یہ وقت نہ آیا ہوتا۔

کاش میں اس بے رحم کے سائے سے بھی دور رہتی۔

مجھے نفرت ہے تمہارے نام سے..... تمہارے وجود سے حتیٰ کہ تمہارے سائے سے بھی..... اس کی نس نس میں زہر دوڑنے لگا تھا۔

شیخ رحیم الدین اندر داخل ہوئے۔

اپنی ماں پر کوئی چادر وغیرہ ڈال دو۔ اور سب دوسرے کمرے میں چلی جاؤ۔ وہ سب چونک پڑیں۔ مارے بوکھلاہٹ

کمبل تک ڈالنا بھول گئی تھیں۔ نائلہ نے کمبل ماں کے گلے تک پھیلا دیا تھا۔

اور سب تیزی سے باہر نکل گئیں۔

پندرہ منٹ یا کچھ وقت گزرا ہوگا کہ ڈاکٹر چلا گیا..... صفیہ کو ہوش آ چکا تھا۔

شہوار سمیت تمام لڑکیاں ان کے کمرے میں دوبارہ آ گئیں۔ صفیہ تکیے کے سہارے بیٹھی تھیں۔ ان کی نظریں ٹٹولتی ہوئی آخر شہوار کے چہرے پر ٹک گئیں۔

شہوار ادھر آؤ بیٹا..... ان کا انداز اس جرنیل کی طرح تھا جو اپنی تمام صلاحیت میدان کارزار میں صرف کرنے کے بعد ہار گیا ہو۔

شہوار ہچکچاتی ہوئی ان کے قریب پہنچی۔

صفیہ نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے قریب پہنچی۔

صفیہ نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے قریب بٹھا لیا۔

شاید مہربانوں سے دوری..... گھر سے بے گھر ہونے کے عمل نے میرے بچے کی صلاحیت چھین لی ہو۔ وہ ایسا تو نہیں

ان کی آواز آنسوؤں میں ڈوبنے لگی۔

دنیا کی ہر ماں کے پاس شاید اپنے بچے کی بے گناہی کا کوئی نہ کوئی جواز ہوتا ہے۔ شہوار نے لہجے کی کڑواہٹ پر قابو پاتے ہوئے بہر حال دل کی بات کہہ دی۔ وہ اندر سے بھری ہوئی تھی۔

بھری ہوئی تھی۔

خالہ کی طبیعت اسے محتاط تو کر رہی تھی۔ مگر اس کے اندر کا لاوا کسی مصلحت کی خاطر رکنے کے لئے آمادہ ہی نہیں ہو رہا تھا۔

صفیہ ایک دم چپ سی ہو گئیں۔

جب وہ تمہیں لے ہی گیا تھا تو پھر..... ان کی آواز میں نہایت دھیما تھی۔

وہ مجھے میری مرضی کے خلاف لے کر گئے تھے۔ میں نے احتجاج کیا تو مجھے چھوڑ دیا۔

خدانخواستہ..... صفیہ کا دل پھر ڈوبنے لگا۔

کاغذ دے دیا..... تمہیں.....؟ ارے احسن یہ کیا غضب کیا۔ سات بہنیں ہیں تیری.....

ساری زندگی دکھ مجھے روندتے رہے ہیں۔ اب مکافات عمل سے بھی گزرنے کی سزا باقی ہے۔ اوہ میرے خدا!

خالہ جان! بنی الحال انہوں نے مجھے کاغذ وغیرہ نہیں دیا ہے۔ شہوار خالہ کی حالت کے پیش نظر جلدی سے بولی۔

اس قدر مشکل سے حاصل کی گئی چیز اتنی آسانی سے کیسے چھوڑ دی اس نے۔ صفیہ حیران تھیں۔ وہ شہوار کے چہرے پر پڑتی ہوئی نگاہیں ڈال رہی تھیں جو ان کے شانے سے سر ٹکائے ویران سی بیٹھی تھی۔

خالہ جان! امی اور دوسرے گھر والوں کے ساتھ میری وفاداری پر انہیں اعتراض تھا۔

ان کا خیال تھا کہ مجھے بیوی ہونے کے ناطے ہر قسم کے غلط اقدام میں ان کا ساتھ دینا چاہیے۔ جو میرا ضمیر مر کر بھی گوارا نہ کرتا۔

خالہ جان! آپ بھی مجھے نکال دیں۔

میں مزید دھکے کھانے کے لئے آمادہ ہوں مگر احسن کے پاس جانے کے لئے نہیں..... کم از کم اس میں میرا ضمیر تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مطمئن ہے۔ کم از کم اس طرح میرے والدین کو میری بے گناہی کا یقین تو آ سکتا ہے۔ بالآخر وہ رو پڑی۔

صفیہ دھیرے دھیرے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔ بلاشبہ یہ سانحہ ان کی زندگی کا عظیم سانحہ تھا۔ کہ زندگی کے بہت سے بحرانوں میں۔

ان کے سامنے متبادل راستے اور ترجیحات موجود ہوتی تھیں۔ جن سے حالات کی سختی کم محسوس ہوتی تھی۔ مگر اس وقت وہ قطعی خالی الذہن تھیں۔ شیخ صاحب کے سامنے احسن کی کھلم کھلا حمایت.....

اس کی ذات پر اعتماد..... اور امان..... بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔ اب خیر نہیں تھی۔ یقیناً شیخ صاحب سارے حساب چکانے کو بے تاب ہو رہے ہوں گے۔ ان کے کلیجے میں ٹیس سی اٹھی۔

انسان کی قسمت خراب ہو تو اسے خوشی کبھی راس نہیں آتی۔

اب دیکھو ہمارے ہاں مہمان آنے والے ہیں۔ ہر معاملہ چوپٹ پڑا ہے۔

میں اپنی بچیوں کے معاملات میں اس قسم کی بدشگونی قطعی برداشت نہیں کر سکتا۔

شیخ صاحب حسب توفیق گرجتے برستے داخل ہوئے تھے۔ شہوار ایک دم ڈر کر خالہ سے الگ ہو گئی۔

تمام لڑکیاں الگ ہڑبڑا کر کھڑی ہو گئیں۔ مہمان.....!!! وہ سب ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہی تھیں۔

شیخ صاحب! آپ اطمینان رکھیں۔ جس وقت مہمانوں کو کھانا کھانا چاہیے انہیں اسی وقت ملے گا۔ وہ ہتھیار پھینک کر امن کی طرف اک قدم بڑھا کر بولیں۔ مبادا شہوار کے سامنے کسی قسم کی بدمزگی ہو۔

مگر برائے مہربانی اب آپ کوئی بات شروع نہ کریں۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ انہوں نے ایک طرح سے استدعا کی تھی۔

اس معاشرے کی حساس اور ذمہ دار ماں۔ جو تمام موافق حالات صرف اس لئے برداشت کرتی ہے کہ اسے اپنی اولاد کی خوشی ہر قیمت پر درکار ہوتی ہے۔

وگرنہ یہاں ان عورتوں کی بھی تو کمی نہیں جو اپنی ذاتی انا اور ذاتی سکھ کی خاطر اپنی اولاد کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مصائب کے جنگلات میں بھٹکتا چھوڑ دیتی ہیں۔

کہ کسی کو شوہر پسند نہیں آیا تو اس نے آگے جا کر اپنی پسند ڈھونڈ لی اور پرانا تعلق توڑ لیا۔ ایسی عورت کی تو اولاد بھی پاؤں کی زنجیر نہیں بن پاتی۔

یا پھر کسی بے بنیاد سی بات ہی کو انا کا مسئلہ بنا کر علیحدگی حاصل کر لی۔ اور اپنی اولاد کے لئے ہمیشہ کے لئے طلاق یافتہ ماں کا ٹائٹل حاصل کر لیا۔

ایسا طعنہ..... حساب اور جیتے جاگتے انسان کی صلاحیتوں کو کھا جانے کے لئے کافی ہے۔

ایسی ماؤں کی جھکی جھکی آنکھوں والی..... بے قصور مگر شرمندہ شرمندہ سی اولاد..... کتنے عذاب کاٹتی ہے..... انسانوں کی جذباتیت سے کتنے انسانوں کا استحصال ہوتا ہے۔

زندہ، مگر شرمندہ سے انسان..... کہ ماں تو غیرت کا سب سے بڑا عنوان ہوتی ہے۔

طلاق ایک گالی ہے..... اس معاشرے میں۔ جب ہی تو حلال ہونے کے باوجود اللہ کو ناپسند ہے۔

گالی یافتہ ماں..... رحمت نہیں زحمت بن جایا کرتی ہے۔

یہی وجہ تھی۔

صفیہ کاسوں پر چل کر شیخ رحیم الدین کی رفاقت کا حق ادا کرنے کو تیار تھیں۔ مگر اپنی بیٹیوں کے لئے عمر بھر کا طعنہ بننے کو نہیں تھیں۔ زندگی میں کئی بار ایسے مرحلے آئے تھے کہ وہ اور شیخ صاحب ایک لمحے میں غیر ہوتے ہوتے رہ گئے تھے۔

صفیہ نے کمال چابکدستی سے۔ صفیہ کا گلا گھونٹ دیا تھا اور ماں کو زندہ رہنے دیا تھا۔

جو عورت ایسے مراحل سے سرخرو گزرتی ہے۔ وہی تو ماں کو زندہ رہنے دیا تھا۔

جو عورت ایسے مراحل سے سرخرو گزرتی ہے۔ وہی تو ماں ثابت ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی جوان بیٹیاں ان کی رائیاں محسوس کرتی تھیں۔ اور ماں کے قدموں میں بکھرنے کو تیار رہتی تھیں۔

نائلہ بیٹے! ایسا کرو گھر والوں کو ملا کر دس پندرہ آدمیوں کے لئے بریانی بنا لو..... میرا سر چکرا رہا ہے بیٹے! ورنہ میں تمہارا ساتھ دے دیتی۔

امی آپ آرام کریں۔ کوئی بات نہیں ہم کر لیں گے سب کچھ..... مگر آ کون رہا ہے.....؟ نائلہ نے پیار سے ان کے پاؤں تھام کر پوچھا۔

تمہارے ابا جی کے ملنے والے ہیں۔ نبیلہ کے سلسلے میں آ رہے ہیں۔

نبیلہ کے دل پر جیسے آری سی چل گئی تھی۔ (ہونہہ)..... کیا اب یہاں آئے دن یہ ڈرامے ہوتے رہیں گے۔ وہ بولی تو نہیں دل ہی دل میں کڑھتی باہر نکل گئی۔

اس کے باہر نکلنے کا انداز غیر معمولی تھا جو نائلہ اور صفیہ نے بخوبی محسوس کیا تھا۔

بیلا اور راحیلہ کو کہو، یہ سلاد بنا لیں گی۔ کبابوں کا قیمہ رکھا ہے۔ انیلا سے کہنا۔ کباب وہ بنا لے گی۔ ایک گھنٹے میں کھانا تیار ہو جائے گا۔ تھوڑی سی کھیر بنا لینا۔ اگر وقت ہو تو گرنہ احمر سے کوئی مٹھائی منگوا لینا۔ وہ تھک کر جیسے لیٹ گئیں۔

میں اور نائلہ کھانا تیار کر لیں گے خالہ جان! آپ بالکل فکر نہ کریں۔ شہوار اٹھ کھڑی ہوئی۔

نہیں بیٹے تم آرام کرو۔ یہ لوگ کر لیں گی۔ صفیہ بولیں۔

خالہ جان..... میں اسے آپ کی محبت سمجھوں یا ایسا ہی گریز جو میرے والدین کی طرف سے مجھے درپیش ہے؟

صفیہ نے سبز شال میں لپٹی شہوار کو محبت سے دیکھا۔

مجھے علم نہیں کہ دوسرے لوگ تمہارے ساتھ کیا کر رہے ہیں۔ مگر اپنے بارے میں کہہ سکتی ہوں۔ تمہیں نقصان ایک طرح سے میرے ہی وجود سے پہنچا ہے۔ لہٰذا تاوان بھی میرے ذمے ہے۔ میں نے سات بیٹیوں کو جنم دیا ہے..... وہ حقیقت دونوں بیٹیوں کی ماں ہوں۔

ایک احسن کی دلہن ایک احمر کی..... ہے نہیں تو کیا انشاء اللہ وہ بھی دن آ جائے گا۔

خالہ جان..... خالہ بھی تو ماں ہی ہوتی ہے۔ میں اپ کی بیٹی ہوں۔ جائے پناہ کی تلاش میں آپ تک آئی ہوں۔

مجھے احسن کے حوالے سے آپ کی بیٹی بننا منظور نہیں۔

وہ بے رحم انداز میں کہہ کر باہر نکل گئی۔

صفیہ ششدر سی اسے دیکھتی رہ گئی تھیں۔

انہوں نے تو شہوار کو کبھی اس تواتر سے بولتے دیکھا ہی نہیں تھا۔ نیلوفر کے مقابلے میں تو وہ گونگی ہی محسوس ہوتی تھی۔

ان نے اور نائلہ نے نبیلہ سے از حد اصرار کیا تھا کہ وہ کپڑے تبدیل کر لے مگر وہ نہیں مانی تھی۔ اور برابر ان کے ساتھ کام میں لگی ہوئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نائلہ نے زیادہ اصرار کا تو ڈانٹ دیا تھا۔ بس خاموش ہو جاؤ نیلی۔

(کیوں کیا کپڑے بدلنے سے قسمت بدل جاتی ہے؟)

کیا میری بات بھی نہیں مانو گی؟ شہوار نے نرمی سے اس کے شانے چھوئے۔

بھابی جان..... میں نے صبح ہی بدلے ہیں۔ پلیز..... اس نے چہرے پر اتنی قطعیت تھی کہ کوئی بھی مزید اصرار کی ہمت نہ کر سکا۔

(میں کون سا تمہارے بھائی کے ساتھ ہوں۔ یا تم لوگ رخصت کرا کر لائے ہو؟ بھابی جان۔ بھابی جان۔ ہونہہ..... سر پھٹنے لگتا ہے یہ لفظ سن کر میرا)

نیلی آپا..... آپ کو امی بلا رہی ہیں۔ انیلا اچانک پیچھے سے آ کر گویا ہوئی۔ نائلہ نے فوراً ہاتھ روکے اور تیزی سے

جی امی.....؟ اس کے چہرے پر تفکر اور لہجے میں عجلت تھی۔

ادھر آؤ..... ایک ضروری بات کرنا ہے تم سے۔ صفیہ بولیں۔

نائلہ ان کے قریب بیٹھ گئی۔

دیکھو، میری بات سن کر دل میں کوئی خیال نہ کرنا۔ صفیہ نے اس کی پیشانی سے بال سمیٹے۔

جی.....؟ نائلہ کا دل دھڑک گیا۔

کوشش کرنا کہ تمہارا یا انیلا کا سامنا مہمانوں سے نہ ہو۔

مگر امی.....! ظاہر ہے، وہ تو مرد حضرات ہی ہوں گے۔ ہم ویسے بھی ان کے سامنے نہیں جاتے۔ اسے ماں کی بات نے الجھن ہوئی۔

نہیں..... عورتیں بھی ہیں۔ دعا کرو اچھے لوگ ہوں۔ نبیلہ کا معاملہ ساتھ خیریت کے نمٹ جائے تو پھر تمہارے ابا یقیناً رازی کے رشتے پر سنجیدگی سے غور کریں گے۔

نائلہ اٹھ کھڑی ہوئی (آپ تو مجھے خواب نہ دکھایئے امی) ٹھیک ہے امی! آپ بے فکر رہیے۔ وہ آہستگی سے ہوئی واپس کچن میں آ گئی۔

کیا کہہ رہی ہیں امی؟ نبیلہ نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

کچھ نہیں۔ نائلہ نے مبہم سا جواب دیا اور اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

(نائلہ کے مقابلے میں جیسے امی مجھے تو کوئی حیثیت ہی نہیں دیتیں۔ پتا نہیں کیوں؟) وہ آزردگی سے سوچنے لگی۔

عجیب قنوطیت سی طاری رہتی تھی۔

جیسے احساسات پر برف سے آ پڑی تھی۔ آج گھر میں اگرچہ اسے کے نام کی رونق تھی۔ مگر اس پر مطلق کوئی اثر نہ وہ محض روبوٹ کی طرح ہر احساس سے عاری اپنے کام میں مگن تھی۔ اس نے ایک لمحے کو بھی نہیں سوچا تھا کہ کون لوگ اور کب تک آئیں گے۔ کہاں سے آ رہے ہیں۔ بیلا نے اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرنے کی کوشش کی تھی مگر اس کی سرد نے اسے آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ وہ چپ سی ہو کر کھسک گئی تھی۔

معاً باہر شور سا اٹھا۔

شیخ رحیم الدین کی آواز سے خاصا جوش و خروش ٹپک رہا تھا۔

بڑا پرتپاک انداز تھا جو نصیب سے شاذ ہی دیکھنے میں آتا تھا۔ وگرنہ ٹھوکر سے تو دروازہ کھولنے کی عادت تھی۔

آپا آپا..... دو عورتیں ہیں اور ایک لڑکی بھی ہے۔ سچ اتنی پیاری ہیں کہ کیا بتاؤں لڑکی شادی شدہ لگ رہی ہے۔ دو ی ساتھ ہیں۔ ایک چھوٹی سی بچی ہے اور ایک لڑکا ہے گود میں۔ بیلا بے ربط سی تھی۔

ٹھہرو..... میں بھی دیکھ کر آتی ہوں۔ انیلا اپنا کام چھوڑ کر بھاگنے لگی۔

تم اپنا کام کرو۔ کوئی ضرورت نہیں۔ دعا کرو کہ اگر اچھے لوگ ہوں تو آپا کا رشتہ ہو جائے۔ پھر ساری عمر دیکھتی رہنا۔

نائلہ نے انیلا کو اٹھنے سے باز رکھا۔

انیلا جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔

کھانے سے پہلے تو چائے کا بھی ایک دور ہو گا..... کیوں.....؟ اور سنو تم انیلا کو کیوں روک رہی ہو۔ جانے دو اسے ہر جا کر بیٹھ گئی۔ شہوار نے نائلہ کی ٹوک پر قدرے تعجب سے کہا تھا۔

لاؤ میں مسالا بھونتی ہوں۔ تم چائے بنانا شروع کر دو۔ شہوار نے لڑکیوں کی رہنمائی کی۔ ان لمحات میں وہ اپنی افتاد گھر میں مدغم ہو چکی تھی۔

آپ کو نہیں پتا بھابی جان! امی کی ہدایت کے مطابق ہی کر رہی ہوں۔ اپنی طرف سے منع نہیں کر رہی ہوں ورنہ مجھے اعتراض ہو سکتا تھا۔ خود سوچیے۔

خالہ جان نے منع کیا ہے؟ شہوار نے حیرانی سے نائلہ کی طرف دیکھا۔

جی..... وہ اختصار سے بولی۔

کیوں؟ تعجب ہنوز برقرار تھا۔

انہی سے پوچھ لیجیے گا۔ میری خیال میں جب گھر میں کئی لڑکیاں ہوں اور ایک سی نظر آ رہی ہوں تو نمبر سے نمٹانے لئے شاید ایسا ضروری ہو جاتا ہے۔ بیلا اور راحیلہ کی تو بات طے ہو چکی ہے۔ ان سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

نبیلہ نے قدرے چونک کر اور مڑ کر نائلہ کو دیکھا۔

گویا تم بھی نہیں جاؤ گی؟ شہوار نے پوچھا۔

جی، میں بھی نہیں..... مگر آپ جا سکتی ہیں۔ کیونکہ آپ تو ہماری بھابی ہیں۔

نہیں۔ شہوار نے تلخی سے نائلہ کی بات کاٹ دی۔ میں صرف تمہاری خالہ زاد بہن ہوں۔

نائلہ اس کے برافروختہ انداز پر خاموش ہو کر رہ گئی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ شہوار سے ایک ایک تفصیل پوچھے۔ کہ ثروت یہاں تک کیسے آ گئی۔ مگر وقت نامناسب تھا خاطر خواہ جواب حاصل ہونے کی کوئی امید نہیں تھی۔ لہٰذا خاموشی سے اپنے کام میں مصروف رہی۔

تھوڑی دیر بعد بیلا پیغام لے کر آ گئی کہ بلو آپا کے ہاتھ چائے امی کے کمرے میں بھجوا دیں اور احمر کے ہاتھ مردوں کو۔ کھانا اس کے آدھے گھنٹے بعد لگائیے گا۔

نائلہ اور شہوار جلدی جلدی چائے کی تیاری میں مصروف ہو گئیں۔

آپا..... پلیز..... بال تو بنا لیجیے۔ نائلہ نے گویا درخواست کی۔

دیکھو..... تم مجھے تنگ نہیں کرو۔ ورنہ میں چائے لے کر بھی نہیں جاؤں گی۔ نبیلہ نے ڈانٹنے کے انداز میں نائلہ کو ٹوکا۔

شہوار کو نبیلہ کے رویے سے الجھن تو ہو رہی تھی مگر مصلحتاً خاموش تھی۔

بھابی جان! آپ آپا کے ساتھ چلی جایئے گا چائے لے کر وہ ہدایت دینے سے باز نہ آئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹھیک ہے چلی جاؤں گی۔ شہوار نبیلہ کے انداز کی وجہ سے خاصی ڈری ہوئی تھی۔ فوراً ہامی بھر لی۔

بیلا..... کیا واقعی عورتیں اچھی ہیں؟ انیلا نے معصومیت سے اپنی بے چینی ظاہر کی۔

سچ آپی..... بہت اچھی ہیں۔ باراتی بن کر آئیں گی تو بہت اچھی لگیں گی۔ وہ بچگانہ شوخی سے کہہ کر ہنس دی۔

اچھا زیادہ شور نہیں کر..... نبیلہ نے پھر ٹوک دیا۔

چائے تیار ہوگئی تو ایک بڑی ٹرے نبیلہ نے اٹھالی اور ایک شہوار نے۔ نبیلہ سادہ کپڑوں میں تھی۔

جب کہ شہوار سادہ کپڑوں کے علاوہ بھاری کام کی مخملی شال بھی اوڑھے ہوئے تھی۔ تھی تو وہ بھی دوشیزہ ہی مگر کی شال اور سونے کی چوڑیوں کی وجہ سے بیاہتا سی نظر آرہی تھی۔ نبیلہ کے مقابلے میں دونوں آگے پیچھے چلتی ہوئی میں داخل ہوئیں۔

تو مہمان خواتین کی نظریں نہایت اشتیاق سے ان کی طرف اٹھی تھیں۔

السلام علیکم..... دونوں نے یکے بعد دیگرے سلام کیا جس کا نہایت پرجوش مشترکہ جواب آیا۔

یہ میری بیٹی نبیلہ ہے، جس کا میں ابھی ذکر کررہی تھی۔ تیسرا نمبر ہے اس کا میرے بچوں میں..... بیٹا میرا ہے۔ اس کے بعد ماشاءاللہ پانچ بیٹیاں ہیں اور پھر دوسرا بیٹا ہے۔ اس کے بعد کی ایک بچی میری نند نے گود لے پھر ایک اس سے چھوٹی ہے۔

دونوں چھوٹی بچیوں کا رشتہ ان کی پھوپھی کے ہاں طے ہو چکا ہے۔ دراصل لڑکے انہی کی عمروں سے میل کھا بچے ہیں ابھی۔

اور ہاں..... یہ میری بہو ہے..... میری چھوٹی بہن کی بیٹی بھی ہے۔ گویا میرا گھر اس کا میکہ بھی ہے اور سسرال نہ جانے کس مشکل سے مسکرائیں۔

شہوار کے لئے یہ تعارف کسی عذاب سے کم نہیں تھا..... وحشت ہوتی تھی اسے اس رشتے سے۔

ماشاءاللہ بہت پیاری ہے آپ کی بہو..... بزرگ خاتون نے تعریفی کلمات ضروری سمجھے۔

بس اللہ تعالیٰ سب کی بچیوں کے نصیب پیارے بنائے۔ صفیہ نے جانے کیوں آہ کھینچی تھی۔ شہوار فوراً کمر باہر نکل گئی تھی۔

اسلام آباد آتے ہوئے اس کے وہم و گمان میں نہ تھا کہ یہاں اس کے مسئلے سے بھی اہم مسئلے موجود ہوں گے جو اس کی پریشانی تک پر حاوی ہو جائیں گے۔

اس کا خیال تھا وہ خالہ جان کو تمام تفصیل بتانے کے بعد درخواست کرے گی کہ وہ اس کو اس کے والدین کے گ پہنچانے کے لئے اپنی صلاحیت، تجربہ اور رشتہ روئے کار لائیں۔ مگر یہاں تو ماحول ہی سوچ کے برعکس ملا تھا۔ یہ آپادھاپی پڑی ہوئی تھی۔ اور اسے اس آپادھاپی میں شریک ہونا پڑ رہا تھا۔

بھابی جان! کیسی لگیں وہ سب خواتین.....؟ وہ واپس کچن میں آئی تو نائلہ نے بے قراری سے سوال کیا۔

اچھی ہیں۔ اچھے گھرانے کی لگ رہی ہیں۔ وہ اپنی سوچ سے چونک کر بولی۔

اللہ کرے بس اب آپا کر گھر بس جائے۔ نائلہ نے دل سے دعا کی۔

تاکہ آپ کا بھی جلدی نمبر لگ جائے۔

ارے نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں۔ دراصل آپا کے ساتھ کئی بار زیادتی ہو چکی ہے۔ مجھ سے مزید کچھ اور

نے افسردگی سے جواب دیا۔

جان..... یہ کیا ہے..... آپ مجھے وہاں چھوڑ کر کیوں آ گئیں؟ نبیلہ اندر داخل ہوتے ہی جھلائی۔

مگر خالہ جان تو ہیں۔ شہوار سمجھی وہ برا مان گئی ہے۔ جلدی سے بڑی سادگی کے ساتھ وضاحت کی۔

پ کی بات اور تھی۔ مجھے ان کے سامنے بیٹھ کر چائے بھی بنانا پڑی اور الٹی سیدھی باتیں بھی سننا پڑیں۔ وہ عجیب ں بولی۔

یدھی؟ نائلہ کا دل دھک سے رہ گیا۔

.....؟ اس نے ڈرتے ڈرتے نبیلہ کی شکل دیکھی۔

لا تو مجھے پتا نہیں۔ وہ پشت کرتے ہوئے برتن اٹھانے لگی۔ ایک شرمیلا سا تبسم اس کے ہونٹوں پر باوجود ضبط

ھا۔

طمینان کی سانس نائلہ کے سینے سے آزاد ہوئی۔

مل جل کر جلدی جلدی کھانا سجانے کے انتظام میں تندہی سے مصروف ہوگئیں۔

بھی ہوئی جلدی جلدی رائتہ بنا رہی تھی۔ اب جوش و جذبہ سوار ہو گیا تھا۔ پورے وجود میں جیسے بجلی سی دوڑنے لگی

رچاول دم کر رہی تھی۔ نبیلہ سالن میں مدغم تھی۔ اس کے بھی کام کا انداز بدل چکا تھا۔

اسے بکھری لٹیں سمیٹنے کا بھی خیال آ رہا تھا۔

پٹہ درست کرنے کا بھی۔

بار ہاتھوں سے لاشعوری طور پر قمیص کی شکنیں بھی درست کر چکی تھی۔

بہت گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے کمرے میں واقعی کوئی بہت اچھی تھی۔

نائلہ کی نظر اپنے دائیں جانب پڑی ننھے منے کالے شوز۔ اس نے چونک کر شوز سے اوپر دیکھا۔ خوبصورت سی تین چار سال کی معصوم سی بچی ٹکر ٹکر سب لڑکیوں کو باری باری دیکھ رہی تھی۔

بھی دروازے میں کیوں رک گئیں۔ نائلہ کو اس کی معصوم سی شکل پر بے ساختہ پیار آ گیا۔ مگر وہ آگے نہیں بڑھی مسکراتی رہی۔

یہ غالباً آپ کی ہونے والی رشتے دار ہیں؟ نائلہ نے نبیلہ کو چھیڑا۔

چھینپ کر چیزیں الٹ پلٹ کرنے لگی۔

ے پارو..... تم یہاں آ کر کھڑی ہوگئیں؟ میں باتھ روم میں دیکھ کر آ رہی ہوں۔

خوش باش سی لڑکی دروازہ دھکیل کر اندر ہی چلی آئی۔

ایک دم کھڑی ہوگئی۔ السلام علیکم وہ جلدی سے بولی..... انیلا بھی پلٹ کر سلام کرنے لگی۔

و..... تو اصل اجتماع یہاں ہو رہا ہے۔ وہی تو میں سوچ رہی تھی کہ سنا تو یہ ہے کہ ماشاءاللہ بھرا گھر ہے مگر نظر کوئی ہا۔

اور بھابی سے تو تعارف ہو چکا۔ آپ دونوں کی تعریف؟ لڑکی بہت خود اعتماد اور خوش اخلاق دکھائی دے رہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ اور بہت شوخی سے نائلہ اور انیلا کو دیکھ رہی تھی۔

جی مجھے نائلہ کہتے ہیں اور یہ مجھ سے چھوٹی انیلا ہے۔ بیلا اور راحیلہ سے تو آپ مل ہی چکی ہوں گی۔ نائلہ نے قابو پا کر نہایت اعتماد سے جواب دیا۔

اچھا..... تو آپ دونوں ابھی تک کیوں نہیں ملیں ہم سے..... وہ شوخی سے کھلکھلائی۔

ہم یہاں کام میں مصروف تھے۔ سوچا تھا کھانے پر تو ملاقات ہو ہی جائے گی۔ نائلہ کو بروقت جواب سوجھ گیا۔

"کھانے وغیرہ کا تو آپ نے تکلف کیا"۔ وہ روایتی انداز میں گویا ہوئیں۔

"کوئی تکلف نہیں کیا۔ کھانے کا تو وقت ہے ہی۔" وہ بھی رسمی انداز میں گویا ہوئی۔

پڑھتی ہیں آپ؟ اس نے نائلہ کو سر سے پاؤں تک اشتیاق بھری نظروں سے دیکھا۔

نائلہ کو ان نگاہوں سے جیسے خوف آنے لگا۔ حلق سوکھنے لگا۔

مجھے تو پڑھنے کا بالکل بھی شوق نہیں ہے۔ بس امی زبردستی کر رہی ہیں۔ میرا تو دل چاہتا ہے بس گھر میں رہوں پڑھوں اور سوتی رہوں کام وام سے بھی خاص دلچسپی نہیں ہے۔

نبیلہ نے آہستگی سے نظریں اٹھا کر نائلہ کو دیکھا۔ درحقیقت سب سے زیادہ وہی گھر میں متحرک رہتی تھی۔

اسے نائلہ کے اس جذبے پر بے اختیار پیار آ گیا جس کے تحت وہ گلط بیانی سے کام لے رہی تھی۔

کوئی بات نہیں لڑکیاں عموماً ایسے بھی کرتی ہیں۔ مگر جب ذمہ داریاں پڑتی ہیں تب ان کے جوہر کھلتے ہیں مسکرائی۔

آؤ بیٹا۔ وہ بچی کا ہاتھ تھام کر باہر نکل گئیں۔

نائلہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

خدا کا شکر..... غالباً محترمہ بہانے سے ہمارا کچن دیکھنے آئی تھیں۔ نائلہ پھر بیٹھتے ہوئے بولی۔

امی کہہ رہی تھیں ناں ایک دفعہ لوگ کچن سے گھر والوں سے سگھڑاپے کا اندازہ لگاتے ہیں۔

وہ ہنس رہی تھی۔ مسکرا رہی تھی۔ مگر اندر ہی اندر دل کانپ رہا تھا۔ اسے اس لڑکی کی نظروں کی چبھن ہنوز محسوس ہو تھی۔ اس نے نبیلہ کی طرف دیکھا۔ وہ بھی کسی سوچ میں گم تھی۔

بھابی جان! کیا خیال ہے کھانا لگا دیا جائے؟ اس نے فضا کا تاثر ختم کرنے کے لئے شہوار کو مخاطب کیا۔

خالہ جان سے پوچھ آؤ۔ شہوار نے مختصر جواب دیا۔

بھابی جان ایک بات نہوں برا تو نہیں مانو گے۔ انیلا نے نہ جانے کیا کہنے کے لئے اجازت طلب کی اور نبیلہ اور بھی اس کی سمت دیکھنے لگیں۔

آپ امی جان کو خالہ جان کیوں کہتی ہیں؟ وہ معنی خیز انداز میں مسکرا رہی تھی۔

اس لئے کہ وہ میری خالہ جان ہیں۔ شہوار نے قدرے تعجب سے انیلا کو دیکھ کر جواب دیا۔

مگر وہ آپ کی ساس بھی تو ہیں۔ وہ شرارت سے مسکرائی ہمارے ہاں ساس کو امی جان کہنے کا رواج ہے۔ مجھے تو اچھا لگتا ہے۔ جب کوئی بہو اپنی ساس کو امی جان کہتی ہے۔ وہ ہنس۔

شہوار کا جی چاہا کوئی تلخ بات کہہ کر اسے چپ کرا دے مگر مصلحتاً مسکرا کر بولی۔

تم اپنی ساس کو امی جان ہی کہنا۔ مجھے کوئی اعراض نہیں ہوگا۔

...شرما کر چپ ہو گئی۔

...ت وہ ہیں آپ بھابی جان۔ یہ کیا بات ہوئی؟

...چھوڑو اس قصے کو کھانا لگاؤ فٹافٹ..... اس نے طرح دے کر قصہ کوتاہ کیا۔

...کھانے کی مصروفیات شروع ہوئی تو وقت کا پتا ہی نہیں چلا۔

...یہاں تک کہ مہمانوں کے جانے کا وقت آ گیا۔

...صفیہ کو نائلہ نے چونکہ بتا دیا تھا کہ ایک مہمان خاتون ان سے کچن میں ملاقات کر کے جا چکی ہیں اس لئے نائلہ اور ...مہمانوں کو خدا حافظ کہنے باہر آ گئی تھیں۔ پھر صفیہ نے بھی کوئی تاثر نہیں دیا۔ ملاقات کی خبر سن کر بلکہ وہ خاصی مطمئن ...نظر آ رہی تھیں۔

...مہمانوں کے جاتے ہی وہ بہت خوش خوش نائلہ کے پاس آئی تھی۔

...لگتا ہے آزمائش ختم ہو گئی۔

...نائلہ چونک پڑی تھی۔ وہ کیسے امی؟

...وہ لوگ رشتہ ڈال گئے ہیں۔

...سچ امی..... نائلہ خوشی سے زور سے بول پڑی۔

...تفصیلات تو وہ لوگ تمہارے اناجی سے پہلے ہی طے کر چکے ہیں صرف لڑکی دیکھنے کا مرحلہ باقی تھا۔

...تمہارے اباجی کے آفس میں کوئی برنی صاحب ہیں، انہی کے رشتے دار ہیں یہ لوگ۔ کہہ رہے تھے لڑکی ہمیں بہت ...ہے۔ خاص طور پر اس کی سادگی نے بہت متاثر کیا۔

"اچھا امی!!!" نائلہ نے انتہائی مسرت کی لہریں اپنے وجود میں اترتی محسوس کیں۔

...ہاں بس آگے اللہ اچھا ہی کرے۔ لڑکا کسی فرم میں مینیجر ہے۔ کہہ رہی تھیں فرم تو اگرچہ چھوٹی سی ہے کہ نئی ہے مگر ...سب ساتھ ہی رہتے ہیں، اس لئے گھر میں خوشحالی ہے۔ لڑکے کے والد بھی بزنس کرتے ہیں۔ تین بیٹیوں کی شادی ...چکے ہیں۔ ایک لڑکا بھی شادی شدہ ہے۔ دو اس سے چھوٹے ہیں۔ یہ جو ساتھ آئی تھیں ایک لڑکے کی ماں دوسری ...اور تیسرے سب سے بڑی شادی شدہ بیٹی تھی۔

...نائلہ پر ایک سرخوشی کی کیفیت طاری ہو چکی تھی۔ اس کے کام میں مزید پھرتی آ گئی تھی۔ اس کا دل چاہا وہ پہلی فرصت ...نبیلہ کو خوشخبری سنائے اور اس کا مطمئن سا چہرہ دیکھے۔

...ابھی وہ مہمانوں کے جانے کے بعد بکھیڑوں میں الجھی ہوئی تھی کہ اباجی کی پاٹ دار آواز سنائی دی۔

...ارے بھئی صفیہ!

...جی.....! کسی کونے سے صفیہ کی "جی" سنائی دی۔

...شہوار کو ساتھ لے کمرے میں آؤ۔

...نائلہ کا دل دھک دھک کرنے لگا یا الٰہی ہماری تو کوئی خوشی خالص نہیں ہوتی کہ ہمارا بھائی ہم سے دور ہے۔ جسے لگتا ...دیکھے ہوئے زمانے گزر گئے۔

...کبھی ہماری بھی صبح خوبصورت ہوتی تھی۔

...کہ سویرے سویرے نکھرے نکھرے مضبوط دیوار جیسے بھائی پر نظر پڑتی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہماری تو دیوار ہی ٹوٹ گئی۔

ہماری شام میں چراغاں ہوتا تھا۔

بھاری بھاری قدموں کی دھمک..... جیسے شام کا راگ سنتے تھے۔

کیسی آفت مچ جاتی تھی۔ سارا گھر بھاگتا دوڑتا نظر آنے لگتا تھا۔

صفیہ سب سے زیادہ ہاتھ پاؤں پھلائے ہوتی تھیں۔

ارے احسن کے کپڑے لٹکا دیے۔

دیکھو بھائی کے لئے چائے بناؤ۔

ارے یہ احسن کے کمرے سے ریڈیو کون اٹھا لایا تھا۔ ہزار بار کہا ہے کہ اس کے کمرے کی چیز ادھر ادھر نہ

ارے یہ اخبار اس کے کمرے میں رکھ آئی۔

اس کا خط آیا تھا..... کمرے میں رکھ دیا تھا؟

ارے کوئی فلانا اس سے ملنے آیا تھا بتا دیا.....؟

گویا عجیب چہل پہل نظر آنے لگتی تھی۔ ابا جی کی آمد پر تو سب کو سانپ سونگھ جاتا تھا مگر احسن کی آمد زندگی دوڑنے لگتی تھی۔

آہ..... نائلہ کے سینے سے ایک ہوک سی اٹھی۔

ابا جی..... تپتی دھوپ میں لاکھڑا کیا ہے آپ نے ہمیں۔ چند اشک اس کی آنکھوں سے خاموشی سے ٹپکے

شہوار اس کے پیچھے کھڑی برتن اٹھا رہی تھی۔ حالانکہ وہ سب مل کر اسے کام سے باز رکھنے کے لئے ٹوکتے

''نیلی..... خالو جان کیوں بلا رہے ہیں.....؟'' خوف کے لہجے سے ہوا یہ تھا۔

''پتا نہیں.....'' نائلہ کی آواز گلوگیر تھی۔

شہوار چونک کر اس کے سامنے آ گئی۔

تم رو رہی ہو..... مگر کیوں؟ وہ حد درجہ پریشان نظر آئی۔

''کچھ نہیں بھابی جان..... آپ کو دیکھ کر اپنا بھائی شدت سے یاد آ رہا ہے۔''

شہوار کے وجود میں کڑواہٹ گھل گئی۔

''تم مجھے اپنے بھائی سے منسوب کر کے مت سوچو۔ صرف اپنی خالہ زاد بہن سمجھو۔'' وہ رکھائی سے کہہ کر

ہونہہ سمجھنے سے کیا ہوتا ہے۔ جو حقیقت ہے وہ تو ہے۔ نائلہ نے دکھ سے سوچا۔

صفیہ غالباً آہستگی سے چلتی ہوئی اسے ہی بلانے آ رہی تھیں۔ شہوار بیٹی آؤ تمہارے خالو جان بلا رہے

لے کر اپنے کمرے میں چلی آئیں۔

شیخ رحیم الدین پشت پر ہاتھ باندھے ٹہل رہے تھے۔ دونوں کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر رک گئے۔

''بیٹھ جاؤ'' حکم ہوا۔

شہوار جلدی سے بیڈ کے کونے پر ٹک گئی۔

تم یہاں کیوں آئی ہو.....؟ تمہارا پروگرام کیا ہے؟ انہوں نے انتہائی ترشی سے سوال در سوال کیا۔

گھر جانا چاہتی ہوں''۔ وہ لرزتی ہوئی آواز میں بمشکل گویا ہوئی۔

گھر.....؟'' انہوں نے منہ پھیر کر خشکی سے پوچھا۔

میرا صرف ایک گھر ہے۔ میں سردار محب علی خان کی بیٹی ہوں۔ مجھے میری یہی شناخت واپس لوٹا دی

کی آواز بھرا گئی۔

طب.....؟'' شیخ صاحب واقعی متعجب نظر آئے۔

ہوش رہی۔

اپنی مرضی سے احسن کو چھوڑ کر آئی ہو.....؟'' وہ کچھ سوچتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

میں اپنی مرضی سے ان کے ساتھ گئی ہی نہیں تھی تو مرضی سے چھوڑنے کا کیا سوال؟''

و بہہ نکلے

ہی ہو صفیہ.....؟'' وہ فاخرانہ انداز میں اور قدرے استہزایہ انداز میں صفیہ سے مخاطب ہوئے۔

چہرہ دھلے لٹھے کی طرح سفید پڑ گیا۔ اُف پہلے طعنوں کی آنچ تھی اب طعنوں کے جہنم بھڑکیں گے۔

شہوار بے خبر۔ تجھے کیا پتا تیرے..... سچ مجھے کس جہنم میں اتاروں گے)

میں زبردستی لے کر گیا تھا۔؟''

.....!'' شہوار کو ٹوٹ کر حیا آئی۔ (میری چادر تار تار کر دی ہے تم نے احسن)

ہمارا باپ تو بہت پہنچ والا آدمی ہے۔ یہ کیسے ہو گیا۔؟'' وہ مشتبہ نظروں سے شہوار کو گھور کر بولے۔

حالات اس موڑ پر آ گئے تھے کہ شہوار کو حرف حرف سچ بتانا پڑا۔

رحیم الدین کرسی پر بیٹھے انتہائی انہماک سے سُن رہے تھے۔ اور صفیہ کے پاؤں سے زندگی لہر در لہر خارج ہونے

بس نہیں چلتا تھا کہ آگے بڑھ کر شہوار کے منہ پر ہاتھ رکھ دیں۔ اور کہیں کہ خدا کے لیے چپ ہو جاؤ۔ گونگی بن

لیے نہیں کہ میرے بیٹے کی رسوائی ہو رہی ہے بلکہ اس لئے کہ مجھے چند سانسیں زندگی کے لئے مزید چاہئیں کہ

گو میری ضرورت ہے۔ ادھر تمہاری داستان ختم ہو گی۔

میری بدبختی کا نیا دور شروع ہو گا۔

آہستہ آہستہ موقع محل کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے ''سنسر'' کرتے ایک ایک بات بتاتی چلی گئی۔ شیخ

وقفے وقفے سے ہنکارا بھرتے اور دایاں ابرو چڑھا کر صفیہ کی سمت دیکھتے اور وہ یوں ہو جاتیں جیسے دور کہیں وہ مینا

ہو جس میں ان کی جان مقید ہو۔

تم نے پرچا لکھا ہی کیوں۔؟'' وہ ہنوز مشکوک نظر آئے۔

ہر قیمت پر ان کی قید سے رہائی چاہتی تھی اور مجھے امید تھی کہ احسن کوشش کے باوجود کوئی ایسا قدم نہیں اٹھا سکیں

سب کی رسوائی کا سبب ہو۔ کہ بہر حال وہ ہم ہی میں سے ہیں۔ میں نے سوچا تھا کہ اس وقت وقتی جذباتیت سے

یں۔ میرے جانے کے بعد ٹھنڈے دل سے سوچیں گے تو کوئی دانشمندانہ قدم ہی اٹھائیں گے۔''

جس کے پاس دانش ہی نہ ہو۔ اس سے اس قسم کی توقع رکھنا اصل میں احمقوں کی جنت میں رہنا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انہوں نے بڑے طنزیہ انداز میں صفیہ کی سمت دیکھا۔ صفیہ کی نظریں نہ اٹھ سکیں۔

"تو بھئی سن لیں تم نے اپنے صلاح الدین ایوبی کی داستانیں۔ ہم کافر ہیں اور وہ ہمارے خلاف جہاد ہیں۔

ارے بھئی تمہیں بڑا ناز۔ بڑا فخر تھا اپنے شیر جوان بیٹے پر۔"

"شیخ صاحب خدا کے لیے۔" صفیہ سراپا احتجاج بن گئیں۔ "وہ میرا ہی نہیں آپ کا بھی بیٹا ہے۔"

"لاحول ولاقوۃ۔ اجی لعنت بھیجتا ہوں میں ایسی اولاد پر۔ جو خاندان کو سرعام نیلامی میں لگا دے۔ خیر اسے میرا بیٹا کہا۔" وہ بری طرح بگڑ گئے۔

شہوار نے چونک کر شیخ صاحب کی شکل دیکھی۔ اسے اسی درجہ تقویت ہوئی جیسے معرکے میں تنہا رہ جانے والے کو اچانک کوئی اپنا ساتھی سپاہی نظر آجائے۔

"تم اپنے باپ کے گھر کیوں نہیں گئیں۔؟" شیخ صاحب پھر شہوار کی سمت متوجہ ہوئے۔

"پاپا نے کہہ دیا ہے۔ کہ اب میں وہاں قدم نہیں رکھ سکتی۔ وہ اسی خط کی وجہ سے مجھ سے بدگمان ہیں۔ جو زبردستی مجھ سے لکھوایا تھا۔

"آپ یہ حوالہ ختم کر دیجیے۔" وہ رو دی۔

"خدا نہ کرے۔ ہمارا بھی بچیوں کا ساتھ ہے۔" صفیہ تڑپ کر بولیں۔

"ٹانگ میں ناسور ہو جائے تو کاٹنا پڑ جاتی ہے۔" شیخ صاحب برہمی سے بولے۔ احسن کو نیچا دکھانے کا سنہ ہاتھ آرہا تھا۔

"بچی بے قصور ہے۔ ہمیں اس کے بڑوں کی حیثیت سے اس کے عذاب اپنے سر مول لینا چاہئیں۔" صفیہ بولیں۔ وہ شیخ صاحب کے عزائم بھانپ چکی تھیں۔

"مگر یہ خود اس ناہنجار کے ساتھ رہنے پر آمادہ نہیں ہے۔ سنا نہیں تم نے۔؟" وہ گرج کر بولے۔

"بچی ہے۔ عقل نہیں ہے ابھی۔ مگر اس کے بڑوں کو تو ہوش کے ناخن لینا چاہئیں۔ یہ آگ بھی دراصل اس نے ہی بھڑکائی ہے۔ ٹھنڈا کرنا بھی ان ہی کی ذمہ داری ہے۔" صفیہ اپنے غصے پر قابو پا کر رسانیت سے بولیں۔

"میں سمجھاؤں گی احسن کو۔"

"ہونہہ۔ بڈھے طوطے پڑھاؤ گی؟" وہ تمسخرانہ انداز میں بولے۔

"بچے بچے ہوتے ہیں۔ انہیں سمجھانا بڑوں ہی کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ وہ تلخی سے گویا ہوئیں۔ حد ہوتی ہے نشتروں کی۔

اور ہاں یہ تم نے بالکل درست کہا کہ یہ آگ بڑوں ہی کی بھڑکائی ہوئی ہے۔ اس ناخلف کی سب سے بڑی۔"

"بڑی" تو تم ہو۔ تمہاری شہ اور اس کے عیبوں کی پردہ پوشی نے ہی ہمیں ان ذلتوں میں پھنسایا ہے۔ سب ذمہ دار تو تم ہو۔

بس آخری بات سن لو۔ جو اس بچی کا فیصلہ ہے وہی میرا بھی ہے۔ کیونکہ میں کسی طرح بھی اسے اپنے گھر میں دے سکتا۔ میری اپنی بچیوں کے لیے مسئلے کھڑے ہو سکتے ہیں۔

بہت ناز تھا تمہیں اپنے بیٹے پر کہ وہ تمہارا بوجھ بانٹے گا۔ گرہ میں جو تھے وہ تو عذاب دیے ہی دیے۔"

رہا ہے۔

خوف خدا کریں شیخ صاحب۔ ہمارا بھی بچیوں کا ساتھ ہے۔ یہ بے چاری کہاں جائے گی۔ سب سے بڑھ کر یہ ہماری ذمہ داری۔"

چھا زیادہ باتیں کرنے کی ضرورت نہیں۔ پرسوں وہ لوگ جواب لینے آئیں گے۔ فی الحال میں سونا چاہتا ہوں۔

رام سیٹ کر لینا۔ تماشا گھر بنا رکھا ہے۔

ے سکون ہی نہیں ہے زندگی میں۔ اس سے تو بہتر تھا کہ میرا کوئی بیٹا ہی نہ ہوتا۔

رے اپنے گھر کے بکھیڑے کیا کم ہیں؟ اب میں اس کی بیگار بھی بھروں۔ بڑا مجھے قالینوں پہ چلا رہا ہے۔ گھر میں لا رہا ہے۔ ناخلف۔ ناہنجار۔ آوارہ۔"

بڑبڑاتے ہوئے بستر پر لیٹ گئے۔

یہ نے شہوار کو اشارہ کیا۔ دونوں آہستگی سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر آگئیں۔ انہوں نے محبت سے شہوار کا شانہ

گھبرانا نہیں بیٹی۔ زندگی میں امتحان بھی آتے ہیں۔ انشاء اللہ تمہاری مشکل آسان ہوگی۔ نیک رہو۔ دعا لیتی رہو۔"

اللہ کے الفاظ ساون کی پہلی پھوار کی طرح اس کے وجود پر اترے تھے۔

ہیں دیکھ کر تمام ملازمین حواس باختہ سے ان کی طرف بڑھے تھے۔

جی صاحب تو گھر پر نہیں ہیں۔" ایک ملازم نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

معلوم ہے مجھے۔" وہ نرمی اور سکون سے گویا ہوئیں۔

تمہارے صاحب کا بیڈ روم کس طرف ہے۔؟" انہوں نے ملائمت سے پوچھا۔

جی۔؟" وہ سب چونک گئے۔

آپ ڈرائنگ روم میں تشریف رکھو بیگم صاحب۔ صاحب آنے والا ہے۔" نوجوان پٹھان ملازمہ نے بھی بہت اسے کہا۔ ہر چند شک کی نظروں سے وہ بھی دیکھ رہی تھی۔

وہ زندگی میں پہلی بار کراچی نہیں آئی تھیں۔ مگر جب کبھی وہ آیا کرتی تھیں تو یہ گھر اور یہ ملازمین نہیں تھے۔ ان دنوں لی مستقل نوشہرہ ہی میں ہوا کرتے تھے اور وہ اپنے رشتہ داروں سے ملنے ملانے سال ڈیڑھ سال میں یہاں آیا تھیں وہ انعام علی کے اس گھر میں پہلی بار آئی تھیں۔ انہیں یہاں آنے کی اجازت نہیں تھی۔

آج کسی مجبور۔ کی خاطر وہ حوصلہ مضبوط کر کے یہاں داخل ہوئی تھیں تو ایک ملازم انہیں شکی نظروں سے دیکھتے ہوئے ان پر پہرہ دے رہا تھا۔ دل میں جیسے کہیں خنجر چلا تھا۔

لہو کی ایک بڑی دھار اندر ہی اندر پھل پھل بہہ نکلی تھی۔

وہ ان سب کو نظر انداز کرتی ہوئی کچن میں چلی آئیں۔

جہاں کک بڑی تندہی سے مصروف تھا۔ "کیا بنا رہے ہو آج کے کھانے پر۔"

لاؤ۔ غالباً تم کلیجی بھون رہے ہو۔ بہت محنت لیتی ہے یہ ڈش۔ سارا ذائقہ اس کی گھنائی پر منحصر ہے۔ لاؤ میں بھونتی ہوں تم کوئی اور کام کر لو۔"

نہ جانے کیوں ان کا دل چاہا یہاں کام کرنے کو۔ کک نے تعجب سے ان کی سمت دیکھا۔ یہ اپنائیت یہ بے تکلفی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"گھبراؤ نہیں بھٹی۔ میں تمہارے صاحب کی رشتے دار ہوں۔ قریبی۔"

نور بانو پھیکی سی ہنسی ہنس کر ذرا تر چھی ہوئیں تو چونک پڑیں کچن کے دروازے سے کچھ فاصلے پر انعام عباسی سمیت کھڑے تھے۔

یں ملیں۔

.....بازار میں گزرتے ہوئے کسی سے مل جائیں۔

.....دوران سفر یونہی ٹکرا جائیں۔

بس کی دھکم پیل۔ جیسے ہجوم میں ٹکراؤ۔

سات اپنے ہی کسی ضروری کام میں مگن رہیں۔

ن تیز ہو نہ مدھم۔

ل میں کوئی تغیر واقع نہ ہو۔

مانے گھوم کر برز بہت دھیما کر دیا۔

ا تو کیفیت یوں تھی۔

وئی مسافر بھٹک کر کسی جنگل میں جا نکلے۔

ب سمت باہر نکلنے کا راستہ دکھائی دے۔ "خواہ ہو نہ۔"

سرپٹ دوڑنا شروع کر دے۔ مگر دوڑتا چلا جائے اور یقین سے خالی ہوتا جائے کہ منزل ہنوز دور ہے بلکہ

ے۔ ہر راستہ سراب ہو۔

لنے کا جو راستہ بھی اختیار کرے وہ اسے پہلے سے بھی زیادہ تنہا و تاریک حصے میں پہنچا دے۔

ے ہی کسی جنگل میں برسوں سے بھٹک رہی تھیں بلکہ مایوسی کی آخری حد کو چھو کر۔

سایہ دار درختوں کی چھاؤں سے سمجھوتا کر کے۔۔ جنگل ہی "نباہنے" کے لیے تیار ہو چکی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انعام علی پلٹ کر اپنے بیڈروم میں چلے گئے تھے۔

حاضر ملازم حیران و ششدر تھے کہ صاحب کے گھر میں جس خاتون کو پہلی مرتبہ دیکھا' صاحب اس سے بات کیے بغیر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

کوئی تاثر نہیں دیا۔

حالانکہ انہیں اس خاتون کی موجودگی کی بات کرنا چاہیے تھی جب کہ انہیں لاؤنج ہی میں بتا دیا گیا تھا۔ اور اب تو خاتون ہی سے لازماً کرنا چاہیے تھی جو ان کے کچن میں اپنا استحقاق استعمال کر رہی تھی۔

انعام علی کی خاموشی اور ان کی پلٹ جانا ان سب کے لیے اچنبھا تھا۔ تھک ہار کر وہ پھر نور بانو ہی کی سمت متوجہ ہوئے۔

نور بانو نے چادر درست کی اور باہر نکل آئیں۔

وہ آہستگی سے انعام علی کے بیڈروم تک آئیں اور انگوٹھی سے دستک دی۔

"میں ہوں۔"

نور بانو ہینڈل گھما کر اندر داخل ہوئیں اور دروازہ آہستگی سے بند کر دیا۔

"انہیں اس لیے تو وہاں نہیں چھوڑا کہ خالی جگہ پر آپ آ جائیں۔۔ اگر یہ جگہ خالی ہو گئی تو بھی آپ....."

"میں کسی کی جگہ کو پُر کرنے کی خواہش مند نہیں ہوں۔" نور بانو نے نہایت نرمی سے ان کی بات کاٹ دی۔

انعام علی کوٹ اتار کر بستر پر ڈال چکے تھے۔ اب ہاتھ ٹائی کی ناٹ پر تھے۔ نور بانو کے پرسکون انداز پر ایک لمحہ کے ہاتھوں کی حرکت رکی۔

"پھر.....؟ آپ کی تشریف آوری کی وجہ؟" ان کی تلخی صرف نور بانو ہی برداشت کر سکتی تھیں۔ کیوں کہ وہ اس عادی ہو چکی تھیں۔

اگر پہلی بار کوئی ان کی اس تلخی کا سامنا کرتا جس میں صدیوں کا زہر گھلا محسوس ہوتا تھا تو شاید صدمے سے مر جاتا۔

"میں صرف اس لئے آئی ہوں کہ آپ سے یہ عرض کر سکوں۔۔ کہ ہرے بھرے کھیت کی کٹائی کے دوران گھا پونس اور کوڑا بھی کٹ جاتا ہے۔ مگر کوڑے کرکٹ اور گھاس پھونس کے ساتھ کوئی اپنا سرسبز کھیت کبھی نہیں نوچتا۔

ہم تو گھاس پھونس ہیں انعام علی۔ اپنا کھیت مت اجاڑیے۔

"آپ فیصلہ کرتے میں خود مختار سہی مگر یہ ضمانت نہیں کہ فیصلہ درست نہیں بھی ہو۔ کسی مظلوم کو وابستگی کا خواب دے تو۔"

(ضروری نہیں کہ ہر مرتبہ دل ٹوٹے اور اثر نہ ہو) ان کی آنکھوں سے دو موتی ٹوٹ کر گرے۔

"میں نہیں چاہتی کہ میرے بچے وراثت میں مکافات عمل کے دُکھ لیں۔ انعام علی آپ میرے دونوں بچوں کو عاق دیں مگر۔ اسے لے آئیں۔ میں زندگی بھر آپ سے کوئی مطالبہ نہیں کروں گی۔" نور بانو کی آواز بھرا گئی۔

"اب میرا اور اُن کا جھگڑا ہے۔" انعام علی نے ٹائی اُتار کر ایک طرف ڈالی۔

"وہ ابھی آپ کو نہیں جانتی۔ کم عمر ہے۔ اس کے دل سے مت کھیلئے۔" انہوں نے التجا کی۔

"اس سے اتنی ہمدردی؟ تعجب ہے۔" انعام علی استہزائیہ انداز میں مسکرائے۔

"اس سے ہمدردی کہاں، اپنی غرض ہے۔ میں کسی کی بھی آہ اپنے بچوں کے سر نہیں لگانا چاہتی۔" وہ شکستہ انداز گویا ہوئیں

"اس پر عذاب ہماری وجہ سے آیا ہے۔ اس کا تو صرف اتنا قصور ہے کہ وہ آپ سے وابستہ ہے۔ نباہ رہی ہے۔" وہ تلخی سے گویا ہوئیں۔

"نباہ رہی ہے۔؟ کیا مطلب؟ اس نے تم سے کچھ کہا؟" انعام علی کے ذہن میں شک کا ناگ سرسرایا۔

"ظاہر ہے، اس نے اپنی مرضی سے تو شادی نہیں کی۔ اس کے والدین نے جہاں کر دی اس نے سر جھکا دیا۔ مگر اب۔

چھوڑیے اس سارے قصے کو..... آپ اسے لے آیئے۔ یوں بھی ان دنوں آپ کا فرض ہے کہ اس کا خاص خیال رکھیں۔"

وہ اس طرح ہچکچا کر گویا ہوئیں جیسے وہ اپنے شوہر سے نہیں بلکہ نامحرم سے مخاطب ہوں۔

انعام علی کے دل میں ایک نرم گوشہ بیدار ہوا۔ وہ بستر پر بیٹھ گئے۔ اور کچھ سوچنے لگے۔

"سوچنے کا وقت نہیں ہے انعام علی۔ وہ رو رو کر جان دے دے گی" "پلیز"۔

"میں اپنے بچوں کا ہر حق معاف کرنے کو تیار ہوں۔ مگر آپ اسے دکھ نہ دیں۔۔ خدا معلوم کس بستی سے آئی ہے۔ ان کی کوئی اسفل عادت اسے لگتا ہے چھو کر نہیں گزری۔ میرا اس کا کیا رشتہ ہے۔ بے وقوف کو احساس نہیں۔" وہ پھیکی سی ہنسی دیں۔

انعام علی شکیلہ کی تعریف نور بانو کے منہ سے سن کر جیسے گم صم سے رہ گئے تھے۔

یہ عورت میرا ہر ہتھیار کند کر دیتی ہے۔

یہ مجھے انتقام کی آگ کبھی بجھانے نہیں دے گی۔ مگر میں اسے معاف بہر حال نہیں کر سکتا۔

یہ عورت نہایت ہوشیار ہے..... مگر مجھے اسے ناکام کرنا ہے۔

یہ کہیں کی سیتا، سارہ بن جائے مگر مجھے اس سے نفرت ہے۔ شدید.....

وہ اپنے آپ سے جنگ کر رہے تھے۔ نور بانو ہنوز کھڑی ایک ٹک دیکھ رہی تھیں۔

کل تک انہیں انعام علی سے حد درجہ خوف محسوس ہوتا تھا۔

مگر اب وہ ہر قسم کے خوف سے بے نیاز تھیں۔

ہر ٹھکا دینے والا۔

سہانے والا۔ احساس ان کی شکیلہ سے شادی کے بعد اپنی موت آپ مر چکا تھا۔ وہ نہایت مطمئن اور پرسکون انداز لیے کھڑی تھیں۔

"تم اس گھر میں کیوں آئیں؟" انعام علی نے اپنی جھلاہٹ کا رخ موڑا۔

"اتنی دیر سے آنے کی وجہ ہی تو بیان ہو رہی ہے۔" وہ بے چارگی سے گویا ہوئیں۔

(جب آپ کے دل میں نہیں تو گھر میں آنے کا فائدہ؟)

"انعام علی دیر کیوں؟ ہر شے سے دستبردار ہونے کو تیار ہوں۔ خدا کے لیے اب اُٹھیے۔" ان کی آواز پر آنسو غالب آ گئے۔ وہ فوراً دروازہ کھول کر باہر نکل گئیں۔

انعام علی اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کی پیشانی پر لکیریں گہری ہو رہی تھیں۔ انہوں نے انعام علی کو باہر آتے دیکھ کر ایک اطمینان لیا اور پورچ کی طرف بڑھ گئیں۔ جیسے انہیں یقین ہو چکا تھا کہ انعام علی شکیلہ کو واپس لانے کے لیے آمادہ ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائیں گے۔

وہ پورچ میں آ کر گاڑی سے لگ کر کھڑی ہو گئیں۔ انعام علی آہستگی سے چلتے ہوئے گاڑی کی سمت آئے۔ چوکیدار نے گیٹ وا کر دیا۔

انعام علی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تو نور بانو ان کے برابر کا دروازہ کھول کر نہایت اعتماد سے بیٹھ گئیں۔

انسان اس وقت ہچکچاتا ہے۔ اس وقت خوفزدہ ہوتا ہے، اس وقت سوچ سوچ کر قدم اٹھاتا ہے۔

جب وہ زندگی کو حسین بنانے کے لیے خواب رکھتا ہے اور خوابوں کی تکمیل کے لیے شرائط تسلیم کرنے پر آمادہ ہوتا ہے

وہ اپنے خواب فروخت کر کے اُس سوداگر کی کیفیت میں پہنچ چکی تھیں۔ جس کا تمام سامان فروخت ہو چکا ہو اور اپنے سامان کی نگہداشت کی فکر سے رہائی مل چکی ہو۔

انہیں یاد نہیں آ رہا تھا کہ وہ آخری بار کب انعام علی کے اتنے قریب بیٹھی تھیں۔ کیسا رشتہ ہے ہمارا.....؟ ہمارے بیچ احساس کا سمندر دوڑتا ہے، مگر اس احساس کا کوئی نام نہیں۔ انہوں نے ایک سرد آہ کھینچی۔

انعام علی ان سے یوں لاتعلق تھے جیسے وہ گاڑی میں تنہا ہوں۔

اسی خاموشی میں وہ خاور کے اپارٹمنٹ کے سامنے پہنچ گئے تھے۔ انعام علی نے گاڑی روکی۔

"میں یہیں ہوں۔ شکیلہ کو بھیج دو۔" انہوں نے انجن بند کر کے اپنی طرف کا شیشہ اُتارنا شروع کر دیا۔

نور بانو اتر کر لفٹ کی سمت بڑھ گئیں۔

اوپر پہنچیں تو شکیلہ کو نڈھال انداز میں بستر پر لیٹا پایا۔ منزہ دونوں بچوں کو لیے اس کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ بلال البتہ نظر نہیں آیا۔

"بلال کہاں ہے۔؟" انہوں نے منزہ کو مخاطب کیا جو انہیں دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور سوالیہ انداز میں انہیں دیکھ رہی تھی۔"

"اندر کمرے میں ہے۔ امی! پاپا....."

"نیچے گاڑی میں شکیلہ کا انتظار کر رہے ہیں۔" انہوں نے بیٹی کی بات کاٹ کر جواب دیا اور شکیلہ کے قریب آئیں۔

"واقعی!!!" منزہ کو جیسے یقین نہیں آیا۔

(کوشش کی کامیابی اور ناکامی کا تعلق بہرصورت تقدیر سے ہے۔ وہی کوششیں..... جو میرے حق میں جائیں تو ناکام اور وہی کسی اور کے لیے ہوں تو کامیاب۔ صریحاً نصیب ہے اپنا اپنا)

"واقعی..... اس میں حیرت کی کیا بات ہے بیٹا۔ غصہ اتر بھی جاتا ہے اگر نصیب اچھا ہو۔"

وہ سادگی سے مسکرائیں۔ اس مسکراہٹ کا کرب صرف منزہ ہی سمجھ سکتی تھی کہ وہ ان کی بیٹی تھی۔

"اٹھو شکیلہ..... چادر اوڑھو۔ آج کے واقعے سے سبق سیکھو اور آئندہ ہمارے لیے اتنی حساس مت ہونا۔ ورنہ کچھ کھو بیٹھو گی۔"

انہوں نے شکیلہ کو بازو سے تھام کر اٹھایا۔ اس کی چادر۔ اپنے ہاتھ سے درست کی۔ اس کا پرس اٹھا کر تھمایا۔ اور خود لے کر آگے بڑھیں۔

"خدا حافظ منزہ۔!" نور بانو سے لے کر نیچے آئیں۔ انعام علی نے اس کی سمت کا دروازہ کھول دیا۔

دل کا دروازہ کھلا ہو تو ہر دروازہ کھل جاتا ہے۔ ابھی بیس منٹ پہلے جب وہ انعام علی کے پورچ میں تھیں تو انعام علی کی طرف کا دروازہ کھولنے کا دھیان تک نہیں آیا تھا۔

ان کا دل عادی سے انداز میں پھر کسی پاتال میں اُترا۔

شکیلہ آہستگی سے بیٹھ گئی اور دروازہ بند کر لیا۔

انعام علی شکیلہ کی سمت جھکے اور کھڑکی کے ذریعے نور بانو سے مخاطب ہوئے۔

"بلال کے ساتھ آپ کی اٹل شرائط..... محض اس وجہ سے ہیں کہ وہ میرا بیٹا ہے۔ اس نے میرے وجود سے جنم لیا ورنہ بات تو کچھ بھی نہیں تھی۔ ماں باپ کے دل تو بہت فراخ ہوتے ہیں۔

وہ واپس پلٹتے ہوئے سوچ رہی تھیں۔

جب سے نبیلہ کی شادی کی تاریخ طے ہوئی تھی۔

گھر کا تو جیسے ماحول ہی بدل کر رہ گیا تھا۔ صفیہ ایک الگ ادھیڑ بُن میں مگن نظر آتی تھیں۔ شیخ رحیم الدین نے صفیہ کو خصوص رقم تھما کر کہا تھا کہ بس۔ جو کرنا ہے اسی میں کرنا ہے۔ صفیہ نے اپنی از حد بڑھی ہوئی مصروفیات کو دیکھ کر بارہا رقم کے مسئلے کو دیکھا تھا۔ ان کا دماغ نہ جانے کتنے خانوں میں بٹا ہوا تھا۔

اور آج جیسے تو حد ہو گئی تھی۔

وہ شہوار کی امی کو فون کرنے احمر کے ساتھ گئی تھیں مگر سردار علی خان نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا کہ وہ احسن سے متعلق کسی سے بات کرنے کے روادار نہیں ہیں اور صفیہ جیسے پتھر کر رہ گئی تھیں۔ احمد ان کا سفید پڑتا ہوا چہرہ دیکھ کر گھبرا گیا تھا۔

"امی۔! آپ احسن بھائی سے بات کر لیجیے، اچھا موقع ہے اور ان کو بتائیے کہ ان کے وجہ سے ہم کس قدر مشکلات سے دوچار ہیں"۔ احمر کے لہجے میں نہ جانے کیسی سختی در آئی تھی۔

صفیہ نے چونک کر دیکھا۔

ایک اینٹ کمزور پڑ جائے تو پوری دیوار ہی کھوکھلی محسوس ہوتی ہے۔ اُف اس طوفان میں میرے بچے بھی ایک سے ہزاروں لاکھوں کوس کے فاصلے پر جا کھڑے ہوں گے۔ میرا تو گھر ہی ٹوٹ چکا۔ میں کس خواب میں بیٹھی درد کی ایک ٹیس ان کے سینے میں اٹھی۔

"میں تو اس سے براہ راست ملنا چاہتی ہوں اس لیے کہ اب تو ہو....."

"آپ ان کو آپا کی شادی کی اطلاع دے دیجیے اور بھائی جان کے بارے میں بھی بتا دیجیے اور بھائی کے بارے میں لیے اور ان سے کہہ دیجیے کہ وہ ہیں یا نہیں ہیں۔ ہمارے لیے ایک ہی بات ہے۔"

احمر نے پھر تلخی سے کہا۔

"میں اُن جذباتی لوگوں میں سے نہیں ہوں بیٹے جو ظلم بنانے میں ایک لمحہ نہیں لگاتے ہیں۔ میرے بچے نے کس وجہ حالات میں گھر چھوڑا۔ بھولی نہیں ہوں۔"

"امی۔ آپ کب تک بھائی جان کی غلطیوں کی وجہ دوسروں کو ٹھہراتی رہیں گی۔؟ انہوں نے غلطیاں کیں مسلسل ا۔"

"تم بچے ہو احمر مت بولو۔" انہوں نے جیسے ڈانٹ کر احمر کو چپ کرا دیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بات کراؤ اس سے۔ نبیلہ کی شادی کے بعد مجھے بہر حال اس سے نمٹنا تو ہے جب میں ہوں اس سے نمٹنے والی لوگوں کو آپس میں دل بُرے کرنے کی ضرورت نہیں۔"

وہ احمر کے دوست کے ہاں سے فون کر رہی تھیں۔

احمر نے نمبر ملایا۔ چند لمحے ریسیور کان سے لگائے رکھنے کے بعد ماں کی طرف بڑھایا۔

"بھائی جان بول رہے ہیں۔"

صفیہ کی حالت عجیب سی ہوگئی۔ سب کچھ ذہن سے اُڑن چھو ہوگیا۔

اُس کی بھاری آواز ریسیور میں ابھر رہی تھی۔

"ہیلو۔ جی فرمایئے۔"

"کون؟ احسن۔؟ میں تمہاری امی بول رہی ہوں۔"

دوسری طرف احسن کی پیشانی پر بوندیں چمکنے لگیں۔ انتہائی غیر متوقع فون تھا۔

"اسلام علیکم۔ امی۔"

"وعلیکم السلام۔" صفیہ خود پر قابو پا کر یک لخت سنجیدہ ہوگئی۔ اس کی آواز اتنے دنوں بعد سُن کر اگرچہ ان کا دل بہ بے اختیار ہو رہا تھا۔ وہ جیسے رو دینے کو تھیں۔

"آپ ٹھیک تو ہیں نا امی۔؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"جس ماں کو تمہارے جیسا بیٹا ملا ہو۔ وہ ٹھیک نہیں ہوگی تو کیا خراب ہوگی؟" انہوں نے انتہائی دکھ سے جواب دیا۔

احسن کو صفیہ کا انداز بے حد محسوس ہوا۔ وہ اپنی ماں کے لیے بے حد حساس تھا۔ ان لے لہجے اور مزاج کے ہر موسم واقف تھا۔

"امی! آج آپ کے لہجے میں بہت ہی نئی بات ہے یا میں محسوس کر رہا ہوں۔؟"

"تم نئے نئے کام کرو۔ اور مجھ میں نئی بات پیدا نہ ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے۔؟ ماں ہوں تمہاری۔ بلکہ عنقریب تمہ شاباش دینے کے لیے آنے والی ہوں۔ وہ تو یہاں مصروفیت بڑھ گئی ہیں نبیلہ کی شادی ہونے والی ہے۔"

"کہاں؟ کس سے۔؟" احسن جو ماں کے تبدیل شدہ انداز پر متفکر سا ہو رہا تھا یک دم چونک کر پوچھنے لگا۔

"اللہ کا شکر ہے۔ اچھے لوگ ہیں۔ احسن کیا تمہیں احساس ہے' تم سے دوری میرے لیے کتنا بڑا عذاب ہے۔" کی آواز بھرا گئی۔

"میں نے بھی آپ کی آن پر خود پر ہر خوشی حرام کی ہے امی۔ جو میرا فرض اور غیرت کا تقاضا ہے"۔

"میرے بیٹے۔ باقی کے کام جو تم نے کیے، انہوں نے تو میرے وقار میں چار چار چاند لگا دیے ہیں۔" انہوں انتہائی دکھ سے اس کی بات کاٹی۔

"میں سمجھا نہیں۔" (حالانکہ وہ سمجھ گیا تھا۔)

"تمہاری ایک کوتاہی اس وقت گھر میں ہے اور مجھ سے، میری طاقت سے زیادہ ہے۔"

"میں آپ کی بات نہیں سمجھ پایا۔" احسن کا ذہن جیسے ماؤف ہوگیا۔ (کیا وہ وہاں پہنچ گئی۔ میں تو خود اُسے اس دروازے پر اتار کر آیا تھا۔)

"میں شہوار کی بات کر رہی ہوں۔ کیا کیا ہے تم نے اس کے ساتھ.....؟ احسن! غیرت مند تو ہر رشتے کے لیے غیر

ثابت ہوتا ہے۔

تم جس لڑکی کو رسوا کر رہے ہو۔ کل کو اسی کو تم اپنے گھر کی مالکن بنا کر لوگوں سے کس طرح عزت دلاؤ گے.....؟"

"میں نے اس کو گھر میں بسانا ہی نہیں ہے۔"

ٹوں۔ ٹوں۔ رابطہ منقطع ہوگیا تھا اور بیل ہونے لگی تھی۔

"آواز ہی نہیں آ رہی۔" صفیہ نے احمر کی سمت دیکھا۔

وہ اتنی محو تھیں کہ رابطہ منقطع ہونے کا دھیان ہی نہیں آیا تھا۔ بلکہ احسن کے آخری جملے میں ان کی تمام تر توجہ اٹک کر رہ گئی تھی۔

احمر نے ان کے ہاتھ سے ریسیور لے کر کان سے لگایا پھر کریڈل پر ڈال دیا۔ "بھائی جان نے فون رکھ دیا ہے۔ اگر آپ کو یقین نہیں تو پانچ منٹ انتظار کر لیجیے۔ یہاں کا فون نمبر ہے ان کے پاس۔ اگر لائن کٹ ہوئی ہے تو وہ نمبر ملا لیں گے۔"

احمر کمرے سے باہر چلا گیا اور فون کے چارجز دوست کی والدہ کو تھما کر واپس آ گیا۔

صفیہ اسی زاویے سے بیٹھی تھیں۔ فون خاموش تھا۔

"میں نے آپ سے کہہ دیا نا امی! بھائی نے فون خود بند کیا ہے۔"

"صفیہ گم صُم سے انداز میں اُٹھ کھڑی ہوئیں۔"

اُن کے لب جیسے سِل گئے تھے۔ گھر تک آتے آتے انہوں نے احمر سے ایک لفظ نہیں کہا تھا۔

صدمے کے گہرے احساس نے جیسے انہیں منجمد کر دیا تھا۔

نائلہ تو ماں کی روح میں اُتری ہوئی تھی۔ اس نے دور ہی سے دیکھ لیا تھا۔ اور جان لیا تھا کہ وہ کس حال میں کیا سُن کر آئی ہیں۔

اس نے شہوار کو بھی بتا دیا تھا کہ امی احسن بھائی کو فون کرنے گئی ہیں۔ مگر اس نے اس "خبر" پر کسی قسم کا کوئی تاثر نہیں دیا صفیہ نے ماحول کا جمود توڑنے کی خاطر لڑکیوں کو کام بتانا شروع کر دیے۔

یوں بھی آج کل لڑکیاں بے حد مصروف ہوگئی تھی نبیلہ کے دوپٹے، قمیض اور شلواروں پر بہت خوبصورت کام بنا رہی تھیں۔ ایسی ایسی دیدہ زیب کڑھائیاں کر رہی تھیں جن کو اگر بازار میں بنوایا جاتا تو ہزاروں روپے لاگت آتی۔

اب شہوار بھی ان کے ساتھ لگی رہتی تھی۔ وہ اور نائلہ ایک دوپٹے پر سلمے کا کام کر رہی تھیں۔ کام سے فارغ ہوتے ہی دوپٹہ لے کر بیٹھ جاتی تھیں۔

یوں بھی شادی میں دن بہت کم رہ گئے تھے۔

مغرب کی نماز میں ابھی تھوڑا سا وقت تھا۔ نائلہ صبح دھوئے گئے کپڑے اتارنے کے لیے چھت پر چلی گئی۔ اب وہ کم ہی چھت پر جاتی تھی۔

یہ چھت تو اس کے خوابوں کی بنیاد بھی تھی۔ اس پر آتے ہی جیسے روزن کھل جاتے اور ایک فلم سی ذہن کے پردے پر چلتی تھی۔

وہ کوشش کرتی تھی۔ کہ سامنے نظر نہ پڑے۔ اسے یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے وہ بالکنی میں کھڑا اس کا راستہ دیکھتا ہے۔

اس نے کپڑے ایک چارپائی پر ڈھیر کرنا شروع کر دیے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک دوپٹہ جیسے چغتی میں اٹک گیا۔اس نے جھٹکا دیا تو پھٹ گیا۔وہ افسوس کے عالم میں دوپٹہ پھیلا کر دیکھنے لگی۔ اتنا خوبصورت دوپٹہ۔دکھ سے اس کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔

وہ بے دم سے انداز میں پلنگ پر بیٹھ گئی۔دوپٹہ ہنوز اس کے ہاتھ میں تھا۔امی کو کتنا محسوس ہوگا۔ممکن ہے ڈانٹ پڑے اس کا ذہن الجھ گیا تھا۔

رات کی پرسکون خموشی میں رو رہا ہوں کہ سو نہیں سکتا
حسین آرزوؤں کے محل بنا تا ہے دل جو آباد ہو نہیں سکتا

مہدی حسن کی پُرسوز آواز ابھری تھی۔

نائلہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔اس نے چپکے سے سامنے دیکھا۔وہ اپنے مخصوص انداز میں کہنیاں بالکنی کی ریلنگ پر ٹکائے بے جھجک اور بغور اسے دیکھ رہا تھا۔اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ رازی کی نگاہوں میں دیکھتی۔

اس نے کپڑوں کا ڈھیر سمیٹنا شروع کر دیا۔

نغمے کی آواز بدستور ابھر رہی تھی۔یقیناً اس نے یہ حرکت اسے متوجہ کرنے کے لیے کی تھی اور حالِ دل نغمے کے انتخاب سے ظاہر تھا۔

وہ کپڑوں کا ڈھیر بازوؤں میں اٹھا کر پلٹی تو جیسے پاؤں تلے زمین سرکنے لگی۔شیخ رحیم الدین زینے کے قریب کھڑے تھے۔بازو پشت پر بندھے ہوئے تھے۔وہ نہایت گہری سوچ میں گم سامنے ریلنگ کی سمت دیکھ رہے تھے۔

رازی غائب تھا اور نغمے کی آواز بھی رک گئی تھی۔

نائلہ کانپتی ہوئی آگے بڑھی۔

''بھئی وہ تمہاری ماں نے تمہارے پاس کچھ رقم رکھوائی تھی اس میں سے کچھ پیسے چاہیں۔تم تو یہاں آ کر یہیں گئیں کپڑے اتار رہی تھیں یا اُدھیڑ رہی تھیں۔''ان کے سادہ لہجے نے بھی نائلہ کے وجود میں حشر برپا کر دیا۔

وہ کچھ نہیں بولی۔دونوں نے آگے پیچھے چلتے ہوئے زینہ طے کیا۔

صفیہ نے دونوں کو نیچے آتا دیکھا۔

''صبر تو ہے ہی نہیں طبیعت میں اس نے نیچے ہی آنا تھا۔''انہیں شیخ صاحب کی بے صبری یاد آ گئی۔

''بیٹی.....تین ہزار روپے اپنے ابا جی کو دے دو۔''

''جی۔۔اچھا امی۔!''وہ آہستگی سے کہتی ہوئی بہنوں کے مشترکہ کمرے کی سمت بڑھ گئی۔

اندر ہی اندر دل ہنوز سوکھے پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔

''کیا ابا جی نے رازی کو دیکھ لیا؟''

مگر جب وہ اوپر آئے تو میری تو اس طرف پیٹھ تھی۔

اللہ کرے رازی ان کی جھلک دیکھتے ہی اندر چلا گیا ہو۔

مگر.....پھر وہ بالکنی کی طرف کیوں دیکھ رہے تھے۔

جوں جوں سوچتی تھی اس کا حال غیر ہوتا جاتا تھا۔

مگر میں تو۔۔اُف ابا جی نہ جانے کیا سوچ رہے ہوں گے۔اگرچہ انہوں نے کچھ کہا تو نہیں۔اس نے پیسے انیلا کے ہاتھ باہر بھجوا دیے۔

کپڑے تہہ کرنے لگی۔مگر ایک خوف اسے ہر سمت سے گھیرے ہوئے تھا۔

''کل شام تک انشاء اللہ دوپٹہ مکمل ہو جائے گا۔''شہوار گیلے ہاتھ اپنی شال سے پونچھتی اندر چلی آ گئی۔

''انشاء اللہ.....''وہ غائب دماغی کی حالت میں بولی۔

''خالہ جان کہہ رہی ہیں کہ نبیلہ کی شادی پر سب رشتے دار جمع ہوں گے۔دونوں خالائیں تو ضرور آئیں گی۔تب وہ میرا مسئلہ ان کے سامنے رکھ کر ان سے تعاون کے لیے کہیں گی۔چھوٹی خالہ کی بات پاپا بہت مانتے ہیں۔شاید وہ کچھ کر سکیں۔''سوچتے ہوئے۔کہہ رہی تھی۔

''ہوں۔''نائلہ نے ہنکارا بھرا۔

''مگر میرا تو تماشا بنے گا ناں۔''وہ یاسیت سے کہتی ہوئی اس کے ساتھ کپڑے تہہ کرنے لگی۔

''ہوں۔''نائلہ نے پھر ہنکارا بھرا۔

اب شہوار نے چونک کر اس کی سمت دیکھا۔

''کہاں غائب ہو.....؟''

''کہیں نہیں (ہر شخص پر گویا اس کے حصے کی آفت نازل ہے) سُن رہی ہوں آپ کی بات۔''

''مگر مجھے تو محسوس ہو رہا ہے جیسے تم اس وقت سخت الجھی ہوئی ہو۔کوئی بات ہو گئی ہے۔؟''شہوار نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''ارے نہیں بھائی۔میں کہیں نہیں الجھی ہوئی۔''وہ زبردستی مسکرائی۔

''کیا احسن نے خالہ جان سے کوئی بات.....''

''اس موضوع پر تو امی نے کوئی بات ابھی تک کی ہی نہیں۔''نائلہ نے شہوار کی بات کاٹ دی۔

''مگر شاید آپ کو انتظار ہے کہ احسن بھائی اور امی کے درمیان کیا بات چیت ہوئی.....؟''اس نے شرارت سے شہوار کو دیکھا۔

نکاح سے پہلے شکیلہ نبیلہ اور نائلہ کی یہی لطیف سی شرارتیں اس کے پورے وجود کو گدگدا دیا کرتی تھیں۔

مگر اب اس قسم کی شرارت اس کی رگوں میں زہر بن کر دوڑنے لگتی تھی۔

''مجھے کوئی انتظار نہیں۔جس راہ چلنا ہی نہیں اس کے کوس کیا گننا۔میں تو تمہیں پریشان دیکھ کر پوچھ رہی تھی۔کیونکہ خالہ جان نے احسن کو فون کیا تھا اور احسن ان لوگوں میں سے ہیں جو لوگوں کے لیے مسئلے پیدا نہیں کرتے بلکہ خود ہی مسئلہ ہوتے ہیں۔''اس نے غایت درجہ چڑ کر کہا۔

''میرا بھائی تو بہت نائس ہے۔لوگوں نے تو ان سے زندگی کا ہر سکھ چھین لیا ہے۔میں ان کو جانتی ہوں۔بہت سا وقت گزارا ہے ان کے ساتھ۔''نائلہ نے یاسیت سے کہا۔

شہوار کے لبوں پر زہریلی مسکراہٹ عود کر آئی۔مگر وہ خاموش رہی۔وہ احسن سے علیحدگی چاہتی ہے۔یہ بات ابھی لڑکیوں کو معلوم نہیں تھی۔

دونوں کے ہاتھ متحرک تھے اور لب خاموش۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہیلو.....اوہ اسلام علیکم!"

"کیسی ہیں آپ.....؟"

"بالکل ٹھیک ہوں۔ بھائی جان کی طرف سے نبیلہ کی شادی کا کارڈ ملا ہے ابھی ابھی۔ فوراً تمہیں.....فون کر رہی ہوں۔ کون لوگ ہیں؟ کیسے ہیں۔"

ثمینہ کے لہجے کے خدشات تاروں پر دوڑتے احسن کے دماغ تک منتقل ہو گئے تھے۔

"آپ کہ تو تمام صورتِ حال پتا ہے۔ بہر حال امی کا فون آیا تھا۔"

"فون آیا تھا۔ کیا کہہ رہی تھیں بھائی جان؟" ثمینہ کے انداز میں بے پناہ عجلت تھی۔

"ان کے انداز سے لگتا تھا' وہ اس رشتے پر مطمئن ہیں۔" احسن نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔ بھائی جان کی طرف سے تو کسی نہ کسی انقلاب" کا دھڑکا لگا ہی رہتا ہے کچھ پتا چلا کس کے تھرو ہوا ہے یہ رشتہ۔؟" ثمینہ واقعی بہت پریشان تھیں۔

"میری اُن سے زیادہ تفصیلی بات نہیں ہوئی۔ میں تو جیسے اب ان کے لیے ہوں ہی نہیں۔ یوں سمجھیں۔"

"اللہ نہ کرے جان۔۔ امتحان ہے ختم ہو جائے گا۔ یقین کرو دن رات تمہارے لیے دعائیں کرتی ہوں۔" ثمینہ جیسے تڑپ گئیں۔

"آمین۔"

"اب تو صرف اتنا ہی ہو سکتا ہے کہ تھوڑا بہت مالی تعاون کر سکوں۔ ابا جی تو خیر ایک پائی کے روادار نہیں ہیں۔ اس کے تھروا ہی کو ڈرافٹ بھجوا رہا ہوں۔"

"ہاں۔ یہ بہر حال تمہارا فرض ہے۔ اس میں تمہاری اپنی بھی عزت ہے۔ اور سُناؤ شہوار کیسی ہے۔؟"

"ٹھیک ہو گی۔" وہ آہستگی سے بولا۔

"کیا مطلب۔؟ ہو گی سے کیا مراد۔۔؟ ابھی تک لڑائی ہے۔؟"

"لڑائی ہمیشہ کے لیے ختم.....ہو چکی ہے۔" اس کے چہرے پر سایہ سا لہرایا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ کیا تمہارے خالو جان کا غصہ اتر گیا۔"

"نہیں جو چیز چڑھتی ہے اُترتی نہیں۔" وہ ہنسا۔

"کیا پہیلیاں بجھوا رہے ہو۔" وہ اس کی ہنسی سے الجھ گئیں۔ "وہ تمہارے آرام کا تو خیال رکھتی ہو گی۔"

"بہت بے آرام کیا ہے اس نے۔" احسن کے لہجے میں تلخی در آئی۔

"چلو چھوڑو۔ یہ بھی زندگی کے رنگ ہیں۔ وہ بھی مجھے بہت پیاری ہے اس لیے کہ وہ تمہاری ہے۔ اور جو شے تمہاری ہو بہت زیادہ ہماری ہے۔ ویسے وہ ہے ہی بہت اچھی۔"

ثمینہ کے لہجے سے محبت چھلک رہی تھی۔

"اچھا اسے میرا اسلام اور پیار ضرور دینا۔ فیصل وغیرہ ایگزام میں مصروف ہیں پھر بھی میری کوشش ہو گی کہ ایک دو دن کے لیے پاکستان ضرور پہنچوں۔ بلکہ مجھے تو یہ شادی اٹینڈ کرنے کی بہت بے چینی ہے۔

"شہوار کو بھیج دو ناں۔ کون سا بھائی جان اسے نکال دیں گے۔ کیا پتا اسی بہانے۔"

"بھیج دیا ہے ہمیشہ کے لیے۔" اس نے پھوپھی کی بات کاٹ کر قدرے ناراض لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب۔؟" وہ بھونچکی سی رہ گئیں۔

"اب میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر وہ میری "ہٹ لسٹ" میں سرفہرست ہے۔ میں اُسے کسی صورت معاف نہیں کروں گا۔

بات طویل ہو جائے گی پھوپھو۔ چند دنوں بعد انشاء اللہ آپ آئیں گی تو سب کچھ پتا چل جائے گا۔ بہر حال اب شہوار بند کر دیجیے پلیز۔"

ثمینہ نے عجیب سی کیفیت میں اس سے دو ایک باتیں کیں اور فون بند کر دیا۔

آج انیلا ساتھ نہیں تھی۔ اس نے صفیہ کے ساتھ شاپنگ کے لیے جانا تھا۔ لڑکیوں کو اپنی بھی تو تیاریاں کرنا ہوتی ہیں۔ ماں کو پتا تھا کہ شادی کے نزدیکی دنوں میں اسے کافی چھٹیاں کرنا ہوں گی۔ اس لیے وہ فی الحال باقاعدگی سے کالج جانے کے موڈ میں تھی۔

پہلے وہ سب بہنیں اکٹھی اسکول جاتی تھیں۔ اب وہ اور انیلا قریبی کالج میں پڑھ رہی تھیں۔ اور راحیلہ کا ایڈمیشن حال ہی دوسرے کالج میں ہوا تھا جو ذرا فاصلے پر تھا۔

کیونکہ اکیلے آنے جانے کی عادت نہیں تھی۔ اس لیے چال میں لاپرواہی اور اعتماد نہیں تھا۔ وہ بہت احتیاط سے چلتی ہوئی اسٹاپ تک آ رہی تھی کہ چرچر کی آواز کے ساتھ ایک گاڑی ذرا تر چھی ہو کر اس کے سامنے رک گئی۔

اگر وہ محتاج ہو کر نہ چل رہی ہوتی تو ممکن تھا کہ ٹکرا جاتی۔ چھوٹی سی سوزوکی تھی وہائٹ کار کی تھی' بہر حال گاڑی تو تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے بس اچٹتی ہی نظر ڈالی تھی اور ایک طرف کو ہو کر قدم آگے بڑھا دیے تھے۔ ''معاف کیجیے گا۔''

اور نائلہ کا دل دھڑکنا بھول گیا۔ سو فیصد رازی کی آواز تھی۔

وہ ٹھٹک کر رک گئی اور بے اختیار اس کی سمت دیکھا۔

''مجھے آپ سے نہایت ضروری بات کرنا ہے پلیز۔''

''مگر بات کرنے کا یہ طریقہ نہایت غیر معقول ہے۔'' نائلہ کو سچ مچ غصہ آ گیا۔

''میں دنوں سے موقع کی تلاش میں تھا۔ آپ کیا سمجھتی ہیں میں یہ موقع گنوا دوں گا؟ پلیز تشریف رکھیے۔'' رازی انداز میں قطعیت تھی۔

''آپ ہوش میں تو ہیں؟'' غصے سے نائلہ کی شریانیں ابلنے لگیں۔

''بالکل ہوش میں ہوں۔ بے فکر رہیے رہزن نہیں ہوں۔ اپنی چیزوں کی حفاظت کی جاتی ہے۔ لوٹا نہیں جاتا۔''

''مگر آپ کا یہ عمل شرافت کے کس زمرے میں آتا ہے۔'' وہ چیخ کر بولی۔

اور قدم آگے بڑھایا۔

اگر آپ نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو میں آپ کا ہاتھ تھام لوں گا۔'' رازی نے دھمکی دی۔

''آپ یہ حماقت نہیں کر سکتے۔ یہ ایک بارونق سڑک ہے'' وہ استہزائیہ انداز میں مسکرائی مگر دل ہی دل میں ڈر گئی

''میری جیب میں آپ کی تصویر ہے جو ہمارے یہاں شادی کی تقریب میں کھینچی گئی تھی۔

اگر آپ نے مدد کے لیے لوگوں کو طلب کیا تو میں آپ کی تصویر دکھا کر مددگاروں سے پوچھوں گا کہ آپ کی تصو جیب میں کیسے آئی۔؟'' وہ بے خوفی سے کہہ رہا تھا۔

''آپ کو معلوم ہے کہ اس حرکت کے بعد آپ میرے دل سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اُتر جائیں گے۔ میری سے گر جائیں گے۔'' نائلہ نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے خوف زدہ انداز میں کہا۔

''خدانخواستہ میں اس قسم کی کوئی حرکت نہیں کروں گا۔ مجھے بہت ضروری بات کرنا ہے آپ سے اور بس۔ مر منٹ درکار ہیں۔ میرا عمل برا ہے مگر یوں سمجھ لیجیے کہ بعض اوقات صحت حاصل کرنے کے لیے بے حد کڑوی دوا بھ ہے۔

نائلہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے پاس مکمل تیاری ہے۔ بے بسی کی آخری حد کو چھو کر اس نے فرنٹ سیٹ جھٹکے سے کھولا اور بیٹھ گئی۔

دل کو یہ یقین تو ہو گیا تھا کہ وہ واقعی اس سے صرف بات کرنا چاہتا ہے۔ گذرے واقعات بھی اس کو یقین دلا معاون تھے۔

رازی نے ڈرائیونگ سیٹ بہت عجلت کے انداز میں سنبھالی۔ ''شکریہ'' اس نے نائلہ کی سمت دیکھ کر ایکسیلا تھا۔

نائلہ کا خوف سے بُرا حال تھا۔ اس نے چادر پیشانی تک کھینچ لی تھی اور سر جھکا رکھا تھا۔

''پلیز نائلہ! اس درجہ خوف زدہ ہو کر مجھے میری نظروں میں نہ گرایے۔ سخت مجبوری ہے۔ یقین کیجیے۔ مج اُترنے والا ڈیپریشن طاری ہو چکا ہے۔ میری صحت' میرا کاروبار ایک ایک چیز متاثر ہو کر رہی ہے۔''

''ایسی کیا خاص بات ہے مجھ میں۔'' کانپتے لبوں سے بے ساختہ جملہ پھسل گیا تھا۔

رازی کے پر مسکراہٹ باریک کرن کی صورت نمودار ہوئی اور غائب ہو گئی۔

''ہوئی تو ہو گی۔'' اس نے گاڑی لمبی سڑک پر ڈال دی تھی۔

نائلہ کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

''وہ ضروری بات۔'' میں بیٹھ کر اس نے ایک مرتبہ بھی رازی کی سمت نہیں دیکھا تھا۔

''آپ پہلے خود کو سنبھالیے۔ مجھے اس وقت بہت خوبصورت خواب لاحق ہے۔''

''یہ چیٹنگ (CHEATING) ہے۔'' وہ ناراضگی سے گویا ہوئی۔

رازی نے بمشکل اپنی مسکراہٹ ضبط کی۔

''نائلہ..... پلیز میری بات غور سے سُنیے اور پورے ضبط و تحمل کے ساتھ۔''

نائلہ خاموش رہی۔

''آپ کو سب حالات واقعات کا یقیناً علم ہے۔ انتہائی مناسب اور شریفانہ طریقہ یہ تھا کہ میں آپ کو اپنے بزرگوں کے ذریعے پرپوز کرتا۔ سو میں نے کر دیا۔ میری والدہ ایک سادہ مزاج خاتون ہیں ان سے چُوک ایسی تو نہیں تھی کہ جس کا ازالہ نہ ہو سکتا۔ اتنی سی بات کا مقدمہ بنا دیا ہے آپ کے والد صاحب نے۔ اور میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ وہ اپنی جگہ ٹس سے مس نہیں ہلیں گے۔ اب صرف یہ صورت ہے کہ آپ اپنے بزرگوں پر دباؤ ڈالیں۔''

''میں یہ کام ہرگز نہیں کر سکتی۔''

''کیوں؟ کیا میری ذات' میری محبت آپ کے لیے نہایت غیر اہم ہے۔؟ وہ ایک دم بجھ سا گیا۔

''یہ عمل میرے گھر کے ماحول سے متصادم ہے۔ بس میں اس سے زیادہ نہیں کہوں گی۔'' اس نے بہت سے بلکتے ہوئے دکھ اپنے سینے کی دیواروں میں دفن کر ڈالے۔

''میری ہستی بکھر جائے گی۔ شاید دنیا میں آپ کو کوئی مجھ سے زیادہ نہ چاہ سکے۔''

نائلہ مارے حیا کے نظریں نہ اٹھا سکی۔

زندگی میں پہلی بار تنہائی میں وہ خوبصورت جملہ سُن رہی تھی جس میں الہڑ عمر کے سارے رنگ جذب ہوتے ہیں۔

دل کی دنیا میں تلاطم برپا ہو گیا۔ ہتھیلیوں میں پسینہ اتر آیا۔

''مجھے کوئی امید دیجیے نائلہ۔''

''اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھیے۔ محض آج کو زندگی کا حاصل نہ سمجھیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مجھ سے بھی اچھا ساتھی دے گا۔ پھر یہ سب بھول جائیں گے۔'' نائلہ نے اعتماد سے کہا۔ بہت اچھی امید دلائی تھی۔ رازی کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

''میں کسی بزرگ کی خانقاہ میں اقوال زریں سننے کا پروگرام ہرگز بنا کر نہیں آیا تھا۔ آپ کو میرا خیال کرنا چاہیے مسئلہ خلوص کو محسوس تو کیجیے۔''

''سوری مسٹر سرفراز۔ میں آپ کو فریب دے کر۔ زندگی بھر کے لیے ضمیر کی ملامت نہیں خرید سکتی۔ پلیز آپ اس قصے کو بھول جائیے' یہ دنیا بے کراں ہے' ممکن ہے آگے بہت کچھ ہو۔'' اس نے بڑے اعتماد سے کہا۔ ''پلیز اب مجھے میرے گھر پر اتار دیجیے۔''

''کیا ممکن ہو کہ آپ کا انتخاب کوئی اور ہو اور واقعی یہ سب میری عجلت اور.....''

''آپ کم از کم مجھے اس قسم کی بات نہیں کہہ سکتے۔'' نائلہ نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اپنے خاندان میں ہمارا گھرانہ وہ واحد گھرانہ ہے جو دو سو سال پرانے انداز لئے ہوئے ہے۔ ہمارے ہاں اس
کی باتیں کفر گردانی جاتی ہیں۔"

"میری زندگی تباہ ہو جائے گی نائلہ۔ غور تو کیجیے۔" وہ یاسیت سے کہہ رہا تھا۔

"آپ نے کیا دیکھا ہے مجھ میں۔ میں تین ہزار۔ تنخواہ پانے والے باپ کی بیٹی ہوں۔ جس پر پے در پے بیٹیوں
بوجھ ہے۔

میں ایک دست بستہ اور مجبور عورت کی بیٹی ہوں۔

ہم ایک روبوٹ ہیں۔ ریموٹ کنٹرول دوسرے کے ہاتھ میں ہے' میری شکل بھی کوئی۔۔ خاص نہیں ہے۔ تعلیم
واجبی ہے۔ بتائیے' کیا خاص بات ہے مجھ میں۔"

وہ جیسے پھٹ پڑی۔ اشک سلسلہ وار اس کے رخساروں پر بہہ نکلے۔

"آپ خود کو میری نظر سے دیکھیں نائلہ تو آپ کے ہوش اُڑ جائیں۔ ورنہ یہ دنیا اتنی جاہل ہے کہ مصر کے بازار
پیغمبر بھی چند دینار کے عوض بیچ دیا جاتا ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتی۔" اس نے چادر سے آنسو پونچھ ڈالے۔

"گویا سعی لاحاصل۔" وہ جیسے راکھ ہو چلا۔

"قطعی۔" نائلہ نے پورے یقین سے کہا۔

"آپ مجھے غلط راستہ دکھا کر اپنا مقصد کھو رہے ہیں۔" نائلہ نے بھڑک کر بات کاٹ دی۔

"میں عالم دیوانگی میں ہوں..... اور دیوانگی میں بہت کچھ معاف ہے۔"

"مگر میں دنیا میں کسی کی بھی حتیٰ کہ کسی کی جان کی قیمت پر بھی اپنی ماں کے لیے اندھیرے نہیں خرید سکتی۔" نائلہ
نہایت واضح جواب دیا۔

"میری ماں دنیا کے مظلوم ترین لوگوں میں شامل ہے اور میں اس کی خاطر اپنی خواہشات' اپنے خواب' اپنی خوشیا
کیا اپنی زندگی بھی قربا کر سکتی ہوں۔"

"آپ کتنی بلند ہیں۔ نائلہ اور..... کیا کہوں۔

آہ آپ جتنی بلند ہیں۔ میں اتنا محروم....." اس نے گاڑی واپسی کے لیے موڑ دی۔ سات آٹھ منٹ بے حد خا
سے گزر گئے۔

رازی گاہے گاہے اس کی سمت دیکھ لیتا تھا۔ "آخری خواہش" کے طور پر۔۔ رازی نے اُسے اسٹاپ پر اتار دیا تھا۔
نائلہ ایک مطمئن مگر گم صم سی کیفیت میں راستہ طے کرنے لگی۔

اس کا ذہن ہنوز گاڑی ہی کے ماحول میں گردش کر رہا تھا۔

عجیب سے ملال تھے مگر ضمیر مطمئن تھا۔

اچانک اسے آگے چلنے والے کا دھیان آیا۔ اس کی تو روح جیسے فنا ہو گئی۔ شیخ رحیم الدین معمول سے کم رفتار میں
سے آگے چل رہے تھے۔

یوں بھی ہوتا ہے کہ

مسلسل لگاتار بادل شروع ہوتی ہے

بادل چھٹ کر نہیں دیتے۔

چھاجوں چھاج برستا پانی۔ پہلے دل بہلاتا ہے پھر۔ وحشت بن جاتا ہے۔

سورج کا ہجر مسلسل لاحق ہو۔ تو جیسے زندگی چمک کے معنی بھولنے لگتی ہے۔

مگر..... پھر ایک روز یوں ہوتا ہے۔

سویرے جب کھڑکی کھلتی ہے تو باہر ایک چمکیلی صبح..... صبح ازل کی کوئی یاد دوہراتی نظر آتی ہے۔

اس روز یوں محسوس ہوتا ہے کہ زندگی سنہری ہو گئی ہو۔ سانس کا ایک ایک تار سنہری ہو گیا ہو۔

پھر آسمان پر روشنی مخصوص زاویئے سے ٹوٹ کر سات رنگوں کا راستہ بناتی ہے۔ یہ سات رنگ جیسے "ابد کا زینہ" محسوس
ہوتے ہیں۔

دل اس زینے پر رقص کرتا ہوا۔

کسی ماورائی جہان میں پرواز کرنے لگتا ہے۔

کچھ احساسات آج کل اسی طرح کے ہو رہے تھے

اور جس روز سے اس نے اس "منتظر" کی تصویر دیکھی تھی' اس روز سے تو دل کے دھڑکنے کا انداز ہی بدل گیا تھا۔

اس نے اپنے جہیز کی تیاری میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ وہ گھر کے ضروری امور نمٹاتی رہتی تھی۔ صفیہ اور بہنیں ہی
تیاریوں میں مگن تھیں۔

اسے بعض لمحے دکھ بھی محسوس ہوتا تھا۔

اتنی سچی اور مخلص محبتوں سے دور ہو جانے کا دکھ۔

بعض اوقات تو یہ دکھ اس قدر بڑھنے لگتا ہر خوشی' ہر ایک لطیف احساس پر چھا جاتا۔ وہ تنہائی میں بیٹھ کر بری طرح
رونے لگ جاتی تھی۔

اسے اس طرح روتا دیکھ کر بعض اوقات صفیہ بھی بے قابو ہو جاتی تھیں۔ پھر نائلہ اور انیلا بھی شریک ہو جاتیں۔ اس
"اجتماعی اشک باری" کے ماحول میں شہوار کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا کہ وہ صورت حال سے
کیسے نمٹے؟

بہر حال نبیلہ پر یہ حقیقت آشکار ہو رہی تھی کہ اس ستمگر سے میل آسان نہیں ہوتا۔ لڑکی..... خاص طور پر مشرقی ماحول
کی حامل لڑکی شادی سے پہلے گویا دو دھاری تلوار پر چلتی ہے۔

اجنبی و انجان لوگوں سے ہمیشہ ہمیشہ کا ملاپ۔

پھر ان کے اطوار و رویوں کا خوف۔

دوئم اپنے پیارے ماں باپ' بہن بھائی سے دور ہو جانے کا افسوس ناک احساس۔ اس قدر متضاد سوچیں گھیرے رہتی
تھیں کہ وہ دن بدن کمزور دکھائی دینے لگی تھی۔

ہر وقت جیسے ایک الجھن رہنے لگتی تھی۔

ابھی بھی وہ سارے کپڑے دھو کر فارغ ہوئی تھی کہ دروازہ کھلا۔ نائلہ اور شیخ صاحب آگے پیچھے داخل ہوئے۔

"السلام علیکم" نائلہ نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے مخصوص انداز میں سب کو سلام کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نبیلہ کو محسوس ہوا جیسے نائلہ بے حد خوف زدہ ہو۔ اس نے باپ کی طرف دیکھا۔ خلاف معمول بہت پرسکون دکھائی دے رہے تھے۔ جو کچھ ان کے ہاتھ میں تھا انہوں نے وہ نبیلہ کو تھمایا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

نبیلہ چیزیں اپنے ٹھکانے پر پہنچا کر بڑی بے تابی سے نائلہ کے پاس پہنچی۔

''کیا بات ہے نیلی..... ابا جی کیا تمہیں لینے کالج پہنچ گئے تھے؟'' اس کے انداز میں حیرانی تھی۔ کیونکہ آج سے قبل ایسا تو نہیں ہوا تھا۔

''نہیں تو..... شاید اسٹاپ سے ساتھ ہوئے تھے'' اس نے اپنے اندر ایک خوفناک سہم اترتا ہوا محسوس کیا۔ بمشکل تھوک نگل کر بولی۔

''اوہ میں سمجھی.....'' نبیلہ نے جیسے مطمئن انداز میں آزادی سے سانس لیا۔

''کیا بات.....؟ تمہاری طبیعت خراب ہے'' نبیلہ اس کا اترا اچہرہ دیکھ کر پریشان ہوگئی۔

''نہیں نہیں تو.....'' وہ ہڑبڑا کر جیسے چونک پڑی۔

''ابا جی کیا کر رہے ہیں آپا.....؟'' اس کی آنکھیں سہمی ہوئی صاف محسوس ہو رہی تھیں۔

''خیریت..... کوئی کام ہے تمہیں ان سے؟ اپنے کمرے میں ہیں'' نبیلہ جو مطمئن ہو کر واپس پلٹ رہی تھی۔ پھر الجھ کر رہ گئی۔

''نہیں' کوئی کام نہیں' آج ابا جی جلدی نہیں آ گئے؟''

''تمہاری اطلاع کیلئے عرض ہے کہ ابا جی چھٹیوں پر ہیں۔ ظاہر ہے اتنا سارا کام انہوں نے ہی کرنا ہے۔ احمق بہر حال ابھی بچہ ہی ہے ناں..... ابا جی تو دس بجے کے قریب بازار گئے تھے۔''

''اچھا اچھا..... امی کہاں ہیں؟'' نہ جانے کیوں دل بے حد پریشان تھا۔

''اپنے کمرے میں ہوں گی' تم بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہو۔ کپڑے تبدیل کر کے کھانا کھا لو۔ پھر آرام سے سو جانا۔ ایک دو گھنٹے کیلئے فریش ہو جاؤ گی۔ آج تمہاری پسند کا کھانا ہے۔ ابھی نہیں بتا رہی دیکھو گی تو خوش ہو جاؤ گی۔ فٹافٹ جاؤ۔'' وہ اسے گویا ترغیب دیتی ہوئی باہر نکل گئی۔

کبھی وہم آ رہا تھا۔ ابا جی نے دیکھ لیا۔

پھر سوچتی نہیں۔ اگر دیکھ لیتے تو اس وقت اس گھر کی چھت نیچے اور زمین اوپر ہو چکی ہوتی۔

مگر وہ چپ بھی تو ہیں' یہ تو خلاف معمول بات ہے' وہ چپ کیوں ہیں؟ پریشان خیالی کی دلدل تھی اور وہ گویا اس میں دھنسی جا رہی تھی۔

بمشکل کپڑے تبدیل کئے' کھانا واقعی پسندیدہ تھا مگر خوف سے اس کی بھوک اُڑ چکی تھی۔

ہائے اللہ' کہیں ابا جی نے دیکھ تو نہیں لیا۔

یہ ایک جملہ تھا جو گویا اس کے اعصابی نظام اور خون کے دوران میں ساتھ ساتھ دوڑ رہا تھا۔

اس نے زندگی میں کبھی اس پائے کا ذہنی تناؤ برداشت نہیں کیا تھا۔ ایک ایک لمحہ ایک ایک گھڑی جیسے گن گن کر لے ہو رہی تھی۔

[illegible] کہ رات گہری ہوگئی۔ سارا گھر سو گیا' کچھ بھی نہیں ہوا۔

[illegible] نے اطمینان کا گہرا سانس لیا' اللہ کا شکر' اس کے وجود میں جیسے نئی روح دوڑنے لگی تھی۔

[illegible] دن کے ذہنی تناؤ کے بعد جب اعصاب پرسکون ہوئے تو نیند بھی ٹوٹ کر آئی۔

[illegible] بلال! اب تم اتنے بھی بچے نہیں ہو کہ تمہاری اتنی واضح غلطیاں نظر انداز کر دی جائیں۔ تمہیں اپنے باپ کے مزاج [illegible] طرح علم ہے۔ اگر خدانخواستہ کچھ ہو جاتا؟ بے چاری کا اس سارے قصے میں کیا قصور نکلتا ہے۔ ابھی اپنے پاپا کو [illegible] اور ان سے معافی مانگو۔ بلکہ پہلے شکیلہ سے مانگو۔''

[illegible] کس خوشی میں.....؟ کیا لگتی ہیں وہ ہماری؟'' وہ تو جیسے بھڑک اٹھا۔

[illegible] ادب' تمیز انسانی زندگی کا حصہ ہونا چاہئے۔ یہ انسانوں اور رشتوں کے درمیان بلاتفریق ہونا چاہئے۔ اگر کوئی [illegible] عمر میں تم سے بڑا ہو تو تمہارا فرض ہے اس کی عزت کرنا۔ اور پھر وہ تو تمہارے باپ کی منکوحہ ہے''

[illegible] مجھے ہر اس چیز سے چڑ ہے جو آپ کی توہین یا دکھ کا باعث ہو۔ بس میں صرف اتنا جانتا ہوں۔''

[illegible] تم سے کس نے کہہ دیا کہ مجھے اس کی ذات سے دُکھ مل رہا ہے۔ میں تو اب خوش اور مطمئن ہوں کہ تمہارے باپ کی [illegible] اطمینان اور خوشی کی بے حد کمی تھی' اللہ نے شکیلہ کی صورت میں یہ کمی پوری کر دی۔ ان کی بکھری ہوئی زندگی میں [illegible] آیا۔''

[illegible] اور آپ..... کیا ''غم پروف'' ہیں۔ آپ کو کسی سکون اور خوشی کی ضرورت نہیں۔'' وہ تلخی سے کہہ کر صوفے پر دراز ہو [illegible] اخبار پر نظریں دوڑانے لگا۔

''مجھے اللہ نے تمہاری اور منزہ کی شکل میں دو پیارے پیارے بہلاوے دیئے تھے میں مگن ہو کر مجھے کسی کمی کا دھیان [illegible] آنا تھا۔''

''جب ہم اپنے باپ کیلئے خوشی نہیں بن سکتے تو پھر ان کے آگے پیچھے کیوں پھریں؟ کیوں ان سے معافیاں [illegible]۔'' اسے تو جیسے بہت عمدہ دلیل ہاتھ لگ گئی۔

''یہ تم سے کس نے کہا کہ وہ تمہاری ذات سے بے نیاز رہے ہیں۔ انہوں نے تمہیں اور منزہ کو میرے کئے کی سزا کبھی [illegible] مگر وہ میری صورت ہر دم تمہارے ساتھ تو نہیں رہ سکتے تھے۔ ان کے اپنے کام دھندے ہیں' پھیلا ہوا کاروبار

[illegible] بلال اور منزہ دونوں چونک پڑے۔

''آپ نے کیا کیا ہے امی.....؟'' منزہ کا دل جیسے خوف سے سمٹ گیا۔

''آپ کہہ رہی ہیں کہ میرے ''کئے'' کی۔ کیا..... کیا ہے آپ نے؟''

''کچھ نہیں' ایسی کوئی بات نہیں جو بتانا ضروری ہو۔ بھئی کوئی غلطی مجھ سے ہوگئی ہوگی۔ اندازاً کہہ رہی ہوں'' وہ [illegible] سے بولیں۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ میں اتنا تحمل اور سکون ہے۔ آپ کی غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔ پاپا کا مزاج نازک ہے [illegible]

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم کس بحث میں پڑ رہے ہو' میں کیا کہہ رہی ہوں تمہیں۔ وہ تمہارے باپ ہیں۔ انہیں کون رکھنا ان کا ہو کرنا تمہارا فرض ہے۔ چلو اٹھو فون کرو۔"

"امی پلیز' آپ مجھے گولی مار دیجئے' کھانے میں زہر دے دیجئے' مگر میں یہ نہیں کروں گا" اس نے بیزار کن نور بانو نے بہت غور سے دیکھا' پھر کچھ سوچ کر اپنی جگہ سے اٹھیں اور بلال کے سرہانے آ کر بیٹھ گئی۔ اس کے سے پیار سے بال سمیٹے۔

"میرے چاند..... ماں باپ کے آپس میں کیا تعلقات ہیں۔ ان میں کون ظالم ہے کون مظلوم' بچوں کو اس سے سروکار نہیں ہونا چاہئے۔ ماں باپ دونوں اپنے بچوں سے سچا پیار کرتے ہیں۔ ان کی خوشی اللہ کی خوشی ہے اور ان ملامت سے آزاد اللہ کو خوش رکھنے والے کام کرتے ہیں' ان کی زندگی بجائے خود خوشی بن جاتی ہے۔ دیکھو وہ تمہارے ہیں۔

تم سے بے پناہ پیار کرتے ہیں۔ اتنا کہ تمہیں اندازہ نہیں۔ ایک مرتبہ جب تم بہت چھوٹے سے تھے' شاید پانچ سال کے' ہم لوگ پہاڑ پر تمہاری دادی اماں کے پاس گئے ہوئے تھے۔ ایبٹ آباد میں ان دنوں سخت برفباری ہو رہی تھی تم ماشاء اللہ بہت صحت مند تھے مگر نہ جانے کیا بے احتیاطی ہوئی کہ تمہاری طبیعت بگڑ گئی۔ دس گیارہ بجے تک تو ہم تمہاری دادی گھریلو انداز کے علاج معالجے میں لگے رہے مگر جب تمہاری طبیعت کسی طرح نہ سنبھلی تو ہم دونوں سخت پریشان ہو گئے۔

تمہیں دراصل تمہاری دادی اپنے پاس سلاتی تھیں۔ اس لئے تمہارے پاپا کو علم نہیں تھا کہ تمہاری طبیعت کس حد خراب ہے اور یوں بھی وہ اپنی نیند اور آرام کے سلسلے میں بے حد حساس واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے ہماری ہمت نہیں کہ جگاتے۔ جب انہوں نے مجھے کمرے میں نہ پایا تو شاید یہ سوچ کر کہ کہیں امی کی طبیعت خراب نہ ہو' باہر آ گئے۔ منزہ انہیں دکھائی نہ دی ہوگی۔ کیونکہ وہ میرے ساتھ سوتی تھی۔ ان کا اتنی گہری نیند میں اٹھ کر آنا اس بات کی علامت یا تو وہ اپنی ماں سے سخت محبت کرتے ہیں یا اپنے بچوں کو غائب پا کر پریشان ہو گئے ہیں۔" (مجھ سے تو انہیں اتنی محبت نہیں سکتی تھی) وہ ایک لمحے کو ٹھہر گئیں۔

"جب انہوں نے تمہاری حالت دیکھی تو مجھ پر برس پڑے کہ بتایا کیوں نہیں۔ کمبل اوڑھ کر حواس باختہ سے ہو طرح تمہیں لے کر ڈاکٹر کے پاس گئے تھے' وہ منظر میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ اپنی اولاد انہیں اپنے آرام سے زیادہ عز یہ اس روز ثابت ہو گیا تھا۔ وگرنہ انہیں اپنا آرام اس درجہ عزیز تھا کہ وہ بڑے سے بڑا نقصان برداشت کر سکتے تھے آرام کے مخصوص گھنٹے وہ کسی بھی قیمت پر قربان نہیں کر سکتے تھے۔ مگر اس روز انہوں نے تمہاری خاطر رات کالی کر دی میری روح مطمئن ہو گئی تھی یہ دیکھ کر خدایا تیرا شکر ہے۔ میرے بچوں کا میری بدنصیبی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"پھر وہی بات۔ آپ تو اتنی اچھی ہیں پھر پاپا۔"

"مرضی ہے بیٹا ان کی۔ تمہیں اس سے کیا سروکار.....؟ وہ تمہارے باپ ہیں' تم سے بے پناہ محبت کرتے ہیں تمہارا فرض ہے کہ ان سے محبت کرو۔ انہیں خوش رکھو۔ ان کی عزت کرو۔"

"مگر میرا دل نہیں مانتا۔ وہ آپ کے ساتھ ایسا کیوں کرتے ہیں؟" اس نے پھر ضد سے نور بانو کی بات کاٹ دی

"بلال! اگر تم نے میری بات نہیں مانی تو میں تم سے عمر بھر کلام نہیں کروں گی۔" انہوں نے اب قدرے ناراضگی اظہار کیا۔

"میری بات ہے بلال..... اتنے دنوں بعد تو امی کی طبیعت سنبھلی ہے۔ تم انہیں مسلسل ہرٹ کر رہے ہو۔" منزہ نے مداخلت ہو کر اس کی کھنچائی کی۔

بلال اٹھ بیٹھا۔ "امی.....!"

"ہوں" نور بانو کے انداز میں ناراضگی تھی۔

"امی..... میں صرف پاپا سے سوری کہوں گا" اس نے پھر ضد کا انداز اختیار کیا۔

نور بانو نے فی الحال اس کو ہی غنیمت جانا۔

"چلو ان ہی سے کر لو۔"

بلال بے دلی سے چلتے ہوئے فون تک آیا۔

"ہیلو..... پاپا ہیں۔ کیا کر رہے ہیں۔"

"نہیں نہیں..... مجھے صرف پاپا سے بات کرنا ہے۔" وہ ترشی سے بول رہا تھا۔

"ہیلو....."

"السلام علیکم....." اس کے انداز میں سخت مجبوری تھی۔

"مجھے افسوس ہے پاپا۔ میری وجہ سے آپ کو تکلیف پہنچی۔ آئی ایم رئیلی سوری پاپا" یہ کہہ کر اس نے کھٹاک سے ریسیور رکھ دیا۔

"کم از کم ان کا اگلا جملہ تو سن لیتے۔" نور بانو جو نہایت مستعدی سے اس کا کلام سن رہی تھی' اس عجلت پر سرزنش کے انداز میں بولیں۔

وہ ان سنی کرتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔

"بے حد ضدی ہے۔" وہ بیٹی کی طرف دیکھ کر گویا ہوئیں۔ پھر جیسے کچھ سوچ کر مزید گویا ہوئیں۔

"منزہ..... میرا خیال ہے' تم نہ جاؤ رات بہت ہو جائے گی۔ اسد آنے والے ہیں۔ بلال اور اسد چلے جائیں گے۔ اللہ کرے خیریت سے خاور اپنے گھر آئیں۔"

"اور ہاں دیکھو خاور کی غیر موجودگی میں' میں تمہاری ضد کی وجہ سے اتنے دن یہاں ٹھہر گئی۔ خاور آ جائیں گے تو میں ٹھہرو واپس چلی جاؤں گی۔ اب تم ضد نہ کرنا۔ میں نے کہہ دیا ہے۔ سنا تم نے.....؟"

"داماد کے گھر میں دونوں پڑے رہنا مجھے اچھا نہیں لگتا" وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی غالباً نماز کی نیت سے باہر نکل گئی تھیں۔

تین چار دن مزید خاموشی سے گزرے تو نائلہ نے ایک گونہ سکون کا سانس لیا۔ اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ وہ نہیں ہوا جو وہ سمجھ رہی تھی۔ اب تو شادی میں کل چھ دن ہی باقی رہ گئے تھے۔ تیاریاں اپنے عروج پر پہنچ چکی تھیں۔ ثمینہ پھوپھو کا بھی تار آیا تھا وہ بارات سے ایک دن قبل پہنچ رہی تھیں۔

رات کو بھی عموماً دیر سے سویا جا رہا تھا۔

آج بھی وہ سونے والوں میں آخری تھی۔ کچن کا دروازہ بند کیا اور ہاتھ پونچھتی اپنے کمرے کی طرف بڑھی تو چونک اٹھی کہ ابا جی کے کمرے کی لائٹ ہنوز روشن تھی۔ حالانکہ وہ بہت دیر ہوئی سونے کیلئے جا چکے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

معاً اس کے کانوں میں صفیہ کی بلند آواز پڑی۔

''آہستہ بولو' اباجی کی برہم آواز سنائی دی۔

اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ یا الٰہی اب کیا ہو گیا۔ وہ ان کے کمرے کی کھڑکی کے نزدیک چلی آئی۔

''ہوش کی دوا کریں شیخ صاحب!'' صفیہ کی ناراض آواز سنائی دی۔

''میں ہوش میں ہوں۔ تمہاری بے ہوشی نے تو آج یہ دن دکھایا ہے۔ بس میں نے فیصلہ سنا دیا ہے'' ان کی آواز ترشی جھلک رہی تھی۔

''یہ نہیں ہوگا۔ نبیلہ پر اس کا انتہائی برا اثر ہوگا۔ میں یہ نہیں ہونے دوں گی۔'' صفیہ جیسے چیخ پڑیں۔

''اگر تم یہ نہیں ہونے دو گی تو یاد رکھو چند دنوں بعد سر پکڑ کر روؤ گی' وہ بھی اونچی آواز میں چیخے۔

''جب ان لوگوں کو کوئی اعتراض نہیں تو تمہیں کیا ہے۔ ان کی عورتوں کو نائلہ ہی پسند آئی تھی مگر میں نے ہی کہا تھا کہ نمبر سے کریں گے۔''

''اعتراض کی کیا بات ہے۔ بات تو نبیلہ کی ہے۔ آپ ذرا سکون سے سوچئے۔'' نائلہ کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔

''اب سوچنے کا وقت گزر گیا'' شیخ صاحب نے صفیہ کی بات کاٹ دی۔

''جب اسے سارا قصہ پتا چلے گا تو وہ سمجھوتا کرے گی۔ سمجھ دار ہے'' شیخ صاحب نے اپنی منطق جھاڑی۔

''آپ کو پتا ہے' کیسا تماشا لگے گا؟'' صفیہ جیسے ملتجی ہوئیں۔

''تم نے اور تمہارے بیٹے نے کیا کم تماشا گھر بنایا ہوا ہے؟''

''شیخ صاحب! نبیلہ کی زندگی برباد ہو جائے گی۔'' صفیہ جیسے ملتجی ہوئیں۔

''اور اگر یہ نہ ہوا جو میں کہہ رہا ہوں تو اس گھر کی ایک ایک لڑکی کی زندگی برباد ہو جائے گی۔ بے وقوف عورت کیوں نہیں۔'' وہ دہاڑے۔

''وہ سمجھ رہی ہوں۔ میں یقین دلاتی ہوں کہ کچھ نہیں ہوگا۔ میں نائلہ سے بات کروں گی''

''وہ بزرگ ہے ہماری؟'' شیخ صاحب نے پھر برہمی سے بات کاٹ دی۔

''وہ ایسا نہیں کر سکتی۔ میری بچی ایسی نہیں'' وہ رو دیں۔

نائلہ کا دل بیٹھ گیا (یا الٰہی کیا ہو رہا ہے)

''میری آنکھیں پھوٹی ہوئی ہیں؟ جاؤ جا کر اس سے پوچھو۔ وہ تمہیں بتائے گی کہ میں غلط کہہ رہا ہوں یا صحیح؟''

''اوہ'' نائلہ تو جیسے بے ہوش ہونے لگی۔

''میرے دفتر میں میرے دوست نے بتایا تھا کہ اگرچہ نبیلہ ہی کے لئے ہمارے ہاں آئے تھے مگر عورتوں کو نائلہ گئی تھی۔ مگر مردوں نے اپنی بات بنانے کیلئے اس قسم کی بات نہیں کی۔''

''ارے میں کہتا ہوں۔ جو ہو رہا ہے' ہونے دو۔ اس گھر سے اس کی رخصتی جتنی جلدی ہو جائے بہتر ہے'' وہ جیسے کر بولے۔

''تو پھر آپ رازی کو ہاں کہہ دیجئے۔ اس طرح دونوں ہی اپنے اپنے گھر کی ہو جائیں گی۔'' صفیہ نے جیسے فیصلہ سے کہا۔

''رازی..... ہونہہ..... میں اس ناہنجار کو بیٹی دوں گا۔ جو سڑکوں پر میری عزت کو اچھالتا پھر رہا ہے۔ وہ سورج ہتھیلی پر اب بھی نہیں ہرگز نہیں۔ میں اس کو داماد بناؤں گا جس کی میرے دل میں عزت ہوگی۔ سنا تم نے؟''

''یہ خوامخواہ کی ضد ہے'' صفیہ رونے لگیں۔

''ضد سہی..... اب یہ میری ناک کا مسئلہ ہے۔'' وہ سختی سے بولے۔

''آپ کا تو ہر مسئلہ ہی ناک کا ہوتا ہے'' وہ بھڑک کر بولیں۔

''یہی سہی'' وہ بھی جواب میں بھڑکے۔

''نائلہ ہی کی کرنا تھی تو پھر ڈاکٹر کا رشتہ کیا برا تھا..... آپ ہی نے بیچ لگائی تھی کہ نمبر سے کریں گے۔'' صفیہ ہار نہیں رہی تھیں۔

''اس وقت صورت حال کچھ اور تھی' اب کچھ اور ہے۔ اس میں اس لڑکی کو اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتا۔ میرا دل چاہے کہ کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔ جاؤ۔ اب مجھ سے زیادہ بحث نہ کرو اور صبح سب کو بتا دینا کہ شادی نبیلہ کی نہیں بلکہ نائلہ کی ہو رہی ہے''

''شیخ صاحب! اللہ کے واسطے..... کوئی تو خوشی ہمیں دیکھنے دیں۔ کون سے جنم کا انتقام لے رہے ہیں آپ مجھ سے۔'' صفیہ لاچاری سے بولیں۔

''دیکھو صفیہ..... دو ہی راستے ہیں، ایک یہ کہ شادی نائلہ کی ہوگی' دوسرا یہ کہ میں زہر کھا لوں..... بہت شاندار اولاد پیدا کی ہے تم نے۔ میری پگڑی سڑکوں پر اچھالتی پھر رہی ہے۔''

''شیخ صاحب! یہ کسی کے حق میں بھی اچھا نہیں ہوگا۔''

''چپ کرو صفیہ۔ اب اچھے برے کا وقت گزر گیا۔ میں نے ان لوگوں سے بات کر لی ہے۔ کہہ دیا کہ نبیلہ کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔ میں ان لوگوں کو دھوکا نہیں دینا چاہتا۔''

''گویا بیٹی کیلئے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اینٹیں چن دیں؟'' صفیہ غضب ناک ہو گئیں۔

''میں تم سے عاجز ہوں صفیہ۔ ہر بات میں بحث کرنا تمہاری عادت ہے۔'' وہ بھڑک اٹھے۔ ''میں نے کہہ دیا کہ اس کا علاج ہو رہا ہے اور آپ لوگوں کو شادی کی جلدی ہے۔ وہ اس بات پر خوشی سے رضامند ہیں۔ اب تم خاموش ہو جاؤ۔ سب کچھ طے ہو چکا ہے۔''

''شیخ صاحب! آپ نے اگر ایسی کوئی بات دیکھ ہی لی تھی تو مجھے کیوں نہیں بتایا؟ میں نائلہ سے پوچھتی تو۔''

''پھر کیا ہوتا؟ وہ استہزائیہ انداز میں بولے۔''

''ممکن ہے.....''

''کچھ بھی نہیں۔ میں نے اس لڑکے کو چھت پر گانے بجاتے دیکھا۔ یہ اوپر تھی۔ میں نے اس کو اس کی گاڑی میں دیکھا۔ ارے کیا میرا دماغ پھر ہوا ہے؟ بے وقوف عورت۔ جاؤ۔ اس سے پوچھو۔ اپنے سر کی قسم دے کر پوچھو کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔ مگر یہ بات یاد رکھو اب کچھ نہیں ہوگا۔ جمعے کو نکاح نائلہ کا ہوگا۔ اگر تم نے کوئی گڑبڑ کی تو میں وہ کچھ کر بیٹھوں گا جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ یہ سب تمہاری لاپرواہی کا نتیجہ ہے۔ اب خدا کیلئے یہاں سے چلی جاؤ۔'' وہ غالباً لیٹ گئے تھے۔

نائلہ بمشکل اپنے آپ کو کھینچتی ہوئی برآمدے تک آئی اور ایک موڑھے پر ڈھے گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پورا بدن پسینے میں بھیگ چکا تھا۔

اس نے چھت پر لٹکتے پنکھے کو دیکھا۔ جی چاہ رہا تھا' دوپٹے کا پھندا بنا کر اس میں لٹک جائے۔

ایسی تجارت۔ کہ خسارہ ہی خسارہ۔

اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوبنے لگا۔

صفیہ دروازہ کھول کر باہر آئیں۔ اور اسے بے دم سا بیٹھا دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔ مزید قریب آئیں۔

''نائلہ.....! کتنی اجنبیت' کتنا تکلف تھا ان کے لہجے میں۔ نائلہ کی تو جیسے روح پرواز کرنے لگی۔''

''نائلہ!'' انہوں نے پھر پکارا۔

اس نے خالی خالی آنکھیں اٹھا کر ماں کی سمت دیکھا۔

''کیا کر رہی ہو یہاں.....؟'' ان کے انداز میں ہنوز اجنبیت تھی۔

''امی.....! وہ ان کے پاؤں پر جھک گئی۔''

''مجھے جان سے مار دیجئے.....امی! میں وہ نہیں جو ثابت ہو رہی ہوں۔ وہ ہچکیوں سے رو پڑی۔''

''گویا تم نے سب کچھ سن لیا..... کیا مل گیا تمہیں یہ سب کر کے؟ ہر شخص میرا اعتماد ریزہ ریزہ کرنے پل تل ہے۔'' ان کی آواز بھرا گئی۔

''امی! کوئی مجھ سے اصل بات نہیں پوچھے گا۔ کوئی اعتبار نہیں کرے گا مگر آپ تو سن لیں۔ خدا کی قسم امی میں ایسی نہ ہوں۔''

''کہاں گئی تھیں تم رازی کے ساتھ؟'' صفیہ نے نہایت آہستگی سے پوچھا۔

''کہیں بھی نہیں..... آپ آرام سے بیٹھیں امی۔ میں آپ کو ایک ایک بات بتاؤں گی۔''

صفیہ نے اس کے چہرے کی سمت دیکھا جس پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ ان کا دل پسیجنے لگا۔

وہ اس کے سامنے موڑھے پر بیٹھ گئیں۔

نائلہ نے حرف حرف بتا دیا۔

صفیہ کا خون کھول اٹھا۔

''میں رازی کی ماں بلکہ باپ سے بات کروں گی۔ کیوں دوسروں کے گھروں میں آگ لگاتے پھر رہے ہیں.....''

''امی! آپ مجھ سے بڑی سے بڑی قسم لے لیں۔ میں نے آپ کو جو بتایا۔ حرف حرف حقیقت بتایا۔

امی.....ابا جی جو کچھ کرنے جا رہی ہے وہ نہیں ہونا چاہئے۔'' وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''ان کو سمجھانا یا ان کو فیصلہ بدلنے پر آمادہ کرنا اب ناممکن ہے۔ ان کے ساتھ جو زندگی میں نے گزاری ہے' اس میں نے یہی نتیجہ نکالا ہے۔''

''نائلہ!'' وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''جی امی!'' نائلہ نے امید بھری آنکھوں سے ماں کی سمت دیکھا۔

''بہتر یہی ہے کہ اس گھر میں سب سے پہلے تمہارا ہی مسئلہ حل ہو۔ اس سے قبل کہ تمہارے ابا جی ایسے ویسے کے ہا میں تمہارا ہاتھ تھما دیں۔''

''امی.....!''

''بس.....اب تم ایک لفظ نہیں بولو گی۔ نبیلہ سمجھ دار ہے حقیقت جان لے گی تو..... خیر..... اب تم آرام کرو۔ میں تمہارے ابا جی کا یہ فیصلہ زندگی میں پہلی بار دل سے قبول کیا۔'' وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں۔

لہ نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے صفیہ کو جاتے ہوئے دیکھا۔

ں کی سچائیاں اتنی بے اثر ہوں گی۔

ں کا خلوص اس طرح رائیگاں جائے گا۔

نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

ے ایسا لگا جیسے وہ کیچڑ میں کھڑی ہو اور نبیلہ اس کے منہ پر تھوک رہی ہو۔

ا اگر آنکھوں پر ہاتھ رکھے جیسے اس کے چہرے پر کراہیت کا اظہار کر رہا ہو۔ حالانکہ اس نے تو صفیہ کو ایک ایک

ا تھا۔

گفتگو کا وہ حصہ تو بطور خاص دہرایا تھا جس میں اس نے رازی کے سامنے اپنی ماں کیلئے لازوال محبت کا اظہار کیا

ا کہا تھا کہ صفیہ کے دل میں اس کے لئے لطیف ترین گوشے پیدا ہوں۔ مگر کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ صفیہ تو قطعی

کر جا چکی تھی۔

ا پورا وجود خوف سے کانپنے لگا۔ صبح کے تصور ہی سے اسے ہول آنے لگا۔ سب سے زیادہ روح فرسا احساس یہ تھا

ں کی نظروں میں ہمیشہ کیلئے اپنا مقام کھو چکی ہے۔ خواہ شادی کہیں ہو' وہ باپ کی نظروں سے گر چکی ہے۔

جیسے کسی پاتال میں گرتا جا رہا تھا۔

ے آپ کو بمشکل کھینچتے ہوئے بستر تک آئی تھی۔ آنسو جیسے کسی خود کار نظام کے تحت آنکھوں سے بہے جا رہے

تک وہ بے آواز روتی رہی۔ معاً اس کی نظر نبیلہ کی سمت اٹھی جو کسی مدھر سپنے میں گم ہلکی سی مسکان سجائے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانے کس ماورائی جہاں کی سیر کر رہی تھی۔ سینے میں ناقابل برداشت قسم کی ٹیسیں اٹھیں۔ وہ بے قرار ہو کر اٹھ بیٹھی۔ وہیں تکیے پر چھوڑا اور نبیلہ کی سمت آئی۔

"آپا! اس نے نبیلہ کا بازو ہلایا"

"ہوں!" نبیلہ نے دوسری طرف کروٹ بدلی۔

"آپا.....! پلیز آپا.....اٹھیں" اس نے نبیلہ کا بازو پھر آہستہ سے ہلایا۔

"کیا ہے؟" اس کی نیند بہت گہری تھی۔ ٹوٹ کر نہیں دے رہی تھی۔

شہوار جو آج کل صلیب پر سویا کرتی تھی نائلہ کی ہلکی سی آواز پر جاگ گئی تھی اور حیران و الجھی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"آپا.....خدا کیلئے اٹھئے جب ساری عمر کی نیند گئی تو اتنی سی دیر کا سونا کیا معنی؟ اٹھیے آپا" وہ رو پڑی۔

نبیلہ جیسے ایک دم ہڑبڑا کر جاگ گئی۔

اس نے انتہائی خوفزدہ انداز میں پلنگ کے پاس فرش پر بیٹھی نائلہ کو دیکھا تھا جو بے آواز آنسو بہا رہی تھی۔

"کک.....کیا ہوا؟" وہ ویسے ہی جلد گھبرا جاتی تھی۔ مارے خوف کے جیسے اس کی آواز بھی گھٹ گئی تھی۔

"آپ میرے ساتھ.....برابر والے کمرے میں چلئے۔ بہت ضروری بات کرنی ہے آپ سے۔"

"ہائیں" نبیلہ کی تو جیسے روح پرواز کرنے لگی۔

"اتنی رات کو.....کیا ہو گیا.....؟ وہ ایک دم بستر سے اتر آئی۔"

"کیا بات ہوئی ہے نیلی؟" شہوار اب چپ نہ رہ سکی۔ اس کی اپنی حالت غیر ہونے لگی تھی۔ نائلہ نے چونک کر دیکھا۔

"آپ بھی آجایئے بھابھی جان.....!" وہ اتنی غافل تھی کو بغیر دوپٹے کے ہی باہر نکل گئی تھی۔ شہوار اور نبیلہ اس کے پیچھے دوڑ پڑی تھیں۔

وہ چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں تو نائلہ ان سے پہلے ایک صوفے پر ڈھے چکی تھی۔

"خیریت تو ہے نیلی! اتنی رات کو کیا ہو گیا.....؟" نبیلہ کی جیسے جان نکل رہی تھی۔

"جو ہونا ہوتا ہے وہ تو ہو جاتا ہے۔ اس میں رات دن کی قید تو نہیں ہوتی" اسے اپنے اشکوں پر قابو نہیں تھا۔ شہوار نیچے بیٹھ گئی اور آہستگی سے اس کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے۔

"ہوا کیا ہے؟ بتاؤ ناں۔"

"آپا.....صبح سب کے سامنے آپ میرے منہ پر تھوکیں گی۔ اتنا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں، جو کہنا ہے ابھی کر لیجئے۔" وہ سسکیاں دبا کر بمشکل گویا ہوئی۔

نبیلہ کا دل پہلے سٹا پھر اسی قوت سے پھیلا۔

"ہوا کیا ہے؟" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"اچھا پہلے یہ بتایئے۔ آپ کی میرے بارے میں کیا رائے ہے؟"

"ہائیں" نبیلہ کو اس کا سوال بالکل بے تکا اور عجیب سا لگا تھا۔

"اتنی رات کو رائے مانگنے کیلئے یہ کچھ کیا ہے.....بے وقوف سیدھی سیدھی بات کرو۔" وہ سخت الجھن میں

"آپ میری بات کا جواب دیجئے" نائلہ نے رخساروں سے اشک صاف کئے۔

"تم بہت سمجھ دار، باہمت اور عملی لڑکی ہو۔ بہت پیاری بہن ہو اور بس" ناچار نبیلہ کو کچھ نہ کچھ تو کہنا تھا۔

"آپ کے خیال میں کیا میں خود غرض اور مفاد پرست ہے۔" "نہیں.....اس نے ہچکی لی۔

"آج تک ایسا مظاہرہ تم نے کیا تو نہیں" نبیلہ نے بہت احتیاط سے جواب دیا۔

"تو خدا کیلئے کوئی ایسا انتظام کیجئے کہ یہ بات اباجی کی سمجھ میں آجائے اور وہ بھی آپ کی طرح میرا یقین کر لیں۔" وہ پھر رو پڑی۔

"مگر بات تو بتاؤ، ہوا کیا ہے؟" شہوار کو عجیب سی بے چینی لاحق تھی۔

"آپا.....! میں آپ کو سب کچھ کیسے بتاؤں، آپ کو میری صورت سے بھی نفرت ہو جائے گی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔"

نبیلہ اس کے برابر جا بیٹھی۔ اور اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس کے بالوں پر پیار سے بوسہ دیا۔

"نیلی.....تم اتنی اچھی ہو کہ میرا دل جانتا ہے۔ میں تم سے کیوں نفرت کرنے لگوں گی۔ پاگل ہوں کیا؟ چلو بتاؤ کیا بات ہے۔"

"آپا.....اس دن اباجی میرے ساتھ گھر میں داخل ہوئے تھے تو آپ نے پوچھا تھا کہ نیلی اباجی تمہیں لینے کالج پہنچ گئے تھے کیا۔"

"ہاں.....ہاں.....پھر؟" نبیلہ کو فوراً یاد آ گیا۔

"اسی دن کی بات ہے" وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

"مگر کیا بات ہے؟" نبیلہ سے اب صبر دو بھر تھا۔

نائلہ نے دھیرے دھیرے ایک ایک بات، ایک ایک حرف بتا دیا۔

نبیلہ کے لئے تو یہ بات کسی زلزلے سے کم نہیں تھی۔ البتہ شہوار چپ بیٹھی رہی۔ اس پر بھی اس قسم کی قیامت نازل ہوئی تھی، جب احسن اسے زبردستی لے گیا تھا۔ لہٰذا وہ اتنا نہیں چونکی جتنا کہ نبیلہ چونکی تھی۔ لیکن ایک گہرا سانس بڑا بامعنی سا اس کے سینے سے خارج ضرور ہوا تھا۔

نبیلہ کا تو منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

"مگر تم اس کے ساتھ بیٹھیں کیوں.....؟ کیا کر لیتا وہ؟" وہ ناراضگی سے گویا ہوئی۔

"بتایا تو ہے میں نے آپ کو، اس کے تیور بہت خطرناک تھے۔ محض اپنے گھر کی عزت کی خاطر یا شاید میری بزدلی تھی۔"

"لیکن اب جو اباجی کر رہے ہیں.....اگر مجھے علم ہو جاتا کہ یہ سب ہو گا تو میں اس دن سڑک پر اپنا تماشا بنوا لیتی مگر کبھی اس کے ساتھ نہ بیٹھتی۔"

"کیا کر رہے ہیں خالو جان.....؟" شہوار کا دل دھڑکا۔

"کاش میں یہ بات ہونے اور بتانے سے پہلے مر گئی ہوتی۔" نائلہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "اباجی نے مجھے اس کی گاڑی سے اترتے دیکھ لیا تھا۔"

نبیلہ کا تو جیسے واقعی سانس جیسے کہیں اٹک گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہائیں.....واقعی.....!!!''

شہوار کے کانوں میں چند دن پیشتر شیخ صاحب کا کہا ہوا جملہ گونجا.....ایک مغرور سا جملہ تھا۔

''یہ میرا گھر ہے سرداروں کا نہیں کہ پگ اونچی اور.....

(ہم انسان کہاں کہاں اور کیسے کیسے اپنے اپنے قرض اتارتے ہیں۔ جب ہمیں اپنی تقدیر اختیار نہیں تو۔ تو اپنی زبان پر بس کیوں نہیں کرتے.....ہمارے لفظ ہم ہی سے کھیلتے ہیں۔ ہم غور ہی نہیں کرتے)

''پھر.....پھر'' نبیلہ کے تو حواس جواب دینے لگے تھے۔ کہاں شیخ صاحب پودا سوکھنے پر گملا توڑنے والے معمولی باتوں پر طوفان اٹھانے والے۔ کجا کہ اتنی بڑی بات۔ وہ جو نہ کریں کم ہے۔

''کیا کہہ رہے ہیں ابا جی.....؟'' وہ سخت خوفزدہ نظر آنے لگی تھی۔

''وہ.....حشر اٹھا رہے ہیں۔ میں کیسے آپ کو بتاؤں؟ حالانکہ یہ بات بتانے کیلئے میں نے آپ کو جگایا ہے۔''

''نہیں نہیں.....بتاؤ تم.....ورنہ میرا دل بند ہو جائے گا۔'' نبیلہ نے سہم کر اس کی طرف دیکھا۔

نائلہ کے زار و قطار رونے سے وہ اس نتیجے پر پہنچ چکی تھی کہ بات بہت بڑی ہے۔

''کیا احسن بھائی کے گھر چھوڑنے سے بھی بڑی؟''

''کیا شکیلہ باجی کی شادی کی بات سے بھی بڑی؟''

''آپا!''

''ہاں ہاں.....کہو پلیز.....''

''بتاؤ نائلہ.....آخر بتانا تو ہے ہی۔'' شہوار بھی بے صبرے پن سے بولی۔

''آپا.....آپ ہمیشہ کیلئے مجھ سے نفرت کرنے لگیں گی۔'' اس کی ہمت جواب دے رہی تھی۔

''اتنی بد عقل بھی نہیں ہوں میں' کیا تمہیں جانتی نہیں ہوں.....پاگل۔'' نبیلہ نے پیار سے اس کا شانہ تھپتھپایا۔

نائلہ کو اس کے اس عمل سے عجیب سے تقویت ہوئی۔ کچھ حوصلہ ہوا۔

''آپا.....! جمعے کہ آپ کا نکاح نہیں' میرا ہو رہا ہے۔''

نبیلہ' نائلہ کو اپنے بازوؤں میں سمیٹے ہوئے تھی۔ ایک دم گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

''مطلب.....میں سمجھی نہیں۔'' وہ واقعی نہیں سمجھی نہیں تھی۔

شہوار الگ ہکا بکا اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔

''جن سے آپ کا رشتہ طے ہوا تھا' وہاں ابا جی میری بات کر آئے ہیں۔''

نبیلہ کا دل جیسے ڈوبنے لگا۔ اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔

''کس نے کہا تم سے؟'' شہوار نے سنبھل کر اس سے پوچھا۔

''میں نے ابا جی اور امی کی باتیں سنی ہیں اور پھر امی نے بھی ابھی مجھے فیصلہ سنایا ہے۔''

''امی نے؟'' سوال سے زیادہ حیرت تھی۔

''امی کہہ رہی ہیں کہ اگر ایسا نہ ہوا تو ابا جی کسی ایسے ویسے کے ہاتھ میں میرا ہاتھ دے دیں گے۔ خدا کیلئے آپا کچھ کیجئے۔ مجھے ایسا ویسا منظور ہے مگر یہ سب منظور نہیں جو ابا جی کرنے جا رہے ہیں۔''

نبیلہ کی تو گویائی اور سماعت دونوں جواب دے چکی تھیں۔ وہ خالی خالی آنکھوں سے شہوار کو گھورنے لگی۔

''واقعی خالو جان بات کر آئے ہیں؟'' شہوار کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

''نے اپنے کانوں سے سنا ہے بھابھی جان۔ پھر امی نے مجھ سے بات کی ہے۔''

''بہت بڑی بات ہے۔ عجیب سا تماشا' یہ نہیں ہونا چاہیے۔'' شہوار مضطرب ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''وجان کو احساس نہیں کہ نبیلہ کیلئے مسئلہ ہو جائے گا۔'' وہ جیسے خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئی۔

''رض محال اگر انہیں تم پر اعتبار نہیں رہا تو تمہارے پیروں میں زنجیر باندھ کر وہ دو تین ماہ میں تمہارا رشتہ کہیں اور ہیں۔ یہ کیا آفت ہے'' وہ جیسے خود سے الجھ کر مخاطب تھی۔

''اس طرح وہ اپنے شدید غصے کا اظہار تو نہیں کر سکتے۔ رازی سے فوری بدلہ تو نہیں لیا جا سکتا۔'' نبیلہ جیسے پاتال

''یہ سب تقدیر ہے تو.....''

''ری بے بسی تقدیر ہے' ان کا اختیار تقدیر ہے' بالکل بھی توازن نہیں' جو توازن نہ رکھتا ہو' وہ خدا کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔

''رہا ہو گا۔ آپا.....!''

''ے پھر کر نبیلہ سے مخاطب ہوئی۔ اور اس سے دور ہو کر بیٹھ گئی۔

''ا؟'' نبیلہ نے ویران آنکھوں سے اس کی سمت دیکھا۔

''ر میں عین نکاح کے وقت انکار کر دوں؟ تو.....؟ وہ ایک دم غضب ناک نظر آئی۔

''ایسا ہرگز نہیں کرو گی.....کسی قیمت پر نہیں۔ کیونکہ ہمارے ساتھ صرف ابا جی ہی نہیں ایک دکھی اور ایثار پیشہ ماں ''بہنیں ہیں' بھائی ہیں.....تم یہ عمل محض اس لئے کرنا چاہتی ہو ناں تاکہ میں تمہیں بے قصور مان لوں۔ تو میں حلف ''تیار ہوں کہ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔'' نبیلہ نے نہایت آہستگی سے کہا۔

''پا.....پلیز آپا.....بس کیجئے۔ مجھے کچھ کرنے دیجئے۔''

''یا کرو گی تم.....؟ پندرہ منٹ کا ڈرامہ ایک گھنٹے کا بنا دو گی بس.....؟ آخر کار ہو گا وہی جو ابا جی نے سوچ لیا ہے۔''

''ے مسکرائی۔

''اس میں تمہارا بھلا ہو گا اور نہ میرا۔ بلکہ بات اتنی بگڑ جائے گی تو برسوں نہ سنبھلے گی۔ جذباتیت کے دورانیے کا ہر ''ں اور کھوکھلا ہوتا ہے۔

''خاموش ہو جاؤ اور جو ہو رہا ہے ہونے دو۔

''یں.....!'' وہ دم بخود سی نبیلہ کی شکل دیکھنے لگی۔ ''ایسے ہی.....؟''

''ں''

''میں زہر کھا لوں گی' دیکھ لیجئے گا۔''

''گر تو ہمارے سارے گھر کا بھلا ہو جائے گا.....ہونہہ.....ہر ہلاکت شہادت نہیں ہوتی۔ اطلاعاً عرض ہے'' نبیلہ ''خداز میں بولی۔

''میں آپ کے خواب اجاڑ کر کیسے.....؟''

''تمہارا اس میں کوئی دوش نہیں ہے نیلی۔ یہ میرا نصیب ہے۔ جس طرح تم امی کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر سکتی ''طرح میں بھی تم سب کی خاطر بڑے سے بڑا عذاب برداشت کر سکتی ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نائلہ اور شہوار شاکت وصامت نبیلہ کو دیکھ رہی تھیں۔

''یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کے سینے میں اس وقت حشر برپا نہ ہو..... یہ پتھر کی تو نہیں.....'' نائلہ نے

دیکھا۔

''ایسے نہیں دیکھو مجھے اور سو جاؤ۔'' وہ ایک دم تیزی سے اٹھ کر باہر نکل گئی۔ نائلہ اور شہوار نے ایک دو

دیکھا۔

''وہ چاہے خود کو کتنا مضبوط ظاہر کرے..... نیلی..... قیامت تو ٹوٹی ہے۔ اس پر۔ کس قدر لاعلاج

کا..... اس وقت۔''

شہوار کا جیسے دل کٹ گیا۔

''اسی لئے تو کہہ رہی ہوں بھابھی جان۔ چاہے ابا جی مجھے جان سے مار ڈالیں' میں ان کے فیصلے کو

کروں گی۔ وہ فیصلہ کن انداز میں کہہ کر باہر نکل گئی تھی۔

''خالہ! یہ میری بدنصیبی ہے کہ میں مکے مدینے میں نہیں جا سکا وگرنہ میں آپ کیلئے آپ کی فرمائش

خاور غسل سے فارغ ہو کر تولئے سے سر رگڑتے ہوئے لاؤنج میں چلے آئے۔

''اے کوئی بات نہیں' تمہارا تو آنا جانا لگا ہی رہتا ہے۔ آ جائے گی۔''

''کوئی نہیں لگے گا آنا جانا۔ بہت ہو گیا۔'' منزہ چائے لے کر اندر داخل ہوئی اور قطعی انداز میں بات کا

''ایسے نہیں کہتے ناشکری ہوتی ہے۔ یہ تو اللہ نے خاور میاں کی روزی کا بہانہ بنایا ہے۔'' خالہ نے سر زنش

''اب جو چاہے کوئی کہے..... یہ جا کر دکھائیں۔'' منزہ نے ٹرے ٹیبل پر رکھ دی

''تو پھر دکھاؤں جا کر.....؟ تم جانتی ہو' مجھے ویسے بھی چیلنج قبول کرنے کا بہت شوق ہے۔'' خاور

مسکرائے۔

منزہ کی آنکھیں بھر آئیں..... ''آئے ویر نہیں ہوتی جانے کی باتیں کرنے لگتے ہیں۔'' وہ ناراض انا

بنانے لگی۔

''دلہن تمہاری غیر موجودگی میں بالکل اجاڑ نظر آتی ہیں۔ میرے منہ میں خاک۔ کہہ کہہ کر میں نے

چوڑیاں ڈلوائی تھیں۔ تم انہی کی بات رکھ لو۔ کوئی اور کام دیکھ لو یہیں کہیں۔''

''نیک عورتیں ایسی ہوتی ہیں خالہ، کہ صرف اپنے شوہر کے لئے سنگھار کرتی ہیں۔'' خاور نے گویا منزہ کو

''ہونہہ..... آپ اتنی لمبی نیکی کریں تو پتا چلے۔'' وہ بگڑی

خاور خالہ کی طرف سے پیٹھ کر کے منزہ کے مقابل بیٹھ چکے تھے۔ اس کی طرف جھک کر آہستگی سے بو

''یقین کرو..... تمہارے ساتھ ساتھ میں بھی اتنی ہی لمبی نیکی کرتا ہوں۔ جن دنوں ہم پورٹ پر ہوتے

میں شیو نہیں بناتا' ویٹرس تک کی طرف دیکھنا گناہ سمجھتا ہو۔ کیونکہ وہ بلا کی حسین ہوتی ہیں۔ سخت جبر کرتا ہوں

سے ایمانی ہو گی۔''

خاور کے چہرے کے ہر زاویئے سے شرارت پھوٹ رہی تھی۔

''مجھے کیا پتہ کتنی بے ایمانی کرتے ہوں گے۔ جب ہی تو گھر آنے کا دل نہیں چاہتا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی

بالہ کی طرف بڑھی۔

!اسد میاں نظر نہیں آئے۔ ٹھیک تو ہیں ناں؟ خالہ کو اسد کی بہت فکر رہتی تھی۔ وہ ان کے ''کیریئر'' کا حصہ

وہ بہت دیر سے گئے تھے..... بلال اور اسد بھائی ہی تو لینے گئے تھے۔ ''انہیں'' وہ اپنی مخصوص سادگی کے

تی ہیں کہ محترمہ کو میرا بہت انتظار رہتا ہے۔ میرے استقبال تک کو تو پہنچتی نہیں۔ رات میں گھر آیا تو سو رہی

م کیا ہے میں نے۔''

ہیں..... یہ تو دیوانوں کی طرح تمہاری راہ دیکھتی ہیں۔ غلط کہہ رہے ہو۔'' خالہ نے بالکل بھی یقین نہیں کیا۔

ی نے ان کے ہاتھوں میں مہندی لگوائی تھی۔ آج کل کی تو کنواریاں ان سے زیادہ سنگھار کرتی ہیں۔''

منزہ کے مہندی سے سرخ ہاتھ دیکھے۔ اس رنگ میں جو جذبے تھے وہ پوری لطافت کے ساتھ خاور کے قلب

ے۔

ی آپ نے لگوائی تھی۔ بھئی یہ تو زبردستی کی ناں آپ نے۔''

ں..... کیوں زبردستی.....؟ تمہارے ساتھ کیا نکاح زبردستی ہوا تھا.....؟'' وہ برا مان کر بولیں۔

نے تو یہی سنا ہے۔'' خاور نے اٹھ کر دریچے کے پردے سرکائے۔

ان چھڑکنے والی بیوی تو نصیب سے ملتی ہے خاور میاں۔ قدر کرو اس کی..... وگرنہ..... یوں بھی ہوتا ہے۔''

اندر چلی آئیں۔ خالہ کی بات ادھوری رہ گئی۔

ہی! چائے پیجئے ناں ہمارے ساتھ۔'' خاور نے ساس سے تعظیماً کہا۔

پینے ہی آئی ہوں۔ تمہارے ساتھ۔ ماشاء اللہ آج تو منزہ پہچانی نہیں جا رہی۔ کیا کہیں جا رہے ہو تم لوگ.....''

محبت سے گویا ہوئیں۔

از اور بڑے آویزے پہن کر منزہ عام دنوں سے یکسر مختلف دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے چہرے پر جو رنگ

کی رگ رگ جاں میں طمانیت کا احساس بن کر اتر رہے تھے۔

ا خاور کے کولیگ ہیں' چائے پر بلایا ہے انہوں نے..... میں آپ کو بتانے بھی گئی تھی مگر آپ کا کمرہ اندر سے

..... میں سو رہی تھی۔ رات کو بہت دیر سے سوئے تھے ناں۔ نیند بہت آ رہی تھی۔ بچوں کو لے جا رہی ہو؟''

لے جا رہی ہوں' گڑیا کو آپ سنبھالئے گا' کہیں جا کر وہ روتی بہت ہے۔'' منزہ نے کہا۔

کہ وہ ایک خوش مزاج باپ کی بیٹی ہے۔'' خاور مسکرائے۔

خوش مزاج دوسروں کو تو رُلاتا ہے۔ ناں'' وہ خاور کے قریب کھڑی تھی۔ چپکے سے کہہ کر لاؤنج سے باہر نکل

ئے کی خواہش کے باوجود حفظ مراتب کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف مسکرا دیئے تھے۔

ڑی دیر بعد لاؤنج میں اپنا پرس اٹھائے ہوئے اور بچے کے دیگر لوازمات کے ساتھ داخل ہوئی تو اسد کو موجود

انگ سٹک سے تیار بیٹھے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"السلام علیکم اسد بھائی" اس نے بے حد مسرت سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ مزاج بخیر.....؟" اسد مسکرائے۔

"بالکل بخیر ہیں۔" وہ بشاشت کے ساتھ مسکرائی۔

"چائے پیجئے گا یا کافی.....؟"

"فی الحال کچھ نہیں۔ اس وقت میں صرف ضروری اطلاع کی غرض سے حاضر ہوا ہوں جمعے کو جو آپ کا پروگرام تھا وہ کینسل۔ اسلام آباد میں میرے فرسٹ کزن کی شادی ہے۔ ہم لوگ پرسوں روانہ ہو رہے ہیں خاور یہیں ہیں پھر۔"

"یہ اب "یہیں" ہیں۔ منزہ نے بات کاٹ دی۔ خاور اور اسد ایک دوسرے کی سمت دیکھ کر مسکرا دیئے۔

"آپ نے تو کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا اپنے کزن کی شادی دادی کا۔ کیا اچانک.....؟"

"بالکل اچانک..... کل تک مجھے بھی پتہ نہیں تھا..... بڑی ایمرجنسی میں ہو رہی ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"واپسی کب تک ہوگی؟ خاور نے دریافت کیا۔

"جمعے کو بارات ہے۔ اب ولیمہ نپٹا کر ہی واپسی ہوگی۔"

"بیٹے! اب اپنا معاملہ بھی نپٹا لو۔" خالہ سے آخر رہا نہ گیا۔

"وہ تو سنا ہے آپ نپٹائیں گی۔" اسد مسکرائے۔

"ارے ہزار جان سے۔ تم حامی تو بھرو۔" خالہ نہال ہو گئیں۔

"اچھا میں چلتا ہوں..... او کے۔"

"تھوڑی دیر تو بیٹھو یار!" خاور نے اصرار کیا۔

"تم اپنے پروگرام پر عملدرآمد کرو۔ ویسے ہی لیٹ ہو رہے ہو۔ خدا حافظ۔" وہ بغیر کچھ سنے باہر نکل گئے اور خاور بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ منزہ نے آگے بڑھ کر اپنے بیٹے کو گود میں اٹھا لیا۔

شادی کے مہمانوں میں سب سے پہلے شکیلہ کی آمد ہوئی تھی۔

سارے گھر میں جیسے ہلچل مچ گئی تھی۔ وہ صبح ہی صبح آئی تھی۔ سیاہ اور زرد پھول دار سوٹ میں ملبوس دونوں ہا سونے کی چوڑیاں پہنے وہ بہت تروتازہ دکھائی دے رہی تھی۔ صحت بھی بہت اچھی ہو رہی تھی' گھر میں جن کو حادثے کے بارے میں علم نہیں تھا ان کی خوشی دیدنی تھی۔ وہ شکیلہ کی آمد پر بھرپور خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ گھر رونق سی اتر آئی تھی۔

جب کہ نائلہ کمرے سے باہر تک نہ آئی تھی' صفیہ اسے کئی بار بلانے گئیں تھیں۔ مگر وہ ہر بار آ رہی ہوں کہہ بدل لیتی تھی۔ حتیٰ کی شکیلہ خود اسے ڈھونڈتی ہوئے وہیں چلی آئی۔

"اے محترمہ..... رت جگا کر کے سوئی ہو' نیند پوری نہیں ہو رہی۔" اس نے آتے ہی نائلہ کے ایک دھپ جڑا نائلہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور شکیلہ کے گلے لگ گئی۔ آنسو بے ساختہ بہہ نکلے۔

"ارے..... رے..... یہ کیا..... نبیلہ کے حصے کا کام بھی تم خود کر رہی ہو۔" اس نے ہنس کر نائلہ کی پشت پر ہا مگر نائلہ کے آنسو نہ رُکے۔

"باجی! ذرا دھر ادھر بھی دیکھیں۔" راحیلہ کی آواز آئی۔

شکیلہ نے پلٹ کر پیچھے دیکھا..... "ار..... رے۔ اوہ میرے خدا۔ میں کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہی۔" اس نے زرد میں ملبوس زرد زرد سی شہوار کو مسرت آمیز حیرت سے دیکھا اور آگے بڑھ کر گلے لگا لیا۔

"آخر احسن بھائی آ گئے۔ یہ تو ایک دن ہونا ہی تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ بہت اچھے موقعے پر یہ سب کچھ ہو گیا۔

کہاں ہیں احسن بھائی..... آپ لوگوں نے کیوں نہیں بتایا تھا....." وہ تیزی سے باہر کی سمت بڑھی تھی۔

"باجی! احسن بھائی نہیں۔ صرف بھابھی جان....." بیلا نے جیسے آگے بڑھنے سے روک دیا۔

"ہائیں.....!! مگر....." وہ ٹھٹک کر شہوار کو گھورنے لگی۔

"کیا ابا جی نے صرف....." وہ پھر کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"ابھی آپ کو سب کچھ پتا چل جائے گا۔" انیلا نے اسے پرسکون کرنا چاہا۔

"مگر.....؟" وہ ہنوز حیران پریشان نظر آئی۔

"ابھی تو تم نے بہت ساری نئی خبریں سننا ہیں۔ آرام سے بیٹھو تو سہی۔" صفیہ نے ایک گہری نظر نائلہ پر ڈال کر کہا

"خبریں اچھی تو ہیں نا امی.....؟" شکیلہ نے تشویش بھری نظروں سے ماں کو دیکھا۔

"میں ذرا ناشتہ بنا لوں..... بہت سارے کام نمٹانے ہیں۔ گیارہ بجے تمہاری خالائیں اور ماموں ممانیاں بھی پہنچ رہی ہیں۔" صفیہ کہتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

"آپا! کتنا مزہ آئے گا۔ چھوٹی ممانی تو بہت مزے لگاتی ہیں۔ اب شروع ہوں گے اصل میں شادی کے ہنگامے' وہ تو انے بھی بہت اچھے گاتی ہیں۔" انیلا پر ایک عجیب سی سرخوشی کی کیفیت طاری تھی۔ اور وہ براہ راست نائلہ سے مخاطب

"باجی! آج تو مایوں کی رسم ہے..... انیلا آپی ہم کام وام نہیں کریں گے۔ بس چھوٹی ممانی کے ساتھ گانے گائیں گے۔" بیلا نے قطعی فیصلہ سنایا۔

"بھئی تم نے کام سے بچنے کا نہایت ہی غیر معقول بہانہ بنایا ہے۔" شکیلہ ہنس کر بولی۔

"پرانے وقتوں میں ڈیوڑھی میں میراثنیں دھرنا مار کر بیٹھ جاتی تھیں۔ اب بیلا بیٹھے گی۔" انیلا ہنسی۔

"صرف میں ہی نہیں چھوٹی ممانی بھی۔" بیلا نے فوراً وضاحت کی۔

شہوار صفیہ کے ساتھ ہی باہر نکل گئی تھی۔ شکیلہ نے ادھر اُدھر دیکھا اور نائلہ کے قریب چلی آئی۔ "کچھ بتاؤ تو شہوار بھابھی یہاں کیسے..... نظر آ رہی ہیں۔ سچ مجھے تو بہت بے چینی ہو رہی ہے۔"

"پتہ چل جائے گا۔ بس یہ سمجھ لیجئے' اچھے حالات میں یہاں نہیں آئیں۔" وہ پژمردہ انداز میں دوبارہ پلنگ پر بیٹھ گئی۔

"کیا بات ہے نیلی طبیعت خراب ہے تمہاری.....؟" شکیلہ نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"اور حالات سے کیا مطلب ہے تمہارا.....؟" وہ سخت الجھن میں پڑ گئی تھی۔

"کہہ تو دیا باجی..... ابھی تھوڑی دیر بعد امی آپ کو حرف حرف بتا دیں گی۔ اطمینان رکھیں۔" وہ قدرے تلخی سے گویا ہوئی۔ شکیلہ ایک دم چپ سی ہو گئی۔ پھر کچھ سوچ کر گویا ہوئی۔

"تم اس طرح کیوں بیٹھی ہو..... لگتا ہے تمہاری طبیعت واقعی ٹھیک نہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جی" بالآخر نائلہ کو کہنا پڑا۔ شکیلہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔

نبیلہ کی خاموشی شکیلہ کو اس لئے عجیب نہیں لگی کہ اس کے خیال میں اسے گھر سے جدائی کے خیال نے چپ لگا دی تھی۔ ناشتے کی مصروفیات کے دوران صفیہ دوبارہ آ کر نائلہ کو بلا گئی تھیں مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ پھر صفیہ نے بھی اس کے ساتھ زبردستی نہیں کی۔

تیسری مرتبہ وہ اس کے پاس آئیں تو وہ سو رہی تھی۔ غالباً رات بھر جاگنے کے بعد کا یہ قدرتی عمل تھا۔

پھر وہ خاموشی سے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئی تھیں۔ وہ خود میں ہمت پیدا کر رہی تھیں کہ نبیلہ کو جلد سے جلد صورت حال سے آگاہ کر دیں۔ مگر جب بھی اس کی سمت دیکھتی تھیں ہمت جواب دے جاتی تھی۔

تب انہوں نے سوچا وہ شکیلہ کو حقائق سے آگاہ کر دیں' پھر وہ خود نبیلہ کو سمجھا دے گی۔ یہ فیصلہ کر کے وہ ذرا پرسکون ہو گئی تھیں۔ ناشتے سے فارغ ہو کر سب سے پہلے انہوں نے شکیلہ کو شہوار کی موجودگی کے اسباب سے آگاہ کیا۔ کیونکہ وہ بہت الجھی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

اور تمام حقیقت سن کر شکیلہ کی ایک ایک خوشی جیسے بے رنگ سی ہو گئی تھی۔ اسے نئے حالات کی سنگینی کے احساس نے چپ سی لگا دی تھی۔

پھر اس نے کسی سے کوئی سوال نہیں کیا۔

صرف نائلہ کے بارے میں پوچھا کہ آیا واقعی اس کی طبیعت خراب ہے ورنہ وہ بے وقت کیوں سو رہی ہے..... کیونکہ اس نے چھوا بھی تھا اور گلے بھی لگایا تھا۔ بخار وغیرہ ٹائپ کی تو کوئی چیز اسے محسوس نہیں ہوئی تھی۔

صفیہ نے اسے فی الحال ٹال دیا تھا۔ ڈھیروں مہمان پہنچ رہے تھے۔ وہ ان کے انتظامات میں مصروف ہو گئی تھیں۔ دوسرے ان کا ذہن بہت الجھا ہوا تھا۔

ضروری کاموں میں منہمک ہو کر وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ یہاں تک کہ کراچی کے مہمانوں کا قافلہ آ پہنچا۔ پھر وہ ہاؤ ہکار مچی کے توبہ ہی بھلی۔ یہاں وہاں سامان اور انسان دکھائی دینے لگے۔ بچوں کی چیخ و پکار علیحدہ تھی۔ پھر صفیہ کی سب سے چھوٹی بھاوج کی شوخیاں' بڑی خالہ آتے ہی اپنے شوہر سے کسی بات پر الجھ پڑی تھیں۔ وہ بے چاری خاموشی سے ان کے دلائل سن رہے تھے..... یہ الگ ہنگامہ تھا۔

"حضرات! ایک تر و تازہ لطیفہ....." چھوٹی ممانی اپنی بچی کو نہلا کر تولیے میں لپیٹے کمرے میں داخل ہوئیں تو کمرے کی صورت حال پر انہیں برمحل لطیفہ یاد آ گیا۔

"چھوٹی ممانی..... جلدی سے سنائیں" انیلا نے سخت بے چینی ظاہر کی۔

"لطیفہ یہ ہے۔" انہوں نے بھیگی ہوئی کبوتری جیسی بچی کو پلنگ پر ٹکاتے ہوئے کہا۔

"نفسیات کے ایک پروفیسر لیکچر دے رہے تھے کہ جو شخص غلط نقطۂ نظر رکھے اور ہار مان لے' وہ عقلمند ہوتا ہے اور جو شخص صحیح نقطۂ نظر رکھنے کے باوجود ہار مان لے؟"

انہوں نے سوالیہ نظروں سے شاگردوں کی سمت دیکھا۔

"وہ شوہر ہوتا ہے۔" ایک شاگرد نے جواب دیا۔

کمرے میں بے ساختہ کئی قہقہے اُبل پڑے۔

"اے چھوڑو..... وہ تمہارے میاں ہوں گے..... یہ ایسے نہیں۔ میرا تو نام ہی انہوں نے "غلط" رکھا ہوا ہے..... مجال

بھی میری بات مان لیں۔" بڑی خالہ جل کر بولیں۔

ابھی یہ ہنگامہ محشر جاری تھا کہ شیخ صاحب آ گئے اور ماحول خاصا پُرتکلف اور خاموش سا ہو گیا۔ سب ہی رشتے داران بیت سے واقف تھے۔ یہی وجہ تھی کہ زیادہ آنا جانا نہیں تھا۔ عموماً تقریبات ہی کے مواقع پر اس طرح اکٹھا ہونے کا ہوتا تھا۔

سب حیران سے تھے کہ شیخ صاحب کا رویہ خلافِ توقع بہت بدلا ہوا تھا۔ یعنی خشکی اور سرد مہری میں بے حد واضح ہو رہی تھی۔

صفیہ بظاہر گھر کے کام کاج میں مصروف تھیں مگر ابھی انہیں ایک دشوار گزار مرحلے سے گزرنا تھا۔ پہلا امتحان تو یہ تھا قیامت خیز تبدیلی کی خبر نبیلہ تک پہنچانی تھی۔

وہ غم یہ جو تمام خونی رشتے دار "نبیلہ" کی شادی میں شرکت کی غرض سے آنے ہوئے تھے انہیں "دھولن" کی تبدیلی کی بھی دینا تھی۔

کوئی بہت وزنی آڑ بھی ڈھونڈنا تھی۔ کوئی ایسی تاویل جو "ہضم" ہو سکے۔

پھر سب سے بڑھ کر شہوار کا گھمبیر مسئلہ۔ شہوار تو ایک کونے میں چھپی تھی۔ اس کی حالت بہت غیر تھی۔ بہرحال اسے ماموؤں کا تو سامنا کرنا تھا۔

ایک اور دشواری جو تازہ ترین تھی وہ تھی "نائلہ" کی ہٹ دھرمی..... وہ نہ کمرے سے باہر آئی تھی اور نہ ہی کچھ کھایا پیا حتیٰ کہ مہمانوں کو سلام کرنے کے لیے بھی کمرے سے باہر نہیں آئی تھی۔ ترستی' ڈانٹ' اور ناراضگی وہ ہر حربہ اس پر چلی تھیں..... مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

تب انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس مرحلے سے شیخ صاحب خود نمٹیں گے۔ وہ صرف پیغام رساں کا کردار ادا کریں۔ پھر وہ شہوار کو لینے چلی آئیں۔

نائلہ کروٹ بدلے لیٹی ہوئی تھی۔ شہوار ایک دوپٹے کو خوبصورت سی شیپ دے کر ٹانک رہی تھی۔

"چلو بیٹے..... چل کر اپنی خالاؤں کو سلام تو کر لو۔" انہوں نے شفقت سے شہوار کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے خالہ جان۔" اس کا دل کانپنے لگا۔

"کس چیز سے..... بیٹے وہ سب تمہارے اپنے ہیں..... جس طرح تم سردار بھائی کی اور ہماری..... عزت ہو اسی ان کی بھی ہو۔" انہوں نے رسانیت سے سمجھایا۔

"میرا خوب تماشا لگے گا خالہ جان..... پتا نہیں وہ سب کیسے کیسے سوال کریں گے۔" وہ واقعی بہت شرمسار اور خوفزدہ ہو رہی تھی۔

"تم میری بیٹی ہو..... میں کیوں تمہارا تماشا بننے دوں گی' پھر وہ انسان میرا کیا لگتا ہے جو میرا یا میری بیٹی کا تماشا بنائے شاباش۔"

"خالہ جان میری جان نکل رہی ہے۔ بڑے ماموں بھی ہیں.....؟" وہ ہنوز سہمی ہوئی تھی۔

"تمہارا قصور کیا ہے؟ غلطی احسن نے کی ہے۔ مجھے اس کی ماں ہونے کے ناتے تاوان ادا کرنا ہے۔ کسی کی مجال نہیں بیٹے شاباش..... ایسے نہیں کرتے جو پڑتی ہے جھیلنا ہوتی ہے۔" وہ اسے چمکار کر پچکار کر آخر بڑے کمرے میں لائی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک لمحے کو تو جیسے سب ہی ہونق ہو گئے تھے۔ اس درجہ متحیر ہو گئے تھے..... کہ اس کے سلام کا جواب دینا..... بھول گئے تھے۔

"صفیہ..... یہ شہوار..... بڑے ماموں نے اپنے حواس پر سب سے پہلے کنٹرول حاصل کیا۔" تو گویا شیخ صاحب نے بیٹے کو معاف کر دیا....." بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچے۔

"ظاہر ہے' ناخن سے گوشت جدا نہیں کیا جا سکتا ہے۔" بڑی ممانی نے بھی..... ذرا مضبوط اعصابی اور حاضر دماغی کا مظاہرہ کیا۔

"مگر احسن ہے کہاں.....؟ دکھائی نہیں دیا....." چھوٹی خالہ جو احسن سے بے پناہ انسیت محسوس کرتی تھیں احسن کی غیر موجودگی کا دھیان انہیں سب سے پہلے آیا۔

"مگر بھئی یہ تو..... معجزہ ہے کہ رحیم بھائی اپنا فیصلہ بدل ڈالیں۔"

صفیہ سے چھوٹی بہن شہوار کی امی تھیں..... ان سے چھوٹی حفصہ تھیں اور ان سے چھوٹی رمیصہ تھیں۔ تمہیں سب چھوٹی خالہ کہتے تھے شیخ صاحب کے لیے تعجب کا اظہار حفصہ خالہ نے کیا تھا۔

"رحیم بھائی کی "ہاں" آج تک "نہ" میں اور "نہ" ہاں میں بدلتے ہم نے تو نہیں دیکھی۔

"کیوں رمیصہ.....؟ انہوں نے چھوٹی خالہ سے تائید چاہی۔

"پوری بات تو سُن لو حفصہ....." صفیہ ان کے نزدیک بیٹھ گئیں۔

"شہوار احسن کے ساتھ نہیں آئی ہے۔"

"مگر عائشہ باجی نے تو ہمیں بتایا تھا....." چھوٹی خالہ پر خاصی تشویش اور عجلت سوار تھی۔

"انہوں نے جو بھی بتایا ہوگا ٹھیک بتایا ہوگا۔ مگر آپ باجی کی تو بات سن لیں"۔ شہوار کی دوست نما ممانی نے انہیں ٹوک دیا۔

"بھائی جان:..... قصور اولاد کرتی ہے بھگتان والدین کو بھگتنا پڑتے ہیں۔ میں بھی بھگت رہی ہوں..... پتا نہیں یہ کہنا زیب بھی نہیں دیتا ہے یا نہیں۔ مگر حقیقت کچھ اس طرح سے ہے کہ وہ جو کہتے ہیں کہ بھینسوں کی لڑائی میں جھنڈا نقصان۔

یہ بچی تو خواہ مخواہ پس گئی ہے..... شیخ صاحب' سردار بھائی اور احسن سب اپنی اپنی ضد کے پکے ہیں۔ بلکہ میں تو ہوں کہ سارا قصور میرا ہے۔ نہ میں شکیلہ کی شادی کی مخالفت کرتی نہ احسن کو یہ دقت دیکھنا پڑتا۔

آخر پہلے بھی تو شیخ صاحب تھے اور وہی احسن تھا۔ ہزار زیادتیوں کے باوجود کبھی باپ کے سامنے نہیں آیا۔ کبھی پلٹ کر جواب نہیں دیا..... وہ میری خاطر حساس ہوا تھا سزا بھگت رہا ہے۔" ان کی آواز بھرا گئی۔

"مرد ذات ہے میں اس کی عقل و دماغ یا دل پر پہرے کہاں تک بٹھاتی.....؟ اب آپ جو کہیں۔ شیخ صاحب چاہتے تھے کہ اس کا شہوار سے نکاح ختم ہو جائے۔ وہ ضد میں لے گیا تھا۔ غصے اور جذباتیت میں عقل تو بہت پیچھے رہ جاتی ہے۔ اب شہوار نے اس عمل پر ناراضگی ظاہر کی کہ وہ ماں باپ کی مرضی کے بغیر اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تو وہ واپس اسلام آباد پہنچا گیا۔ شریف بچیوں سے کہاں اس قسم کی باتیں برداشت ہوتی ہیں..... پریشانی یہ ہے کہ سردار بھائی نے احسن کو داخلے پر پابندی لگا دی ہے۔ یہ نہ اِدھر کی رہی یہ اُدھر کی..... بھلا ہو نوفل کا بچے نے بڑی عقلمندی دکھائی جو شہوار کو اسلام آباد بھیج دیا..... خدانخواستہ اگر بچی کو کچھ ہو جاتا..... آگ نہ لگ جائے ایسی ضد اور غرور کو جو انسان کی جان لے لے۔

"مگر احسن سے تو میری حال ہی میں ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے تو بالکل بھی ظاہر نہیں کیا کہ شہوار اس کے پاس نہیں" چھوٹی خالہ کے منہ سے بلا ارادہ نکل گیا۔

"کب ملا تھا احسن تم سے؟ بڑے ماموں نے چونک کر چھوٹی خالہ کو گھورا۔

وہ ایک دم سٹپٹا گئیں۔ کیونکہ بڑے ماموں نے سب کو تائید کی ہوئی تھی کہ وہ احسن کے ٹھکانے کی خبر ملتے ہی اطلاع کریں۔

"ایسے ہی کھڑے آیا تھا۔ زیادہ بات ہی نہیں ہو پائی۔" وہ جلدی سے بھائی کو مطمئن کرتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"مگر صفیہ باجی..... بچی کے ساتھ بہت زیادتی ہو گئی ہے۔ حفصہ خالہ کو جیسے شدید دھچکا لگا تھا۔ کمرے میں چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔

شکیلہ جو کمرے کے دروازے میں خاموش سے آ کھڑی ہوئی تھی۔ ساکت سی کھڑی رہ گئی۔

"آؤ شکیلہ وہاں کیوں کھڑی ہو گئیں۔" چھوٹی خالہ نے اسے مخاطب کیا۔

وہ آہستہ سے چلتی ہوئی ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"نائلہ دکھائی نہیں دے رہی' کہاں ہے؟" بڑی ممانی کو یک دم خیال آیا۔

"اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ سو رہی ہے۔" صفیہ نے آہستگی سے دریافت کیا۔

"تم نے شہوار کے بارے میں کیا سوچا ہے.....؟" بڑے ماموں نے صفیہ سے دریافت کیا۔

"شادی سے فارغ ہو کر کراچی جاؤں گی۔ بات کروں گی اس سے۔" صفیہ نے دکھ سے کہا۔

"آخر اب وہ چاہتا کیا ہے.....؟" صفیہ خالہ نے پوچھا۔

شہوار ایک دم اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

"یہ تو اس سے مل کر ہی پتا چلے گا۔ بہر حال شہوار کو بسانا ہے۔ ٹھیک کر لوں گی اسے۔" صفیہ نے قطعی انداز میں کہا۔

"معاملہ بہت الجھ گیا ہے صفیہ!" بڑے ماموں کے چہرے پر گہری شکنیں ان کی فکرمندی غماز تھیں۔ صفیہ ایک گہری سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"آج شام تو غالباً مایوں ہے۔ ابٹن وغیرہ گوندھ لیا؟ چنبیلی کا خالص تیل لائی ہوں ابٹن میں ڈالنے کے لیے مہندی بھی ہمسائی سے لی ہے۔ یہ پچھلے دنوں وہ ہندوستان سے لے کر آئی تھی۔ بہت رچتی ہے۔" حفصہ خالہ نے اپنا ایک بیگ کھولتے ہوئے کمرے کے ماحول میں تبدیلی پیدا کی۔

"مگر آج کل تو ڈیزائن بنانے کا رواج ہے..... لڑکیاں سادہ مہندی کہاں لگا رہی ہیں باجی۔" چھوٹی ممانی نے انہیں "نیا فیشن" یاد دلایا۔

"مگر پھر بناتی رہیں ڈیزائن۔ مجھے تو دلہن کے ہاتھ میں سادہ مہندی ہی بھلی لگتی ہے۔ اور میں تو نبیلہ کے ہاتھ میں خود لگاؤں گی۔" حفصہ خالہ نے قطعی فیصلہ سنا کر نہ جانے کیا کچھ بیگ سے نکالنا شروع کیا۔

"آپ تو آئی ہی نہیں تھیں شادی میں، میں نے تو شنو کو بھی سادہ مہندی لگوائی تھی....." انہوں نے صفیہ کی طرف دیکھ کر بتایا۔

"بچے ایک دن پہلے پہنچیں گے باجی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اچھی بات۔" صفیہ غائب دماغی کی کیفیت میں مبتلا تھیں اور اسی طرح ہی باہر نکل گئیں۔

"چلو رمیصہ! اُبٹن گوندھ لو..... ایک تو بج رہا ہے۔ شام بھی سر پر کھڑی ہے۔"

شام کے تصور نے جیسے ہر شخص میں نئی روح پھونک دی تھی۔ ہر ایک متحرک نظر آیا۔

صفیہ بمشکل موقع نکال کر شکیلہ اور نبیلہ کو لے کر اپنے کمرے میں آئی تھیں۔

شکیلہ ان کے پُراسرار انداز پر پریشان نظر آئی مگر نبیلہ کے چہرے پر گہرا سکوت تھا۔ وہ بہت پُرسکون نظر آرہی تھی۔ اسے اچھی طرح پتا تھا کہ صفیہ کیا بات کرنے والی ہیں۔

وہ کافی دیر تو سر جھکائے مناسب الفاظ سوچتی رہیں۔ ان کے دل کی عجیب حالت تھی۔ بات شروع کرنا چاہتیں مگر نبیلہ کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ جیسے قوت گویائی کھو بیٹھتیں۔

"کیا بات ہے امی.....؟ آپ پریشان ہیں۔ کیا پیسے وغیرہ کا مسئلہ ہے.....؟" شکیلہ سے آخر نہ رہا گیا۔

"نن..... نہیں نہیں..... پیسے ویسے کی کوئی بات نہیں ہے۔ تمہارے ابا جی نے انتظام کرلیا ہے جہیز وغیرہ کا۔ پھر احسن نے بھی بھجوائے ہیں۔ وہ تو بھیجتا رہتا ہے..... اللہ کا احسان ہے کوئی مسئلہ نہیں....."

پھر کیا بات ہے؟" وہ ابھی..... وہ جب سے آئی تھی ان میں کچھ عجیب سی بات محسوس کر رہی تھی۔

"میری تو سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کیسے بات شروع کروں۔" صفیہ نے جیسے بے بس محسوس ہو کر رہا تھا۔

"باجی..... امی شاید بات شروع ہی نہ کرسکیں۔" نبیلہ نے آہستگی سے کہا۔

صفیہ اس کے انداز پر چونک پڑیں۔

"امی..... آپ جو کچھ کہنا چاہتی ہیں..... مجھے علم ہے..... نیلی نے رات ہی مجھے اٹھا کر بتا دیا تھا۔"

صفیہ کا ایک لقمے کو منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

"کیا بتا دیا تھا.....؟" وہ سر جھکا کر پوچھنے لگیں۔ جیسے ان میں ہمت نہیں تھی کہ نبیلہ کا چہرہ دیکھتیں۔

"وہی جو آپ کے منہ سے نہیں نکل رہا۔"

"بیٹی..... تمہارے ابا جی نے مجھے بتائے بغیر سب کچھ بالا ہی بالا کرلیا..... جیسے کہ وہ ہمیشہ کرتے رہے ہیں۔"

امی.....! جتنے امتحان آپ کی زندگی میں آئے اور آرہے ہیں۔ میں نے تو امتحان کا ایک حصہ بھی نہیں گزارا۔ ہم دکھ پہنچتے ہیں تو آپ بادل کی طرح ہم پر سایہ کرتی ہیں۔ ہمارا دل بہلاتی ہیں ہمارے ملال مٹاتی ہیں۔

مگر آپ خود کتنی تنہا ہیں..... کوئی دکھ میں آپ کا سایہ نہیں بنتا۔ چاروں طرف کی جنگ آپ تنہا لڑتی ہیں۔

میرا کوئی دکھ بھی آپ کے دکھ سے بڑا نہیں..... میں آپ کو کسی الجھن میں نہیں ڈالوں گی۔ میں آپ کی مشکل میں اضافہ نہیں کروں گی..... جو آپ یا ابا جان کہیں گے وہی ہوگا۔"

صفیہ نے اس کا سر سینے سے لگا لیا اور بے اختیار ہو کر رو دیں۔

"بلو..... میری پیاری بیٹی..... میرا بس چلے تو اپنی جان وار کر بھی تجھے خوش رکھوں..... مگر اس وقت میری مشکل ہے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔

"امی! آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔ جو ابا جی کر رہے ہیں کرنے دیں۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا تو خدا معلوم وہ نیلی کے ساتھ کیا کر بیٹھیں۔ امی..... وہ بالکل بے قصور ہے۔ آپ بھی جانتی ہیں اور میں بھی۔"

"اللہ نے مجھے نیک اور سعادت مند بیٹیاں دی ہیں۔ میرے ہر دکھ کا مداوا کیا ہے۔ اللہ نے چاہا تو میری بیٹی کا نصیب بہت بلند ہوگا۔" انہوں نے نبیلہ کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

شکیلہ ہونق بنی کبھی ماں کی طرح دیکھ رہی تھی کبھی نبیلہ کی طرف۔

"امی..... خدا کے لیے مجھے تو کچھ بتائیں۔"

تب صفیہ نے سامنے والے پڑوسیوں کی آمد۔ رازی کا رشتہ۔ اور "تازہ ترین" ایک ایک بات شکیلہ کو بتا دی۔

اور شکیلہ کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

ایک ایک حس پر جیسے برف سی گر پڑی تھی۔

"امی..... آپ کس کس کو اور کیسے مطمئن کریں گی.....؟" وہ جیسے کنویں کی گہرائی سے گویا ہوئی تھی۔ اور ایک ٹک نبیلہ کو دیکھ رہی تھی۔ اب اسے نائلہ کے مستقل پلنگ پر لیٹے رہنے کی وجہ بھی سمجھ میں آگئی تھی۔

"مگر کچھ ہو بھی تو نہیں سکتا۔ تمہارے ابا جی سب کچھ لڑکے والوں سے طے کر چکے ہیں۔"

"مگر امی! یہ چھوٹی سی بات تو نہیں ہے۔" شکیلہ کو جیسے قرار نہیں آرہا تھا۔

"میری شادی جس طرح ہوئی کسی کو بھی نہیں بلایا گیا۔ وہ بھی اتنی بڑی بات نہیں تھی۔ جتنی یہ ہے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے۔ نبیلہ کے مستقبل کا سوال ہے۔" شکیلہ کسی طرح بھی نئی حقیقت قبول کرنے پر آمادہ نظر نہیں آرہی تھی۔

"شاید میں بھی کبھی اس پر تیار نہ ہوتی۔ بات یہ ہے کہ لڑکے والوں سے ہر بات طے ہو چکی ہے۔ نئی بات کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم انہیں جواب دے دیں کہ ہم اپنی کوئی سی بھی بیٹی نہیں دے رہے۔ چار دن پہلے آتی بارات کو منع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نبیلہ، نائلہ، اور انیلا کے لئے ہر دروازہ بند کر دیا جائے۔

تم اپنے ابا جی کی عادت جانتی ہو اب وہ نائلہ کے حق میں کوئی فیصلہ بھی عقل سے نہیں جذبات سے کریں گے۔ یہ گھرانہ بہت اچھا ہے۔ نبیلہ کا نہ سہی نائلہ ہی کا ہی کسی ایک کا تو بھلا ہو جائے۔

بیٹے..... مجھے ابھی چار بیٹیاں اور بیاہنا ہیں..... تمہارے ابا جی نے کوئی راستہ ہی نہیں چھوڑا۔ کہ میں کچھ اور سوچتی..... بچہ میرا..... مجھ سے دور ہے..... کوئی ایک پریشانی.....؟"

"باجی! آپ امی کو پریشان نہ کریں..... جو ہو رہا ہے ہونے دیں..... پلیز..... نبیلہ یہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گئی۔

"امی..... لوگ کیا کیا باتیں بنائیں گے۔" شکیلہ بے حد پریشان تھی۔

اب جو ہونا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔ تم نائلہ کو سنبھالو۔ نہ اس نے ناشتا کیا ہے نہ دوپہر کا کھانا کھایا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے امی۔ اب آپ خالہ وغیرہ کو کیا بتائیں گی۔ کیا رازی والی بات بتا دیں گی.....؟"

"خدانخواستہ۔" صفیہ نے فوراً شکیلہ کی بات کاٹ دی۔

"کوئی نہ کوئی بات بنانا ہوگی۔ تمہارے ابا جی سے "طے" کر کے ہی بتاؤں گی۔ ایسا نہ ہو میں کچھ کہوں اور وہ کچھ اور....."

"امی! یہ کیا ہو رہا ہے..... میں کس قدر خوش خوش آئی تھی۔" شکیلہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

صفیہ نے اس کا شانہ تھپتھپا کر گویا اسے پرسکون رہنے کی ہدایت کی اور کمرے سے باہر چلی گئیں۔ ابھی انہوں نے مہمانوں کے بہت سے کام نپٹانا تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں مرجاؤں گی مگر یہ سب نہیں ہونے دوں گی۔" نائلہ نے بُری طرح بپھر کر شکیلہ کو جواب دیا تھا اور کسی بھی قسم کی بات چیت سُننے سے انکار کر دیا تھا۔

صفیہ نے پہلی فرصت میں حفصہ خالہ کو اعتماد میں لے کر ساری تبدیل شدہ صورتِ حال بتا دی تھی جو ان کے لیے بھی کسی ایٹمی دھماکے سے کم تو نہیں تھی مگر اس وقت وہ بہن کے قدم سے قدم ملا کر ان کا مسئلہ حل کرنے کی کوشش میں تھیں۔ اور خود ہی اپنے بہن بھائیوں کو نئی صورت حال سے بھی آگاہ کر دیا تھا..... جس سے ماحول میں ایک دم تبدیلی محسوس ہو رہی تھی..... ہر شخص اپنی جگہ پر مجرم کی طرح شرمندہ اور چُپ نظر آنے لگا تھا۔

یہاں تک کہ چھوٹی ممانی کی تو ساری شوخی ہی کافور ہو چکا تھی۔ بلکہ ابھی ابھی بچوں کو تھپڑ رسید کر کے پھر نئے سرے سے کسی سوچ میں ڈوب چکی تھیں۔

صفیہ، شکیلہ، نبیلہ، حفصہ خالہ ہر ایک نائلہ سے بات کر چکا تھا اور اسے صورتِ حال کی نزاکت کا احساس دلا رہا تھا۔ مگر اس پر کسی کی کوئی دلیل اثر نہیں کر رہی تھی۔

اس نے شکیلہ کو صاف کہہ دیا تھا کہ اگر اس کے ساتھ زبردستی کی گئی تو وہ عین نکاح کے وقت انکار کر دے گی..... خواہ ابا جی اسے جان سے مار ڈالیں یا ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔

تھک ہار کر صفیہ نے شیخ صاحب کو نائلہ کے فیصلے سے آگاہ کر دیا۔

وہ بھڑک اٹھ کھڑے ہوئے۔ "اس کی یہ مجال۔ صفیہ..... تم سمجھ نہیں رہیں..... مگر میں سمجھ رہا ہوں۔ اس وقت اگر تم اس کے لیے کسی ولی عہد کا رشتہ بھی مہیا کر دو گی تو بھی وہ انکار کر دے گی۔ جاؤ اُسے جا کر کہہ دو..... اگر وہ آگ میں بھی کود جائے گی تو بھی میں اس کا رشتہ رازی سے نہیں کروں گا۔"

"شیخ صاحب! یہ بات نہیں ہے۔ اسے رازی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آپ حقیقت سُنیں تو سہی۔"

"پھر وہی احمقانہ وکالت..... کیا میں اندھا ہوں..... تم میں عقل ہوتی تو رونا کس بات کا تھا..... میں خود بات کرتا ہوں اس سے۔"

وہ ایک دم باہر نکل گئے..... صفیہ بڑبڑاتی ان کے پیچھے لپکیں۔

وہ تیزی سے اس کمرے میں داخل ہوئے جہاں نائلہ پر مردہ حالت میں دراز..... چھت کو گھور رہی تھی..... شہوار اور بیلا اس کے قریب بیٹھی تھیں۔

شیخ صاحب کو دیکھ کر دونوں بوکھلا کر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

نائلہ نے بے جان انداز میں دوپٹہ اٹھایا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

اس کے چہرے پر کسی قسم کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ بکھرے بال زرد چہرہ..... کسی چیز نے بھی شیخ صاحب پر کوئی اثر نہیں کیا۔

"تم نے جو میری پگ میں ہیرے موتی ٹانکے ہیں۔ وہ میرے لیے بہت ہیں۔ اگر تم میرے فیصلے سے اتفاق نہیں کرتیں تو پھر ایک آخری راستہ اور ہے۔" ہور کے۔

نائلہ نے ویران سی آنکھیں ان پر مرکوز کر دیں۔ اس وقت وہ ہر قسم کے خوف و سہم سے آزاد تھی۔

"اور وہ راستہ یہ ہے کہ..... کہ میں ہمسایوں کا رشتہ قبول کر لوں۔ مگر صرف ایک شرط پر..... اور وہ یہ ہے کہ آج اسی وقت تمہارا نکاح اس آوارہ لڑکے سے کر دوں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تمہیں رخصت کر دوں۔ پھر تمہیں آئندہ اس گھر میں قدم رکھنے یا اپنی ماں اور بہن بھائیوں سے ملنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ تم میرے لیے ہمیشہ کے لیے مر جاؤ گی..... میں یا

رہاں گا کہ میرے ہال کوئی نائلہ نام کی لڑکی بھی تھی۔

یری بات نبیلہ کی شادی پھر بھی نہیں ہو سکے گی۔ کیونکہ میں اپنی بات دوبارہ بدلنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ میں تمہا ب سُن کر آج ہی اُن کو منع کر دوں گا۔ تم صرف اپنے راستے ہی میں نہیں نبیلہ کے راستے میں بھی کانٹے بو رہی مجھے ذات محسوس ہو رہی ہے۔ یہ سوچ کر کہ تم میری اولاد ہو۔

ب جو بھی فیصلہ کرو، دس منٹ کے اندر ماں کو بتا دو....." وہ کمر پر ہاتھ باندھے جیسے پہاڑ روندتے ہوئے کمرے ہر نکل گئے۔

یلا نے شہوار کی سمت دیکھا..... پھر پلنگ سے پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئی۔

یلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر وہ جیسے آنسو پینے کی کوشش کر رہی تھی۔

یلا.....!" اس کی بے تاثر آواز بھری۔

ی آپا.....!" تھر تھر کانپتی بیلا لپک کر اس کے نزدیک آئی۔

وہ جو بلو آپا کا پیلا جوڑا تیار کیا تھا وہ لے آؤ..... میں ذرا غسل کر لوں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے لہجے میں بلا کا

یلی پہلے تم کچھ کھا پی لو..... پلیز....." شہوار نے اسے شانے سے تھام کر کہا۔

بھابی جان.....!"

ہوں۔" شہوار نے اس کی سمت دیکھا۔

ر جرم کے بعد عدالت ملزم کو پورا پورا موقع دیتی ہے کہ وہ بھی اپنی صفائی میں کچھ کہہ سکے۔ جب کہ قانون تو غیر باپ تو اپنا ہوتا ہے۔"

ار خاموش رہی۔

یثار، برداشت، قربانی، نفس کشی..... ان سب باتوں کا اتنا بھیانک انجام بھی ہو سکتا ہے۔ میرا دل چاہ رہا ہے میں لی بن جاؤں۔" اس نے چوٹی آگے کر کے بل کھولنا شروع کیے۔ لہجہ عجیب پراسرار سا ہو گیا تھا۔

یلا نے نائلہ کو پیلا جوڑا باز و پر لٹکائے باتھ روم کی طرف جاتے دیکھا تو شہوار کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

شیخ صاحب کے پیچھے پیچھے ضرور گئی تھیں مگر راستے ہی میں رک گئی تھیں۔

ار نے آہستگی سے شیخ صاحب کی گفتگو ان کے روبرو دہرا دی اور پھر بتایا کہ اس کے بعد ہی نائلہ میں یہ تبدیلی رونما

ے

سے کلیجے پر چوٹ سی پڑی۔

ے میرے رب، میری بے گناہ بچی کو اپنے امان میں رکھنا....." ان کے قلب سے دعا روشنی کی صورت آزاد ہوئی۔

یلا صبح اسلام آباد پہنچی تھیں۔ فیضان اور شائلہ ان کے ہمراہ تھے، گھر انسانوں سے پٹا ہوا تھا۔ سب مہمان ناشتے ف تھے۔ مگر نہ جانے کیوں انہیں ماحول میں عجیب سی یاسیت اور افسردگی گھلی محسوس ہوئی تھی۔

پرنٹنڈنٹ حیرت کے پے در پے جھٹکے لگے، اول تو شیخ صاحب کا انداز انہیں ہمیشہ سے بہت مختلف دکھائی دیا تھا۔ یلا کی کونے میں نظر آنے کے بجائے مہمانوں کی مدارت میں مصروف دکھائی دی۔ پھر حد یہ ہو گئی کہ سامنے ہی شہوار کھڑی پراٹھے پکا رہی تھی۔ اگر احسن سے فون پر بات نہ ہوئی ہوتی تو شاید وہ اس کو موجود دیکھ کر از حد خوش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوگئیں۔ مگر فون پر احسن کا جو انداز تھا اس کی روشنی میں شہوار کی موجودگی، ذہن میں بہت سے سوال پیدا کر رہی تھی۔ نے صفیہ کی سمت سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ ان کا سوال سمجھ گئیں۔

"دم لو ثمینہ! بہت سی خبریں تمہاری منتظر ہیں۔" وہ نگاہ چُرا کر کہتی ہوئی انہیں لے کر کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

ثمینہ حیران پریشان اُن کے پیچھے چل پڑی تھیں۔

صفیہ نے مختصراً ساری روئیداد انہیں بتادی۔ ثمینہ تو جیسے سُناٹے میں آگئی تھیں۔

"یہ تو شہوار کے ساتھ بہت بڑا ظلم ہے۔ اس کا کیا قصور ہے۔ احسن اتنا نادان تو نہیں تھا۔" انہیں سخت صدمہ اب کیا ہوگا؟"

"شادی کے بعد جاؤں گی میں۔ لگاؤں گی اس کے دماغ ٹھکانے۔ شیخ صاحب تو کبھی اس بات کی اجازت دے گے۔ مگر شکیلہ کے ہاں خوشی ہونے والی ہے۔ اسی بہانے چلی جاؤں گی۔ خیر، تم فکر نہ کرو ٹھیک ہو جائے گا تم تھکن اتارو نہا دھولو۔ ابھی اور بھی باتیں باقی ہیں۔"

وہ کمرے سے باہر چلی گئیں اور بیلا سے کہا کہ وہ اپنی پھوپھی کو نائلہ کے پاس لے جائے۔ میں شکیلہ کو بھیج رہی شاید ان میں ہمت نہیں رہی تھی یا شاید تھک گئی تھیں، وضاحت کر کر کے۔

نائلہ پھوپھی کو سامنے دیکھ کر دیوانہ وار اٹھی ثمینہ نے بھی بازو وا کر دیئے تھے۔ نائلہ ان کے سینے سے لگی رو رہی تھی۔ ثمینہ اسے دلاسے اور تسلیاں ضرور دے رہی تھیں مگر ان کی سوالیہ نظریں بیلا کے چہرے کا طواف کر رہی تھ

"امی! آپ تو کہہ رہی تھیں بلو آپا کی شادی ہو رہی ہے؟" شائلہ جو ان کے پیچھے پیچھے چلی آئی تھی۔ حیران ہو رہی تھی۔ نائلہ بُری طرح رو رہی تھی۔ ثمینہ کو اس پر قابو پانا دشوار ہو رہا تھا۔

"نیلی چندا..... ایسے نہیں روتے، بڑی بات بیٹا۔"

"دیکھ لیجیے گا پھوپھو۔" میں مر جاؤں گی۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔ ثمینہ نے چونک کر اس کا چہ

اسی دم شکیلہ اندر چلی آئی تھی۔ گلابی رنگ کے ڈھیلے ڈھالے لباس میں نئی تبدیلیوں کے سبب خاصی بدلی ہوئی لگی۔

"انعام علی نہیں آئے۔"؟ ثمینہ نے اصل سوال کرنے سے پہلے یونہی عام سے انداز میں پوچھا۔

"آج دوپہر کو پہنچ رہے ہیں۔ بارات اٹینڈ کر کے رات کو واپس چلے جائیں گے۔ مصروف بہت ہیں آج کل

"اچھا۔" ثمینہ "اچھا۔" کہہ کر یکدم چُپ ہوگئیں۔

"شکیلہ باجی! شادی تو بلو آپا کی۔"

"اچھا تم چُپ ہو جاؤ شمی۔" ثمینہ نے شکیلہ کا چہرہ بغور دیکھتے ہوئے شائلہ کو درمیان میں ٹوک دیا۔ حالانکہ

"وجہ" کو جاننے کے لیے سخت مضطرب تھیں۔

"باجی! آپ لوگ تو پھوپھو کو نہ جانے کیا بتائیں اور چھپائیں۔ میں خود بتا دوں گی۔" نائلہ کے لہجے

سرد مہری اور ترشی تھی۔

"اور پھر آپ کو پتا ہے۔ ہم لوگ پھوپھو سے کبھی کوئی بات نہیں چھپاتے۔ بات اس سے چھپائی جاتی ہے کوئی خطرہ ہوتا ہے۔"

ثمینہ نے قدرے پریشانی اور خاصی حیرانی سے نائلہ کے چہرے کی سمت دیکھا تھا۔ اس کا دل ڈوبنے جانے کیا بات ہے' نبیلہ کی جگہ نائلہ کو دیکھ کر وہ پہلے ہی دہل گئی تھیں۔

آپ پھوپھو کو چائے پلا دیں بس' باقی کام میں خود کر لوں گی۔" نائلہ نے پھر تلخ لہجے میں کہا۔ شکیلہ اٹھ کر چلی گئی۔

"شمی! تم بھی چینج کر لو۔ تھوڑا سا ناشتا ضرور کرنا' تم نے پلین میں بھی کچھ نہیں لیا تھا۔"

نے گویا اسے ٹالا تھا۔

خوشی اور چاؤ سے وہ آئی تھیں مگر یہاں کی تبدیل شدہ صورت حال نے گویا انہیں سب کچھ بھلا دیا تھا۔ نائلہ نے ہی انہی بتایا جو درحقیقت پیش آیا تھا اور جو ہر ایک کو بتایا بھی نہیں جا سکتا تھا۔

پھوپھو' بالفرض محال میں مجرم تھی تو میرے لئے ہی سزا مقرر ہونا چاہئے تھی۔ بلو آپا کا اس میں کیا قصور نکلتا ہے؟" وہ تھی۔

محض شک کی بنیاد پر انہوں نے یہ سب کیا ہے' پھر شک بھی بے حد مضبوط ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھی جانے کو جھٹلا نہیں سکتے۔ وہ تو اپنے وہم اور گمان تک کو حقیقت کہتے ہیں۔ پھر یہ واقعہ تو چشم دید ہے' وہ تو فیصلے سنانے ہیں۔ چھان پھٹک تو ان کا شعبہ ہے ہی نہیں۔ درحقیقت وہ تم سے بہت بدگمان ہو چکے ہیں۔ رازی کے ساتھ کر وہ یہی سمجھے ہیں کہ تم ان کے اختیار اور حد سے باہر ہوگئی ہو۔ اسی لئے انہوں نے یہ انتہائی قدم اٹھایا ہے۔"

نے نہایت ٹھنڈے دماغ سے تجزیہ کیا تھا۔

کیسا مذاق ہے یہ زندہ انسانوں کے ساتھ؟" نائلہ کی آواز پر آنسو غالب آگئے تھے۔

مجھے تو ان لوگوں پر حیرت ہو رہی ہے۔" ثمینہ کچھ کہتے کہتے رُک گئیں۔

کیا نام ہے لڑکے کا۔ ہاں بابر مرتضیٰ۔ لڑکا ہے یہ ڈمی ہے۔ اس دور میں تو عجوبہ ہی ہیں اس قسم کے لڑکے۔ گھر کی زندگی کے فیصلے کر رہے ہیں اور بدل بھی رہے ہیں۔ اور اس کا کوئی ردعمل ہی نہیں ہے۔ تعجب ہے۔ سنا ہے کھاتے پیتے لوگ ہیں۔ اس قسم کے گھرانوں کے لڑکے تو خاصے آزاد واقع ہوتے ہیں۔ میں تو سخت حیران کیا تم نے تصویر وغیرہ تو دیکھی ہوگی۔" انہیں یکدم جیسے کوئی نیا خیال آیا۔

نے نظریں جھکا لیں۔ "پتا نہیں۔"

نے گہری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی اور خاموش ہوگئیں۔

انیلا کمرے میں داخل ہوئی۔

انیلا۔ بابر کی تصویر ہے تمہارے پاس۔ میرا مطلب ہے گھر میں؟"

جیسے کوئی شک ستانے لگا تھا۔ اور وہ لڑکا دیکھنے کیلئے خاصی بے چین نظر آ رہی تھیں۔

پھوپھو! ایک منٹ ٹھہریں' ابھی لائی۔" وہ واپس پلٹ گئی۔

وہ جس لڑکی پر بخوشی رضامند ہو گئے تھے' پھر اس کی بہن پر آمادگی۔ پتا نہیں کیا کہا ہے بھائی جان نے۔ اور خدا ہے لوگ ہیں؟" وہ سخت فکرمند نظر آ رہی تھیں۔

منٹ ہی گزرے تھے' انیلا ایک لفافا چھپانے کے انداز میں لے کر چلی آئی۔

بھئی! بردکھوے کی تصویر بھیجی تھی یا آرتی اتارنے کو۔" وہ بڑے سائز کی تصویر پر تبصرہ کر رہی تھیں۔ لفافے ہی سے نے تصویر کے سائز کا اندازہ لگا لیا تھا۔

بڑی بے صبری کے انداز میں تصویر نکال کر دیکھنے لگی۔

لڑکا تو ٹھیک ٹھاک ہے۔ بلکہ اچھا خاصا ٹھیک ٹھاک ہے۔" ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نائلہ نے ایک لمحے کو بھی نظر نہیں اٹھائی۔ بہنوئی کے روپ میں اس تصویر کو اس نے نہ جانے کتنی بار غور اور دلچسپی سے دیکھا تھا۔ حفظ تھی یہ تصویر اسے۔ آنکھوں کے اثرات سے لے کر خوبصورت ٹائی پن تک اسے ازبر تھی۔

وہ کیونکہ ہر جذبے سے عاری دل لئے بیٹھی تھی۔ اس وقت بھی کوئی دھڑکن کی دھن اس کے نام کی..... نہیں تھی۔

انہوں نے نائلہ پر ایک نظر ڈال کر تصویر دوبارہ لفافے میں ڈال دی۔

''بظاہر تو ڈی بھی نہیں لگ رہا۔ تم ہی کہو انیلا۔ اتنے آرام سے ان لوگوں نے بھائی جان کی بات مان لی۔ مجھے ڈ ہے۔''

براؤن بالوں والی بھوری سی انیلا کو انہوں نے غور سے دیکھ کر حیرانی کا اظہار کیا۔

''شاید وجہ یہ ہو کہ ان کی گھر کی خواتین نے نیلی آپی کو ہی پسند کیا تھا مگر ابا جی ان کے مردوں سے کہہ چکے تھے کہ سے کریں گے۔''

''اوہ'' ثمینہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

''ان کے ہاں کی خواتین تو بہت خوش ہیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ یا پھر ظاہر نہیں کر رہیں۔ کل ہی تو آپا کی نند آئی تھ پتا نہیں کس کام سے۔ امی کو پتا ہوگا۔ تھوڑی دیر ہی بیٹھی تھیں۔ بڑی خوش باش دکھائی دے رہی تھیں۔ جیسے کچھ نہیں۔''

''اس تبدیلی کے بارے میں بھائی جان لوگوں کو کیا دلیل دیں گے؟ خاص طور پر قریبی رشتے داروں کو؟''

''پتا نہیں۔ امی کو ہی پتا ہوگا۔'' انیلا نے سادگی سے کہا۔ ''اور پھر ابا جی لوگوں کی پرواہ ہی کب کرتے ہیں۔''

''نیلی بیٹا! تم ذہن پر بوجھ نہیں ڈالو۔ یوں سوچو اللہ کو یہی منظور تھا۔ میں دیکھتی ہوں بھابھی جان کیا کر رہی ہ انہوں نے نائلہ کے سر پر تسلی دینے کے انداز میں ہاتھ رکھا تھا۔

نائلہ نے بے تاثر نگاہیں سامنے دیوار پر مرکوز کر دیں۔

شام بھی جیسے آفت کی طرح اچانک نازل ہوگئی تھی۔ پتا بھی نہیں چلا تھا وقت گزرنے کا۔

دیگر مہمان بھی آ چکے تھے جن میں حفصہ خالہ کے بچے اور انعام علی بھی شامل تھے۔

ثمینہ نے زبردستی ابٹن کا ایک ''دور'' اور چلا کر نائلہ کو نہانے کیلئے بھیج دیا تھا۔

صفیہ نے انہیں خاص تاکید کی تھی کہ وہ نائلہ کے ساتھ ساتھ ہی رہیں۔

نبیلہ نے جس صبر' برداشت اور حوصلے کا مظاہرہ کیا تھا' اسے دیکھ کر ان کا دل جیسے پھٹ رہا تھا۔ وہ ہر کام ثما آگے تھی اور یہ بات کہ اس کا چہرہ بھی کسی قسم کے تاثرات سے خالی تھا۔

صفیہ نے اسے ہدایت کی تھی کہ جب تک نکاح نہ ہو جائے وہ نائلہ کے سامنے نہ جائے۔ مبادا اس کی ذہنی جائے اور کوئی نئی مشکل آ کھڑی ہو۔

شکیلہ انعام علی آمد کے بعد اپنی افتاد میں گھر گئی تھی۔ اور انعام علی کے ''ترلے پانے'' میں مصروف ہوگئی تھی۔ تیاری بھی کسی مرحلے سے کم نہیں تھی۔

جس وقت بارات کی آمد کا غلغلہ ہوا۔

ثمینہ نائلہ کے بال سلجھا رہی تھیں' چھوٹی خالہ اس کے ہاتھ پاؤں میں نیل پالش لگانے میں مصروف تھیں' انعام علی سے ''فارغ'' ہو کر اپنی تیاری میں لگی ہوئی تھی۔

ایک تو انعام علی اس کے سر پر سوار تھے۔ دوسرے مہمانوں کی سوالیہ نظریں۔ وہ خاصی الجھی ہوئی اور پریشان تھی۔ یہی ی کہ اسے نائلہ کے پاس بیٹھنے کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔

اور نائلہ پر ایک نہ ٹوٹنے والا سکوت طاری تھا۔ چھوٹی خالہ کے ہنسی مذاق' چھوٹی ممانی کی شوخیاں' شہوار کی بدحواسیاں کسی بات کا کوئی اثر نہیں تھا۔

پھر حفصہ خالہ نے آ کر اطلاع دی کہ نکاح کیلئے مرد آ رہے ہیں۔ کمرہ خالی کر دو۔ نائلہ نے متوحش نظروں سے پھوپھو طرف دیکھا جیسے کوئی جانور ذبح ہونے جا رہا ہو۔

ثمینہ نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

''گھبراتے نہیں بیٹا' ہمت سے۔''

صفیہ نکاح خواں' وکیل اور گواہوں کے اندر جانے کے بعد دروازے پر کھڑی کانپ رہی تھیں' ہر آواز پر بری طرح پڑتی تھیں۔ یوں جیسے کسی بری خبر کا احتمال ہو۔

گواہوں میں چھوٹے ماموں اور انعام علی شامل تھے اور وکیل بڑے ماموں بنے تھے۔

''نائلہ شیخ۔ ولد شیخ رحیم الدین آپ کو پچاس ہزار' ہر مؤجل کے عوض بابر مرتضیٰ ولد مرتضیٰ حسن کے نکاح میں دیا جاتا کیا آپ کو قبول ہے؟''

نکاح خواں کی آواز کے ساتھ ہی کمرے میں گہرا سکوت چھا گیا۔

''ہاں کہو نائلہ۔'' ثمینہ نے اس کے کان میں سرگوشی کی مگر وہ تو پتھر کا بت بنی ہوئی تھی یا پھر جیسے بہری ہوگئی تھی۔

''بیٹے! زور سے بولئے تاکہ یہاں موجود گواہ بھی سن لیں۔'' نکاح خواں نے تاکید کی۔

مگر نائلہ کے بستہ لبوں میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔

شیخ رحیم الدین جو پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔ مارے پریشانی کے یہاں سے وہاں تک ایک ٹہل لگائی پھر صفیہ کے کر دبی زبان میں گویا ہوئے۔

''تم جاؤ' اس کے پاس۔''

صفیہ وحشت زدہ سی فوراً ہی اس کے پاس آ گئیں۔ ثمینہ نے کھسک کر ان کیلئے جگہ بنائی۔ اس کی طبیعت دراصل بہت ہے۔'' ثمینہ نے جیسے کھسیا کر انعام علی کی طرف دیکھا تھا۔

''نائلہ!'' صفیہ نے آواز دی۔

''بیٹے ہاں کہو۔'' وہ اس کے کان میں کہہ رہی تھیں۔ ساتھ ہی اس کا ہاتھ دبایا۔

نائلہ میں' ماں کی آواز سن کر زندگی بیدار ہوئی اور وہ جیسے کسی خواب سے چونکی۔

''جی!'' اس کی آواز ابھری۔

کتنا بار کی تکرار کے بعد ایک ''جی'' بہت واضح تھا۔ سن نے سب لیا۔

نکاح خواں نے فارم دستخط کیلئے اس کے سامنے کر دیا۔ اور نشان دہی کی۔

مبارک سلامت کا شور بلند ہوا۔

''مبارک ہو شیخ صاحب!'' نہ جانے کس کی آواز تھی۔

اور نائلہ بے ہوش ہو کر صفیہ کی بانہوں میں آ رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میک اپ یوں بھی اس کا ہلکا تھا۔ اس لئے بری طرح رونے سے سب دُھل گیا تھا۔ اس کی نند نے سب سے
کے میک اپ کی طرف توجہ دی۔

وہ بہت پیار سے اس کو سنوار رہی تھی۔

بچے بچیاں اس کے بیڈ پر لدے ہوئے تھے۔ اور کسی دلچسپ تماشے کی طرح اس کا دیدار کر رہے تھے۔

وہ ایک دم خالی الذہن تھی۔ اسے قطعی ہوش نہیں تھا کہ اس کے ارد گرد کیا ہو رہا ہے۔ آنسوؤں کی ایک لہر تھی جو ا
پورے وجود پر چھائی ہوئی تھی۔

گاڑی میں اس کی ساس' نند اور دو خواتین تھیں۔ بابر مرتضیٰ گاڑی خود ڈرائیو کر رہے تھے۔ وہ لوگ بے تحاشہ
بھی کر رہے تھے' مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

نہ وہ بابر مرتضیٰ کی آواز سن کر متوجہ ہوئی تھی۔

اس کے ذہن کی سکرین پر صرف ایک چہرہ چپکا ہوا تھا اور وہ تھا "نبیلہ" کا چہرہ۔

اس کے کان میں صرف اس کی آواز سن رہے تھے۔

"نیلی' نیلی' چندا' نیلی گڑیا۔ نائلہ۔"

اس کا سواگت کیسے ہوا؟ کس نے اس سے بات کی۔ کس نے اسے پیار کیا۔ کس نے اس کا شرارہ سنبھالا۔ ک
ٹیکہ ٹھیک کیا۔ اسے کسی چیز کا احساس نہیں تھا۔

وہ تو جیسے کل کی گڑیا تھی۔

اس میں بیٹھنے کی سکت نہیں تھی۔ وہ گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر لیٹی تو تھکے ہوئے اعصاب فوراً ہی نیند کی آغوش
گئے۔

نہ جانے کیا وقت ہوا ہوگا۔ جب کسی نے اس کا رخسار تھپتھپایا۔

اس پر ایک بے خبری کی کیفیت طاری تھی۔ بڑے آرام سے کروٹ بدل کر پھر سو گئی مگر اپنے بازو پر گرفت
کرتے ہی جیسے حواس ایک دم جاگ گئے۔

اس کی نند کی لطیف سی سرگوشیاں گویا تعاقب میں چلی آئیں۔

وہ ایک دم بڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی اور کانپتے ہاتھوں سے دوپٹہ درست کیا۔

بے ساختہ نظریں اٹھ گئی تھیں۔

سیاہ کوٹ بیڈ پر پڑا ہوا تھا' سرخ ٹائی اور سفید شرٹ سے اوپر ایک چہرہ مسکرا رہا تھا۔ اس نے گھبرا کر نظریں جھ

"بھئی' مجھے اپنی بہن پر بہت اعتماد ہے۔ بہت انڈرسٹینڈنگ ہے ہم دونوں میں۔ میں صبح کو اس کا
شکریہ ادا کروں گا۔"

نائلہ کی ہتھیلیوں میں پسینہ اتر آیا۔

"میں بڑا قطعی قسم کا انسان ہوں۔ بے کار تکلفات میں وقت ضائع نہیں کروں گا۔ آپ کے حسن بے بہا کی
سی قدر افزائی ہے۔ قبول کیجئے۔"

اس کا ہاتھ تھام کر خوبصورت سی انگوٹھی پہنا دی گئی۔

نائلہ ساکت و صامت بیٹھی رہی' وہ نہ جانے کیا کیا کہتے رہے۔

یہاں تک کہ لباس تبدیل کرنے چلے گئے۔

نائلہ نے فوراً اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا' جو چند لمحات قبل بابر مرتضیٰ کے ہاتھ میں تھا۔

انگوٹھی بہت خوبصورت اور قیمتی تھی۔

اس نے ایک گہری سانس لے کر کمرے میں نگاہ دوڑائی۔ آف وہائٹ دیواروں کے ساتھ سرخ دبیز کارپٹ کمرے
اصول میں عجب شاہانہ پن پیدا کر رہا تھا۔ کمرے میں سامان کا ہجوم نہیں تھا۔ جو شے بھی تھی وہ ضروری اور معقول تھی۔

ابھی وہ جائزہ بھی نہ لے پائی تھی کہ وہ شب خوابی کے لباس میں ملبوس اس کے نزدیک چلے آئے اور نیم دراز ہو کر
اپنی گاؤ تکیے پر ٹکا دی۔

"آپ بھی چینج کر لیں" ایزی ہو جائیں' میں ذرا آج کی "ڈوز" لے لوں" وہ ایک پڑیا کھول رہے تھے' لہجہ غیر معمولی
اس لئے نائلہ نے چونک کر ان کے ہاتھوں کی سمت دیکھا۔ پڑیا میں سے مہکتا ہوا پان برآمد ہوا تھا۔

"یہ عام پان نہیں ہے۔ اس میں "جادو کی پری" بند ہوتی ہے۔ اسے کھانے کے بعد ہم دو آؤٹ فلائی نئی دنیا میں سفر
تے ہیں۔ یہ میں اس لئے بتا رہا ہوں کہ میری کسی تبدیلی پر آپ پریشان نہ ہوں۔ یہ میری پرائیویسی کی بات ہے اور
اب میری پرائیویسی کا حصہ ہیں۔"

وہ فوخیز دلہن سے زیادہ اس وقت اپنے پان کی سمت متوجہ تھے۔

صبح کو جب لڑکیاں نائلہ کو لینے گئیں تو شیخ صاحب نے حکم صادر کر دیا کہ صرف ثمینہ اور چھوٹی خالہ ناشتا لے کر جائیں
اور صرف شکیلہ ہی ان کے ساتھ جا سکتی ہے۔

لڑکیاں جھاگ کی طرح بیٹھ گئیں کہ کچھ کر نہیں سکتی تھیں۔

ثمینہ نے انیلا کی سفارش بھی کی مگر شیخ صاحب نے قطعی انداز میں انکار کر دیا۔

تو تو یہ چکے تھے' تینوں ہیڑ دھپڑ تیار ہوئیں اور احمر کے ساتھ نائلہ کے سسرال پہنچیں۔

تینوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا گیا اور ادھر اُدھر کی باتیں شروع ہو گئیں۔ ثمینہ نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ایسا
لہ ہو رہا تھا جیسے نائلہ کے سسرال والے بھول گئے ہوں کہ وہ لوگ کس مقصد کے تحت آئی ہیں۔

"بھابھی سو رہی تھیں' ابھی ابھی جگا کر آئی ہوں' غسل سے فارغ ہو جائیں تو آپ لوگوں کو ان کے پاس لے چلیں
تب تک آپ چائے پیجئے۔ بالآخر نائلہ کی نند نے ان کی اُلجھن رفع کی۔

"اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔" شکیلہ کے اعصاب پر نامعلوم سا خوف سوار تھا۔

"بالکل فکر نہ کریں' بہت اچھی طبیعت ہے' بہت نائس ہیں ہمارے بھائی جان۔" نائلہ کی نند شرارت سے ہنسی۔

وہ تینوں بھی مسکرا دیں۔

آدھا گھنٹہ مزید گزر اتب جا کر کہیں وہ نائلہ کے کمرے میں پہنچ پائیں۔ ثمینہ کو بہت عجلت تھی' غالباً وہ سب سے آگے
تھی۔

وہ کمرے میں داخل ہونے لگیں تو بابر مرتضیٰ بڑے دُھلے دُھلائے سے باہر نکل رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر رُکے۔ بہت
گی سے سلام کیا اور ٹھیک طرف ہٹ کر انہیں راستہ دیا۔

ثمینہ..... تیزی سے اندر داخل ہوئیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نائلہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے چم چم کرتا فیروزی سوٹ پہنے بیٹھی تھی اور انگلیوں سے گیلے بال سلجھا رہی تھی۔ آ
میں ان تینوں کو اندر آتے دیکھا تو سر پر دوپٹہ جما کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور بے ساختہ سے انداز میں ثمینہ کے بازوؤں م
گئی اور زار و قطار رو پڑی۔

"ارے بھئی' رات کو رونا تو بامعنی تھا۔ اب کس سلسلے میں..... بہت بُری بات نیلی.....!"

ثمینہ اسے چپ کرا رہی تھیں مگر اس کے اشک رُکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ وہ اسے تھامے ہوئے بیڈ تک لا
اور آہستگی سے بٹھا دیا۔

تینوں اس کے سامنے ہی ٹِک گئیں۔

شکیلہ بڑے غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"بری بات' اس طرح نہیں روتے۔ کیا سوچیں گے تمہارے سسرال والے۔ چپ ہو جاؤ اب۔"

چھوٹی خالہ نے بھی ٹوکا۔

"شکیلہ! تم اس کے بال بناؤ' ناشتا بھی کرنا ہے ابھی اس نے' دس بج رہے ہیں۔"

شکیلہ فوراً اس کے بال سلجھانے میں مصروف ہو گئی اور آہستگی سے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"کیا ملا.....؟"

نائلہ نے سیدھا ہاتھ سامنے کر دیا جس میں کئی انگوٹھیاں سجی ہوئی تھیں۔ شکیلہ نے نئی انگوٹھی پہچان لی۔

"مبارک ہو....." وہ اسی طرح آہستگی سے بولی تھی۔ نائلہ نے اپنا ہاتھ پھر گود میں رکھ لیا تھا۔

"لاؤ تمہارا ہلکا سا میک اپ کر دوں' ویسے تم اس سادہ چہرے کے ساتھ ہی غضب ڈھا رہی ہو۔ ماشاء اللہ دُلہنا
روپ آیا ہے' اللہ نظر بد سے بچائے۔"

وہ اس کا وینسٹی بیگ آگے رکھ کر مطلوبہ اشیاء تلاش کرنے لگی۔

ہلکی سی کلینزنگ کریم لگا کر جب وہ کمپیکٹ اس کے چہرے اور گردن پر استعمال کرنے لگیں تو ایک دم چونک پڑیں۔

"یہ تمہاری گردن پر نشان کیسے ہیں؟" وہ گردن سے کچھ نیچے نظر آنے والے نشان کو بغور دیکھنے لگیں اور بلا ارادہ
سے چھو لیا۔

نائلہ کے منہ سے بے ساختہ "سی" کی آواز نکلی..... چھوٹی خالہ بھی چونک گئی تھیں۔

"لگتا ہے تم نے بہت تنگ....." وہ کچھ کہتے کہتے رُک گئیں۔ وہ اگرچہ اس کے ساتھ شرارت کر رہی تھیں مگر اند
اندر وہ نہایت تشویش میں مبتلا ہو رہی تھیں۔

"یہ کیا ہے نیلی.....؟" شکیلہ کے ہاتھوں کی گردش رُک گئی تھی۔

نائلہ نے ایک دم دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

تینوں دم بخود سی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"نیلی..... ہم تمہارے اپنے ہیں۔ کوئی بات ہے تو ہمیں بتاؤ۔" ثمینہ کا دِل تڑپ سا گیا۔

"کچھ نہیں پھوپھو....."

"کیسے کچھ نہیں" شکیلہ ایک دم اس کے سامنے آ گئی۔ "کیا ہے یہ.....!" وہ جیسے سخت الجھن میں مبتلا ہو چکی تھی۔

"وہ رات کو میں زیور پہنے پہنے سو گئی تھی۔ وہ جو امی کی طرف کا نیکلس ہے اس کا ڈیزائن بہت ابھرا ہوا ہے۔

ات ہیں۔" وہ آنسو روک کر بولی۔

تا بے تکا جواز تھا کہ تینوں ایک دم چپ سی ہو کر رہ گئیں۔

"پھر تم روئیں کیوں.....؟" چھوٹی خالہ زیادہ دیر خود پر ضبط نہ کر سکیں۔

"مجھے آپ کا خیال آ گیا تھا۔ یہ نیکلس انہی کیلئے بنوایا گیا تھا۔"

ثمینہ نے اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی..... اور جیسے کسی نتیجے پر پہنچ کر اس کر گردن پر موجود نشانات پر ٹالکم پاؤڈر چھڑکنے

"تمہیں تو رات کو تقریب سے واپس آ کر جھٹ کپڑے تبدیل کر کے منہ دھوتے ہوئے آلکس نہیں آتا۔ زیور پہنے
ے سو گئیں.....؟"

شکیلہ نے واضح کر دیا کہ وہ نائلہ کے جواب سے مطمئن نہیں ہے۔

ی دم بابر مرتضیٰ اندر چلے آئے۔

"کیا ناشتا لنچ کی صورت میں کرنے کا پروگرام ہے.....؟" وہ سامنے صوفے پر مسکراتے ہوئے بیٹھ رہے تھے۔ ثمینہ
یت گہری نظروں سے ان کی سمت دیکھا۔ سفید قمیض شلوار اور سیاہ لیدر کے سلیپر پہنے ہوئے وہ نہایت باوقار دکھائی
ہے تھے' تازہ شیو کی نیلاہٹ اور بالائی لب پر چھائی ہوئی مونچھوں سمیت چہرے میں بلا کی جاذبیت تھی۔

ئر اسٹائل میں بھی اہتمام واضح تھا۔

ہیں ایسے محسوس ہوا جیسے وہ کوئی لکھاری ہوں۔ ان پر کوئی کہانی "وارد" ہو رہی ہو اور اس کہانی کا عنوان ہو "مہذب

"میں آپ جیسی اسمارٹ آنٹیوں کو بہت پسند کرتا ہوں۔" بابر مرتضیٰ ثمینہ کو اپنی جانب غور سے دیکھتا پا کر مسکرائے۔

"تھینکس اے لوٹ" ثمینہ سنبھل کر مسکرائیں۔

کچھ بھی تھے۔ بلا کے پُراعتماد دکھائی دیتے تھے۔

ی دم ناشتے کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی نائلہ کی نند اندر آ گئی۔

"بھابھی.....! بھائی جان کا تو آدھے دن کا روزہ کرا دیا آپ نے۔" وہ شرارت سے ہنسی۔

"ادھر ہمارے ہاں کے مہمان یہ سن کر بہت بے تاب سے ہیں کہ آپ کے میکے والے آپ کو لینے آئے ہیں۔ وہ کہہ
یں ابھی تو ہم نے ٹھیک سے دلہن کو دیکھا بھی نہیں ہے۔ خاص طور پر ہمارے اسد بھائی تو ہم سے سخت ناراض ہیں کہ
بھابھی سے تعارف کیوں نہیں کرایا گیا۔"

"بھئی تم بھیج دو اسد کو یہیں۔" بابر مرتضیٰ نے بہن سے کہا۔

"پہلے آپ ناشتہ تو کر لیں....."

"تم بلاؤ اسد کو۔ ان کی آمد سے ناشتے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔"

نائلہ کی نند نے ٹرالی بیڈ کے ساتھ لگا دی اور ایک کرسی کھینچ کر مقابل رکھ دی۔

"آ جائیں بھائی جان..... میں بھیجتی ہوں اسد بھائی کو۔"

"اچھا ہم ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہیں۔ آپ لوگ ناشتہ کریں۔" وہ تینوں اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

کمرے سے باہر آنے لگیں تو نائلہ کی نند ایک اسمارٹ سے مرد کو ساتھ لے کر آتی دکھائی دی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آنٹی......یہ ہمارے اسد بھائی ہیں۔ ہماری پھوپھی جان کے اکلوتے صاحبزادے۔ اسد بھائی یہ نائلہ بھابی کی بہن ہیں اور یہ پھوپھی اور یہ سب سے چھوٹی خالہ۔''

نائلہ کی نند نے تینوں سے تعارف کرایا۔

اسد شکیلہ کو دیکھ کر چونک پڑے تھے۔ پہلے تو انہیں کچھ یاد نہ آیا۔ کافی غور کے بعد دھیان آیا۔ کل وہ انعام علی کی بیٹی کی تقریب میں دیکھ کر بھی قدرے حیران ہوئے تھے۔ پھر وہ سوچ کر رہ گئے تھے کہ ہوگا دلہن سے کوئی رشتہ۔

بڑی ہنگامی حالت میں ذرا دیر کو ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ دونوں کے ذہن اس ملاقات کو بھولے ہوئے تھے چونکہ وہ اس روز نور بانو کو وہاں چھوڑ آئے تھے۔

اور کئی راز ان پر آشکار ہوئے تھے اس لئے وہ ان کے چہرے کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے تھے۔ شکیلہ کترا کر آگے بڑھ گئی تھی۔

اس کا دل کانپنے لگا تھا۔ وہ اس کے گھر کے بھیدی تھے۔ شیخ صاحب نے صفیہ سے غلط بیانی کی تھی کہ انعام علی کی بیگم داغ مفارقت دے چکی ہیں۔ وہ سوچ رہے تھے کہ بعد میں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

جب شکیلہ ہی نے گھر میں کوئی ذکر نہیں کیا تو وہ بھی خاموش ہی ہو رہے تھے اور اسے بیٹی کی ''سمجھداری'' پر محمول کر رہے تھے اور انہیں تشویش اس لئے بھی نہیں تھی کہ انعام علی نے شیخ صاحب کو بتا دیا تھا کہ ان کا اپنی بیوی سے کوئی تعلق نہیں ہے اور شیخ صاحب نے اپنے طور پر اس کی تصدیق بھی کرالی تھی۔

شکیلہ نہایت فکر مند سی نظر آنے لگی تھی۔ اگر کسی طرح امی کو ساری حقیقت کا پتا چل گیا تو ان پر تو نئے سرے سے قیامت گزر جائے گی، وہ سوچ رہی تھی۔

انعام علی تو علی الصبح کراچی روانہ ہو گئے تھے ورنہ وہ ان سے کہہ سن کر ہلکی ہو جاتی۔ وہ تینوں ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گئی تھیں مگر شکیلہ کا ذہن مسلسل اسد کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

احمر ایک کونے میں مستقل ایک میگزین کھولے مگن تھا۔

آدھے گھنٹے بعد نائلہ اپنی ساس کے ہمراہ ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔ کریم کلر کی چادر اوڑھے ہوئے تھی اور سا پرس اس کے ہاتھ میں تھا گویا بالکل تیار تھی۔

''چار بجے لینے آجائیں گے ہم۔ ظاہر ہے شام کیلئے بھابھی کو تیار کرنا بھی کرنا ہوگا۔''

نائلہ کی نند نے پیچھے سے آ کر کہا۔

''چار بجے......!!!'' نائلہ نے قدرے پریشان ہو کر اپنی نند کی شکل دیکھی۔ وہ تو سوچ رہی تھی کہ گھر جا کر بہت دیر تک سوئے گی۔

رات سے اب تک وہ مسلسل جاگ رہی تھی۔

''چھ بجے تک آجائیے گا آرام سے......'' ثمینہ نے کہا۔

''لیکن بھابھی کو پارلر لے کر بھی جانا ہے۔ آپ تو جانتی ہیں آنٹی! دلہن کی تیاری میں کتنی دیر لگتی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ جیسے آپ کی مرضی۔'' ثمینہ نے اس کی مشکل سمجھی۔

شکیلہ اور نائلہ کی نند دلہن کو تھامے ہوئے گاڑی تک لائیں۔ اسد اور بابر مرتضیٰ وہاں پہلے سے موجود تھے۔

''بھابھی...... بابر کو ساتھ ہی لے جائیے۔ ورنہ یہ ہمیں یہاں پریشان کریں گے۔'' اس نے مسکرا کر نائلہ سے کہا۔

بابر کی سادہ سی شرارت نے بھی نائلہ پر کوئی اثر نہ کیا۔ حتیٰ کہ اس نے ایک نظر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تک نہیں۔ نائلہ کی بڑی سی چادر نیچے لٹک رہی تھی۔ بابر نے آگے بڑھ کر اندر کی۔ اسد کا جاندار قہقہہ اتنا بے ساختہ تھا کہ بابر بھی جھینپ کر ایک دم پیچھے ہو گئے۔

پھر اسد کی طرف گھور کر دیکھتے ہوئے گویا ہوئے۔

''تو پوچھیں گے تمہیں بھی کبھی......ادھار رہا۔''

''تو پھر میں احتیاطاً ان سے کہہ دوں گا کہ......چادر نہ پہنیں۔ اسد نے برجستہ کہا۔

وہ سب کی سب دونوں کی جملے بازی سے محظوظ ہو کر مسکرا پڑی تھیں۔ سوائے نائلہ کے۔

صفیہ نے شہوار کیلئے بطور خاص ولیمے کے دن کیلئے خوبصورت سا سوٹ تیار کرایا تھا۔ احسن ہی کے بھیجے ہوئے پیسوں سے انہوں نے شہوار کیلئے کئی سوٹ، سینڈلیں اور ایک نازک سا سونے کا سیٹ خریدا تھا۔

اس کے لئے گجرے منگا کر فریج میں رکھ چھوڑے تھے۔ اپنی چاندی کی پازیب پالش کرائی تھی اور شہوار کو پہننے کی تاکید کی تھی۔

[illegible]

وہ تو موجود افراد میں سب سے زیادہ اہمیت شہوار کو دے رہی تھیں۔ اس کی موجودگی سے جیسے وہ خود کو احسن کے قریب محسوس کر رہی تھی۔

جس سہاگن کا مرد اس کی زندگی میں رنگ نہ بھرے اس کا دل چھالے کی طرح ہوتا ہے۔ عورت کی زندگی کا یہی موڑ ہے جب یا تو وہ سیراب ہو جاتی ہے یا ہمیشہ کیلئے بجھ جاتی ہے۔'' وہ نہایت دکھ سے اپنا ہی کوئی تجربہ بیان کر رہی تھیں۔

ثمینہ تو حقیقت حال سے الف سے ی تک واقف تھیں۔ بھاوج کی طرف صرف دیکھ کر رہ گئیں۔

نائلہ کی نند اور اسد اسے لینے آئے تھے۔

صفیہ نے دیکھا کہ نبیلہ نائلہ کو خود اٹھانے گئی تھی۔

نائلہ گہری نیند سے جاگی تو نبیلہ کو خود پر جھکا پایا۔

''اٹھو نیلی......! وہ لوگ تم کو لینے آگئے ہیں۔''

نائلہ سستی سے لیٹی ٹکر ٹکر اسے دیکھتی رہی۔

''آپا......!''

نبیلہ......جاتے جاتے رک گئی۔

''ادھر آئیں۔''

نبیلہ اس کے قریب چلی آئی۔ ''ہوں......؟''

نائلہ اٹھ کر بیٹھ گئی...... ''یہاں بیٹھیں آپا۔''

نبیلہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔

''آپا اگر آپ کو پتا چلے کہ آپ انتہائی درجے کی خوش نصیب ہیں تو......؟''

نبیلہ کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ ایک لمحے کو آئی اور غائب ہو گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپا..... میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ مگر آپ میرے سر کی قسم کھائیں کہ آپ کسی سے بھول کر بھی نہیں کریں گی۔''

نبیلہ نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔

''کہو۔''

''نہیں' پہلے وعدہ کریں۔''

''اچھا چلو وعدہ.....''

''آپا! میں قسم کھا کر کہتی ہوں' آپ بہت لکی ہیں۔''

''میں تم سے کچھ کہہ رہی ہوں کیا.....؟ پھر کیوں بہلا رہی ہو.....؟''

''میں آپ سے سچ کہہ رہی ہوں آپا.....

آپ کی بہت بڑی بچت ہوگئی ہے۔ آپ بابر مرتضیٰ کی ظاہری شخصیت پر نہ جائیں.....'' اس کی آواز بھرا گئی۔

نبیلہ نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔

''پتا نہیں کس نیکی نے آپ کو بچا لیا ہے آپا.....!'' اشک نائلہ کے رخساروں پر بہہ نکلے۔

''صاف بات کرو نیلی..... ورنہ میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔''

نائلہ نے اپنی آستین اوپر تک کھینچ لی..... ''یہ دیکھیں۔''

بازو کے اوپری حصے پر سرخ نشان تھے۔

''آپا وہ ایک اذیت پرست نفسیاتی مریض ہیں۔ اور..... اور..... بس میں آپ کو بتا نہیں سکتی۔ یوں سمجھیں کہ پلا آف پیرس..... کے ڈیکوریشن میں پیتل کی پتری چڑھی ہوئی ہے۔ اور.....''

''اور کیا.....؟'' نبیلہ ایک دم حواس باختہ نظر آنے لگی۔

''اور جب ان کو نشہ چڑھتا ہے تو'' وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر بری طرح رو پڑی۔

''نشہ.....!!'' نبیلہ کے تو جیسے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔

''آپ کو قسم ہے آپا۔ آپ گھر میں کسی کو نہیں بتائیں گی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری ماں ہی ہم سے چھن جائے۔ اگر کو پتا چل گیا تو اس بار وہ ابا جی کو معاف نہیں کریں گی۔

میں آپ کو بھی ہرگز نہ بتاتی۔ صرف اس لئے بتا رہی ہوں تا کہ آپ کو اپنی خوش نصیبی کا یقین آئے اور آپ کا ا بحال ہو..... اور آپ خوش رہنے لگیں۔''

''یہ تو بہت بڑا دھوکا ہے' آئیں ذرا بابر صاحب کی بہن صاحبہ میرے سامنے۔'' نبیلہ تو جیسے کسی طوفان کی زد میں آ تھی۔

''آپا..... دیکھیں..... آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔'' نائلہ نے اس کا ہاتھ تھام لی۔

''مگر کیا تم انسان نہیں ہو؟ میں بچ گئی تو کیا تم نہیں پھنس گئی ہو.....؟ کیا تم انسان نہیں ہو اور پھر سارے قصے میں تم کیا قصور ہے؟ تم بھی تو اتنی ہی بے قصور ہو جتنی کے میں۔ ان لوگوں سے بات صاف ہونی چاہئے۔ یہ تو گویا عمر بھر کا رو ہے۔''

''مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا سوائے اس کے کہ ہمارے گھرانے کا ایک بار پھر تماشا بنے۔''

''اگر آپ نے کسی سے ذکر کیا تو میں آج کے بعد پھر یہاں کبھی نہیں آؤں گی۔ چاہے وہ کاٹ کر میرے ٹکڑے ا نے قطعیت سے کہا۔

اگ کی طرح بیٹھ گئی۔

ے ہوئے ہیں وہ ڈرامے باز لوگ.....'' اس کے لہجے میں گہرا کرب و دُکھ صاف محسوس ہو رہا تھا۔

تم یہاں آئیں اور یہیں کی ہو گئیں بلو.....! وہ لوگ جلدی کا شور مچا رہے ہیں۔'' شہوار باہر ہی سے بولتی ہوئی اخل ہوئی۔

تم فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔''

اب ہے۔ کل شام سے ایک ہی تکرار..... تیار تیار..... ہونہہ.....!''

ی..... ہم سے اداکاری..... اتنا شاندار سا دولہا پا کر بہت اِترا رہی ہو۔''

نے اسے گدگدایا۔ نبیلہ باہر نکل چکی تھی۔

نے اس کے ہاتھ تھام لئے۔ ''پلیز بھابھی جان!''

ے یہی کپڑے ٹھیک ہیں۔ پاگل نہیں ہوں میں جوڑے پر جوڑا بدلتی رہوں..... اور آیا کون ہے؟'' وہ باہر نکلتے

پ کے دیور صاحب ہیں اور وہی آپ کی دُم نند صاحبہ' بابر صاحب ولیمے کے انتظامات میں مصروف تھے۔

''

وفی سے مسکرائی' نائلہ باہر نکل گئی۔

ں دولہا والوں نے اچھے خاصے افراد بلائے تھے اس لئے صفیہ نے محلے کے خاص خاص گھروں میں تمام افراد ن کیا تھا۔

ا بھابھی کے ساتھ آئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹا سا کیمرہ تھا۔ غالباً وہ نائلہ کی تصاویر اتارنے کا پروگرام بنا

ار کے کانوں میں آویزے ڈال کر سہارے بالوں میں نکار رہی تھیں۔

گی سے سلام کر کے ایک کونے میں بیٹھ گئی تھی۔ غایت درجے کی اجنبیت اس کے انداز سے صاف محسوس ہو

ں آئیں بیٹا؟'' صفیہ نے اخلاقاً پوچھا۔

طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' روبی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

ا کے انداز پر خاموش سی ہو کر رہ گئیں۔

ر جس پر سنہرا کام بنا ہوا تھا' کی ساڑھی میں ملبوس صفیہ اور دِنوں سے خاصی مختلف نظر آ رہی تھیں۔ ایک بار یت اب ان کے چہرے سے چھلکنے لگی تھی۔

کے داماد کی اس قدر تعریف ہوئی تھی کہ وہ وقتی طور پر بہل سی گئی تھیں۔

ضرور پہن لینا' بہت اچھی لگیں گی۔'' انہوں نے شہوار کو ہدایت دی اور اپنے اگلے کسی کام میں مصروف ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئیں۔

انہوں نے نبیلہ کو چلنے کے لئے نہیں کہا تھا مگر انہوں نے دیکھا کہ وہ زرد رنگ کے خوبصورت لباس میں تیار تھی۔ اور کل کے مقابلے میں خاصی چاق و چوبند دکھائی دے رہی تھی۔ ان کو قدرے اطمینان کا احساس ہوا۔

گھر میں سے شیخ صاحب کے علاوہ سب ہی دلیمے میں جا رہے تھے۔

دولہا والوں کے ہاں پہنچتے پہنچتے نو بج گئے تھے۔

رنگ و نور کے سیلاب میں نائلہ اور بابر مرتضیٰ سامنے ہی سٹیج پر بیٹھے تھے۔ فلیش کے جھماکوں میں دور ہی سے

تھے۔

صفیہ نے دیکھا۔ روبی تیزی سے اسٹیج کے قریب پہنچ گئی تھی اور مختلف زاویوں سے نائلہ اور بابر مرتضیٰ کی تصاویر

گئی تھی۔ جانے کیوں ان کا دل چاہا کہ اسے روک دیں اور اسے گلے سے لگا کر کہیں "بیٹی اب کیا فائدہ.....؟"

مگر پھر خود ہی انہوں نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔

نائلہ کے چہرے پر میکے والوں کو دیکھ کر عجیب سی جگمگاہٹ نظر آئی۔ مگر جیسے ہی روبی پر نگاہ پڑی اس کی آنکھیں بجھ گئیں۔

روبی اسٹیج پر چڑھی۔ نائلہ کے چہرے پر پسینہ سا آ گیا۔

بائیں طرف بابر بیٹھے تھے۔ روبی دائیں طرف اس سے چپک کر بیٹھ گئی۔

"بہت پیاری لگ رہی ہیں آپا۔ مبارک ہو۔

نائلہ کی جھکی نظریں نہ اٹھ سکیں۔

"ہمارے ساتھ زیادتی کا ملال شاید آپ کو نہ ہو کہ آپ کے دولہا بہت پیارے ہیں۔"

"کیا آپ لوگ بھی امیدواروں میں شامل تھے؟" بابر مرتضیٰ نے مسکرا کر پوچھا۔

انہوں نے روبی کی سرگوشی سن لی تھی اور فوراً روبی کی بات اُچک لی تھی۔

کتنے ہوشیار اور چوکنے تھے کہ ایک دم بات کی تہہ تک پہنچ گئے تھے۔

نائلہ کا دل سوکھے پتے کی طرح لرز کر رہ گیا۔

کتنی لاپرواہ اور احمق ہے یہ روبی..... اسے جیسے غصہ آ گیا تھا۔

کم عمر ہے اسی لئے اتنی لاابالی اور کم عقل ہے۔ یہ بھی کوئی موقع ہے ان باتوں کا.....؟

"یقیناً ان امیدوار کا آپ سے کوئی قریبی تعلق ہوگا۔ وہ محفل میں شریک تو نہیں ہیں؟ کہیں ان کی نظر نہ لگ

ہماری بیگم کو۔"

بابر مرتضیٰ شرارت سے کہہ رہے تھے مگر نائلہ کا دل بیٹھنے لگا تھا۔

اسے یقین تھا کہ روبی کا اگلا جملہ کسی مصلحت اور..... عقل سے عاری ہوگا۔ اس نے آہستگی سے روبی کا ہاتھ

اسے خاموش رہنے کی تاکید کی۔

"آیئے امی..... آپ اس طرف آ جایئے..... ہمارا شو تو ختم ہوا اب آپ لوگ تصویر بنوایئے۔" بابر

کھڑے ہو کر صفیہ کو متوجہ کیا۔

"حالانکہ دل تو نہیں چاہ رہا اٹھنے کا۔" انیلا نے چھیڑا۔

آپ لو میرے دل کی خبر کیسے ہوئی؟" وہ بھی برجستہ بولے۔ ایک قہقہہ پڑا۔

آیئے امی..... پلیز....." انہوں نے پھر ساس کو متوجہ کیا۔

رے نہیں..... آپ بیٹھیں بیٹا....." وہ رواداری سے گویا ہوئیں۔

آپ کھڑی ہیں اور میں بیٹھوں.....؟ آیئے پلیز....." وہ انکساری سے کہہ رہے تھے۔

یہ تہذیب کا نمائندہ..... یا صفِ اول کا اداکار.....؟ نائلہ کا دم گھٹنے لگا۔

پارسی ساڑھی میں شکیلہ بھی اسٹیج پر آ گئی تھی۔

او شکیلہ تم بیٹھو..... نبیلہ کہاں ہے.....؟" انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

مرتضیٰ اسٹیج سے نیچے اُتر چکے تھے۔

کے منہ سے نبیلہ کا نام نکلتے ہی انہوں نے اس طرف دیکھا جہاں صفیہ دیکھ رہی تھیں..... نائلہ نے فوراً ہی ان کی

وٹ کی تھی۔

آگے بڑھی....." السلام علیکم۔" اس نے بابر مرتضیٰ کو سلام کیا۔

اس کے سامنے ٹوٹ گئے۔

علیکم السلام..... مزاج بخیر....." وہ جانچتی ہوئی نظروں سے اس کا جائزہ لے رہے تھے۔ نائلہ اس دم اپنے

ت کو کوئی معنی نہ پہنا سکی۔

د صفیہ نے بھی یہ بات نوٹ کی تھی۔ فوراً اسے پکارا تھا۔

لو..... ادھر آ جاؤ..... شکیلہ کے پاس۔"

مہمان بھی نبیلہ اور بابر مرتضیٰ کو بڑی دلچسپی سے دیکھنے لگے تھے۔ نبیلہ فوراً ماں کی آواز پر آگے بڑھ گئی تھی۔

مرتضیٰ نے ابھی تک نبیلہ کے موضوع پر اشارتاً بھی کوئی بات نہیں کی تھی اور اس نے تو ابھی تک خود سے بابر کو

یا ہی نہیں تھا۔ بلکہ ان کی اکثر باتوں کا جواب ہوں ہاں ہی میں دیا تھا۔

باجی..... نائلہ نے پہلو میں بیٹھی ہوئی شکیلہ کو آہستگی سے مخاطب کیا۔

لو۔" شکیلہ نے پیار بھری نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا۔

کیا آج میں آپ لوگوں کے ساتھ گھر نہیں جا سکتی.....؟"

کیوں.....؟" شکیلہ حیران ہوئی۔ "میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

مگر جو آرام تمہیں اپنے پُرسکون بیڈ روم میں ملے گا وہ آج کل گھر میں تو نہیں مل سکتا..... کیونکہ گھر تو مہمانوں سے

ہے۔"

ملا ایک دم چپ سی ہو گئی۔ پھر ذرا دیر بعد گویا ہوئی۔

پھوپھو کہاں ہیں..... پلیز انہیں بلا دیں۔"

پتا نہیں پھوپھو تو کس کس سے ملتی پھر رہی ہیں۔ ابھی تو یہیں تھیں۔ نظر آئیں تو بلوا لوں گی۔"

لہ نے جواب دیا۔

بھابی جان بھی انہی کے ساتھ ہیں۔ تم نے دیکھا انہیں..... قیامت ڈھا رہی ہیں۔"

ملا ایک دم کہتے کہتے رک گئی۔ ایک دم رُک گئی۔ ایک پہاڑ جیسا دُکھ دل پر آ پڑا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

احسن بھائی..... گھر کا اہم ترین فرد..... اہم ترین موقع پر پاس نہیں تھا..... اس کا دل بھر آیا۔ ایک دم اٹھ کھڑی

''کہاں جا رہی ہیں.....؟'' نائلہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''ابھی آتی ہوں پھوپھو کو لے کر۔'' وہ جلدی سے آگے بڑھ گئی۔

بعض اوقات خوشی بھی بہت بڑا فریب نظر ہوتی ہے۔

جیسے ہم سب بہنیں اس وقت چہچہاتے ملبوس میں خوش نظر آ رہی ہیں۔

امی بھابی جان کو جی جان سے سنوار کر نہ جانے اپنی کس تشنہ آرزو کی تکمیل کر رہی تھیں۔

خالائیں اور پھوپھو مسکرا مسکرا کر جیسے یقین دلا رہی ہیں کہ بحران گزر گیا ہے۔ اب تو بس خوشی ہی خوشی ہے۔

عمل اس کی سوچ سے مختلف ہے۔

اور میں..... شکیلہ نے سرد آہ بھر کر اِدھر اُدھر ثمینہ کو تلاش کیا۔

وہ ایک طرف کھڑی بابر مرتضیٰ کی والدہ سے گفتگو کرتی نظر آ گئیں۔

سادہ سا جوڑا بنائی آسمانی پلین ساڑھی میں ملبوس بہت باوقار نظر آ رہی تھیں۔ بابر مرتضیٰ اپنی والدہ سے مشابہت رکھتے تھے۔

شکیلہ ان دونوں کے نزدیک چلی آئی۔

''سچی بات ہے۔ مجھے آپ کی بھاوج کے رکھ رکھاؤ اور سادہ مزاج نے پہلی ملاقات ہی میں متاثر کیا تھا۔''

وہ ثمینہ سے کہہ رہی تھیں۔

''پھوپھو! آپ کو نائلہ بلا رہی ہے۔'' شکیلہ نے ثمینہ کو متوجہ کیا۔

ثمینہ نے فوراً سٹیج کی طرف دیکھا۔ ''معاف کیجیے گا۔ ابھی آئی۔'' وہ فوراً نائلہ کی سمت بڑھ گئیں۔

''آپ تو غالباً کراچی میں ہوتی ہیں۔'' بابر کی والدہ مہر افروز نے شکیلہ کی سمت روئے سخن کیا۔

''جی.....''

''سسرال میں ہی ہیں.....؟''

''جی نہیں..... الگ گھر ہے۔'' شکیلہ نے جیسے کترا کر جواب دیا تھا۔

''نائلہ کو بھی تنہا رہنا ہوگا..... بابر کے والد مستقل پنڈی میں رہتے ہیں۔ ظاہر ہے میرا اٹھکانا بھی انہیں کے سا
کاروبار تو ایک ہی ہے۔ مگر شاخیں کئی ہیں۔ مجھے بابر کی وجہ سے بہت پریشانی رہتی تھی۔ اب نائلہ آ گئی ہے تو بے فک
ہے۔'' وہ مسکرائیں۔

ابھی وہ دونوں باتوں میں مصروف تھیں کہ بابر بھی وہیں چلے آئے۔

اور چند لمحوں بعد ثمینہ بھی۔

''آپ سے ایک بات کی اجازت درکار ہے۔'' ثمینہ آتے ہی مہر افروز سے مخاطب ہوئیں۔

''جی.....''

''اگر آج ہم نائلہ کو اپنے ساتھ لے جائیں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔''

''بھئی، مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے..... یہ تو آپ بابر سے پوچھیے۔'' وہ مسکرائیں۔

مگر آج تو وہ ویسے بھی تھک گئی ہوں گی۔ میں صبح کو خود لے آؤں گا۔'' بابر نے جلدی سے کہا۔

ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے..... اس لیے.....''

پھر تو انہیں بالکل نہیں جانا چاہیے بلکہ آرام کرنا چاہیے..... کیوں امی.....؟''

اگر وہ خود جانا چاہتی ہے تو کوئی حرج نہیں۔'' مہر افروز نے فراخدلی سے کہا۔

ٹھہریے..... میں بات کرتا ہوں۔'' بابر مرتضیٰ نائلہ کی سمت بڑھ گئے۔

لیلا کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی۔ بابر مرتضیٰ کو اپنی سمت آتے دیکھ کر چپ ہو گئی۔

ایک منٹ پلیز.....'' بابر مرتضیٰ نے اپنی ایک کزن کو پہلو سے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ اور اس کے اٹھتے ہی اس کی خالی جگہ پر بیٹھ گئے۔

آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے.....؟''

جی.....''

آیئے پھر.....''

نے گھبرا کر ان کی سمت دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو کہ کہاں.....؟

ڈاکٹر یہاں بہت قریب ہے۔''

مگر مجھے تو صرف شدید تھکن کا احساس ہے۔ میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ گھبرا کر گویا ہوئی۔

پہلا مکمل جملہ تھا جو اس نے بابر مرتضیٰ کے سامنے بولا تھا۔

نائلہ..... جب دو افراد کسی معاہدے کے پابند ہوتے ہیں تو معاہدے کی کچھ اہم شقیں اپناتے ہیں۔ جن کی پابندی
ے کی روح ہوتی ہے۔

ب بات ہمیشہ کے لیے نوٹ کر لیجیے کہ آپ کو میں کبھی بھی اس گھر سے باہر رات گزارنے کی اجازت نہیں دوں
وہ قیام گاہ جہاں آپ ٹھہرنا چاہتی ہیں۔ آپ کے والدین کا گھر ہی ہو۔''

لہ کے ہاتھ برف ہونے لگے۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی بھیڑیا شکار قریب دیکھ کر تیز تیز سانس لے رہا
اسے چکر سا آ گیا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ تم یہیں ملو گے.....'' اسد کیمرہ تھامے ہوئے سٹیج سے بہت قریب کھڑے تھے اور شرارت سے
ہے تھے۔

یار میں بھابی کے کلوز اپ بنانا چاہتا ہوں، تاکہ تمہیں تحفے کی صورت میں پیش کر سکوں۔''

ں نے کیمرہ سنبھال کر ارد گرد کے افراد کو ہٹنے کا اشارہ کیا۔

لہ تو جیسے پتھر کا بُت بن کر رہ گئی تھی۔ اس کے چہرے پر گاہے گاہے فلیش پڑ رہی تھی مگر اسے جیسے کوئی احساس نہیں
تھا کہ اسد نے آگے بڑھ کر خود اس کا آنچل درست کیا۔ مگر اسے کسی بات کا احساس نہیں تھا۔

ب کھانا ختم ہوا..... کون اس کے پاس اس آیا۔ کس نے کیا کہا۔ اس کے اعصاب پر تو جیسے برف گر گئی تھی۔

لہ نے اس سے جانے کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے سر کی جنبش سے منع کر دیا تھا۔ نبیلہ جیسے اس کی
کھ ہی تھی۔ دُکھ سے اس کا دل جیسے شق ہونے لگا تھا۔ وہ فوراً ہال سے باہر چلی گئی تھی۔

گرائی خواتین اسے اس کے بیڈ روم میں چھوڑ گئی تھیں۔

لہ کے حلق میں جیسے کانٹے پڑے ہوئے تھے۔ وہ اپنے روپہلی شرارے میں الجھتی گرتی بیڈ روم ریفریجریٹر تک آئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔

فریج کھولتے ہی اس نے بوتلوں کو چھو کر دیکھنا شروع کیا کہ کون سی بوتل سب سے زیادہ ٹھنڈی ہے۔

فریج میں پانی کی بوتلوں سے زیادہ دواؤں کا سٹاک تھا۔ اس نے پُرتجسس نظروں سے ایک ایک ڈبیا اٹھا کر

شروع کی۔

مختلف دوا منرز تھے۔ معاً اسے ایک ڈبیا دیکھ کر قدرے سکون کا احساس ہوا۔ اس نے پانی کی بوتل باہر نکال کر فرش

کر دیا۔ اور تین گولیاں ویلیم کی ایک ساتھ لے کر ٹھنڈا پانی ایک سانس میں چڑھا گئی۔ اور گلاس دوبارہ بھر کر ڈبیا اور

واپس فریج میں رکھی اور نوچنے کے انداز میں ایک ایک زیور اتار کر سائیڈ ٹیبل پر اچھالنا شروع کیا۔ گلابی نیٹ کا اپنا

خوابی کا لباس تبدیل کیا۔ اور ایک اطمینیت بھرے انداز میں سر تکیے پر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔ چند لمحوں میں وہ سار

جہاں سے غافل ہو چکی تھی۔

شکیلہ تو انعام علی کی ہدایت کے عین مطابق ولیمے کے اگلے ہی دن کراچی جانے والی پہلی پرواز سے کراچی روانہ

تھی۔

ثمینہ ایک دو روز کے لیے اپنی سسرال یعنی لاہور روانہ ہو گئی تھیں۔ باقی مہمان بھی ان کے آگے پیچھے ہی وا

ہوئے۔ صفیہ گھر کی درستی میں لگی ہی تھیں کہ شیخ صاحب نے اطلاع دی کہ شکیلہ ہاسپٹل میں داخل ہے۔ انعام علی کا فو

تھا۔ یہ سنتے ہی ان کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ انتہائی غیر متوقع اطلاع تھی۔ ان کا تو پروگرام تھا کہ اس کے ہاں وا

سے بیس پچیس دن پہلے جائیں گی۔ اور اسی بہانے پہلے احسن سے ملیں گی پھر اپنے بہن بہنوئی سے جو احسن کے

ساتھ ان سے بھی سخت خفا تھے۔ نائلہ کی شادی میں عدم شرکت اس خفگی کا واضح ثبوت تھا۔

"پھر آپ میری اور شہوار کی سیٹ بک کرا دیں۔" صفیہ نے فوری فیصلہ کیا۔

"شہوار کی.....؟ مگر کیوں....."

میں اسے سردار بھائی کے پاس پہنچا کر آؤں گی۔ اور قاعدے قانون کے مطابق۔"

"آپ کے صاحبزادے تمام ضابطے پورے کر چکے ہیں۔..... غالباً آپ کو یاد نہیں۔" شیخ صاحب نے طنز

میں یاد دلایا۔

"مگر کیا یہ بچی ساری زندگی اسی چوکھٹ پر گزارے گی.....؟ مسئلے کا کوئی حل بھی تو نکالنا ہے۔ بس اس کی سیٹ

بک کروا دیں۔"

"انعام علی نے تمہیں ایمرجنسی میں بلوایا ہے۔ شکیلہ کی حالت بے حد خراب ہے۔ تمہیں جہاز سے جانا ہوگا۔

شادی سے فارغ ہوا ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کس قدر اخراجات....."

"آپ فکر نہ کریں..... آپ پر کوئی بوجھ نہیں ہوگا..... پیسے ہیں ہمارے پاس۔"

وہ ان کی بات کاٹ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

تھوڑی دیر بعد واپس آئیں تو ہاتھ میں کچھ رقم تھی۔

"یہ لیجیے..... ڈھائی ہزار ہیں....."

"کہاں سے آئے.....؟" شیخ صاحب کی بھنویں تن گئیں۔

"گھر میں تو ڈھالے نہیں ہیں۔ جو کچھ آپ دیتے ہیں۔ اسی میں سے بچاتی ہوں۔ بُرا بھلا وقت پوچھ کر تو نہیں آتا۔"

ی سے بولیں۔

"دیکھو اگر تم شہوار کو لے جا رہی ہو تو اس کا انتظام کر کے ہی آنا..... واپس لانے کی ضرورت نہیں۔"

فیہ نے کوئی جواب نہیں دیا خاموش ہو رہیں۔

یخ صاحب بکنگ کرانے ایئر پورٹ چلے گئے تو انہوں نے اپنا اور شہوار کا مختصر سا سامان چیک کیا۔ ساتھ ساتھ لڑکیوں

ت دینے کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

کیلہ کی طرف سے ایک فکر سی جو لگ گئی تھی اس کی گھبراہٹ علیحدہ تھی۔

شہوار اپنی واپسی کی خبر سُن کر اسی طرح بے تاثر تھی۔ اسے جیسے قطعی یقین تھا کہ اس کے ساتھ جو بھی آئندہ ہوگا اچھا

ہوگا۔

لڑکیاں اس کی واپسی کا سُن کر اداس ہو رہی تھیں۔

"اللہ کرے اب آئندہ جب ہم ملیں تو ہمارے ساتھ احسن بھائی بھی ہوں۔" نبیلہ نے دُعا کی تھی۔

شہوار کے ہونٹوں پر ایک لمحے کو تلخ سی مسکراہٹ ابھری تھی۔ "ہونہہ..... پتا نہیں کن سپنوں میں رہتے ہیں۔ یہ لوگ۔"

صفیہ تو کام دام چھوڑ چھاڑ جائے نماز سنبھال کر بیٹھ گئی تھیں۔ اور شکیلہ کے لیے دعاؤں میں مصروف تھیں۔

شیخ صاحب رات آٹھ بجے واپس ہوئے تھے۔ نائٹ کوچ سے روانگی تھی۔ لہٰذا رات کالی ہونا تو لازمی تھی۔

شہوار جب صفیہ کے ساتھ گھر سے باہر آ رہی تھی تو اس کا دل کانپ رہا تھا۔ خدا معلوم اب اگلی منزل، اگلا مرحلہ کیا

.....؟

صفیہ تو پلین میں بھی تسبیح پڑھنے میں مصروف رہی تھیں۔ جب کہ شہوار کا سفر مستقبل کے اندیشوں میں کٹا تھا۔

شیخ صاحب نے اطلاع کی تھی اس لیے ریسیو کرنے کے لیے انعام علی بہ نفس نفیس موجود تھے..... انہوں نے

ے ساتھ شہوار کو دیکھ کر کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا اور ان کا چھوٹا سا سوٹ کیس اٹھا کر ان کے آگے آگے چل دیے۔

"میرا خیال ہے انعام علی آپ ہمیں پہلے شکیلہ کے پاس لے چلیں۔" صفیہ نے اپنی بے چینی ظاہر کی۔

"وہ ایمرجنسی میں ہیں، ملاقات تو نہ ہو سکے گی۔ پہلے آپ گھر ہی چلیے۔"

"کوئی خطرے کی بات تو نہیں ہے؟" ان کا دل ایمرجنسی سن کر ہی ڈوبنے لگا۔

"آپ دُعا کیجیے..... ان کا انداز متفکر سا تھا۔ وہ گاڑی بھی خاصی رفتار سے ڈرائیو کر رہے تھے۔

صفیہ پر غایت درجے کی گھبراہٹ طاری ہو چکی تھی۔ وہ پھر منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنے لگی تھیں۔

انہیں گھر پر چھوڑ کر اور موجود ملازمین سے تعارف کرانے کے بعد وہ گویا اُلٹے پاؤں واپس ہاسپٹل چلے گئے تھے۔

صفیہ پہلے تو اِدھر اُدھر بولائی بولائی سی پھرتی رہیں۔ پھر شہوار کو آرام کرنے کی تاکید کر کے جائے نماز بچھا کر بیٹھ

ا..... ایک عمر کا دُکھا ہوا دل تھا بھر بھر آ رہا تھا۔ وہ دبی دبی سسکیوں کے ساتھ دعائیں کر رہی تھیں۔

شہوار انہیں دیکھ کر خود بھی گہرا دکھ محسوس کر رہی تھی..... کیسے سو سکتی تھی۔

کچن میں آئی خانساماں نہ جانے کدھر تھا اس نے خود ہی تلاش کر کے چائے تیار کی اور ایک کپ لے کر صفیہ کے پاس

آئی۔

"خالہ جان..... چائے پی لیجیے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صفیہ نے ایک گہری سانس لے کر کپ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"تم آرام کرو بیٹے.....! تھکن سے طبیعت خراب نہ ہو جائے خدانخواستہ۔"

وہ گھٹنوں پر بوجھ ڈال کر جیسے طوعاً کرہاً کھڑی ہوئی.....اور شکیلہ کے بیڈروم میں چلی آئی۔ اطراف نظر ڈالے اسے یہاں گزارا ہوا ایک ایک پل یاد آ رہا تھا۔ جو اس شفق اور سنگر کے قصور کے بغیر مکمل نہیں تھا۔ اس نے تھکے تھکے انداز اپنا ایک سوٹ نکالا اور غسل کرنے چلی گئی۔

جب انسان پر اگلے لمحے کا کوئی عکس واضح نہ ہو تو جیسے اس پر عارضی موت سی طاری ہو جاتی ہے۔ غسل سے فارغ تھی کہ کال بیل بج اٹھی۔

کون آیا ہے، یہ دیکھنے کے لیے ملازمین موجود تھے۔ مگر حالات کچھ اس قسم کے تھے گھر میں بجنے والی گھنٹی اسرار سے پوشیدہ محسوس ہوتے تھے۔ ہر گھنٹی خواہ وہ فون کی ہو یا اطلاعی کسی خبر کا پیش خیمہ تھی۔

لہٰذا وہ دوپٹہ شانوں پر پھیلا کر گیلے بالوں کو سمیٹتی گیٹ کی طرف بھاگی تھی۔ سورج بس نکلنے ہی والا تھا۔ سحر سمیٹنے والی تھی۔

اُف.....اس نے ایک اذیت کے عالم میں جیسے آنکھیں بند کر لیں۔

سامنے وہی تو تھا.....

جس پر بھروسے کا خوفناک انجام وہ دیکھ رہی تھی۔

وہی جس نے ذلتوں کی سیاہی اس طرح ملی تھی کہ وہ اپنی شناخت کھو رہی تھی۔

وہی.....جس نے کس شقاوت کے ساتھ زمین و آسمان کے بیچ اسے تنہا کیا تھا۔ جس نے ہمیشہ کے لیے محبت ہی اس کا اعتبار ختم کیا تھا۔

سفید شلوار قمیص میں وہ صبح ہی کا کوئی جُز محسوس ہو رہا تھا۔

وہ نفرت سے منہ موڑ کر تقریباً بھاگتی ہوئی شکیلہ کے بیڈروم میں واپسی آئی تھی۔ اس ملال کے ساتھ کہ ایک کے لیے.....سہی اس سے نظر ملی کیوں.....؟ اس کا چہرہ دیکھا ہی کیوں۔

"کون ہے شہوار.....؟" اسے اپنے عقب میں صفیہ کی آواز سنائی دی تھی۔

"پتا نہیں خالہ جان.....! کون ہے۔" اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے جواب دیا۔

اور دوسری طرف احسن پہلے شہوار اور پھر ماں کو دیکھ کر چکرا کر رہ گیا تھا۔

صفیہ بے یقینی کی کیفیت میں جیسے بنا سانس لیے اسے دیکھتی رہ گئی تھیں۔

ایک پل میں جانے کتنی تصویریں ان کے ذہن کی اسکرین پر نمودار ہوئیں۔

وہ صحت مند سا بچہ جوان کے بازوؤں میں دیکھ کر کتنی مائیں رشک کرتی تھیں یا جوان سے دور ہونے کے پھوٹی تحریر میں انہیں پیار بھرے خط لکھتا تھا یا پھر وہ جو شیخ صاحب کی چیخ و پکار اور لعن طعن پر انہیں بازو کے گھیر لے کر حرفِ تسلی دیتے ہوئے کسی سنہرے رستے کا سنگِ میل محسوس ہوتا تھا۔

وہ جوان کے مجبور آنسو محبت اور احترام سے پونچھتے ہوئے اپنے وجود کی طاقت کا احساس دلاتا تھا.....اور آنے دنوں کے لیے ان میں حوصلہ پیدا کرتا تھا.....اور جوان کے پندار ان کے اپنے غرور کی خاطر گھر سے بے گھر ہوا تھا۔

وہ اس کو سامنے دیکھ کر اس کا ہر عیب، ہر خطا، ہر قصور بھول گئیں۔

اس کا سر اپنے سینے سے لگا کر کس طرح بے کل ہو کر روئی تھیں۔

"میری روح میری زندگی میں ختم ہو رہی ہوں۔ تیری دوری مجھے لمحہ لمحہ مار رہی ہے۔ مجھے انگاروں پر لٹا کر اتنا ا، اتنا بے فکر ہے۔

احسن خدا کے لیے اب مجھ سے دور نہ ہونا....."

احسن نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے جیسے اذیت کا کوئی پُل صراط طے کر رہا تھا۔

"امی پلیز.....!"

"اب کہیں نہ جانا احسن.....!"

"میں آپ ہی کا ہوں امی، دوری و نزدیکی یہ تو زندگی کے معمولات میں شامل ہے۔ آپ کیوں فکر کرتی ہیں۔ یے۔ اس دوران میں نے کوئی بات ایسی کی جس سے آپ کو شبہ ہو کہ میں اپنے گھر کو فراموش کر بیٹھا ہوں.....؟ میں جہاں ہوں۔ جیسا ہوں، جو ہوں آپ ہی کا ہوں.....آپ کیوں فکر مند ہوتی ہیں۔؟"

وہ اپنے مخصوص انداز میں صفیہ کو تسلی دے رہا تھا۔

ایسی ہی تسلیوں کا سلسلہ جب سے اس نے شروع کیا تھا۔ صفیہ نئے سرے سے زندہ ہوئی تھیں اور شیخ صاحب کے ب و شتاب سے بے نیاز رہنے لگی تھیں۔

احسن کا اٹھتا ہوا وجود، اس کے عزائم.....اس کا صبر ضبط، اس کی تعلیمی کارکردگی نے صفیہ کے حوصلے جوان کر دیئے

ایک لائق بیٹے کی ماں ہونے کا احساس ان کی طمانیت کا باعث بنا رہتا تھا۔

مگر جیسے یہ چار دن کی خوشی تھی،

فرقت و جدائیوں کے بھی مزاج ہوا کرتے ہیں۔

ایک جدائی آنے والی کسی واضح خوشی کا پیغام ہوتی ہے۔

ایک فراق آئندہ کے کسی خوش انجام ملاپ کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

اور.....

ایک فرقت بڑی مبہم و مشکوک ملاقات کا محض آسرا ہوتی ہے۔

ایک جدائی داغِ مفارقت کی سی ہوتی ہے۔

جس میں بچھڑنے کے لیے کوئی معقول جواز نہیں ہوتا۔ علیحدگی کی کوئی عاقلانہ وجہ نہیں ہوتی۔

پندار کا نظر نہ آنے والا شیشہ سنبھال کر نہ چاہنے کے باوجود.....ایک دوسرے کی رگِ جان بنے رہنے کی خواہش کے لا جدائی کا صحرا سامنے ہوتا ہے.....جب کہ

قربت کی پیاس بھی اتنی شدید ہوتی ہے کہ حد نہیں۔

وصل کے آب کی تلاش میں پندار کی انگلیاں زخمی ہو جاتی ہیں۔

مگر وصلِ آب.....انا کے کسی 'سراب' کا خواب ہوتا ہے۔

اس کے پندار کی انگلیاں لہولہان ہو چکی تھیں۔ مگر غیرت و خودداری عارضے کی طرح لاحق ہو تو چارہ گری کی ہر صورت کی پر تمام ہوتی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"امی..... صحیح اور غلط کا فیصلہ ایک دن ضرور ہوگا..... حشر ہوگا ایک دن امی..... ہمارے کشٹ ضائع نہیں جائیں گے۔"

وہ صفیہ کو محبت سے بہلا رہا تھا۔

"مگر کب؟ کب احسن.....؟ تم تو میری کُل پونجی ہو۔ عمر بھر کی کمائی ہو۔ میرے نصیب میں کیا یہی ہے کہ میں تمہارے چاند چہرے کو دیکھنے کے لیے ترستی ہوں؟ تمہارے تایا تمہیں لے گئے تو میں کس طرح راتوں کو بے کل پھرتی تھی تمہاری آسودگی اور سکون کی خاطر وہ پتھر بھی میں نے اپنے سینے پر رکھ لیا تھا۔

مگر اب..... اب مجھے چین نہیں آتا..... تم مجھے گنوا دو گے احسن۔!" وہ مسلسل رو رہی تھیں۔

"اللہ نہ کرے امی..... محض آپ کے وجود کی طاقت تو ہے جس نے میرے اندر فولاد بھر دیا ہے۔ محض آپ کی ذات ہے ورنہ تو ہے کہ مجھے دھوپ بھی سایہ محسوس ہوتی ہے۔"

احسن نے ان کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور ان کے دونوں ہاتھ اپنے سینے سے لگا لیے۔

"تو اولاد کے امتحان سے نہیں گزرا احسن..... تجھے یہ نہیں پتا یہ کیسی آگ ہوتی ہے۔" وہ کرب سے کہہ رہی تھیں۔

"امی آپ کے حوصلے مجھے منتقل ہوئے ہیں۔ مجھے کمزور نہ بنائیے....." وہ گھمبیر اور آہستہ آہستہ آواز میں ان سے کلام تھا۔

"امی! آپ جیسی لطیف مزاج عورت کو جب ابا جی کے ساتھ میں نباہتے اور برداشت کرتے دیکھتا تھا تو اپنی مردانگی آپ سے کم محسوس کرتا تھا۔

سفر حوصلے سے کٹ جانے دیں۔ میں کہیں ہوں، آپ کے نام آپ کی ذات سے جدا نہیں ہوں۔"

احسن تو تو بڑے نازوں سے پلا ہے..... میں اگر پھولوں کی طرح تجھے سنبھالتی تھی تو تیرے مہربان تایا ابا نے شیشے کی طرح سنبھالا۔

یہ تنہائی..... یہ کٹھنائیاں..... تو کس قدر بے آرام ہے..... میرا دل روتا ہے۔

چھوڑ دے سب کچھ..... میرا وجود بے روح ہو رہا ہے۔"

"امی..... آپ تو بہت ہمت والی ہیں....."

"مگر تو میری کمزوری ہے۔" وہ آنسو پونچھ کر گویا ہوئیں۔

"بس امی! تھوڑی سی ہمت اور..... قدرتی فیصلہ ہونے تک..... پلیز امی....."

"آہ.....!" صفیہ خالی خالی آنکھوں سے دیوار تکنے لگیں۔

احسن اٹھ گیا اور تھوڑی دیر بعد ایک گلاس پانی لیے ان کے پاس چلا آیا۔

صفیہ نے گلاس اس کے ہاتھ سے لیا۔

شکیلہ کے بارے میں کوئی اطلاع آئی.....؟ انعام بھائی نے اطلاع بھجوائی تھی۔

احسن نے بات کا رخ موڑا تو صفیہ جیسے کسی..... خواب سے چونک پڑیں۔

"ابھی تک کوئی اطلاع نہیں آئی شہوار۔!" انہوں نے چہرہ موڑ کر شہوار کو آواز دی۔

اندر شہوار کی جان سلگ کر رہ گئی۔

کیا امید رکھی جائے خالہ جان سے جو بیٹے کو سامنے دیکھ کر سب کچھ بھول گئی ہیں۔

وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔

"شہوار.....!" انہوں نے دوبارہ آواز دی۔

احسن بے تاثر چہرہ لے کر اٹھ کھڑا ہوا..... "میں لان میں ہوں امی..... فون وغیرہ آئے تو مجھے بلوا لیجیے گا....." اس نے سائیڈ ٹیبل سے اخبار اٹھایا اور باہر نکل گیا۔

پٹھانی کسی کام سے لاؤنج میں آئی تو صفیہ نے اس سے کہا کہ وہ شہوار کو بلا کر لائے

شہوار سب کچھ سُن رہی تھی۔ ایک جھٹکے سے اٹھ کر باہر آ گئی۔

"جی خالہ جان!" اس کے انداز میں تلخی سی تھی۔

صفیہ نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا..... پھر بڑے تحمل سے گویا ہوئیں۔

"رمیصہ اور خصہ کے فون نمبر تو تمہیں معلوم ہوں گے..... بڑے ماموں تو تمہارے شاید نہ آئیں۔ اب اِدھر ملنے جلنے والے کون ہیں مجھے پتا نہیں۔

شکیلہ کے لیے ختم وغیرہ کرا لوں..... دعا میں، اللہ کے کلام میں بڑا اثر ہے..... دیکھو تو ابھی تک کوئی اطلاع نہیں آئی۔" وہ فکرمندی کے انداز میں کہہ رہی تھیں۔

"انعام بھائی کی غیر موجودگی میں..... خالہ جان کہیں وہ برا نہ منائیں۔"

"اس وقت وہ مشکل میں ہیں۔ اور کیا شکیلہ کے رشتے دار ان کے رشتے دار نہیں.....؟

یہی تو بہانہ ہے تمہاری خالائیں کس قدر ناراض تھیں۔ میں نے انہیں سمجھایا تو سمجھ گئیں۔ جس شادی میں ماں کا کوئی حصہ نہیں تھا تو پھر خالائیں تو دور کی بات..... ہیں۔ آہ..... عبید (صفیہ کے چھوٹے بھائی) کو میری شکل کا احساس ہے۔ اس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ کوئی شکایت نہیں کی۔ البتہ تمہارے بڑے ماموں ذرا مشکل ہی سے کوئی بات سمجھتے ہیں۔ انہیں اطلاع نہ دینا..... کیونکہ احسن بھی موجود ہے۔ نازک موقع ہے خواہ مخواہ بدمزگی ہوئی تو ماحول اور خراب ہوگا۔"

شہوار..... اسی طرح کھڑی سوچتی رہی..... جانے کیا۔

"شہوار.....!" صفیہ نے اسے متوجہ کیا۔

"جی خالہ جان....."

"ادھر میرے پاس آؤ بیٹی....." صفیہ نے تسبیح ایک طرف رکھ دی۔

شہوار آہستگی سے ان کے قریب بیٹھ گئی۔

صفیہ نے اسے اپنے بازو کے گھیرے میں سمیٹ لیا۔

"خالہ سے بدگمان ہونے کی ضرورت نہیں..... تم میری اپنی بچی ہو، میری اپنی بیٹی..... تم کم عقل اور جذباتی ہو، اپنا بُرا بھلا نہیں سمجھ رہیں..... مجھ پر بھروسا رکھو۔ میں تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہونے دوں گی....."

"خالہ جان..... آپ ان سے کہہ دیجیے کہ وہ یہاں سے چلے جائیں۔ میں ان کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتی..... مجھے نفرت ہے....." وہ ان کے کاندھے سے سر ٹکا کر رو پڑی۔ گویا زخم ہرے ہو چکے تھے۔

"ہاں میں اس سے کہہ دوں گی۔ مگر تم روؤ نہیں..... مجھے تکلیف ہوتی ہے۔"

صفیہ کے لہجے میں اتنی محبت اور حلاوت تھی کہ شہوار کے آنسو ایک دم رک گئے۔

"دیکھو بیٹا! یہ مشکل وقت ہے..... تمہیں اس وقت میرا ہاتھ بٹانا چاہیے..... میرے لیے جس طرح شکیلہ، نبیلہ اور نائلہ ہیں اسی طرح تم ہو..... کیا تم یہ سوچتی ہو کہ میں تمہارے ساتھ خاموشی سے زیادتی ہوتی دیکھتی رہوں گی۔ تم تو میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ول کا ٹکڑا ہو۔"

انہوں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

صفیہ کے اس عمل سے شہوار کو عجیب تقویت سی..... محسوس ہوئی۔

"جاؤ تم اپنی خالاؤں کو فون کر دو..... میں تو چاہتی ہوں کہ آیت کریمہ کا ختم کراؤں مگر یہاں اتنے لوگ ہوں گے نہیں۔"

شہوار لاؤنج کے ایک سرے پر رکھے ٹیلی فون سیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

غالباً اس نے پہلے رمیصہ کو رنگ کیا تھا۔

"آج ہی..... جی خالہ جان کے ساتھ..... شکیلہ ہاسپٹل میں ہے۔ آپ کو ہلا رہی ہیں خالہ جان جی..... پتا بہت آسان ہے۔" وہ پتا سمجھانے لگی۔

صفیہ نے پٹھانی سے کہا۔ وہ باہر سے احسن کو بُلا لائے..... شہوار کو ان کے اس عمل کی خبر اس لیے نہ ہو سکی کہ وہ اُن کی طرف سے پشت کیے ہوئے تھی۔

چند لمحوں بعد ہی احسن اخبار رول کیے ہوئے اندر چلا آیا..... اس نے ایک اچٹتی نگاہ فون کرتی شہوار پر ڈالی اور صفیہ کے قریب چلا آیا۔

"جی امی....."

"ابھی تک انعام علی کا فون نہیں آیا..... کیا تمہیں اس ہاسپٹل کا علم ہے جہاں شکیلہ داخل ہے؟"

وہ اب تشویش میں مبتلا ہو چکی تھیں۔

"جی نہیں....."

"پھر کیا بات ہے..... اللہ خیر کرے۔"

"جی خالہ جان کے ساتھ..... شکیلہ ہاسپٹل میں ہے اس لیے..... جی خالہ جان یہیں ہیں..... اس وقت..... جی بس اور خالہ جان ہیں۔" وہ احسن کا نام گول کر گئی۔ "آپ چھوٹی خالہ کے ساتھ آ جائیں۔"

"اگر وہ فون کر بھی رہی ہوں گے تو انگیج ہی مل رہا ہوگا....." احسن نے بے تاثر لہجے میں صفیہ کو متوجہ کیا کہ فون اس وقت مصروف ہے۔

شہوار نے فوراً ریسیور رکھ دیا تھا۔ ریسیور رکھتے ہی گھنٹی بج اٹھی۔

اس سے قبل کہ شہوار ریسیور اٹھاتی۔ احسن نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا تھا۔

وہ اس کے اتنے قریب آ کھڑا ہوا تھا کہ اس کی مخصوص خوشبو اس کے اطراف پھیل گئی تھی۔

ایک نفرت و کراہیت کا زہر تھا جو اس کی نس نس میں اُتر گیا تھا۔

جب کہ احسن اس بات سے قطعی بے خبر، بے نیاز نظر آ رہا تھا کہ وہ دور ہے یا نزدیک۔

"آپریشن ہو چکا..... جی..... جی..... میں یہیں ہوں امی کے پاس ہوں خطرے سے باہر نہیں ہے۔ اوہ..... میں آ رہا ہوں انڈوے میڈیکل سینٹر..... آپ امی سے خود بات کر لیجیے....." اس کے چہرے پر فکرمندی کا تاثر واضح تھا۔

صفیہ تیزی سے آگے بڑھیں۔

"جی..... میں صفیہ بول رہی ہوں۔"

دوسری طرف انعام علی بتا رہے تھے کہ ڈیڈ بے بی کو جنم دینے کے بعد شکیلہ اس وقت موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا

"آپ فوراً میری بچی کا صدقہ اتار دیں انعام علی!" صفیہ کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑنے لگے۔

"امی..... ہمت سے....." احسن نے ان کا شانہ تھپتھپایا۔

"میں احسن کے ساتھ آ رہی ہوں۔" وہ بے قراری سے گویا ہوئیں۔

"ملنے نہیں دے رہے تو کیا ہوا۔ مجھے پل پل کی خبر تو رہے گی۔"

"امی..... جب آپ شکیلہ سے مل ہی نہ سکیں گی تو پھر..... جیسے ہی وہ ہوش میں آئی میں آپ کو خود آ کر لے جاؤں گا۔" احسن نے تسلی دی۔

"آپ یہاں..... دُعا کیجیے۔" وہ گاڑی کی چابی ہاتھ میں لے کر شہوار کے سامنے سے گزرتا ہوا باہر چلا گیا۔

شہوار تو اسے دیکھ کر کڑھ ہی رہی تھی۔

اپنی جان جلا رہی تھی۔

پیچ و تاب کھا رہی تھی۔

مگر احسن کا رویہ اس طرح تھا جیسے وہ موجود ہی نہ ہو..... سوائے ماں بیٹے اور نوکروں کے علاوہ کوئی اور نہ ہو۔

وہ اس کے وجود سے قطعی بے نیاز تھا۔

جب کہ شہوار کا جی چاہ رہا تھا کہ صفیہ احسن کو بے نقط سُنائیں..... بُرا بھلا کہیں..... اس کی شکل دیکھنے سے انکار کر دیں۔

مگر ان سب باتوں میں سے ایک بھی نہ ہوئی تھی۔ لہٰذا اس کا کلیجہ ٹھنڈا نہیں ہوا تھا..... وہ مسلسل انگاروں پر لوٹ رہی تھی۔

وہ تو یہ ہوا کہ رمیصہ خالہ اور حفصہ خالہ اپنی بیٹیوں کے ہمراہ چلی آئیں اور صفیہ نے فوراً قرآن خوانی کا انتظام کیا۔

انڈوے لاؤنج میں سب بیٹھ گئے۔ آدھ ایک گھنٹے بعد چھوٹی ممانی اور ماموں بھی چلے آئے..... شکیلہ کے پُرشکوہ گھر کو دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ مگر یہ یاد آتے ہی کہ جس کی شان و شوکت پر رشک کر رہے ہیں۔ جس کی نسبت سے وہ یہاں موجود ہیں وہ اس وقت موت و حیات کے امتحان میں مبتلا ہے۔

وہ سب خصوع خشوع سے اس کی زندگی کے لیے دعاؤں میں مصروف ہو گئے۔

صفیہ سے یہ سب بچی اور بے طلب محبت کرتے تھے۔

اس لیے کہ صفیہ نے اپنی وجہ سے کبھی کسی کو اپنی مشکل میں نہیں گھسیٹا تھا۔ بڑی وضع داری اور خودداری سے اپنی مشکل کو تنہائی جھیلا تھا۔

سب جانتے تھے کہ شیخ صاحب کی سنگت میں زندگی گزارنا بجائے خود ایک مرحلہ ہے مگر صفیہ نے کبھی اپنے بہن بھائیوں سے کسی قسم کی اعانت نہیں چاہی تھی۔ خودداری کی انتہا تھی۔ اس لیے وہ ان کی نگاہوں میں بہت باوقار و معتدار رہی۔ ایک خاموش قسم کا رعب ان کی شخصیت سے جھانکتا محسوس ہوتا تھا..... شاید اسی لیے ان سے اور ان کے بچوں سے بے پناہ محبت کی جاتی تھی۔ ان کے دکھ اور الم کو اپنے ہی دکھ کی طرح محسوس کیا جاتا تھا۔

خانساماں دوپہر کے کھانے کے لیے صفیہ سے پوچھ رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میاں کیسا کھانا اور کہاں کا کھانا..... جو دل چاہے پکالو....." وہ سخت پریشان دکھائی دے رہی تھیں۔

"خالہ..... اگر اچھا سا آئیٹم ہو تو ہمارے لیے....."

خاور..... شرارت سے منزہ کو دیکھ رہے تھے۔

"یار! تم نے بھابی کی جان جلانے کا ٹینڈر منظور کرالیا ہے..... دور رہتے ہو..... تو جلاتے ہو۔ پاس ہوتے ہو تو جلا ہو۔" اسد مسکرا دیے۔

"اور آتا کیا ہے انہیں....." وہ چڑ کر بولی۔

"اے..... لو.....! اتنا بڑا جہاز چلاتے ہیں..... اور کیا آئے گا.....؟" خالہ نے تعجب سے منزہ کو دیکھا۔

"یہی تو لگے ہوتے ہیں جہاز کے آگے....." اسد نے ٹکڑا لگایا۔

خاور نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔

"چھوڑیں انہیں..... یہ بتایئے اسلام آباد میں وقت کیسا گزرا..... شادی کیسی رہی.....؟" منزہ نے بات کا رخ موڑا۔

"بہت انجوائے کیا۔" اسد کو ساتھ ہی جیسے کچھ یاد آ گیا۔ مگر وہ خاموش رہے۔ انہیں شکیلہ کی بابت بات کرنا مناسب معلوم نہ ہوا۔

"آپ کی بھابی کیسی ہیں.....؟" منزہ پوچھ رہی تھی۔

"بہت نائس..... بابر کو گفٹ کرنے کے لیے میں نے البم تیار کی ہے۔ دکھاؤں گا۔ آپ کو۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ ہماری پھوپھی جان مطمئن اور خوش ہیں۔ بابر اسلام آباد میں تنہا ہوتے تھے۔ وہ خاصی پریشان رہتی تھیں۔ کبھی پنڈی کبھی اسلام آباد میں۔ دو حصوں میں بٹی ہوئی تھیں۔ ویسے وہ بھابی کی والدہ کی اور بھابی کی تعریف کر رہی تھیں۔

دراصل ہماری پھوپھی جان بہت کرائسس سے گزری ہیں..... شاید اطمینان انہیں بہت انتظار کے بعد ملا ہے۔"

"کس قسم کے کرائسس.....؟" منزہ پوری دلچسپی سے ان کی بات سن رہی تھی۔

"پھر کبھی بتاؤں گا۔" وہ خالہ کی طرف دیکھ کر بولے۔

"یہ کرائسس کیا ہوتا ہے.....؟" خالہ کے اندر کھلبلی سی ہوئی..... کہ خدا معلوم ان سے کیا چھپانے کی کوشش ہو رہی ہے۔

"یہ کاغذ سے بنتا ہے خالہ، خاصا بڑا ہوتا ہے۔" خاور نے نہایت سنجیدگی سے انہیں سمجھایا۔ "اس کے باوجود اس میں سے گزرنا مشکل ہوتا ہے۔" وہ مزید گویا ہوئے۔

"نام کیا ہے آپ کی بھابی کا؟" منزہ نے دریافت کیا۔

"نائلہ.....!"

"اُف! بہت پیارا نام ہے..... "نائلہ" نام سن کر ایک بہت پیاری سی لڑکی کا تصور ذہن میں ابھرتا ہے۔" منزہ کے انداز میں حقیقی مسرت تھی۔

"خالہ..... نوٹ کرلیں..... نام اگر نائلہ ہو تو بہت ہی اچھا ہے....." خاور نے جیسے خالہ کو ایک اور پوائنٹ نوٹ

کرایا۔

منزہ نے خفگی سے خاور کو گھورا۔

"بھابی پلیز! اچھی سی چائے تو پلوایئے....." اسد نے فرمائش کی۔ ایک طرح سے سفید جھنڈا لہرایا۔ منزہ اٹھ گئی۔

"بھئی خاور میاں، تم دلہن کو اتنا نہ ستایا کرو۔" خالہ نے خاور کو جیسے زیادتی کا احساس دلایا۔

"بس اس مرتبہ آخری چکر ہے۔ پھر آپ کی دلہن کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مطمئن کر دوں گا۔"

"پھر جا رہے ہو.....؟" خالہ چونکیں۔

"ظاہر ہے..... ہر کام کے اپنے اصول و قواعد ہوا کرتے ہیں۔ یہ تو نہیں ہوتا کہ آپ ایک دم سب کچھ چھوڑ چھاڑ بیٹھ جائیں۔"

"کب تک جاؤ گے.....؟" اسد نے خاور کی طرف دیکھا۔

"ابھی تو ہوں ایک ماہ تک۔"

منزہ نہ جانے کس کام سے آئی تھی۔ ایک دم ٹھٹک گئی۔

خاور نے ابھی تک اس کو اپنی روانگی کی تاریخ نہیں بتائی تھی۔

"مجھ سے تو آپ کہہ رہے تھے....." منزہ جیسے ناراض ہو کر واپس پلٹ گئی۔

"تم نے بھابی کو نہیں بتایا تھا.....؟" اسد نے جیسے خاور کی خبر لی۔

"اس لیے نہیں بتایا تھا کہ کل کی فکر میں وہ آج کی خوشی بھی گنوا دیں گی۔"

"ایک منٹ یار..... ذرا دیکھتا ہوں درجہ حرارت کیا ہے....." خاور مسکراتے ہوئے کچن کی طرف بڑھے تو منزہ وہاں نہیں تھی..... بیڈ روم میں آئے تو وہاں نہیں تھی۔ یقیناً باتھ روم میں ہوگی۔ دروازہ کھلا تھا اور وہ بری طرح رو رہی تھی۔

"کیا بات ہے یار..... تم ایک کوالیفائڈ عورت ہو۔ کیا تم میرے مسائل نہیں سمجھتیں۔"

"کوالیفائڈ عورت کیا انسان نہیں ہوتی۔" وہ جھلا پڑی۔

خاور نے اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

"ڈیر یہ کیوں نہیں دیکھتیں کہ ہماری زندگی میں کتنا حسن ہے۔ دوریوں، قربتوں کی اس آنکھ مچولی نے ہمیں پہلے سے زیادہ ایک دوسرے کے قریب کر دیا ہے۔"

"آپ کے لیے ہوگا حسن..... اس لیے کہ آپ نے آج تک مطمئن اور پُرسکون زندگی گزاری ہے۔ میں ازل سے آسودہ ہوں۔ عجیب توہمات اور وسوسوں میں گزری ہے میری زندگی۔

میری زندگی میں یقینی خوشی صرف آپ کے نام سے آئی ہے..... وہ ہم سے اپنی دی ہوئی ایک ایک مراعت و سہولت کیوں لے لیں۔ مگر آپ اب نہیں جائیں گے۔" اس کے انداز میں انتہا اور قطعی پن تھا۔

"یہ آخری بار ہے۔ میری زبان کا اعتبار کرو۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔"

"کہہ تو دیا نہیں..... مجھے کسی وعدے کا اعتبار نہیں۔"

"یار.....! اب اتنا بھی رُسوا نہ کرو..... کم از کم میرے "وعدے" کی شان میں تو بٹہ نہ لگاؤ۔ ایک وعدہ کیا تھا نباہ کر نہیں کھایا.....؟"

"محض جیت لینے کی خوشی حاصل کرنے کا ایک بہانہ تھا یہ وعدہ..... آپ کو میرے دکھ کا احساس تک نہیں۔ آپ کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُنا مطمئن ہو چکی۔ اب میں یہاں رہوں یا کہیں اور۔ آپ سے دور رہوں یا نزدیک، آپ کی بلا سے۔"
وہ بُری طرح بگڑی ہوئی تھی۔

"یہ میری سخت توہین ہے..... مگر مجھے تمہارے جذبے کی شدت کا اندازہ ہے۔" خاور کو جیسے اس کے خیالات سے دلی رنج ہوا تھا۔

"تم مجھے اس دیوانگی سے چاہتی ہو..... مجھے احساس ہے۔ لیکن ڈیر انسان اگر عملی نہ ہو تو وہ زندگی سے اپنا جائز حصہ وصول نہیں کر پاتا۔

تمہیں خواب کی دنیا سے باہر آ کر میری مضبوطی بننا چاہیے..... میں کہیں ہوں۔ صرف تمہارا ہوں۔ کیوں بے بنیاد خدشات کو اپنے دل میں جگہ دیتی ہو.....؟"

"مگر واہمے..... اپنے اختیار کی بات تو نہیں ہیں ناں۔" وہ بسوری۔

"میں بچپن سے آج تک تنہائی کا عذاب بھگت رہی ہوں۔ اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔"

"مجھے احساس ہے..... مگر میرا یقین کرو۔ یہ آخری دورہ ہے۔" خاور نے اسے یقین دلایا۔

"سچ کہہ رہے ہیں.....؟ وعدہ کیجیے۔" منزہ نے معصومیت سے ہاتھ پھیلایا۔

"وعدہ!" خاور نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "ویسا ہی پکا وعدہ جو نوشہرہ کی گرم شاموں میں کبھی کیا تھا۔"

منزہ مسکرا پڑی..... "کہ"

"کہ یہ میرا..... آخری، آخری دورہ ہے۔"

"کہو تو اسد کی گواہی میں حلف اُٹھا لوں.....؟ خاور نے شرارت سے اسے پھر چھیڑا۔

"ہوں....." ہوا بھی نہیں لگائیے گا اُنہیں..... آپ کم ہیں تنگ کرنے کے لیے۔"

وہ کہتی ہوئی خاور سے پہلے باہر چلی گئی۔

لہ کی تو شادی شدہ تھی۔ ظاہر ہے شادی سے فراغت پاتے ہی اپنے گھر روانہ ہو گئی تھی۔
راس نے اپنی ساس کو اصرار کر کے روک لیا تھا۔
ے تو یہ سوچ کر ہی وحشت آتی تھی کہ وہ اتنے بڑے گھر میں بابر مرتضیٰ کے ساتھ تنہا زندگی گزارے گی۔
ر وہ کب تک انہیں روکتی رہتی۔ آخر ایک روز وہ بھی چلی گئیں۔
ان کے جانے کے بعد بے حد بولائی بولائی پھرتی رہی..... رات سر پر دیکھ کر تو اس کے حواس جواب دینے لگے
خواہ مخواہ اِدھر اُدھر کام کے انداز میں خود کو مصروف ظاہر کرتی رہی۔ یہاں تک بابر مرتضیٰ اس کی
بیت" دیکھنے اپنے کمرے سے باہر آ گئے۔
یہ لم بہت اچھی ہے۔" وہ انہیں لاؤنج میں نظر آ گئی..... انہیں سامنے دیکھ کر گڑبڑا کر رہ گئی تھی۔
ضرور دیکھیے۔"
ایک میگزین اُٹھا کر واپس چلے گئے۔
ب گھنٹے کی تاخیر کے بعد جب اس نے اپنے بیڈ روم میں قدم رکھا..... تو وہ مطالعے میں مصروف تھے۔ انہوں نے
ر کو محسوس کیا۔
لم ختم ہو گئی.....؟"
ی....."

کر اپنی پان کی پڑیا کھول رہے تھے۔ نائلہ کو نہ جانے کیوں غایت درجہ کراہیت کا احساس ہوا۔
آپ اتنا گھٹیا نشہ کرتے ہیں۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جس وقت میں اپنی سن میں پڑھا کرتا تھا اس وقت میری عمر اٹھارہ سال ہوگی۔ میں نے بڑا اعلیٰ قسم کا نشہ کرنا شروع کیا تھا..... یہ پان تو نشہ چھڑانے کی آخری اسٹیج ہے۔ میں نے امی سے وعدہ کیا تھا۔

شاید آپ کو پتا نہیں..... میرے موجودہ والد میرے سوتیلے والد ہیں۔ میری والدہ کی یہ دوسری شادی ہے۔"

انہوں نے پہلی بات اوھوری چھوڑ کر نائلہ کو تازہ خبر بہم پہنچائی۔

نائلہ ایک حیرت کے عالم میں بابر مرتضیٰ کے چہرے کی سمت دیکھتی رہ گئی تھی..... یہ شادی کے بعد پہلا موقع تھا کہ نہایت گہری نگاہوں سے بغور ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وگرنہ ان کے اصرار کے باوجود وہ اپنی نظروں کی چلمن اٹھا کر دیتی تھی۔

دلہنا پے کی چھب..... خوبصورت رنگین لباس، چوڑیوں سے بھری کلائیاں اور نگاہوں میں الجھن اور تحیر۔

بابر مرتضیٰ گویا تسخیر ہو کر رہ گئے۔

ممی ٹھیک کہتی تھیں۔ "حسن تو یہاں وہاں بے تماشا بکھرا ہوا ہے کوئی کمی نہیں ہے..... مگر اس لڑکی میں بے بس کر دینے والی کشش ہے..... ایک سمجھ میں نہ آنے والا اسرار ہے۔"

ان کی آنکھوں کے تاثرات پل بھر میں بدل گئے۔ جذبوں کی لپک اتنی شدید تھی کہ نائلہ سٹپٹا کر رہ گئی۔

"آپ بتا رہے تھے..... کہ آپ کے والد سگے نہیں ہیں۔" وہ جلدی سے نگاہیں چرا کر پوچھنے لگی۔

"ان باتوں کے لیے تو عمر پڑی ہے نائلہ.....!" ان کی آواز نہ جانے کس نشے کے تحت بھاری ہوگئی۔

"مگر مجھے ابھی بتائیے..... ورنہ مجھے بے چینی رہے گی۔" وہ ان کی بے ساختگی سے متوحش دکھائی دینے لگی تھی۔

"آپ اور ہم اب ہمیشہ کے لیے ساتھ ہیں..... بتا دیں گے۔ جلدی کیا ہے؟" وہ مسکرائے۔ ان کے ارادوں میں تبدیلی واضح تھی۔

"مگر مجھے جلدی ہے، آپ بتائیے ناں..... مہر آنٹی۔"

"ممی نے آپ کو منع کیا ہے کہ آپ انہیں آنٹی نہیں ممی کہیں گی....." بابر مرتضیٰ نے ٹوک دیا۔

"آہستہ آہستہ ہی عادت ہوگی۔" وہ جلدی سے بولی۔

"اچھا یہ بتائیے..... آپ کو ممی کیسی لگیں.....؟" وہ جیسے اس کا صبر آزما رہے تھے۔

"بہت اچھی....." نائلہ کے سامنے نک سک سے درست ایک طرح دار سی عورت کا سراپا آ گیا۔

"اور ہم.....؟" بابر مرتضیٰ نے روانی سے اپنا ذکر بھی شامل کر دیا۔

نائلہ نے جیسے ہونٹ سی لیے اور ایک دم چپ ہوگئی۔

"نائلہ ایک بات کہوں۔ آپ برا تو ضرور مانیں گی..... مگر....."

نائلہ کا دل زور سے دھڑکا۔ "الٰہی خیر.....!"

"جی کہیے" وہ بمشکل گویا ہوئی۔

"مجھے شعور کی گہرائی سے محسوس ہوتا ہے آپ اس شادی سے خوش نہیں ہیں۔"

نائلہ نے بری طرح گھبرا کر ان کی سمت دیکھا۔

"یہ درست ہے کہ عورت چاہے جانے اور مرد چاہنے کے لیے پیدا ہوا ہے۔ مگر فطری توانین میں خاصی لچک بہت سی باتیں ان میں خود بخود جذب ہو جاتی ہیں۔ یعنی مرد چاہتے چاہتے چاہے جانے کے لیے بیتاب ہو جاتا ہے

ہے جیسے آپ نے مجھے مجبوراً قبول کیا ہے۔"

نے خوفزدہ سے انداز میں ان کی طرف دیکھا۔

آپ کی بات۔"

حالانکہ میں نے آپ سے کوئی ایسی بات نہیں کی جو ریاضی کا مسئلہ محسوس ہو۔"

بابر صاحب.....!" نائلہ بستر کے کنارے سے اٹھ کر سامنے کرسی پر بیٹھی اور نہایت سنجیدگی سے بابر مرتضیٰ کو مخاطب

ہم فی الوقت دو انجان انسان ہیں..... اس رشتے سے قبل میرا اور آپ کا کوئی تعلق یا رشتہ نہیں تھا..... اور پھر جن میں میری آپ کے ساتھ شادی ہوئی ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئی آپ کے مطالبات محض جلد بازی کے سوا اور کچھ

باہر ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہی تعلقات میں مضبوطی آتی ہے..... اور پھر میرے تو سب کچھ اب آپ ہی مجھے بہر صورت اب آپ کے ساتھ زندگی گزارنا ہے۔" وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

اتنی خوبصورت بات کہنے کے لیے آپ اتنے فاصلے پر جا بیٹھی ہیں۔" بابر بے ساختہ مسکرا دیے۔

نائلہ کو ان کی نظروں کی تپش سے عجیب سا خوف محسوس ہونے لگا..... ہفتے بھر میں بھی وہ پہلی ملاقات کے تاثر کے ان کے سامنے آئی تھی۔

"آپ ممی کے بارے میں کچھ بتا رہے تھے؟" نائلہ نے نگاہوں کے اثر سے بچنے کے لیے جلدی سے موضوع کا رُخ

"تو پھر آپ ادھر آئیں۔"

نائلہ ایک مجبوری اور خوف کی کیفیت میں کرسی سے اٹھی تھی۔

عنیہ اپنی بہنوں کے ساتھ ہاسپٹل جا چکی تھیں..... گھر ایک دم خالی سا محسوس ہونے لگا تھا۔

اسے تنہائی سے عجیب سی وحشت ہونے لگی تھی۔ اس لیے مغرب کی نماز اس نے باہر لان میں پڑھی تھی۔

دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہی تھے کہ چوکیدار نے گیٹ وا کیا اور ریڈ سوزوکی کار تیزی سے پورچ میں داخل ہوئی۔

آنکھوں کا یاسیت اور احساس زیاں نے اتنا ملول کیا کہ دو قطرے ہتھیلیوں پر ٹپک پڑے۔

اللہ مجھے برباد کر کے بھی اتنا معزز، سرخرو اور مطمئن ہے..... اور میں بے قصور ہوتے ہوئے بھی درماندہ ہوں اس کے

سے بھی بچنا چاہتی ہوں اور یہ میرے سامنے مجسم آ کھڑا ہوتا ہے۔

اس نے خود ترسی کی کیفیت میں جائے نماز تہہ کی اور سوچنے لگی اندر جائے یا نہیں۔ پھر اس نے طے کر لیا کہ جب تک

نہیں آتے، وہ یہیں بیٹھی رہے گی۔

چند لمحوں کے بعد پٹھانی اس کے سر پر آ کھڑی ہوئی۔

"بی بی، بیگم صبیہ کی امی کا کالا بیگ آپ کدر رکھا ہے؟ وہ اسپ تال میں منگاتا ہے۔"

"اوہ!" اس کی جان سلگ کر رہ گئی۔ احسن تلاش بھی کرتا تو وہ بیگ ڈھونڈ نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ وہ بیگ شہوار ہی نے لا کر رکھا تھا..... اب وہ پٹھانی سے شکیلہ کی وارڈ روب کھولنے کے لیے بھی نہیں کہہ سکتی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنی قسمت پر آنسو بہاتی وہ نہایت بے بسی کے عالم میں شکیلہ کے بیڈروم کی طرف بڑھی تھی۔ مگر رک گئی۔ احسن

تھا۔

"گل..... اندر جو صاحب بیٹھے ہیں، ان سے کہو، باہر آئیں، میں ان کی موجودگی میں اندر نہیں جا سکتی۔" وہ

یلے لہجے میں کہتی واپس پلٹ گئی۔

تھوڑی دیر بعد پٹھانی واپس لاؤنج میں آ گئی۔

"بی بی..... صاحب بولتا ہے..... جب میں آپ کے ہونے اور نہ ہونے میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتا تو وہ میری

کیوں کرتی ہیں.....؟"

شہوار کے تو تلوؤں سے لگی..... سر پر بجھی۔

"پروا کرتی ہے میری جوتی۔" وہ دندناتی ہوئی بیڈروم میں داخل ہو گئی اور ایک جھٹکے سے وارڈ روب کا نچلا پٹ کھول

بیگ نکالا اور بیڈ پر اچھال دیا۔ اور واپس اسی طوفانی رفتار سے لان میں آ گئی اور لان چیئر پر گرنے کے انداز میں بیٹھ

دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

"کس گناہ کی سزا ہے یہ.....؟" اس کی سسکیاں اُبھرنے لگی تھیں۔

"بی بی..... اسپ تال سے آپ کا فون ہے۔" پٹھانی پھر اس کے سر پر کھڑی تھی۔

"نہیں سن رہی میں فون وون..... کہہ دو نہیں ہوں میں یہاں..... مر گئی....." وہ بگڑ کر بولی۔

پٹھانی سہم کر الٹے پاؤں اندر دوڑ گئی۔

"مرنے والوں سے کہہ دو زندہ ہو جائیں میں جا رہا ہوں۔ فون سن لیں۔" اس نے پورچ میں سے احسن کی آواز

اور پھر کھٹاک سے دروازہ بند کرنے کی آواز آئی۔ گویا وہ جا رہا تھا۔ گاڑی کے باہر نکلتے ہی وہ اندر چلی آئی تھی۔

ریسیو ایک طرف پڑا ہوا تھا۔

اس نے اٹھا کر آہستگی سے کہا۔ "ہیلو"

دوسری جانب صفیہ تھیں۔

"شہوار..... بیٹے میں بول رہی ہوں تمہاری صفیہ خالہ.....!"

"جی خالہ جان....." تمہاری آواز کو کیا ہوا.....؟ طبیعت تو ٹھیک ہے.....؟ وہ خاصی پریشان ہو گئیں۔

"میرے سر میں درد ہے۔" وہ پھر ناراض سے انداز میں گویا ہوئی۔

"تو سر درد کی کوئی گولی کھا لو..... اور آرام کرو۔ میں اس لیے فون کر رہی ہوں کہ میں آج یہیں ہوں۔ تم فکر نہ کرو

کھانا کر سو جانا۔ شکیلہ ہوش میں آ گئی ہے اللہ کا شکر ہے اب حالت خطرے سے باہر ہے۔ انعام علی بھی دیر سے گھر آئیں

گے۔ تم گھبرانا نہیں۔"

"جی.....!"

"احسن چلا گیا.....؟"

"آپ پھر صبح آئیں گی؟" اس نے خالہ کا سوال نظر انداز کر کے خود سوال کر ڈالا۔

"ہاں..... دیکھو..... تم پریشان نہ ہونا..... مجھے تمہاری فکر بہت ہے یہاں۔"

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔"

اس نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور آہستہ قدموں سے کچن میں چلی آئی۔

"مجھے بھوک نہیں ہے..... آپ کے صاحب آئیں تو انہیں کھانے کے لیے پوچھ لیجیے گا..... میں اندر آرام کر رہی

ہوں..... کوئی بھی آئے میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں۔"

اس وقت وہ سخت قنوطی ہو رہی تھی..... شدت سے تنہائی کی طلب ہو رہی تھی۔

وہ شکیلہ کے بیڈروم میں چلی آئی۔ دروازہ بند نہیں کیا کہ مبادا انعام علی دروازہ بند دیکھ کر باہر ہی بیٹھ جائیں۔ یہ سوچ

کر وہ سو رہی ہے۔

وہ ایک میگزین اٹھا کر بیڈ پر آ گئی۔ سرہانے لگے ہوئے ڈیک پر جگجیت اور چترا کی کیسٹ لگا کر لیٹ گئی۔

کمرے میں خوبصورت سی موسیقی بکھر گئی۔

آدمی آدمی کو کیا دے گا
جو بھی دے گا وہی خدا دے گا
میرا قاتل ہی میرا منصف ہے
کیا میرے حق میں فیصلہ دے گا

دو قطرے اس کے رخساروں پر لڑھک آئے۔

زندگی کو قریب سے دیکھو
اس کا چہرہ تمہیں رلا دے گا
ہم سے پوچھو دوستی کا صلہ
دشمنوں کا بھی دل ہلا دے گا

آنسو تو اتر سے بہنے لگے..... اس کی کیفیت اس مسافر کی سی تھی جس کا سامان بھی گم ہو گیا ہو اور منزل بھی اور وہ حیران

پریشان کھڑا سوچ رہا ہو کہ کدھر جائے؟ آنسوؤں..... کی ترتیب ٹوٹ کر نہیں دے رہی تھی..... چترا کی آواز میں ایک نئی

تال شروع ہو چکی تھی۔ اس شعر پر وہ ایک لمحے کو چونک سی گئی۔ نہ جانے کیوں بہت اچھا لگا تھا۔

مجھ کو بے رنگ ہی رہنے کر دیں کہیں رنگ اتنے
سبز موسم، ہوا سُرخ، فضا نیلی ہے

"ہونہہ..... اب میری ذات میں رنگ کہاں۔ تقدیر کے سارے رنگ یکجا ہو کر مجھے سیاہ رنگ میں لپیٹ رہے

ہیں۔" آنسو پھر بہنے لگے۔

نہ جانے کب تک۔ مایوسی، ناامیدی، خود ترسی کے جال میں اُلجھی رہی تھی کہ کھلا دروازہ تاک ہوا۔ اس نے چونک کر

سر اٹھایا۔ انعام علی بغور اسے دیکھ رہے تھے۔ اور یہ دیکھ کر اس کی روح تک زہریلی ہو گئی کہ ان سے دو انچ پیچھے احسن بھی

موجود تھا۔

اس نے جلدی سے منہ موڑا اور بیڈ سے اُتر کر ان کی طرف سے رُخ موڑ کر دوپٹے سے جلدی جلدی چہرہ صاف

کرنے لگی۔

"آپ پریشان نہ ہوں، شکیلہ اب خیریت سے ہیں۔" انعام علی جانے کیا سمجھے۔

"اُف..... اللہ نے عزت رکھ لی تھی..... اس نے آگے بڑھ کر ڈیک خاموش کر دیا اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے اندر میں اتنی تیزی تھی کہ احسن فوراً ایک طرف ہوگیا۔مخصوص خوشبو کی لپک اس کے تعاقب میں آئی تھی.....جس کا اذیت کا احساس سوا کر دیا تھا۔

ملازم جلدی جلدی کھانے کی میز سجانے میں مصروف ہوگیا تھا۔وہ یونہی کچن میں اِدھر اُدھر مصروف ہوگئی تھی۔

''بی بی.....صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔'' پٹھانی نے آکر اطلاع بہم پہنچائی۔

''کہہ دو مجھے بھوک نہیں ہے۔'' وہ جھلا کر بولی تھی۔

دو منٹ میں پٹھانی پھر واپس آگئی۔

''بی بی.....صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔''

''اُف اللہ.....کیا مصیبت ہے.....؟'' وہ تقریباً پاؤں پٹختی کچن سے باہر آئی تھی۔

''جی.....؟'' وہ انعام علی کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''آیئے.....کھانا کھایئے.....تھوڑا ہی سا سہی.....پلیز.....'' انہوں نے کرسی کی سمت اشارہ کیا۔

ان کے انداز میں بے بس کر دینے والی قطعیت تھی۔وہ بادل نخواستہ بیٹھ گئی۔

انعام علی اور احسن دونوں برابر بیٹھے ہوئے تھے اور اس کے سامنے تھے۔

''پریشانی میں بھوک تو واقعی اُڑ جاتی ہے۔کل رات کے بعد اب کھانا کھا رہا ہوں۔اس قدر پریشانی تھی کہ کھانے کا دھیان تک نہیں آیا۔''

انعام علی احسن سے مخاطب تھے۔

شہوار تھوڑا سا سالن پلیٹ میں ڈال کر بہت بددلی سے نوالہ بنا رہی تھی۔

''احسن۔شہوار بے حد کمزور دکھائی دے رہی ہیں۔آپ ان کا خیال رکھا کریں۔''

''انسان کو اپنا خیال خود رکھنا چاہیے.....مجھے دیکھیے کیسا ''پل'' رہا ہوں۔'' احسن نے فوراً جواب دیا تھا۔انداز میں حد درجہ لاپروائی تھی۔

''تو آپ کا خیال تو یہ کرتی ہیں.....یہ تو ان کی کارکردگی ہے۔'' انہوں نے احسن کے سراپے پر نظر ڈال کر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''جی.....یہ ان کی کارکردگی ہے۔'' ان کے لہجے میں حد درجہ کاٹ تھی۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں شہوار۔'' انعام علی اس کا کھنچا کھنچا انداز واضح محسوس کر رہے تھے۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔آپ فکرمند نہ ہوں۔'' احساس بے بسی پر اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

وہ جس کی شکل تک دیکھنا نہیں چاہتی، وہ کس مزے اور آرام سے بیٹھا ہے اور وہ جو انتہائی بے قصور مجبور و مظلوم ہے.....اس کے سامنے کوئی راہِ نجات نہیں۔

''کیا خالہ جان کل گھر آجائیں گی۔؟'' اس نے انعام علی سے پوچھا.....عجب بچکانہ سا انداز تھا!

''ہاں.....امکان تو ہے.....کیا آپ ان کو بہت مس کر رہی ہیں۔؟ ہم آپ کو لے چلیں گے صبح، آپ فکرمند نہ ہوں۔احسن! اگر میں صبح جلد گھر سے نکل جاؤں تو آپ انہیں لے آیئے گا۔''

''کل میں دس منٹ کے لیے بھی فارغ نہیں ہوں۔سوری۔'' احسن نے خشک انداز میں معذرت کی۔

''اگر ان کا جانا بہت ضروری ہو تو آپ ان کے بھائی کو فون کر دیجیے گا۔نوفل کو یاد دانیال کو۔وہ ان کے مسائل حل کر

دیں گے۔''

احسن نے گلاس میں پانی انڈیلتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے انعام علی کو جواب دیا۔

''مگر ان کے مسائل تو اب آپ کی ذمہ داری ہیں۔'' انعام علی اب کچھ کھٹک گئے تھے۔

انہوں نے احسن کے تاثرات بھانپنے کے لیے جان بوجھ کر یہ جملہ کہا تھا۔

''میں اب ہر قسم کی ذمے داری سے دست بردار ہو چکا ہوں.....ان سے میرا کوئی رشتہ نہیں ہے، بلکہ آپ یوں سمجھیے۔آئی ڈونٹ نو.....ہُو از شی.....؟''

وہ بے رحم انداز میں کہہ کر کرسی دھکیل کر کھڑا ہوگیا۔

انعام علی بھونچکا سے رہ گئے۔

شہوار تو جیسے پتھر کی ہوگئی اپنی اس توہین پر۔

''انعام بھائی.....اگر یہ نہیں جانتے کہ میں کون ہوں تو مجھے بھی نہیں پتا، یہ کون ہیں۔مگر اتنا جانتی ہوں کہ انتہائی خود غرض، نفس پست اور تیسرے درجے کے انسان ہیں۔مجھے تو مارے خوشی کے نیند نہیں آتی کہ اللہ نے مجھے اتنی جلد ایک غلط آدمی سے نجات دے دی.....میں جتنا شکر کروں کم ہے.....'' وہ تیزی سے ہال سے باہر نکل گئی۔

انعام علی حیران و ششدر احسن کی شکل دیکھ رہے تھے بلکہ اس بھرپور حملے سے تو ایک لمحے کے لیے احسن بھی چکرا گیا تھا۔

''احسن.....'' انعام علی کا تحیر انتہا کو چھو رہا تھا۔

''یہ شہوار کیا کہہ گئی ہیں کہ اللہ نے مجھے اتنی جلدی نجات دے دی.....؟ آپ لوگ اتنے بڑے بڑے معاملات طے کر رہے ہیں.....اور ہمیں کچھ خبر نہیں۔میں آپ دونوں کے رویے سے الجھ ضرور رہا تھا مگر مجھے اس قدر انتہا کا اندازہ نہیں تھا۔

جھگڑا ہوگیا ہے آپ دونوں میں.....؟'' وہ نہایت سنجیدگی سے احسن سے مخاطب تھے۔

''ختم ہوگیا ہے اب ہر قسم کا جھگڑا'' احسن نے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔

انعام علی ان لوگوں میں سے تھے جو کسی کے ذاتی معاملات میں دخل در معقولات نہیں کرتے۔مگر شکیلہ ان کی زندگی میں اہمیت اختیار کرتی جا رہی تھی۔اور احسن شکیلہ کا حقیقی بھائی تھا۔

''خالہ جان کے علم میں ہے یہ سب کچھ.....؟''

''سارے جہان کے علم میں ہے.....آپ پریشان نہ ہوں انعام علی بھائی.....قصہ ختم ہو چکا ہے۔اب کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔پلیز آپ آرام سے کھانا کھایئے.....'' احسن کا اطمینان و سکون حیرت انگیز تھا۔یوں جیسے کوئی معمولی بات ہوتی ہو۔

وہ جانتا تھا کہ اس کی آواز بیڈ روم تک صاف پہنچ رہی ہے اسی لیے وہ خاصا اونچا بول رہا تھا۔

''میں بہت فیصلہ کن قسم کا انسان ہوں.....دھوکے باز اگر سورج اتار کر بھی لے آئیں تو مجھے قبول نہیں۔ میں جس لڑکی سے آئندہ شادی کا ارادہ رکھتا ہوں وہ بہت فیئر ہوگی.....؟'' انعام علی نے تعجب سے اس کی شکل دیکھی۔

''ابھی تلاش جاری ہے؟''

''عظیم اور باوفا انسانوں کی یاد کے سہارے بھی زندگی بہت آرام سے گزر جاتی ہے۔مگر دھوکے بازوں کو اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حافظے میں جگہ دینا اور ان کی زیادتیوں کو یاد کر کے کڑھنا اور حقیقت اپنی ذات کی توہین کرتا ہے۔

بہترین انتقام یہ ہے کہ آپ انہیں بھول کر بھی یاد نہ کریں۔"

انعام علی..... جو خود بھی ریگستان سے گزرنے والے کسی قافلے کے مسافر تھے۔ وہ اس امر پر ساکت سے بیٹھے رہ گئے تھے کہ ان کے مدِ مقابل کوئی ان سے زیادہ تھکا ہارا اور پیاسا تھا..... ان پر جیسے درد مشترک نازل ہونے لگا۔

"اتنا حتمی انداز مناسب نہیں ہے احسن، آپس میں اختلاف ہونا بڑی فطری سی بات ہے، اس کا مطلب یہ نہیں....."

"یہ اختلاف نہیں اصول کی بات ہے۔"

"جس خاتون کو شادی کے بعد بھی شوہر سے زیادہ دوسرے رشتے مقدم ہوں تو مطلب ہے کہ شوہر کے ہونے یا نہ ہونے سے اس کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تو پھر میں اسے اپنے ساتھ کیوں نہ رکھوں جسے میرے نہ ہونے سے بہت فرق پڑتا ہو۔"

"تو گویا..... دوسرا انتخاب بھی موجود ہے.....؟" انعام علی کو خود سے زیادہ عجلت پسند ملا تھا۔ خاصے استعجاب سے پوچھ رہے تھے۔

"جو انسان دو روٹی کمانے کی صلاحیت اور سر چھپانے کا ٹھکانا رکھتا ہو، اسے کوئی کمی نہیں ہے۔ یہ تو آپ بھی جانتے ہیں۔" وہ انتہائی اعتماد سے کہہ رہی تھی۔

"رشتہ اس وقت تک ہوتا ہے جب کوئی آپ کے احساسات میں دوڑتا بھاگتا محسوس ہو۔ جب کوئی تصور اور توقع ہی نہیں تو رشتے داری کیا معنی.....؟" وہ رکھائی سے کہہ رہا تھا۔

"آپ خاصے جلد باز ہیں احسن....." انعام علی سے شاید ان دونوں کی مفارقت برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

"میں اس جلد بازی پر مطمئن ہوں۔ کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔" نہایت اطمینان سے کہا گیا۔ شہوار حق دق بیٹھی سب سن رہی تھی مگر یہ سب سن کر تو اسے اپنے لٹ جانے کا نئے سرے سے ملال ہوا تھا۔

"ایک خیر خواہ کی حیثیت سے میں آپ کو کسی عجلت بھرے فیصلے پر عمل درآمد نہیں کرنے دوں گا۔ آپ شہوار کو بہت غلط سمجھ رہے ہیں۔ وہ بہت متوازن اور سلجھی ہوئی ہیں۔ میاں بیوی کے درمیان اختلافات اتنی جلدی فیصلہ کن صورت اختیار نہیں کیا کرتے۔"

"چھوڑیں اس قصے کو۔" احسن نے انعام علی کی بات کاٹ دی۔ "جب کتاب ہی بند کر دی، اب اس کے باب نئے سرے سے کیا پڑھنا۔ اب یہ کتاب ہمارے ذوق کی نہیں رہی۔"

انعام علی..... نہایت خاموشی سے اٹھ کر اپنے بیڈ روم میں چلے آئے۔

شہوار انہیں دیکھ کر بیڈ روم سے اٹھی اور نزدیکی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"آپ کھانا کھائیں شہوار۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ تحمل سے گویا ہوئے۔ شہوار کی آنکھیں بھر آئیں مگر وہ خاموش رہی۔

"آپ کھانا کھالیں۔"

"مجھے بھوک نہیں بھائی صاحب!" اس کی آواز میں لرزش تھی۔

"اس عمل سے سراسر نقصان آپ کا ہے۔ آپ کے اپنے ساتھ زیادتی ہے۔"

"میرا تو اس قدر نقصان ہو گیا ہے کہ کوئی بھی پورا نہیں کر سکتا۔" وہ بکھر سی گئی۔

"یہ مایوسی ہے..... بری بات..... شکیلہ گھر آ جائیں تو انشاء اللہ کوئی نہ کوئی حل ہم ضرور نکالیں گے۔ ہم اتنا آسانی سے ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔"

"ہتھیار" ٹوٹ چکا ہے۔" وہ جھٹکے سے اٹھی اور تیزی سے باہر آ گئی۔ بلکہ لاؤنج سے بھی تیزی سے گزر گئی اور لان میں آ گئی۔

اپنی بے چارگی پر وہ پھوٹ کر رونا چاہتی تھی۔

لان میں صرف ایک لائٹ آن تھی۔ ہر سو ایک ملگجا سا اُجالا تھا..... وہ لان چیئر پر ٹانگیں اٹھا کر بیٹھ گئی تھی اور گھٹنوں پر سر رکھے آنسو بہائے جا رہی تھی۔

روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

حد ہو گئی بے وقوفی کی..... کس پتھر کو ہیرا سمجھ بیٹھی تھی..... اسے نہ جانے کون سے ملال کھائے جا رہے تھے۔

"اتنا سطحی سا انسان..... میں نے اس کے نام پر رسوائیاں خریدی ہیں۔ تف ہے میری زندگی پر۔"

اب وہ رو رو کر خود پر لعنت ملامت کر رہی تھی۔

"جس نے آناً فاناً دوسرا انتخاب بھی کر لیا ہے۔ ایک نفس پرست اور عیاش آدمی..... بے ضمیر اور بے حس....." وہ روئے جا رہی تھی۔

ساتھ ساتھ دوپٹے سے آنکھ، ناک بھی پونچھ رہی تھی..... معاً اس کی حسِ شامہ نے سگریٹ کی مہک محسوس کی۔ وہ ٹھٹک کر چونک گئی۔

اور آنکھوں کے سامنے جیسے ستارے ناچ گئے۔

وہ تین فٹ کے فاصلے پر نہایت اطمینان سے سگریٹ کا دھواں اُڑا رہا تھا۔ اس نے اپنی دُھن میں اِدھر اُدھر دیکھا نہیں تھا۔ اس کے بیٹھنے کے سٹائل سے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ خاصی دیر سے وہاں بیٹھا ہوا تھا۔

وہ بڑی بے خبری اور تیزی میں سے لان میں آئی تھی اس لیے آس پاس کے ماحول کا اسے ہوش نہیں تھا۔ نہ جانے کیا بڑبڑا رہی تھی۔

کہیں کسی لفظ نے اس کی کمزوری ثابت نہ کر دی ہو.....؟ ایک خفت آمیز خدشہ اسے لاحق ہوا۔ وجود جیسے پتھر کا ہو گیا..... جنبش بھی محال محسوس ہو رہی تھی۔

اس نے آہستگی سے پاؤں نیچے کیے..... اور بمشکل کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور سامنے دیکھے بغیر اندر کی سمت بڑھا دیے۔

یہ اس کے لیے نہایت خوش کن تبدیلی تھی کہ ممی نے اسے ایک دو روز کے لیے پنڈی بلایا تھا۔

ایک بے نام سا خوف جو اسے لاحق تھا تھوڑی دیر کے لیے ہوا ہو گیا تھا۔

اس نے بہت ذوق و شوق سے تیاری کی تھی کیونکہ ممی نے اسے فون پر بتایا تھا کہ وہاں ان کی دوست ان کی بہو اور بیٹے اعزاز میں ضیافت کا اہتمام کر رہی ہیں۔

اس نے پنک ساڑھی کا انتخاب ضیافت کے لیے بطور خاص کیا۔ اس کے جوش و خروش کو دیکھتے ہوئے بابر مرتضیٰ نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہم سے اچھی تو گویا ہماری ممی ہیں جو آپ اس قدر ''پر رونق'' اور پر جوش نظر آنے لگی ہیں۔''

نائلہ نے ان کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔

''نائلہ..... آپ ممی سے دوسری شادی سے متعلق کوئی بات نہیں کیجئے گا۔''

''آپ نے مجھے پوری بات بتائی کب ہے جو میں ان سے ذکر کروں گی۔'' وہ خاصی سرد مہری سے بولی۔

''پھر بھی جتنی بھی بتائی ہے۔''

''اور ہاں..... میرے نشے سے متعلق بھی ان سے کوئی بات نہ کرنا۔''

''آپ لکھ کر دے دیجیے۔ مجھے ان سے کیا بات کرنا ہے اور کیا نہیں۔'' وہ جیسے اکتا کر کہہ بیٹھی تھی اور ہنوز اپنے میں مصروف تھی۔

''شاید اسے پتا ہے کہ جس دم یہ نظر اٹھا کر دیکھتی ہے، نہال کر دیتی ہے۔ اسی لیے شاید اتنا تر ساتر سا کر نظریں ا ہے۔''

''اچھا لکھ کر بھی دے دیں گے۔ فی الحال یہ دو ہدایات تو یاد رکھیں۔''

انہوں نے علی الصبح پنڈی روانہ ہونا تھا..... اسے تیاری کا خوب بہانہ مل گیا تھا۔ یہاں وہاں خواہ مخواہ آنا جانا لگا تھا۔

بابر مرتضیٰ نے بیڈ روم کی فضا سگریٹ کے دھویں سے کثیف کر رکھی تھی۔ اس کا دم الٹ رہا تھا۔ اس نے باہر جا سے پہلے دھڑکتے دل سے اجازت حاصل کرنا ضروری سمجھا۔

''اے۔سی کی کولنگ سے آج کل مجھے نقصان ہو رہا ہے۔ سارا دن چھینکیں بند نہیں ہوتیں۔ دوسرے آپ نے کمر میں دھواں اس قدر کر رکھا ہے کہ میرا دم گھٹ رہا ہے۔''

''اس دھوئیں کی ذمہ دار تو آپ ہیں۔ آپ کی فراغت کے انتظار میں مجھے اس قدر اسموکنگ کرنا پڑی۔ آپ مجھے دھوئیں میں تنہا چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہیں۔''

نائلہ نے بے بسی کی انتہا محسوس کرتے ہوئے دروازہ بند کر دیا..... اور نائٹ بلب جلا کر اپنے ''مقام'' پر آ گئی۔

نہ جانے زندگی کے احساس سے دور کتنا وقت گزارا ہوگا..... کہ وہ وحشت زدہ سی باہر آئی تھی۔

بابر مرتضیٰ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو چکے تھے۔

وہ ٹیرس پر آ کر اپنی تقدیر پر آنسو بہانے لگی تھی کہ کال بیل کی رنگ ہوئی۔ رو رو کر اس کی آنکھیں اور ناک سرخ ہو چکی تھیں۔

ملازم سونے چھت پر جا چکا تھا۔ بابر مرتضیٰ بے خبر تھے..... ناچار اسی کو گیٹ پر پہنچنا تھا۔

''جی..... کون ہے.....؟'' نائلہ کی آواز آنسوؤں کے بوجھ سے بھاری ہو رہی تھی۔

''میں..... ہوں اسد..... کراچی سے نازل ہوا ہوں۔''

نائلہ نے جلدی سے گیٹ کو لاک سے آزاد کر کے پٹ وا کر دیا۔

گیٹ لائٹ کی مدھم روشنی اور نیون سائن سے جگمگائی نیم پلیٹ کی روشنی بھی ایک دوسرے کے تاثرات کو پہچاننے کے لیے ناکافی تھی۔

''السلام علیکم.....'' سرمئی سفاری سوٹ میں ملبوس اسد نے بہت خوشگوار تاثرات کے ساتھ سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔'' وہ قدرے جھک کر گیٹ بند کرنے میں مصروف ہو گئی تھی۔

''بابر سو گئے کیا.....؟''

''جی.....!'' نائلہ نے اختصار سے جواب دیا۔

''آپ جاگ رہی تھیں.....؟''

''جی.....!'' وہ ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگی تھی۔

''کیوں.....؟'' انہوں نے یونہی پوچھ لیا۔

نائلہ کا دل بھر آیا..... اس نے بمشکل اشک سنبھالے۔

''میں دن میں سو گئی تھی..... شاید اس لیے نیند نہیں آ رہی.....'' وہ نظریں جھکا کر کہہ رہی تھی۔

''آپ نے مجھ سے ہی نہیں پوچھا۔ میں اتنی رات کو اچانک بغیر اطلاع کے کیوں آپ کو پریشان کرنے چلا آیا.....؟'' اسد نے ڈرائنگ روم میں پہنچ کر اپنا بریف کیس ایک صوفے پر ڈالتے ہوئے نائلہ سے سوال کیا۔

''آپ کا اپنا گھر ہے اسد بھائی.....! مجھے اس قسم کے بے تکے سوال زیب نہیں دیتے۔'' وہ زبردستی چہرے پر مسکراہٹ لاتے ہوئے گویا ہوئی۔

''صبح یہاں بہت اہم ملاقات کرنا ہے اور پلین میں سیٹ ہی ایسے ملی کہ آپ کو ناوقت ڈسٹرب کیا۔''

''آپ ایسا نہیں سوچیں..... ڈسٹرب ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ آپ کی آمد تو خوشی کی بات ہے۔'' وہ اخلاق میزبان کا کردار ادا کرنے لگی۔

''آپ کو ایک تکلیف مزید کرنا ہوگی۔''

''حکم کیجیے.....'' وہ ان سے متواتر نظریں چرا رہی تھی۔

''پلین میں جو کچھ مہیا کیا گیا، وہ مجھے بھایا نہیں..... بھوک سخت لگ رہی ہے۔''

''آپ چینج کیجیے..... میں پانچ منٹ میں کھانا لگاتی ہوں۔'' نائلہ کو جیسے ان کے پاس سے ٹلنے کا بہانا مل گیا تھا۔ ''آپ پلیز ڈائننگ ہال میں آ جائیے۔''

اس نے جلدی سے فریزر سے کباب نکال کر تلنا شروع کیے۔ تو اچٹ سا کر جلدی جلدی پیڑے بنانے لگی..... کٹا ہوا کھیرا فریج میں موجود تھا۔ اس نے جلدی جلدی ایک ٹماٹر بھی کاٹ کر اس میں شامل کر لیا۔ پالک گوشت بھی موجود تھا۔ وہ بھی گرم کرنے کے لیے برنر پر رکھ دیا۔ ہاتھوں میں گویا بجلی سی بھر گئی تھی..... اس ہیڑ دھیڑ میں وہ کچھ دیر پہلے کی اپنی اذیت فراموش کر بیٹھی تھی۔

''معاف کیجیے گا۔ اندر آ سکتا ہوں۔'' اسد کچن کے دروازے میں کھڑے تھے۔

''تشریف لائیے۔'' وہ سادگی سے مسکرا کر گویا ہوئی۔

''میں نے سوچا..... ایک تو آپ کو اتنی رات گئے ڈسٹرب کیا۔ پھر آپ کو ڈائننگ ہال کا مارچ پاسٹ کرایا جائے اچھا نہیں لگا، سوچا یہیں کھانا کھا لیا جائے۔''

وہ کچن میں موجود کرسیوں والی ڈائننگ ٹیبل کے مقابل آ بیٹھے۔

''خیال کرنے کا شکریہ..... ویسے اس میں تکلیف کی کوئی بات نہیں۔ آپ کا اپنا گھر ہے اور آپ ہمارے ہیں۔'' نائلہ نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔ اور جلدی جلدی کھانا ٹیبل پر پہنچانے لگی۔ اسد بغور اس کی ایک ایک حرکت دیکھ رہے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پنک کاٹن کی نائٹی پر سفید چکن کڑھائی کی چادر لپیٹے وہ خاصی منفرد سی لگ رہی تھی۔

''ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے آپ کی طبیعت خراب ہے خدانخواستہ.....''

نائلہ نے چونک کر اسد کی سمت دیکھا.....''نہیں تو.....میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' وہ قدرے مسکرا کر کترائی۔

''آپ کی آنکھیں سوجی ہوئیں اور چہرہ سرخ ہو رہا ہے۔'' اسد برابر اسے دیکھ رہے تھے۔

''ارے نہیں.....محض وہم ہے آپ کا۔'' اس نے اپنا رخ موڑ لیا۔

''تو پھر آپ رو رہی تھیں۔'' اسد نے حتمی انداز میں کہا۔

نائلہ کو کچھ دیر پہلے کی افتاد یاد آ گئی.....اس کا دل بھر آیا۔

''ارے نہیں.....کوئی خاص بات نہیں.....بس شام سے کچھ ٹمپریچر ہے۔''

''تو آپ نے دوا لی.....؟ اور یہ آپ کے گال پر نشان کیسا ہے؟'' وہ چونک پڑے۔

نائلہ نے بے ساختہ اپنا ہاتھ رخسار پر رکھ لیا۔

''یہ پمپل پھوٹ گیا تھا.....شاید.....'' (توبہ.....موصوف کی آنکھیں ہیں یا سرچ لائٹس) وہ جھلا سی گئی۔

''بھابی.....آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ آپ دوا ضرور لیں۔''

''جی.....سونے سے پہلے لے لوں گی۔'' وہ جیسے جان چھڑاتے ہوئے گویا ہوئی۔

''کھانے کے بعد آپ کیا پینا پسند کریں گے، چائے یا کافی.....؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''کچھ نہیں.....شکریہ۔''

''کیا بابر جلدی سو گئے تھے.....؟''

''وہ تو روزانہ اسی وقت سوتے ہیں۔''

''آپ جاگ رہی تھیں یا کال بیل نے جگا دیا.....؟''

''میں جاگ رہی تھی.....'' وہ آہستگی سے کہہ رہی تھی۔

''نائلہ.....نیلی ڈارلنگ.....'' معاً بابر مرتضیٰ کی لہراتی ہوئی آواز کچن میں سنائی دی۔ اس سے قبل کہ نائلہ باہر نکلتی۔ بابر مرتضیٰ اندر تھے۔

''زندگی.....آوازیں دے دے کر میرا ساؤنڈ بکس بینڈ ہو گیا۔ آپ کو رات بارہ بجے بھی کچن سے فرصت نہیں۔ آپ کو اچھی طرح پتا ہے کہ ہم آپ کے بغیر۔''

نائلہ نے لپک کر ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ بے حد خجل سی دکھائی دے رہی تھی۔

''اسد بھائی آئے ہوئے ہیں.....'' وہ شرمندہ سے انداز میں گویا ہوئی۔

''کہاں ہیں.....؟'' بابر نے سرخ آنکھیں اٹھا کر نائلہ کی سمت دیکھا۔

''وہ.....کھانا کھا رہے ہیں.....'' وہ چور سی ہو رہی تھی۔

''السلام علیکم بابر صاحب.....'' اسد کھڑے ہو گئے تھے۔

''یار.....تم نے محض ڈنر کے لیے اتنی تکلیف اٹھائی.....؟'' بابر نے اپنی دانست میں مذاق کیا۔

''دراصل.....صبح پنڈی کی روانگی ہے، اس لیے میں چاہتا تھا کہ یہ جلد سو جائیں.....ان کو کمرے سے غائب پایا تو کافی دیر انتظار کیا.....بھئی ہمارے تو فرشتوں کو خبر نہیں کہ یہ یہاں آپ کی مہمان داری میں مصروف ہیں۔

مدبغور بابر کے اسٹائل ملاحظہ کر رہے تھے۔ وہ ان میں کوئی نئی سی بات محسوس کر رہے تھے۔ مگر سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ

ات ہے کیا۔

ڈرنک تو نہیں کیے ہوئے تھے کہ حالت ڈانواڈول محسوس ہوتی۔ ہلکے سے نشے نے محض ان کی آنکھیں سرخ کر دی

یا پھر تھوڑی سی غائب دماغ لاحق ہو گئی تھی جسے اسد کچی نیند سے بیداری پر محمول کر رہے تھے۔

تم سو جاؤ بابر.....بلکہ بھابی آپ بھی.....''

ارے نہیں۔ آپ ٹھیک سے کھانا کھائیں.....میں آپ کا کمرہ دیکھتی ہوں۔ بابر صاحب! آپ چلیے.....میں

ہوں۔'' وہ بہت آہستہ آواز میں بابر سے مخاطب ہوئی۔

ارے بھابی.....آپ بابر کے ساتھ ''صاحب'' لگاتی ہیں۔ جیسے آپ بابر کی بیگم نہ ہوں بلکہ کولیگ ہوں۔'' اسد

ہرا۔

اور بھی بہت سی غیریت کی باتیں ہیں۔ یار.....تم ہی ان کے کچھ فالٹس درست کرو۔'' بابر مرتضیٰ جاتے جاتے

سد صرف مسکرا دیے.....نائلہ چیزیں سمیٹنے میں مصروف ہو گئی تھی۔ اس نے بابر کی بات کی گہرائی محسوس نہیں کی۔

ح نائلہ بہت جلد بیدار ہو گئی تھی۔ غسل سے فارغ ہو کر نماز و تلاوت میں مصروف ہو گئی تھی کہ اس نے اسد کو سر پر

ی جمائے مسجد سے واپس آتے دیکھا.....تو اس کے دل میں ان کی شخصیت کا نقش مزید گہرا ہوا۔

ں کے دل میں خواہش بیدار ہو، کاش بابر بھی دنیاوی امور کے ساتھ ساتھ اپنے ''اصل'' سے بھی وابستہ نظر آئیں۔

ں کو بھی وہ گلابی کپڑوں اور آسمانی چادر میں لپٹی نہایت متاثر کن لگی۔ درحقیقت انہوں نے بابر مرتضیٰ کی ''نک'' پر

لیا.....اتنی خوش اطوار، باضابطہ، دین و دنیا سے ہم آہنگ لڑکیاں آج کل کہاں نظر آتی ہیں.....؟

ں قدر سطحی لڑکیاں دیکھ دیکھ کر ان کا پختہ شعور اذیت میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ وہ منزہ کی بے پناہ عزت کرتے تھے تو محض

سے کہ نہایت متوازن، سنجیدہ اور باشعور تھی.....اور اب نائلہ کا مقام بھی ان کی نگاہ میں بہت بلند ہو رہا تھا۔ وگرنہ جو

ادہ مود کرتے تھے.....وہاں اس قدر سطحی پن اور تصنع پایا جاتا تھا کہ وہ ان لوگوں کے بیچ وحشت محسوس کرتے تھے۔

مت پرست اور عیش کوش لوگوں کی سوسائٹی.....ورلڈ ٹور داستانیں، نئے فیشن، نئی عمارت، نئی گاڑی.....اس کے

ہری چمکتی دمکتی باتیں۔'' ڈرائینگ روم سم پیتھی، دنیا کی تیاری میں فیشن ایبل ''آہ''.....

زہ کا تعلق بھی اسی سوسائٹی سے تھا مگر وہ ایک گہری، حساس اور حقیقت پسند عورت کی پرداخت کا نتیجہ تھی.....اسی

مصنوعی ماحول'' اس کا کچھ نہ بگاڑ سکا تھا۔ نائلہ کے بارے میں انہیں پتا چل چکا تھا کہ وہ مڈل کلاس سے تعلق رکھتی

اں کا رکھ رکھاؤ، اعتماد اور بے نیازی.....اسے بے پناہ امتیاز بخشتی تھی۔

نگ کے ملگجے اجالے میں ان پر یہ انکشاف ہوا۔

ر سینکڑوں عورتوں سے ملتا ہے۔

مگر ہر عورت کی عزت نہیں کرتا۔

لت میں کچھ بنیادی اوصاف ضروری ہوتے ہیں جس کی بنیاد پر اس کا احترام کیا جاتا ہے۔

یسے کہ نائلہ بابر مرتضیٰ.....دل خود بخود احترام کرنے پر مجبور ہوتا تھا۔

نائلہ تلاوت کے دوران گاہے گاہے نظر اٹھا کر ان میں ڈھلتے ہوئے اسد کو دیکھ رہی تھی۔ پھر کچھ سوچ کر صفحے پر نشان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اسد بھائی..... آپ صبح کو چائے تو ضرور لیتے ہوں گے..... دیر تو نہیں ہوگئی.....؟''

''آپ اپنا کام جاری رکھیے بھابی..... جب فارغ ہوں چائے دے دیجیے گا۔'' اسد نے روادار مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

مگر نائلہ کچن کی سمت بڑھ گئی تھی۔

ناشتے سے فارغ ہو کر اسد تو اپنے کام سے چلے گئے تھے..... اور بابر کو کہہ گئے تھے کہ وہ پنڈی سے ہوتے ہوئے کراچی واپس جائیں گے..... یعنی اس طرح آنٹی سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔

نائلہ اور بابر دن کے بارہ بجے پنڈی پہنچے تھے۔

مہر افروز انہیں دیکھ کر پھولی نہیں سما رہی تھیں۔ کھانے پر بھی خاصا اہتمام کیا ہوا تھا۔ ان کے شوہر یعنی بابر کے والد بھی گھر پر موجود تھے۔

نائلہ نے بطور خاص بابر اور ان کے مابین تعلقات کا گہرا جائزہ لیا تھا..... اس نے محسوس کیا..... بابر کے والد کار نہایت متفق اور دوستانہ ہے۔ اس کے برخلاف بابر کا انداز بے حد لیا دیا سا تھا۔

''آج شام کو آپ دونوں اپنی خالہ کے ہاں کھانے پر مدعو ہیں۔'' مہر افروز نے اطلاع دی..... ''گڑیا (بیٹی) اپنے بچوں کے ساتھ وہیں پہنچ جائے گی۔''

''نائلہ! تم اچھی طرح ڈریس اپ ہونا۔ بالوں کا خوبصورت سا اسٹائل بنانا۔ کیونکہ ادھر تمہارے علاوہ بھی دو لڑکیاں موجود ہوں گی۔''

''بابر..... ایسا کیجیے..... کہ شام پانچ بجے کے قریب آپ نائلہ کو ''شائنر (SHINER)'' لے جایئے گا..... وہیں آپ وہاں اچھا سا پارٹی میک اپ کرائیے گا..... آج دعوت میں دلہنوں کا کمپیٹیشن ہے۔

خیر یہ تو مذاق کی بات ہے۔ دراصل..... بابر میرا اکلوتا بیٹا ہے..... میں اس کی دلہن کو ہر وقت چمکتا دمکتا دیکھنا چاہتی ہوں۔ خوبصورت، فریش اور خوش باش۔'' (ان اچھی عورت یہ ڈراما کرتے ہوئے اچھی تو نہیں لگتی) نائلہ نے دکھ سے سوچا تھا۔

کیا یہ اپنے بیٹے کے عیوب و نقائص سے واقف نہیں.....؟

کیا اس نے مجھے قربان گاہ پر چڑھانے کے لیے منتخب کیا ہے.....؟

خود سر، اور نفسیاتی مریض..... بیمار ذہن شخص..... کیا اس طرح دار عورت کو پتا ہے کہ یہ کسی بے گناہ کو کس عذاب میں گھسیٹ لائی ہے.....؟

میں ہر روز اذیت کے کس پل صراط سے گزرتی ہوں.....؟

وہ نہایت بدگمان تھی..... مہر افروز اس سے بات چیت کر رہی تھیں مگر وہ ان سے حد درجہ تکلف سے پیش آ رہی تھی۔

شام کو بابر اسے ''شائنر'' (SHINER) لے آئے تھے اور یہ کہہ کر واپس چلے گئے تھے کہ ڈیڑھ دو گھنٹے بعد پک کر لیں گے۔

نقوش دلکش ہوں اور چہرہ پہلے ہی پُرکشش ہو تو بیوٹیشن بھی انتہائی پُرجوش ہو جاتی ہے۔ بہت گرم جوشی سے اسے کہا گیا۔

پھر جو اس کے پیچھے پڑی تو تقریباً سات بجے پیچھا چھوٹا..... خوبصورت گجرا بالوں میں اٹکاتی ہوئی بیوٹیشن کے ہاتھ ہی اس کا آئینہ تھے۔

بابر ٹھیک وقت پر اسے لینے آ گئے تھے۔

نائلہ ان کی گرم نگاہوں کو برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی۔ کچھ بھی تھے بہر حال اس کے شوہر تھے۔ حیا سی آئی۔ اور نظریں جھک کر رہ گئی تھیں۔

''جسٹ اے منٹ نیلی.....'' وہ سامنے شاپ کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے گویا ہوئے اور دوکان میں داخل ہو گئے۔ نائلہ گاڑی سے ٹیک کر کھڑی ہو گئی۔

''تعلیمات.....''

اس کا دل بیٹھ گیا۔ وہ یہ آواز ہزاروں میں پہچان سکتی تھی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے نظریں اٹھائیں۔ وہ کیا بولتی اس کا تو ریلیک سلیک کا بھی رشتہ نہیں تھا۔

''ماشاء اللہ بہت پُر بہار موسم ہے اور ہمارا یہ حال یہ کہ ہم زندگی کو چیلنج کر رہے ہیں کہ پست حوصلے والے تیرا ساتھ کیا دیں گے..... زندگی ادھر آ جا۔ ہم تجھے گزاریں گے۔ اگرچہ آپ پہچانی نہیں جا رہی ہیں مگر جس کے حواس سے ایک چہرہ ہر وقت ٹکرا رہا ہو وہ تو اچٹتی نگاہ میں پہچان سکتا ہے۔

سوچ رہا تھا ایسے ہی گزر جاؤں..... مگر زندگی سے خطاب کا اپنا مزا ہے..... کاش آپ نے میرے ساتھ زیادتی نہ کی ہوتی۔''

''ہوش میں آیئے مسٹر رازی..... میرا آپ سے اس قسم کی گفتگو کا تعلق نہ تھا نہ ہے۔'' نائلہ کے خوف نے غصے کا نقاب اوڑھ لیا۔

''آپ بہت کچھ کر سکتی تھیں..... مگر آپ نے صرف زیادتی کی..... رہی تعلق کی بات تو مجھے اپنی یادداشت سے کھرچ لیجیے..... اگر ممکن ہے۔'' وہ بڑے وثوق سے کہہ رہا تھا۔

''اور.....'' پھر وہ ایک دم چپ ہو گیا۔

''ہیلو سر.....!'' بابر مرتضیٰ اچنبھے کی سی کیفیت میں ہاتھ رازی کے سامنے بڑھا رہے تھے۔

نائلہ کے پیروں تلے سے زمین سرکنے لگی۔

''میرے ہزبنڈ..... بابر مرتضیٰ.....'' اس کی آواز گھٹی گھٹی سی تھی۔

''اوہ ہیلو..... بابر صاحب.....!''

''یہ میرے بھائی کے دوست ہیں۔ ہمارے محلے دار بھی ہوتے ہیں۔'' نائلہ کو مناسب تعارف بروقت ہو جھ گیا۔

''آپ یہیں پنڈی میں ہوتے ہیں؟'' بابر پوچھ رہے تھے۔

''نہیں جی..... بہر حال اسلام آباد والے پنڈی میں کبھی بھی ہو سکتے ہیں۔'' رازی مسکرایا۔

وہ حیلے بہانے سے نائلہ کی آرتی اپنی نظروں سے اتار رہا تھا۔

''گاڑی کا لاک کھولیے..... میں کھڑے کھڑے تھک گئی ہوں۔'' وہ بے زاری سے بابر کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔ اور لاک کھلتے ہی وہ رازی کی سمت متوجہ ہوئے بغیر دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔

بابر نے اس کا بداخلاق اور روڈ سا رویہ پہلے ہی نوٹ کر لیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اچھا صاحب مجھے اجازت دیجیے..... پھر ملیں گے..... حادثے کی طرح....." رازی کہہ رہا تھا۔

نائلہ نے اپنا زاویہ نہیں بدلا۔

بابر دوسری طرف سے آ کر اپنی سیٹ سنبھال رہے تھے۔ نائلہ کی پیشانی پر بل پڑے ہوئے تھے۔ بابر کی خاموشی اور بے حد اجنبی اور معنی خیز محسوس ہو رہی تھی۔

"صرف اور صرف تمہاری وجہ سے میں اس شخص کے ساتھ ہوں..... رازی..... کاش میں تمہیں تمہاری "زیادتی" احساس دلا سکتی۔"

درد کی ایک لہر عذاب کی طرح اس کی جاں سے گزر گئی تھی۔

شکیلہ گھر آ گئی تھی اور گھر میں وہ مخصوص روشنی اُتر آئی تھی جو مالکن کی موجودگی سے محسوس ہوتی ہے۔

صفیہ ہمہ وقت اس کی دیکھ بھال میں مصروف نظر آتی تھیں اور شکر کرتی تھیں کہ ان کی بیٹی مشکل سے نکل آئی۔

انہوں نے آج ماحول پُرسکون دیکھتے ہوئے دن کے وقت کا انتخاب کر کے عائشہ کو فون کیا تھا..... اتفاق سے فون عائشہ ہی نے ریسیو کیا تھا۔

"میں صفیہ بول رہی ہوں.....!"

"السلام علیکم باجی.....!" عائشہ جیسے بے تاب سی ہو گئیں۔

"وعلیکم السلام..... کیسی ہو.....؟!"

"ٹھیک ہوں باجی..... جب سے سُنا ہے کہ شہوار آپ کے پاس ہے، کچھ سکون سا ہوا ہے دل کو..... شہوار کیسا ہے.....؟"

"ٹھیک ہے ماشاءاللہ۔ بات کرو گی اس سے؟"

"نہیں..... کیا فائدہ..... اس نے جو ہمارے ساتھ کیا ہے بہت ہے ہمارے لیے۔"

"حد کرتی ہو عائشہ..... کیا کیا ہے اس نے..... معصوم بچی..... خواہ مخواہ کے عذاب سمیٹ رہی ہے۔"

"باجی..... احسن نے ہمارے ساتھ اچھا نہیں کیا..... آپ یہ کیوں نہیں سوچتیں.....؟" عائشہ کی آواز سے ناراضگی ظاہر تھی۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ احسن نے جو کیا، وہ ٹھیک نہیں کیا..... مگر شیخ صاحب اور سردار بھائی نے ان معاملات میں جو کردار ادا کیا..... وہ بری الذمہ نہیں ہیں۔"

"مگر احسن کی فاش غلطی بہرحال سب پر حاوی ہے..... آپ اس کے عیبوں پر پردہ نہ ڈالیں۔"

"عائشہ ہوش کے ناخن لو..... کیا ہم بچوں کے ساتھ بچے بن جائیں.....؟ میں سردار بھائی سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"باجی..... آپ مجھے مزید کانٹوں میں نہ گھسیٹیں..... میرے گھر کی بنیادیں تو پہلے ہی ہلی ہوئی ہیں۔"

"عائشہ..... تم انہیں سمجھانے کی کوشش تو کرو..... نہ وہ طلاق کے لیے اصرار کرتے اور نہ احسن یہ قدم اٹھاتا..... ان سے کہو وہ اپنی شرط واپس لے لیں۔ میں خود اسے رخصت کرا کر لاؤں گی..... ہمارے گھر کی بات ہے..... اور یہ سب جو ہو رہا ہے محض جذباتیت ہے۔ اس سے زیادہ سمجھ نہیں۔"

"وہ کچھ سُننے پر آمادہ نہیں..... شہوار کا تو اس گھر میں نام لینا گناہ ہے۔" عائشہ کی آواز بھر آ گئی۔

"تم کوشش تو کرو کہ وہ کسی طرح مجھ سے مل لیں۔"

"باجی..... وہ رحیم بھائی سے کچھ زیادہ ہی ہیں کم نہیں ہیں۔" عائشہ نے شکستہ انداز میں کہا۔ صفیہ نے تھک کر فون رکھ دیا۔

احسن شکیلہ کو دیکھنے کچھ دیر قبل ہی آیا تھا۔ صفیہ اس کے پاس لاؤنج میں چلی آئیں۔

"آیئے امی....."

"کیا آؤں..... بیٹے..... تمہیں تو میری ہی نظر لگی ہے..... کہ مجھ پر چھینٹے تمہارے ہاتھ اُڑا رہے ہیں۔" وہ شکست انداز میں بیٹھے ہوئے بولیں۔

احسن ان کا اشارہ سمجھ گیا تھا..... لہٰذا خاموشی ہی میں بہتری سمجھی۔

"کیا سوچا ہے تم نے.....؟" وہ پوچھ رہی تھیں۔

"کس سلسلے میں.....؟" وہ انجان سا بن گیا۔

"شہوار کے سلسلے میں.....؟" وہ دکھ سے کہہ رہی تھیں۔

"یہ قصہ تو ختم ہو چکا ہے امی....." وہ قطعی انداز میں بولا۔

صفیہ تو ایک لمحے کو ساکت سی ہو گئیں۔

"تمہیں ہوش ہے، تم کیا کہہ رہے ہو..... جب تمہیں یہی سب کچھ کرنا تھا تو کیوں لائے تھے اسے اس کے گھر سے..... جو کام تم اب کرنا چاہتے ہو، سردار بھائی وہی تو کرنے کو کہہ رہے تھے۔"

"مجھے اس وقت تک دھوکے بازی کا علم نہیں تھا۔ بلکہ یوں سمجھئے، اس وقت تک مجھے کامیابی سے بیوقوف بنایا جا رہا تھا۔"

"ہوش میں آؤ احسن..... کھیل سمجھا ہے تم نے.....؟" صفیہ کو غصہ آ گیا۔

"کسی نے تو نہیں سمجھا..... البتہ دوسروں نے ضرور سمجھا ہے....." وہ بھی قدرے ناراضگی سے کہہ رہا تھا۔

"کیا دھوکا دیا ہے اس نے تمہیں.....؟ وہ خود مختار ہی کب ہے۔ بے گناہ اور معصوم بچی۔"

"اسے میرے ساتھ رہنا نہیں چاہتی....."

"بگڑے ہو تم..... وہ احمق نہیں ہے۔" صفیہ کو شدید غصہ آ گیا۔

"جو کچھ تم نے اس کے ساتھ کیا..... وہ غصے میں کہہ رہی ہے یہ سب..... اور جو کچھ اس کے ساتھ ہوا ہے وہ حق ہے غصہ کرنے میں..... آخر انسان ہے وہ....."

"وہ غصے میں نہیں ہوش و حواس میں فیصلہ سُنا چکی ہے۔" احسن نے خشک انداز میں کہا۔

"کل....." صفیہ نے پٹھانی کو آواز دی..... "شہوار کو بلا کر لاؤ....."

"آپ اسے یہاں نہ بلائیں امی..... کوئی فائدہ نہیں۔" احسن نے ماں کو روکا۔

"خاموش رہو تم....." وہ خفگی سے بولیں۔

شہوار اوپر بیٹھی رسالہ پڑھ رہی تھی۔ اسے نیچے کے حالات کی کچھ خبر نہیں تھی۔ بُلاوے کا سُن کر..... بڑی تیز رفتاری سے نیچے آئی تھی۔

لمحہ بھر احسن کو پا کر ایک دم ٹھٹک کر رک گئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آؤ..... بیٹا..... میں نے بلایا ہے تمہیں۔'' صفیہ نے پیار سے اسے بلایا۔

وہ ہچکچاتی ہوئی ان کے نزدیک چلی آئی۔

''آؤ۔ اِدھر بیٹھو۔''

''میں ٹھیک ہوں خالہ جان۔'' وہ قدرے اکھڑپن سے بولی۔

''احسن کہہ رہا ہے کہ تم یہ رشتہ ختم کرنا چاہتی ہو اور.....''

''ٹھیک کہہ رہے ہیں.....'' شہوار نے ان کی بات کاٹ دی۔

صفیہ کے دل پر گھونسا سا لگا۔

''بیٹے..... یہ باتیں بچوں کا کھیل تو نہیں ہیں۔''

''کچھ بھی ہو خالہ جان..... میں ان کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتی..... میری جتنی بے عزتی یہ کر سکتے تھے کر چکے ہیں..... اب مزید برداشت سے بہت زیادہ ہے.....'' وہ یہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گئی۔

''شہوار..... بات سنو بیٹا.....'' صفیہ اسے آوازیں دیتی رہ گئیں۔

انہوں نے نظریں اُٹھا کر سفید کرتے پائجامے میں ملبوس احسن کو سمت دیکھا..... وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ پو کی پتیاں نوچ رہا تھا۔

''احسن..... بیٹے..... یہ بھی کوئی بات ہے کہ اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی کو برباد کرنا..... تمہارے پاس مشکلات پہلے ہی کیا کمی ہے..... یہ تو مزید مول خریدنے والی بات ہے۔'' صفیہ دکھ سے کہہ رہی تھیں.....

''وہ ناتجربہ کار اور کم عمر ہے..... تم نے اس کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔''

''امی..... وہ مت کہیے جو سب کہہ رہے ہیں۔ غیر جانب داری سے بات کیجیے..... کیا میں نے نکاح کے بعد آ سے اشارتاً بھی جلد رخصتی کے لیے کہا.....؟''

صفیہ خاموش رہیں۔

''مجھے اپنی ذمہ داریوں کا بھی احساس تھا امی..... میں..... یقین کیجیے.....'' وہ رک گیا۔

''مجھے..... آپ سے کہتے ہوئے اچھا تو نہیں لگ رہا..... دیکھیے میں تو اپنے فرائض کی وجہ سے اپنی جلد شاد خواہش مند نہیں تھا..... کہ کیوں خواہ مخواہ کسی لڑکی کو پابند کر دیا جائے۔ اگر..... معاف کیجیے گا امی..... شہوار کی تائید حاصل نہ ہوتی تو میں کسی قیمت پر اسے اپنا پابند نہ بناتا۔

یہ سب معاملہ ابا ہی نے بگاڑا ہے..... وہ سراسر ذمہ دار ہیں..... کیوں انہوں نے خالو جان کو مجبور کیا کہ وہ شہوار کو میں اسے پسند کرتا تھا۔ میں نے بقائمی ہوش وحواس اسے اپنایا تھا۔ کیسے دوسروں کے کہنے میں آ کر اسے ط دیتا..... نہ ابا جی حالتِ جنگ میں آتے نہ میں شہوار کو وہاں سے لے کر آتا۔''

''پھر اب کیا ہو گیا ہے۔ اب کیوں اسے در در کی ٹھوکریں کھانے کے لیے چھوڑ دیا ہے.....؟'' صفیہ نے ناراض انداز میں پوچھا۔

''میں یہ سب اسی کے لیے تو کر رہا تھا..... مگر میرے اس اقدام پر سب زیادہ لعنت ملامت اس نے کی ہے۔ دا کے موسم کی ساتھی نکلی۔ کڑے وقت کی نہیں..... اس کی حقیقت کھل گئی ہے..... میں سب کچھ اسی کے لیے کر رہا تھا۔ میرا ساتھ دینا چاہیے تھا..... الٹا اپنے گھر والوں کو فون پر کہہ رہی تھی کہ میں اس پر ظلم کر رہا ہوں۔

میں ظالم ہوں۔ اسے اپنے مہربانوں کے ساتھ رہنا چاہیے۔

ابا جی کی ضد سے زیادہ مجھے اس کی دوغلی پالیسی سے نقصان ہوا ہے..... اب یہ قصہ ختم سمجھیے۔''

اس نے ٹیبل سے چابیاں اٹھالیں۔

''واہ ایسے کیسے ختم سمجھوں..... میں تمہاری ماں ہوں تمہاری ڈمی پر کیوں ناچوں؟ یہ تو شریف لڑکوں کی پہچان ہوتی ہے کہ احسن کہ.....''

''وہ لڑکی ہی نہیں..... میری بیوی بھی تھی..... امی.....'' وہ بگڑے بگڑے انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔

''معاشرے میں کچھ ضابطے۔''

''چھوڑیے امی..... ضابطے انسان کی بقا کے لیے بنائے جاتے ہیں فنا کے لیے نہیں.....''

اس نے پھر بات کاٹ دی۔

''بیٹھو۔ تم جا کہاں رہے ہو.....؟''

''مجھے ضروری کام سے جانا ہے۔''

''تم بیٹھو یہاں پر.....'' وہ سختی سے گویا ہوئیں۔

''اور مجھے بتاؤ..... میں اس کا کیا کروں جسے تم بڑی دھونس سے لائے تھے۔''

''جو آپ کا جی کیجیے..... مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ مجھے تو آپ جب کہیں گی میں لکھ کر.....''

''خاموش ہو جاؤ احسن، ایک لفظ بھی آگے بولو تو میری مری ہوئی صورت دیکھو۔'' صفیہ تو جیسے تڑپ کر رہ گئیں۔

شکیلہ جو نفاست سے چلتی ہوئی صرف یہی دیکھنے آئی تھی کہ صفیہ اور احسن اتنی دیر سے کیا باتیں کر رہے ہیں..... چکرا رہ گئی۔

صفیہ نے شکیلہ کو پہلی فرصت میں ساری کتھا سنا ڈالی تھی.....

''آپ ایسا نہیں کریں گے احسن بھائی..... اگر آپ نے ایسا کیا تو اچھا نہیں ہوگا..... آپ نے کھیل سمجھا ہے..... حد بازی ہے آپ نے.....''

''ٹھیک ہے۔ میں اسے طلاق نہیں دے رہا..... مگر میں اسے اپنے ساتھ رکھنے کو کسی قیمت پر تیار نہیں ہوں۔''

''دراصل احسن، تم سے میری ہر اُمید غلط تھی۔ تم وہ نہیں ہو جو میں سمجھتی رہی ہوں۔

میں دیکھتی ہوں تم کیسے اسے نہیں رکھتے.....'' وہ بھرپور خفگی سے گویا ہوئی تھیں! احسن معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

''امی..... دوسری طرف کی خبر لیجیے..... وہ خودکشی کر لے گی مگر میرے ساتھ رہنا پسند نہیں کرے گی..... خاصے غیرت خاندان سے تعلق رکھتی ہیں محترمہ.....''

''خودکشی کریں اس کے دشمن..... اسے تو خیر میں سمجھا لوں گی..... مگر تم.....''

''میں حتمی اعلان کر رہا ہوں کہ میں اس سے مطلق دلچسپی نہیں رکھتا ہوں.....

آپ اسے میرے گھر میں ڈیکوریشن پیس بنا کر سجا دیں..... تو آپ کی مرضی.....''

یہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گیا..... شاید اسے اپنے جملے کی تندی و تیزی کا ادراک تھا، اسی لیے ایک لمحہ مزید نہیں رکا۔

صفیہ کی تو صدمے سے زبان گنگ ہو گئی تھی.....

شکیلہ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر گویا انہیں تسلی دینے لگی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آج جمعرات تھی۔

منزہ کی خوشی اس کی ایک ایک حرکت سے ظاہر تھی۔

''خاور کا یونان سے فون آنا تھا..... ان کا میسج ملا تھا کہ وہ جمعرات کے دن پاکستان کے وقت کے مطابق رات آٹھ بجے فون کریں گے۔''

آٹھ بجنے میں پورا ڈیڑھ گھنٹہ تھا۔

معاملہ انتظار کا ہو تو وقت ٹھہرا ہوا لگتا ہے۔

خوشی کا ہو تو پر لگا کر اُڑتا ہے۔

گڑیا سو رہی تھی۔ جگنو اپنے کھیل کھلونوں میں مگن تھا۔

پہلے تو اس نے خود کو بہت اچھی طرح تیار کیا۔ تازہ ترین شاپنگ کا اہم کارنامہ وہائٹ کاٹن کا سوٹ تھا۔ منفرد کڑھائی اور تراش کا..... وہ زیب تن کیا..... بال وال بنا کر فارغ ہوئی تو بھی اچھا خاصا ٹائم تھا۔

وہ آنکھوں کا میک اپ کرنے بیٹھ گئی..... ہلکی سی لپ اسٹک لگائی..... پھر اپنی چوڑیوں کا ڈبہ لے کر آئی اور اطمینان سے کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

کڑھائی سے میچنگ کرتی چوڑیاں نکال کر علیحدہ کیں۔ دو ہاتھوں کے سیٹ تیار کیے اور کریم لگا لگا کر بمشکل چوڑیوں کو ''منزلِ مقصود'' تک پہنچایا۔

چوڑا سا کاٹن کا دوپٹہ کلف لگا ہوا شانوں پر پھیلا کر اپنی تیاری پر اپنے آپ کو داد دی..... اور گھڑی کی سمت دیکھا۔

''اُف اللہ..... کب بجیں گے آٹھ.....؟''

خاور سے ملاقات نے تو اسے وقت کی قدر و قیمت سمجھائی تھی۔

پہلی مرتبہ خاور سے ملنے کے لیے اس نے گھڑی پانچ سال قبل آدھ گھنٹے میں سینکڑوں مرتبہ دیکھی تھی۔ خاور کے پراس کی فرسٹ کزن ارسہ نے رات نو بجے آئسکریم کا پروگرام بنایا تھا..... اور فون کر کے تمام نزدیکی کزنز کو اکٹھا کر لیا تاکہ رات کی میر پر بزرگوں کو مجبور کیا جا سکے..... اور پھر وہ سب اسے خاور کی گاڑی میں چھوڑ کر نہ جانے کہاں غائب ہو تھیں..... ایک تو راستے ہی میں اس کی خوب دُرگت بنی تھی..... اس کی اور خاور کی مشترکہ کزن اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ بیٹھی تھی..... اس صحت مند کزن کی وجہ سے خاور کے کس قدر قریب ہو کر بیٹھی تھی کیوں کہ چار کزنز پیچھے پھنسی ہوئی تھیں۔

اس دن بھی وہ بڑی ترنگ میں تیار ہوئی تھی..... اس دن بھی نو بڑی مشکل سے بجے تھے۔ اسے نہ جانے کیا کچھ آ گیا۔ بہت خوبصورت رنگ چہرے پر بکھر گئے تھے۔

اسی دم فون کی گھنٹی بجی..... اس نے گھڑی کی سمت دیکھا۔ آٹھ بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے۔ اس کا دل خوشی سے ناچا..... جتنی بے قرار وہ ہے..... اتنے خاور بھی تو ہوں گے..... اسی لیے پانچ منٹ پہلے ہی.....

اس نے دھڑکتے دل سے ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو.....!''

''اوہ بلو کے بچے..... تم نے بھی فون کے لیے یہی وقت نکالنا تھا..... دیکھو..... نو بجے کر لینا..... خاور کا فون آنے والا ہے.....''

اس نے فوراً بلال کو فون بند کرنے کے لیے کہا..... اسے افسوس بھی ہوا..... ظاہر ہے وہ نوشہر سے اس کی خیر خبر

لیتا تھا۔

اس نے فون رکھا ہی تھا کہ کال بیل بج اٹھی..... اسے خاصی جھنجلاہٹ سی محسوس ہوئی..... وہ تقریباً بھاگتی ہوئی دروازے تک گئی تھی۔

''السلام علیکم!'' سامنے اسد مسکرا رہے تھے۔

''پیڈسٹرینس آپ کو خاصی گراں گزری ہوگی..... مگر ابھی آٹھ بجنے میں پورے دو منٹ باقی ہیں۔''

منزہ تھوڑی سی حیران ہوئی پھر سب کچھ سمجھ کر مسکرا دی..... ''گویا میسج آپ کو بھی پہنچا ہے۔''

وہ واپس ان کے ہمراہ اندر آتے ہوئے گویا ہوئی۔

''جناب.....''

''بچے کہاں ہیں.....؟'' اسد نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

''ایک نیند سے مشغل فرما رہی ہیں اور دوسرے کھلونوں سے..... سخت مصروفیت ہے۔'' وہ بشاشت سے مسکرا کر کہہ رہی

اسد بھی اس کی شوخی پر بے ساختہ ہنس دیے۔

''چائے بناؤں اسد بھائی.....؟'' وہ اپنے کلف شدہ دوپٹے کو اچھی طرح جماتے ہوئی پوچھ رہی تھی۔

''اب جو کچھ ہوگا فون کے بعد ہوگا..... آپ آرام سے تشریف رکھیے بھابی.....''

''اور آپ کہاں غائب تھے پورا ہفتہ.....؟''

''بھائی..... بزی..... نس.....'' وہ شرارت سے مسکرائے..... ''دو دن کے لیے پنڈی بھی جانا ضروری تھا۔''

''پنڈی گئے تھے آپ.....؟''

''پنڈی اور اسلام آباد.....''

''کیسی ہیں آپ کی نئی دلہن بھابی.....؟'' منزہ کو اچانک یاد آیا۔

''بہت مزے میں۔''

''اور آپ کی پھوپھو.....؟''

''ان سے بھی زیادہ مزے میں۔''

دونوں بے ساختہ ہنس دیے۔

منزہ نے گھڑی کی سمت دیکھا۔ ''آٹھ بج کر دو منٹ.....''

''آٹھ تو بج چکے ہیں اسد بھائی.....'' وہ بے زاری دکھائی دی۔

''پانچ دس منٹ کا مارجن تو رکھنا چاہیے بھابی.....'' اسد نے تسلی دی۔

''اف پانچ دس منٹ.....'' وہ اس طرح پہلو بدل رہی تھی جیسے صوفے میں کانٹے گڑے ہوں۔

''ممی.....'' جگنو..... روتا ہوا لاؤنج میں داخل ہوا۔

منزہ نے بازو وا کر دیے۔ وہ اس کے بازوؤں میں سما گیا۔

''گگنیچا کا فون آئے گا..... آپ پپا سے باتیں کریں گے ناں.....؟'' وہ اس کے ریشمی بالوں کو چوم کر کہہ رہی تھی۔

''آپ نے انکل کو سلام نہیں کیا..... کتنی بری بات ہے بیٹا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جگنو ماں کی آغوش میں منہ چھپا کر جیسے کسی پناہ میں آ گیا تھا..... اپنا موڈ اور زاویہ مدلنے پر آمادہ نہیں ہوا۔

آٹھ دس..... پندرہ..... بیس..... ساڑھے آٹھ ہو گئے۔

"خاور کبھی ایسا دل ہلا دینے والا مذاق نہیں کر سکتے....." وہ روہانسی ہو گئی۔

"دیر بھی ہو جاتی ہے بھابی..... اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے۔"

اسد نے سمجھایا۔

"پونے نو..... نو....."

منزہ کا موڈ سخت خراب ہو گیا۔

ٹرن..... ٹرن..... فون کی بیل رنگ ہوئی۔ دل بے اختیار دھڑکا۔

"آپ اٹھایئے اسد بھائی....." منزہ جیسے روٹھ گئی تھی.....

اسد نے ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو..... اوہ..... جناب بلال صاحب..... یہیں ہیں آپی....."

"بلال ہے بھابی....."

منزہ جیسے بادل نخواستہ اٹھی۔

"ہیلو..... ٹھیک ہوں..... امی کیسی ہیں؟" "تم کب آؤ گے کراچی.....؟"

"پاپا لاسٹ فرائیڈے کو آئے تھے تھوڑی دیر کے لیے جگنو کو لے گئے تھے ایسے ہی سیر کرانے۔ مجھ سے تو زیادہ بات ہو پائی..... ان کی مصروفیت جگنو کے ساتھ زیادہ رہی۔"

"نہیں..... شکیلہ باجی نہیں آئیں۔ یقین کرو..... اچھا چھوڑو..... تم اپنا ذہن مت الجھاؤ۔ میں فون بند کر رہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں۔شاید خاور کا فون آجائے۔"

"ہاں.....ابھی تک نہیں آیا.....مجھے ان کے آفس سے میسج ملا تھا.....برنی صاحب کا فون آیا تھا۔ان کا فون آنا تو نارمل نہیں ہوسکتا۔"

"شاید کوئی خاص بات ہوگئی ہو.....اچھا.....اوکے.....میں تمہیں صبح رنگ کردوں گی۔"منزہ نے ریسیور رکھ دیا۔

ایک اضمحلال سا اس پر طاری ہو چکا تھا۔

وہ خاموشی سے بیٹھ گئی.....ٹپ ٹپ آنسو ٹپک پڑے۔

اسد کو دلی رنج سا ہوا۔

ماں کو روتے ہوئے دیکھ کر جگنو بھی بسورنے لگا.....اسد نے جگنو کو گود میں اٹھالیا۔

"بھابی.....پلیز.....اس طرح نہیں کریں....."

اسد کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کریں.....وہ ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئے۔

مگر جگنو انہیں بہت پریشان کر رہا تھا۔وہ کبھی ڈرائینگ روم اور لاؤنج کی حد سے باہر نہیں گئے تھے.....انہوں نے جگنو کو گود سے اتار دیا۔وہ بھاگتا ہوا لاؤنج کی حد سے باہر نکل گیا۔عین اسی دم فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

اسد نے قدرے طمانیت کا سانس لیا۔

"جی.....ہیلو.....یہی نمبر ہے.....مسز خاور.....موجود ہیں.....بھائی ہوں خاور کا.....جی.....؟.....جی.....!!!

کب.....شپ یونان پہنچ ہی نہیں سکا.....اچھا.....!"

اسد کی آواز سے ظاہر ہوتا تھا کہ جو بات بھی ہے برداشت سے بہت زیادہ ہے۔

مارے جذب کے ان کا چہرہ گلابی اور کان کی لوئیں سرخ ہو رہی تھیں....."ٹھیک ہے۔"انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

انہیں گھر کی چھت اپنے اوپر آتی محسوس ہو رہی تھی۔

اگلے ہی لمحے انہوں نے نوشہرہ کا کوڈ تلاش کر کے ڈائرکٹ ڈائل کیا۔

"بلال.....؟"

"اسد بات کر رہا ہوں.....پہلی فرصت میں کراچی آجاؤ.....امی کو بھی لے آؤ تو بہتر ہو ہے.....مجھے اپنے پاپا کا فون نمبر دے دو....."

"ٹھیک ہے.....مگر میں بھابی سے فی الوقت کوئی بات نہیں کر سکتا.....پلیز سوال جواب میں وقت ضائع نہیں کرو۔"انہوں نے ریسیور رکھ دیا.....پلٹے تو منزہ دروازے کے فریم سے ٹکی انہیں عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

سفید اسٹائلش سوٹ.....بھر بھر کلائی چوڑیاں.....نفیس سا میک اپ.....بالوں کا خوبصورت انداز.....پیشانی پر بالوں کی خوبصورت لٹ.....ناک میں دمکتی لونگ۔

کاش یہ حادثہ میرے نام لگا دیا ہوتا قدرت نے اسد کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ مخاطب کریں تو کس طرح.....

"اسد بھائی.....!"

اسد فولادی اعصاب رکھنے کے باوجود نظریں اٹھانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

"بتا دیجیے مجھے.....کہ میرا خواب، میرا واہمہ.....میرا خدشہ.....سچ نکل آیا ہے۔"

وہ جیسے کنویں سے بولی تھی.....اسد کو اس کے وجدان و صحیح اندازے پر حیرت ہوئی۔اس سے قبل کہ وہ زمین پر آرہتی

بازو سے سنبھال چکے تھے۔

باوجود ضبط کے ان کی آنکھیں سے دو موتی ٹوٹ کر منزہ کے چہرے پر گر پڑے تھے۔

انہوں نے بیڈ پر اسے لٹا دیا۔اور اسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگے۔

حالانکہ دل تو چاہ رہا تھا، وہ اسی طرح بے حواس رہے تو بہتر ہے۔

حواس جاگے تو طوفان جاگ پڑیں گے۔

انہوں نے پہلی فرصت میں انعام علی کو رنگ کیا۔وہ سو چکے تھے۔فون نوکر نے ریسیو کیا تھا۔اور صاحب کو اٹھانے کی درخواست کی تھی۔

اسد زچ ہو گئے۔"بندہ خدا اپنے صاحب کو اٹھاؤ اور کہو کہ ان کی بیٹی کا گھر جل گیا ہے۔"اسد نے منزہ کی سمت دیکھتے ہوئے بڑے دکھ سے کہا۔

نوکر نے ایک منٹ ہولڈ کرنے کے لیے کہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ریسیور سے شکیلہ کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو.....جی.....میں مسز انعام علی بات کر رہی ہوں۔"اس کا لہجہ خوبیدہ سا تھا۔

"میڈم۔!میں منزہ کے گھر سے اسد بات کر رہا ہوں۔آپ کی صاحبزادی کے ساتھ ٹریجڈی ہو گئی ہے خاور کا شپ طوفان کی نذر ہو گیا۔خاور جو راک اینڈ راک کمپنی کے شپ پر فرسٹ انجینئر کے طور پر کام کرتے تھے۔وہ اب ہم میں نہیں ہے۔"اُن کا لہجہ کمزور اور آواز سُست ہو گئی۔

ریسیور کریڈل پر ڈال کر وہ منزہ کے قریب آئے۔اور اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے پندرہ بیس منٹ کی کوشش کے بعد ہلکی سی سسکاری لے کر اس نے آنکھیں کھولی تھیں۔

"بھابی پلیز....."اسد اس سے کچھ دور ہٹ گئے۔

حمزہ خالی خالی آنکھوں سے ان کا چہرہ دیکھنے لگی یہ بھی غنیمت تھا کہ بچے سو چکے تھے۔

"اسد بھائی.....!خبر کیا آئی ہے؟ایسی خبر جس میں کسی امکان و امید کی گنجائش ہوتی ہے۔"اس کی آواز بھرا گئی۔

اسد کی جھکی نظریں نہ اُٹھ سکیں۔

"کوئی انہونی نہیں ہوئی میرے ساتھ۔جب خاور مجھے ملے تھے۔اور میں ایک عظیم خوشی سے ہمکنار ہوئی تھی، تب ہی مجھے خدشہ لاحق ہو چکا تھا کہ مجھے اس خوشی کا تاوان دینا ہوگا۔اس لیے کہ میری مٹی خوشی کے لیے بالکل بھی موزوں نہیں ایک آسیب اسد بھائی۔ایک آسیب۔میرے ہونٹوں پر کھلنے والی مسکراہٹ کی تاک میں رہتا ہے۔"وہ چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

"بھابی۔ہمت سے کام لیں۔دُکھ واقعی بہت بڑا ہے مگر برداشت کرنا ہے۔"

"جب میں کہتی تھی تو کیوں نہیں مانتے تھے۔مجھے ایک بڑی خوشی کے سراب کے پیچھے دوڑا کر ہمیشہ کے عذاب میں ڈالا ہے۔خاور میں نے آپ کا کیا بگاڑا تھا۔ہ؟"

اس کی آہ و بکا میں انتہائی شدت پیدا ہو گئی۔اور وہ ایک بار پھر بھربھری مٹی کی طرح ڈھے گئی تھی اپنے بستر پر، اسد نے سوچا اب ڈاکٹر کے بغیر گزارا نہیں انہوں نے ایک مرتبہ پھر فون استعمال کیا اور پتا بتا کر حالات کی سنگینی کا تقریباً واسطہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ ذہنی طور پر اتنے دکھی اور منتشر تھے کہ خود انہیں اس وقت کسی اذیت میں مبتلا کر دیا تھا۔ دور طالب علمی کی میں گزرا تھا۔ اور اس کے بعد کا تمام عرصہ۔ خاور جب ملک میں ہوتے تھے تو ان کا زیادہ وقت اسد کے ساتھ ہی گزر شادی کے بعد خاور نے ذہانت سے کام لیتے ہوئے اسد کو گھر کا اہم جز بنا دیا تھا کہ منزہ کو وہ گھر کے ماحول کا حصہ محسوس ہوتے تھے۔

دوسرے خود اس نے بھی توازن کا "قانون" نہیں توڑا تھا۔ اسی وجہ سے یہ دوستی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مضبوط ہوتی چلی گئی تھی۔ خاور کو پتا نہیں چلتا تھا کہ اسد ان کی زندگی میں اہم کس وجہ سے ہیں۔ اور اسد کو معلوم کہ خاور انہیں اس درجہ عزیز کیوں ہیں۔

اسد کو کبھی یہ دھیان نہیں آیا۔ کہ خاور کا سوسائٹی میں کیا مقام ہے۔ انہیں کیا حاصل ہے اور کس چیز سے محروم ہیں اسی طرح۔

خاور کو بھی خیال نہیں آیا تھا کہ اسد کی کیا مصروفیات ہیں وہ کیا پہنتے ہیں، کیسا کھاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

بس ہر چیز سے بالاتر ہو کر وہ دونوں ایک دوسرے کو محسوس کرتے تھے۔ ایک دوسرے کی رفاقت میں خوشی کرتے تھے..... ایک کی ذات دوسرے کے لیے باعث طمانیت تھی۔ دنیا کے ہر قسم کے نفع و نقصان سے بالاتر وہ تھی۔

منزہ کی حالت کے پیش نظر وہ اپنی پتا نظر انداز کر کے اس کی سمت متوجہ ہو گئے تھے۔ مگر گھر کے ماحول میں دو سکوت چھایا تو اپنے وجود سے آوازیں آتی محسوس ہونے لگیں۔

خاور کی فیملی اور رشتے داروں کو اطلاع پہنچانے کا کام بھی انہوں نے ہی کرنا تھا۔ خاور کی صرف ایک بہن کا انہیں معلوم تھا۔ باقی معاملات منزہ کے ہوش میں آنے تک ملتوی کر دیئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر اور انعام علی آگے پیچھے گھر میں داخل ہوئے۔

انعام علی کی پیشانی پر لکیریں گہری ہو رہی تھیں۔ چہرے پر ناقابل فہم قسم کا تاثر تھا۔

وہ اسد کے قریب آئے تھے۔ اسد نے خود آگے بڑھ کر انہیں گلے سے لگا کر جیسے تعزیت کی تھی۔ ڈاکٹر منزہ کے اپ میں مصروف تھا۔

انعام علی ڈاکٹر کے قریب آ کر کھڑے ہوئے تھے اور تشویش بھری نظروں سے اس کی سمت دیکھ رہے تھے، پا کے بعد منزہ کے پپوٹے متحرک ہوئے اور اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔

باپ کو سامنے دیکھ کر جیسے یقین نہ آیا۔

"پاپا!" اس کی بھیگی ہوئی آواز ابھری۔ انعام علی اس کے بستر پر بیٹھ گئے۔

اس کی عمر کی لڑکیاں ہنستی کھیلتی فارغ پھر رہی ہیں۔ ہر جھمیلے سے بے نیاز۔ انیس سال کی عمر میں شادی ہوئی سال میں بیوگی کے عذاب بھی لاحق ہو گئے۔

"یہ عورت! اُن کی نس نس میں پھر زہر دوڑنے لگا۔

"یہ عورت۔ میرے لیے ہی نہیں میرے بچوں کے حق میں بھی ناسور ہے۔ کتنا کہا تھا کہ ہماری ایک ہی بچی جلدی شادی کی ضرورت کیا ہے۔ ایک فیصد میرا دل نہیں مانتا تھا کہ اس کی اتنی جلدی شادی ہو۔

جھونک دیا میری بیٹی کو بھی آگ میں۔ یہ اس کی اتنی سی..... یہ اتنی بڑی قیامت۔

بلا دکھ..... اپنی بیٹی کا غم۔ ان کے لہو کے ذرے ذرے میں۔ ایک ایک خلیے میں اُترا تو انہیں اپنی ماں کے

ام علی..... ! نور بانو کس دُکھ میں ہے' یہ اس کے ماں باپ ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ تمہیں اس کا ذرا احساس نہیں۔ ذات اپنی اولاد کی کوئی مشکل دیکھو گے تو پتا چلے گا....."

انہوں نے سخت ناراضگی کے عالم میں کہے تھے۔

علی کو ایسا محسوس ہوا جیسے انہوں نے بددعا دی تھی۔

بددعا کی ذمہ دار بھی تم ہو۔" انہوں نے پھٹتے ہوئے دل کے ساتھ بیٹی کا دُکھ محسوس کیا۔

بیٹے!" انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور جیسے کچھ کہنا چاہا۔

!" منزہ ان کی یہ شفقت جیسے برداشت نہیں کر سکی۔ تڑپ کر ان کے سینے سے لگ گئی۔ انعام علی نے اسے بچے کی طرح اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

بے قرار ہو کر رو رہی تھی۔ بلند آواز کے ساتھ۔ انعام علی کا گریبان اس کے آنسوؤں سے گیلا ہو گیا تھا۔

بیٹے! حوصلہ کرو..... ہمت سے کام لو..... انسانوں پر اس طرح کی بڑی بڑی مشکلات بھی آتی ہیں۔" وہ اس تھپکتے ہوئے اپنے لہجے پر قابو پانے کی کوشش بھی کر رہے تھے۔

میں پھر اکیلی رہ گئی..... میں تو ہمیشہ سے اکیلی ہوں....." وہ روتے روتے کہہ رہی تھی۔

علی کے بازوؤں کی گرفت بیٹی کے وجود پر مضبوط ہو گئی۔ اُن کے دل میں جیسے دراڑیں پڑ رہی تھیں۔

ایسے نہیں سوچتے بیٹے..... ! میں ہوں ناں تمہارے پاس....."

پ کہاں ہیں میرے پاس..... آپ تو سایہ ہیں پاپا۔ میں آپ کے پیچھے بھاگ رہی ہوں مگر آپ ہاتھ نہیں آتے پھوٹ کر رو رہی تھی۔

بڑا سا شگاف انعام علی کے دل میں کہیں ہوا تھا۔

سے انتقام کے جذبے نے مجھے کتنا بے خبر کر دیا۔ میرے بچے ذہنی طور پر اتنے دُور ہیں۔ یہ تمہارا دوسرا بڑا ستم جان پر نور بانو۔" بیٹی کی آہ و بکا نے ان کی آنکھوں میں پانی بھر دیا۔

تمہارے دیے ہوئے کون کون سے روگ نظر انداز کروں؟"

پنے آپ کو سنبھالو بیٹے..... فار گاڈ سیک۔" انہوں نے اس کی پریشانی پر بوسہ دیا۔

!" منزہ کے وجود پر جیسے پھوار برس پڑی۔

نا بڑی قیمت ہے پاپا آپ کے قرب کی.....؟ مجھے پتا ہوتا تو بہت پہلے کوئی بڑا حادثہ اپنے نام لگا لیتی۔" وہ تے ہوئے کہہ رہی تھی۔

علی کا وجود جیسے کسی آری کی زد میں تھا۔ بیٹی کا اتنا بدگمان دل۔

ایسا محسوس ہوا جیسے ان کی ساری زندگی کسی عظیم کوتاہی کی زد میں آ گئی ہو۔" ایسے نہیں کہتے بیٹا.....! تم میری بیٹی اولاد ہو۔ تم میرے دل سے کیسے دُور ہو سکتی ہو؟"

نے ایک مرتبہ پھر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

!" روئے تو ہم ہمیشہ سے ہیں۔ مگر اب تو حد ہو گئی ہے۔" وہ پھر بلک بلک کر رو دی۔ "پاپا.....! آپ ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے بہت دُور ہیں۔ یہ خیال میرے دل سے نہیں جاتا۔"

"ایسی باتیں نہیں کرتے۔ جس طرح آنکھوں کے ساتھ پلکیں اور جسم کے ساتھ ہاتھ پاؤں پیوست ہوتے ہیں طرح اولاد والدین کے وجود سے وابستہ ہوتی ہے۔"

"پاپا.....! مجھے کوئی خوشی راس کیوں نہیں آتی.....؟" وہ روتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

انعام علی کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی دھماکے میں اُن کے وجود کے پرخچے اُڑ گئے ہوں۔ انہوں نے منزہ کا سر اپنے سے لگا لیا۔ وہ زندگی میں کبھی نہیں روئے تھے ان کی آنکھیں کبھی نہیں بھیگی تھیں۔

مگر آج احساس ہوا کہ اولاد کی محبت زندگی میں ساری محبتوں پر حاوی ہوتی ہے۔

بے بس کر دینے والا اَن کہی شکنجہ ہوتی ہے۔

ایسا قرض۔ جو چکائے نہیں چکتا۔

قاف کے اُس پار رہنے والا ایسا پرندہ جس کے وجود میں کسی اور کی زندگی ہوتی ہے۔ کہ جسے اذیت دی جا قیامت دوسری طرف ٹوٹتی ہے۔

وہ تو یہ سوچتے رہے تھے کہ ان کی دن رات کی محنت شاقہ نے ان کی اولاد کو عیش و آرام کے سارے رنگ دے ہیں۔ دنیا کی نعمتیں ان کے قدموں میں بکھیر دی ہیں۔

اولاد کی اولاد تک کا معاشی مستقبل محفوظ کر دیا ہے۔

مگر نا آسودگی کا انکشاف۔ جیسے ان کی ساری محنت ہی اکارت گئی۔

"مجھے خوشی راس کیوں نہیں آتی؟" ایسا سمع خراش جملہ تھا کہ کانوں میں مستقل اذیت اُتر آئی تھی۔

وہ تو منزہ کی شادی کے لیے ایک سے لاکھ تک راضی نہیں تھے۔ مگر جب انہیں پتا چلا کہ اس میں ان کی بیٹی کی خوشی تو انہوں نے بادل نخواستہ اپنی رضامندی دی تھی۔

وہ اپنی محبتوں پر خود ہی مطمئن تھے۔ انہیں نہیں معلوم تھا شاید کہ محبت کی اطلاع محبت کے احساس سے زیادہ اور اہم ہوا کرتی ہے۔

وگرنہ..... انہوں نے تو معاشرے کے کسی ممتاز اور نمبر ون شخص سے کم تو اپنی بیٹی کے لیے سوچا بھی نہیں تھا۔

"خوشی اور غم تو زندگی کے ساتھ ساتھ ہوا کرتے ہیں بیٹے۔!" انہوں نے محبت سے اس کی پیشانی سے بال سمیٹے

"یہ غلط ہے پاپا..... اب تو صرف دُکھ کا طویل راستہ طے کرنا ہے۔" اس کے آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے

انعام علی نے کرب سے آنکھیں موند لیں۔ انہیں محسوس ہو رہا تھا۔ ان کی ساری ذہانت، لیاقت، صلاحیت بڑے دُکھ کے سامنے ہیچ ہے۔

شکیلہ نے جس وقت انعام علی کو اس حادثے کی خبر دی تھی۔

وہ نہایت گہری نیند میں سوئے ہوئے تھے لیکن خبر سنتے ہی ایسے ہو گئے تھے جیسے برسوں سے جاگ رہے تھے۔ نے انہیں کبھی اتنا پریشان اور بدحواس نہیں دیکھا تھا۔

صفیہ ایک کمرے میں عشاء کی نماز میں مصروف تھیں۔ شہوار ٹی..... وی لاؤنج میں تھی۔

انعام علی نے اپنے معمول کے انداز سے ہٹ کر بجلی کی سی تیزی سے لباس تبدیل کیا تھا۔ ان کے انداز میں ا

اور بدحواسی تھی کہ شکیلہ ایک طرف کو کھڑی رہ گئی تھی۔ گویا اگر راہ میں آئی تو انعام علی روندتے ہوئے گزر جائیں

اس نے وارڈ روب سے چادر نکالی اور اوڑھنے لگی۔

انعام علی نے گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔

"آپ نہیں جائیں گی..... آپ کا وہاں جانا ٹھیک نہیں۔" انہوں نے سختی سے کہا تھا۔

"اب بھی؟" شکیلہ کے جملے میں گہرائی تھی۔

"اب بھی۔" انہوں نے بھی اسی انداز میں جواب دیا تھا۔

"امی پوچھیں تو کیا کہوں.....؟" اس نے آہستگی سے پوچھا۔ حالانکہ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ اُڑ کر منزہ کے پاس وہ سادہ اور بے ریا و بے ضرر سی مودب لڑکی جو کسی طرح بھی دو بچوں کی ماں دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اس حادثے کا اس کا دل تڑپ گیا تھا۔

"یاد رکھیے گا کہ میری بیٹی پر قیامت گزر رہی ہے۔ جو کچھ چھپایا تھا۔ آپ کے والد نے چھپایا تھا میں نے نہیں۔"

وہ یہ کہہ کر جھپاک سے باہر نکل گئے تھے۔

ایک غیر شعوری فاصلہ اس کے اور انعام علی کے درمیان آیا تھا۔ وہ ان کے ساتھ جانا چاہتی تھی مگر اس سے اصرار نہیں کیا تھا۔

اس لیے کہ اصرار کا انحصار، موڈ، ماحول، رویے اور رشتے پر ہوتا ہے۔

انعام علی کے جاتے ہی صفیہ اندر آ گئی تھیں۔

"یہ اتنی جلدی میں کہاں گئے ہیں! انعام علی.....؟" وہ فکر مندی سی اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

"جب میرے رشتے میں طاقت نہیں۔ تاثیر نہیں۔ جب میں بہت کچھ ہو کر بھی کچھ بھی نہیں۔

جن رشتوں کی عملداری میں میرے وجود کی کوئی حیثیت نہیں۔

جب میری جڑیں نہیں۔ پاؤں نہیں۔

تو میں کیوں۔ اپنے منہ سے وہ بات نکالوں جس کے نکالنے یا نہ نکالنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

امی کو بتا بھی دوں تو کیا۔ انعام علی کا خاندان مجھے اپنے سر پر بٹھا لے گا.....؟

کبھی بھی نہیں۔ بس ایک کوفت اور ایک عذاب امی کو مزید مل جائے گا۔ جس کی امی کے پاس پہلے ہی کچھ کمی نہیں۔"

"کسی ضروری کام سے گئے ہیں۔"

"بہت پریشان دکھائی دے رہے تھے۔" صفیہ نے شکیلہ کے انداز میں کچھ نیا پن محسوس کیا۔

"شاید۔" وہ اپنے بیڈ پر دراز ہو گئی..... اور آنکھیں پر بازو رکھ لیا۔

کیا کمی تھی مجھ میں؟

قسمت والی بیاہتا کون ہوتی ہے؟

وہ جو کسی پر سوتن بن کر آتی ہے؟ اپنے نخرے اُٹھواتی ہے۔ جس کے آگے پیچھے اس کا شوہر پھرتا ہے، اس کے قدموں لا دنیا کی نعمتیں ڈھیر کرتا ہے۔ مگر پھر بھی وہ اپنے شوہر کے خاندان میں نمبر دو ہوتی ہے۔

یا وہ بیاہتا ہے۔ جس کو بیاہنے کے لیے اس کی ساس، نندوں نے جوتیاں گھسائی ہوتی ہیں۔ شگن کیے ہوتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔شوہر کے گرجنے، برسنے، روٹھنے، ٹھکنے کے باوجود اُس کے خاندان میں مضبوطی سے پاؤں جمائے ہوتی ہے۔

کون سی عورت "خاص" ہوتی ہے؟

وہ جو دوسری بیوی بن کر شاندار گھر میں تنہا ہوتی ہے۔

یا وہ جو شوہر کے خاندان میں مسائل کے انبار کے ساتھ ہر ہر لمحے معتبر حیثیت کے ساتھ زندگی گزارتی ہے۔

شوہر کی ٹھکرائی ہوئی عورت، سوتن کے مقابلے میں اپنے ہمراہ ہمدردی کی ایک عظیم قطار رکھتی ہے۔

اُف.....! سارے عیش و آرام کے باوجود یہ نمبر دو کا احساس کس درجہ اذیت ناک ہے۔ شکیلہ کو شدید احساس محرومی لاحق ہو رہا تھا۔

"کیا کوئی مسئلہ درپیش ہے شکیلہ؟" صفیہ تو جیسے تفکرات تک "سوگھ" لیا کرتی تھیں۔

"نہیں امی! بس ایسے ہی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" آنسوؤں کے پھندے اس کے حلق میں اٹکنے لگے تھے۔

"اتنا تو تمہیں منع کرتی ہوں کہ زیادہ چلو پھرو نہیں۔ بس یہی چند روز ہیں احتیاط کے۔"

"شہوار بھابھی کہاں ہیں امی؟" اس نے موضوع بدلنے میں عافیت سمجھی۔

"نماز پڑھ رہی تھی..... عائشہ سے کہا تھا میں نے کہ کسی بہانے آجاؤ..... ہم دونوں یہیں آمنے سامنے بیٹھیں، کوئی حل نکالیں۔"

"میری تو سمجھ میں نہیں آتا۔ احسن تو شہوار سے ایسے بدکا ہے جیسے کھبے سے کافر۔ میں تو شہوار سے پوچھ پوچھ کر تھک گئی ہوں۔ تم ذرا پوچھ کر دیکھنا۔ اب ایسا بھی سر پھرا نہیں۔ شہوار اس کی اپنی پسند، اپنی خوشی تھی۔ یہ ایکا ایکی کیا ہو گیا۔"

"شاید کسی اور کے دام میں آ گئے ہیں احسن بھائی اور جان بوجھ کر شہوار بھابھی سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اتنے دن خاندان سے کٹے رہے ہیں۔ کیا پتا اس دوران کیا کچھ ہو گیا ہو۔" شکیلہ کو بس یہی بات سمجھائی دی۔

"ارے نہیں اتنا کمزور نہیں ہے۔ باپ کا تھوڑا بہت تیا منتقل ہوا ہی ہو گا۔ اور پھر خاندان سے کٹا ہوا تھا۔ شہوار تو تقریباً اس کے ساتھ ہی ہے۔"

"امی.....! آپ ماں ہیں، آپ احسن بھائی کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہیں۔ مجھے تو بہت مشکل نظر آتا ہے کہ وہ شہوار کو بسا لیں گے۔"

"اپنی بدفال منہ سے نہیں نکالتے بیٹا.....! خاندان میں ہماری سات پشتیں قدم نہیں جما سکیں گی۔ شیطان کی طرح عمر بھر کو سرد و بے ٹھکانہ ہیں گے ہم۔" صفیہ تو جیسے دہل کر رہ گئیں۔

"میں تمہارے باپ کے ستائی ہوئی گئی ہوں۔ احسن نے تنگ کیا تو جان پر کھیل جاؤں گی مگر بہن کی نظروں میں ذلیل ہونا پسند نہیں کروں گی۔ اب حد ہو جائے گی۔"

عائشہ بتا رہی تھی کہ سردار بھائی کو سال بھر ہونے کو آیا زمینوں پر نہیں گئے، کئی دنوں سے پروگرام بنا رہے ہیں۔ پھر وہ آئے گی۔ محض اسی وجہ سے داماد کے در پر پڑی ہوں۔ وہ تو ہاتھ لگتا ہی نہیں۔"

"شکیلہ.....!" صفیہ بات کرتے کرتے چونک پڑیں۔

"جی امی.....؟"

"شہوار تو رہی ہے احسن کے ساتھ اسے تو پتا ہو گا اس کا گھر۔"

"مگر وہ جائیں گی کیوں۔؟" شکیلہ نے یاد دلایا۔

ہے تو میں سمجھا لوں گی..... اصل فکر تو مجھے احسن کی ہے۔ وہ بہت بدلتا جا رہا ہے۔ اس سے پہلے کہ میرا بچہ گھر سے نکل جائے مجھے کچھ کرنا ہو گا۔

میں نے چلنے کے لیے کہا تو کہنے لگا۔ امی وہ گھر نہیں سرائے ہے۔ میں دوسرے گھر میں شفٹ ہو رہا ہوں آپ لے جاؤں گیا۔ یہ کہہ کر جو گیا۔ ابھی تک نہیں لوٹا۔"

ت تیزی سے گزر رہا ہے شکیلہ..... جتنی دیر مزید ہو گی اتنا نقصان ہو گا۔"

ہوار.....! انہوں نے کمرے کے دروازے کے بیچ کھڑے ہو کر آواز دی۔

از پڑھ چکی ہو تو ذرا ادھر آجاؤ۔"

ے نے سوالیہ نظروں سے ماں کی سمت دیکھا۔ مگر صفیہ نے آنکھیں چرا کر گویا کچھ کہنے سے انکار کر دیا۔

ں خالہ جان!" دو تین منٹ کے بعد شہوار اندر داخل ہوئی۔

ہاں بیٹھو بیٹی!" انہوں نے موڑھے کی سمت اشارہ کیا۔

ں.....!" وہ بیٹھ گئی اور سوالیہ نظروں سے صفیہ کی شکل دیکھنے لگی۔

کچھ تمہارا ذہن بھی سوچتا ہے بیٹی.....؟ کچھ سوچا تم نے اپنے بارے میں؟" انہوں نے جیسے تمہید باندھی تھی۔

ن کا کوئی مستقبل ہوتا ہے۔ وہ اپنی کارکردگی کا جائزہ لیتے ہیں۔ منصوبے بناتے ہیں۔ میں ذلیل و خوار درماندہ

ے نے تیزی سے آگے بڑھ کر اُس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

ہردار تم اگر ایک لفظ مزید بولیں۔ میں مر گئی ہوں کیا؟ میرا کوئی نہیں تھا جو میرے لیے لڑتا آگے بڑھتا۔ جو تھے وہ ے دھندوں میں گھیرے ہوئی تھے۔ کچھ ہم نے بھی رو کر نہیں دکھایا۔ حقیقت میں میرا کوئی نہیں تھا۔ سب کے ہوتے ں۔

ں تمہیں اس جہنم سے گزرنے نہیں دوں گی۔ جو مفت کے عذاب کی طرح میرے بیٹے نے ی۔"

خالہ جان.....! مت لیں آپ ان کا نام....." اس کی آواز ایک بار پھر بھیگ گئی۔

تمہارا استحکام..... تمہارے باپ کی عزت۔ تمہارے بھائیوں کی سُرخروئی۔ اسی فیصلے میں ہے جو تمہیں تکلیف دہ رہا ہے۔ وہ معصوم بچے۔ بلاوجہ اس عذاب میں گھر گئے ہیں۔ تم انہیں شرمندہ اور پشیمان سی زندگی کیوں دے وہ تو معصوم و بے قصور ہیں۔"

م سب کے مجرم احسن ہیں خالہ جان!" وہ تلخی سے گویا ہوئی۔

یک آفت میں گھر جانے کے بعد کیا آفت سے سمجھوتا کر لینا چاہیے؟ جب نجات کا راستہ موجود ہے تو تکلیف کا مطلب؟

ُرے قربت ہی میں ہوا کرتے ہیں۔ کوئی راہ گیروں کو پکڑ پکڑ کر جھگڑا شروع نہیں کیا کرتا احسن اگر آپ کے بیٹے تو کیا پھر بھی آپ کا فیصلہ یہی ہوتا۔ آپ کے دلائل یہی ہوتے؟"

ا گیا۔!" صفیہ کو شہوار بہت بدلی ہوئی لگی۔

اس وقت بھانجی یا بیٹی کے بجائے ایک دم خالص "بہو" دکھائی دی تھی۔ کچھ کچھ اجنبی۔ تھوڑی سی بدلحاظ۔ لگی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں رہا۔ تمہارے لہجے میں یہ کیسا شک و بے یقینی ہے؟ تم میری حقیقی بہن کی اولاد ہو، ہو میری۔ بہو کی حیثیت سے تو میں نے تمہیں کبھی محسوس ہی نہیں کیا۔ خیر یہ گھر کس طرف ہے احسن کا۔؟" انہوں نے اچانک سوال کر دیا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" وہ رُوٹھے انداز میں بولی۔

"مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تمہیں گھر کا پتا ہے۔" صفیہ نے غور سے اس کا چہرا دیکھا۔

"اگر پتا بھی ہو تو فائدہ؟" وہ آنسو پیتی ہوئی پوچھ رہی تھی۔

صفیہ اپنی جگہ سے اُٹھیں۔ اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"تم کم عمر اور اس قدر بے وقوف ہو، تمہیں احساس تک نہیں کہ تم کتنی بڑی مصیبت کے دہانے پر کھڑی ہو۔"

"کس نے کھڑا کیا ہے؟" اس کی آواز بھرا گئی۔

"بیٹے! جو غلطی ہو گئی۔ اس کا ازالہ بھی تو ہونا چاہیے۔ اگر مشکل پڑی ہے تو آسانی بھی ڈھونڈنا چاہیے۔ دُکھ سے خوشی کی کھوج کرنا چاہیے۔ اس طرح ہتھیار ڈال کر تم زندگی سے اپنے حصّے کی روشنیاں کیسے حاصل کرو گی۔؟ ایک اگر غلطی پر ہو تو دوسرے فریق کی ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ وہ صورتِ حال کو سنبھالے اور آنے والی کسی بھی پریشانی کا سدِ باب کرے۔ ٹھنڈے اور پُرسکون دل و دماغ کے ساتھ۔"

"آپ "انہیں" کیوں کچھ نہیں کہتی؟" اب آنسو آنکھوں سے نکل پڑے تھے۔

"تم میرا ساتھ دو ناں..... پھر دیکھو، میں کیسے اُس کے ہوش ٹھکانے لگاتی ہوں۔"

"کیا ساتھ دوں.....؟"

"مجھ پر بھروسا کرو اور جیسے میں کہتی ہوں، ویسے کرو۔ ایک مرتبہ وہ میری گرفت میں آجائے پھر دیکھنا میں بندوبست کرتی ہوں اس کا..... ساری عمر یاد کرے گا۔ مگر تمہیں تو مجھ پر اعتبار ہی نہیں۔"

"یہ بات نہیں ہے خالہ جان..... وہ بہت بُرے ہیں۔ آپ یقین کریں۔" وہ بھیگی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔

صفیہ کا دل جیسے ڈوب گیا۔ (کیا کر بیٹھا ہے احسن اس کے ساتھ؟)

انہوں نے شکیلہ کی سمت دیکھا جیسے بیٹی سے کہہ رہی ہوں کہ پوچھو، اس سے اُس کی جانے والی بُرائی کا انداز و نام ہے۔"

"وہ معافی مانگے گا تم سے، واقعی اگر اس نے زیادتی کی ہے۔" صفیہ نے دلی کرب پر قابو پا کر کہا۔

اُف احسن اعتماع کا شیشہ بالکل ہی کرچی کرچی۔

"تم مجھے احسن کے ہاں لے چلو..... پھر دیکھو، میں کیا کرتی ہوں۔" وہ سینے سے اُٹھتی درد کی لہر دبا کر بولیں۔

"میں وہاں نہیں جا سکتی۔ خالہ جان! اس سے آسان راستہ یہ ہے کہ آپ مجھے جان سے مار دیجیے۔"

"تمہاری عقل، تمہاری عمر اور تجربے کے مطابق کام کر رہی ہے..... تم اندازہ نہیں لگا سکتیں کہ میں تمہاری بہتری کے لیے کیا کچھ کر سکتی ہوں۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے شہوار! اگر دن زیادہ ہو گئے تو تمہارے خالو کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔

بیٹے۔ اس معاشرے میں بیاہتا کی عزت اسی وقت تک ہے جب تک وہ اپنے شوہر کے گھر میں ہے پریشان آیا کرتی ہیں۔ مگر حل بھی تو انسان ہی ڈھونڈتے ہیں۔

"تم کتنے دن رہیں احسن کے ساتھ؟" انہوں نے بات بدل کر عجیب سے انداز میں سوال کیا۔ بقول اس کے کہ جن بہت بُرے ہیں وہ اُس کی بُرائی تک پہنچنا چاہتی تھیں۔

"مجھے ٹھیک سے یاد نہیں۔" اس نے آنکھیں چُرائیں۔

"دیکھو بیٹی! مجھے یہ بات زیب نہیں دیتی کہ میں تم سے اس طرح کی باتیں کروں۔ مگر کیا کروں تم سمجھ بھی تو نہیں رہی ہو۔ دیکھو، اگر ان بگڑے ہوئے حالات کے دوران ہی تم ماں بن گئیں تو تم گویا دلدل میں دھنستی چلی جاؤ گی۔"

"ہائیں۔!" شہوار کے تو گویا چودہ طبق روشن ہو گئے۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ خالہ جان!" شرم اور کوفت سے اس کی حالت غیر ہو گئی۔

"بھئی، تم لڑکی ہو۔ بیاہتا ہو۔ شوہر کے ساتھ رہ رہی ہو..... ایسی کیا عجیب بات کہہ دی میں نے؟ میں نے تو تمہیں بتا دی ہوں کہ شادی کے بعد عورت صرف اپنے لیے نہیں جیتی۔ اس کی اولاد کی اہمیت ہر شے سے زیادہ ہو جاتی ہے۔"

"اُف۔!" شہوار کو تاثرات دینا مشکل ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کرے۔ اس نے بے بسی سے شکیلہ کی سمت دیکھا۔

"بھابھی جان! یہ بات جس طرح امی کے ذہن میں آ گئی ہے۔ اسی طرح ہر اُس شخص کے ذہن میں ہے اور پورے یقین کے ساتھ ہے جسے یہ بات معلوم ہے کہ احسن بھائی آپ کو زبردستی لے گئے تھے خواہ آپ حلف اُٹھا لیں۔ کوئی یقین نہیں کرے گا۔"

"آج تم احسن کے ساتھ بس جاؤ اپنے گھر پھر کوئی کہانی تمہارا تعاقب نہیں کرے گی اور آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" انہوں نے اسے نرمی سے سمجھایا۔

"ان باتوں میں ناک کا مسئلہ آڑے آجائے تو جگ ہنسائی اور تباہی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ شکیلہ۔ بیٹے۔ تمہارا ابا نیوز تو ہے ناں گھر میں۔ اور دوسری گاڑی بھی کھڑی ہے۔"

"دوسری گاڑی تو شاید بلال کی ہے۔ وہ تو کوئی چلاتا ہی نہیں۔ پتا نہیں۔ چابی کہاں ہو گی۔"

"بلال.....؟ بلال کون؟ صفیہ نے حیرانی سے پوچھا۔

شکیلہ گڑبڑا کر رہ گئی۔ (اُف۔ کیا امی پر ایک اور عذاب مسلط کر دوں.....؟)

"ہے کوئی۔ امی۔ ٹھہریے، میں چابی دیکھتی ہوں۔" وہ آنکھیں چُرا کر کھڑی ہوئی۔

وہ دل سے چاہتی تھی کہ صفیہ احسن کے پاس چلی جائیں۔ کیونکہ منزہ والے حادثے کے بعد جانے کیا ہونے والا تھا۔ انعام علی اسے ساتھ ہی لے آئیں۔ ایک مسئلہ ابھی ختم نہیں ہوا پھر مزید۔

وہ اُٹھ کر انعام علی کی وارڈ روب میں چابی تلاش کرنے لگی تھی۔

"دیور ہے تمہارا.....؟" صفیہ نے پوچھا..... وہ شکیلہ کی ماں تھیں۔ شکیلہ کی سسرال سے دلچسپی فطری سی بات تھی۔

"کون امی؟" شکیلہ اپنے خیالات سے چونک کر باہر آئی۔

"بلال۔ یہی کہہ رہی تھیں تم۔"

"نہیں۔"

"میں وہاں نہیں جاؤں گی۔" شہوار جیسے بدک کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"اب تم خاموش ہو جاؤ۔ یا پھر قسم کھا کر کہہ دو کہ تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"خالہ جان! آپ کیوں نہیں سمجھ رہیں۔ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی نظروں سے گر جاؤں گی۔" وہ بے بسی سے بولی۔

شکیلہ نے گہرا سانس لے کر بیڈ کی دراز میں دیکھنا شروع کر دیں۔

شہوار کی مداخلت نے اس کی جان چھڑا دی تھی۔

"سردار بھائی! تمہیں گھر بلانے پر رضامند نہیں۔ تمہارے خالو، وہ ان کے بھی سردار۔ تم میری بچی ہو تمہاری بھلائی میرا فرض ہے۔ اس کے تو ایسے دماغ ٹھکانے لگاؤں گی کہ یاد رکھے گا۔"

"چلیں چابی تو مل گئی۔ میں ڈرائیور کو بلواتی ہوں۔" شکیلہ دوپٹہ اُٹھا کر باہر نکل گئی۔

"آپ دیکھیے گا، وہ مجھے کس قدر ذلیل کریں گے۔" شہوار بری طرح رو دی۔

"اب ختم کرو یہ قصہ..... چلو اٹھو..... اپنا سامان سمیٹو..... تمہیں حالات کی نزاکت کا ذرا احساس نہیں۔ چلو اپنے کپڑے رکھو بیگ میں۔"

صفیہ نے قدرے ناراضگی سے جیسے حکم دیا۔

"تمہاری ماں کو کتنے دن سے خبر ہے کہ تم یہاں ہو۔ میرے ساتھ..... مگر دیکھو تو تمہارے باپ کی پہریداری کتنی سخت چل رہی ہے کہ وہ یہاں آنے کا موقع نہیں نکال سکی۔ ظاہر ہے، وہ ہر وقت گھر میں ہوتے ہیں۔

دانیال اور نوفل تک ملنے نہیں آئے۔ اس لیے کہ تم انہیں دیکھ کر خود پر قابو نہیں رکھ سکو گی اور وہ بچے اس وقت تمہارے کسی کام آنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔

تمہارا گھر بس جائے، آہستہ آہستہ سب مسئلے ختم ہو جائیں گے..... چلو..... اُٹھو..... سُنا نہیں؟ جلدی کرو۔ تمہارے پاس اپنا بھلا سوچنے کی عقل نہیں تو پھر ہمارا اعتبار کرو..... اُٹھو....."

شہوار لاچار سی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ "اس سے کہیں بہتر ہو کہ مجھے موت ہی آ جائے۔" وہ زیر لب بڑبڑاتی ہوئی باہر گئی تھی۔

"امی.....! ڈرائیور باہر انتظار کر رہا ہے۔" شکیلہ کمرے میں داخل ہوئی۔

"چلو، شکر یہ راستہ تو نکلا۔"

"امی..... یہ معاملہ نمٹا کر پھر آئیے گا۔ آپ میرے پاس رہنے کے لیے۔" شکیلہ نے صفیہ سے کہا۔

"دیکھوں گی۔ میں تو اس طرح ہو گئی ہوں جیسے میرا گھر ہو ہی نہیں۔ اُدھر بچیاں خدا معلوم کس حال میں ہیں۔" انہیں اپنے گھر کی فکر لاحق ہوئی۔

"شکیلہ!"

"جی امی!" اس نے سوالیہ نظروں سے ان کی سمت دیکھا۔

"یہ انعام علی اپنے رشتے داروں سے ملتے ملاتے نہیں ہیں۔ اتنے دن ہو گئے مجھے آئے ہوئے۔ کوئی آتا جاتا دکھائی نہیں دیا..... صرف ان کے دوست کی بیگم آئی تھیں، وہ بھی ہاسپٹل میں۔"

"دوسرے شہروں میں رہتے ہیں ناں..... اس لیے زیادہ آنا جانا نہیں ہے۔" اس نے حاضر دماغی سے کام لیا۔

"گیارہ بجے تک تو آ جائیں گے انعام علی۔"

"جی لتاں.....!"

وہ شہوار کو لیے ہوئے پورچ میں آئیں تو وہ چادر لپیٹے ہوئے زار و قطار رو رہی تھی۔ صفیہ کو اس کے رونے سے بہت تکلیف ہو رہی تھی۔ مگر وہ خود کو خاصا سخت ظاہر کر رہی تھیں کہ نرمی سے کام لے کر وہ دیکھ چکی تھیں۔

"بھابھی جان.....!" شکیلہ نے بڑی دقت سے اس کا نام لینا چھوڑا تھا۔ بڑی مشکل سے بھابھی جان کہنے کی عادت ڈالی تھی کہ دونوں بہت بے تکلف سہیلیاں تھیں۔ صفیہ نے ٹوک دیا تھا کہ وہ گھر کی بڑی بہو ہے۔ کوئی اس کا نام نہیں لے گا۔

"آپ خود کو ہلکان نہ کریں..... پلیز..... یہ تو رشتہ ہی ایسا ہے۔ بعض اوقات تُو تا دکھائی دیتا ہے مگر کسی حادثے کے بعد پہلے سے زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ میاں بیوی کی ناراضگی اتنا کوئی خاص واقعہ نہیں ہوتا۔ اس میں انسلٹ کی کوئی خاص بات نہیں۔"

"انہوں نے مجھے خود گھر سے نکالا تھا۔" وہ روتے ہوئے جھلائی۔

"بابا..... غصہ تو غصہ ہے۔ نرمی جذباتیت۔ آتا ہے تو اُتر بھی جاتا ہے۔ یہ کوئی مستقل کیفیت نہیں ہوتی۔ پلیز خود کو سنبھالیں۔"

شکیلہ نے خود دروازہ کھول کر بٹھایا۔ صفیہ دوسری طرف سے بیٹھ چکی تھیں۔

گاڑی گیٹ سے نکلی۔ چوکیدار موجود تھا۔ اس لیے وہ بے فکری سے اندر پلٹ گئی۔

اپنے کمرے میں آتے ہی اس نے منزہ کے گھر رنگ کیا۔

وہ صفیہ اور شہوار کے ساتھ مصروف گفتگو ضرور تھی مگر گھڑی کی رُکی ہوئی سوئی کی طرح وہ ذہنی طور پر منزہ ہی کے قریب تھی۔

اسے خود حیرت تھی۔ کہ عورت کی زندگی میں کتنی خاموشی سے تبدیلیاں در آتی ہیں۔ اس کے ذہن پر شہوار اور صفیہ کے بجائے منزہ سوار تھی۔ نئے رشتے، نئے تعلق کس درجہ اہمیت اختیار کر جاتے ہیں۔ اسے خود ہی اپنی ذہنی تبدیلی پر حیرت ہوتی تھی۔

دوسری طرف اسد نے فون ریسیو کیا تھا۔

"میں شکیلہ بول رہی ہوں۔"

"شکیلہ.....؟" اسد جیسے پہچان نہیں پائے تھے۔

"بلال کی والدہ دوئم۔" اس نے گہرا سانس لیا۔

"اوہ..... جی..... آپ نہیں آئیں؟" اس کے ذہن میں فوری سوال اُبھرا اور ہونٹوں پر آ گیا۔

"اس کا جواب بھی کبھی دیں گے آپ کو۔" شکیلہ کی آواز ایرپیس میں اُبھری۔

"منزہ کی طبیعت کیسی ہے؟ رشتے دار وغیرہ آ گئے ہیں؟"

"وہ۔ بس بہت خراب حالت ہے۔ وقفے وقفے سے بیہوشی کا دورہ پڑ رہا ہے۔ کچھ لوگ آئے ہیں۔ پتا نہیں، خاور کے رشتے دار ہیں یا بھابھی کے۔ میں نے پہلے دیکھا نہیں ہے۔"

"بانو باجی اور بلال آ گئے.....؟"

"بس پہنچنے ہی والے ہیں۔"

"انعام صاحب کہاں ہیں.....؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہ بھابھی کے پاس بیٹھے ہیں۔ جب سے آئے ہیں، وہیں ہیں۔"

شکیلہ کو یہ سُن کر اچھا لگا۔

"خاور کی ڈیڈ باڈی۔" شکیلہ نے جیسے انتہائی دُکھ سے پوچھا۔

"ابھی اس کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں آئی۔" اس کے لہجے میں واضح کرب تھا۔

"آپ منزہ کا خیال رکھیے۔"

"انعام صاحب کو بلاؤں.....؟"

"نہیں، اس کی کوئی ضرورت نہیں..... مجھے تو صرف منزہ کی خیریت دریافت کرنا تھی اور یہ جاننا تھا کہ باجی پہنچ گئیں نہیں۔ بڑا مشکل سفر شروع ہوا ہے اب منزہ کا۔ پلیز آپ اس کا خیال رکھیے۔" اس نے ریسیور رکھ دیا۔

اسد کو یہ "ہوائی ہمدردی۔" کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ "آخر یہاں آنے میں کیا قباحت ہے؟" بڑا قدرتی سا سوال ذہن میں اُبھر رہا تھا۔

چھٹی کا دن ہونے کے سبب نائلہ آج سارا دن مصروف رہی تھی۔

کئی ڈشز دوپہر کو بنالی تھیں۔ اس لیے شام کو بڑی فراغت سی محسوس ہو رہی تھی۔ بابر شام کو چھ بجے تک پڑے سوتے رہے تھے۔ نائلہ کو ان کے سونے سے سخت گھبراہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ اسے پتا تھا کہ ان کی نیند پوری ہو گئی تو اس کا مطلب ہے۔ وہ رات کو اس کی نیند خراب کریں گے۔ وہ پانچ بجے سے انہیں اٹھا رہی تھی۔ مگر بے سود۔ تنگ آ کر وہ غسل کرنے چلی گئی۔

غسل کے فوراً بعد اس نے عصر کی نماز پڑھی۔ اور قرآن اُٹھا کر لان میں چلی آئی۔ آج جمعہ تھا اور صفیہ نے سب کو جمعے کے دن سورہ کہف پڑھنے کی عادت ڈالی ہوئی تھی۔

مغرب کی اذان سے کچھ پہلے اس نے کلام پاک کی تلاوت مکمل کی۔ اپنے بیڈ روم میں واپس آئی تو بابر مرتضیٰ غسل کیے ہوئے ہاتھ گاؤن لپیٹے نیم دراز فون پر مصروف گفتگو تھے۔

"میری بیوی کیوں اعتراض کرے گی بھئی۔ اسے اس کے حصے کی ہر چیز مل جاتی ہے بالکل اسی طرح۔ جیسے پہلے آتی تھیں۔ اسی طرح آ جاؤ۔"

"تمہارے علاوہ بھی میری کئی دوست ہیں۔ تمہیں پتا ہے۔"

"غلط آئیڈیا تھا تمہارا۔ جو دوستی کے لیے موزوں ہوتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ وہ لائف پارٹنر کے طور پر بھی موزوں ہوں۔"

"یار.....! میری بیوی بہت اچھی ہے۔ اس میں مکمل "بیوی پن" موجود ہے۔ بہت پیاری سی بہت اوبیڈیئنٹ۔ بہت جچتی ہے گھر میں۔ ہاہا..... ہا..... آج ہی کیوں نہیں.....؟ شام کا کھانا ہمارے ساتھ۔"

"او..... کے..... باقی باتیں ملاقات پر۔" انہوں نے ریسیور رکھا اور وہ جائے نماز اٹھا کر باہر آ گئی۔ ذہن میں سوالات تو تھے مگر وہ کرنا نہیں چاہ رہی تھی۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد اندھیرا بڑھنے تک وہ لان ہی میں بیٹھی رہی۔ ابھی وہ اٹھی بھی نہیں تھی کہ باہر گاڑی رُکنے کی آواز آئی اور چند لمحوں بعد ایک الٹرا ماڈرن سی لڑکی نما خاتون پرس جُھلاتی گیٹ سے اندر داخل ہوئیں۔

جب تک وہ برآمدے میں پہنچی۔ بابر مرتضیٰ بڑی گرم جوشی سے اس کا استقبال کرنے کے لیے پہنچ چکے تھے۔ جیسے کہ ...ی تھے۔

...بھی ان کے قریب پہنچ چکی تھی۔

...رین اور وہائٹ پھولوں سے آراستہ تھری پیس سوٹ نائلہ نے زیب تن کر رکھا تھا۔ بال کُھلے ہوئے تھے۔ کمر سے ...ہوئے سیاہ چمکدار بال۔ میک اپ سے بے نیاز۔ مثبت سوچ کی وجہ سے پُر رونق اور پُرکشش چہرا۔

"مسز بابر.....؟ نو وارد موصوفہ نے نائلہ کو دیکھ کر بابر مرتضیٰ کی سمت سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"ایگزیکٹلی.....! انہوں نے ایک گرم اور تپتی ہوئی نظر نائلہ کے چہرے پر ڈالی اور مسکرا کر جواب دیا۔

"ہاؤ پریٹی!" محترمہ نے کُھلے دل سے تعریف کی۔

"نائلہ! یہ میری دوست ہیں الوینہ سرمدی۔ ہم بہت اچھے دوست ہیں۔"

نائلہ نے جائے نماز دوسرے ہاتھ میں تھام کر دایاں ہاتھ بڑھا دیا.....! الوینہ سرمدی نے نہایت گرم جوشی سے اس کا ...ما تھا۔

"لو میرج نہ کرنے کی تو تم نے قسم بھی کھائی تھی اور شرط بھی لگائی تھی۔" الوینہ مسکرائی۔

"قطعی ارینج میرج۔ پوچھ سکتی ہو میری مسز سے۔"

"ممی کی پسند.....؟"

"آف کورس۔ بلکہ ممی سے زیادہ سسٹر کی۔ پسند ہی نہیں سسٹر کی ضد ہیں محترمہ!"

"ان کے اندر کسی کی "ضد" بننے کے تمام گٹس موجود ہیں۔" الوینہ نے بلند قہقہہ لگایا۔

بابر مسکرا دیے۔ تینوں ڈرائنگ روم میں چلے آئے۔

"ایک ہفتہ ہی ہوا ہے، مجھے پیرس سے آئے ہوئے۔ آتے ہی تمہاری شادی کی خبر ملی۔ ٹینا کے ذریعے۔ مجھے حیرت ...کہ تم نے اتنی جلدی شادی کیسے کر لی۔"

"جلدی کا کیا مطلب.....؟ مجھے شادی کرنے کے لیے کیا دوسرا جنم بھی ملنے کی اُمید تھی محترمہ آپ کو؟" بابر ہنس ...

"نومیتہ علیم آئی تھی تمہاری شادی میں؟" الوینہ نے کھوجنے کے انداز میں پوچھا۔

"نہیں۔" بابر نے مختصر جواب دیا۔

"تمہیں ذرا افسوس نہیں بابر.....؟ الوینہ نے غور سے بابر کو دیکھا۔

"بھئی، افسوس کی کیا بات ہر انسان اپنی حد تک آزاد ہے۔ ہر شخص کو حق ہے کہ وہ زندگی سے اپنا حصہ وصول کرے۔ ...ل چاہے پسند کرے۔"

"لڑکی بہت نائس ہے۔ انوسینٹ..... اور خواب پرور..... کیا خیال ہے؟"

"چھوڑیں اس قصے کو۔ یہ بات کریں کہ میری بیوی کے بارے میں کیا خیال ہے؟ بھئی مجھے تو اس سے اچھا کوئی نہیں ...ا۔" بابر نے مخصوص بے باک سے انداز میں اس کی سمت دیکھا۔

الوینہ سرمدی ہنس پڑی۔

"بھئی، تمہاری بیوی کے بارے میں تو رائے دے چکی ہوں۔ میں تو اُس کی بات کر رہی ہوں جو تمہارے فراق میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ویران ہو چکی ہو گی۔"

"اس میں میرا قصور.....؟" بابر مرتضیٰ نے الوینہ کی آنکھوں میں جھانکا۔

"تم اتنے بولڈ..... بے تکلف اور بے ساختہ کیوں ہو.....؟ ممکن ہے اسے غلط فہمی ہو گئی ہو۔"

"یہ میرا ہیڈک نہیں ہے۔ پلیز اسٹاپ دس ٹاپک..... الوینہ..... وہ پزل سی لڑکی۔ اس نے مجھے پہلے ہی پریشان کیا ہے؟ سینس لیس..... اینڈ نانسنس۔

لیڈیز اور جینٹس ملا کر میرے دوستوں کی کتنی تعداد ہے، بائی گاڈ مجھے خود نہیں معلوم۔ نومینہ کو چھوڑیے میری والیوں میں نفٹی فائیو پرسنٹ خواتین نے مجھے شادی کی پیشکش کی۔ میں نے سوری کہا۔ اس کے باوجود میری آج بھی سے دوستی ہے۔ اور بہت اچھی دوستی ہے۔"

نائلہ تو جیسے چکرا کر رہ گئی۔

اس قدر بے باک گفتگو ہو رہی تھی کہ اس نے کبھی کسی مرد اور خاتون کو اس انداز سے بات کرتے نہیں دیکھا تھا۔ بھی کون۔ اس کا اپنا شوہر۔

دونوں کے قہقہے بلند تھے۔ دونوں ہاتھ پر ہاتھ مار کر بوقت ضرورت ایک دوسرے سے اتفاق کا مظاہرہ کر رہے تھے

"شاید تمہاری بیوی بوریت محسوس کر رہی ہے۔" الوینہ نے بغور نائلہ کا چہرہ دیکھا۔

"ہاں، شاید اس لیے کہ اُسے ایسے ماحول اور باتوں کی عادت نہیں ہے۔ نیلی ڈارلنگ! کھانے سے پہلے اچھی کافی۔ پلیز۔" بابر مرتضیٰ نے جیسے درخواست کی۔

وہ شکر مناتی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

اس نے کافی بنانے میں قدرے دیر کر دی۔ اسے دوبارہ اُن دونوں کے پاس جاتے ہوئے خاصی کوفت محسوس ہو تھی۔

وہ ناگوار کیفیت کے ساتھ ٹرالی دھکیلتی ڈارننگ روم میں داخل ہوئی تھی۔ وہ دونوں اسی طرح جوش و خروش سے با میں مگن تھے۔

نائلہ نے انہیں کافی بنا کر اور کھانا تیار کرنے کا بہانا کر کے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ حالانکہ کھانا تقریباً تیار ہی تھا چھوٹے موٹے لوازم باقی تھے۔ سویٹ ڈش تو وہ ہر وقت ہی تیار رکھتی تھی۔ مونگ کی دال کا حلوہ، پڈنگ، کھیر، کسٹرڈ میں ایک دو چیزیں تو ہر وقت ہی تیار رہتی تھیں وجہ یہ تھی کہ فراغت کے لمحات میں اسے کچھ نہ کچھ..... کرنے کی عادت سے تھی۔ شادی سے پہلے گھر میں عملی لحاظ سے اس پر سب سے زیادہ بھروسا کیا جاتا تھا۔

اسی نے بہت اہتمام سے کھانے کی میز سجائی۔ تازہ پھولوں کا گلدستہ تو وہ یوں بھی روزانہ ٹیبل پر سجاتی تھی آج موجود تھا۔ ہر طرف سے مطمئن ہو کر اس نے انہیں ڈائننگ میں آنے کے لیے کہا تھا۔

چائنیز سوپ اور ترکش کوفتوں کے ساتھ اس نے ڈنر میں نیا پن پیدا کیا تھا۔

الوینہ سرمدی نے اپنی مخصوص فراخ دلی سے کام لے کر نائلہ کے تیار کردہ کھانوں کی تعریف کی تھی اور بابر کی "لک" پر رشک ظاہر کیا تھا۔

تقریباً ساڑھے دس بجے کے قریب وہ رخصت ہوئی تھی۔ نائلہ اور بابر اسے خدا حافظ کہنے گیٹ تک آئے تھے۔

"نائلہ بابر..... ہم آپ کی میزبانی کے لیے بے قرار ہیں۔ آپ اس لاپرواہ سے بندے کو پُش کرتی رہیے گا۔"

اس نے اپنا دودھیا ہاتھ نائلہ کی سمت بڑھایا۔ کلائی میں درجن بھر سونے کی چوڑیاں چم چم کر رہی تھیں۔ کانوں میں ے کے آویزے۔ ناک میں ہیرے کی لونگ۔ نائلہ نے ڈرائینگ روم میں دیکھا تھا۔ الوینہ سرمدی کے پاؤں سونے نہایت دیدہ زیب پازیب سے سجے ہوئی تھے۔ گلے میں مختلف ڈیزائن کی تین زنجیریں پڑی ہوئی تھیں۔

"آپ میرڈ (شادی شدہ) ہیں؟" نائلہ نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے پوچھا۔

"ہا..... ہا....." الوینہ کا بے باک قہقہہ فضا میں بکھر گیا۔

"بھئی ہم۔ میرٹ پر میرڈ ہیں۔" اس نے شوخی سے بابر مرتضیٰ کی سمت دیکھا۔

"یار.....! جیلانی بہت بور کر رہا ہے۔ سال میں صرف ایک بار آیا ہے اس مرتبہ۔ اور بے بی لوگ سے ملنے ایک بیٹھی یو..... ایس..... اے نہیں گیا۔"

"بھئی تمہارے ٹھاٹ باٹ آخر اُس کی مصروفیت ہی کا تو صلہ ہیں۔" بابر مرتضیٰ نے ہنس کر اس کی سمت دیکھا۔

"آف کورس.....! دیٹس رائٹ ٹو....." وہ ہنستی ہوئی اپنی لگژری کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"بائے.....!" اس نے تھوڑا سا شیشہ نیچے کر کے خدا حافظ کہا اور زن سے گاڑی لے اُڑی۔

نائلہ ایک عالمِ تحیر میں کھڑی رہ گئی تھی۔

تنہا خوبصورت عورت۔ زیورات سے آراستہ۔ لاکھوں روپے کی گاڑی۔ رات کا وقت کیا بولڈ نیس تھی۔ اس نے دل دل میں جیسے اُسے شاباش دی۔

"کیا سوچ رہی ہو ڈیر..... کم آن۔" بابر مرتضیٰ کہتے ہوئے برآمد کی سمت بڑھ گئے۔

گیٹ بند کر کے۔ وہ گھر کے دوسرے دروازے، کھڑکیاں چیک کرنے لگی۔ وہ دوپہر کو ڈرائینگ روم کی آرائش و صفائی میں مشغول رہی تھی۔ صبح سے اُٹھی تھی۔ اس لیے نیند بہت آ رہی تھی۔ مگر۔ اسے یہ سوچ کر الجھن ہو رہی تھی کہ بابر آج دیر سے جاگیں گے وہ بیڈ روم میں آئی تو بابر پردے سرکائے کھڑکی سے باہر نہایت محویت کے عالم میں جانے کیا دیکھ رہے تھے اس نے آہستگی سے لائٹ آف کی اور نائٹ بلب جلا دیا۔

"خیریت.....؟" بابر چونک کر پلٹے۔

"گیارہ بج رہے ہیں، نیند آ رہی ہے۔ آج دن بھر مصروف رہی ہوں، ذرا آرام نہیں کیا میں نے۔"

"یہ تمہاری اپنی غلطی ہے۔" وہ وارڈ روب سے اپنا نائٹ ڈریس نکالتے ہوئے بولے۔

"بہر حال۔" وہ تھکے تھکے انداز میں کہہ کر بیڈ پر دراز ہو گئی۔

"میری دوست پر کوئی کمنٹس نہیں؟ کوئی تبصرہ.....؟"

"اچھی ہیں۔" وہ کروٹ کے بل لیٹ گئی اور آنکھیں موند لیں۔ پہلی فرصت میں سو جانا چاہتی تھی۔

"یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کسی نے بہت بھاری گٹھڑی سر سے اُتار پھینکی ہو..... یہ بات ہوئی؟"

"اس وقت مجھے سخت نیند آ رہی ہے۔ پھر سہی۔" وہ جھلا گئی۔

"میں محسوس کر رہا ہوں جیسے تمہارا موڈ خراب ہے۔"

"مجھے صرف نیند آ رہی ہے۔" وہ بُری طرح چڑ گئی۔

"نیلی ڈارلنگ.....! یہ میری زندگی کے معمولات ہیں۔ تمہیں ان کا عادی ہونا پڑے گا۔"

"ہو جاؤں گی۔" وہ جیسے جان چھڑا رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میری بہت ساری فرینڈز ہیں میرڈ..... ان مرڈ..... تم ان سے اگر جیلسی فیل کرو گی تو حماقت کرو گی۔ میں تیسرے درجے کا وہ معمولی آدمی نہیں ہوں جسے عورت لفٹ کرانا پسند نہیں کرتی اور وہ عورت کی قربت کو ترستا ہے۔ میں تھرڈ کلاس مرد نہیں ہوں۔ میں ایک عورت سے صرف اُسی وقت بات کرتا ہوں جب وہ اپنی رضامندی اور خوشی سے بات کرتی ہے۔ اور میرے ساتھ بیٹھنا پسند کرتی ہے میں عورت کے پیچھے بھاگنے والا مرد نہیں ہوں۔ جب کوئی عورت میری دوست بنتی ہے تو برابری کی بنیاد پر..... میں..... ایز..... اٹ از..... اکول ٹریٹ کرتا ہوں۔"

"شاید، تم بہت چالاک آدمی ہو۔ تم میں بہت سے فالٹس ہیں بابر مرتضیٰ.....! جن کی رازدار خدا کے بعد میں ہوں۔ جو شاید تمہاری ماں کو بھی پتا نہ ہوں تم جو ایک وحشی درندے ہو۔ تمہاری ہر ہر وحشت کی گواہ تو صرف میں ہوں۔ کیا وجہ ہے؟

کیا وجہ ہے کہ۔ کہ تمہاری ملنے والیاں ایک سے ایک۔ خوبصورت، دولت مند تعلیم یافتہ۔ مہذب۔ تم نے ان میں سے کسی کو اپنا شریک حیات کیوں نہیں بنایا۔؟

مجھے ممی کی اس بات پر تو ویسے بھی اعتبار نہیں آیا تھا کہ بابر کسی اَن دیکھی، خوبصورت، مشرقی لڑکی کو شریکِ حیات چاہتا تھا۔ تم اس کی آرزوؤں کی تکمیل ہو۔

ہونہہ.....! سوسائٹی میں بڑے کرّ وفر سے رہنے والا شخص۔ یہ کتنا بڑا وحشی ہے۔ اس کی پول نہ کھل جاتی۔ اگر دیکھے اس کی وحشت۔ اس کا نیم پاگل پن۔"

نائلہ کا ذہن نیند کے پاتال میں اُترتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

نور بانو اور بلال کس درجہ حواس یافتہ سے گھر میں داخل ہوئے تھے۔

نور بانو کی کیفیت یہ تھی کہ ان کے حواس گم تھے۔ سامنے ہی انعام علی نظر آ گئے تھے۔ منزہ کو اپنے بازو میں سمیٹے اسے پانی پلا رہے تھے۔

منزہ ماں کو دیکھتے ہی دیوانہ وار اُٹھی تھی۔ اس کی چیخوں میں بے پناہ وحشت تھی۔

"امی..... کچھ بھی نہیں بچا..... دُعا کیجیے کہ میں مر جاؤں۔" وہ بلک بلک کر رو دی۔

نور بانو کا اپنا کلیجہ پھٹا جا رہا تھا۔ وہ تو برسوں سے مریضہ چلی آ رہی تھیں۔ وہ خود با آواز بلند رو رہی تھیں۔ انعام کمرے سے باہر نکل گئے تھے۔

موجود خواتین نے بمشکل دونوں کو جدا کیا۔

ایک بزرگ خاتون جو خاور کی رشتے میں خالہ ہوتی تھیں اور نزدیک ہی رہتی تھیں۔ کافی دیر سے آئی ہوئی تھیں۔

اسد نے خاور کے چچازاد بھائی کو فون کر دیا تھا۔ انہوں نے ہی غالباً رشتہ داروں کو اطلاع دی تھی۔

بزرگ خاتون آگے بڑھ کر منزہ کی چوڑیاں اُتارنے لگیں۔

"معاف کیجیے گا۔" اسد جیسے تڑپ کر آگے بڑھے تھے۔ "میرے خیال میں یہ کوئی ایسا ضروری اور شرعی عمل نہیں ہے کہ نہ کرنے سے دین و دنیا خراب ہونے کا اندیشہ ہو..... یہ دُکھ کے لمحوں میں مزید دُکھ پہنچانے والا عمل ہے۔ آپ رہنے دیں پلیز.....

یہ بے جان شیشہ۔ اس سے کسی کی موت و زندگی وابستہ نہیں۔ اور شاید یہ تو خالص ہندوانہ فعل ہے۔ بحمداللہ

مسلمان ہیں۔ یہ ہمارے لیے نہیں ہے۔ آپ اسے گستاخی نہ سمجھیے گا..... پلیز..... اس عمل میں سوائے دُکھ کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔"

وہ یہ کہہ کر باہر چلے گئے۔

وہاں موجود کئی خواتین نے تیوریاں چڑھائیں اور اشارے کنائے کیے۔

اتنے میں بلال آگے بڑھ کر بہن کو سینے سے لگا کر خاموش اشک بہانے لگا۔

"جلو..... ! میں تمہیں کتنا روک رہی تھی۔ اور تم کہہ رہے تھے جب خاور بھائی چلے جائیں گے تو میں آ جاؤں گا وہ ہمیشہ کے لیے چلے گئے۔ تم ہمیشہ کے لیے آ جاؤ۔"

وہاں موجود ہر فرد کی آنکھ اشکبار ہو گئی تھی۔ بھرپور بہار جیسی عمر..... اور بیوگی..... ہر دل جیسے دُکھ کی اتھاہ میں جا پڑا۔

انعام علی اندر آ گئے تھے اس کی آہ و بکا سُن کر۔ اسے اپنے سینے لگا لیا۔ اور حاضر خواتین سے گویا ہوئے۔ "پلیز، آپ دل خود پر قابو رکھیے۔ تب ہی اسے بھی کچھ موقع ملے گا۔ خود کو سنبھالنے کا۔ ورنہ اس کا کیا ہو گا۔ یہ کبھی نہیں روئی۔ آپ اس کو حوصلہ دیں۔"

نور بانو کے اشک تھم گئے تھے۔ ان کے سامنے بالکل نئے۔ دوسرے۔ انعام علی تھے۔ جو بیٹی کے دُکھ میں اتنے مدغم تھے کہ انہیں آس پاس کا کوئی ہوش نہیں تھا۔

وگرنہ انہوں نے تو کبھی اپنے تاثرات پڑھنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔ یہ تو خیر ایسی اچنبھے کی بات نہیں تھی کہ وہ بیٹی کی حالت پر پریشان تھے۔ نہایت فطری سا عمل تھا۔

وجہ یہ تھی کہ ان کی محبت کا اظہار دیکھنے کی نور بانو کو سخت تمنا تھی۔ وہ اپنے اعمال و افعال سے اپنی اولاد کے لیے محبت کا اظہار ضرور کرتے رہے تھے۔

مگر اُن کے الفاظ، اُن کا لہجہ۔ ہمیشہ سرد ہی محسوس ہوتا تھا۔ قیمتی کھلونے۔ پُرآسائش ماحول قیمتی ملبوس۔ شاندار تعلیمی ادارے۔ یہ سب ان کی محبتوں کے اظہار ہی تھے۔

مگر وہ سرد و برفیلی فضا۔ جو چہرے کا احاطہ کیے رہتی تھی۔ آج ٹوٹ گئی تھی۔

کس قدر مہنگی ہے تمہاری توجہ۔ نور بانو کے سینے سے ٹیس اٹھی۔

نوشہرہ سے کراچی تک کا فیصلہ جیسے صدیوں پر محیط محسوس ہوا تھا۔ وہ راستے میں کتنی مرتبہ ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھی تھیں۔ کہ بلال کو سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔

غم کی میزان ان کے سامنے تھی۔

ایک پلڑے میں ان کا دُکھ تھا۔ دوسرے میں منزہ کا..... دونوں پلڑے اوپر نیچے ہو رہے تھے نظر میزان کا توازن جانچنے میں ناکام ہو رہی تھی۔

ان کے پاس امکانات کی قوسِ قزح جیسے زینے کی صورت تھی۔

اور ان کی بیٹی چاروں طرف پھیلنے والے اندھیرے کی راہرو۔

بیٹی کے حق میں اتنے گھاٹے کا سودا محسوس کر کے دل ہی بیٹھنے لگا۔

اس احساس کے بعد سے اب تک آنکھیں خشک نہیں ہوئی تھیں۔ دل خوب بن بن کے آنکھوں سے بہہ رہا تھا۔ ڈاکٹر نے منزہ کو انجکشن کے ذریعے گہری نیند سلا دیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور وہ اپنے دل کو سنبھالتے ہوئے وضو کر کے علیحدہ کمرے میں چلی آئیں کہ جب دل ناصبور کسی طرح نہیں بہلتا ذکر الٰہی آخری علاج ہے۔

انہوں نے کلام پاک اٹھایا اور پلٹیں.....اور ایک دم ٹھٹک کر رہ گئیں۔

انعام علی صوفہ کم بیڈ پر دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھے تھے۔ ان کے انداز میں حد سے زیادہ بے بسی اور بے چارگی تھی۔

''آخر ایک مرتبہ پھر تم نے اپنی سی کر کے دیکھ لی۔ بہت آفت تھی تمہیں اس کا گھر بسانے کی۔ مجھ پر جو بلا آتی ہے، وہ آخر تمہارے ہی ذریعے کیوں آتی ہے۔'' ان کا لہجہ نہایت زہریلا تھا۔

''کاش مجھے علم غیب ہوتا۔ پھر شاید میری بچی پر یہ ناگہانی نہ ٹوٹی۔'' وہ کرب سے کہہ رہی تھیں۔

''جب تمہارے پاس علم غیب نہیں تو تم دوسروں کے مشورے پر کان کیوں نہیں دھرتیں.....؟'' کتنی مرتبہ میں تمہاری غرض کی بھینٹ چڑھوں گا؟'' انعام علی کا لہجہ شکستہ ہو گیا۔

نور بانو کی آنکھیں ایک دم بھر آئیں۔

''میری خود غرض.....آہ.....'' وہ نماز کی چوکی پر بیٹھ کر کلام پاک کھولنے لگیں

''اگر میری بیٹی کو کچھ ہو گیا نور بانو.....تو.....'' وہ دھمکی آمیز انداز میں کچھ کہتے کہتے رک گئے۔

''ہر گناہ۔ میرے سر۔ آخر یہ سلسلہ کب تک چلتا رہے گا۔ انعام علی۔'' اُن کی آواز بھرا گئی۔

''جب تک تم زندہ ہو۔'' وہ بے رحمی سے گویا ہوئے۔

اسی دم بلال کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے مین ماں باپ کو دیکھ کر ایک لمحے کو ٹھٹکا۔ پھر آگے بڑھا۔

''خاور بھائی کے آفس سے فون آیا تھا پاپا؟ کیا کہہ رہے تھے وہ لوگ؟ خاور بھائی کی ڈیڈ باڈی کے بارے میں.....؟''

''فون اسد.....نے اٹینڈ کیا تھا۔ منزہ کے پاس تھا۔'' وہ اس کی سمت دیکھے بغیر بولے۔

بلال ماں پر ایک نظر ڈال کر دوبارہ باہر چلا گیا.....انعام علی نے نیم دراز ہو کر آنکھیں موند لیں۔

''صبح ہو چکی تھی۔ وہ تمام رشتے دار جن کے پاس اپنی کنوینس تھی۔ آ چکے تھے۔ خاور کی بہن دونوں بچوں کو سنبھال رہی تھیں۔ جبکہ صدمے سے ان کی اپنی حالت غیر تھی۔

اسد کے والدین بھی پہنچ چکے تھے۔ ان کی والدہ آنے جانے والوں کا خیال رکھنے میں مصروف تھیں اور بڑی ذمہ داری سے گھر میں متحرک تھیں۔

خاور کے والدین تو تھے نہیں۔ دو بھائی تھے دونوں باہر تھے۔ دو بہنیں شادی شدہ تھیں۔ ان میں ایک تو پہنچ چکی تھیں۔ دوسری شہر سے دُور کسی گوٹھ میں تھیں۔ ان کے شوہر وہاں ڈاکٹر تھے۔ وہ برسوں سے وہیں تھیں۔

جس گھر میں مرگ ہوتی ہے۔ اس کے در و دیوار سے بھی موت کی مہک آتی ہے۔ چہار سو ایک ماتم برپا تھا۔

ایک جوان اور خوش رُو بیوہ۔ آبلہ پائی کے سفر سے دوچار ہو چکی تھی۔

موت کی ظالم مہک۔ اس کی خوشی کی ایک ایک کونپل میں رچ کر کسی نوزائیدہ پھول کا ہر امکان معدوم کر رہی تھی۔

''گاڑی گیٹ سے باہر نکلتے ہی ڈرائیور نے پوچھا تھا۔

''کدھر جانا ہے؟''

اس کی ہچکیاں ہی نہیں تھم رہی تھیں۔

''پوچھ رہا ہے، کدھر جانا ہے؟'' صفیہ نے اسے ٹوکا۔

''بفرزون۔'' اس نے ناراض ناراض سے انداز میں جواب دیا تھا۔ اور گاڑی دوڑ پڑی تھی۔ رات کا وقت تھا۔ فاصلہ زیادہ تھا اس لیے گاڑی کی رفتار خاصی تیز تھی۔

راستے کی بوریت اور طوالت کا احساس مٹانے کے لیے ڈرائیور نے کیسٹ لگا دی۔ یوں بھی ڈرائیور صرف اپنے کام کی پروا کرتے ہیں۔ ان کے متعلقین یا رشتے داروں کی نہیں۔ اس لیے اس کا کیسٹ لگانے کا انداز بے جھجک اور بے پروا تھا۔

خاصا باذوق ڈرائیور تھا۔ یا پھر یہ بلال کا ذوق تھا۔ دونوں ساس بہو ایک دم خاموش تھیں۔

غزل کا حرف حرف ان کی سماعت سے ٹکرا رہا تھا۔ چترا کی خوبصورت آواز بکھر رہی تھی۔

اب کے برسات کی رُت اور بھی بھڑکیلی ہے
جسم سے آگ نکلتی ہے، فضا گیلی ہے

سوچتا ہوں کہ اب انجام سفر کیا ہو گا
لوگ بھی کانچ کے ہیں، راہ بھی پتھریلی ہے
پہلے رگ رگ سے خون نچوڑا اس نے
اب یہ کہتا ہے کہ رنگت ہی میری پیلی ہے
مجھ کو بے رنگ ہی نہ کر دیں کہیں رنگ اتنے
سبز موسم ہے، ہوا سُرخ فضا نیلی ہے

اب کے برسات.....

مدھم مدھم موسیقی کے بیچ دوڑتی بھاگتی سوچیں ایک مرکز پہنچنے کی کوشش میں تھیں۔ صفیہ اس کی کیفیت سے اچھی طرح واقف تھیں۔ اس لیے گاہے گاہے اپنے آنچل سے اس کی آنکھیں پونچھ دیتی تھیں۔ اور اپنے ساتھ لگا کر پیار سے تھپکی دیتی تھیں۔

''بیٹے.....بعض اوقات عورت اپنی عزت و وقار کے لیے اتنے کڑے امتحانوں سے گزرتی ہے۔ کہ ان امتحانوں سے زیادہ آسان موت نظر آتی ہے۔ مگر جب ہمت سے یہ کٹھنائیاں طے کر لیتی ہے تو گھر اور معاشرے میں اس کے پاؤں جم جاتے ہیں۔

میری ساری زندگی تمہارے سامنے ہے۔ آج تک امتحان مکمل نہیں ہوئے۔ خدا معلوم کتنی مرتبہ میں نے علیحدگی کی دھمکیاں سُنی ہیں۔ یہ کوفت، یہ سختیاں میں نے بہت صبر سے جھیلی ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کسی سے مدد نہیں مانگی۔ در و پر جا کر گڑی نہیں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے مجھے ہر طرف سے عزت دی ہے۔ میں تمہارے خالو کو چھوڑ دیتی تو ان میں سے کوئی بھی میرا نہیں رہتا۔

میرے نزدیک صرف عزت و وقار اہم ہے اور بعض اوقات پسندیدہ چیز بڑی مہنگی پڑتی ہے۔ جس خلوص نیت سے میں شکیلہ، نبیلہ کی بھلائی کی آرزومند ہوں۔ اسی طرح تمہارے حق میں ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ آہستہ آہستہ بہت نرمی سے کہہ رہی تھیں۔

''آپ دیکھیے گا۔وہ کس طرح ذلیل کریں گے۔'' وہ ناراض سے انداز میں گویا ہوئی تھی۔

''پھر تم اس کا حشر بھی دیکھنا۔''

وہ چُپ ہوگئی تھی۔ایک فیصد بھی دل راضی نہیں تھا۔اپنے ہی شکستِ عہد کی شرمندگی اسے مارے ڈال رہی تھی۔وہ عہد جو اس نے خود سے کیا تھا۔

خاصی دیر ہوگئی تھی۔تب اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا تھا۔

''بصر زون تو آگیا ہے بی بی! کس طرف جانا اب؟'' ڈرائیور نے رفتار بالکل آہستہ کردی تھی۔

''یہ سامنے جو مسجد ہے۔اس کے دائیں طرف موڑلو۔پھر سیدھے چلنا۔آخری گھر ہے۔'' وہ بتا کر چُپ ہوگئی تھی۔

ہاتھ پیروں میں سنسناہٹ دوڑنے لگی تھی۔دل عجیب طریقے سے دھڑکنے لگا تھا۔

ایک ذلت آمیز شکست کا احساس اس پر طاری ہو رہا تھا۔

ڈرائیور نے آخری ادھورے مکان کے سامنے گاڑی روک دی تھی۔

صفیہ نے اشتیاق سے باہر جھانکا۔ان کی حرکات وسکنات میں جوش وجذبہ پیدا ہو چکا تھا۔

انہوں نے جلدی سے دروازہ کھولا تھا۔اور اسے وہیں بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

کال بیل پُش کرنے کے بعد خاصا انتظار کرنا پڑا۔غالباً وہ گہری نیند میں پہنچ چکا تھا یا کسی کام میں مصروف تھا۔

گیٹ بڑی آواز کے ساتھ کھولا گیا تھا۔جتنی تیزی سے وہ آگے آیا تھا۔اتنی تیزی سے پیچھے ہٹا تھا۔

''امی.....آپ.....!'' احسن جیسے چکرا گیا تھا۔

''ہاں بھئی میں ہی ہوں.....تم اگر مجھے اپنے گھر نہیں لاؤ گے تو کیا میں نہیں آسکتی.....؟''

وہ عالمِ تحیّر میں کبھی گاڑی کی سمت، کبھی ماں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''امی.....آپ اکیلی.....!!!'' وہ گاڑی کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے بڑے تعجب سے پوچھ رہا تھا۔

''اکیلی کیوں ہوتی.....اکیلا تو اللہ نے کبھی کیا ہی نہیں.....گاڑی میں تمہارے ایک اور مہمان بیٹھے ہیں پچھلی سیٹ پر.....عزت واحترام سے اتارو انہیں۔''

وہ کھلے گیٹ میں اندر کی طرف بڑھتی چلی گئیں.....وہ ماں تھیں۔سہیلی تو تھیں نہیں کہ دونوں کے ملن کا منظر شوق سے دیکھتیں یا دیکھنے کا شوق رکھتیں۔

احسن حد درجہ اشتیاق سے گاڑی کی سمت بڑھا.....وہ چادر کی اوٹ میں چہرہ چھپائے بیٹھی تھی.....مگر وہ سیکنڈ کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہزارویں حصے میں اسے شناخت کر گیا تھا..... اور بجلی کی تیزی سے پیچھے ہٹا تھا..... اور واپس پلٹ گیا تھا۔

شہوار عجب کشمکش و پیچ میں پڑ گئی تھی..... اسے اپنا وجود پتھر سے ڈھلا محسوس ہو رہا تھا۔ صفیہ اندر جا چکی تھیں..... اور اس میں اندر داخل ہونے کی ہمت نہیں تھی.....

"بی بی صاحب..... آپ واپس چلیں گا؟" ڈرائیور بھی الجھ گیا تھا۔

"نہیں.....؟..... آں..... نہیں نہیں....." وہ جلدی سے دروازہ کھول کر اُتر گئی..... حالانکہ دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ واپس چلی جائے..... مگر صفیہ کی خفگی کا ڈر بھی لاحق تھا۔

"ام واپس چلا جائے یا انتظار کرے.....؟"

"نہیں نہیں..... تم واپس چلے جاؤ....." وہ کسی خیال سے چونک کر جلدی سے بولی..... مگر ایک قدم نہ بڑھا سکی۔

ڈرائیور جیسے اسی کا حکم کا منتظر تھا۔ اس نے سرعت سے گاڑی بیک کی، ایک ٹرن دیا اور گاڑی سیدھ میں دوڑا دی۔

وہ بے خیالی کے انداز میں دور جاتی گاڑی کو دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ اس کی پچھلی سرخ بتیاں روشن ہوئیں اور وہ موڑ پر غائب ہو گئی۔

گیٹ کے اندر کی سمت جھانکنے لگی..... گھر کی صرف چند لائٹس روشن تھیں۔ پورچ کی ڈم لائٹ میں احسن کی سرخ کار چمک رہی تھی..... اس سے پرے اندر سُونی سی راہداری نظر آ رہی تھی..... برآمدے کی تمام لائٹس آف تھیں۔

صفیہ نے احسن کو اندر آ کر خاموشی سے ایک صوفے پر بیٹھتے دیکھا تو احتیاطاً باہر دیکھنے چلی آئیں کہ وہ کیا کر رہی ہے اور کہاں کھڑی ہے۔

وہ برآمدے میں بھی نظر نہ آئی..... نہ راہداری نہ پورچ میں..... گیٹ میں بنا ہوا چھوٹا دروازہ چوپٹ کھلا تھا۔ وہ آگے بڑھ آئیں اور سر پیٹ کر رہ گئیں۔ وہ ہنوز باہر کھڑی تھی۔

وہ تیزی سے اندر آئیں..... احسن کو مان کے انداز سے تھوڑا سا ڈرا لگا۔

"احسن.....!"

"جی امی.....!"

"لے کر آؤ اسے۔" وہ ناراضگی سے بولیں۔

"جب محترمہ یہاں تک آ گئی ہیں تو مزید دو قدم چلنے میں کیا حرج ہے.....؟" وہ بگڑے بگڑے انداز میں گویا ہوا۔

"میں کیا کہہ رہی ہوں تمہیں.....؟" وہ برہمی سے گویا ہوئیں۔

"میں یہ نہیں کر سکتا امی..... پلیز....." اس کے انداز میں خود سری جھلکنے لگی۔

"تو پھر میرا تم سے کیا واسطہ....." وہ چادر اٹھا کر اوڑھنے لگیں..... "آج کے بعد جب بھی میرے بارے میں سوچنا تو یہ سوچنا کہ میں تمہارے لیے مر چکی ہوں....." ان کی آواز بھرا گئی اور چادر اچھی طرح جما کر باہر نکلنے لگیں۔

احسن ایک دم تیزی سے ان کے سامنے آ گیا۔

"امی پلیز..... آپ تو مجھے امتحانوں میں نہ ڈالیں۔"

"تم جتنی مرضی گڑھے میرے راستے میں [illegible] میرے راستے سے۔ میں جس بیٹے پر مان کر کے آئی تھی۔ میرا وہ بیٹا ہی نہیں رہا۔"

"امی..... پلیز..... انسان کا کوئی اپنا آپ بھی ہوتا ہے۔" اس نے ماں کو شانوں سے تھام لیا۔

"تم جو سب کچھ کر کے آرام سے بیٹے ہو، اس کا مطلب ہے کہ تم سوچتے تھے ماں بھی اس شر میں تمہارا ساتھ دے گی کہ تم نے مجھ سے اس درجہ گراوٹ کی امید رکھی۔" انہوں نے سختی سے اس کے ہاتھ اپنے شانوں سے ہٹا دیے اور قدم آگے بڑھا دیے۔

"اپنا آپ حفاظت میں رکھو۔ ہمیں ایک دوسرے کی ضرورت نہیں۔ تم نے تو اس بچی سے اس کے ماں باپ تک لے لیے۔" وہ آگے بڑھتے ہوئے بولیں۔

"امی..... رات بہت ہو چکی ہے۔" وہ ان کے پیچھے آیا۔

"تمہاری بلا سے۔" وہ ڈپٹ کر بولیں۔

"امی..... بات تو سنیں..... ٹھہریے..... آپ بیٹھیے..... میں لے آتا ہوں اُسے۔" وہ شکستہ لہجے میں بولا۔

صفیہ کا دل خوشی سے دھڑکا..... یقیناً ان کا "بیٹا" موجود تھا۔

رُک گئیں اور چادر اتار کر صوفے پر آرام سے بیٹھ گئیں۔

احسن شکستہ انداز میں چلتا ہوا گیٹ تک پہنچا تھا۔

وہ ہنوز باہر کھڑی اپنے نصیب کا فیصلہ سننے کی منتظر تھی..... آتے ہوئی قدموں کی آواز پر اس کا دل دھڑکا۔

"اندر آ جاؤ....." وہ گیٹ میں اٹک کر وہیں سے بولا تھا۔

شہوار کے پاؤں جیسے جم چکے تھے۔ جنبش محال لگی اور آواز اجنبی۔

"درخواست کی ہے آپ سے کہ تشریف لے آئیے۔" وہ تلخی سے گویا ہوا۔ انداز ہرگز صلح کے نہیں تھے۔

"یہ وہ نہیں تو میں کس حیثیت سے اندر جاؤں..... اور یہ خالہ جان کہاں رہ گئی ہیں۔ یہ قصاب میرے سر پر مسلط کر کہاں چلی گئیں۔"

احسن باہر نکل آیا

"جب گھر تک آ ہی گئیں تو اب یہ نخرے کیا معنی.....؟" وہ سانپ کی طرح پھنکارا۔

"آئی نہیں، لائی گئی ہوں۔" وہ بھی تنک کر بولی۔

"میں لفظوں کا ہیر پھیر سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اندر چلو..... یا اُٹھا کر لے جاؤں..... ظاہر ہے اس وقت میں ماں کو کر کے گھر سے باہر تو جانے نہیں دوں گا۔" وہ اس کی سمت بڑھا۔

اور ایک کرایک طرف ہو گئی جیسے کوئی انجانے میں ڈر جائے اور چونک پڑے..... اس نے تیزی سے گیٹ پار کر لیا۔

صفیہ بظاہر نظریں جھکائے بیٹھی تھیں۔ مگر آہٹوں پر کان لگے ہوئے تھے۔ قدموں کی چاپ پر انہوں نے نظریں اٹھا

"آ جاؤ بیٹی..... یہی تمہارا اپنا گھر ہے۔ ارمان تو جانے کیا کیا تھا اس دل میں مگر اب تو صرف تمہاری بھلائی مدنظر تمہارے سامنے ہی تمہاری ماں کو فون کیا تھا۔ وہ آ جاتی تو شاید دوسرے انداز سے مسئلہ حل کرنے کی کوشش کرتے [illegible] میں تمہارا گھر تو دیکھ لوں..... کیسا بنایا ہے احسن نے گھر....." وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

"آپ بیٹھے خالہ جان..... دیکھ لیجیے گا، جلدی کیا ہے.....؟" وہ جیسے گھبرا کر بولی تھی۔ وہ تنہا بیٹھنے کے خیال سے شاید گھبرا گئی تھی۔

صفیہ نے ایک اچٹتی نظر اس پر ڈالی..... "تم بھی چلو میرے ساتھ..... ویسے تم نے تو دیکھ ہی رکھا ہو گا سارا گھر۔" وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روانی میں کہہ بیٹھی تھیں۔

ایک عجیب سا ذلّت آمیز احساس اس کی رگ رگ میں اُتر گیا۔ اس سے نظریں نہ اٹھائی گئیں۔

اسی دم احسن اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی اور تفکر واضح تھا۔ لائٹ گرے شلوار سوٹ میں آستین کہنیوں تک چڑھائے وہ خالص گھریلو بے تکلفانہ حلیے میں تھا۔

شہوار پشت پر اس کی موجودگی محسوس کر کے ایک دم چوکس ہو گئی تھی۔

آؤ..... اِدھر میرے پاس بیٹھو۔" صفیہ نے احسن کو اپنے قریب بلایا..... احسن خاموشی سے ان کے پہلو میں بیٹھ

"جب بہت عزیز لوگوں سے دوری کی عادت ہو جاتی ہے تو شاید عزیز لوگوں کی ضرورت بھی نہیں رہتی۔ کتنے اجنبی سے لگ رہے ہو....." صفیہ کے لہجے میں کسی بڑے نقصان کا تاثر تھا۔ احسن نے بے ساختہ ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"امی..... آپ بھی.....؟ آپ بھی طعنہ زنوں کی صَف میں۔ میرے پاس بچا ہی کیا ہے۔ سوائے آپ کی بے لوث محبت کے احساس کے..... وگرنہ میں تو ہر طرف سے خالی ہوں۔ آپ کی وجہ سے محبت پر ابھی تھوڑا سا اعتبار ہے۔" اس نے گہری نظروں سے ماں کا چہرہ دیکھا۔

اس کے لہجے کی یاسیت پر صفیہ کا حساس دل بھر آیا..... ان کی آنکھوں سے چند قطرے ٹپک پڑے۔

کتنا دور ہو چکا ہے مجھ سے..... کیسے الگ تھلگ ہو کر رہ گیا ہے۔

"امی! باپ نے گھر سے دور کر دیا ہے..... آپ دل سے دور نہ کیجیے گا۔" اس نے ماں کے شانے تھام لیے۔

"خدا نہ کرے۔ تُو تو میری عمر بھر کی کمائی ہے۔"

"امی! آپ لوگوں کی باتوں میں نہ آ جائیے گا۔ صرف آپ کی ذات نے مجھے بہت کچھ کرنے کا حوصلہ دے رکھا ہے۔ آپ کی دعا سے اللہ نے مجھے بہت دیا ہے۔"

"میری اپنی سوچ، اپنی عقل ہے۔ میں کیوں لوگوں کی باتوں میں آنے لگی..... مگر تم نے ایک عظیم غلطی کر ڈالی ہے..... اس کا ملال میرے دل سے نہیں جاتا۔"

"میں اپنی بیوی کو لے کر گیا تھا امی..... میں نے کوئی فعل غیر قانونی یا غیر شرعی نہیں کیا تھا۔" وہ کہنے سے پہلے ان کا عندیہ سمجھ گیا تھا۔

"مگر بیٹے معاشرے کے کچھ ضابطے....."

"چھوڑیے امی..... مجھ سے پوچھ کر نہیں بنائے گئے تھے ضابطے۔ ان ضابطوں میں میرا کوئی حصّہ نہیں..... میں اُس ضابطے کو مسترد کرتا ہوں جس کی زد میری شہ رگ پر پڑتی ہے۔

میں اپنی جس قانونی بیوی کو لے کر آیا تھا وہ کوئی پندرہ سولہ سال کی لڑکی نہیں تھی کہ مجھ پر قانون کی خلاف ورزی کا الزام آ سکتا۔

جب سینکڑوں انسانوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول ہو چکا پھر مجھ پر کیچڑ اچھالنے کا مطلب.....؟

آدھی رات کو جب ایک عورت اجڑتے اجڑتے رہ جاتی ہے۔ جب سرمائے کی کمی کے سبب ایک نوخیز لڑکی پر اذیت ناک فیصلہ ٹھونسا جاتا ہے۔ جب مجھ جیسے انسان کو اپنے پیاروں سے بے لوث ہونے کے باوجود گھر سے دور کر دیا جاتا ہے۔ اس وقت معاشرے کے ضابطے بنانے والے ٹھیکیدار عرش پر سیر کرنے گئے ہوتے ہیں.....؟؟

ان کیچڑ اچھالنے والوں سے کہیے کوئی ایسا ضابطہ تیار کریں کہ اس معاشرے میں رہنے والے ہر شیخ رحیم الدین

...وں کو پناہ کی ضمانت مل سکے۔ عزت کا یقین مل سکے۔ مت چھیڑیے مجھے امی..... اب میں ہر غیر فطری چیز تہس نہس ...چاہتا ہوں۔" وہ پھٹ پڑا۔

...ہوار کی تو ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔

...فیہ گنگ سی بیٹھی رہ گئی تھیں۔

...یا میں نے دودھ میں زہر پلایا تھا.....؟ اتنا زہر کہاں سے آ گیا اس کی زبان میں؟

"مگر بیٹے ہمیں تو زندہ انہی لوگوں کے ساتھ رہنا ہے۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔" اس نے فوراً بات کاٹ دی۔

"جب ماں بیٹا ایک دوسرے سے دور رہ سکتے ہیں تو ہر رشتے کے بغیر گزارا ہو سکتا ہے۔" اس کی ضد ٹوٹتی دکھائی نہیں ...۔ اس کے لہجے میں سفاک اور بے رحم قطعیت تھی۔

...فیہ کو اگلا جملہ تیار کرنا مشکل ہو گیا۔

...ہوار علیحدہ ساکت و صامت بیٹھی اس کی زبان سے آگ برستی محسوس کر رہی تھی۔

"میرے لیے قانونی و شرعی تعزیز دلیل کے ساتھ لے آئیے، میں اپنی غلطی تسلیم کر لوں گا۔ بصورت دیگر میں کسی ...ی الزام کو اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں۔" وہ اسی انداز میں مزید گویا ہوا۔

"مگر یہ بات بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ ہمارے ہاں فرد واحد کی ضد سے پورا گھرانہ متاثر ہوتا ہے۔" صفیہ نے ...ہ اور سمجھایا۔"

"اس میں تو کوئی شک نہیں..... آپ یہ بات اباجی کو سمجھانے کی کوشش کیجیے۔" وہ آرام سے بولا۔

"پھر اب تمہارا ارادہ کیا ہے؟" وہ زچ ہو کر پوچھنے لگیں۔

"میں سخت محنت کر کے اپنے بہن بھائیوں کے لیے مضبوط مستقبل کا خواہش مند ہوں۔ فی الحال یہی میرا مقصدِ ...ہے....." احسن نے جواب دیا۔

"کس طرح.....؟ جس شاخ پر بیٹھے ہو..... اسی کو کاٹ رہے ہو....." صفیہ نے اس کا چہرہ دیکھا۔

"یہ شاخ کیسی بھی چولہے کا ایندھن بن سکتی ہے۔ میرے گرنے کی پروا مت کیجیے۔"

...ر بات کا جواب تیار..... صفیہ کا دماغ چکرانے لگا۔

"آپ نے کھانا کھا لیا.....؟" احسن نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"ہاں..... ہم کھانا کھا کر آئی ہیں۔" صفیہ نے سامنے بیٹھی شہوار کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"ویسے تم شہوار سے پوچھ لو۔ اس نے بہت تھوڑا سا کھانا کھایا تھا شاید اسے بھوک لگ رہی ہو۔"

"آئیے امی میں آپ کو گھر دکھاؤں۔" وہ سنی اَن سنی کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"صبح بھی تو ہو گی....." وہ آہستگی سے گویا ہوئیں۔

"مگر فی الوقت نہ آپ سونے کے موڈ میں ہیں اور نہ میں..... ٹہلتے ہوئے باتیں بھی کریں گے۔"

...اس طرح باتیں کر رہا تھا گویا دونوں ماں بیٹوں کے علاوہ وہاں کوئی اور موجود ہی نہ ہو۔" یہ دیکھ کر صفیہ کا دل ڈوبا جا

"آؤ شہوار تم بھی آ جاؤ....." صفیہ کھڑے ہوتے ہوئے بولیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہوار نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی۔

کیا کرو گی یہاں اکیلی بیٹھ کر.....؟ چلو اٹھو۔"

"آپ جائیں خالہ جان..... مجھے نیند آ رہی ہے۔" اس نے گم صُم سے انداز میں جواب دیا۔

"تو پھر سو جاؤ۔"

"آؤ..... پہلے میں تمہارے کھانے کا انتظام دیکھ لوں۔"

احسن نے ایک لمحے کو ٹھہر کر ان دونوں کی گفتگو سنی۔ پھر باہر نکل گیا۔

"میں یہیں سو جاؤں گی۔" درماندگی کا احساس عود کر آیا تو آواز میں آنسوؤں کا تاثر چھلک پڑا۔ مسلسل اعصابی پیچ اس کو لاحق تھی۔ اس کی گویا چولیں ہل چکی تھیں۔ احسن کا اس سے مخاطب ہونا اس کی جیت نہیں تھی۔ یہ تو صفیہ کے صدقہ تھا۔ جب امید کی گہری نیند ہوئی ہوئی ہو۔

تو زندگی کی رفتار بھی سست پڑتی محسوس ہوتی ہے۔ ایک جمود جو اس پر چھا جاتا ہے۔

امنگ اور ترنگ تو وہ خوشنما تتلیاں ہیں جو خوش امیدی کے چمن میں اٹھکھیلیاں کرتی ہیں۔ درحقیقت اس نے ایک مرتبہ بھی احسن کا چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ اس کا دل اس امر کے لئے راضی نہیں ہوتا تھا۔

"کیوں چھوٹے بچے کی طرح بے تکی ضد کرتی ہو۔ میں تمہارا مقام دینے یہاں آئی ہوں۔ تمہیں ساتھ لائی ہوں اپنی تیس سال سے اوپر کی گرہستی داؤ پر لگا کر آئی ہوں۔ تمہارے خالو کو ہوا بھی لگ گئی کہ میں احسن کے پاس ہو کر آ رہی ہوں تو .....

میری بدنصیبی یہ ہے کہ مجھ پر تو تم لوگوں کو رحم بھی نہیں آتا....." ان کا لہجہ دکھ سے بوجھل ہو گیا۔

"تم وہیں جا کر آرام کرو جہاں پہلے آ کر سوئی تھیں..... اور سنو اپنا حلیہ ٹھیک کرو۔ تمہارے کانوں میں بندے تھے۔ کہاں گئے.....؟" معاً ان کی نظر اس کے کانوں پر پڑی۔

"پرس میں ہیں۔" (شکیلہ نے دیا تھا بلیک کلر کا پرس) وہ سادگی سے بولی۔

"اپنے آپ کو بھی کسی تھیلے میں رکھ لو سنبھال کر۔ چلو بندے کانوں میں ڈالو۔" وہ جیسے ناراض ہو کر کہہ رہی تھیں۔

"کیسی ویران ہو رہی ہیں آنکھیں..... کوئی سرمہ کاجل..... آج کل کی لڑکیاں تو اپنے وزن سے زیادہ میک اپ کی شہوار آنسو پیتے ہوئے پرس کھول کر بندے نکالنے لگی۔

"یہ خالہ جان تو بالکل ہی سیدھی ہیں۔" اس نے الجھتے ہوئے سوچا۔

"میرے سنگھار میں اب کوئی اثر نہیں۔

(تیس سال پہلے آپ نے کسی انسان کو نہیں پتھر کے دیوتا کو جنم دیا تھا۔ کسی دیوتا سے کم تو نہیں سمجھتا ظالم خود کو۔)"

"جاؤ، تم بیڈ روم میں جا کر آرام سے سو جاؤ۔"

"آپ کہاں سوئیں گی.....؟" اسے نہ جانے کیوں خالہ سے بے حد حیا آنے لگی تھی۔ کچھ ان کا تاکیدی انداز بھی تھا۔

"پورا گھر پڑا ہے سامنے۔ کہیں بھی سو جاؤں گی۔" وہ باہر نکل گئیں۔

شہوار بیڈ روم میں چلی آئی۔

اس نے محض خالہ کی بات مانی تھی۔ مزید کسی الجھن سے بچنے کے لئے..... درحقیقت اس کے دل میں احسن کے لئے

ں احساس بیدار نہیں ہوا تھا۔

س انداز میں اسے اندر لایا تھا۔ وہ مستقبل کے امکانات کا اندازہ لگانے کے لئے کافی تھا۔

نے دروازہ پش کیا تو بہت خوبصورت ٹھنڈک نے اس کا استقبال کیا۔ اندر اے۔ سی آن تھا۔ گویا خوب ٹھاٹ

یا..... ہوں.....

اب گاہ میں بہت سی تبدیلیاں آ چکی تھیں۔ آف وہائٹ دیواریں اسکائی بیلو کلر کی ہو چکی تھیں۔ فرنیچر وہائٹ کلر کا ے وہائٹ تھے۔ کارپٹ دیواروں کا ہم رنگ تھا۔ سب کچھ تھا اس کے ساتھ بے ترتیبی بلا کی تھی..... سائیڈ ٹیبلز پر ز چھے کاغذ، چائے کا کپ، بیڈ پر باتھ ٹاول، اخبارات ٹائی..... کارپٹ پر دو تین انگلش میگزین، ایش ٹرے ایک واخط بھی پڑا تھا۔ بیڈ کے سرہانے لگے ریک میں بے ترتیب کتابیں اور ایک کونے میں ذرا سی جگہ کو غنیمت سمجھتے بے چارہ ٹیلی فون سیٹ بھی چپکا ہوا نظر آیا۔

"ہوں..... گویا فون بھی لگ چکا ہے۔ شاید ابھی شکیلہ کو بھی علم نہیں وگرنہ وہ ذکر ضرور کرتی۔ نہ بتانے کی کوئی وجہ ذہن میں یقیناً ہو گی۔" وہ زہریلے انداز میں دھیرے سے مسکرائی۔

اتنا پھیلا ہوا کمرہ دیکھ کر وہ تو چکرا کر رہ گئی۔

کمرے میں تو چیزیں رہتی ہیں۔ خود کہاں رہتے ہیں موصوف.....؟ ایر فریشنر کی نہایت لطیف مہک کمرے کی فضا رومان پرور بنائے ہوئے تھی۔

کس درجہ اطمینان سے یہ شخص زندگی گزار رہا ہے۔ جب کہ نقصان کے سودے مسلسل ہو رہے ہیں۔

اسے جیسے احسن کے سکون سے حسد محسوس ہوا تھا۔

دوسروں کو خوار کر کے جنت بسائی ہوئی ہے..... ہونہہ.....

"تو پھر اس کے ساتھ کیوں نہیں جسے میرے نہ ہونے سے بہت فرق پڑتا ہو....." معاً اس کے کانوں میں احسن کے کی بازگشت آئی۔

نئے سرے سے ایک احساس توہین اس کی رگ رگ میں دوڑنے لگا۔

وہ بددلی سے چیزیں سمیٹنے لگی۔ کتابیں ترتیب سے سیٹ کیں۔ ٹیلی فون سیٹ کو قرینے سے رکھا۔ ٹاول اٹھا کر باتھ روم لٹکا کرائیں۔

ٹائی ہاتھ میں لی تو ایک پیاری سی مہک مشام جاں کو معطر کرتی چلی گئی۔ ایسا لگا جیسے ٹائی ہاتھ میں نہ لی ہو بلکہ اس کے پر دھیرے سے ہاتھ رکھا ہو۔

وارڈ روب کھول کر وہ ٹائی لٹکانے ہی لگی تھی کہ دروازہ کھلا اور احسن اندر داخل ہوا۔ اس کی حالت چور جیسی ہو گئی..... کا آدھے سے زیادہ وجود وارڈ روب کے پٹ کی اوٹ میں تھا..... اف.....

یقیناً اس نے یہی سمجھا ہو گا کہ میں کمرے کی تلاشی لے رہی ہوں۔ مارے شرمندگی کے اس کی حالت غیر ہو گئی..... نے آہستہ سے وارڈ روب کا پٹ بند کا اور کارپٹ پر سے میگزین اٹھانے لگی..... ایش ٹرے اس کے سرہانے جگہ بنا کر

چور کی داڑھی میں تنکے کے مصداق وہ زیادہ پھرتی سے صفائی میں مشغول ہو گئی اور یہ ظاہر کرنے لگی کہ وارڈ روب بھی نے صفائی ہی کی وجہ سے کھولی تھی۔ یا وارڈ روب کھولنے کا عمل "صفائی" کے عمل کا حصہ تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دو افراد کے مابین تعلقات اس مرحلے سے بھی گزر سکتے ہیں کہ قربت کی حد کے بعد تکلیف و اجنبیت کا م
کریں۔

احسن سائیڈ ٹیبل کی دراز کھول کر کچھ تلاش کر رہا تھا۔ اور وہ اس کی موجودگی سے سخت کانشس ہو رہی تھی۔
معاً اس نے ایک چھینک ماری پھر دوسری..... تیسری۔ گویا چھینکوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ احسن در
چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اور آگے بڑھ کر اے۔ سی کی کولنگ کم کر دی..... پھر دراز بند کر دی اور اس کی سمت دیکھے
کھول کر باہر نکل گیا۔

تین دن گزر چکے تھے۔ رشتے دار بھی ایک ایک کر کے جانے لگے تھے۔

انعام علی ہنوز اپنے سب کام چھوڑے بیٹی کی دلجوئی میں لگے ہوئے تھے۔ اسد کی والدہ وہیں تھیں۔ او
داری سے گھر کے معاملات سنبھال رہی تھیں۔

ڈوبنے والے جہاز کے مسافروں میں سے صرف تیرہ کی لاشیں مل سکی تھیں جن میں سے چار عملے کے ارکا
خاور کا کوئی اتا پتا نہیں مل رہا تھا۔

شام ڈھلے اسد گھر میں داخل ہوئے تو منزہ تیر کی طرح اپنی جگہ سے اٹھی۔

"اسد بھائی.....! سب سے کہہ دیجئے، میں بیوہ نہیں ہوں..... میں نے اپنے شوہر کا کفن نہیں چھوا۔ میں
وجود سے لپٹ کر نہیں روئی..... میں نے ان کی قبر پر پھول نہیں چڑھائے۔ پھر میں بیوہ کیوں کہلاؤں.....؟
میں ہر شام ہار سنگھار کروں گی اور خاور کا انتظار کروں گی دیکھیے گا۔ وہ اپنا چھوٹا سا سوٹ کیس اٹھائے ایسی ہی
آ جائیں گے..... اور اپنے وعدے کے مطابق کہیں نہیں جائیں گے۔

ایک عمر کے دھڑکے ختم ہو جائیں گے..... پھر کوئی حادثہ نہیں ہوگا۔ میری زندگی میں سکون ہی سکون ہوگا۔"
اس نے اسد کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نہایت پرسکون انداز میں آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔ اسد کے سینے م
ایک لہر اٹھی۔

"بھابی..... آپ غسل کر کے کپڑے بدل لیجئے۔ بہت میلے ہو رہے ہیں....." انہوں نے اس سے نظریں
ہوئے کہا۔

"آپ خاور کو آ لینے دیجئے..... پھر دیکھئے صبح شام کپڑے بدلوں گی....." وہ کھوئے کھوئے انداز میں گویا
انعام علی کے دل میں تیر سا گڑھ گیا۔

نور بانو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ انہیں اپنے آپ پر قابو نہیں رہا تھا۔

"امی..... آپ نہیں روئیں آپ کو تو بس رونے کی عادت سی ہے۔ کچھ بھی تو نہیں ہوا۔ مجھے دیکھئے ہر وقت ہنس
ہوں۔" وہ مسکرائی۔

"اچھا بتائیے، آپ کیوں رو رہی ہیں.....؟ کیا آپ نے خاور کی ڈیڈ باڈی دیکھی ہے۔ ہمارے سامنے کوئی
نہیں..... ہم کیوں روئیں۔؟ سب میری خوشیوں سے جلتے ہیں..... اسی لئے یہ افواہ اڑائی کہ خاور کا جہاز ڈوب گیا
مجھے اکیلا چھوڑ کر جا ہی نہیں سکتے۔ ان کے وعدے سچے ہوتے ہیں۔ ان کی اسی بات نے تو مجھے متاثر کیا ہے۔ جو کہتے
وہی کرتے ہیں۔"

ربانو پھر بری طرح رو پڑیں۔
نعام علی نے آگے بڑھ کر منزہ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔
بس کرو بیٹے..... یہ میری تاب سے بہت زیادہ ہے۔" ان کی آواز بھیگ گئی۔
آپ کیا چاہتے ہیں پاپا..... میں اتم کروں.....؟ میں ماتم نہیں کر سکتی۔ میری عمر ماتم کرنے کی نہیں ہے۔ میں ماتم
روں گی۔"
بے جان سی ہو کر انعام علی کے بازوؤں میں جھولنے لگی۔
اسد..... تم کسی نفسیاتی معالج سے رابطہ کرو..... کہیں خدانخواستہ....." اسد کی امی نے تشویش بھری نظروں سے منزہ
دیکھا۔
"جی امی.....!"
اسی دم خالہ اندر چلی آئیں اور کمرے کا ماحول دیکھ کر ایک کونے میں خاموشی سے بیٹھ گئیں۔
"کوئی خبر آئی بہن.....؟ انہوں نے نور بانو کو مخاطب کیا۔
"جو خبر آنا تھی، وہ تو آ ہی چکی..... اب کوئی خبر نہیں۔" نور بانو نے ایک سرد آہ کھینچی۔ خاصی دیر کمرے میں خاموشی
رہی۔
نور بانو تو مزید زیر عتاب آ چکی تھیں۔ بقول انعام علی کے تم اتنے پُرزور انداز میں اس کی حمایت نہ کرتیں تو میں کبھی
شادی نہ کرتا..... انہوں نے تو اس لیے ہامی بھری تھی کہ ان کے انکار پر بیٹی ان سے کبیدہ خاطر ہو کر ماں کی مزید
بن جاتیں۔
نظریں اٹھا کر انعام علی کی سمت دیکھنے لگیں جو منزہ کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کر رہے تھے۔" نصیب نصیب کی
ہے۔
میرا دل خالی ہے اور کلائی میں چوڑیاں پڑی ہیں۔
میری بیٹی کا دل آیا ہے مگر چوڑیوں پر افتاد ہے۔
یہ چیخ چیخ کر غم منا سکتی ہے۔ مجھے اس کی طرح محروم رہنا ہے مگر مسکرانا ہے۔
اس معاشرے کی بیوہ کھلکھلا کر ہنسے گی تو جرم ہوگا۔
میں نہیں ہنسوں گی تو جرم ہوگا۔
کاش اس کی سمجھ میں دکھ آ جائے تو اسے یہ صدمہ برداشت کرنے کا حوصلہ مل جائے۔"
منزہ نے ایک بار پھر ہوش کی وادی میں قدم رکھا تھا۔ آنکھیں پھیلا پھیلا کر چند ثانیے ادھر ادھر دیکھتی رہی پھر اپنی وارڈ
کی سمت بڑھ گئی۔
وارڈ روب کھول کر نہ..... جانے کیا دیکھ رہی تھی..... پانچ منٹ کی الٹ پلٹ کے بعد وہ پلٹی۔ وارڈ روب کا دروازہ
طرح کھلا چھوڑ کر۔
اس کے ہاتھ میں سرخ ساڑھی تھی..... بے حد خوبصورت کام سے جگر جگر کرتی ساڑھی.....
وہ سیدھی اسد کی والدہ کے پاس آ گئی۔
"آنٹی..... یہ اس مرتبہ خاور نے گفٹ کی تھی ہماری شادی کی سالگرہ پر..... میں یہ پہن لوں..... خاور آنے والے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں مجھے یہ ساڑھی پہنے دیکھیں گے تو بہت خوش ہوں گے۔ ٹھیک ہے پاپا.....؟"

انعام علی نظریں چُرا کر دوسری سمت دیکھنے لگے۔

منزہ باتھ روم میں چلی گئی..... کمرے میں ہر شخص ایک دوسرے سے نگاہ چُرا کر ایک دم خاموشی کے عالم میں رہا تھا۔

خاصی دیر بعد منزہ باہر آئی۔ گولڈن بلاؤز کے ہمراہ سرخ ساڑھی بہت قرینے سے باندھی تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر وہ بال بنانے لگی۔

انعام علی نے اسد کو اشارہ کیا اور دونوں آگے پیچھے کمرے سے باہر نکل گئے۔ اس نے بالوں میں برش کرکے چھوڑ دیا تھا۔

"امی! ریڈ لپ سٹک لگالوں۔" وہ اسٹول گھما کر ان کی سمت مڑی۔ نور بانو کے حلق میں کچھ اٹک گیا۔ وہ کچھ نہ بول سکیں۔

"ویسے خاور کو ڈارک میک اپ پسند نہیں ہے۔ کہتے ہیں، تمہیں میک اپ کی کیا ضرورت ہے، تمہارا تو میک اپ میں نے کر دیا ہے۔

پھر بھی..... امی..... عورتوں کو میک اپ کا شوق تو ہوتا ہی ہے، چاہے وہ کتنی خوبصورت ہوں۔ کیوں خالہ؟" خالہ سے تائید چاہی۔

خالہ بوکھلا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں۔

منزہ نے لاکر سے چھوٹی چھوٹی جھمکیاں نکال کر پہنیں۔ نور بانو نے صرف ایک نظر اس کی سمت دیکھا اور جیسے ان کا سیسہ سُلگتے کوئلوں پر ڈال دیا۔

"خاور کہتے ہیں سرخ کپڑوں کے ساتھ چمیلی کی خوشبو بہت سوٹ کرتی ہے۔ کپڑوں کا رنگ تیز ہو تو خوشبو استعمال کرنا چاہیے۔"

دونوں بچے نیچے ہمسائی کے پاس تھے۔ اس لئے گھر میں حد درجہ سکوت محسوس ہو رہا تھا۔

انعام علی کے کہنے پر اسد منزہ کو سائیکاٹرسٹ کے پاس لے جانے پر رضامند ہو گئے تھے۔

"آیئے بھابی..... ذرا باہر چلتے ہیں۔"

وہ شعلہ جوالہ بنی منزہ کو دیکھ کر قدرے سٹپٹا گئے تھے۔

"میاں..... کہاں لے جا رہے ہو بند نصیب کو..... یہ تو عدت میں ہے۔" خالہ نے دبی زبان سے احتجاج کیا۔

"عدت گزارنے کے لئے ان کا زندہ رہنا شرط ہے۔" انہیں جیسے غصہ آ گیا تھا۔

"کمال ہے..... حالات کی نزاکت و تبدیلی بھی لوگ نہیں دیکھتے۔ اس کا ذہنی توازن بگڑ رہا ہے، یہاں رہتیں نبھانے کی پڑی ہے۔ ٹھیک ہے عدت شرعی حکم ہے..... مگر جان بچانے کے لئے قدرت نے تیسرے دن مردار بھی کر دیا ہے..... جان سے بڑھ کر تو یہاں کسی چیز کی اہمیت نہیں ہے۔

آیئے بھابی پلیز..... امی..... ساتھ آپ بھی آ جائیں۔" اسد نے احتیاطاً اپنی والدہ کو ساتھ لینا مناسب سمجھا۔

"اسد بھائی! امی کو بھی لے لیں..... ورنہ خاور پوچھیں گے امی مجھے ریسیو کرنے کیوں نہیں آئیں۔" منزہ نے فون کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹی! تم جاؤ بس..... مجھے نماز پڑھنا ہے۔" وہ آنسو ضبط کرتی ہوئی باتھ روم کی سمت بڑھ گئیں۔

بچوں کا کوئی ہوش نہیں تھا۔ اس کی ذہنی بے ترتیبی کا ایک مظاہرہ یہ ہوا تھا کہ وہ بہت اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔ میں، باتھ روم میں استعمال ہونے والی ربڑ کی چپل تھی..... اور ہاتھ میں پرس کے بجائے پرفیوم کی شیشی تھی جو کے اسٹائل میں تھام کر سینے سے لگا رکھی تھی۔

ہی گاڑی کا اگلا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی تھی۔ لامحالہ اسد کی والدہ کو پیچھے بیٹھنا پڑا۔ انہوں نے آگے جھک کر منزہ لاک لگا دیا۔ گاڑی ابھی ذرا ہی آگے بڑھی تھی کہ وہ ایک دم پرجوش سی ہو کر اسد کو رکنے کا اشارہ کرنے لگی۔

"بھائی!..... پلیز مجھے یہ گجرے لے دیں۔" وہ پُرشوق انداز میں کہہ رہی تھی۔

..... ہاں بیٹے..... تسلی رکھو..... لیتے ہیں گجرے....." اسد کی والدہ نے ملائمت سے کہا۔

لڑکے..... وہ گجرے دے دو۔"

"آنٹی! تین لے دیجیے..... دو ہاتھ میں باندھوں گی اور ایک بالوں میں لگاؤں گی۔"

اچھا بھئی، تین دے دو....." انہیں رونا آ گیا۔

نے پرس نکال کر پیسے دیے اور گاڑی پھر چل پڑی۔ منزہ گجرے باندھنے میں منہمک ہو گئی تھی۔

شیشے میں اس کا چہرہ دیکھ کر اسد کی والدہ کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

اس کے حصے کا تاوان اس کے ذمے لگا ہے.....؟

اس کی عمر بھی اتنی نہیں کہ اپنے گناہوں کا اتنا عظیم کفارہ ادا کرے۔

"آنٹی! آپ کے پاس ایک پن ہے۔ کہیں یہ گر نہ جائے۔" منزہ کو سر میں اٹکے ہوئے گجرے کی طرف سے تشویش

"نہیں بیٹے..... میں کبھی بالوں میں پن استعمال نہیں کی۔" وہ آہستگی سے گویا ہوئیں۔

"ویسے خاور مجھے اس حلیے میں دیکھیں گے تو حیران تو..... بہت ہوں گے۔ کیوں اسد بھائی.....؟"

اسد نے ونڈ اسکرین سے پار دیکھتے ہوئے بمشکل اپنی گردن کو حرکت کرنے سے روکا۔

"خاور..... بہت سخت امتحان ہے یار.....؟" انہوں نے اذیت کے اثر سے خود کو بے حال محسوس کیا۔

بابر نائلہ کو صبح اس کے میکے ڈراپ کر گئے تھے اور کہا تھا کہ رات کو لے جائیں گے۔ نائلہ گھر میں داخل ہوتے ہی اس کا چہک اٹھی جیسے کسی نے پنجرہ کھول کر پرندہ آزاد کیا ہو۔

جس وقت وہ گھر میں داخل ہوئی نبیلہ اور انیلا ناشتے کے بعد والے کاموں میں مگن تھیں۔ انیلا نے پورے برآمدے پر بھربلی گھاٹ کا سا ماحول بنا رکھا تھا..... گویا اس کے ذمے اب وہ کام آ گئے تھے جو نائلہ کرتی تھی۔

"آپا..... آپا.....! وہ والہانہ اس کی سمت بڑھی تھی جیسے مدتوں بعد مل رہی ہو۔

"السلام علیکم بلو آپا!..... کیسی ہیں.....؟ وہ انیلا کو گلے لگاتے ہوئے نبیلہ سے بھی مخاطب ہوئی۔

نائلہ جب بھی میکے آتی تھی تو نبیلہ اس کے ذہن پر سوار ہو جاتی تھی۔ ہزار اس نے بہن کو شریک راز کر لیا تھا مگر پھر بھی ہمیشہ سادہ کپڑے پہن کر آتی تھی۔ نہ سسرال کے قصے سُناتی تھی۔ اسے محسوس ہوتا تھا جیسے ان قصوں سے نبیلہ کے اندر کا احساسِ محرومی جاگ پڑے گا..... نہ ہی وہ بہنوں کے سامنے بابر کے ساتھ بیٹھ کر ہنسی مذاق کرتی تھی بلکہ جب بابر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے لینے آتے تو وہ زیادہ کچن ہی کا کام سنبھال کر ان کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی تھی۔ یوں جیسے اس سے کوئی جرم ہوا ہو۔

''ٹھیک ہوں..... تم سناؤ۔'' نبیلہ بغیر برتن دھوئے کچن میں سے باہر چلی آئی۔

''ٹھیک ہوں..... اور آج تو بے حد خوش ہوں کہ بہت سارا وقت آپ کے ساتھ گزاروں گی۔ میں نے باہر دیا ہے کہ سرِشام ہی لینے نہ پہنچ جائیں۔ امی بھی گھر سے غیر حاضر ہیں۔ مجھے اپنے بہن بھائیوں کے پاس خاصا وقت چاہیے۔ امی سُنیں گی تو کیا سوچیں گی کہ پیچھے آئی بھی نہیں۔''

''پتا نہیں کیسے ہیں بابر بھائی.....'' انیلا نے ناک چڑھائی۔ ''شکل سے تو بہت اچھے دکھائی دیتے ہیں۔ ایک کے لیے بھی نہیں چھوڑا ہماری بہن کو..... دلہن بنایا ہے، خرید لیا ہے.....؟'' وہ خفگی سے گویا ہوئی۔

''کیا فائدہ..... ان باتوں سے گھر کا ماحول ہی خراب ہوتا ہے۔ جب ساری عمر ہی ایک دوسرے کے ساتھ رہنا رات کا کیا مسئلہ۔'' نبیلہ نے پرسکون انداز میں انیلا کو ٹوکا۔

''اصل مقصد تو ملاقات کرنا ہوتا ہے۔ جب گھر بن جاتے ہیں تو مالکن کی گھر سے زیادہ دیر کی دوری پیچھے کام کا لگا دیتی ہے..... اور کام بڑھ جاتا ہے۔ دیکھ نہیں رہیں..... امی کی درجہ سے گھر میں کتنے کام رُکے ہوئے ہیں۔ مزید گویا ہوئی۔

''امی کی بات دوسری ہے۔ آپا کی تو نئی نئی شادی ہوئی ہے۔'' بڑی نکتہ رس تھی انیلا۔

''جب ذمہ داریاں سر لگ جاتی ہیں تو نئے پرانے سب دھنستے چلے جاتے ہیں۔''

''کتنی سمجھدار ہیں آپا.....!'' نائلہ نے دل ہی دل میں نبیلہ کو سراہا۔

''آپا کے گھر میں تو نوکر ہیں کام کرنے کے لیے..... بابر بھائی ایسے ہی پوز کرتے ہیں۔''

''اچھا چھوڑو..... تم کیا قصہ لے کر بیٹھ گئیں۔ آجاؤں گی کسی دن رہنے۔'' نائلہ نے انیلا کو ٹوکا۔

''اور جیسے وہ رہنے دیں گے..... میری اتنی سہیلیوں کی باجیاں شادی شدہ ہیں۔ پندرہ پندرہ دن آکر پڑاؤ ڈالتی وہ تو بلکہ تنگ آجاتی ہیں۔ وہ میری دوست ہے ناں شگفتہ..... کہتی ہے..... باجی آتی ہیں تو میں سب سے پہلے ڈرائنگ کے قیمتی پردے اور ڈیکوریشن پیس سنبھالتی ہوں۔ ان کے بچے بہت شرارتی ہیں۔''

''زور تو بچوں پر ہوا..... باجی کا کیا قصور.....'' نائلہ مسکرائی۔

''تمہیں کچھ سمجھا رہی ہے۔'' نبیلہ شرارت سے مسکرائی۔ نائلہ بھی جھینپ کر مسکرا دی۔

''مجھے کیا سمجھا رہی ہے۔'' نائلہ نے تجاہل برتا۔

''یہی کہ بچوں کو سکھا سمجھا کر لایا کرنا۔'' نبیلہ ہنسی۔ نائلہ بھی ہنس پڑی۔

''خیر، میں ایسی نہیں ہوں۔ مجھے تو بہت شوق ہے، میرے ڈھیر سارے بھانجے، بھانجیاں، بھتیجے، بھتیجیاں ہوں پھوڑ کرنے والے۔''

''احسن بھائی کو فرمائش بھجوا دو۔ سب سے بڑے وہی ہیں۔ پہل اُدھر سے ہونا چاہیے۔'' نائلہ نے ہنس کر کہا۔

''شہوار بھابی سے بھی پوچھ لو۔ انہیں فرصت بھی ہے یا نہیں۔ کیونکہ تم نے ''ڈھیر سارے'' کہا ہے۔'' نبیلہ مسکراتے ہوئے نائلہ کی سمت دیکھا۔

''خدا کرے امی احسن بھائی کا معاملہ نمٹا کر آئیں۔ مجھے ان کی طرف سے بہت فکر ہے۔ شہوار بھابی ان کے

جائیں تو بھائی جان کو بہت آرام ہو جائے گا۔ اور ہمیں سکون مل جائے گا.....''

''شکیلہ باجی بتا تو رہی تھیں کہ بھائی جان بہت آرام سے ہیں۔ ہو سکتا ہے، وہ صرف ظاہر کرتے ہوں۔ انہوں نے تو بھی اپنے جوتے بھی پالش نہیں کیے تھے۔'' نبیلہ نے نائلہ کے جواب میں اپنی فکرمندی ظاہر کی۔

''بعض دفعہ تو احساس ہوتا ہے ہم سخت بدنصیب ہیں۔ اللہ نے اتنا اچھا بھائی دیا مگر ہم ان کی صورت کو ترستے ہیں۔ لڑکیاں اپنے بھائیوں کی باتیں کرتی ہیں تو مجھے تو بہت رونا آتا ہے۔''

انیلا نے کپڑے نچوڑتے ہوئے نہایت آزردگی سے کہا۔

''مجھے تو حیرانی ہوتی ہے کہ ابا جی کے دل میں اُن کے لیے ایک لمحے کو بھی نرم گوشہ پیدا نہیں ہوتا۔'' نائلہ نے بھی بہت دکھ سے کہا۔

''ایسی بھی کیا اَنا..... کہ انسان بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی اپنی قیمتی زندگی محروم رہ کر گزارے۔'' نبیلہ نے خاصی تلخی سے کہا۔

''مگر کون سمجھائے۔ بلّی کے گلے میں گھنٹی کون ڈالے.....؟'' نائلہ نے بھی قدرے تلخی سے کہا۔

''بھائی جان کی وجہ سے امی کے چہرے پر جو سکون نظر آنے لگا تھا۔ وہ بھی رخصت ہو گیا۔ آئے دن ان کے سر میں درد رہتا ہے۔'' نبیلہ نے کہا۔

''سوچتی جو ہوں گی۔ بھائی جان تو ویسے بھی انہیں عزیز از جان ہیں۔'' نائلہ نے دکھ سے کہا۔

''راحیلہ، بیلا کب تک آئیں گی.....؟'' نائلہ نے جان بوجھ کر موضوع بدلا۔ کیا فائدہ اس بات کے ذکر سے جس سے کچھ حاصل نہ وصول ہوتا ہو.....

''آج تو شاید دونوں جلدی آجائیں۔ راحیلہ کے پریکٹیکل تو کل شاید ختم ہو گئے۔'' انیلا نے جواب دیا۔

''پتا ہے آج میں یہ پروگرام بنا کر آئی ہوں کہ یہاں سے شاپنگ کرنے جاؤں گی۔ آپ میں سے کسی کو ساتھ لے کر..... گھر کی کئی ضروری چیزوں کے علاوہ چند سوٹ کاٹن کے لینا ہیں۔ ممی پنڈی میں ہوتی ہیں..... بابر مصروف کاروبار..... ویسے بھی گھر آکر وہ باہر جانے کے تصور سے ہی چڑتے ہیں..... میں نے اندازہ لگا لیا تھا، اس لیے ان سے کبھی کہا ہی نہیں۔ ہماری ساتھ والی سپر مارکیٹ سے بہت اچھے پرنٹ لائی ہیں..... میں آج دراصل اسی مقصد کے لیے آئی ہوں۔ شادی کے ریشمی کپڑے دیکھ دیکھ کر میری تو طبیعت خراب ہونے لگی ہے۔ پتا نہیں ممی کو کیا دھیان آگیا تھا پنڈی سے لائی تھیں لان کے دو سوٹ..... دو تین شادی سے پہلے جو پہنتی تھی وہ لے گئی تھی۔ مگر وہ پرانے ہی تو تھے۔ کتنا چلتے.....؟

آپا! آپ چلیں گی.....؟'' اس نے نبیلہ کی سمت دیکھا۔

نبیلہ نے اس کی سمت دیکھا..... کتنا ڈھال لیا تھا اس نے وقت کے سانچے میں خود کو۔ کسی طرح بھی تو کچھ ظاہر نہیں کرتی۔

حالانکہ اس کا وہ چہرہ، آنکھیں، آنسو، کرب اور بے بسی میرے دل پر نقش ہو چکی ہے جو اس کی شادی کے اگلے روز سامنے آیا تھا۔

ایک نفسیاتی مریض کے ساتھ وقت کاٹنا..... کوئی ہنسی کھیل ہوتا ہے؟

''مجھے تو بہت کام ہے۔ انیلا کو لے جانا.....''

''ہاں آپا۔ میں تو تیار ہوں۔ مجھے تو ویسے بھی سپر مارکیٹ سے شاپنگ کرنا اچھا لگتا ہے۔ ورائٹی جو بے حد ہوتی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آپ کی شادی کی زیادہ تر شاپنگ امی کے ساتھ وہیں سے کی تھی۔" انیلا جیسے خوشی سے کھل اُٹھی۔

"ابا جی کب تک آجائیں گے۔" کیونکہ شیخ صاحب کا کوئی مخصوص وقت نہیں ہوتا تھا واپسی کا۔ اس لئے نائلہ پوچھ رہی تھی۔

"آج کل تو لیٹ ہو جاتے ہیں۔ وفاقی محتسب سیکرٹریٹ میں دو گھنٹے کا پارٹ ٹائم کر رہے ہیں..... عارضی طور سیٹ خالی ہوئی تھی وہاں۔" نبیلہ نے بتایا۔

"کیا ضرورت ہے..... اس عمر میں وگنی محنت کرنے کی.....؟" نائلہ کو افسوس سا ہوا۔

"اب ان کے معاملے میں کون بول سکتا ہے۔ جب سخت ضرورت تھی اور امی ان سے پارٹ ٹائم کیلئے کہا کرتی تھیں سخت ناراض ہوتے تھے کہ یہ عورت مجھے کولہو کا بیل بنا دینا چاہتی ہے۔" نبیلہ نے سنجیدہ انداز میں باپ کے الفاظ دہرائے۔

"خیر، ہم جلدی لوٹ آئیں گے۔" نائلہ نے کہا۔

"جب تک میں دوپہر کے کھانے کے سلسلے میں آپ کی کچھ مدد کرا سکتی ہوں۔" نائلہ نے نبیلہ سے کہا۔

"سب ہو جائے گا۔ تم بے فکر رہو اور آرام سے بیٹھو۔"

"چھوڑیں آپا! آپ تو بہت ہی تکلف کرنے لگی ہیں۔ حد ہو گئی ہے۔" وہ آستینیں چڑھا کر برتن دھونے لگی۔

"کیا کر رہو نیلی..... دُھل جائیں گے۔ اپنے گھر سے بھی کرتی ہوئی آئی ہو گی۔" نبیلہ نے اسے روکا۔

"انیلا کو میں لے جاؤں گی تو پیچھے آپ اکیلی رہ جائیں گی..... کیا کیا کریں گی؟ اب تو گھر میں امی بھی نہیں ہیں۔ اف کیسا عجیب لگ رہا ہے امی کے بغیر یہ گھر....." وہ تیز تیز انداز میں برتن دھونے لگی۔

نبیلہ خاموش ہو کر دوسرے کام میں لگ گئی۔

انیلا نے جلدی جلدی کپڑے دھوئے پھر نہانے چلی گئی۔ نائلہ نبیلہ کے ساتھ دوپہر کے کھانے میں مدد کرانے لگی۔

جب تک انیلا تیار ہوئی، اچھا خاصا کام سمٹ چکا تھا۔

دونوں رکشے میں بیٹھ کر سپر مارکیٹ چلی آئیں۔ نائلہ نے تین چار لان کے سوٹ خریدے۔ ایک زبردستی انیلا کو دلایا۔ کچھ ٹاولز خریدے۔ مرچ مصالحے کی پیکٹ لئے۔ راؤ سلک کا ایک شلوار سوٹ بابر کیلئے خریدا تھا۔

ساڑھے نو سو روپے کا ایک شلوار سوٹ تھا۔ انیلا تو حیران رہ گئی تھی۔

"اتنا مہنگا.....!! آپا بابر بھائی کچھ کہیں گے تو نہیں.....؟ ابا جی تو سو پچاس روپے زیادہ خرچ کرنے پر ہنگامہ کھڑا کر دیتے ہیں۔"

نائلہ نے کوئی جواب نہ دیا، صرف مسکرا دی،

"ارے آپا..... آپ تو بہت امیر عورت ہو گئی ہیں۔ ایک وقت میں ہزاروں روپے کی شاپنگ کرتی ہیں۔" انیلا کو جیسے رشک آ رہا تھا۔

"فکر نہ کرو..... اللہ تمہیں بھی یہ سب دے گا۔" وہ پیکٹ بیگ میں ڈالتے ہوئے بولی۔ (اللہ..... بندے کو کیسے کیسے بہلاتا ہے۔ اس ناسمجھ کو کیا پتا؟)

"پہلے بلو آپا کا تو مسئلہ حل ہو جائے۔ میری تو بعد کی بات ہے۔" انیلا نے قدرے افسردگی سے کہا۔

"وہ بہت لکی ہیں۔ ان کے ساتھ جو کچھ بھی ہو گا انشاء اللہ بہت اچھا ہو گا۔" نائلہ کے لہجہ میں عجیب سی یاسیت اُتر آئی۔

انیلا نے قدرے تعجب سے نائلہ کی شکل دیکھی مگر خاموش رہی۔

(کہاں سے لکی ہیں؟ ان کی جگہ پر تو اللہ آپ کا عیش کرا رہا ہے) اس نے سوچا تھا۔

"آؤ کچھ کھا پی لیں، کسی ریسٹورنٹ میں چلتے ہیں۔" نائلہ نے کہا۔

"ریسٹورنٹ.....؟!!!" انیلا نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں۔

"بھئی وہاں بھی ہمارے ہی جیسے لوگ جاتے ہیں۔ آسمان سے تھوڑا ہی اُترتے ہیں۔" وہ اس کی حیرت پر مسکرا دی۔

"اگر کسی نے دیکھ لیا.....؟" انیلا کو ڈر لگا۔

"تو کیا ہوا..... میں جو ہوں تمہارے ساتھ۔" نائلہ نے پرسکون انداز میں کہا۔

"آپ کیا شادی کے بعد تیس مار خاں ہو گئی ہیں.....؟" انیلا ہنسی

"سمجھنے میں حرج ہی کیا ہے۔" نائلہ بھی مسکرا کر بولی۔

"اگر ابا جی کو پتا چل گیا.....؟" انیلا نے مزید خوف ظاہر کیا۔

"تو چل جائے۔ ابا جی نے جہاں میری شادی کی ہے اپنی مرضی سے کی ہے۔ وہاں یہ سب روزانہ کے معمولات ہیں۔ مجھے یہ ماحول ابا جی ہی کی وجہ سے ملا ہے۔" اس نے قدرے تلخی سے کہا۔

"آپ تو بہت جلد ان کے ماحول میں ایڈجسٹ ہو گئی ہیں۔" انیلا نے جیسے سراہا تھا۔

"جب رہنا وہیں..... بسنا وہیں تو پھر ایڈجسٹ ہونے میں دیر کیوں.....؟" نائلہ نے سنجیدگی سے کہا۔

دونوں پھر ایک رکشہ کر کے ایک شاندار سے ریسٹورنٹ میں پہنچ گئیں۔

انیلا کے انداز میں تو جھجک تھی مگر نائلہ نے بے حد خود اعتمادی سے شیشے کا دروازہ پُش کیا تھا اور اندر داخل ہو گئی تھی۔

ریسٹورنٹ کا ٹھنڈا اور نیم تاریک سا ماحول انیلا کے لئے اجنبی تھا۔ ہلکی ہلکی موسیقی ماحول کو مزید پُر تاثر بنا رہی تھی۔

نائلہ نے کھڑکی کے ساتھ والی کونے کی میز منتخب کی۔

"بابر کے ساتھ میں یہاں کئی بار آ چکی ہوں۔ وہ دیکھو ویٹر مجھے پہچان کر تیزی سے اسی طرف آ رہا ہے جب بھی ہم آتے ہیں۔ یہی ویٹر ہماری ٹیبل پر سروس کرتا ہے۔"

"السلام علیکم میڈم.....!" اس نے کھٹ کھٹ دو پانی کے گلاس ٹیبل پر رکھے۔

نائلہ سر کو جنبش دے کر گویا سلام کا جواب دیا تھا۔

"آج صاحب نہیں ہیں.....؟" وہ پیشہ وارانہ اور قدرے خوشامدی انداز میں گویا ہوا۔

"صاحب اس وقت آفس میں ہوتے ہیں۔" نائلہ نے جواب دیا۔

"مگر وہ کبھی کبھی یہاں لنچ کیلئے آتے ہیں۔" ویٹر نے بتایا۔

"اچھا..... میرے علم میں نہیں ہے۔ بہر حال انہوں نے لنچ تو کرنا ہوتا ہے۔"

نائلہ مسکرائی۔ وہ پلٹ گیا اور جلد ہی دو مینو کارڈ واپس لئے واپس آ گیا۔

دونوں کے سامنے کارڈ ڈال کر ایک اور ٹیبل کی سمت بڑھ گیا۔

"تم جو کھانا پسند کرو..... دیکھ لو اس میں....." نائلہ نے بے نیازی سے کہا اور خود کارڈ پر نظریں دوڑانے لگی۔

"آپ ہی کچھ منگا لیں آپا۔ مجھے تو یہ سارے کا سارا ہی پسند ہے۔" انیلا نے ٹال کر کہا تھا اور کارڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

"بھئی کھانا تو گھر جا کر کھائیں گے ورنہ بلو آپا ناراض ہوں گی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسنیکس میں سے کچھ منگا لیتے ہیں۔ میں تو برگر کے بجائے کلب سینڈوچ پسند کرتی ہوں۔ اتنا بڑا برگر دیکھ کر ہی مجھ ہول چڑھ جاتا ہے۔"

اس نے ہنس کر کہا اور ویٹر کو اشارے سے بلایا اور چکن کارن سوپ' کلب سینڈوچ اور دو کوک لانے کو کہا۔ انیلا بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ اسے نائلہ کی زندگی پر رشک آ رہا تھا۔

"آپا! وہ سامنے والے ہمیں کیسے گھور گھور کر دیکھ رہے ہیں۔" انیلا کو تھوڑی سی گھبراہٹ ہوئی۔

"دیکھنے دو..... اچھی چیزوں کو لوگ دیکھتے ہی ہیں۔" نائلہ نے لاپرواہی سے کہا اور کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔

"آپ بہت تیز ہو گئی ہیں آپا۔ ہر بات کا جواب تیار۔" انیلا مسکرائی۔ نائلہ ہنس دی۔

تقریباً دس منٹ بعد ویٹر مطلوبہ اشیاء میز پر سجا گیا۔

نائلہ سوپ چکھ کر نمک وغیرہ چھڑکنے لگی۔ انیلا نے بھی اس کی تقلید کی۔

"یہ ساس ذرا سا ملاؤ..... بہت لذیذ لگے گا....." اس نے انیلا کو ہدایت دی۔

"السلام علیکم! معزز خواتین۔"

نائلہ کے ہاتھ سے سوپ کا چمچہ گرتے گرتے بچا۔ یہ آواز وہ لاکھوں کے مجمع میں پہچان سکتی تھی..... اس نے قدرے سراسیمہ ہو کر سر اٹھایا۔

کی رنگ جھلاتے ہوئے رازی بغور اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

دو کی ٹیبل کیونکہ کوئی خالی نہیں تھی، اس لیے وہ چار کرسیوں کی ٹیبل پر بیٹھی ہوئی تھیں.....

"آپ اجازت دیں تو یہاں بیٹھ جاؤں..... آپ خود نظر دوڑا کر دیکھ لیجیے۔ کوئی ٹیبل خالی نہیں ہے۔ آخر بھائی ہونے کے ناتے آپ سے کچھ فائدہ تو اٹھا سکتے ہیں۔" نائلہ کو اس کی بے تکلفی سے وحشت سی ہوئی۔

اس سے قبل کہ وہ واقعی اجازت دیتی رازی انیلا کے برابر بیٹھ چکا تھا۔ اور ویٹر کو اشارہ کر رہا تھا۔

"آپ اکیلے.....؟" انیلا نے بوکھلا کر بے تکا سوال کر دیا۔

"آہ..... ایسے ویسے.....؟ بہت ہی اکیلے ہیں" اس نے کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر بغور نائلہ کو دیکھا۔

نائلہ کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا۔ ایک جا رہا تھا..... جب کہ انیلا اطمینان سے سوپ پی کر سینڈوچ کے ساتھ انصاف کرنے میں مگن تھی۔

"ہمیں بہت دیر ہو چکی ہے انیلا..... جلدی جلدی کھاؤ" اس نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

"آپ اپنا سینڈوچ تو کھائیں آپا.....!"

"بس سوپ پی کر کچھ کھانے کو دل نہیں چاہ رہا..... تم جلدی کرو۔"

انیلا اس کے بدلے ہوئے انداز پر حیران ہوئی..... اور پھر جیسے بات سمجھ گئی۔

"آپ کوک تو پی لیں....." انیلا کو جیسے پیسے ضائع ہونے پر افسوس ہو رہا تھا۔

"ہاں..... ہاں پی رہی ہوں۔" اس نے گڑبڑا کر کہا۔

"اگر آپ نے ہماری وجہ سے اپنا کھانا پینا ترک کیا ہے تو اٹھ جاتے ہیں۔" وہ واقعی اٹھ کھڑا ہوا۔

"ارے نہیں رازی بھائی..... ہمیں واقعی دیر ہو گئی۔ پلیز آپ بیٹھیے۔" انیلا نے اپنی اخلاقیات سے مجبور ہو کر بڑے اصرار سے کہا۔

پ کا اخلاق اپنی جگہ مگر دوسری طرف کا موسم بھی دیکھیے۔" اس نے نائلہ کے چہرے پر نظریں دوڑائیں..... جیسے چاہیے تھا۔ اس چہرے کے دیدار کا۔

..... بابر بھائی..... چلیں، اب تو بیٹھ جائیں۔ اب تو بابر بھائی بھی آ گئے۔" انیلا نے سامنے دیکھتے ہوئے پُر ے معصوم انداز میں کہا۔

ی ایک دم ٹھٹکا۔

یکا دل..... نیچے کہیں گھاٹیوں میں اُترنے لگا۔

بلو اوری باڈی....." واقعی بابر ان کے سر پر کھڑے تھے۔ وہ کرسی کھینچ کر نائلہ کے برابر بیٹھ گئے۔

لیا آج آپ دونوں..... مسٹر سرفراز کی مہمان ہیں....." ان کی بے تاثر آواز نائلہ کے کان میں لُو کی طرح سرایت

ی نہیں..... میں اور آپا تو شاپنگ کی تھکن اُتارنے یہاں آئے تھے۔ رازی بھائی تو ابھی ابھی آئے ہیں۔" انیلا کی گھبراہٹ قدرے کم کی۔

"تو پھر آپ کی ٹیبل پر ان کی موجودگی یہ ثابت کر رہی ہے کہ انہیں آپ کا مہمان بننے کا شوق چرایا ہے۔" بابر مبہم سا ے۔

"کمال کرتے ہیں صاحب آپ..... لنچ کا ٹائم ہے..... اس..... وجہ سے کوئی ٹیبل خالی نہیں ملی تو اس طرف ا..... ویسے آپ لوگوں کی میزبانی میرے لیے اعزاز سے کم نہیں۔" اس نے نظر بچا کر نائلہ کو دیکھتے ہوئے جواب دیا

"چلیے تو پھر آپ آج یہ اعزاز حاصل کر لیں۔" بابر مسکرائے۔

"ارے نہیں۔" رازی شرمندہ سا نظر آیا۔

"پھر سہی۔"

"گویا آپ پھر کا امکان پیدا کر کے اگلی ملاقات کے بھی خواہش مند ہیں.....؟" بابر نے قہقہہ لگایا اور ایک نظر نائلہ کے چہرے پر ڈالی۔

خوبصورت امکانات ہمیشہ نظر میں رکھنا چاہئیں۔" انیلا نے اپنی فطری سادگی سے کہہ دیا۔ ایک ثانیے کو سکوت سا چھا گیا تھا۔

"آپ لوگوں نے کھانا نہیں کھایا.....؟ بابر نے نائلہ کی سمت دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں..... گھر پر بلو آپا نے کھانا تیار کیا ہوگا۔" نائلہ نے آہستگی سے جواب دیا۔ دو مردوں کی مرکز نگاہ بن کر وہ جیسے کسی عذاب میں گھری ہوئی تھی.....

"آپ بھی گھر چلیے ناں..... بلو آپا بہت اچھا کھانا بناتی ہیں۔"

وہ جیسے وہاں سے اٹھ جانے کو بے چین تھی۔ اسی لیے بلو آپا کی تعریف کرتے ہوئے اسے خیال نہیں رہا کہ اس کے منہ سے نکاح سے تین چار دن پہلے تک بلو آپا کا نام اس شخص سے وابستہ رہا ہے..... اور بابر ہمیشہ..... نبیلہ کے ذکر پر چپ ہو جاتے ہیں۔

"جیسے آپ حکم کریں بیگم صاحبہ!" بابر آف وہائٹ سوٹ میں بہت جچ رہے تھے۔ بلا کے خود اعتماد تھے۔ جب انہوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے رازی کی موجودگی کا نوٹس نہیں لیا تھا۔ یا اگر لیا تھا تو ایک پرسنٹ بھی ظاہر نہیں ہونے دیا تھا۔

تینوں اٹھ کھڑے ہوئے۔

''ایک منٹ نائلہ..... میں ذرا آفس فون کرلوں۔'' بابر نے کہا۔

''تو ہم گاڑی میں بیٹھتے ہیں۔ چابی دے دیجیے۔'' نائلہ نے آگے بڑھ کر بابر کا بازو تھام کر جیسے روکا تھا..... اس تکلفی سے تو وہ کبھی گھر میں بھی پیش نہیں آئی تھی۔ شاید وہ رازی کو کچھ سمجھانا چاہتی تھی۔ بابر کے لیے بھی اس کا یہ انداز نیا تھا۔ انہوں نے قدرے شریر انداز میں نائلہ کی آنکھوں میں دیکھا تھا اور چابی اس کے ہاتھ میں دی تھی۔ پھر آگے بڑھ گئے تھے۔

رازی سگریٹ انگلیوں میں دبائے ذرا ترچھا کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے چور نظروں سے اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

''خدا حافظ رازی بھائی۔''! انیلا نے کہا اور نائلہ بغیر کچھ کہے یا نگاہ اٹھائے آگے بڑھتی چلی گئی۔

''اگر بابر اس قدر برا ڈامائنڈ ڈ نہ ہوتے تو یہ شخص کبھی کا میرا گھر خراب کر چکا ہوتا۔'' اس نے سلگتے ہوئے سوچا تھا۔

کوئی اس سے پوچھے اب ان باتوں کا مقصد۔

کوئی فائدہ۔

کوئی حاصل۔

اگر یہ عشق ہے تو سخت نان سینس ہے۔

اسے ایک سے ایک لڑکی مل سکتی ہے..... خوش رُو اور خوش خصال..... انسان اپنی قیمتی اور ایک بار ملنے والی زندگی کو اس طرح کیوں ضائع کرتا ہے.....؟

ٹیکنالوجی میں اتنا آگے بڑھ گیا ہے یہ انسان۔

اسے بہت میچور ہو جانا چاہیے۔

اب مجھے ہی دیکھا جائے تو میں سمجھوتے کی اچھی خاصی روشن مثال ہوں۔

ایک پیچیدہ اور اذیت پرست انسان کے ساتھ خوف و دہشت کے ماحول میں وقت گزار رہی ہوں۔

کیا کروں پھر.....؟

روح تو میری مر چکی ہے..... میں تو اس عہد کی مشینوں میں شامل ہوں۔

بابر مرتضیٰ کے گھر میں سہولت کی ہر مشین موجود ہے۔

کپڑے دھونے کی..... مصالحہ پیسنے کی..... آٹا گوندھنے کی..... پانی چڑھانے کی..... پانی کھینچنے کی..... گھاس کاٹنے کی۔

ریموٹ سے چلنے والا ٹیپ ریکارڈ..... ٹی وی، وی سی آر..... خود کا کیمرہ.....

ان مشینوں میں، میں مزید اضافہ ہوں۔

تم میرے سامنے آ کر کیوں میری سوچوں کو پراگندہ کرتے ہو۔

پرانے زمانے میں بعض لوگ اپنی اولاد ہیکل کی خدمت کے لیے وقف کر دیتے تھے پیدا ہوتے ہی..... تب اسرائیل میں یہ بڑے اعزاز کی بات تھی۔

وہ بہت ساری نفسانی خواہشوں کو از خود فنا کر صرف ہیکل کے باندی اور غلام ہوتے تھے۔

میں کسی ہیکل کی جذبات پر وف باندی کی طرح ہو جانا چاہتی ہوں..... ذہنی طور پر حد درجہ پارسا.....

مت آیا کرو میرے سامنے۔

سب کچھ فنا ہو چکا۔

صرف ضمیر باقی ہے۔

اسی سبب میرے اندر قوتِ حیات دوڑتی ہے۔

میں نے سینکڑوں انسانوں کے سامنے اپنے خدا کو حاضر ناظر جان کر..... بابر مرتضیٰ کے نکاح میں آنے کی ہامی بھری تھی.....

ایک وہ زندگی جو میرا ماضی ہے، گزر گئی۔

ایک یہ ہے..... کسی..... عہد کی لاج

مت آیا کرو میری راہ میں۔

میری روح کا ایک ایک زخم جاگ پڑتا ہے۔

تمہارے قرب کی مہک میرے حافظے میں سرایت کرنے لگتی ہے۔

وہ قرب جو ہیرا گن جیسی تپتی دوپہر میں ایک دوسرے کو مینہ آیا تھا۔

باہر سورج آگ برسا رہا تھا۔ اور.....

گاڑی کے اندر خواہشات کا ماتم برپا تھا۔

کیسے بھول سکتی ہوں۔

تمہاری جذباتیت اور حماقت نے تو مجھے یہ دن دکھائے ہیں۔

اس نے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف چابی لگا کر دروازہ کھولا اور نہایت بے خبری اور لاپروائی کے انداز میں ہاتھ ڈال کر پچھلے دروازے کا لاک کھولا..... اور انیلا کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

عورت کی شادی ہونے کی دیر ہے۔ شوہر کی ایک ایک شے کے لیے مالکانہ انداز خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔

انیلا غور سے یہی دیکھ رہی تھی۔

نائلہ ڈرائیونگ سیٹ کے راستے گاڑی میں داخل ہوئی اور دروازہ بند کر کے ساتھ والی سیٹ پر کھسک گئی..... اور اے سی آن کر دیا۔

انیلا کو اس کا گم صم سا انداز بہت محسوس ہو رہا تھا۔

''آپا..... کیسا لگتا ہے صاحب کے ساتھ آگے بیٹھنا.....؟'' وہ اس سے شرارت کرنے لگی۔

''پتا نہیں..... کبھی غور ہی نہیں کیا.....'' اس نے سرد سے انداز میں جواب دیا۔

اسی دم بابر مرتضیٰ گاڑی کی طرف آتے دکھائی دیے۔ انیلا مزید کچھ نہیں بولی۔ بابر نے تیزی سے دروازہ کھولا اور بیٹھتے ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

''چلیے صاحب۔ آپ کے پہلے گاڑی میں بیٹھنے کا ایک فائدہ تو ہوا گاڑی ٹھنڈی ملی ہے۔'' وہ پیچھے دیکھتے ہوئے گاڑی بیک کرنے لگے۔

انیلا تو جیسے کسی مرغزار میں پہنچی ہوئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

واہ آپا کے تو خوب مزے ہیں..... مزے تو خیر شکیلہ باجی کے بھی ہیں مگر نیلی آپا کے میاں ان کے مقابلے میں بالکل ینگ ہیں۔

اسی لیے آپا کو کسی قسم کا کامپلیکس نہیں ہوگا۔ فریش رہتی ہوں گی۔ شکیلہ باجی کے میاں تو ان سے بہت بڑے ہیں۔ شکیلہ باجی کو سوچ کر دکھ تو ضرور..... ہوتا ہوگا۔ انیلا دونوں بہنوئیوں کا فرق چھانے لگی۔

''کیا بات ہے انیلا آپ باتیں نہیں کرتیں.....؟'' بابر نے مرر (MIRROR) میں دیکھتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

نہیں دولہا بھائی..... میں تو بہت بولتی ہوں۔ پوچھ لیں آپا سے۔''

''میں کچھ پوچھ لوں..... جواب تو یہ اپنی مرضی ہے سے دیتی ہیں۔'' بابر نے نائلہ کا چہرا دیکھا۔ نائلہ حاضر دماغی کا ثبوت دینے کی غرض سے مسکرائی۔ درحقیقت اسے نہیں پتا تھا کہ انیلا اور بابر نے کیا بات کی ہے۔

انیلا نے واقعی بابر سے باتیں شروع کر دی تھیں۔

باتوں کی وجہ سے پتا ہی نہیں چلا کہ فاصلہ طے ہو چکا اور گھر آ گیا۔

انیلا جلدی جلدی شاپنگ بیگ سمیٹنے لگی..... گھر دیکھ کر اس کے اندر نیا جوش بیدار ہو چکا تھا۔

وہ راحیلہ اور بیلا کو بتائے گی کہ وہ آپا کے ساتھ کہاں کہاں گئی۔ اتفاق سے بابر بھائی بھی آ گئے۔ پھر ہم ان کی گاڑی میں آرام سے گھر آئے۔

اس نے چند بیگ نائلہ کو تھما دیے اور خود بڑی تیزی سے گھر میں سب سے پہلے داخل ہوئی۔ یہ بتانے کے لیے کہ دولہا بھائی بھی آئے ہیں۔ نائلہ اس کے پیچھے پیچھے تھی۔

نبیلہ، راحیلہ، بیلا..... اور ''روبی'' صحن میں بیٹھی ہوئی غالباً ان کا انتظار کر رہی تھیں۔

سہ پہر ہو چکی تھی۔

''اتنی دیر لگا دی..... میرا تو ڈر ڈر کر بُرا حال.....''

نبیلہ یک لخت چپ ہو گئی..... سامنے بابر مرتضیٰ آ رہے تھے۔

''السلام علیکم۔'' روبی نے بڑی گہری نظروں سے نائلہ کو دیکھا۔

''وعلیکم السلام۔'' نائلہ نے بیگ تخت پر ڈال دیے..... رازی کے بعد اب روبی کا ''چہرہ'' ہو رہا تھا۔

''اسلام علیکم۔'' بابر مرتضیٰ نے اسے آ کر سلام کیا۔

''السلام علیکم دولہا بھائی۔'' رحیلہ اور بیلا جیسے سرخوشی سے ناچ اٹھیں۔

''کیا تم گھر چلی گئی تھیں.....؟'' نبیلہ نے الجھ کر پوچھا..... اس نے بابر کے ساتھ آنے کی وجہ سے پوچھا تھا۔

''نہیں آپا..... ہم ریسٹورنٹ میں تھے..... اتفاق سے پہلے رازی بھائی آئے۔ دولہا بھائی یہ سرفراز بھائی کی چھوٹی بہن ''روبی'' ہیں۔ انیلا نے فوراً پٹری بدلی۔

''اچھا..... آپ کے بھائی سے تو دو مرتبہ ملاقات ہوئی ہے۔ ایک بار پنڈی میں..... صدر میں ملے تھے وہ ہمیں..... اور ایک اور تازہ ترین ملاقات آج ہوئی ہے..... کیسی ہیں آپ.....؟''

بابر نے مہذب انداز میں اس کی خیریت دریافت کی۔

نبیلہ نے ایک دم چونک کر نائلہ کی شکل دیکھی..... وہ نظر چُرا گئی۔ ''ریسٹورنٹ، رازی.....؟؟''

اچھا!!! رازی بھائی سے مل چکے ہیں آپ.....؟'' روبی کا انداز معنی خیز تھا.....

آپا..... کھانا تو پکایا ہے ناں.....؟'' سخت بھوک لگ رہی ہے۔'' نائلہ نے فوراً ہی مداخلت کی اور روبی کی آواز دبانے کی کوشش کی۔

''ہاں بھئی..... ظاہر ہے..... مجھے یہ تھوڑا ہی پتا تھا۔ تم اتنی دیر کر دو گی۔ کھانا تو ٹھنڈا بھی ہو چکا ہے۔''

''باہر بھی کھائیں گے۔'' اس نے آہستگی سے بہن کو بتایا۔

''ضرور کھانا چاہیے..... بلکہ ہمیں تو بابر بھائی سے شکایت ہے کہ وہ بہت ہی پُرتکلف مہمان بن کر آتے ہیں۔ حالانکہ ے حوالے سے ان کا اس گھر سے بے حد قریبی تعلق ہے۔''

نبیلہ نے بہت خلوص اور اپنائیت سے کہا تھا۔

نائلہ نے اس کی صورت دیکھی۔

''کیا دیکھ رہی ہو..... غلط کہہ رہی ہوں میں.....؟'' وہ بڑے اعتماد سے مسکرائی.....

نائلہ ایک دم چپ سی ہو گئی..... اور اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔

بڑے کمرے میں عام سا کارپٹ بچھا ہوا تھا۔ اسی پر دسترخوان لگا کر وہ ٹرالی میں برتن اور ضروری چیزیں رکھنے لگی۔

کمرہ چونکہ کچن سے خاصا دور پڑتا تھا اس لیے..... بار بار چکر لگانے کی بجائے وہ ایک بار سب چیزیں ٹرالی ہی میں لاتی تھیں۔ اور کئی چکروں کا کام ایک ہی مرتبہ میں نمٹ جاتا تھا۔

نبیلہ اور راحیلہ نے کھانے پینے کی تیار اشیاء ڈشز میں نکالیں۔

''جاؤ بیلا کہہ دو ان سے.....'' نائلہ نے ''تاکید'' بیلا کے سر منڈھ دی۔

''حد کرتی ہو..... امی ہوتیں تو سب خود ہی کہہ دیتیں..... تمہیں یہاں آ کر ان سے اس طرح لاپروائی سے پیش نہیں آنا چاہیے۔ بعض اوقات معمولی باتیں ہی خواہ مخواہ کی بدمزگی پیدا کر دیتی ہیں۔''

''آپ تو کم از کم مجھے اس قسم کی ہدایتیں نہ دیا کریں..... آپا.....!'' وہ قدرے تلخی سے کہہ کر باہر نکل گئی۔

''جی نہیں رازی بھائی سے بڑے بھائی بھی ہیں۔ ایک بڑی بہن ہیں ہماری۔'' روبی بابر سے مصروف گفتگو تھی۔ نائلہ لمحے کو ٹھٹک کر سوچنے لگی۔

''انیلا.....!''

''جی آپا.....'' انیلا بابر کے پاس ہی بیٹھی تھی۔

''اِدھر آؤ.....'' اس نے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا، وہ اٹھ آئی۔

''جی.....'' وہ فکرمند سی ہو گئی تھی۔

''اس ''بی بی سی'' کو ٹالو وہاں سے۔ تم لوگوں کو تو ذرا عقل نہیں..... وہ ''شروع'' ہو چکی ہے..... تم بیٹھی منہ دیکھ رہی ہو..... کیا میں یہاں آنا چھوڑ دوں.....؟''

اس نے ناراضگی سے انیلا کو جتانے کی کوشش کی۔

''جاؤ بابر سے کہو کھانا تیار ہے۔''

انیلا خاموشی سے باہر نکل گئی۔

وہ فرج سے سلاد اور پانی کی بوتلیں نکالنے لگی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھانا کھانے کے بعد فوراً ہی بابر واپس جانیکے لیے اٹھ کھڑے ہو۔

"آپ نے تو کہا تھا کہ رات کو واپس ہوں گے..... مجھے آج رات تک رکنے کی اجازت ہے۔"

وہ خاصے کڑوے انداز میں بولی تھی۔

"شام ہو رہی ہے..... رات کون سا دور ہے.....؟ آج ایک ضروری بزنس ڈنر اٹینڈ کرنا ہے۔ اور آپ کو میں ایک مرتبہ بتا چکا ہوں۔ خاندانی اور دوستانہ ڈنر میں آپ ہزار بار شرکت نہ کریں..... مگر بزنس ڈنر آپ کو ہر صورت اٹینڈ کرنا ہو ہے۔ فل اٹینشن ہو کر..... جب اللہ نے اٹریکٹو گریس فل بیوی دی ہوئی ہے تو اس کے اثرات کو کیش کرانے میں کو حرف ہی نہیں..... صرف دو چار باتیں ہی تو کرنا ہوتی ہیں۔"

بابر نے مسکرا کر اس کا پُرنور و صبیح چہرہ دیکھا۔

"اسے روشن خیال کہتے ہیں.....؟" اس نے طنزیہ مسکرا کر پوچھا۔

"جی..... قید و بند سے پاک آزاد خیالی....."

"آپ کو اچھا لگتا ہے۔ جب لوگ آپ کی بیوی کو بے حد پُرشوق انداز میں دیکھتے ہیں..... آپ کو جیلسی فیل نہیں ہوتی.....؟" اسے سخت غصہ آ گیا تھا۔

ماحول کے فرق سے احساس کے انداز بھی بدل جاتے ہیں..... ظاہر ہے بابر مرتضیٰ اور اس کے ماحول میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

"ارے جیلسی کیسی.....؟ میں تو اس وقت بہت پراؤڈ فیل کرتا ہوں۔ جب میرے ملنے والے تمہیں ایڈمائر کرتے ہیں۔"

"مگر میں آج تھک چکی ہوں....." نائلہ کے انداز میں بے خوفی اور خودسری تھی۔

"ڈنر تو رات آٹھ بجے کے بعد ہی شروع ہوگا۔ تم اب گھر چلی جاؤ..... دو گھنٹے آرام کے بعد تیار ہو جانا..... یہ کون سا مسئلہ ہے۔"

نبیلہ نے برتن سمیٹتے ہوئے فوراً مداخلت کی تھی۔

بابر جو نائلہ کے انداز پر خون کا گھونٹ پیتے ہوئے ہونٹ کاٹنے لگے تھے، باہر چلے گئے تھے خدا حافظ کہہ کر۔

"حد کرتی ہو تم..... اس گھر کے مسئلے ویسے ہی ختم نہیں ہو رہے تم اور بات بڑھانے لگتی ہو۔" نبیلہ نے سرزنش کی۔

نائلہ وہیں فرش پر بیٹھ گئی۔

"جان مصیبت میں ڈال دی ہے میری..... ایک لمحہ، ایک گھڑی مرضی کی نہیں۔" وہ رو رہی تھی۔

"پاگل مت بنو..... ہوش کے ناخن لو..... بے وقوف کہیں کی..... اپنا گھر مضبوط بناؤ۔ بس....."

"اور ہاں..... آئندہ رازی ملے تو طبیعت صاف کر دینا اس کی۔ کہہ دینا اس طرح راستے میں آنے اور بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ نہ تم سے اور نہ بابر بھائی سے..... اس کے ماتھے پر لکھا ہے کہ وہ کیا ہے.....؟ کیا معلوم اس کے ارادے کیا ہیں..... کیوں بات کرتا ہے وہ تم سے....."

بابر چابی ٹی وی پر بھول گئے تھے..... ان کی آمد کا نبیلہ کو پتا ہی نہ چلا تھا۔

نائلہ دوپٹے سے آنسو پونچھ رہی تھی..... اور نبیلہ کے انداز میں سخت خفگی تھی..... وہ دروازے ہی میں اٹک گئے۔

وہ نبیلہ کا اگلا جملہ سننے کے منتظر تھے۔

"میں کیا کر سکتی ہوں آپا..... آج میں جس حیثیت میں ہوں۔ اُسی کی وجہ سے ہوں۔"

"آپ جس دور سے گزر رہی ہیں..... اس کا ذمہ دار بھی وہی ہے۔"

"خدا معلوم..... میری زبان اس کے سامنے ٹھٹھر کیوں جاتی ہے؟ میں اس پر برس کیوں نہیں پڑتی..... میرے دکھوں کا ہر سلسلہ اس کی ذات سے شروع ہوتا ہے۔"

"اگر آپ کو موقع ملے تو آپ ہی اس کہہ دیجیے گا۔ یہ سب کچھ....."

"بابر بھائی.....!!!" نبیلہ ایک دم حواس باختہ سی ہو گئی..... اس کی اچانک نظر پڑی تھی۔ نائلہ نے بھی گردن موڑ کر دیکھا..... مگر وہ بالکل نارمل تھی۔

"یہاں گاڑی کی چابی رکھی ہوئی تھی۔" بابر بے تاثر انداز میں ٹی وی کی سمت بڑھے تھے۔

"جی.....!" نبیلہ نے ان سے پہلے آگے بڑھ کر چابی اٹھائی اور بڑے عاجزانہ انداز میں ان کی سمت بڑھی..... اس کی رنگت ایک دم سفید پڑ چکی تھی۔

اس نے پشت پر ہاتھ باندھے ہوئے بابر کو بہت پُرسکون انداز میں ان کی باتیں سنتے دیکھا تھا۔

اس کی ٹانگیں لرز رہی تھیں۔ اور دل، اس نے تو حشر اٹھا رکھا تھا۔ اس نے سہمی سہمی نظروں سے ان کا چہرہ دیکھا تھا مگر کوئی تاثر اخذ نہ کر سکی تھی۔

بابر چابی لے کر واپس مڑ گئے تھے۔

نائلہ نے شاپنگ کی ہوئی سب چیزیں اٹھائیں اور اپنا اسٹائلش سا پرس دوسرے ہاتھ میں تھامتے ہوئے نبیلہ کی سمت بڑھی۔

"خدا حافظ آپا.....!"

انیلا، بیلا اور راحیلہ بھی آ کھڑی ہوئی تھیں..... روبی بھی ان کے پیچھے کھڑی نظر آ رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"خدا حافظ آپا.....!"

"انیلا.....احمر آئے تو کہنا.....ترس رہی ہوں اُسے۔کیا وہ مجھ سے ملنے کی فرصت بھی نہیں نکال سکتا....." اس نے بڑی یاسیت سے انیلا کی سمت دیکھا اور باہری سمت بڑھ گئی۔

بابر دوسری طرف کا دروازہ کھولے منتظر تھے۔

وہ آگے بڑھی.....تو وہ لائٹر جلائے سگریٹ پر جھکے نظر آئے۔

اس کی آمد کو محسوس کر کے انہوں نے سر اُٹھایا۔نائلہ نے دروازہ بند کیا، بابر گاڑی ریورس کرنے لگے۔

"یہ ہے مسٹر سرفراز کا گھر.....؟" انہوں نے براؤن گیٹ والے گھر کی سمت اشارہ کیا۔

"جی نہیں.....یہ بالکل ہمارے گھر کے سامنے والا.....وہائٹ گیٹ۔" نائلہ نے سرد لہجے میں جواب دیا۔اور گردن موڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"اچھی خاصی اپیج منٹ ہے ان لوگوں کی آپ کی فیملی سے....." بابر نے آہستگی سے کہا۔

"جی ہاں.....صرف 'اِن لوگوں کی.....'" نائلہ نے بھی آہستہ مگر تلخ انداز میں جواب دیا۔

"میرا مطلب ہے، بہت آنا جانا ہے....." بابر کا لہجہ.....ہنوز سادہ تھا۔

"جی نہیں.....صرف آنا، آنا ہے....." بابر کا لہجہ.....ہنوز سادہ تھا۔

"مگر تعلقات کی مضبوطی کا انحصار تو ہمیشہ دو طرفہ کارروائی کا نتیجہ ہوتا ہے۔"

بابر نے سگریٹ منہ سے نکالے بغیر دھواں ناک اور منہ سے نکالتے ہوئے دبے دبے انداز میں کہا۔دونوں ہاتھ اسٹیرنگ کو حرکت دینے میں مصروف تھے۔

"مگر ہمارے اِن سے تعلقات نہیں ہیں۔" نائلہ نے جیسے چڑ کر کہا۔

بابر نے کن انکھیوں سے اس کا چہرہ دیکھا.....درحقیقت وہ اس کے اعتماد سے اُلجھ رہے تھے۔

"گھر جا کر آپ دو گھنٹے سو رہے گا۔فریش ہو جائیں گی۔تیار تو آپ جلد ہو ہی جاتی ہیں۔"

نائلہ خاموش رہی.....وہ بابر کے انداز سے نتیجہ اخذ کرنے میں مصروف ہو چکی تھی۔

صفیہ جانے کے لیے تیار ہو چکی تھیں۔

اور شہوار کی حالت غیر ہو رہی تھی.....وہ اِدھر اُدھر چکر لگاتی پھر صفیہ کو بغور دیکھنے لگتی۔بظاہر وہ انہیں دیکھتی تھی مگر اس کی پریشان خیالی اس کی آنکھوں سے ظاہر تھی۔

صفیہ نے ایک نظر اس پر ڈالی.....وہ عجیب بدحواس سی دکھائی دی.....حد سے زیادہ فکر مند بھی۔ننگے پاؤں، کپڑے شکن آلود، بے ترتیب دوپٹہ.....اور جیسے بس نہ چلتا تھا کہ صفیہ کے پیروں سے لپٹ جائے۔

صفیہ کو اس کے اس سادہ اور سہمے ہوئے انداز پر ٹوٹ کر پیار آ گیا۔

وہ آگے بڑھیں اور اس کا سر سینے سے لگا لیا۔

"گھبرانے کی کیا بات ہے.....یہی تمہارا اپنا گھر اور مستقل ٹھکانہ ہے۔یہاں کی ہر چیز تمہاری ہے.....بلاشرکت غیرے تم اس گھر کی مالکن ہو۔میں کوشش ترک نہیں کروں گی۔انشاء اللہ ایک دن تمہارے والدین کو تمہاری بے گناہی کا یقین آ جائے گا۔محض تمہارے خیال سے میں نے احسن کو اس درجہ لعنت ملامت نہیں کی جتنا کہ کرنا چاہیے تھا۔جوان اولاد

معاملہ ہو تو بہت احتیاط کرنا پڑتی ہے۔ورنہ الٹا نقصان ہی اٹھانا پڑ جاتا ہے۔تم میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" وہ جیسے اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"خالہ جان.....!" اس کی آواز بھرا گئی۔

صفیہ دور ہٹ گئیں مبادا وہ بلک بلک کر رو دے۔

"آخر کار بیٹے، عورت کو شوہر بچوں کے ہمراہ زندگی گزارنا ہوتی ہے۔اب یہی تمہاری دنیا ہے۔"

"میں یہاں مر جاؤں گی....." اس نے ہونٹ کاٹے.....گویا اپنے اشکوں کو روکا۔

"تمہارے سر کے صدقے میں تمہارے دشمن بھی جنیں بیٹی۔میرے بیٹے کا تو سب کچھ اب تم ہی ہو۔دیکھو اس کا خیال رکھنا۔اس کی بات کا بُرا نہ ماننا.....بہت اکیلا ہو گیا ہے میرا بچہ.....میرے جیتے جی۔"

وہ رو پڑیں.....اور چہرہ چادر سے چھپا لیا.....

شہوار اپنی افتاد بھول بھال صفیہ کے رونے سے ایک دم حواس باختہ ہو گئی.....جیسے وہ صفیہ سے کسی قسم کی کمزوری کی توقع ہی نہیں رکھتی تھی۔

جلدی سے بھاگ کر پانی لائی۔

"خالہ جان.....آپ بھی رو رہی ہیں.....؟" ایک بے تکا جملہ اس کے منہ سے نکل گیا۔

"یہ تو میرے معمولات میں شامل رہا ہے بیٹی.....؟" انہوں نے ایک سرد آہ کھینچی اور شہوار کا دل جیسے.....ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

"خالہ جان.....آپ مجھے نہیں بلکہ "انہیں" سمجھا کر جائیے.....یقین کیجیے "یہ" ایسے نہیں ہیں جیسے آپ کو نظر آتے ہیں.....بہت بے رحم، بہت سخت ہیں.....خالہ جان میں تو قیامت تک "اِن" سے رحم اور ترس کی توقع بھی نہیں کر سکتی.....آپ کو کیا پتا....."

وہ ایک دم رُک گئی.....سیاہ لیدر چپل پر نظر پڑ گئی تھی۔احسن کمرے کے دروازے کی دہلیز پر ایستادہ تھا۔

صفیہ نے اسے ایک دم چپ ہوتے دیکھا تو گردن موڑ کر پیچھے دیکھنے لگیں۔

"آپ تیار ہیں امی.....؟" اس کی بھاری آواز نے فضا و ماحول میں ارتعاش پیدا کیا.....

"ہاں.....کون سا ساز و سامان ساتھ لائی تھی.....تم نے یونہی اتنی چیزیں بہنوں کے لیے ساتھ کر دیں۔"

وہ میری بہنیں ہیں امی.....ابھی تو میں نے ان کے لیے کچھ بھی نہیں کیا۔" وہ رسٹ واچ کلائی پر باندھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

صفیہ کو جیسے اس کے ان جملوں سے از سرِ نو توانائی ملی تھی۔ایک دم خوش ہو کر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اللہ تمہیں زندگی کے ہر سکھ سے نوازے.....چلو بیٹا.....دیکھو بیٹا.....تمہاری بہنوں کو تو اللہ نے باپ کا سایہ دے رکھا ہے۔مگر.....اس وقت یہ بہت اکیلی ہے.....عورت ذات ہے بیٹے.....کمزور اور محدود.....اس کا خیال رکھنا۔جب کہ اس کی.....حالت کے ذمے دار بھی تم ہو۔"

احسن نے جھک کر وہ سوٹ کیس اٹھایا جو اس نے کچھ دیر قبل ماں کے حوالے کیا تھا۔

"چلیے امی....."

گاڑی وہ نکال چکا تھا۔ڈکی میں سوٹ کیس رکھ کر وہ ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا اور ماں کے لیے دروازہ کھول دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شبوار حسرت بھری نظروں سے گیٹ کے بیچوں بیچ کھڑی صفیہ کو دیکھ رہی تھی۔ صفیہ نے ہاتھ اٹھا کر خدا حافظ کہا۔

''گیٹ بند کرلو بیٹے۔'' ساتھ ہی ہدایت بھی دے دی تھی۔ خیر سے اللہ نے تمہیں بہت کچھ دیا ہے۔ اس کے ساتھ رہنے کے لیے کسی بوڑھی ملازمہ کا بندوبست کرلو..... اس کا دل بہل جائے گا..... کسی غریب کا بھلا ہو جائے گا۔ کل کلاں کو بال بچے ہوں گے تو بھی اُس کی موجودگی سے فائدہ رہے گا۔

سُن رہے ہو ناں میری بات.....؟'' انہیں احسن کی حاضر دماغی پر شک ہوا۔

''جی.....!'' احسن نے بے تاثر نگاہیں ہنوز ونڈ اسکرین پر جمائے ہوئے مختصر جواب دیا۔

''امی..... اب تو میرے پاس فون کی سہولت ہے۔ آپ کرلیا کریں۔ آپ نہیں آپ کی آواز ہی سہی۔'' اس نے کمال ہوشیاری سے موضوع بدل دیا۔

اور صفیہ بھی آنے والی ممکنہ دوری کے خیال سے آزردہ ہو کر اس موضوع کی رو میں بہہ گئیں۔ ان کے ذہن میں یہ خیال بھی نہ آیا کہ پوچھتیں۔ دفتر کا فون نمبر کیوں نہیں دیا تھا۔ یا وہ فون پر ان سے بات کرتے ہوئے کس مصلحت کے پیشِ نظر کتراتا تھا۔

مگر وہ ماں تھیں..... اور.....

اولاد کی کمزوریاں اور خامیاں ماں کے حافظے میں محفوظ نہیں رہتیں۔ مناسب رفتار سے چلتی گاڑی میں اپنے بیٹے کے پہلے میں بیٹھی ہوئی گویا وہ کوئی ابدی سکون کا سمندر پار کر رہی تھیں۔

احسن نے آنکھوں پر سیاہ گلاسز چڑھائے تھے۔ اب اس کے تاثرات محفوظ ہو چکے تھے۔ مضبوط پروقار و پراعتماد بیٹے کو گاہے گاہے چنتی نظر سے دیکھ کر نظر بد سے بچانے والی آیات شروع کر چکی تھیں۔

نور بانو مسلسل دعائیں مانگنے میں مصروف تھیں۔

منزہ سیاہ کامدار سوٹ پہنے کارپٹ پر آرام سے بیٹھی نیل پالش لگانے میں مصروف تھی۔ میرون لپ اسٹک سے ہونٹوں کی تراش بے حد واضح محسوس ہو رہی تھی۔ کھلے بال شانوں پر جھوم رہے تھے۔

نور بانو ایک ٹک اسے دیکھنے لگیں۔

''کیا دیکھ رہی ہیں امی.....؟'' معاً منزہ نے نظریں اٹھائیں۔

''ہیں..... ہاں..... کچھ نہیں بیٹا.....'' وہ ایک دم گڑبڑا گئیں۔

''کیا میں اچھی لگ رہی ہوں.....؟'' وہ تھوڑا سا شرما کر مسکرائی۔

''میری بیٹی تو ہے ہی بہت پیاری..... ہمیشہ اچھی لگتی ہے۔'' ان کی آواز بہت دھیمی تھی۔

''خاور کہتے ہیں، میں انڈین اداکارہ سائرہ بانو میں بہت ملتی ہوں۔ واقعی امی.....؟'' اس نے مسکرا کر ماں کی سمت دیکھا۔

''ارے میری بیٹی کے سامنے سائرہ بانو کیا چیز ہے۔ میری بیٹی تو بے حد پیاری ہے۔'' انہوں نے درد کی ایک شدید لہر اپنی رگِ جاں میں اُترتی محسوس کی۔

''ہاں بس خاور کی عادت ہے، پتا نہیں کس کس میں ملاتے رہتے ہیں مجھے۔ آپ کو کیسے لگتے ہیں خاور؟'' اس نے سوال کیا۔

''جسے میں نے اپنے جگر کا ٹکڑا دیا ہے..... مجھے اس سے اچھا کون لگ سکتا ہے؟'' ان کی آنکھوں سے دو دو موتی ٹوٹ کر گرے۔ جو انہوں نے منہ موڑ کر صاف کر لیے۔

''خاور کہہ رہے تھے کہ اس مرتبہ ہم نوشہرہ جائیں گے تو بہت دن ٹھہریں گے۔

امی..... ہونا تو حسن ابدال میں ہوگی؟'' اس نے اپنی چچازاد بہن کی بات پوچھا۔

''نہیں..... وہ تو امریکہ جا چکی ہے۔ کیا تم بھول گئیں؟'' نور بانو نے اسے یاد دلایا۔

''اوہ..... ہاں میں واقعی بھول گئی..... پتا نہیں میرا دماغ کیسا ہو گیا ہے۔ کچھ یاد ہی نہیں رہتا۔ کہیں میرا دماغ خراب تو نہیں ہو گیا امی.....؟'' وہ ایک دم فکرمند سی نظر آئی۔

نور بانو کا جی چاہا چیخ چیخ کر رو پڑیں..... انہوں نے ہونٹ کاٹ کر جیسے اپنے اشکوں کو بہنے سے روکا۔

''خدا نہ کرے۔'' ان کی آواز کانپ رہی تھی۔

''آپ کا کیا خیال ہے امی..... خاور اس جمعے تک آجائیں گے؟'' نور بانو جیسے پتھر کی ہو گئیں۔

''امی..... آپ ان کے آتے ہی مت چلی جایئے گا۔ خاور کی اہمیت اپنی جگہ، مگر مجھے آپ کی کمی بہت محسوس ہوتی ہے..... امی انسان کو کسی سے محبت نہیں کرنی چاہیے کہ پھر زندگی بھر اس کی ضرورت محسوس ہوتی رہے۔

امی..... آپ کا کیا خیال ہے..... محبت کوئی اچھی چیز ہے؟ امی..... یہ تو بہت تکلیف دہ چیز ہے۔

ایک بار مل جائے تو کھونے کے ڈر سے آدمی کا سکھ چین ہی ختم ہو چکا ہے..... کیوں امی.....؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''امی..... محبت تو ایک سزا ہے۔ جس کو لاحق ہوتی ہے، وہ ہر وقت فکرمند ہی رہتا ہے..... وہ بہت آرام میں ہوتے ہیں جنہوں نے اس کا ذائقہ نہیں چکھا ہوتا..... اب مجھے ہی دیکھیے..... جو محبت بھی پائی ہے، شدید ہی پائی ہے۔ ہر وقت جان سُولی پر لٹکی رہتی ہے..... خاور پاس ہوتے..... ہیں تو ان کے جانے کے خیال ہی سے وحشت ہوتی رہتی ہے۔ چلے جاتے ہیں تو ان کی جان کی خیر مانگتی رہتی ہوں۔''

''بس کرو..... خدا کے لیے بس کرو۔'' نور بانو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں۔

منزہ ایک دم خالی خالی آنکھوں سے انہیں گھورنے لگی۔

اسی دم دروازہ کھلا..... انعام علی اندر داخل ہوئے۔

''بہت اچھے..... رُلانے کے علاوہ کوئی اور کام بھی سیکھ لیا ہوتا بانو بیگم!''

ان کے لہجے میں آگ سی بھری ہوئی تھی۔

''پاپا..... آپ امی کو سمجھایئے..... کیوں روتی ہیں..... امی تو بہت لکی ہیں۔ آپ کبھی امی سے زیادہ دور نہیں رہے۔ کم از کم شپ (SHIP) پر تو نہیں رہے کہ مبادا خواستہ کسی حادثے کا دھڑکا لگا رہے۔

امی..... آپ تو ایسے رو رہی ہیں جیسے کسی کی موت پر روتے ہیں..... حالانکہ ہم نے تو کبھی موت دیکھی ہی نہیں ہے.....

کیوں پاپا.....؟''

''نور بانو..... اگر میری بیٹی کو کچھ ہو گیا وت یہ تمہاری ذمہ داری پر ہوگا۔'' انعام علی نے جیسے دھمکی دی۔

''میں کیا کروں انعام علی..... آپ اس کی باتیں سُنا کریں۔ شاید آپ سے برداشت ہو جائیں۔ میں اپنی بچی کی دشمن تو نہیں ہوں۔'' وہ آنسو پونچھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں..... مگر میری دشمن تو ہو....." وہ پھنکارتے ہوئے کمرے سے باہر چلے گئے۔

منزہ ڈریسنگ ٹیبل پر چیزیں ترتیب سے لگانے میں مصروف ہوگئی تھی۔

نور بانو جائے نماز تہہ کرنے لگیں..... وہ کسی گہری سوچ میں مستغرق دکھائی دیتی تھیں۔

"بچے کہاں ہیں.....؟" انعام علی پھر کمرے میں اچانک داخل ہوئے۔

"نیچے ہمسائی کے پاس ہیں۔ لینے جارہی ہوں....." وہ آہستہ لہجے میں گویا ہوئیں۔

انعام علی الٹے پاؤں واپس ہوگئے۔

نور بانو چادر اوڑھنے لگیں۔

"آپ کہاں جارہی ہوں امی.....؟" منزہ چونک کر پلٹی..... گویا وہ اتنی غیر حاضر دماغ تھی کہ اس نے والدین مابین ہونے والی گفتگو نہیں سُنی تھی۔

"بچوں کو لینے جارہی ہوں۔ تمہارے پاپا کہہ رہے ہیں اور پھر تم نے دوپہر سے اب تک گڑیا کو دودھ بھی تو پلایا۔" وہ کمرے سے باہر نکلتی ہوئی گویا ہوئیں۔

"امی..... جگنو سے کہیے گا اس کے پتا آئے ہیں۔ پھر دیکھیے، دوڑا آئے گا۔" وہ مسکرائی۔

"اچھا.....!!!" نور بانو نے ایک آہ سرد کھینچی۔

نور بانو نیچے چلی گئیں۔ ان کے جاتے ہی فون کی بیل رنگ ہوئی۔ منزہ نے آگے بڑھ کر اٹھایا۔

"ہیلو..... اوہ..... السلام علیکم..... میں سمجھی تھی، خاور کا فون ہے۔"

"جی..... میرا خیال ہے، آج ان کا فون ضرور آئے گا..... آپ آجایئے ناں..... آپ کی بھی بات ہوجائے گی۔"

"ہو..... ہو....." وہ منہ دبا کر ہنسی تھی..... "آپ تو خاور کی "پہلی بیوی" ہیں۔ خاور تو آپ کا اتنا خیال کرے جیسے کوئی ایماندار شخص اپنی دونوں بیویوں کا رکھتا ہوگا۔"

"پھر آپ آرہے ہیں ناں..... آپ کو ضرور بلاوے سے آنا ہے؟ ایسے نہیں آسکتے؟"

"کس کا فون ہے بیٹے.....؟" انعام علی نے فون کی بیل سُنی تھی۔ اسی لیے چلے آئے تھے۔

"اسد بھائی ہیں پاپا.....!" اس نے بے نیازی سے جواب دیا۔

"لاؤ ذرا ایک منٹ کے لیے ریسیور مجھے دو۔" انہوں نے ہاتھ بڑھایا۔

"پاپا سے بات کیجیے اسد بھائی.....!" منزہ نے ریسیور باپ کو تھما دیا۔

"و..... سلام..... نو افیکٹ اسد.....! اگر اس کی یہی حالت رہی تو میرا دماغ پھٹ جائے گا۔"

وہ بہت آہستہ سے بات کررہے تھے۔

"مارے پریشانی کے میں رات بھر سو نہیں سکا۔"

"میرے خیال میں ہمیں ایڈمٹ کرا دینا چاہیے..... کیا خیال ہے.....؟"

"ہاں تو پھر آپ آجائیں..... بلال کہیں..... کیا ہوا ہے..... وہ تو بچہ ہے۔ آپ زیادہ مناسب ہیں..... بس ہمت تھا۔ منزہ سے بات کریں۔" انہوں نے ریسیور واپس منزہ کو تھما دیا۔

"کوئی بیمار ہے غالباً اسی کو ایڈمٹ کرانے کی بات کررہے تھے پاپا..... کیوں.....؟"

"ٹھیک ہے۔ سامنے بیٹھ کر بات کرلیں گے..... او کے..... خدا حافظ....." اس نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

انعام علی نے آگے بڑھ کر نمبر ملایا..... ریسیور کان سے لگا کر قدرے انتظار کیا۔

"ہیلو..... میں انعام علی بات کررہا ہوں۔"

"ہاں..... منزہ کے گھر سے..... آج رات گیارہ بجے تک آجاؤں گا..... آپ پریشان نہ ہوں....."

"امی آگئی ہیں..... یہ بہت اچھا ہوا..... فی الحال میری پریشانی کی کوئی حد نہیں ہے....."

"آپ بات کو سمجھنے کی کوشش کریں..... آپ پر بے اعتمادی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا..... یہ بات آپ ذہن سے نکال دیں۔"

"آپ نے تو میرا اعتماد از سر نو بحال کیا ہے۔" انعام علی نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔ منزہ باہر جاچکی تھی۔

"وگرنہ یہ دنیا میرے رہنے کی جگہ نہیں رہی تھی۔

خواہ مخواہ دل میں بدگمانی کو جگہ نہیں دیتے..... آپ کے لیے بس یہی کہوں گا۔ آپ کو موجودگی اب میری تقویت کا باعث ہے۔ میں آپ کی بہت قدر کرتا ہوں۔"

"بے فکر رہیے۔ میں رات کو ضرور آؤں گا۔"

انہوں نے ریسیور رکھا تو بانو کو کمرے میں موجود پایا.....

وہ گڑیا کو بیڈ پر لٹا رہی تھیں..... انعام علی نے ان کے چہرے پر اچٹتی سی نظر ڈالی۔ جو برف کی طرح سرد اور سپاٹ تھا۔

"آپ نے میری بچی کے بارے میں کچھ سوچا.....؟" ان کی آواز بکھر آگئی۔

انعام علی نے ایک نگاہِ غلط ان پر ڈالی۔

"میں سزا کا مستحق قصوروار کو سمجھتا ہوں..... بے قصور کو نہیں..... اور لاد مرد کی ہوتی ہے۔ وہ میری اولاد ہے۔ میری بیٹی ہے آپ سے کم تکلیف نہیں ہے مجھے۔" انہوں نے جھٹکے سے دروازہ کھولا اور باہر نکل گئے۔

نور بانو نے دوپٹہ اپنی آنکھوں پر رکھ لیا تھا۔

اشک سمندر کی جولائی تو ان کے ہاں یکساں رہتی تھی۔

انسان بعض اوقات یہی سوچتا رہ جاتا ہے کہ وہ کتنا مختار ہے اور کتنا مجبور۔

انسان کا نصیب اچھا ہو تو ہر بات اس کے حق میں جاتی ہے۔

ہر کام حسب منشار ہوتا ہے۔

من کی مراد پوری ہوتے کا نام "کامیابی" ہے۔

ایک غیر مرئی طاقت کو "کامیابی" کا نام دیا جاسکتا ہے۔

یا پھر خوش بختی کا "تخلص" کامیابی ہے۔

کامیابی کی تشریح و تصریح خواہ کچھ ہو..... یہ خالصتاً انسانی جدوجہد کا ثمرہ نہیں ہوتی کیونکہ جدوجہد میں تو ایک عالم نظر آتا ہے۔

پھر کیا بات ہے کہ کوئی موتی ہاتھ میں لیتا ہے تو کنکر کا مول بن جاتے ہیں۔

کوئی مٹی کو ہاتھ لگاتا ہے تو وہ سونا بن جاتی ہے۔

گویا انسانی خواب کی خوشنما تعبیر میں دستِ قدرت جب تک تعاون نہ کرے کوئی ذی نفس لطافت کی آخری حد کو چھونے والی مسرت نہیں پاسکتا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ مسرت جو "کامیابی" کا طلسمی تاج پہن کر آتی ہے۔
حصول مراد کا دروازہ ہوتی ہے۔
تکمیل آرزو کی گھڑی ہوتی ہے۔
حقیقی مسرت کا بہر ہوتی ہے۔
جو انسان کی وقعت اُس کی اپنی نظر میں بڑھا دیتی ہے۔
جو انسان کی ایک ایک ادا کو فیصلہ کُن بنا دیتی ہے۔
اس کی چال میں اعتماد اور لہجے میں زور بھر دیتی ہے۔
انسان کو بغیر کرسی کے اقتدار کا ذائقہ چکھاتی ہے۔
المختصر.....
انسان کو "کائنات" کر دیتی ہے۔
وہ بھی اپنے "فیصلے" میں اتنی ہی بھرپور کامیابی کی خواہش مند تھی۔
اسے مسترد کیے جانے کے احساسِ ذلت سے نجات پانے کے لیے.....اپنی ذات کی اہمیت ثابت کرنے والا اشد
احساس چاہیے تھا۔
اس کی وقعت لاپتا تھی۔
اعتماد گم تھا۔
جس کے سبب ایک مسلسل بے کلی لاحق تھی۔
وہ کوئی حشر اُٹھا دینے کا خیال رکھتی تھی۔
ظلم و ناانصافی پر عملی احتجاج کی خواہش مند تھی۔
اس نے زک پہنچائی ہے جو.....پناہ و مضبوطی کا نشان دکھائی دیتا تھا.....
میرے عزم و ارادے کے اب تو کچھ ہوا "صحیح"۔
مگر احسن شیخ.....میں تمہاری نہیں رہی.....تم نے انا پرستی کے راستوں میں مجھے گنوا دیا۔ میں اک مار لوری شدت
سے تمہیں مسترد کر دینا چاہتی ہوں۔
اگر ایسا نہیں ہوا تو
یہ احساس توہین و بے وقعتی میرا جان لے لے گا۔
اب یہی ایک عزم ہے۔
واحد ارادہ۔
اکیلا خواب۔
جو پورا ہو جائے تو پچھلی ساری ذلتوں و ناکامیوں کے داغ دُھل جائیں گے۔
مجھے بھی اپنی ذات کا نکتۂ اطمینان میسّر آ جائے گا۔
تم نے سمجھا کیا ہے مجھے.....وہ دُرِ شہوار جو تمہارے سامنے نگاہ اٹھاتے ہوئے گھبراتی تھی۔
تمہاری موجودگی جس کے وجود میں حیا.....تار تار پرو دیتی تھی.....

تمہیں اپنی ذات کا نصف جان لیا تھا۔
اپنے جذبات کی تکمیل کی ذمہ داری تمہیں سونپ کر توازن قائم کر دیا تھا۔
مگر اب تو سرے سے توازن بگڑ چکا ہے۔
میرے پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ نہیں رہا۔
کچھ بھی نہیں.....وہ چہرہ ہاتھوں میں ڈھانپ کر رو دی۔
تم.....میرے قانونی، شرعی، اخلاقی مجرم ہو.....تمہارے جرائم میرے ظرف سے بہت زیادہ ہیں.....میں تمہیں کبھی
معاف نہیں کروں گی۔
وہ جیسے ایک نئے عزم کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔
وہ ابھی تک نہیں لوٹا تھا.....رات کے گیارہ بج رہے تھے.....وہ گیٹ تک گئی۔ اس کا چھوٹا دروازہ کھول دیا۔
اور خود صوفے پر سر ہانے کشن رکھ کر دراز ہو گئی۔
ایک اخبار اٹھا کر نظریں دوڑانے لگی۔
خاصی دیر گزر گئی.....وہ اب بھی نہیں آیا تھا۔
وہ آنکھوں پر بازو رکھ کر چت سونے کی کوشش کرنے لگی۔
اسی لمحے گیٹ پر کھٹر پٹر ہوئی۔
اس کا دل دھڑکا۔ کوئی اور بھی ہو سکتا تھا.....مگر وہ بہت مضبوط بنی لیٹی رہی۔ پورچ میں گاڑی رکنے کی آواز آئی تو اس
نے اطمینان کا سانس لیا.....وہی تھا۔
اس نے بازو کے بجائے دوپٹہ منہ پر ڈال لیا مگر اسی طرح چت لیٹی رہی۔
گیٹ بند ہونے کے بعد یقیناً اس نے رابداری سے ہوتے ہوئے ڈرائنگ روم سے جھانکتے ہوئے گزرنا تھا۔ اس
کے قدموں کی آواز آئی اور غائب ہو گئی۔
وہ سوچ رہی تھی کہ وہ گیٹ کھول کر سونے کے عمل سے ضرور تلملائے گا اسے مخاطب کرے گا۔ جواب میں وہ اپنے دل
کا بخار اس نکالے گی.....زہریلے لفظوں سے اسے چھلنی کر دے گی۔ مگر وہ اس طرح لاتعلق تھا گویا وہ موجود ہی نہیں۔
کافی دیر وہ سُلگ سُلگ کر کروٹیں بدلتی رہی پھر نہ جانے کون سے پہر آخر سو گئی۔

صبح کچن کی کھٹر پٹر سے اس کی آنکھ کھل گئی۔
"ہونہہ.....!" وہ اسی طرح لیٹی رہی۔
"بی بی.....پنکھا بند کر دوں، ادھر سے صفائی کرنا ہے....." ایک نسوانی آواز اس کے کانوں میں آئی.....وہ ہڑبڑا کر
اٹھ بیٹھی۔
"اُف....." کالے کرتے، زرد شلوار میں ملبوس کشمیریوں جیسے نوکیلے نقوش والی ایک حسینہ حشر برپا کر رہی تھی۔
رنگ برنگی بوسیدہ سی اوڑھنی سے اس کی بکھری ہوئی سنہری زلفیں جھانک رہی تھیں.....اوہ میرے خدا.....
"تم یہاں صفائی کرنے آتی ہو.....؟"
"ہاں بی بی.....کیا اُم صفائی نہیں کر سکتا.....؟ اُم صبح سے شام تک چھ کوٹھی فارغ کرتا اے.....ام پہاڑی لوگ ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بی بی..... پہاڑ کے دیسا.....''

وہ لاپرواہ سے کہہ کر ہنسی اور بے نیازی سے جھاڑ پونچھ میں مصروف ہوگئی۔

''تم..... تمہارے ماں باپ کو پتا ہے کہ تم یہاں کام کرنے آتی ہو.....؟'' اس نے حیرت سے اس کا سراپا دیکھا۔

''اَم کام کرنے آتا ہے..... جُرم تو نئیں۔ اس کو ساب مَلوم اے.....'' وہ پھر اپنی اُٹھا پٹخ میں لگ گئی۔

''انہیں یہ پتا ہے کہ.....'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''ان کو ساب مَلوم اے..... ام کس کوٹھی میں کب کام کرتا اے۔ کون سی کوٹھی میں کتنے بجے تک ہوتا اے۔ کس گھر میں کتنا لوگ اے..... کتنا چوٹا اے..... کتنا بڑا اے۔''

وہ اپنے کام میں مگن ہو کر..... بڑی معصومیت و سادگی سے گویا تھی۔

''اچھا.....'' شہوار کی نیند کی کیفیت پوری طرح زائل ہو چکی تھی۔ وہ حیرت سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔

''نام کیا ہے تمہارا.....؟''

''پھول بی بی.....''

(واہ..... نام تو بہت خوبصورت ہے) کشمیر کی کلی زیادہ مناسب رہتا۔'' وہ مسکرائی۔

''اتنا موٹا کلی.....؟'' وہ ہنس کر اس کے سامنے تن کر کھڑی ہوگئی۔

''تمہاری ماں کو پتا ہے کہ یہاں صرف صاحب ہوتے ہیں.....؟'' ایک سوال جو ذہن میں کھٹک رہا تھا آخر زبان پر آ گیا۔

''ہمارا ماں تو صاحب سے بات کیا تھا۔'' جواب ملا۔

شہوار نے اس کا فراوا..... دہوش رُبا محشر کو تولتی نظروں سے دیکھا۔ اسے احساس تک نہ ہو سکا کہ وہ کس درجہ ''احسن کی بیوی'' ثابت ہو رہی ہے۔ قدرے حاسد، محتاط اور فکر مند.....

''تم کیا کیا کام کرتی ہو.....؟''

''جھاڑو..... پونچھا..... برتن کپڑا..... کبھی کبھی سلام..... مالیکم..... فون کا گھنٹی سن کر ہیلو ہیلو..... صاحب اے۔ صاحب نئیں اے۔'' وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

''بڑی شارٹ ہینڈ'' گفتگو کر لیتی تھی۔ شہوار نے دلچسپی سے دیکھا۔

(فون کو احسن کے بیڈ روم میں ہے)

''تم صاحب کے بیڈ روم میں چلی جاتی ہو جب صاحب ہوتے ہیں.....؟'' شہوار نے اس کے نقوش میں کچھ تلاش کیا..... دل عجب انداز میں دھڑکنے لگا تھا۔

(اتنا حسن تو اس کے جاننے والوں میں دور دور کہیں نہیں ہے۔)

''ہاں..... ہم ہر جگہ چلا جاتا اے..... صاحب ہو یا نہ ہو..... ویسے بھی اَم صاحب کے جاننے سے پہلے فارغ ہو جاتا ہے..... صاحب تالا لگا کر چلا جاتا اے ناں بھئی۔'' اس نے بڑی سنجیدگی سے شہوار کو سمجھایا۔

''اسی لیے اَم کو صاحب سو روپیہ زیادہ دیتا ہے۔'' وہ ٹیبل پر کپڑا پھیرتے ہوئے بتا رہی تھی۔

''سو روپے زیادہ دیتے ہیں.....؟'' شہوار کو ایک جھٹکا لگا۔

''وہ کیوں.....؟!! کس خوشی میں.....؟'' اس کے لہجے میں جیسے طنطنہ اُمڈ آیا۔

''اَم اس گھر میں بہت سویرے جو آتا ہے..... اور صاحب کے سامنے کام سے فارغ ہوتا اے۔ پھر صاحب امارا پر کے گھر کو تالا لگاتا اے اور دفتر چلا جاتا اے..... اتنا سویرے کوئی کام کرنے پر راضی نہیں ہوتا۔ سو روپیہ زیادہ ملا تو نی ہو گیا۔''

''اوہ.....!'' شہوار نے گہرا سانس لیا۔

''ایک بات بتاؤ.....'' شہوار نے آہستگی سے کہا۔

''ہوں.....'' اس کی بے نیازی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔

''تمہیں یہاں اکیلا کب ہوتا اے۔ صاحب بھی تو ہوتا اے اور.....'' اس نے شہوار کو بغور دیکھتے ہوئے جیسے اس کی کم پر ماتم کیا۔

''بھئی، میرا مطلب ہے صاحب سے۔''

''صاحب بھوت تو نئیں اے بی بی..... اَم اپنا حفاظت کرنا جانتا اے۔ اَم تمہارا مطلب سمجھ گیا۔

جب تک عورت کا مرضی نئیں ہوگا کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا..... اگر عورت اپنا حفاظت نہیں کر سکتا تو کیا ہوا۔ مرتو ے..... اَم اپنا عزت کی خاطر جان دے سکتا اے۔

امارا مجبوری ام کو در در پھراتا اے..... بی بی آپ ایسا نئیں سوچو۔'' وہ قدرے تلخی سے گویا ہوئی۔

''پھول بی بی..... اگر تمہارا انٹرویو ختم ہو چکا تو ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلاؤ۔''

شہوار کو احسن کی آواز بہت قریب سے سُنائی دی..... وہ دھک سے رہ گئی۔ کیا اس نے پھول بی بی اور اس کی گفتگو سن ؟

یہ مجھے کیا ہو گیا تھا..... کیا ضرورت تھی..... اس انٹرویو میں تو سراسر اس کی اپنی کمزوری ظاہر ہو رہی تھی..... اسے اپنی ی سے خود ہی الجھن ہوئی۔

ساکت بیٹھی رہ گئی..... احسن عین اس کے مقابل آ کر ڈٹ گیا۔

پھول بی بی نہایت سلیقے سے پانی لائی۔

''صاحب! آپ کا جوتا لاؤں؟''

''ہاں لے آؤ..... وہ کپڑا بھی لے آنا جس سے جوتے صاف کرتے ہیں.....'' احسن نے گلاس ہونٹوں سے لگا کر لون سے پانی پیا۔

اس سے یہ سوچ کر نظریں نہ اُٹھائی گئیں کہ وہ ادھر ہی نہ دیکھ رہا ہو۔

پھول بی بی جوتے لے آئی اور عین احسن کے مقابل گھٹنوں کے بل بیٹھ کر جوتوں پر کپڑا پھیرنے لگی۔

''میرا خیال ہے صرف کپڑا پھیرنے سے کام نہیں چلے گا..... یہ تازہ پالش مانگ رہے ہیں۔ برش اور ٹیوب لے آؤ۔''

پھول بی بی بھاگ کر برش اور ٹیوب لے آئی..... اور احسن کا اگلا حکم سُنے بغیر بڑی مہارت سے جوتے چمکانے لگی۔

اُس کی گردش کے ساتھ ساتھ اس کا پورا وجود متحرک تھا۔

ہاتھ سرسے پھسلنے لگتا تو برش والے ہاتھ سے سنبھال لیتی پھر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو جاتی۔

کن کے بالکل..... سامنے وہ آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔ وجود اس طرح متحرک تھا جیسے بٹن دبانے سے کوئی مشین تا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کی جسمانی گردش شہوار کے احساسات پر بڑا عجیب اثر چھوڑ رہی تھی۔

"پھول بی بی.....ایک طرف بیٹھ کر آرام سے پالش کرو.....ادھر ہو جاؤ سائیڈ میں۔"

اس نے یہ حکم بڑے بے ساختہ انداز میں دیا تھا جیسے اسے خود پر اعتماد نہ رہا ہو۔

احسن نے اپنی جاندار اور سلگتی ہوئی نظریں اس کی سمت بے ساختہ اُٹھائی تھیں اور وہ جیسے کترا کر ایک طرف بڑھ گئی تھی۔

"فریج میں اتنے دنوں سے کیک رکھا ہوا ہے تمہیں پرسوں بھی کہا تھا لے جانا.....پتھر بن جائے گا تو توڑ کر کھاؤ گی.....؟" احسن پھول بی بی سے مخاطب تھا۔

اُم بھول گیا تھا.....وہ سادگی سے کہہ رہی تھی۔

"اور سالن بھی بھول گئی تھیں.....وہ بہت اچھا سالن تھا مرغ کا.....سب خراب ہو گیا.....دھیان رکھا کرو....." وہ مالکانہ انداز تخاطب سے کہہ رہا تھا۔

"کھانا آپ پکاتا اے صاحب.....؟"

"نہیں بھئی.....مجھے کھانا پکانا نہیں آتا.....بس گاڑی چل رہی ہے۔" وہ لاپروائی سے بولا تھا۔

"یہ بیگم صاحب اے صاحب.....؟" پھول بی بی کا اشارہ شہوار کی سمت تھا۔

"سمجھ لو.....کوئی حرج نہیں....." فوراً جواب آیا تھا۔

شہوار نزدیکی باتھ روم میں تھی.....اس کی جان سلگ کر رہ گئی۔

۔نوکرانی کی نظر میں اسے مشکوک بنا رہا ہے.....شرم بھی نہیں آتی.....ہونہہ.....پھر وہ دوبارہ ڈرائینگ روم میں نہیں گئی یہاں تک کہ اس کے احسن کی گاڑی کی آواز سنی.....اسے ایک دم ایک طرح کی آزادی کا احساس ہوا۔

"پھول بی بی! گیٹ بند کر دو۔"

"کر دیا بی بی....."

وہ ایک کپ چائے بنا کر لاؤنج میں چلی آئی۔

"کام تو ساب ہو گیا بی بی.....اُم جائے.....؟"

"ہوں.....جاؤ.....اور سنو اب اتنی صبح آنے کی ضرورت نہیں۔ آٹھ ساڑھے آٹھ بجے تک آرام سے آجایا کرو۔ اگر چاہو تو دوپہر کو آجایا کرو.....میں اگر دوپہر کو ہوتی بھی ہوں تو تین بجے تک ہی سوتی ہوں۔ ظہر کی نماز کے بعد۔"

"آپ سو روپے کے واسطے ایسا بولتا اے.....؟" پھول بی بی کے چہرے پر افسردگی چھا گئی۔

"ارے نہیں بھئی.....سو روپے نہیں کٹیں گے۔ فکر نہیں کرو۔ مگر کام تمہیں میری مرضی کا کرنا ہوگا۔" شہوار نے چائے کا گھونٹ بھرا۔

"اب آپ اِدرای رے گا۔" پھول بی بی کو وہ خاصی سخت لگی تھی۔

"شاید....."

"اچھا تو آپ کا شادی پرانا اے.....؟ آپ اپنے باپ کے گھر گیا تھا۔ جب اِی۔ آپیلیٹیں دیکھا.....اچھا.....اُم چلتا اے.....اللہ حافظ....."

وہ اپنا کیک تو لیتی جاؤ.....تمہارے صاحب تو تمہیں کیک کھلاتے ہیں۔" وہ نہ جانے کیوں مسکرا دی.....عجب زہریلی سی مسکراہٹ تھی۔

"رہا باپ کا گھر.....تو بڑے بڑے احسانات ہیں تمہارے صاحب کے اس جانِ ناتواں پ۔ اپنا باپ گنوا دیا تھا تو برداشت نہیں ہوا....."

پھول بی بی جا چکی تھی۔

اتنے بڑے گھر کی عمیق تنہائی تھی اور پہاڑ جیسا دن.....

کال بیل کی آواز سن کر نائلہ کو سخت کوفت محسوس ہوئی تھی.....بابر گھر پر نہیں تھے۔ لامحالہ اسے ہی آنے والے کی آؤ بھگت کرنا تھی۔

"شفیق! دیکھو گیٹ پر کون ہے۔" اس نے نوکر سے کہا۔

"بی بی.....کوئی متین صاحب آئے ہیں....." شفیق نے آکر بتایا۔

وہ عام سے انداز میں دوپٹے کے پلو سے ہاتھ پونچھتی ڈرائینگ روم میں چلی آئی.....اس کا انداز بادل ناخواستہ قسم کا تھا۔

"السلام علیکم....." نووارد اسے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"وعلیکم السلام.....تشریف رکھیے۔" وہ خود ایک طرف بیٹھ گئی۔

"بابر صاحب تو آج شاید دیر سے آئیں.....آپ کی تعریف.....؟" نائلہ نے براؤن سوٹ میں ملبوس سنہرے فریم کی لگائے متین صاحب کو بغور دیکھا۔

"میں بابر کا بہت قریبی دوست ہوں۔ آپ کی شادی میں شرکت کا اعزاز بھی حاصل کر چکا ہوں۔" وہ بُردباری سے بولے۔

"اچھا.....!" نائلہ بھی تکلف سے مسکرائی۔

"میں یہاں اسلام آباد ٹی.....وی پر پروڈیوسر ہوں۔"

"اوہ.....!" نائلہ نے اب قدرے دلچسپی سے انہیں دیکھا۔

"کون سا پروگرام ہے آج کل آپ کے پاس.....؟" نائلہ کی دلچسپیوں میں ٹی وی سرِفہرست تھا۔

"میں آج کل علاقائی پروگرام کر رہا ہوں....." انہوں نے غور سے نائلہ کا سراپا دیکھا۔

بیرون کاٹن کے سوٹ میں عام سے گھریلو انداز میں بھی وہ بہت جاذب محسوس ہو رہی تھی۔

"آپ کو ٹی وی میں کس درجہ دلچسپی ہے.....؟" متین صاحب نے سوال کیا تھا۔

"اچھے پروگرام ضرور دیکھتی ہوں.....اور بس....."

"کبھی آپ کا جی نہیں چاہا کہ آپ بھی ٹی وی پر کام کریں....."

"میں.....!!" نائلہ نے شدید حیرت سے ان کی سمت دیکھا۔

"توبہ.....توبہ....." نائلہ نے مسکرا کر کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"ارے.....!" متین صاحب ہنس دیے۔

"آپ تو اس طرح توبہ کر رہی ہیں گویا کفر کا عمل سرزد ہو گیا ہو۔"

"ہمارے جیسے لوگوں کے لیے یہ بات کفر سے کم نہیں۔" نائلہ نے جواب دیا۔

"آپ کے جیسے.....؟ بابر مرتضیٰ تو بہت پروگریسو قسم کے بندے ہیں۔" متین صاحب کو جیسے اس کی بات سے حیرت ہوئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں اپنی بات کر رہی ہوں..... میں بہت کٹر گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں.....'' نائلہ نے کہا۔

''مگر بابر مرتضیٰ.....'' متین صاحب کچھ کہتے کہتے رک گئے۔

''ان کا اپنا لائف اسٹائل ہے۔''

''اب تو آپ کا بھی یہی ہونا چاہیے۔'' متین صاحب مسکرائے..... ''آپ کی صورت میں ٹی وی کو ایک اچھا جوڑا مل سکتا ہے۔''

''ارے نہیں.....'' نائلہ کو سنجیدگی اختیار کرنا پڑی..... ''میں ایک شادی شدہ.....''

''چھوڑیے صاحب..... ہمارے ہاں تو تین تین بچوں کی مائیں کالج گرل کا رول ادا کر رہی ہیں۔ اور آپ کا ابھی بگڑا ہی کیا ہے۔'' متین صاحب نے اسے بھرپور نظروں سے دیکھا۔

نائلہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

''میں بابر کو فون کرتی ہوں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''رہنے دیجیے۔ میں پھر آ جاؤں گا۔''

''ایسی کوئی بات نہیں، آفس تو اپنا ہی ہے.....'' وہ کچھ سنے بغیر باہر نکل گئی۔

''ہیلو.....!'' اس نے رنگ کیا تو ایک غیر مانوس آواز ابھری۔

''مسز بابر بات کر رہی ہوں..... بابر صاحب سے بات کرائیں۔''

''وہ تو مس الوینہ کے ساتھ شاید گھر ہی گئے ہیں۔'' آواز کسی نوجوان مرد کی تھی۔

''مس.....!!!'' اس نے شدید حیرت کا اظہار کیا۔

''شاید مسز..... مجھے ٹھیک سے معلوم نہیں میڈم.....'' اس نے خود ہی اپنی لاعلمی کا اعتراف کیا۔

''بتایا نہیں کب تک لوٹیں گے.....؟'' اس کے چہرے پر سوچ کا عکس لہرایا۔

''جی نہیں.....''

''کیا اندازہ بھی نہیں؟''

''جی نہیں..... وہ تو جب اس طرح اٹھ کر جاتے ہیں تو واپس آفس نہیں آتے۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے ریسیور رکھ دیا اور واپس ڈرائنگ روم میں چل آئی.....

''مجھے افسوس ہے متین صاحب! بابر صاحب سے تو آپ کی ملاقات نہ ہو سکے گی..... ویسے گھر میں جمعے کے علاوہ مشکل ہی سے ملتے ہیں۔'' نائلہ نے بتایا۔

''میں تو اس لیے چلا آیا کہ بادشاہ آدمی ہے شاید گھر پر مل ہی جائے۔ ابھی دن کے گیارہ ہی تو بجے ہیں۔''

''جی بس.....'' نائلہ کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ لہر کی صورت ابھری۔

''میں ذرا ایک منٹ میں آئی۔'' اسے ایک دم کچھ یاد آیا تو باہر نکل گئی۔

نوکر کو چائے لانے کے لیے کہا..... اور واپس چلی آئی۔

''اچھا متین صاحب! یہ بتائیے کہ اب تک آپ کے کریڈٹ پر کون کون سے پروگرام ہیں.....'' اس نے نہایت اطمینان سے ان سے سوال کیا۔

''ابھی تک میں نے تیس چالیس منٹ کے ''ڈیوریشن'' کے پروگرام کیے ہیں۔ وہ زیادہ تر سنجیدہ نوعیت کے پروگرام

ہی میں ایک پلے شروع ہونے والا ہے۔ اس میں دیکھیے آپ لوگ کس قسم کے ردعمل کا اظہار کرتے ہیں۔'' وہ

پ کو کہہ رہا ہوں ناں۔ آپ اس پلے میں آیئے۔''

ے اداکاری نہیں آتی۔'' (کتنا بڑا جھوٹ بول رہی ہوں..... اور کر ہی کیا رہی ہوں)

ب انسان کوئی کام کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اسے سب آ جاتا ہے..... بات کروں بابر سے؟'' متین صاحب

ا جوش سا بیدار ہوا۔

یں تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ وہ تو شاید سنتے ہی مجھے اسٹیشن ہی مجھے چھوڑنے پہنچ جائیں۔'' نائلہ ایک کھوکھلی سی

ں کر بولی۔

پھر.....؟'' وہ حیران سے نظر آئے۔

ں ایک بہت کٹر مذہبی قسم کے باپ کی بیٹی ہوں۔ وہ مجھے بیچ چوراہے میں گولی مار سکتے ہیں۔'' وہ ہنسی۔

ن صاحب نے قدرے حیرت سے اس کو دیکھا۔ سادہ و صاف گو۔

راب تو آپ خود مختار ہیں۔''

تی ہم مجبوروں پر تہمت ہے مختاری کی۔'' اس نے بے ساختہ کہا تھا۔

ن صاحب ہنس پڑے..... چائے آ چکی تھی۔ نائلہ نے بہت سلیقے سے مدارات کی کارروائی شروع کی۔

ب بات کہوں، مائنڈ مت کیجیے گا۔'' متین صاحب نے اس کی سمت دیکھا۔

ے نہیں..... آپ کہیے پلیز۔'' وہ چائے میں شکر ملاتے ہوئے سادگی سے کہہ رہی تھی۔

پ تو اپنے اسٹائل میں بابر سے قطعی ڈفرنٹ ہیں..... گاڑی کیسے چل رہی ہے.....؟''

ے ہاتھوں کی گردش رکھ گئی..... اس نے چونک کر متین صاحب کا چہرہ دیکھا۔

ارے معاشرے میں عموماً مرد کی شرائط پر گاڑی چلتی ہے۔'' وہ مسکرائی۔

ر بابر روایتی مرد نہیں ہیں..... بلکہ میں تو یہی کہوں گا کہ وہ انتہائی آزاد خیال ہیں۔''

ا تو۔'' نائلہ کو بھی جانے کیا یاد آ گیا تو اس نے بے ساختہ اعتراف کر لیا۔

ا اوقات انسان اپنی کسی کمزوری کے سبب کچھ زیادہ نرمی بھی تو دکھاتا ہے۔

ہ فون کی بیل رنگ ہوئی..... نائلہ مسکراتی ہوئی معذرت خواہانہ انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

نے لابی میں آ کر ریسیور اٹھایا..... دوسری طرف اسد کی آواز سنائی دی۔

نے ایک عجیب انداز کی خوشی محسوس کی۔

تار ہے تھے کہ وہ اسلام آباد ہی میں ہیں اور کالج روڈ سے بات کر رہے ہیں۔

پ یہاں کیوں نہیں آئے.....؟'' اس کے انداز میں محسوس کی جانے والی خوشی در آئی۔

ا آپ آ جائیں..... بابر کا کچھ پتا نہیں۔ وہ آفس میں بھی نہیں ہیں۔'' اسے نئے سرے سے باہر کی مصروفیت یاد آئی۔

ر بھائی.....! آپ ایسا کریں، ایک بجے تک آ جائیں۔ میں لنچ آپ کے ساتھ کروں گی۔ کسی اچھے ریسٹورنٹ

پکایا ہوا کھانے کا بالکل بھی موڈ نہیں۔''

ی طرف اسد کے حیرانی پر مبنی تاثرات سنائی دیے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"دیکھیے..... آپ کو ہر قیمت پر یہاں پہنچنا ہے۔ بس..... ہم آج ساری شام باہر گزاریں گے اور رات کا کھانا گھر واپس آئیں گے۔"

"آپ اتنے حیران و پریشان کیوں ہو رہے ہیں۔ کیا یہ بابر کی سوسائٹی کا انداز نہیں.....؟ میں انتظار کر رہی ہوں۔" اس نے یہ کہہ کر ریسیور کریڈل پر بہت آہستہ سے رکھ دیا تھا جیسے کچھ سوچ رہی ہو۔

اسد خاصے الجھے ہوئے انداز میں گھر میں داخل ہوئے تھے۔

نائلہ پیازی انڈین ساڑھی میں نہائی دھوئی تر و تازہ سی نظر آ رہی تھی۔ وہ انہیں برآمدے سے ہی مل گئی تھی۔

"ارے بھابی..... آپ تو واقعی تیار ہیں۔" وہ مسکرائے۔

"آپ کا کیا خیال ہے، میں مذاق کر رہی تھی..... اور آپ اتنے حیران کیوں ہیں.....؟"

"آپ پہلے سے بہت چینج نظر آ رہی ہیں۔" اسد نے سادگی سے اعتراف کیا۔

وقت کرتا ہے پرورش برسوں
حادثہ ایک دم نہیں ہوتا.....!

"کوئی بات بھی اچانک نہیں ہوتی اسد بھائی..... دراصل ایک انسان دوسرے انسان کو سمجھ نہیں پاتا۔ کیا خیال ہے.....؟" وہ مسکرائی..... اسد چکرا کر رہ گئے۔

"آیئے چلتے ہیں۔" وہ سیڑھیاں اُتر آئی۔

"سچی بات یہ ہے کہ بھوک لگ رہی ہے..... بابر کے دوست متین صاحب آئے ہوئے تھے۔ باتیں کر کر کے میرا اسٹیمنا ختم ہو گیا۔" وہ خود اعتمادی و لاپروائی سے اسد کی گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی تھی۔ یعنی جس گاڑی میں وہ آئے تھے۔

اسد حیرانی سے سوچتے ہوئے میکانکی انداز میں ڈرائیونگ سیٹ پر آ گئے۔

"کہاں چلیں بھابی.....؟"

"اسٹارز" چلیں..... مجھے اس کا ماحول بہت پسند ہے۔" نائلہ نے فوراً جواب دیا۔

اسد نے گاڑی کا رُخ اسٹارز کی سمت موڑ دیا تھا۔

"اسد بھائی۔ میں نے آپ کو پریشان تو نہیں کیا۔" نائلہ کو اچانک خیال آیا۔

سفید شلوار قمیض میں اسد پتلا ہونٹ دبائے بہت انہماک سے ڈرائیونگ کر رہے تھے۔ ایک دم جیسے کسی خیال سے چونکے۔

"ارے نہیں بھابی..... کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ یہ تو عین میری عزت افزائی ہے۔" وہ مبہم سا مسکرائے۔

"آپ تو اسلام آباد اپنے کاروباری دورے پر ہی آتے ہیں ناں۔ اس لیے خیال آ گیا تھا۔"

"شکر..... میں سوچ رہی تھی کہ آپ کا پروگرام پوچھے بغیر کہیں اپنا پروگرام آپ پر مسلط تو نہیں کر دیا.....؟" وہ ہنس دی۔

اسد اس کے انداز پر دل ہی دل میں خاصے حیران ہو رہے تھے۔

بابر کیسے ہیں بھابی.....؟"

"اپنی شرائط پر زندگی گزار رہے ہیں۔ آپ کے خیال میں انہیں کیسا ہونا چاہیے.....؟" نائلہ نے اُلٹا سوال جڑ دیا۔

"میری تو دعا ہے آپ دونوں ہمیشہ خوشیوں بھری زندگی گزاریں۔ بابر قدرے آزاد خیال ہے مگر دل کا بہت اچھا

اسد نے کہا۔

"جی ہاں....." اس نے کھڑکی کی سمت چہرہ موڑ لیا (اپنے وہی کو کون کھٹا کہتا ہے۔)

"آپ کے اور اس کے مزاج میں بہت فرق ہے۔ مگر مجھے یقین ہے، آپ نے یہ چیلنج قبول کر لیا ہے۔"

اسد نے ایک موڑ کاٹتے ہوئے بہت وثوق سے کہا۔

نائلہ کا دل بھر آیا نہ جانے کیوں۔

(پھر اس کے سوا چارہ بھی کیا ہے؟)

"آج بابر کے ایک دوست متین صاحب آئے تھے۔" نائلہ نے آہستہ سے کہا۔

"وہی تو نہیں جو ٹی وی پر ہوتے ہیں۔" اسد کو خاصی معلومات تھی۔

"جی..... جی..... بلاشبہ وہی..... کہہ رہے تھے، آپ ٹی وی پر کام کریں۔"

"آپ؟!!!" اسد نے گیئر کی سمت بڑھا ہوا ہاتھ دوبارہ اسٹیرنگ پر رکھ دیا۔

"کیوں..... میں نہیں کر سکتی.....؟ یوں بھی ہم میں سے ہر شخص پیدائشی اداکار ہے۔ اپنا اپنا کردار کھیل رہا ہے۔ یہ کوئی کام تو نہیں۔"

"مگر بھابی..... آپ کا مزاج و اندازِ زندگی شاید اس ماحول سے ہم آہنگ نہیں ہو سکے گا۔"

اسد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"جب ہمیں کچھ کرنے نہیں دیا گیا تو ہماری ذات کے بارے میں اتنا پُریقین انداز کیوں؟ میں تو اب تک وہ نظر آئی دوسرے گھر کے "حکامِ اعلیٰ" نے چاہا..... میں خود کیا ہوں، یہ تو ابھی کسی کو پتا ہی نہیں۔" وہ معنی خیز انداز میں ہنسا۔

اسد نے بڑی مہارت سے اپنے چونکنے کے عمل کو اس سے چھپایا۔

"اچھی بات..... مگر بھابی جو بھی فیصلہ ہو، آپ کے حق میں اچھا ہونا چاہیے۔" بالآخر انہوں نے کہا۔

"اپنا پتا تو ملے۔ پھر یہ فیصلہ تو بعد کا ہے اچھا ہے اور کیا بُرا۔" وہ نہایت سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

اسد خاموشی سے ڈرائیونگ کرنے لگے..... یہاں تک کہ "اسٹارز" میں داخل ہو گئے مگر کوئی بات نہ کی۔

"ویسے اس مرتبہ یہ آپ نے کیا کیا؟" وہ نشست پر بیٹھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"کیا.....؟" اسد آج اس کی ہر بات پر چونک اٹھتے تھے۔

"آپ سیدھے ہمارے ہاں آنے کے بجائے کہیں اور کیوں گئے.....؟" وہ بولی۔

اسد نے گہرا سانس لیا۔

"میں اور میرا منیجر دراصل کراچی سے ساتھ ہی آئے تھے۔ انہوں نے اصرار کیا کہ ان کے ساتھ ٹھہروں..... ان کی وہ یہاں۔ انہی کی گاڑی اس وقت میرے استعمال میں ہے۔"

"وہ منیجر ہیں تو آپ کیا ہیں.....؟" اس نے ان کی سمت دیکھا۔

"میں تو مالک ہوں فرم کا....." اسد اس کی لاعلمی پر جیسے مسکرا دیے.....

"کس قسم کی فرم ہے آپ کی.....؟" وہ آج جانے کیوں اس قدر باتیں کر رہی تھی۔

"ٹیکسٹائل کی مصنوعات ایکسپورٹ کرتے ہیں ہم..... آپ نے بابر ہی سے پوچھ لیا ہوتا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نائلہ نے سُنی ان سُنی کردی اور مینو پر نظریں دوڑانے لگی۔

"ایک بات پوچھوں بھابی..... مائنڈ نہ کیجیے گا۔"

نائلہ نے قدرے تشویش سے پینو کارڈ پر سے جھانکا۔

بابر تو آپ کے ساتھ ٹھیک ہیں ناں.....؟"

نائلہ نے کارڈ ذرا اوپر کرلیا..... اب اس کا چہرہ مکمل کارڈ کی اوٹ میں تھا۔ وہ کرسی کی پشت سے آرام دہ ٹکی ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہیں....." اس نے قدرے تاخیر سے جواب دیا تھا۔

"ہوں....." اسد نے گال کے نیچے ہاتھ ٹکا کر کچھ سوچنا شروع کردیا۔

"اسد بھائی....."

"جی.....؟"

"کھانا کھا کر مارگلہ کی طرف چلیں گے۔"

"مارگلہ.....!!!" اسد نے یوں دہرایا جیسے انہیں شک ہو کہ وہ کچھ اور کہہ رہی ہے۔

"جی زیادہ دور تو نہیں ہیں۔" وہ مزید گویا ہوئی۔

"دور نزدیک کی بات نہیں ہیں۔" ابھی تو میں یہیں ہوں۔ چھٹی والے دن چلیں گے۔ بابر بھی کمپنی گے..... دراصل میں آج کل کسی شے میں دلچسپی نہیں لے سکتا....." اصل بات یہ ہے۔" وہ ایک دم افسردہ ہ گے۔ "یقین کریں بھابی..... اس وقت کسی بھی قسم کی خوشی میں حصہ لینا میرے ضمیر کو گوارا نہیں۔"

"ہیں.....؟!!!" نائلہ پریشان سی دکھائی دی۔ "خیریت۔"

"بھابی..... میرے انتہائی عزیز دوست کی ڈیتھ ہوگئی ہے۔ اس کے ساتھ میرا تعلق انتہائی قریبی تھا۔ بہ بے حد جذباتی تعلق رہا ہے میرا اس کے ساتھ۔

آج کل ان کی بیوہ ذہنی طور پر ابنارمل ہیں۔ انہیں ایڈمٹ کرا کر آرہا ہوں۔ اگر میرا آنا ضروری نہ ہوتا تو ت میں آ ہی نہیں سکتا تھا۔

ایک دم ینگ ہیں اس کی وقف..... دو معصوم سے بچے ہیں..... دینا کے کام تو چلتے رہتے ہیں..... مگر میں ایک خلا سا پیدا ہوگیا ہے....." وہ دکھ سے کہہ رہے تھے۔

"یہ تو واقعی بہت افسوسناک خبر ہے۔" نائلہ نے تاسف سے کہا۔

اسد خاموش ہو رہے.....

نائلہ نے ویٹر کو اشارے سے بلا کر آرڈر دیا..... اسد نہایت سنجیدہ نظر آرہے تھے۔ نائلہ نے ان کی خا مناسب نہ سمجھا۔

"اگر آپ کی خواہش ہے تو میں لے چلوں گا آپ کو مارگلہ۔" اسد نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے خاصی

"ارے نہیں..... ایسا کوئی ضروری نہیں۔" وہ جلدی سے بولی۔

اسد نے نئے سرے سے خاموشی اختیار کرلی تھی۔

منہ کو ڈرائیور جیسے ہی لے کر نکلا..... بلال گھر میں داخل ہوا۔

شکیلہ مالی سے باتیں کر رہی تھی۔

"السلام علیکم.....!" بلال نے بڑے سنجیدہ انداز میں سلام کیا تھا۔

وہ تیزی سے اس کے پیچھے آئی تھی۔

"کیسے ہو بلو.....؟" اسے یہی بات سوجھی۔

"آدمی ٹھیک ہو تو سلام کرسکتا ہے۔" وہ گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہوگیا تھا۔

شکیلہ تو جیسے ریشہ خطمی نظر آنے لگی۔

"چائے بناؤں۔" وہ محبت سے پوچھ رہی تھی۔

"بنا لیجیے....." وہ اس سے نظر نہیں ملا رہا تھا۔

"ہائیں..... کیا واقعی یہ بلال ہے۔ وہ جو روڈلی کہا کرتا تھا..... مجھے جس چیز کی ضرورت ہوگی۔ خود لے لوں گا۔ ے باپ کا گھر ہے!

وہ تستم پشتم کچن میں داخل دوڑ گئی۔

چائے بڑی چاہ سے بنائی..... ٹرے میں لوازمات سے سجائے اور لا ڈنج میں چلی آئی۔

"آپ نے تو اس طرح اہتمام کیا ہے جیسے میں کوئی مہمان ہوں۔" وہ ٹرے پر نظر ڈال کر کہہ رہا تھا۔

"اچھا تو کیا صرف مہمان ہی حسن سلوک کے حقدار ہوتے ہیں۔ تم تو انعام علی کے اکلوتے بیٹے ہو۔ ہمارا تو سب کچھ ہو۔" وہ خلوص سے بولی۔

بلال نے اٹھتے ہوئے شکیلہ پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی.....

لائٹ براؤن جدید فیشن کے کپڑے پہنے ہوئے شکیلہ اپنے چہرے سے پھر بھی سادگی و خلوص کا پیکر نظر آرہی تھی۔

"ایک بات کہوں، آپ برا تو نہیں مانیں گی۔" وہ کپ اٹھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

شکیلہ کا دل دھڑک گیا..... (الٰہی خیر) "بُرا کیوں مانوں گی۔ تم ہمارے بیٹے ہو۔" (اس سے قبل تم نے میرے نے کی پروا ہی کب کی ہے۔)

"آپ کو آپی..... باجی کہتی ہیں۔" وہ بولا۔

"ہوں، پھر.....؟" شکیلہ درحقیقت کچھ نہیں سمجھی..... (اور تم تو کچھ بھی نہیں کہتے)

"آپ ہماری کس رشتے سے باجی لگتی ہیں.....؟" اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

(گویا آج یہ پھر سے یہ رشتے سمجھانے آیا ہے) وہ چُپ رہی۔

"جب ہمارا اور آپ کا ساتھ ہمیشہ کے لیے ہے تو رشتہ واضح کیوں نہیں ہے؟" وہ بہت آہستہ آواز میں کہہ رہا تھا۔

"یہ تو تمہاری مرضی ہے کہ تم کیا مقام دیتے ہو..... وگرنہ تم تو صرف ہماری اولاد ہو۔" وہ نرمی سے گویا ہوئی۔

"پھر باجی سے کیا رشتہ بنتا ہے.....؟"

"تو مت کہو باجی۔" شکیلہ نے کہا۔

"پھر.....؟"

"یہ تو تمہیں طے کرنا چاہیے..... میں تمہارے باپ کے نکاح میں ہوں..... رشتہ تو بہت واضح ہے....." وہ آہستگی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے گویا ہوئی۔

''اگر میں آپ کو ممی کہوں تو آپ کو آکورڈ تو نہیں لگے گا.....؟'' وہ جیسے بدوقت تمام بولا۔

شکیلہ تو مارے خوشی کے جیسے حواس باختہ ہوگئی.....اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔

''مجھے کیوں آکورڈ لگنے لگا..... رہتی دنیا تک میں تمہاری ماں ہوں۔ یہی رشتہ ہے میرے اور تو درمیان.....اس کے علاوہ کوئی دوسرا رشتہ استوار ہو ہی نہیں سکتا۔''

''میں نے آپ کو بہت دُکھ دیا ہے..... مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا.....آپ نے تو کبھی میری بدتمیزیوں کی امی اور پاپا سے بھی نہیں کی.....''

''ارے نہیں.....تم بالکل بھی بدتمیز نہیں ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو تم کبھی اس روز ڈاکٹر کو بلا کر نہ لاتے جس دن میری بہت خراب ہوگئی تھی۔

''آپ میری اتنی سی اچھائی کو یاد رکھے ہوئے ہیں۔'' وہ قدرے شرمندہ نظر آیا۔

''ہاں.....اس لیے کہ ان ہی چھوٹی چھوٹی باتوں سے انسان کا پتا ملتا ہے۔'' وہ رواداری سے بولی۔

''دراصل.....'' وہ کچھ کہتے کہتے جھجک کر رک گیا۔

''ہاں بولو.....'' شکیلہ نے جیسے اسے حوصلہ دیا۔

''میں یہ سمجھا تھا کہ آپ نے پاپا سے دولت کی خاطر شادی کی ہے۔''

''تو اب کیا خیال بدل گیا.....؟''

''ہوں.....'' وہ جیسے شرمندگی سے بولا۔

''آپ ہی آپ کیسے بدل گیا.....؟'' شکیلہ کو حیرانی ہوئی۔

''آپی کے اتنے بڑے غم میں جب آپ شریک نہیں ہوئیں تو میں نے امی سے اس موضوع پر بات کی تھی نے بتایا کہ پاپا نے آپ کو آنے نہیں دیا اور آپ فون کرتی رہتی ہیں۔ امی نے پھر مجھے ہر بات بتا دی۔ اور انہوں۔ بتایا.....''

''ہاں.....ہاں.....کا ی باتیا.....؟'' شکیلہ بے تاب نظر آئی۔

'انہوں نے بتایا تمہارے پاپا نے دوسری شادی ہر حال میں کرنا تھی.....آپ سے نہ کرتے تو کسی اور سے کر۔

''کیوں.....؟'' شکیلہ کو واقعی حیرانی ہوئی۔

''میں نے بھی امی سے یہی پوچھا تھا۔ مگر انہوں نے نہیں بتایا۔ آپ پوچھ لیجیے گا۔ شاید آپ کو بتا دیں۔'' بلال ہو کر چائے پینے لگا۔

''جب تمہیں نہیں بتایا تو مجھے کیا بتائیں گی۔

''آپ زور دیں تو شاید بتا ہی دیں۔ ہوسکتا ہے، اولاد کو بتانے والی بات نہ ہو۔''

شکیلہ نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ (یہ تو خاصا سمجھ دار ہے۔)

''گویا تم باتی کے سمجھانے پر آج مجھ سے بات کر رہے ہو۔'' وہ جیسے کسی نتیجے پر پہنچی۔

''نہیں..... مجھے خود ہی احساس ہوتا تھا کہ میری زیادتی کے جواب میں آپ بہت کر سکتی تھیں۔ مگر آپ نے سے میری بدتمیزیا چھپائیں۔ میری حمایت سے آپ کو کیا مل سکتا تھا۔ آپ کو تو سب کچھ پہلے ہی ملا ہوا ہے۔''

ہپ رکھ کر پھر دراز ہوگیا۔

'یہ مجھ پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے تمہارے دل میں یہ بات ڈال دی۔'' احساسِ تشکر سے شکیلہ کی آنکھوں میں گئے۔

'اب آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔'' اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

شکیلہ بے اختیار دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی۔

بلال اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''آپ کیوں رو رہی ہیں۔'' وہ پریشان دکھائی دیا۔

'اپنی اوقات پر اور اللہ کی نوازشوں پر غور کر رہی ہوں۔'' وہ آنسو پونچھ کر گویا ہوئی۔

بلال اس کی سادگی پر اسے دیکھتا رہ گیا۔

''منزہ کی طبیعت اب کیسی ہے.....؟'' وہ بات کا رخ بدلتے ہوئے بولی

بلال ہونٹ کاٹنے لگا۔

''حقیقت یہ ہے ممی..... جب انسان پر غم کا پہاڑ ٹوٹتا ہے اور اس کے چودہ طبق روشن ہوتے ہیں تب اس کی عقل ی اور ضمیر روشن ہوتا ہے.....شاید مجھے یہ عظیم دُکھ نہ ملتا تو میں آج بھی امی کی باتوں پر توجہ نہیں دیتا۔

اپنے دُکھ سے جب انسان دوسروں کے دُکھ ناپنا شروع کرتا ہے تو بہت حساس اور نرم ہو جاتا ہے۔ اپنے دُکھ کے میں اسے دوسروں کی تکلیفیں بھی نظر آنے لگتی ہیں..... وہ تکلیفیں اس کے ہاتھوں دوسروں کو پہنچی ہوں یا ان کا ذمہ دار دوسرا ہو۔''

شکیلہ مارے تعجب کے اس کو دیکھتی رہی.....اتنی گہری باتیں کہاں سے سیکھ لیں اس نے؟

''اگر آپی کو کچھ ہوگیا تو زہر کھالوں گا میں.....'' اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے۔

''ایسے نہیں کہتے بلال.....اللہ نے چاہا تو اسے صبر آجائے گا وہ ٹھیک ہو جائے گی.....اسے تو ہمیشہ سے زیادہ اب ی ضرورت ہے۔''

اس نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر سمجھایا۔

''بحران کے ان لمحوں میں تو انسان کو اپنی جمع شدہ توانائی کام میں لانا ہوتی ہے..... بچہ مر جاتا ہے تو کیا ماں اس کے زندہ قبر میں لیٹ جاتی ہے.....؟

صبر کرتے ہوئے..... جن بندوں کو اللہ بلند درجات کے لیے پسند کر لیتا ہے۔ انہیں آزمائش میں ڈالتا ہے تا کہ وہ ان غیر معمولی درجات کے حق دار ثابت ہو سکیں اور باقی انسانوں کو اس فیصلے کے خلاف سوچنے کی بھی جرات نہ ہو۔

اور وہ خود دیکھ لیں، کس کو کیا ملا.....اور کس وجہ سے ملا کس نے کس مقام کے لیے کیا کردار ادا کیا۔

یہاں سے تو ہم نے جانا ہی ہے.....ہم نے.....سب نے.....خواہ بیماری کے بہانے جائیں یا حادثے کے بہانے۔

جو بیمار ہوتا ہے، وہ مر جاتا ہے۔

مگر مرتا وہ بھی ہے جو صحت مند ہوتا ہے۔

جانا تو طے ہے۔ پھر اس دنیا میں چھن جانے والی چیزوں کی خاطر موت کو جان بوجھ کر گلے لگا لینا کہاں کی عقلمندی ہے۔

موت کی صورت میں ہم.....اپنے آپ سے انتقام تو تب لیں جب ہمارے پاس ہمیشہ زندہ رہنے کا یقین و طاقت زور ہو۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ دنیا۔اس کی خوشی، اس کے غم کوئی بھی مستقل یا ہمیشہ کے لیے نہیں ہے۔ ہماری انتہائی کوششوں کے بعد بھی نہیں۔"
وہ آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔

بلال آنکھیں موندے اس کا حرف حرف تول رہا تھا۔

اس کے چہرے پر ایک سکون سا اُترتا محسوس ہو رہا تھا۔

"آپ نے کہاں تک پڑھا ہے؟"

اس نے ایک دم آنکھیں کھول کر شکیلہ کی سمت دیکھا۔

شکیلہ بے ساختہ مسکرا دی.....

"اصل میں پڑھا لکھا وہ ہوتا ہے جو روزانہ زندگی سے کچھ سیکھتا ہے.....وہ نہیں جس کے پاس بڑی بڑی ڈگریاں ہوتی ہیں۔

اس دنیا میں تعلیم کا جو پیمانہ ہے، اس حساب سے تو میں بالکل جاہل ہوں۔"

"ایسا تو نہیں ہو سکتا۔" بلال نے انکار کیا۔

"اچھا تو میں اتنی پڑھی لکھی ہوں جتنا تم اندازہ لگا لو۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"پاپا کہاں ہیں؟"

"منزہ کو ایڈمٹ کرا کے آئے تھے۔ آتے ہی سو گئے۔ کہہ رہے تھے میں کئی راتوں سے سویا نہیں۔ میں نے ان دنوں میں یہ دیکھا کہ پاپا آپی سے کتنا پیار کرتے ہیں۔" بلال نے کہا۔

"ایسی بات نہیں.....تم سے بھی بہت کرتے ہیں۔" وہ جاتے جاتے رک کر بولی۔

بلال کچھ نہیں بولا.....آنکھوں پر بازو رکھ کر ایسے ہو گیا جیسے سونا چاہتا ہو.....!

اسد ملازمین کا سلیکشن بذاتِ خود کیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے یہ مرحلہ کبھی اپنے اسٹاف کے لیے نہیں چھوڑا تھا۔

ان کا دماغ بے حد اُلجھا ہوا تھا.....انہیں منزہ کے اس ہاسپٹل بھی جانا تھا اور انٹرویو بھی مکمل کرنا تھا۔

انہیں فیکٹری میں تین سپروائزر کی بیک وقت ضرورت پیش آ گئی تھی۔

ابھی تک وہ صرف ایک انٹرویو سے مطمئن ہوئے تھے۔ ان کے ہاں ایکسپورٹ کوالٹی تیار ہوتی تھی۔

ان کا یقین تھا۔ بد دیانت تاجر ایک بار منافع کماتا ہے۔ جب کہ کھرا اور ایماندار تاجر اپنی ساکھ کی وجہ سے ہمیشہ من شاہی کامیابی حاصل کرتا ہے۔ اس لیے وہ ملازمین کا انتخاب بہت باریک بینی سے کیا کرتے تھے۔

اس وقت جو لڑکی ان کے سامنے آئی تھی وہ صرف اُسے دیکھ کر ہی چونک اٹھے تھے۔ خاصا قیمتی لباس پہنے ہوئے تھی۔ ہاتھ میں دو سونے کی چوڑیاں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ خاصی پڑھی لکھی اور اعلیٰ خاندانی پسِ منظر کی حامل نظر آتی تھی۔ جب کہ یہ ملازمت تو مناسب تعلیم کی حامل محنتی قسم کی ضرورت مند خواتین کو سوٹ کرتی تھی.....سلی ہوئی جیکٹس کی پیکنگ اور بیچنے والوں کی سپروائزن وہ تو کرنا تھی۔

"آپ اپنا تعارف بغیر سوال ہی کے مکمل طور پر کرا دیں تو زیادہ مناسب ہے۔" اسد نے ہنوز بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

جی.....مجھے درشہوار کہتے ہیں.....بی.....اے آنرز ہوں.....رہائش بھی زیادہ دور نہیں ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔

اسد بہت توجہ سے دیکھ بھی رہے تھے اور سُن بھی رہے تھے۔

"محترمہ! آپ کی تعلیم کے حساب سے آپ کو.....؟"

"پلیز سر! آپ میری ایجوکیشن کے سلسلے میں کانشس نہ ہوں....." اُس نے اُن کی بات کاٹ کر تیزی سے کہا۔

"مجھے تو فی الفور ملازمت چاہیے، اور آپ جانتے ہیں کہ معزز قسم کی ملازمت کہیں بکتی نظر نہیں آتی۔ خاص طور پر مجھ سی ہوئی لڑکی کے لیے، عین ممکن ہے اگر آپ مجھے ملازمت نہ دیں اور میں کسی کوٹھی کی صفائی دھلائی کی نوکری بھی قبول کر لوں۔" اُس نے نہایت مشکل سے خود پر قابو پا کر کہا تھا۔

"اس درجہ ضرورت مند.....! لگتی تو نہیں۔" اسد نے اُلجھی ہوئی نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔

"کیا آپ کسی فیملی کی سرپرستی کر رہی ہیں، معاف کیجیے گا؟" اسد ذہن میں آیا سوال روک نہ سکے۔

"کیا ضرورت مند کے لیے کسی فیملی کا سرپرست ہونا بہت ضروری ہے؟ میں بھی تو انسان ہوں، زندگی تک میری اپنی ضروریات بھی تو ہیں۔"

خوبرو، خوش بیاں، تعلیم یافتہ، اعلانسب کا ترجمان، بولتا ہوا چہرہ، مگر انتہائی ضرورت مند۔

"پلیز سر! اتنا بھی نہ سوچیے، یقین کیجیے، میں واقعی ضرورت مند ہوں۔

عیش و آرام، سہولتوں اور آسائیوں کے ساتھ زندگی گزارنے والی اپنے ہی جملے کی تاب نہ لا سکی۔ بے اختیار اشک بار ہو گئے۔

"ار.....رے.....بی بی.....پلیز رویئے نہیں۔" اسد ایک دم بوکھلا گئے۔

"آپ اپنے کوائف جمع کرا دیجیے، ہمیں تو بہر حال کام چاہیے، آپ کریں یا کوئی اور، سولہ سو آپ کو اسٹارٹ سے دیں گام خاصا باریک بینی کا ہے، آپ کی کارکردگی پر منحصر ہے، آپ دو سو ڈھائی ہزار تک بھی کما سکیں گی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اوکے شکریہ سر!" وہ اپنے آنسو بہانے کے عمل پر جیسے شرمندہ شرمندہ سی تھی، اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس نے کبھی غور ہی نہیں کیا تھا کہ زندگی میں سولہ سو کی اتنی اہمیت ہوگی کہ رگ و پے میں خوشیاں دوڑ پڑیں گی۔

شاپنگ کے لیے وہ امی کے ساتھ ہی جاتی تھی اکثر، ہمیشہ چیز منتخب کی تھی، ادائیگی اس کا مسئلہ کبھی نہیں تھی۔

اُف! بعض اوقات عزت و وقار کے ساتھ رہنے کے لیے سولہ سو کی اتنی اہمیت ہو سکتی ہے، سوچا بھی نہ تھا۔

وہ ایک انوکھی خوشی کو محسوس کرتے باہر نکل رہی تھی۔

"مس درشہوار! آپ ملازمت کی مزید تفصیلات اور اوقاتِ کار کے بارے میں منیجر سے بات ضرور کر لیجیے گا۔" اسد نے قلم دان سے قلم نکالتے ہوئے اُسے مخاطب کیا۔

"بہتر سر۔" اُس نے رُک کر جواب دیا اور باہر نکل گئی۔

خود انحصاری نے گویا خود اعتمادی کا درواکر دی تھا۔ ایک عجیب سی ترنگ وجود میں دوڑنے لگی تھی۔

آج جمعہ تھا، نو بج چکے تھے، احسن کے بیڈ روم کا دروازہ ہنوز بند تھا۔

اُس نے پھول بی بی کو آج صبح ہی بلوایا تھا اور کپڑے اُس کے آگے ڈال کر آج کا پہلا کام سمجھا دیا تھا۔

خود پائنچے چڑھا کر کچن کی دھلائی میں مشغول ہو گئی تھی۔ ڈھیروں کاکروچ اور چھپکلیاں اپنی قیام گاہ کچن کو بنا چکے تھے۔

سب سے پہلے اُس نے کچن کا سارا سامان دھوپ میں لا پٹخا پھر کیبنٹ میں اسپرے کیا۔

یہ سارا عمل غیر محسوس طریقے سے اس سے سرزد ہو رہا تھا کہ طبیعت کی نفاست اپنی جگہ، حالات کی کشمکش اپنی جگہ۔

پھر اُس نے موٹا سا پائپ لگا کر شراپ شراپ دھلائی شروع کر دی۔ چوٹی گھیرے کی صورت میں سر کے گرد لپیٹ لی تھی۔ پائنچے اتنے اونچے کر لیے تھے کہ پنڈلیوں سے اوپر تک کا سفید سفید حصہ نظر آنے لگا تھا۔

بڑے جوش و خروش سے وہ جھاڑو پوچ پوچ کر مصروف عمل تھی۔ "پھول بی بی ذرا جلدی جلدی ہاتھ چلاؤ ابھی بہت کام باقی ہے اور سنو.....!"

معاً وہ رُک گئی۔ ہاتھ کی گرفت اور زبان دونوں کو ایک ساتھ بریک لگ گئے تھے۔

سیاہ نائٹ سوٹ میں ملبوس لیدر کی چپل پہنے احسن عین کچن کے دروازے میں ایسا دہ تھا۔

وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ کپڑے یہاں، وہاں اُڑسے، آستینیں و پائنچے چڑھائے ایک ہاتھ میں جھاڑو، دوسرے میں پائپ۔ گہرے گلے میں پنیں لگاتے ہوئے خاصا دلچسپ حلیہ تھا..... احسن اُسے قطعی نظر انداز کرتا ہوا سٹر پٹر کرتا اندر چلا آیا۔ ایک ایک کیبنٹ کھولی اور پھر بند کرتا چلا گیا۔ بالآخر کچھ بولے بغیر باہر نکل گیا۔ وہ پھر شروع ہونا چاہتی تھی کہ چائے کا برتن اور چائے کی پتی کا ڈبا لیے پھر اندر چلا آیا۔

وہ اُس کے ارادے کو بھانپ کر نل بند کرنے آگے بڑھی اور اُسی دم وہ پلٹا تھا، تصادم ہوتے ہوتے رہ گیا مگر جیسے احسن پر قطعی کوئی اثر نہ ہوا.....

"پھول بی بی!" احسن کی بھاری اور تحکمانہ آواز گونجی۔

"جی صاحب!" وہ دور ہی سے بولی۔

"آئندہ چھٹی والے دن یہ سب کھڑاگ پھیلانے کی ضرورت نہیں، ورنہ سب کچھ اُٹھا کر باہر پھینک دوں گا سمجھیں۔" وہ بہت برہم نظر آ رہا تھا۔

پھول بی بی ہانپتی کانپتی فوراً وہیں آ موجود ہوئی "جی صاحب؟"

"یہ کیا بازار سجایا ہوا ہے؟" اُس نے باہر پھیلے ہوئے سامان کی سمت اشارہ کیا۔

"صاحب! بی بی بولتا تھا، کپڑا بہت ہو گیا ہے۔" پھول بی بی سہم کر بولی۔

"ایک دن آرام کا ملتا ہے، اُس دن بھی آرام سے چائے نہیں مل سکتی..... یہ "کیڑا مار" مہم ہفتے کے دوسرے دنوں بھی کی جا سکتی ہے۔"

"صاحب.....! بی بی بولتا اے، اب وہ بھی نوکری پر جائے گا، اُس کا چھٹی بھی اسی دن ہوگا۔" پھول بی بی اس کے لیے بہت گھبرائی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

احسن ایک لمحے کو اپنی جگہ پر جیسے ٹھٹک سا گیا۔

"مائی فٹ، مگر میری موجودگی میں یہ سب نہیں ہوگا۔" وہ جیسے ایک دم ہوش میں آ کر سخت برہم انداز میں گویا ہوا۔ "بی بلا سے کوئی جہنم میں جائے۔"

"پھول بی بی!" شہوار باہر سے بڑے برہم لہجے میں پکاری تھی۔

"آیا بی بی۔" پھول بی بی فوراً باہر دوڑ گئی۔

"جی بی بی!"

"اپنے صاحب سے بولو، وہ اپنے بیڈ روم میں جائیں، چائے وہیں پہنچ جائے گی اور یہ بھی کہو، ہمارے معاملے میں مداخلت کی قطعی کوئی ضرورت نہیں۔"

"بڑے "آپا" بنے پھرتے ہیں۔" وہ بڑبڑائی۔

"نانسنس!" احسن کی جھلائی ہوئی آواز آئی۔

"اپنے صاحب سے بولو پھول بی بی، گالیاں کیے بغیر بھی کام ہو جائے گا۔" وہ جیسے طیش میں آ کر بولی تھی۔

باہر لگے واش بیسن میں اُس نے اچھی طرح ہاتھ دھوئے، فریج سے دُودھ نکالا اور کشن میں چلی آئی۔ دوسرے برنر پر دودھ رکھ کر وہ کپ اور چمچ لینے پھر باہر آئی۔

"پھول بی بی! کام چھوڑ کر ادھر آؤ۔" اُس نے جیسے حکم دیا۔

"جی بی بی!"

"میں چائے بنا رہی ہوں، کے بیڈ روم میں رکھ آؤ اور آتے ہوئے بیڈ روم کا دروازہ اچھی طرح بند کرتی آنا....." اُس نے احسن پر جیسے واضح کیا کہ باہر آنے کی ضرورت نہیں۔

وہ اس درجہ غالب اور چھائی ہوئی محسوس ہوئی کہ احسن جیسے پاؤں پٹختا اپنے کمرے میں گیا تھا۔

اُس نے چائے تیار کی، باہر آئی تو پھول بی بی کپڑے پھیلانے چھت پر جا چکی تھی۔

اُس نے کرسی سے دوپٹہ اٹھا کر شانوں پر پھیلایا اور اس کے بیڈ روم میں چلی آئی۔

وہ اخبار پھیلائے دروازے کی سمت سے پشت کیے بیٹھا تھا۔

"بھئی پھول بی بی! ہفتے میں ایک بار تو دیسی ناشتا کرا دیا کرو..... اپنی بی بی سے ذرا ٹھیک ٹھاک پراٹھا بنانا سیکھ لو۔ پچھلی مرتبہ جو تم نے پراٹھا بنایا تھا، وہ تو ایک بچے کے لیے انتہائی مناسب کشن دکھائی دیتا تھا اور وہاں دروازے پر دستک دے کر اندر آیا کرو، کیوں اپنی نوکری کی دشمن بنتی ہو، تم دیکھ نہیں رہیں، آج کل وہ کس قدر "خوفی....."

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہوار نے آہستہ سے تپائی پر چائے کا کپ رکھا اور جلے پیر کی بلی کی طرح باہر نکلنے لگی۔

"سُنو! یہ کپڑے استری کر دینا، اتنی دیر میں نہیں کہ جُمعہ ہی نکل جائے، یہ اسٹینڈ یہاں سے لے جاؤ، برابر والے کمرے میں رکھ لو، استری وہیں کیا کرو۔"

وہ ایک دم باہر نکل آئی اور دروازہ نہایت آہستگی سے بند کیا۔

گیارہ بجے دوپہر تک وہ اپنے کام سے فارغ ہوگئی، خود بھی نہا دھو کر کپڑے بدلے، گیلے بال پھیلا کر اِدھر اُدھر ٹہلتے ہوئے اُسے دھیان آیا کہ اس میں کتنی زبردست تبدیلی آچکی ہے۔ احسن کا ہوا اور خوف اس کے لاشعور تک سے نکل چکا تھا۔ عجیب قسم کی دھونس اس کے اندر آئی تھی۔ شاید یہ صفیہ کے تعاون کا نتیجہ تھا۔

اب دوپہر کے لیے کیا پکایا جائے! کچھ ہے تو نہیں گھر میں، کیا احسن کو کہلواؤں؟

مجھے تو اُنہیں سبق سکھانا ہے۔

اچانک اُس کی نظر پڑی، احسن ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر دراز نظر آیا..... اخبار ہنوز سامنے تھا..... غالباً وہ اسی لیے وہاں نظر آرہا تھا کہ پھول بی بی کمرے کی صفائی کر لے۔

وہ بال انگلیوں سے سلجھاتی ہوئی خاصی دیر تک کچھ سوچتی رہی..... پھر احسن کے بیڈ روم میں چلی آئی..... سیدھی وارڈ روب کی سمت بڑھی تھی۔

لٹکے ہوئے کپڑوں کی جیبیں ٹٹولنا شروع کیں۔ "اب میں ملازمت کر رہی ہوں، ان کا ایک ایک پیسہ ان کو واپس کر سکتی ہوں..... فی الحال یہ بہت ضروری ہے، خواہ اسے چوری کہا جائے۔" اس نے جیسے خود سے لڑائی کی۔

احسن کی ایک قمیص کی جیب میں اُسے پرس محسوس ہوا، نکالا تو ڈرائیونگ لائسنس تھا..... ہونہہ..... اُس نے پھر تلاشی شروع کی۔

آخر ایک کوٹ کی جیب سے پرس نکل ہی آیا۔ اُس نے جلدی جلدی کھولا۔ مختلف مالیت کے نوٹوں میں سے اُس نے پانچ سو کے نوٹ کا انتخاب کیا۔ پرس واپس رکھا اور باہر آگئی۔

"پھول بی بی!"

"جی بی بی۔" وہ بھی دُور ہی سے چلائی۔

"اِدھر آؤ۔" وہ ڈرائیونگ روم کے سامنے راہداری میں کھڑی ہوئی تھی۔

"جی بی بی؟" وہ فوراً آگئی تھی۔

"تمہیں یہاں کے بازار کا پتا ہے؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

احسن نے اخبار چہرے کے سامنے سے ہٹا کر دروازے کی سمت دیکھا تھا۔

"اَم..... ساب بازار جانتا اے اِدر کا۔" بے نیازی سے جواب ملا۔

"اچھا ذرا میرے ساتھ چلو۔"

"عید کا کپڑا واسطے؟" پھول بی بی کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔

"ابھی سے کہاں عید! اگر ہو بھی تو ہماری کیا عید؟ گھر کا سامان لانا ہے، جلدی سے چپل پہنو، میں چادر لے کر آتی ہوں۔" وہ ایک کمرے کی سمت بڑھتے ہوئے بولی۔

احسن نے اخبار پھر سامنے کر لیا تھا۔

دونوں نزدیکی بازار چلی آئیں، گوشت کی دُکان پر اس قدر بھیڑ تھی کہ اُسے تو چکر سا آگیا۔ تقریباً پندرہ منٹ کے بعد وہ گوشت حاصل کر پائی تھیں، اس میں پھول بی بی کی بولڈنیس اور چیر پھاڑ کر جگہ بنانے کا بہت زیادہ حصہ تھا۔

سبزی، سلاد اور دیگر اشیائے ضرورت لے کر جب وہ واپس گھر پہنچیں تو گیٹ اندر سے بند تھا۔

ایک تو سخت گرمی تیز دھوپ پھر گیٹ وا ہونے کا انتظار، اس نے کال بیل کا بٹن دبانے کے ساتھ ساتھ زور زور سے دروازہ بھی دھڑ دھڑا دیا۔

اتنی تیز آواز تھی کہ ساتھ والوں کی نوکرانی نے پورچ کی دُھلائی موقوف کر کے باہر جھانکنا ضروری سمجھا تھا۔

بالآخر گیٹ کھل گیا۔

"ہونہہ! پتا نہیں کون سے چور ڈاکو آرہے ہیں، کنڈے چڑھانے کی پڑی رہتی ہے۔" وہ بڑبڑائی۔

وہ چادر صوفے پر پھینک کر سامان لے کر لاؤنج میں چلی آئی تھی۔ اب اُسے جلدی جلدی دوپہر کے کھانے کی تیاری کرنا تھی۔ پنکھا فُل کھول کر وہ اپنے "لہسن پیاز" میں مصروف تھی۔

"پھول بی بی! ان کے..... میرا مطلب ہے اپنے صاحب کے کپڑے استری کرتی جانا۔"

پھول بی بی اندر چلی گئی۔

"پھول بی بی اندر چلی گئی۔

"پھول بی بی!" احسن کی آواز آئی۔

"جی صاحب۔"

"کہاں گئی تھیں تم؟"

"ساب! اَم بی بی کے ساتھ بازار گیا تھا۔"

"کیوں؟"

"بی بی کو کھانا پکانے کی چیز لینا تھا۔"

"اپنی بی بی سے پوچھو، پیسے کہاں سے لیے تھے؟" احسن کی گمبھیر سی آواز آئی۔

"بی بی! صاحب بولتا اے، پیسہ کہاں سے لیا تھا؟" وہ فوراً ہی اس کے پاس آموجود ہوئی۔

"ڈاکا ڈالا ہے، اُن سے مطلب؟" پیاز کاٹنے کی وجہ سے اس کے آنسو بہہ رہے تھے۔

وہ ایک دم بھڑک کر بولی تی، پھول بی بی یوں بدک کر پیچھے ہٹی تھی جیسے وہ کاٹ کھائے گی۔

احسن اخبار پٹخ کر واپس اپنے بیڈ روم میں چلا گیا تھا۔

نائلہ شب خوابی کا لباس پہن کر ڈریسنگ روم سے باہر آئی تو باہر اپنا پان نکالے کھانے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ نائلہ نے نہایت ناگواری سے اُن کی سمت دیکھا۔

"سُنا ہے بیگم! آپ نے آفس کیا تھا؟" بابر نے گلوری منہ میں دبائی۔ اُن کا انداز خوشگوار تھا۔

"جی! مگر آپ کی مجبوری، الوینہ کا میاں مُلک سے باہر ہے تو کیا ہوا، آپ تو انہیں میسر ہیں۔" وہ بُرش بالوں میں پھیرتے ہوئے قدرے لہرا کر اسٹول پر بیٹھ گئی۔

"مگر مَیں، اُن کے میاں کا رول تو ادا نہیں کر سکتا۔" بابر کا لہجہ سپاٹ ہوگیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اب یہ تو میں نہیں جانتی۔'' نائلہ نے تلخی سے کہا۔

''میرے لیے آپ کافی ہیں۔'' بابر نے ایک میگزین اُٹھا کر چہرے کے سامنے کرلیا۔

''مَیں اس بارے میں بھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔'' نائلہ نے سنگدلی سے کہا۔

''مَیں ہر شب آپ کے ساتھ ہوتا ہوں محترمہ!''

''یہ آپ کی مجبوری ہے، افسوس!'' وہ طنزیہ مُسکرائی۔

''متین صاحب آئے تھے۔'' وہ بابر کو جواباً خاموش دیکھ کر گویا ہوئی۔

''کچھ کہہ رہے تھے۔'' وہ مسکرائی۔

''مجھے علم ہے۔'' بابر نے جواب دیا۔

''کیا؟'' نائلہ چونکی۔

''بائی چانس ہی آج مَیں گھر آنے سے پہلے اُن سے ملنے ٹی.....وی گیا تھا، کہہ رہے تھے، تمہاری بیوی ہیٹ اٹریک ہے ایڈوانٹیج کیوں نہیں لیتے؟ یہ تو ٹی.....وی پر آکر بہت ہی بارسوخ آسامی بن سکتی ہے۔'' وہ عام سے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''تو پھر کیا خیال ہے؟'' نائلہ نے اپنے ریشمی بال فرحت احتیاط سے سمیٹے۔

''جیسے آپ چاہیں۔'' بابر نے بڑے آرام سے جواب دیا۔

''مگر.....!'' نائلہ کچھ کہتے کہتے رُک گئی۔

''ہوں.....مگر کیا؟'' بابر پوری طرح متوجہ تھے۔

''اگلے چھ سات ماہ تو شاید میں اسکرین پر شوٹ نہ کروں، اس کے بعد ہی اپنی دلی خواہش پوری کرسکوں گی۔'' اُس نے نظریں جُھکا کر کہا۔

''کیوں؟ اگلے چھ سات ماہ تک آپ کوئی کورس کررہی ہیں؟'' بابر چونکے۔

''جی.....'' وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

''کوئی لینگویج کورس؟.....مگر اس سے اسکرین پر کیا فرق پڑسکتا ہے؟'' بابر واقعی حیران ہوئے تھے۔

''یہ لینگویج کورس نہیں ہے، ایک آرٹ ہے۔'' وہ لاپروائی سے کہتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی اور لائٹ آف کر کے نائٹ بلب جلا دیا۔

''مثلاً!'' بابر نے پوری دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''ایک تصویر تیار کرنا ہے۔ بہت سارے رنگ بھرنا ہیں.....جیتی جاگتی تصویر۔''

نائلہ کے چہرے پر فطری حیا کے رنگ آخر لہرا ہی گئے۔

''نان سینس۔'' بابر بے چین سے میگزین کارپٹ پر پٹخ دیا۔ نائلہ اپنی جگہ پر دہل کر رہ گئی۔

''وائس اے جوک؟ اٹ از ٹو مچ.....'' وہ اُٹھ کر بیٹھ گئے۔

نائلہ ہکا بکا ان کی شکل دیکھ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔

''گریٹیسٹ (GREATEST) آف دَن.....اسٹوپڈ وومن.....نان سینس.....''

''یہ کس خوشی میں صلواتیں فرمائی جارہی ہیں؟'' وہ بری طرح سیخ پا ہوگئی تھی۔

''یہ اتنے دنوں سے نیوز چھپانے کی کیا تک تھی؟ کس قدر جاہلانہ حرکت ہے۔ اپنی خوش قسمتی پر ناز کریں کہ مجھ جیسے اینڈ ڈشخص سے پالا پڑا ہے۔ کوئی اور ہوتا تو.....'' وہ برہمی سے گویا ہوئے۔

''کیا مطلب؟'' نائلہ کا دل بیٹھنے لگا۔ ''اتنی گھٹیا بات؟''

''اتنے دنوں تک بے بات مجھ سے کیوں چُھپائی؟'' وہ اُٹھ کر اس کے سامنے آکھڑے ہوئے۔

''مجھے نہیں معلوم کہ کس طرح بتایا جاتا ہے۔ میرا خیال تھا آپ خود بخود سمجھ جائیں گے۔''

نائلہ کی ہتھیلیاں پسینے سے تربتر ہورہی تھیں.....بابر کی اتنی سستی بات نے اس کے ارسان خطا کردیے تھے۔

''خود بخود کیسے.....یعنی آسمان سے کوئی فرشتہ نازل ہوتا بتانے کے لیے؟'' وہ سخت برہم تھے۔

''میں ممی کا انتظار کررہی تھی۔'' وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

''مگر ان کا فون تو آتا رہتا ہے۔'' وہ بالکل اس کے قریب کھڑے اسے گھور رہے تھے۔

''تو کیا فون پر بتا دیتے ہیں؟'' اس نے پیٹھ موڑ لی۔

نائلہ کی اس سادگی پر بابر کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

''فار یور انفارمیشن.....مجھے فی الحال اولاد کی ضرورت نہیں۔'' وہ دوبارہ بیڈ پر جا کر دراز ہوگئے۔

''جی!''

''جی.....'' وہ اسی انداز میں گویا ہوئے۔ ''اٹ از سولیٹ.....بہر حال ٹرائی کرنا.....''

''مطلب کیا ہے آپ کا؟'' وہ دہل کر رہ گئی۔

''وہی جو آپ نے سمجھا۔'' ان کی آنکھوں کی سُرخی بڑھنے لگی تھی۔ آواز دھیمی ہورہی تھی۔

''یعنی میں خودکشی کی لڑائی کروں؟''

نائلہ نے غایت درجہ تعجب کے ساتھ پوچھا تھا۔

''جو سکھ کا سنگِ میل نظر آیا تھا.....ایک دم سے اِدھر اُدھر کہیں لڑھک گیا تھا۔''

''خودکشی کیوں؟ ہم زیادہ سے زیادہ پیسہ خرچ کرنے کی پوزیشن رکھتے ہیں.....میں تمہیں کسی سرکاری میٹرنٹی ہوم یا ہسپتال میں تو نہیں لے جاؤں گا۔''

بابر وہ یہ سوچ کر صلح جُو انداز پر اُتر آئے تھے کہ وہ اس کی خودسری کا اندازہ لگا چکے تھے۔

''اگر میں یہ سب کیوں کروں؟ آپ سینکڑوں آدمیوں کی بارات لے کر آئے تھے۔ مجھے لینے میں بھاگ کر تو نہیں آئے تھے۔'' نائلہ مارے غصے اور صدمے کے اپنا ذہنی توازن کھونے لگی۔

''نائلہ.....مجھے پریشان نہیں کریں.....'' بابر کی آنکھیں نشے سے بوجھل ہونے لگیں۔

''اب تک بات صاف نہیں ہوتی.....میں یہیں کھڑی رہوں گی.....'' وہ بے حد ضدی دکھائی دی۔

''تو گئی ہے صاف.....مجھے اولاد نہیں چاہیے۔'' وہ کروٹ بدل کر بہکی ہوئی آواز میں کہہ رہے تھے۔

''حمل میں ساری تکلیفیں، ساری کوفت ساری ذمہ داری ماں کی ہوتی ہے۔ آپ کو کیا فرق پڑتا ہے۔'' بابر کی تمام تیاں نائلہ کے حافظے میں جمع ہوگئیں تو وہ ہر مصلحت سے عاری ہوگئی۔

''مجھے بہت فرق پڑتا ہے۔ مجھے آپ کی فل اٹینشن چاہیے.....مزید بحث کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہوگا تو وہی جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں چاہوں گا۔"

"ایسے ہی" نائلہ کی رگوں میں جیسے انگارے دوڑنے لگے۔ اس نے طیش کے عالم میں دروازے کی سمت بڑھائے۔

"کمرے سے باہر جانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ ڈرائیور کو اُٹھاؤ۔ وہ تمہیں تمہارے والد صاحب کے گھر چھوڑ آئے گا۔"

بابر نے آج پہلی مرتبہ اُسے "تم" سے مخاطب کیا تھا۔

نائلہ جہاں تھی وہیں رُک گئی۔

"بلکہ تمہارے ایک اور ہمدرد باہر موجود ہیں..... یوں بھی انہوں نے نائٹ کوچ سے کراچی جانا ہے۔ اور جا بیدار ہونا ہے۔ انہیں اُٹھا دوں..... وہ تمہیں عزت و احترام سے چھوڑ آئیں گے۔" بابر نے قدرے مخمور آواز میں اس سمت اشارہ کیا۔

نائلہ پے در پے حملوں سے جیسے ساکت سی ہوگئی۔

اس کی زبان جیسے پتھر کی ہو کر ایک جگہ تک گئی تھی۔

"ہم نے تو آپ کو اجازت دے دی ہے۔ پھر کیا انتظار ہے۔" بابر نے آنکھیں موند لیں۔ "مگر یاد رکھو تمہاری وقت کی دُوری جو خلا چھوڑ جائے گی..... وہ تمام زندگی نہیں بھرے گا..... نائلہ بیگم!"

"آج کے بعد ہمارے درمیان کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔" بابر کی آواز نہایت مدھم تھی۔

نائلہ کی جی چاہا..... ہر شے پر لعنت بھیج کر نجات کے اس لمحے سے فوراً فائدہ اُٹھائے۔

مگر.....

صفیہ کے زار و قطار آنسو..... بدنصیبی کی جیسے طویل زنجیر.....

نبیلہ کا رائیگاں ولا حاصل دکھ۔

ماں کا کلیجہ تو پہلے ہی بھٹی ہے۔ مزید انگارے لے جاؤں۔

میرے جانے کے بعد اُس گھر کا نقشہ کیا ہوگا؟

تو پھر یوں فرض کرلوں۔ جیسے کسی عظیم مقصد کی خاطر خود کو قربان گاہ پر چڑھا دیا جاتا ہے۔ یوں جیسے..... ایک سر سے سو سر محفوظ ہو جاتے ہیں۔ مجھے جلدی سے جلد احسن بھائی سے ملنا چاہیے۔ دوسری صورت میں، میں سخت بے سہارا ں..... وہ ہونٹ کاٹتی سوچ رہی تھی۔

اس نے بابر کی سمت دیکھا وہ خواہش کے سمندر میں سرکش موجوں کی زد میں تھے۔ نیم ہوش مند، نیم بے ہوش وہ حال اس کی سمت متوجہ تھے۔ نیند کا غلبہ اپنی جگہ تھا..... اعلیٰ اور انسانیت کی آرائش کرنے والے جذبات زہریلے نشے کی پرتھے۔ کیسی آن اور کیسی خودداری..... اس وقت اس شخص کو کیا ہوش کہ انا کی اہمیت کیا ہوتی ہے۔ اور یہ کہ اپنی اَنا کو قربا کے انسان دوسرے فریق کو کس قدر عظیم فتح کے احساس سے ہمکنار کرتا ہے۔

سونا تو خیر کس کمبخت نے تھا۔ اسد کی وجہ سے یوں بھی اُسے جلد اُٹھنا تھا۔ وہ اذیت و جبر کے چھلنی کر دینے وا احساسات کے ساتھ بستر پر چلی آئی۔ ایک لمحہ ایک گھڑی اپنی مرضی کی نہیں۔ مگر بابر مرتضیٰ..... میں اپنی مرضی کی ز ضرور گزاروں گی۔ تمہارے ہی گھر میں۔ تمہارے ہی سامنے۔

اسے اس وقت چُپ رہنا تھا۔

ہر دلیل..... ہر عاقلانہ منطق کو ملتوی کرنا تھا۔

کیونکہ نشے کی کیفیت میں اشرف احساسات سو چکے ہوتے ہیں۔

انسانیت کی کوئی بات..... خوفِ خدا کی کوئی اپیل کارگر نہیں ہو سکتی۔

"ڈیر..... تم بہت وائز لیڈی ہو..... آئی ایڈمائر یو....." نائلہ کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ در آئی۔

"بابر مرتضیٰ..... آپ کو تو اس وقت خود ہی معلوم نہیں کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں..... تعریف تو وہ خوش کرتی ہے جو کرنے والا بقائمی ہوش و حواس..... کرتا ہے۔ اور اپنی سادگی اور "ذاتی ذمہ داری" پر کرتا ہے۔" دائیں بائیں کئی لڑھک کر گرے تھے۔

اپنے نفس کی پرستش کرنے والے۔ میں نے تجھے اپنی بھینٹ دی ہے۔

زیت کے پل صراط سے گزر کر جب وہ باہر آئی تو پورے گھر میں پھیلا گہرا اندھیرا اندر کی وحشت اور بڑھانے لگا۔

سارے گھر کی روشنیاں جلا دیں..... پورے جسم میں الاؤ دہک رہے تھے۔

واپس کمرے میں آئی۔ ایک سُوٹ نکال کر دیر تک شاور لیا..... پھر تولیے میں بال لپیٹ کر کچن میں چلی آئی۔ اور لیے ہلکا پھلکا ناشتا تیار کرنے لگی۔ چائے کا پانی چڑھا کر فلاسک تیار کیا کہ ڈرائیور کو بھی چائے دینا تھی۔

جانے کس خیال کے تحت اس کے آنسو بہنے لگے۔ وہیں چیئر پر بیٹھ کر اس نے سر ٹیبل پر رکھ دیا۔ روتے روتے اس ال بندھ گئی تھیں۔

بھابی!" معاً اس نے شانے پر اسد کا ہاتھ محسوس کیا..... وہ ساکت سی ہوگئی۔

ت اور تنہائی اور پھر بے قرار آنسو..... وہ کیا تاویل پیش کرے گی؟

بھابی..... ایک رات جب میں آیا تھا تب بھی مجھے محسوس ہوا تھا کہ آپ روتی رہی ہیں..... اور آج تو میں نے آپ کو دیکھ بھی لیا ہے۔ کیا بات ہے؟ میں سر سے پاؤں تک آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہوں..... پلیز بھابی۔"

د کی خوابیدہ آواز نے جیسے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اذیتوں کے سارے محفوظ لمحے آنسو کی صورت بہہ نکلے۔

کچھ نہیں۔" اس نے بمشکل خود پر قابو پایا۔

یا تو نہیں ہے۔ بابر سے جھگڑا ہے؟" اسد نے سنجیدگی سے پوچھا۔

آپ کو عزیز مستی کی قسم، سچ سچ بتائیے..... میں آپ کو اس حالت میں انہیں دیکھ سکتا..... آپ تو بابر کی خوش قسمتی کی ل..... پلیز بھابی۔"

پ کے خیال میں آپ کی پھوپھو کیسی ہیں؟" نائلہ نے آنکھیں پونچھتے ہوئے عجیب سوال کیا۔

دکھوں کی آنچ میں کندن بن چکی ہیں۔ بہت صابر، باوقار اور ہمدرد خاتون ہیں۔"

نے اپنے اصل سوال کا جواب پانے کی خاطر جلدی سے جواب دیا۔

کل غلط۔" نائلہ نے عجب طنطنے سے ان کی بات کاٹی۔

با مطلب؟" اسد واقعی حیران ہوئے۔

بہت ہوشیار اور خود غرض عورت ہیں..... انہوں نے ایک مریض میرے سر منڈھ دیا ہے۔"

کہہ رہی ہیں آپ" اسد کے سر پر جیسے پہاڑ سا ٹوٹا تھا۔

یض؟ کون مریض؟" وہ حیرانی کی انتہا پر تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ایک ماں سے زیادہ اولاد کی کیفیات سے کون واقف ہوسکتا ہے۔'' وہ بگڑ کر گویا ہوئی۔

''مگر بابر تو ہر طرح سے پرفیکٹ ہیں۔'' اسد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''آپ یہ بتائیے تاحال سب سے زیادہ بابر قریب ہیں۔'' اسد نے سوالیہ نظروں سے اس کی سمت دیکھا۔

''لہٰذا مجھے ہی زیادہ پتا ہونا چاہیے۔''

''بھابی!'' اسد چکرا سے گئے تھے۔

''آپ ایک بار اُن سے مل کر یہ ضرور پوچھ لیجیے، میری طرف سے کہ میں نے یا میرے خاندان نے ان سے کیا کی تھی؟'' وہ کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا مرض ہے بابر کو..... خدانخواستہ؟'' اسد سخت پریشان نظر آئے۔

''میں آپ کو نہیں بتا سکتی۔'' اس نے نگاہیں چُرا کر جواب دیا۔

اسد کے تو حواس گم ہو گئے۔ وہ تو کچھ انہونی کی طرف ہی سوچنے لگے تھے۔

''مگر کچھ ارشاد تو ہو۔'' اس کی آواز پر سہم سا طاری تھا۔

''کیا بابر اپنے مرض سے آگاہ ہیں؟'' انہوں نے اگلا سوال کیا۔

''سو فیصد۔'' نائلہ نے چائے کی پتی کھولتے پانی میں ڈالی۔

''آپ نے ان سے علاج کے لیے نہیں کہا۔'' اسد کی آواز میں شکستگی در آئی۔

''وہ کہتے ہیں۔ ان کا یہ مرض ان کے لیے نوید زندگی ہے۔ وہ اس مرض کو نشے کی طرح اپنائے ہوئے ہیں۔ نشے کے علاوہ..... وہ کہتے ہیں، اس مرض کے دورے سے وہ حیاتِ نو حاصل کرتے ہیں..... اس کے بغیر ان کی زندگی بے ہے۔'' نائلہ نے بتایا۔

''نشے کے علاوہ؟'' اسد یہیں پر اٹک گئے تھے۔ ''کیا وہ نشہ بھی کرتا ہے، کیسا بھیانک انکشاف تھا۔

''وہ کہتے ہیں یہ ترکِ نشہ کی آخری منزل ہے۔ ہلکا یا گہرا..... نشہ تو نشہ ہے۔''

''تو یہ مرض ہے؟'' اسد جیسے کسی نتیجے پر پہنچے۔ اور نائلہ کی بات کاٹ دی تھی۔

''جی نہیں..... یہ مرض نہیں..... مرض کا حصہ ہے۔'' اس نے ان کے نتیجے کو فوراً مسترد کیا۔

''کیا میں اس سے اس موضوع پر بات کروں؟'' اسد کو یہی حل سُوجھا۔

''بالکل نہیں۔''

''مگر میں اس کا بھائی ہوں۔'' اسد کو اس ممانعت شاق گزری۔

''آپ یقیناً یہی چاہیں گے کہ میں اس گھر میں آباد ہوں۔'' نائلہ نے فریج سے دودھ کا برتن نکالا۔

''اس میں کیا شک ہے؟'' اسد کو اُلجھن ہوئی۔

''آپ کی ہمدردی کا طعنہ مجھے مل چکا ہے..... مجھے تو آپ کو بتاتے ہوئے شرم آتی ہے۔'' نائلہ کی آواز بھرا گئی۔

اسد گم صم سے کھڑے رہ گئے۔

''میں بابر سے اس قسم کی امید نہیں رکھتا تھا۔'' اسد نے دُکھ سے کہا۔ ''مگر کچھ تو کرنا ہے۔''

''کسی کو بھی ان سے کسی قسم کی امید نہیں رکھنا چاہیے..... وہ صرف اپنی زندگی کو اہمیت دیتے ہیں۔''

اس نے ناشتے کے لوازمات ٹیبل پر رکھے۔

''شتا کر لیجیے اسد بھائی۔''

آپ نے خواہ مخواہ زحمت کی بھابی..... بس ایک کپ چائے بہت ہے۔'' اسد ذہنی طور پر بہت اُلجھ گئے تھے۔

زحمت کی کوئی بات نہیں۔ کچھ تو لیجیے..... میں ڈرائیور کو اُٹھا کر آتی ہوں۔''

آپ رہنے دیجیے..... میں اُٹھا دیتا ہوں۔'' اسد باہر نکل گئے۔

لہ انہیں جاتا دیکھتی رہی۔

اگر اسد نے واقعی اس موضوع پر بابر سے بات کر لی؟ کیا انجام ہوگا؟''

بابر اسے معاف نہیں کریں گے..... شاید بہت بڑا طوفان آٹھ کھڑا ہو..... وہ اپنے وجود سے چمٹتا نقاہت آتر تے کیسے برداشت کر سکتے ہیں؟''

نے کیا کیا وہم اسے ستانے لگے تھے۔ اسی دم اسد واپس آ گئے تھے..... وہ سنبھل کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ تولیہ سر رچکی تھی۔ گھنے بالوں نے اس کا وجود چھپا رکھا تھا۔

روزی کاٹن کے سوٹ میں اور کچھ رونے کی وجہ سے چہرے کے گلابی پن میں سرخی سی چھلکتی محسوس ہو رہی تھی۔ پنک ی نمایاں سی لونگ اس کے سادہ سے چہرے کی بھرپور آرائش تھی۔ پچھلے دنوں بابر ہی نے یہ لونگ گفٹ کی تھی۔ راف کی خوشی میں..... ایک انگوٹھی کے ہمراہ..... اس نے نگاہیں جھکا لیں۔ اور چائے کا کپ اُٹھا لیا۔

اسد بھائی!'' نائلہ نے دوپٹے کا آنچل سر پر ڈالتے ہوئے انہیں مخاطب کیا۔

جی بھابی..... ارشاد!'' وہ ہنوز افسردہ اور گم صم سے تھے۔

آپ پلیز..... بابر کو اشارتاً بھی نہ بتائیے گا کہ.....''

آپ فکرمند نہ کریں..... میں سب سمجھتا ہوں..... مگر بھابی..... آپ پھوپھو سے اس موضوع پر ضرور بات کر لیں نہ یہ ڈیریشن بڑھ کر آپکو اعصابی مریضہ بنا دے گا۔''

کیا وہ یقین کر لیں گی؟''

وہ بہت عقلمند اور ٹھنڈے دماغ کی مالک ہیں۔'' اس کے منہ سے پھر تعریفی کلمات نکلے۔

جی..... عقلمند تو بہت ہیں۔'' نائلہ کے طنز میں بے ساختگی تھی۔

سد خاموش سے ہو کر رہ گئے۔

آپ کہیں تو پھوپھو سے میں بات کروں؟'' اسد نے نیا حل پیش کیا۔

نہیں..... بابر میرے شوہر ہو کر، اتنے برا ڈ مائنڈڈ ہو کر آپ کے نام سے مجھے ہرٹ کر سکتے ہیں۔ تو..... وہ تو پھر میر ماں ہیں اسد بھائی!'' نائلہ نے آیندہ کی اُلجھن سے بچنے کے لیے نہایت صاف گوئی سے جواب دیا۔

سد نے یہ جملہ سُن کر مجرموں کی طرح سر جھکا لیا۔

کس درجہ ستم ظریفی تھی کہ اسد کو اپنے گھر کی چار دیواری میں ہر طرح کی سُکھ اور آرام میسر تھا۔

جان چھڑکنے والے انتہائی مہذب سُلجھے ہوئے تعلیم یافتہ والدین..... معاشی استحکام..... کاروباری ساکھ..... اس جود اِدھر اُدھر سے مفت کے غم ان کو ملتے جاتے تھے۔

اچھا بھابی..... میں ذرا تیار ہو جاؤں۔'' وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔

اسد بھائی ڈرائیور کو یہیں بھیج دیجیے۔ جائے کے لیے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بہتر!'' اسد باہر نکل گئے۔

ڈرائیور نے چائے پی گاڑی باہر نکالی اتنی دیر میں اسد کوٹ اور ٹائی کے اضافے کے ساتھ نیچے آ گئے۔ بڑا سا بریف کیس اور ایک بیگ ان کے ہمراہ تھا۔

''اپنا خیال رکھیے گا بھابی..... مجھے آپ کی طرف سے فکر رہے گی..... پلیز آپ پھوپھو سے ضرور ملیں۔''

وہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے تاکید کرنے لگے۔

''جی..... خدا حافظ اسد بھائی!'' اس نے گیٹ کا پٹ تھام کر آہستگی سے کہا تھا۔

شکیلہ بلال کے ساتھ منزہ کو دیکھنے چلی آئی تھی۔ انعام علی نے اس کے ہاسپٹل جانے پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ یو بھی بلال کے رویے سے انہیں طمانیت کا احساس ہو رہا تھا۔ محض بلال کی خاطر ہی انہوں نے شکیلہ کو منزہ کے گھر جا نہیں دیا تھا۔

کہ اس کی موجودگی سے رشتے داروں کو نہایت دلچسپ موضوع مل جائے گا۔ دکھوں کے موسم کی میعاد بڑھ جائے گی مگر ہاسپٹل میں ملنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ سوائے منزہ کی نند کے کوئی زیادہ نہیں آ جا رہا تھا۔ سلور پرنٹ سفید شلوار سوٹ میں ملبوس منزہ دریچے کا پٹ تھامے باہر جھانک رہی تھی۔

شکیلہ اور بلال کو اندر آتے دیکھ کر اس نے کوئی نوٹس نہیں لیا، دوبارہ منہ موڑ کر باہر دیکھنے لگی۔

''السلام علیکم آپی!'' بلال نے سلام کیا۔

منزہ بدستور باہر دیکھتی رہی۔

''آپی..... یہ ممی آپ سے ملنے آئی ہیں۔'' بلال نے اسے متوجہ کیا۔ ''ادھر آیئے ناں!''

منزہ بے دلی سے چلتی ہوئی بستر تک آئی۔

''پتا نہیں خاور نے فون کیوں نہیں کیا۔ دل بہت پریشان ہے۔''

وہ یاسیت سے کہتے ہوئے بیٹھ گئی۔

شکیلہ اس کی حالت دیکھ کر ملول سی نظر آنے لگی۔ منزہ کے قریب بیٹھ گئی اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''کیسی طبیعت ہے تمہاری؟'' اس نے محبت سے پوچھا۔

''ٹھیک نہیں ہوں..... دل بہت بے قرار ہے، پرندے کی طرح پھڑ پھڑاتا رہتا ہے۔ خاور آئیں تو مسئلہ حل ہو۔'' اس کے لہجے میں بلا کا درد تھا۔

''خود کو سنبھالو منزہ..... ایسے کس طرح گزرے گی۔'' شکیلہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''اب تو خاور آئیں گے، تب ہی گزرے گی۔'' منزہ بستر پر دراز ہو گئی۔

''بچوں کی خاطر ہی خود کو سنبھالو..... ان معصوموں کا ہی خیال کرو۔'' شکیلہ نے اس کا ہاتھ چوم لیا۔

''جب ہی زندہ ہوں..... ورنہ مر جانے میں بہت سکون ہے۔'' اس نے آنکھیں موند لیں۔

''کیوں؟'' شکیلہ کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

''خاور جو دکھائی نہیں دے رہے۔ زندگی کا یقین تو موجودگی سے ہے۔ وہ نظر نہیں آتے تو طرح طرح کے وہم دل کو ستاتے ہیں۔'' اس کی آواز پر آنسو غالب آ گئے۔

''لوگ تو اتنے جلد باز اور ظالم ہیں، کوئی ذرا دکھائی نہ دے تو کہتے ہیں۔ ''مر گیا'' اب یہ تو نہیں ہونا چاہیے ناں.....

ا؟''

شکیلہ خاموش رہی۔

باتوں سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ ہوش مندی کی طرف آ رہی ہے۔

''بلو!''

''جی آپی!'' بلال ایک دم مستعد ہو گیا۔

''تم نے آفس سے معلوم کیا ہوتا کہ خاور آج کل کس پورٹ پر ہیں؟'' اس نے بھائی کی سمت بغور دیکھا تھا۔

''جی..... بہتر میں معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔'' بلال نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

ی دم کمرے میں نرس داخل ہوئی پیچھے پیچھے اسد تھے۔

''السلام علیکم بھابی!'' اسد صرف منزہ کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ بعد میں انہوں نے شکیلہ کو سلام کیا تھا۔ شکیلہ پر نظر ی انہیں نائلہ کا دھیان آیا تھا..... باہر کی شادی میں انہوں نے شکیلہ کو دیکھا تھا۔ مگر انہوں نے انعام علی کے گھر میں یا ے سامنے اس موضوع پر بات نہیں کی تھی۔

''آپ آ گئے..... شکر۔'' منزہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

''آپ آتے ہیں تو دل کہتا ہے جیسے آپ کے پیچھے پیچھے خاور بھی آ رہے ہیں۔ شادی سے پہلے اور شادی کے بعد آپ ا اتنا ساتھ دیکھا ہے۔'' وہ تھکے تھکے انداز میں مسکرائی۔

ر سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئے..... ان کے چہرے پر تشویش کے تاثرات گہرے ہو گئے تھے۔

ڈاکٹر سے ملے تم؟'' انہوں نے بلال سے پوچھا۔

نہیں!'' بلال نے نفی میں جواب دیا۔

اسد بھائی!'' منزہ نے مخاطب کیا۔

ی بھابی؟''

آپ کو یاد ہے۔ میری شادی والے دن خاور کی گاڑی کا ٹائر پنکچر ہو گیا تھا۔ اور بارات کے لیٹ ہونے پر ہمارے قدر بھاگ دوڑ مچ گئی تھی۔

ب آپ بائیک پر ہمارے ہاں بتانے آئے تھے کہ بارات کیوں لیٹ ہے۔ سُنا ہے اسپیئر ٹائر نہیں مل پایا تھا۔ یسا ہوتا تو نہیں ہے اور بھی تو گاڑیاں تھیں۔ دراصل نوشہرہ میں بارات اتنی لیٹ نہیں ہوتی۔ جبکہ کراچی میں تو ہے نو بجے تک باراتیں آتی ہیں۔ کیوں؟ آپ کی آمد تو اچھی خبر کی علامت ہوتی ہے۔

ا کیا اچھی خبر لائے ہیں اسد بھائی؟'' منزہ نے اداس سی مسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔

ر کوئی جواب سُجھائی نہ دیا..... ان کا سر جھکا ہی رہا۔

ور خود نہیں آ رہے تو فون ہی کر دیتے۔

کہہ رہی تھیں، یونانی عورتیں بہت خوبصورت ہوتی ہیں۔ مگر خاور.....''

لال..... کیا کیا سوچ لیتی ہیں آپ..... خوبصورت عورتیں بھلا کہاں نہیں ہوتیں۔'' اسد نے فوراً بات کاٹ دی۔

ر خوبصورتی ہی اگر اس دُنیا میں ترجیح ہوتی تو دُنیا کی ساری خوبصورت عورتیں ہی غیر محفوظ ہوتی ہیں۔ انہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کسی ایک کا رہنے ہی نہ دیا جاتا۔ کیا گھر میں خوبصورت بھابیاں ..... چچی..... تائی..... ممانی وغیرہ نہیں ہوتیں۔ خوبصورتی اخلاقیات کو پامال کرنے والی چیز تو نہیں ہوتی۔ دُنیا میں کوئی بہت عزیز ہو جاتا ہے۔ اس کی جگہ کوئی دوسرا نہیں لے سکتا..... چہرے کی خوبصورتی سے بھی زیادہ اہم کردار سے ہوتے ہیں۔ چہروں سے نہیں۔

حقیقت یہ ہے بھابی۔ کبھی بھی ایک چہرا دوسرے چہرے کا بدل نہیں ہو سکتا۔ روح کا تقاضا چہرے کے ظاہر سے پورا نہیں ہوتا۔"

اسد نے اتنی طویل بات محض اس لیے کی تھی کہ منزہ کا دھیان بٹائیں۔ شکیلہ مبہوت سی انہیں دیکھ رہی تھی۔ کتنی خوبصورتی اور سلجھاؤ تھا ان کی گفتگو میں۔

"مگر چہرے کے حُسن کا جادو ایک اٹل حقیقت ہے۔" منزہ نے گم صم انداز میں کہا۔

"جنہوں نے کسی کے کردار کا حُسن کا ذائقہ چکھ لیا ہو۔ وہ ان ظاہری پہلاوؤں سے نہیں بہلتے بھابی!"

"خاور بہت حُسن پرست ہیں۔" منزہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ خدشہ ظاہر کیا۔

"تو آپ بھی کسی سے کم نہیں ہیں۔" اسد نے دُکھ کی لہر اپنے سینے میں بمشکل دبائی۔

"اگر وہ اسی طرح مجھ سے دُور رہے تو عنقریب میرا ڈاؤن فال ہو جائے گا۔ میں بہت بدصورت ہو جاؤں گی۔" اس کی آنکھیں برس پڑیں۔

کمرے میں ایک وحشت ناک سناٹا طاری ہو گیا۔

"ایک تو میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ مجھے یہاں ہاسپٹل میں کیوں رکھا جا رہا ہے۔ کیا ہوا مجھے؟ کیا جن عورتوں کے شوہر زیادہ دنوں تک گھر واپس نہ آئیں تو انہیں ہاسپٹل میں رکھے دیا جاتا ہے اسد بھائی..... یہاں میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔ میں یہاں نہیں رہوں گی۔"

"بھابی! آپ کا دل پریشان ہے۔ آپ کے ذہن سکون کے لیے آپ کو یہاں لایا گیا ہے۔"

اسد نے ملائمت سے سمجھایا۔

"حد ہے حماقت کی..... میرا ذہنی سکون تو یونان کے ساحلوں میں چھپا ہوا ہے۔ مجھے یہاں کیا سکون ملے گا؟" پھوٹ پھوٹ کر رو دی..... شکیلہ نے اُسے اپنے شانے سے لگا لیا۔

اس کے رونے سے احساس ہوتا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ ہوش و حواس کی دُنیا میں واپس آ رہی ہے۔

"باجی..... دل اتنا وحشت زدہ کیوں ہے؟"

شکیلہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"باجی..... یہ کیسی قیامت سی آئی ہے۔ دل کسی خوشی کی امید سے کھلتا ہی نہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کچھ کھو گیا اور ملے گا نہیں۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"ایسی باتیں نہیں کرتے۔" شکیلہ نے اپنی چادر کے پلو سے اس کا چہرا صاف کیا۔

"اللہ تمہیں صبر و برداشت دے، تم تو بہت باہمت ہو۔"

"اسد بھائی..... آپ بڑے ہمدرد بنے پھرتے ہیں..... آپ ابھی تک خاور کی خبر تک نہیں لے سکے۔ آپ پر کچھ بیتا نہیں ہے۔" منزہ نے پینترا بدل کر تلخی سے کہا۔

اسد خاموش رہے۔

ایسا لگتا ہے۔ کوئی زلزلہ آیا تھا۔ یا بہت بھیانک طوفانی بارش۔ ہر طرف ٹوٹ پھوٹ سی ہے۔ ویرانی اور

"وہ نڈھال ہو کر دوبارہ بستر پر لیٹ گئی۔

"باجی..... اگر یہ دل یونہی پریشان رہا تو دیکھیے گا ایک دن میں چپکے سے اوپر جا کر چھلانگ ماروں گی۔" اس نے طرف کروٹ لے کر آنکھیں موند لیں۔

سد نے نرس کی سمت دیکھا جیسے اُسے صورتِ حال کی سنگینی کا احساس دلا رہے ہوں۔ شکیلہ ترچھی ہو کر اس کے بالوں رے ہاتھ پھیرنے لگی۔

ال تھوڑی کے نیچے ہاتھ دیے ایک ٹک سامنے دیوار کو گھور رہا تھا۔

یک دم بھگدڑ مچ گئی تھی۔

"صاحب آئے ہیں..... سر آ گئے ہیں..... مالک آئے ہیں۔"

شینوں پر بیٹھے ہوئے کاریگر مرد، عورتیں تو بدستور اپنے کام میں منہمک تھے۔ البتہ دوسرے ملازمین بوکھلائے ہوئے ہے تھے۔

ہوں کی چہ چہاہٹ کے ساتھ ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ صرف مشینوں کا شور باقی رہ گیا۔

"اکرام صاحب کہاں ہیں؟" اسد کی آواز مشینوں کے شور کے بیچ اُبھری۔

"سر..... وہ اوپر گودام میں ہیں۔"

"اطلاع دیجیے انہیں۔" اسد نے دھیمی آواز میں کہا۔

ٹھوار دروازے کے عین سامنے کُرسی پر بیٹھی تھی۔ اسد کو قریب پا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"السلام علیکم سر!"

یاہ جدید تراش کے سُوٹ میں جلوس وہ نسبتاً تر و تازہ سی دکھائی دی۔

"وعلیکم السلام..... کام ہو رہا ہے؟"

ٹھوار نے عادتاً اپنا آنچل سر پر ڈال لیا۔ "یس سر..... کام ہی کرنے آئے ہیں۔"

"گڈ..... اینی پرابلم؟"

"نو تھینکس۔"

"مشکل تو نہیں ہے یہ کام؟"

"یہ تو بہت دلچسپ کام ہے۔ ڈنڈے ہی تو بجانے ہیں۔" وہ مسکرا دی۔

اسد بھی رسماً مُسکرا کر آگے بڑھ گئے۔

سامنے سے اکرام صاحب بھی لشم پشم چلے آ رہے تھے۔ "السلام علیکم سر..... یہ بہت اچھا ہوا سر آپ آ گئے۔ سر کل ہوگا..... زیادہ تر لوگ دو گھنٹے سے زیادہ اوور ٹائم پر راضی نہیں۔ جبکہ پیکنگ ساتھ ساتھ ہو رہی ہے۔"

"کیوں راضی نہیں ہیں۔ کیا ان لوگوں کو اوور ٹائم نہیں ملتا؟"

"سر یہ لوگ کہتے ہیں، بہت کم ہے۔"

"تو اکرام صاحب! آپ ان لوگوں سے کہیے باضابطہ بات کریں۔ ہم غور کریں گے۔ آپ انہیں یہ بھی بتائیے کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمارے ہاں تنخواہیں، مراعات، اوورٹائم نسبتاً بہتر ہے۔ ہمیں کسی کا جائز حق مارنے سے قطعی دلچسپی نہیں۔ کل کا کام لازماً آج کام مکمل ہو جانا چاہیے۔

جب چیز وقت ہی پر نہ ملے تو پھر اس شور وغل کا کیا فائدہ؟ خواہ روپیہ ہو یا ریسونس۔"

"سر!" شہوار گھبرا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"جی بی بی!"

"سر! آج پانچ بجے چھٹی نہیں ہوگی؟"

"جی بی بی..... مجبوری ہے۔ مگر آپ کو اس کے پیسے علیحدہ سے ملیں گے۔"

"سر کتنا ٹائم؟"

مس دُرِ شہوار۔ آپ "سر" سے یہ باتیں کرنے کے بجائے مجھ سے آفس میں آکر بات کیجیے۔" اکرام صاحب ایک دم مداخلت کی۔

"یہ باتیں سر سے کرنے کی نہیں ہیں..... مجھے ان ہی معاملات کو ڈیل کرنے کی تنخواہ ملتی ہے۔"

اکرام صاحب دُرِ شہوار کو سمجھاتے ہوئے ساتھ ساتھ اسد "صاحب" کے تاثرات بھی دیکھ رہے تھے۔

"سوری سر..... جس طرح ایک دیہاتی کو شاہی دربار کے آداب نہیں معلوم ہوتے اسی طرح مجھے۔ نوکری کی۔ نوکری کا سلیقہ بھی آجائے گا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں بی بی..... کہیے آپ کیا کہہ رہی تھیں؟ اسد نے رواداری سے کہا..... اور ایک اچٹتی نگاہ اس صبیح چہرے پر ڈالی تھی۔

"سر..... بات یہ ہے کہ میرے گھر پر کوئی نہیں ہوتا۔ اور مجھ میں تنہا اندھیرے میں سفر کرنے کی ہمت نہیں ہے۔"

"آپ کو گھر پہنچا دیا جائے گا..... ڈزن میٹر۔" اسد نے قدم آگے بڑھا دیے۔

"سر!" دُرِ شہوار نے جیسے کسی مسئلے سے بے چین ہو کر انہیں پھر مخاطب کیا۔

"جی بی بی!" اسد بڑے تحمل سے پھر کھڑے ہو گئے۔

"سر! پھر بھی کتنا ٹائم لگ سکتا ہے۔"

"بی بی..... آپ کیوں گھبرا رہی ہیں۔ آپ سے تو گھر میں کوئی باز پرس کرنے والا بھی نہیں ہے۔ آپ ہی تو بتا رہی ہیں کہ گھر میں کوئی نہیں۔" اسد نے یاد دلایا۔

"جی..... جی سر..... وہ تو بالکل ٹھیک ہے۔ مگر....."

"ٹھیک بھی ہے پھر بھی مگر..... یہ کیا بات ہوئی۔ آپ تسلی رکھیے۔ آپ کو آپ کے گھر کے دروازے پر چھوڑا جائے گا۔"

"جی سر!" بے بسی سے شہوار کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ بلکہ ایک قطرہ تو رخسار پر لڑھک آیا۔ یا اللہ انہیں کیسے سمجھائے؟

اسد چونک سے گئے۔ نئی نئی دردِ سری ہے۔ "عادت ہو جاتی ہے بی بی..... آپ اطمینان رکھیے۔ آپ کو پہنچانا ہماری ذمہ داری ہے۔" وہ آگے بڑھ گئے۔

وہ بے بس سی ہو کر کرسی پر گر گئی۔ "اللہ نے چاہا تو تمہارے ساتھ ایسا ہی ہوگا۔ جیسا تم نے میرے ساتھ کیا ہے۔" دل ہی دل میں احسن سے مخاطب تھی۔

سات پر سوئی پہنچی تو اس کے حلق میں کانٹے پڑنے لگے۔ "کچھ ٹائم راستے میں بھی لگے گا۔ گھر کب تک پہنچے گی؟"

سات پانچ پر آخر کار کام بند کرنے کا حکم ہوا۔ مطلوبہ کھیپ تیار ہو گئی تھی..... اب باقی کام دوسری شفٹ کا تھا۔ یعنی پیکنگ اور ترسیل۔

وہ پرس اُٹھا کر باہر نکلنے لگی تو چپراسی نے بتایا اسد صاحب باہر گاڑی میں اس کا انتظار کر رہے ہیں۔

وہ قدرے حیران سی باہر آئی۔ واقعی اسد اس کے منتظر تھے۔

"آپ بفرزون میں ہوتی ہیں ناں، میرا روٹ تو نہیں ہے مگر گاڑی دوسری کار کن لڑکیوں و خواتین کو چھوڑتی جائے گی آپ کو دیر ہو جائے گی مزید۔ جبکہ آپ رونے کے سلسلے میں خاصی جلد باز واقع ہوئی ہیں۔"

شہوار اس وقت تکلفات میں پڑ کر وقت ضائع کرنا نہیں چاہتی تھی..... جلدی سے بیٹھ گئی..... احسن تو آچکے ہوں گے۔

اوہ میرے خدا..... ان کے پاس تو صرف مین گیٹ کی چابی ہے جو اس نے پھول بی بی کے ہاتھ اسے پہنچائی تھی۔

ہماری ڈرائنگ روم اور احسن کے بیڈ روم کی چابیاں اس کے پاس تھیں۔ راہداری بند ہونے کی وجہ سے کچن کا راستہ بھی رہو جاتا تھا۔ اُسے جتنی آیتیں زبانی یاد تھیں پڑھنا شروع کر دیں۔

اسد ترچھی نظروں سے کئی بار اس کی گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ کا جائزہ لے چکے تھے۔ مگر ضرورت سے زیادہ انٹرویو میں سُوٹ نہیں کرتا تھا۔

یا اللہ..... وہ وحشی تو پہلے ہی حدود پھلانگ چکا ہے۔ پتا نہیں اسد کے سامنے اس کا کیا حشر کرے۔

"جی سر..... اس طرف لے لیجیے۔" جتنا گھر نزدیک آرہا تھا اوسان خطا ہو رہے تھے۔ اور تو کسی بات کا خوف نہیں تھا صرف اپنی بے عزتی کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔

"یہ اس طرف..... جی..... جی۔" وہ خوفزدہ سی سامنے دیکھ رہی تھی۔ گاڑی جیسے ہی گھر کے سامنے رُکی اُس کی تو رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی..... گیٹ کھلا ہوا ہے۔ گاڑی کے اندر کی لائٹ آن تھی۔

"یہ ہے آپ کا گھر..... مگر اس کا تو گیٹ کھلا ہوا ہے۔ آپ تو کہہ رہی تھیں کہ گھر میں کوئی نہیں۔"

انتہائی ضرورت مند لڑکی کا گھر..... اس کے اسٹرکچر سے اس پر لگی لاگت کا اندازہ ہو سکتا تھا..... ابھی تو اسے پہلی تنخواہ بھی نہیں ملی۔ اور کرائے پر اتنا بڑا گھر؟

"جی سر..... یہی میرا گھر ہے!" وہ گاڑی سے اُترتے ہوئے بولی۔ اسد نے اُلجھی ہوئی نظروں سے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

دھوکے بازی بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ محنت کر رہی ہے۔ جان مار رہی ہے۔ سولہ سو روپے کی خاطر۔

مضبوط گھر..... پورچ میں کھڑی سُرخ کار..... اور سولہ سو روپے کے لیے اتنی محنت گھر میں کوئی نہیں۔ اور کھلا ہوا گیٹ۔ وہ شک میں پڑ گئے تھے کتنے اصرار سے اس نے یہ نوکری حاصل کی تھی۔ کس کس طرح اپنے محنتی ہونے کا یقین دلایا تھا۔

انہوں نے عجیب سی اُلجھن میں گاڑی اسٹارٹ کی..... اسی دم احسن گیٹ کیک بیچوں بیچ آکھڑا ہوا۔

براؤن پینٹ، سفید قمیص اور میچنگ ٹائی جوڑ ہیلی کر کے چھوڑ دی گئی تھی۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ!" شہوار ان کی طرف آکر شکریہ ادا کر رہی تھی۔

جبکہ اسد احسن کی سمت متوجہ تھے۔ شہوار نے پلٹ کر ان کی نظروں کا تعاقب کیا۔ دل بری طرح دھڑک گیا۔ سچ مچ ڈر لگا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسد نے خدا حافظ کہہ کر گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

شہوار نے گیٹ کی سمت قدم بڑھائے تو احسن نے راستہ چھوڑ دیا۔ شہوار نے پرس سے چابیاں نکالیں۔ اور لاک کھولنا شروع کیے۔

احسن غالباً چھوٹے سے لان میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا پرس، ریسٹ واچ، سگریٹ کی ڈبیہ ان چیزوں کے بیچ رکھی ٹیبل پر پڑی تھی۔

دروازے کھول کر اس نے لائٹس آن کیں۔ اپنی چادر اور پرس بوجھ کی طرح پھینکا۔

جلدی جلدی منہ ہاتھ دھو کر کچن میں چلی آئی۔

تنکا چور کی داڑھی میں ہوا کرتا ہے۔

لہٰذا اسے یہ خیال بھی نہیں آیا تھا کہ احسن اسے اسد کی گاڑی سے اترتا دیکھ کر کیا سوچے گا۔

بلکہ وہ تو یہ سوچ رہی تھی کہ گھر بند دیکھ کر اسے بے حد غصہ آ رہا ہوگا۔ اس نے جلدی سے چائے تیار کی۔ ایک کپ اپنے لئے اور ایک احسن کے لئے۔ اس کے بیڈ روم میں رکھنے آئی تو اسے باتھ روم میں پایا۔ چائے ایک پرچ سے ڈھانپ کر رکھ دی۔ اور واپس آ کر کھانے کی تیاری میں لگ گئی۔ ساتھ ساتھ چائے کے گھونٹ بھی بھرنے لگی۔ ضروری امور نمٹا کر وہ چاول صاف کرنے لگی۔ کچن کے سامنے کے کھلے حصے میں۔ وہاں قدرتی ہوا بھی آتی تھی۔ اور روشنی بھی ٹیوب کی براہ راست پڑتی تھی۔ وہ چاول ضرور صاف کر رہی تھی۔ مگر ہر لمحے ایک دھڑکا سا اسے ہولا رہا تھا۔ اسے چیخنے دھاڑتے مردوں سے بہت وحشت ہوتی تھی۔ بھاری اور برہم آوازوں سے اس کا دل بیٹھنے لگتا تھا۔

معاً اس نے سامنے کھڑپٹر کی آوزیں سنیں۔ سرمئی شلوار قمیص میں ملبوس پاؤں میں چم چم کرتی پشاوری چپل پہنے وہ گاڑی باہر نکال رہا تھا۔

"ہیں۔ یہ اب پھر کہاں جا رہے ہیں؟" وہ الجھی۔

جب وہ گاڑی باہر لے گیا تو وہ گیٹ بند کرنے اٹھی۔ جب تک گیٹ پر پہنچی گاڑی آگے بڑھ چکی تھی۔

وہ گیٹ بند کر کے اس کے بیڈ روم کی لائیٹ بند کرنے گئی تو گیلا تولیہ بیڈ پر پڑا تھا۔ اس نے جھک کر تولیہ اٹھایا۔ تو چائے کے کپ پر نظر پڑی۔ وہ جوں کی توں رکھی تھی۔ اور ٹھنڈی برف ہو چکی تھی۔ کیونکہ پنکھا فل اسپیڈ سے چل رہا تھا۔

البتہ یہ ظاہر ہوتا تھا کہ کپ کی چیکنگ ہوئی تھی۔ یعنی کپ کے اوپر رکھی پرچ ہٹائی گئی تھی۔ شاید یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ صبح کا رکھا ہوا تو نہیں ہے۔

اس نے کچھ نہ سمجھ کر جیسے شانے اچکائے۔ لائٹ اور پنکھا بند کر کے کپ واپس لے کر باہر آ گئی۔

اس نے دو تین آلو کے پراٹھے بنا کر ٹماٹر کی چٹنی تیار کی۔ ٹھنڈے پانی کی بوتل نکالی۔ اور بڑے سے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر رات کا کھانا تناول کرنے لگی۔ قدرے سکون کا احساس ہوا تو اس نے سارے دن کی کارروائی اپنے ذہن میں دہرانا شروع کی۔ کارکن عورتوں کی دکھ بھری کہانی۔

چپڑاسی کے ماضی کی داستان۔ جب اس کا باپ "پٹواری" ہوا کرتا تھا۔ اور وہ گندم مول نہیں خریدا کرتے تھے۔

اکرام صاحب کی "پھنے خانی" اور اسد کی مہربانی۔

کام تو کوئی اس قدر تھکا دینے والا نہیں۔ اگر اس "جابر سلطان" کا ہوا سر پر مسلط نہ ہو۔ اس نے احسن کے بارے

جا۔

فخص تو مجھے نچوڑ کر پی جائے گا۔

ائے کیسا بدل گیا ہے۔ یہ ایسا تو نہیں تھا۔ اگر یہ ایسا ہوتا تو میں آج اس مصیبت میں کیوں آتی؟

شکر ہے اس پر اس کی ماں کی گرفت ہے۔ تب ہی آج میں اسے مزا چکھانے کی پوزیشن میں ہوں۔

ائے مجھے اگر پتا چل جاتا کہ یہ شخص اس درجہ خود غرض اور ظالم ہے۔ ایک کسک سی دل میں ہونے لگی۔

مگر میری ان کی جان پہچان دو دن کی تو نہیں۔ میں نے تو جب سے ہوش سنبھالا ہے۔ ان کو اپنے سامنے دیکھا ہے۔

خالہ تو ہر قسم کی چھٹی کے موقع پر انہیں لانا نہیں بھولتی تھیں۔

چپ چپ۔ بردبار سے۔ اپنے کام میں مگن پڑھائی و کرکٹ تک محدود دنیا۔ کبھی کبھی شرارت کرتے تھے۔ مگر صرف ے ساتھ۔ اور یہ تو مجھے بعد میں پتا چلا کہ صرف میرے ساتھ ہی کیوں؟

مگر اب کیا ہوا؟ ان کے سر پر تو جیسے ہر وقت خون سوار رہتا ہے۔ یہ ایسے کیوں ہوئے؟

مگر بالکل بھی قابل رحم نہیں ہیں۔ انہوں نے میرے ساتھ پورے گھرانے کو دکھ دیا ہے۔ میں ان کی اس بدصورت ت و لغزش کا احساس ضرور دلاؤں گی۔ چاہے میرا مزید نقصان کیوں نہ ہو۔

ایک دم گھر کا دھیان آیا تو نوالہ حلق میں اٹکنے لگا۔

پتا نہیں، وہ لوگ میرے بارے میں کس انداز سے باتیں کرتے ہوں گے۔ نفرت و کراہیت کے ساتھ۔ بددعاؤں اضافے کے ساتھ۔ اس کا دل گھبرانے لگا۔ اس نے اٹھ کر ٹی۔ وی آن کر دیا۔ موسیقی کا پروگرام چل رہا تھا۔ مغنیہ سرا تھی۔

وہ باتیں تیری، وہ فسانے تیرے
شگفتہ شگفتہ بہانے تیرے

احسن کو ملکہ پکھراج کی آواز میں یہ غزل بے حد پسند تھی۔ ایک دن اس نے کئی مرتبہ یہ غزل سنی تو نیلوفر نے کہا۔ آپ کو یہ غزل اتنی کیوں پسند ہے۔ ایک دم لائٹ سی تو ہے۔ کوئی خاص گہرا خیال تو نہیں۔ بس ایسے ہی ہے جیسے۔

رب کا شکر ادا کر بھائی
جس نے ہماری گائے بنائی

"سخت بھونڈی ہو نیلو۔ بالکل حس لطیف سے عاری۔ تمہیں اس غزل میں حسن نظر نہیں آیا۔ تو اس کا مطلب ہے اللہ نے تمہیں حسن و حسن خیال سے بالکل پاک بنایا ہے۔"

اس نے نیلوفر کو چھیڑا تھا۔

"ذرا اپنی بہن سے پوچھو۔ کیسی ہے یہ غزل۔"

وہ ایک طرف بیٹھی دانیال کا کرتا کاڑھ رہی تھی۔ آفت کا رخ اپنی طرف دیکھ کر ایک دم سٹپٹا گئی تھی۔ احسن کی گرم ئی کا معمولی سا اظہار بھی اس کی جان پر بنا دیتا تھا۔

"کیا" بہانے" بناتی ہیں آپا؟" نیلو کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

"بہانوں کی کیا کمی ہے ادھر۔ اتنے ہیں کہ ضرورت مندوں کو ادھار بھی مل سکتے ہیں۔" احسن نے براہ راست اس پر لگایا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نیلوفر کی ہنسی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

''مثلاً؟'' اس نے ہنستے ہنستے پوچھا تھا۔

''بتادوں؟'' احسن نے مسکرا کر اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

''جھوٹ گھڑنے کی نہیں ہو رہی۔'' اس نے برا مان کر جواب دیا تھا۔

''آپ کو جھوٹا کہہ رہی ہیں۔'' نیلوفر نے اسے چڑھایا تھا۔

''کچھ کہیں تو سہی۔ کسی طرح اپنے قیمتی خیالات کا اظہار تو کریں۔ وگرنہ یہ حالت ہے۔ شگفتہ شگفتہ بہانے تیرے''

وہ گنگنایا تھا۔ نیلوفر کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا تھا۔ اور اسے وہاں سے اٹھنا پڑا تھا۔

بس ایک داغ سجدہ مری کائنات

جبینیں تری آستانے ترے

مغنیہ گا رہی تھی۔ اور اس کے ذہن میں حشر برپا ہونے لگے تھے۔

اس نے ٹھنڈے پانی کا گلاس لبوں سے لگاتے ہوئے اسکرین کو گھورا۔ جیسے اسے ہی مخاطب کرنے کا ارادہ ہو۔

کیا ہوتے ہیں لوگ۔ پھر کیا بن جاتے ہیں۔ یقین ہی نہیں آتا۔ اس نے سوچا۔ انسان جس سے محبت کرنے کا دعویٰ کرتا ہے اس کے احساسات کا خیال کیوں نہیں کرتا؟ جو وقت کے ساتھ چہرے بدلے۔

اسے محبت تو نہیں کہہ سکتے۔ وہ تو نری مصلحت یا خود غرضی ہوئی۔ محبت کرنے والا تو اتنا حساس ہوتا ہے۔ کہ اپنی وجہ سے دوسرے فریق کو مشکل میں ڈالنے کے بجائے اس کے عذاب بھی اپنے سر لے لینا چاہتا ہے۔ محبت میں ایثار نہ ہو تو وہ محض۔ معمول کی کارروائی ہے۔

مجھے تو مجھے۔ تم نے تو جانے کتنے بے گناہوں کو کانٹوں میں گھسیٹ لیا ہے۔ اس نے ٹی۔ وی کی آواز مزید تیز کر دی۔ تاکہ اندر کا احساس زیاں اس شور میں دب جائے۔ کچن میں آ کر اس نے چیزیں ٹھکانے پر پہنچائیں۔ پھر کل کے پہننے کے لئے کپڑے استری کرنے لگی۔ کل تین تو سوٹ تھے۔ جو ذرا اچھے محسوس ہوتے تھے۔

''یا اللہ۔ کیا میں ایک مہینے تک صرف تین سوٹ استعمال کروں گی۔ کیا اسد صاحب سے ایڈوانس کی بات کروں؟ مگر نہیں۔ اس طرح تو امیج خراب ہو گا۔ چلو۔ زندگی کا یہ رنگ بھی دیکھیں۔ وہ جیسے خود پر ہنسی۔ اور انہماک سے استری کرنے لگی۔

اگر یہ چوڑیاں ثمینہ پھوپھو نے نہ دی ہوتیں تو میں یہی بیچ دیتی۔ اس نے چوڑیوں پر نظر ڈال کر سوچا۔

اس نے کپڑے لٹکاتے ہوئے احسن کے بارے میں سوچا۔ کیا مجھے ان کے کام کرنے چاہئیں؟'' صفیہ نے بڑی حد تک اس کی سوچ پر اثر انداز ہو چکی تھیں۔

اور اسے خوابوں کی دنیا سے نکال کر حقیقت پسندی کی طرف لے آئی تھیں۔ جہاں محبوب اور شوہر کا فرق پتا چلتا ہے۔ اور انہوں نے اس پر واضح کر دیا تھا کہ وہ خوش نما ماضی کو بیمانہ بنا کر احسن کی پیمائش نہ کرے۔ وہ عشق کے کارزار کا جنونی نہیں۔ ٹھوس اور عملی انسان ہے۔ جس پر بھاری ذمہ داریوں نے اپنا پہرہ بٹھا رکھا ہے۔

اور یہ کہ طلاق یافتہ کا لیبل لگانے کے بجائے اپنی زندگی کو دانشمندانہ انداز اور حقیقت سے دوچار کرے۔

اس عمر میں تو سب ہی جذباتی ہوتے ہیں۔ کوئی ایسا بھی ہونا چاہیے جو جذبات کے بہاؤ کے سامنے رسانیت اور سلجھاؤ کے بند باندھے۔ یہ صفیہ ہی کا کمال تھا۔ کہ وہ احسن کے چائے پانی کا دھیان کر لیتی تھی۔ صفیہ نے جب سے ماش کے

طرح اکڑا ہوا خود سر پایا تو۔ شیخ رحیم الدین کے ساتھ گزارا ہوا ایک ایک لمحہ اس کے سامنے کر دیا تھا۔ بیانی شکل میں۔ نفذ، خوش شکل و خوش اطوار۔ صابر، زبردست قوت برداشت کی مالک خالہ کی المیوں سے پر زندگی نے اسے بھی یاں برداشت کرنے کا راستہ دکھا دیا تھا۔

ے محسوس ہوا۔ بڑے وہ ہوتے ہیں جو زیادہ برداشت کرتے ہیں۔

ہر سب سے بڑھ کر خالہ ہی کے ذریعے قدرت نے احسن کو نچا دکھانے کا سنہری موقع فراہم کیا تھا۔

وہ اسے بے حد زچ کر دینے کی خواہش مند تھی۔ تاکہ آئندہ وہ ظالمانہ فیصلے کرنے سے پہلے غور ضرور کر لے۔

وہ اپنی ماں اور خالہ کی تاریخ دہرانا نہیں چاہتی۔ مظلوموں کی قطار میں لگنے کے بجائے وہ سر کردہ کے دماغ درست نے کا عزم رکھتی تھی۔

یہ دراصل اسے بھی علم نہیں تھا کہ وہ کیا ہے۔ حالات کے اتار چڑھاؤ نے تو اسے خود پر واضح کیا تھا۔ اپنی پہچان ہوئی

اگر انسان آرام سے سب کچھ پاتا رہے تو اسے کچھ پتا ہی نہیں ہوتا۔ وہ یہی سمجھتا رہتا ہے کہ ساری دنیا مزے میں ہے۔

''ہائے اللہ۔'' اگر انسان سکھ اور تکلیفیں نہ اٹھائے تو کتنا بے وقوف۔'' بلی نے صوفے کے نیچے کھڑ پٹر کی تو سوچ کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

کام مکمل ہوا تو وہ بڑے خضوع و خشوع سے ''خبرنامہ'' دیکھنے لگی۔ پھر کرتی بھی کیا؟ توبہ کس قدر آوارہ گرد شخص ہے۔ میں یہاں بیٹھی رہوں؟

گیٹ کھول کر سوؤں گی تو اور منہ پھول جائے گا۔ سارا زلزلہ بے چاری پھول بی بی پر گرے گا۔

موسم کی خبریں شروع ہوئی۔ تو وہ وضو کرنے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وقت کاٹے نہیں کٹ رہا تھا۔ نماز اس نے اس لئے ادا کر دی تھی کہ ایک دم سناٹے سے اسے بہت خوف محسوس ہوتا تھا۔ سوچ رہی تھی کہ وہ آ جائے تو اطمینان سے نماز ادا کرے۔

کس قدر اذیت ناک انتظار سے بعد کال بیل رنگ ہوئی تھی۔

اس نے محض نجات کے لمحے پانے کی خاطر تیزی سے گیٹ کھولا تھا کہ بہر حال اس کی موجودگی سے ہر طرح کا خوف ختم ہو جاتا تھا۔

گیٹ وا ہوا اور وہ ایک دم تیزی سے پیچھے ہٹی۔ بمشکل اپنی چیخ کو دبایا تھا۔

احسن کے کالر سے لے کر نیچے تک خون کے چھینٹے تھے۔ اور دائیں بازو کی طرف بھی ننھے ننھے خون کے قطروں کے نشان تھے۔ احسن نے اس کی سمت دیکھے بنا پورا گیٹ وا کیا اور اپنی گاڑی اندر لانے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ راہداری کے دروازے کے بیچ کھڑی ہوگئی تھی۔ دل سوکھے پتے کی طرح کانپنے لگا تھا۔ اس نے دیکھا گاڑی ونڈ اسکرین ٹوٹی ہوئی تھی۔ اس نے کانپتے کلیجے پر ہاتھ رکھ لیا۔ وہ دروازہ بند کر کے اتر آیا اور گیٹ بند کرنے لگا۔

آگے بڑھا تو گزرگاہ میں وہ پتھر کی طرح ایستادہ تھی۔ احسن نے مجبوراً اسے ہاتھ سے ایک طرف کیا۔ تب وہ حواس میں آئی۔ جذباتی لڑکی ہی تو تھی۔ کوئی گھاگ اور آزمودہ کار عورت تو نہیں تھی۔ خون دیکھ کر ہی حواس کھو بیٹھی تھی۔

وہ اپنے بیڈروم میں چلا گیا تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی وہاں تک آئی۔ اور بند دروازہ کھول دیا تھا بغیر دستک دیے احسن قمیص کے بٹن کھول رہا تھا۔ آہٹ پر پلٹا تھا۔

اسے دیکھ کر پھر رخ موڑ لیا تھا۔ وہ آگے بڑھی، خون دیکھ کر اس کی حالت غیر ہو چکی تھی۔ دوسرے ونڈ اسکرین کی تباہی نے اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا کر دیے تھے۔

''اے.....ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے؟'' اس کی کانپتی آواز نے کمرے کے ماحول میں ارتعاش پیدا کیا۔

احسن نے کوئی جواب نہیں دیا اور ہاتھ اوپر کر کے قمیص اتارنا شروع کی۔ اس کے تو حواس گم تھے۔ اگر دھیان تھا تو صرف خون کی طرف۔

''ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے؟'' وہ دوبارہ بولی۔ جیسے پہلے اس نے سنا نہ ہو۔

''کیا نظر آ رہا ہے؟'' وہ خشک اور سرد لہجے میں بالآخر بولا۔

سفید بنیان پر خون کی سرخ، سرمئی قمیص کے مقابلے میں بہت گہری اور نمایاں تھی۔

خون گردن سے بہہ رہا تھا، یا بہا تھا۔

''آپ ڈاکٹر کے پاس کیوں نہیں گئے؟'' اس کی تو حالت خراب تھی۔ احسن خاموش رہا۔

''آپ ڈاکٹر کے پاس جائیے۔''

احسن نے جیسے اس کی آواز ہی نہیں سنی۔

اس نے خون آلود بنیان بھی اتار دی۔

''کیا کہہ رہی ہوں میں، ڈاکٹر کے پاس کیوں نہیں جا رہے؟'' اس کی آواز میں بے بسی اور آنسوؤں کی نمی غالب تھی۔

''مت 'بجو' یہاں، مجھے تمہاری ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔'' احسن کی غراہٹ سن کر تو اس کی حالت پتلی ہو گئی۔

وہ وہیں کھڑی ہاتھ ملتی رہی۔ پھر کچھ سوچ کر باہر نکل گئی۔ تھوڑی دیر بعد گرم پانی کے برتن کے ہمراہ دوبارہ داخل ہوئی۔ احسن ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھا گردن پر اور دائیں رخسار پر روئی کے پھائے رکھے ہوئے تھا۔

اس میں آیوڈین مکس ہے، یہ گرم پانی زخم صاف.....!''

''کیا تکلیف ہے تمہیں؟ لے جاؤ اپنا پانی وانی، اب دوبارہ میرے بیڈروم میں مت آنا۔'' احسن نے کڑے تیوروں سے اسے گھورا۔

سیاہ لباس میں ملبوس، نماز کے اسٹائل میں سیاہ دوپٹا اوڑھے چہرے پر خوف اور سراسیمگی، اس نے نگاہوں کا زاویہ بدلا۔

''مجھ سے خون نہیں دیکھا جاتا۔'' اس کی آنکھیں برس پڑیں۔

تو مت دیکھو، کس نے کہا ہے؟'' احسن نے پھر پتھر سے پھوڑے۔

''جاؤ یہاں سے۔'' وہ پھر آئینے میں گردن دیکھنے لگا۔

شہوار نے ہتھیلی سے آنسو پونچھے اور جھک کر اس کے سامنے سے روئی اٹھائی۔ پانی میں بھگو کر نچوڑی اور احتیاط سے رواں سے خون کے نشان مٹانے لگی، کیونکہ اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ کس دھبے کے نیچے خراش کا زخم ہے۔ گردن پر شیشے کے بہت باریک ٹکڑے چپکے ہوئے تھے۔ جنہیں بہت احتیاط سے صاف کرنے کی ضرورت تھی۔ معمولی سی رگڑ سے کھال بھی اتر سکتے تھے۔ بالوں پر شیشے کے ٹکڑے چمکتے دکھائی دے رہے تھے۔

''کس قدر خطرناک ہوتے ہیں یہ شیشے کے باریک ذرات مگر کس قدر ضدی ہے یہ شخص۔'' وہ فکرمند انداز میں شیشے کے چمکتے ذرات دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

اس کے رخسار کا زخم بھی کافی گہرا تھا، مگر اس طرف ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی فطری جھجک آڑے آئی۔ گردن کا پچھلا حصہ بغیر کسی مددگار کے صاف ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے چہرے کی نسبت گردن زیادہ متاثر ہوئی تھی۔

وہ شائد لعنت ملامت کا کوٹہ پورا کر چکا تھا۔ یا اس کے جذبہ بے اختیار کے ہاتھوں پابند ہو گیا تھا۔ نظروں کا رخ پھیرے خاموش بیٹھا رہا یا پھر اس کی مجبوری تھی۔

''بینڈ ایج تو گھر میں نہیں ہوگی۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے اس کی صورت آئینے میں دیکھی۔

''جو گاڑی ڈرائیو کرتا ہو یا ڈھیروں بدعاؤں کی زد میں رہتا ہو۔ اسے اس طرح کے انتظامات کر کے رکھنا ہوتے ہیں۔

اس نے دراز کھول کر فرسٹ ایڈ کا سامان نکالا۔ احسن کی آواز میں کسی قسم کا تاثر نہیں تھا۔ بالکل سپاٹ لہجہ تھا آیوڈین سے باہر والے باتھ روم سے مل گئی تھی، جو اس نے حل کر دی تھی۔

''آپ کے تو بالوں میں بہت سارے شیشے کے ٹکڑے ہیں۔'' اس نے اطلاع دی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"پیچھے ہٹو۔" شہوار کو اس کا لہجہ بہت انسلٹنگ محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے خود پر بہت جبر کیا اور پیچھے ہٹ گئی احسن نے ہاتھوں سے اپنا سر جھاڑا۔

آپ اپنے کندھوں پر کوئی کپڑا ڈال لیجئے، ورنہ یہ اسکن پر چپک جائیں گے۔ اس وقت مشورہ دینا اس کی سخت مجبوری تھی۔

احسن نے ہاتھوں کی گردش روک دی۔ وہ بھاگ کر ٹاول اٹھا لائی اور ذرا دور ہی سے تھما دیا۔ احسن نے تولیہ اپنے وجود پر پھیلا کر دوبارہ اپنے سر کو جھاڑنا شروع کر دیا۔

ہلکی سی، سی کی آواز کے ساتھ اس نے اپنا ہاتھ روکا تھا اور وہ تیزی سے قریب آئی تھی۔ کانچ کا نوکیلا ٹکڑا اس کی ہتھیلی میں گڑا ہوا تھا۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے ٹکڑا نکالا تو ہتھیلی پر سرخ خون ابل آیا۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟" اس نے بے اختیار اس کا ہاتھ تھاما پھر ایک دم چھوڑ دیا۔

"میں کیا کروں؟" وہ رونے لگی۔ میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا۔

دوسرے آپ کو کسی کی بات ماننے کی عادت نہیں ہے۔ اب کیا ہوگا؟ کس قدر کانچ ہی کانچ ہے۔ وہ بے حد پریشان سی ہو گئی۔

کاش ایسا ہو کہ تم ایک ہی دفعہ مجھے رولو۔ عذاب میں، میں ہوں رونا پیٹنا ان کا شروع۔ وہ جیسے عاجز آ کر بولا تھا۔

اف! انسان ہے یا زہر کا پٹارا، حرف حرف زہریلا، میں تو مرغی ذبح ہوتے نہیں دیکھ سکتی اور پھر یہ تو.....!

وہ روئی سے ہتھیلی صاف کرنے لگا۔

"بینڈیج لگا دوں؟" اس نے پھر اپنی خدمات پیش کیں۔

انسان وقت کے جذباتی دھارے میں بہتا جانے کیا کیا سوچتا رہتا ہے۔ یہ تو عمل کے وقت ہی فیصلہ ہوتا ہے۔ کہ کیا چاہیے؟

اور کس چیز کی اہمیت و ضرورت ہے۔ احسن نے اپنی برہم نظریں اس کی سمت اٹھائی تھیں اور وہ خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔

"مصیبت میں تو ڈال دیا ہے، زندگی آگ کا سمندر بنا دی ہے گولی مار دیجئے مجھے ایک مرتبہ، ہولا ہولا کر کیوں میری جان پر بناتے رہتے ہیں۔ آئے کیوں تھے اس حلیے میں؟ کسی اسپتال میں چلے جاتے۔ وہ ہچکیوں سے رونے لگی۔

رونے کا تو بہانا چاہیے تھا اور پھر کچھ سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا۔

"ادھر پپا، خالو جان، ادھر یہ..... بس ساری بہادری اسی میں ہے کہ عورتوں کو ڈراتے سہاتے رہو۔" وہ بری طرح ہچکیاں لے رہی تھی۔

"کیا لوگی چپ ہونے کا؟" اسکی تلخی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔

وہ یک دم چپ ہو گئی۔

واضح طور پر محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے دل میں جیسے قطعی گنجائش نہیں اور نہ ہی اس کے کسی عمل پر ردعمل ہے۔

اتنا روڈ، پتھر اور احساسات سے عاری محسوس ہو رہا تھا کہ کبھی اس نوبت کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ صاف شدہ زخم پر دوا لگانے لگی۔ اسے خود پتا نہیں تھا اس سے یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔ جبکہ وہ اس کا مجرم بھی ہے۔

ں سوں ناک بھی چڑھا رہی تھی اور بینڈیج بھی لگا رہی تھی۔ احسن کی ہتھیلی سے خون گاہے بگاہے ابھر رہا تھا۔ جو وہ ے پونچھ دیتا تھا۔ اس نے اس کا ہاتھ بقائمی ہوش و حواس زندگی میں پہلی بار تھاما۔ زندگی کی حرارت سے بھرپور گلابی لا مضبوط ہاتھ..... صاف شفاف، بہت کم لکیریں تھیں، جو تھیں بہت واضح تھیں۔

ں وقت وہ محض نرس تھی یا کمزور پریشان سی لڑکی۔ اس کے سفید نازک ہاتھ میں احسن کا بھرپور ہاتھ ایسے ہی لگ رہا اس نے اپنی طاقت سے زیادہ وزن اٹھا رکھا ہو۔

ں نے صرف پاؤڈر چھڑکا اور اس کی گردن کے زخموں پر بینڈیج مکمل کرنے لگی۔ وہ صرف اس کے زخموں کی طرف ۔ اس کی طرف نہ آئینے کی طرف اسے نہیں معلوم تھا کہ اسے دیکھا جا رہا ہے یا نہیں۔ اس نے ہمدردی اور انہماک کام مکمل کیا اور مزید ایک نظر اس پر ڈالے بغیر اس کی قمیص وغیرہ اٹھا کر باہر لے آئی تاکہ جھاڑ کر دھو ڈالے۔

یں اچھی طرح جھاڑ کر جب وہ دوبارہ اس کے بیڈ روم میں واپس آئی تو وہ فون کر رہا تھا۔ وہ سیدھی باتھ روم میں

سعود..... ہاں..... ہیلو! احسن بات کر رہا ہوں۔

یار! وہ صبح گھر سے ہوتے ہوئے جانا، شاید میں صبح آفس نہ جاؤں کلینک کتنے بجے جاتے ہو۔ ہاں یار ذرا ہوتے چلے جانا، ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ معمولی سا..... صرف ونڈ اسکرین ٹوٹی ہے..... ہڈیاں سلامت ہیں شاید اس لئے دور بیٹھی ہوئی مگر دعاؤں کا حصار کھینچ رہی ہے۔

گھر سے نزدیک ہوا ہے۔ میرا گھر تو ویسے ہی ویرانے میں ہے۔

ڈ اسکرین کے شیشے نے صرف زخم کیے ہیں، باقی خیریت ہے۔

ر ہوا کے رخ پر گاڑی تھی۔ اس لئے شیشے پوری طاقت سے کھال میں گھس گئے۔ سوزی کی کیری میں لوہے کے تھے، وہی ونڈ اسکرین سے ٹکرائے..... بس یار ذہن الجھا ہوا تھا۔ غلطی میری ہی ہے..... چھوڑو شکر ہے اتنے پر ہی ٹل ج تم دیکھ لینا۔ زخم ٹھنڈے ہوں گے تب ہی زیادہ تکلیف کا احساس ہوگا۔

یں یار! ابھی نہیں، رات خاصی ہو گئی ہے۔ تم آرام کرو۔ شکریہ۔ رات بھر کا انتظام ہو گیا ہے۔ ڈونٹ کیئر یار.....

"

ں نے ریسیور رکھ دیا تھا۔ وہ اس کے کپڑے دھو کر باہر نکلی تو وہ اپنے نائٹ سوٹ کی شرٹ پہنے، بیڈ پر آنکھیں ے دراز نظر آیا۔ وہ دبے پاؤں باہر آئی اور گیلری میں کپڑے پھیلا دیے۔

ر کچن میں آ کر دودھ گرم کیا، ایک بڑا گلاس تیار کیا۔ اس کے لیٹنے کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ کھانا نہیں گا۔ لہذا وہ گلاس ڈھانپ کر اس کے کمرے میں آئی اور سائیڈ ٹیبل پر گلاس رکھ دیا اور انگلی سے ٹیبل بجائی۔

..... دودھ، وہ آہستہ سے گویا ہوئی اور فوراً ہی باہر نکلنے لگی۔

شکریہ" میرا خیال ہے تمہاری جگہ اگر پھول بی بی ہوتی تو ..... یہی کچھ کرتی۔"

بے رحمی اور شقاوت سے پر لہجہ، سنگدلی کی معراج کو چھوتا ہوا یہ اس کی آج تک کی کارگزاریوں کا انعام تھا۔

ہنا میں کھیلتے کودتے..... ساتھ رہتے..... ہنستے بولتے..... جذبوں کے تبادلے کے بعد بالآخر آج یہ خراج وصول

ں کا جی چاہا رات کے اندھیرے میں وہ کسی طرف اندھا دھند بھاگ کھڑی ہو اور بھاگتے بھاگتے کسی کھائی میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاگرے اور زندگی کے پرندے کو آزاد کردے۔

''بے حس' بے ضمیر' اسے آج تک احساس نہیں ہوسکا کہ اس نے میرے ساتھ کس قدر زیادتی کی ہے۔ زندہ لاش بنا کر رکھ دیا ہے۔ ایک ٹیس سی سینے میں اٹھی تھی۔

شیخ رحیم الدین آج پھر ''فارم'' میں نظر آرہے تھے۔

''تمہاری ماں کہاں ہے؟'' انہوں نے انیلا سے دریافت کیا۔

''بازار گئی ہیں۔''

''اس عورت کا دل تو بس بازاروں ہی میں لگتا ہے۔ یہ کوئی وقت ہے شام کے ساڑھے پانچ بج رہے ہیں۔'' بڑبڑائے۔

''کُکر کی ربر بدلوانا تھی ابا جی۔ انیلا بولی۔

کیسی عجیب محتاجگی ہے پورا گھر دفتر جاتا ہے۔ فرصت نہیں گوشت گلانے کی، سارا دن پڑے سوتے ہیں سسرے۔ بکتے جھکتے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ کُکر کے بغیر گزارے نہیں ہوتے۔

نبیلہ نے گہری سانس لے کر انیلا کی سمت دیکھا۔

''سمجھ میں نہیں آتا کہ لعنت ملامت میں اصلاح کا کون سا پہلو نکلتا ہے۔

انیلا نے منہ بنا کر کہا تھا۔

اسی وقت صفیہ، احمر کے ہمراہ گھر میں داخل ہوئیں۔ بیٹیوں کے چہرے پر نظر ڈالتے ہی بولیں۔

''آ گئے تمہارے ابا جی؟''

''جی''

''چائے وغیرہ کا پوچھا۔'' ان کا فوری اگلا سوال تھا۔

''بنا رہی ہے بیلا، آپ کا پوچھ رہے تھے۔'' انیلا نے منہ بنا کر کہا۔

صفیہ سامان رکھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

''نیلی آپا کے ہاں گئے تھے احمر؟'' انیلا نے پوچھا۔

''نہیں صبح جاؤں گا۔ تھوڑی دیر کے لئے جاؤں گا تو وہ ناراض ہوں گی۔''

احمر نے سوچتی نظروں سے باپ کے کمرے کی سمت دیکھا تھا۔

''ابا جی کا موڈ خراب ہے آپا؟'' اس کے چہرے پر فکرمندی سی تھی۔

''کوئی نئی بات نہیں آج تمہارے پاس؟'' نبیلہ نے اس کے سر پر ہلکے سے چپت لگا کر تلخی سے ہنس کر کہا۔

''میں آپ کی خونی تعلق دار نہیں مگر اولاد تو آپ کی اپنی ہے۔'' معاً صفیہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے باہر نکلیں۔

''بس لینڈ لارڈ بننے کا ارمان باقی رہ گیا تھا۔ بیٹی دے کر یہ بھی پورا کریں گے۔ ایسے کیسے ہاں کہہ دیں جب کہ کچھ کنبہ نہیں دیکھا۔''

''بیٹی نہ بیاہنے کے لئے بہانا بنایا تھا۔ بیماری کا خدانخواستہ سچ مچ بیمار تو نہیں ہے۔''

''کیا ہوا امی؟'' انیلا پریشان ہو کر ان کی طرف بڑھی۔

''کیا ہونا ہے، نصیب ہی خراب ہے جو رشتے میرے سامنے آتے ہیں۔ وہاں بات نہیں بنتی اور جو چور دروازوں سے آتے ہیں۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہتی صحن میں بچھے تخت پر بیٹھ گئیں۔ چار دن سکون کے نہیں گزرتے۔

''کون لوگ ہیں امی؟'' انیلا نے اپنے سنہری بالوں کی چوٹی آگے کر کے بل ڈالنا شروع کر دیے۔

''ملتان کے کوئی زمیندار ہیں۔ لڑکے نے زیادہ نہیں پڑھا ہوا اور پھر آگے پیچھے رشتوں کی لائن دوڑی۔ چھ بہنیں اور بھائی ہیں..... سب چھوٹے..... سب کی ذمہ داریاں۔''

صفیہ گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔

''امی! ہمارے ہاں بھی تو رشتوں کی لائن ڈوری ہے۔ خالہ جان نے جب شہوار بھائی کا رشتہ دیا تھا۔ یہ سب سوچا ہو انہوں نے تو''..... انیلا چپ ہوگئی۔

''ہوں، مگر میرے بیٹے جیسا بھی کوئی ہو۔'' انہوں نے بصد افتخار کہا۔

''اگر کوئی غیر ذمہ دار جان چھڑانے والا ہوتا تو گھر سے دوری کو بہانا بنا کر الگ ہو جاتا۔ اتنی دور بیٹھ کر بھی تم لوگوں کا خیال کرتا ہے۔'' وہ مزید گویا ہوئیں۔

''امی! ہر ماں اپنے بیٹے کے بارے میں یہی رائے رکھتی ہے۔'' انیلا نے خاصی سچائی کا مظاہرہ کیا تھا۔

صفیہ ایک لحظے کے لئے چپ ہوگئیں۔

''اس کی ماں نہیں ہے بیٹے۔ سارا بوجھ لڑکے سر ہے۔ تم نہیں سمجھ رہیں۔'' صفیہ نے بیٹی کو سمجھایا۔

''پیسہ تو ہے امی! آج کل سارے بوجھ پیسہ اتار دیتا ہے۔'' انیلا نے دونوں بہنوں کی خوش حالی کو مدنظر رکھ کر کہا تھا۔

''مگر پیسہ ہر شے کا علاج نہیں ہوتا بیٹے۔ انجان و اجنبی لوگ ذمہ داریوں کا ڈھیر، یہ تو وہی مثل ہوگئی، ''آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔''

وہ گہری فکرمندی سے کہہ رہی تھیں۔

''اور پھر سب سے بڑا ہے، کیا معلوم عمر کیا ہوگی؟''

صفیہ دودھ کی جلی ہوئی تھیں۔ انہیں شیخ صاحب پر اعتبار نہیں رہا تھا۔

ملتان میں لڑکیاں نہیں ہیں کیا؟ دور دنزدیک کے لوگ انہیں بیٹی نہیں دے رہے۔ تب ہی تو وہ اتنی دور دیکھ رہے انہیں طرح طرح کے وہم ستانے لگے تھے۔

''آپ دیکھ تو لیں! امی!''

''خاک دیکھ لوں، تمہارے باپ تو سب کچھ کر کرا کے فیصلہ سنا دیتے ہیں، کہہ رہے ہیں لڑکے کی پھوپھی اور بہنیں دیکھنے آئیں گی۔ لڑکی پسند آگئی تو انگوٹھی پہنا جائیں گے۔ بقول تمہارے باپ کے انہیں تو سوجان سے منظور ہے یہ سب کیا دیکھوں، لڑکی تو ہے ہی اچھی، پسند کیوں نہیں آئے گی، کیا عیب ہے؟''

''پھر بھی امی! دیکھ تو لیں.....'' انیلا کو نبیلہ کا ''سانحہ'' نہیں بھولتا تھا۔

''مرے مجھے اعتبار نہیں رہا اب اُن کا، سیدھی سی بات ہے.....'' وہ تلخی سے گویا ہوئیں

''مگر امی! نیلی آپا کا رشتہ بھی تو ابا جی ہی نے کیا تھا، کتنے شاندار ہیں بابر بھائی.....''

''بابر تو اچھے ہیں، پتا نہیں دل مطمئن کیوں نہیں، مجھے اپنی بچی کا چہرا سہاگن کی طرح کھلا نہیں لگتا..... ایک عجیب سا اداس کی آنکھوں سے جھلکتا محسوس ہوتا ہے، کچھ بولتی بھی تو نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ بات نہیں ہے امی! آپا تو بہت خوش ہیں، ایسے ٹھاٹ سے نوکروں سے کام لیتی ہیں، بالکل ملکہ جیسی لگتی ہیں وہ تو..... اتنا بڑا گھر اُن کے اشارے پر چلتا ہے۔" انیلا نے فوراً ماں کی بات کاٹ کر رشک بھرے لہجے میں کہا تھا۔

"یہی تو فرق ہے ماں بہن کی نظر میں۔" صفیہ یاسیت سے بولیں۔

"امی! نیلی آپا کو شاید بلو آپا کا بہت دُکھ ہو..... بلو آپا کی اچھی جگہ شادی ہو جائے تو نیلی آپا کو بھی بچی خوشی مل جائے گی....."

"ہاں شاید، یہ بات ہو، بہت حساس ہے میری بچی، اللہ نے اسے بہت سمجھ اور حوصلہ دیا ہے۔ وہ میرے ساتھ تو مجھے بڑا سہارا رہتا تھا۔ میرے گھر کا تو انمول ہیرا لے کر گئی ہیں مہر افروز..... وہ اُن کی بیٹی..... کل کی لڑکی کیا چھائی کر ہے، نائلہ کے پیچھے پڑ گئی تھی۔

بیٹیاں تو میری سب ہی اچھی ہیں، مگر نائلہ..... میری سچی غم خوار، بغیر کہے میرے دل کی حالت جانتی تھی۔ اُسے ڈھیروں خوشیاں دے، اُسے گھر میں ہمیشہ سکھ ملے، اللہ اُسے خوش بخت اولاد دے، میری بچی کو اللہ اپنی امان میں رکھے۔" انہوں نے آنچل پھیلا کر نائلہ کو دُعائیں دیں۔

"وہ لوگ کب آئیں گے امی؟" انیلا کو پھر سے نیا موضوع یاد آیا۔

"اتوار کی شام کا کہہ رہے ہیں۔" صفیہ نے افسردگی سے جواب دیا۔

"تو ہم گھر کی صفائی شروع کر دیں؟"

"گھر تو صاف ہی ہے بیٹے، خواہ مخواہ جان ہلکان کرنے کا کیا فائدہ؟"

انہوں نے بددلی سے کہا۔

"امی" انیلا نے پھر مخاطب کیا۔

"ہوں....."

"امی! احسن بھائی اور شہوار بھابی کی دوستی ہو گئی؟" اُس نے جھجکتے ہوئے ذہن میں کلبلانے والا سوال آخر کر دیا.....

"دونوں کی مرضی سے ہوا تھا یہ نکاح، گنجائش نکل ہی آنا تھی، سمجھا آئی ہوں۔ مگر احسن کے اطوار مجھے کھٹک رہے ہیں، شاید مجھے دکھانے کو ایسا کر رہا ہو، شہوار کو واقعی سمجھانا مشکل تھا، بچی جو ہے....."

"ہوں، تو بیٹے سے ملاقات آخر کر کے ہی آئیں..... مجھے تو پہلے ہی شک تھا۔" اچانک قریب سے شیخ صاحب کی آواز ابھری۔

ایک لمحے کو تو صفیہ دم بخود سی رہ گئیں۔

"تو پھر کیا کرتی اُس کٹی پتنگ کا، جسے نہ اُس کے ماں باپ رکھنے پر راضی اور نہ آپ..... آخر میری بھی بیٹیاں ہیں جیسا کروں گی، وہی میرے آگے آئے گا، کس اندھے کنوئیں میں پھینکتی پھر؟ انہوں نے بہت سنبھل کر جواب دیا تھا۔

"تمہیں تو بہانا چاہئے تھا اُس نمک حرام کے پاس جانے کا۔ کوئی عقل مند عورت ہوتی تو ایسے بیٹے کو شرم سے مرنے کو کہتی۔ بڑی ناک والے بنتے ہیں نواب بہادر، جس کا تھوک دیا تھا۔"

"شیخ صاحب! خدا کے لیے چُپ ہو جائیں، آپ کے آگے بھی بیٹیاں ہیں۔ بیٹی کے لیے لفظ چھونا انتہائی ہے، آپ تو ایسے طعنہ زنی کرتے ہیں، جیسے آپ کا اس کا برابر کا رشتہ ہو۔ بچے غلطیاں کرتے ہی ہیں۔ بڑوں کو تو اپنی

بھرم رکھنا چاہیں۔" صفیہ کے لہجے میں ملامت تھی۔

"غلطیاں..... ہونہہ! ارے کسی کی غیرت تمہارے لال نے سڑکوں پر اُچھال دی، یہ غلطی ہے، قتلِ عمد سے بھی بڑا گناہ تھو۔" شیخ صاحب نے نہایت حقارت سے کہا۔

"گناہ ثواب کی بات نہ کریں شیخ صاحب! بات بہت نازک ہو جائے گی۔" صفیہ نے ناراضگی سے کہا۔

"اُس کی غلطی پر نظر ڈالنے سے پہلے یہ دیکھ لیجیے، کس کے پیدا کردہ حالات نے اُسے یہ انتہائی قدم اُٹھانے پر مجبور کیا۔" صفیہ نے کہا۔

"ارے مَیں اتنا بے ضمیر نہیں کہ کسی کی بیٹی کو آنکھوں کے سامنے زندہ دفن ہوتے دیکھوں۔ مجھے اُس بچی کی خواری نہارے لاڈلے کے ہاتھوں صاف نظر آ رہی تھی..... اس کے ماں باپ کو حقیقت سے آگاہ کرنا میرا اخلاقی فرض تھا۔" وہ ہی سے گویا ہوئے۔

(اخلاقی فرض! ہونہہ..... اپنے مطلب کے تو سب اخلاق یاد ہیں) صفیہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ انیلا اُٹھ کر جا چکی تھی۔

"بچی کو دوبارہ جہنم میں جھونک آئیں، حالانکہ اُس نے صاف کہہ دیا تھا کہ اُسے تمہارے جگر گوشے سے نجات چاہیے۔" وہ کف اُڑا رہے تھے۔

"یعنی، میں بھی بچوں کے ساتھ بچی بن جاؤں، بچہ کھیلنے کے لیے چاند مانگتا ہے تو لوگ آسمان سے چاند توڑ لاتے ہیں؟" صفیہ نے ناراضگی سے سوال کیا۔

"مگر وہ بچی نادان نہیں، وہ حقیقت کو پہچان چکی تھی۔ تمہاری طرح اس کی آنکھوں پر مامتا کے جذبات کی پٹی نہیں بندھی تھی۔" شیخ صاحب چنگھاڑے۔

"تو پھر آپ نے کیوں نہیں رکھ لیا اُسے؟ اگر ایسی ہی ہمدردی تھی؟" صفیہ نے قدرے پُرسکون لہجے میں سوال کیا۔

"میں ہزار بار اُسے گھر بُلانے اور رکھنے پر راضی ہوں، تمہاری بھانجی کی حیثیت سے، تمہاری بہو کی حیثیت سے نہیں مجھے اُس ناہنجار سے وابستہ ہر شے سے بیزاری ہے۔"

"مگر اس وابستگی میں ہمارا تعاون بھی شامل رہا ہے۔" صفیہ نے یاد دلایا۔

"ہاں مگر وہ تعاون اُس وقت تھا جب وہ میرا بیٹا تھا، اب اُس سے میرا کوئی تعلق نہیں، جس روز وہ میرے مقابل آیا تھا اس روز سے میرا اُس سے ہر رشتہ ختم۔" شیخ صاحب پشت پر ہاتھ باندھ کر ٹہلنے لگے۔

"رشتے اس طرح بھی ختم ہوتے ہیں۔" صفیہ پھر بولیں۔

"ہاں، رشتہ اسی وقت تک ہوتا ہے جب ذہن اسے قبول کرتا ہے۔ میرا ذہن اُسے قبول کرنے سے انکار کر چکا ہے..... وہ برہمی سے بولے۔

"تم نے میرے حکم کی خلاف ورزی کر کے، اپنی شامت بُلائی ہے، اگر نبیلہ کا مسئلہ شروع نہ ہوتا تو میں تم کو اجازت دیتا کہ تم ہمیشہ کے لیے اپنے لختِ جگر کے پاس چلی جاؤ۔ سُنا ہے، بہت مال کما رہا ہے، کر رہا ہوگا اسمگلنگ اور اُسے آتا بھی کیا ہے، جس مزاج کا مالک ہے، اُس حساب سے تو ڈاکے اور اسمگلنگ سے ہی دولت کما سکتا ہے۔ تم اُس کی حرام کی کمائی پر عیش کرنا چاہو تو تمہیں نہیں روکوں گا۔"

"بس کریں شیخ صاحب۔" صفیہ بلبلا کر رہ گئیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ پر نعوذ باللہ وحی اُترتی ہے جو اپنے شک یقین کی طرح بیان کرتے ہیں، اللہ کا خوف کریں۔''

''تمہارے پیٹ میں اسی طرح درد ہوتا ہے، جب بھی میں اس کی حقیقت بیان کرتا ہوں، تمہارے نزدیک ہوگا۔'' ولی اللہ، میرے سامنے اس کی وکالت کرنے کی کوشش مت کیا کرو، شیطان کی نسل ہے نا ہنجار۔''

صفیہ کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ کا عکس پھیل گیا۔ وہ تکیہ لگا کر لیٹ گئیں۔

''بلو! ہانڈی چڑھا دو بیٹا!''

''اور سنو! اگر تم اپنے شہزادے سے کچھ لے کر آئی ہو تو میرے گھر میں خرچ مت کرنا۔ مَیں اپنی حق حلال کی کمائی ناپاک نہیں کرنا چاہتا۔''

صفیہ خاموش رہیں۔

''اُس معصوم بچی کی آہیں تمہارے سر جائیں گی صفیہ بیگم، تم اُسے درندے کی کچھار میں چھوڑ کر آئی ہو، دِق نہ ہو گئی اُسے تو میرا نام بدل دینا۔'' وہ بڑبڑائے۔

''اللہ نہ کرے۔'' صفیہ نے ہول کر بے ساختہ کہا۔ ''کیا فٹ پاتھ پر بٹھا آتی؟'' صفیہ نے تلخی سے کہا تھا اور کروٹ لے آنکھیں موند لی تھیں

شہوار کاریگروں کے نزدیک ٹہل رہی تھی۔ ایک سیمپل اُس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اُس کی نزاکتیں اور باریکیاں جانچ رہی تھی۔ اُلٹ پلٹ میں مصروف تھی کہ چپراسی نے اُسے متوجہ کیا۔

''مِس! آپ کو صاحب بُلا رہے ہیں۔''

''اکرام صاحب؟'' وہ رک گئی۔

''جی نہیں اسد صاحب۔'' اُس نے وضاحت کی۔

''اسد صاحب! اچھا آ رہی ہوں۔'' اُس نے دوپٹے کو ترتیب سے سنبھالا اور چل پڑی۔

دروازہ تھپتھپایا۔

''کم اِن'' اسد کی شائستہ اور سنجیدہ آواز اُبھری۔

شہوار آفس میں داخل ہو گئی۔ وہ بغور اُن کا چہرا ابھی دیکھ رہی تھی۔

''تشریف رکھیے۔'' اسد نے نظریں اُٹھائے بغیر کہا تو وہ بیٹھ گئی۔

''بی بی! آپ نے اپنے کوائف ابھی تک جمع نہیں کرائے ٹھیک ہے کہ آپ کا کام لکھت پڑھت کا نہیں ہے مگر ذمہ داری کا تو ہے۔ آپ انگریزوں کی زبان پوری صحت کے ساتھ بول لیتی ہیں، سمجھ لیتی ہیں، آپ کے پڑھے لکھے ہونے کا واضح ثبوت ہے۔ مگر ملازمت کے کچھ اصول و قواعد ہوا کرتے ہیں۔ آپ سمجھ رہی ہیں ناں بی بی؟''

''جی سر!'' شہوار کی آواز بہت آہستہ تھی۔

''دیکھیے بی بی! بغیر کوائف کے تو آج کل لوگ گھریلو ملازمین بھی نہیں رکھتے، یہ تو پھر ایک منظم فیکٹری ہے۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے درخواست لکھ کر میرے سامنے دی ہے۔ پھر آپ کی نشست و برخاست اور مجبوری کا انتہائی اظہار ہم نے آ موقع دیا، آپ نے اچھی کارکردگی اور محنت کا مظاہرہ کیا۔''

معاف کیجیے گا سر۔'' شہوار درمیان میں بول پڑی۔

میرے کوائف جس جگہ ہیں، وہاں میرا رابطہ نہیں ہو رہا، سر میں کچھ لے کر بھاگوں گی نہیں، آپ اطمینان رکھیے۔

چال ہے کہ مجھے کپڑوں کے لئے پیسے کی سخت ضرورت ہے۔ مگر میں نے ایڈوانس کی بات اس لئے نہیں کی کہ آپ

ن میری ضمانت کا کوئی ثبوت نہیں، میں آج ہی ٹرائی کروں گی۔ اپنے چھوٹے بھائی کو فون.....''

ہیں، یہ منہ سے کیا نکل گیا۔ شہوار گھبرا کر چپ ہو گئی۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ بات کو کیا رخ دے۔

سد بہت غور سے اس کی ایک ایک حرکت دیکھ رہے تھے۔

''آپ کے چھوٹے بھائی کہیں دور ہوتے ہیں، مثلاً دوسرے شہر میں۔''

نہیں سر..... جی سر۔'' اس کی حالت غیر ہو گئی۔

''میں کچھ سمجھ نہیں پا رہا، آپ کیوں مجھے شک میں مبتلا کر رہی ہیں، آپ ہی نے تو کہا تھا کہ آپ اکیلی ہیں؟'' اسد

لجھ گئے۔ ''اکیلی کا مطلب تو یہ نکلتا ہے کہ دنیا میں آپ کا کوئی نہیں۔''

''اللہ نہ کرے، یہ بات نہیں سر! موجودہ حالت میں تنہا ہوں، رشتے تو سب ہیں۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔

اسد کے ذہن میں ایک جھماکا ہوا۔ گیٹ میں کھڑا ہوا ویل ڈریس وجیہہ سا مرد۔

''بی بی! آپ کرائے کے مکان میں رہتی ہیں؟'' ان کے ذہن میں فطری تجسس ابھرا۔

''جی نہیں۔''

''پھر آپ کے تنہا گھر کے مین گیٹ پر جو صاحب.....؟''

شہوار نے گھبرا کر ان کا چہرا دیکھا۔ (اس طرف تو میرا دھیان ہی نہیں گیا)

''وہ آپ ہی کا گھر ہے ناں؟'' اسد کے لہجے میں رسانیت و ملائمت تھی۔

''جی سر۔''

''اور وہ صاحب، آپ کے گھر ہی میں تو تھے، جبکہ آپ کا کہنا ہے..... بی بی کچھ کچھ بات میری سمجھ میں آ رہی ہے۔

معاشرے سے بغاوت کے بعد لڑکیاں اسی طرح تنہا.....!''

''پلیز سر!'' شہوار جیسے تڑپ گئی۔ اب بات کردار پر آ گئی تھی۔

''سر! اس سے قبل کہ میری ذات مشکوک ٹھہرے، میں آپ کو سچ سچ بتا دیتی ہوں، اس لئے کہ مجھے اپنا وقار ہر شے

مقدم ہے۔

وہ میرے شوہر ہیں سر۔ اس کی آواز بہت آہستہ تھی۔

''جی!'' اسد سنبھل کر بیٹھے۔ ایسا نک سک سے درست شوہر اور کپڑوں کے لئے ایڈوانس کی ضرورت.....!'' ان کا

دماغ چکرا گیا۔

''تو بی بی! میرا مطلب بھی یہی ہے کہ آپ لوگوں نے شادی کی تو سب کو ناراض کر دیا، اسی وجہ سے آپ کو کوائف اپنے

چھوٹے بھائی سے منگانا چاہتی ہیں۔'' اسد نے امکانی نتیجہ نکالا اور سنا بھی دیا۔

''ہماری شادی ہمارے بزرگوں کی موجودگی میں ان کی رضامندی سے ہوئی تھی سر! ہماری کورٹ میرج نہیں ہے۔''

''آپ کے شوہر جاب لیس ہیں؟''

''نہیں سر! وہ تو ڈبل کام کرتے ہیں۔ گورنمنٹ سروس میں بھی ہیں اور پرانے دوست کے ساتھ بزنس بھی شیئر کرتے

ہیں۔'' اس نے اسد سے صرف سچ بولنے کا تہیہ کر لیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اوہ!'' اسد نے سر تھام لیا۔ ''پھر ہمارے ہاں ملازمت آپ کی مجبوری کیسے ہوگئی؟''

''سر! میں اپنا بوجھ خود اٹھانا چاہتی ہوں۔

''جھگڑا ہے؟'' اسد فوراً بات کی تہہ میں اتر گئے۔

''آپ خیال نہ کیجیے گا بی بی! آپ چونکہ وی آئی پی ڈومیسٹس ہیں، اس لئے اپنے ملازمین کی چھان بین ہماری مجبوری ہے۔

''کوئی بات نہیں سر! بلکہ آپ کا تو شکریہ ادا کرنا میرا فرض ہے کہ آپ نے میرا بھروسا کیا۔ مگر آپ فکر نہ کیجیے میں ہی کوائف جمع کرادوں گی۔ انشاء اللہ۔''

''آپ کی شادی کو کتنا عرصہ ہو چکا ہے؟'' اسد نے نہ جانے کیوں پوچھ لیا۔

وہ سبز و سفید پرنٹ کے تھری پیس سوٹ میں ملبوس مجرموں کی طرح سر جھکائے بیٹھی ہونٹ کاٹ رہی تھی۔

'ہمارا صرف نکاح ہوا تھا سر!'' وہ جھجکتے ہوئے گویا ہوئی۔

''میں سمجھا نہیں، نکاح و شادی میں کیا فرق ہوتا ہے؟'' اسد کی جنرل نالج اس معاملے میں خاصی محدود تھی۔

''میری رخصتی نہیں ہوئی تھی، اس لئے کہ اس وقت میری تعلیم مکمل نہیں تھی۔ اسے اس موضوع پر بات کرتے ہو۔ اسد سے بہت حیا محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے سنسر کے ساتھ ضروری ضروری واقعات کے خلاصے بیان کر کے جیسے جا چھڑائی۔ اسے یہ سب بہت مجبوری میں کرنا پڑا تھا کہ اس کی پوزیشن خراب ہو رہی تھی۔

''ہوں، تو یہ بات ہے۔'' اسد نے اپنی مقناطیسی نظریں صرف ایک لحظے کو اٹھائیں۔

''مگر یہ تو وہ جھگڑا ہے، جس کا ابھی کوئی حل نہیں نکلا۔'' اسد نے اسے یاد دلایا۔

''نکل تو گیا ہے سر، میں اپنا بوجھ خود اٹھاؤں گی۔ مجھے اس شخص سے کیا سروکار جس نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا۔''

اسد بے ساختہ مسکرا دیے۔ نری جذباتیت و بچپنا، وہ اپنے کاغذات پر جھک گئے۔

''میں جاؤں سر؟

میں اپنے کوائف جلد ہی جمع کرادوں گی، کیا نکاح نامہ بھی دکھانا ہوگا سر؟''

''لاحول ولا قوۃ'' اسد واقعی جھینپ گئے تھے۔

''میں آپ سے معذرت کر چکا ہوں بی بی، وہ سوالات میری مجبوری تھے، وگرنہ حقیقت تو یہ ہے مجھے ساری دنیا بے خطا و سادہ دکھائی دیتی ہے۔'' انہوں نے نظریں جھکا کر خاصے شرمندہ انداز میں کہا تھا۔

وہ دروازے کی سمت بڑھ گئی۔

اسد نے اس کی کمر پر لہراتی سیاہ چوٹی کو اس طرح دیکھا جیسے وہ اپنا حساب کتاب دوبارہ ترتیب دے رہے ہوں۔ انہوں نے گہری سانس لے کر ریوالونگ چیئر سے اپنا سر ٹکا دیا تھا۔

فیکٹری کی وین اسے دروازے تک چھوڑ گئی تھی۔ آج تو احسن گھر پر ہی تھا۔ سارے گھر کی روشنیاں جلی ہوئی تھیں۔ وہ جلدی جلدی سیدھی چلتی گئی۔ ڈرائنگ روم میں اپنا پرس اور چادر پھینک کر کچن میں گھس گئی۔ سارا کچن تپ تھا، جان جل کر رہ گئی۔ دوپٹا کرسی پر ڈال کر جلدی جلدی ہاتھ منہ دھویا، چائے کا پانی رکھا اور کھانے کی تیاری میں لگ گئی۔

دل میں کھد بد ہو رہی تھی کہ خدا معلوم اس کا کیا حال ہے؟ کیا کر رہا ہے؟ آج تو گیٹ بھی کھلا ہوا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ جاگ رہا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی اس کے بیڈروم کی طرف آئی، دروازہ دھیرے سے کھولا اور سر اندر ڈال دیا۔ مگر

دم پیچھے ہوگئی۔

سفید شلوار قمیص میں ملبوس کوئی صاحب کرسی پر بے تکلفی سے بیٹھے دھیرے دھیرے باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا۔ احسن نے بھی ان صاحب کی نگاہوں کا تعاقب کیا تھا..... مگر نظریں فوراً موڑ لی تھیں کیونکہ اسے دیکھ لیا گیا تھا، لامحالہ سلام کرنا فرض ہو گیا تھا۔

''السلام علیکم۔'' وہ دروازے کے بیچ کھڑی ہوگئی۔

''وعلیکم السلام''۔ ان کی نظریں سوالیہ تھیں۔ انہوں نے احسن کی طرف دیکھا تھا۔

''رشتے دار ہیں۔'' احسن نے پھر پتھر پھوڑے تھے۔

''اچھا! تمہارے ساتھ ہی رہتی ہیں۔ تمہاری فیملی تو اسلام آباد میں ہوتی ہے غالباً۔ وہی صاحب گویا ہوئے۔

بلیک سوزوکی تو کھڑی تھی، وہ سمجھی برابر والوں کی ہے۔ اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ظاہر ہے کوئی دوست ہی ہوگا عمر اور انداز یہی بتا رہے تھے۔

اس نے چائے بنائی، دو کپ تیار کئے، ایک پلیٹ میں بسکٹ رکھے اور دوبارہ اس کی خواب گاہ میں چلی آئی۔ دروازہ ہلکے سے تھپتھپایا اور اندر آ کر سائیڈ ٹیبل پر چائے کی ٹرے رکھی اور بغیر ادھر ادھر دیکھے باہر نکل آئی اور کھانے کی تیاری میں لگ گئی۔

''ہاں، بس اب تو تم سے صرف رشتے داری ہی ہے۔ اس نے پیاز کاٹتے ہوئے سوچا۔'' مجھے بھی یہ منظور نہیں کہ تم میری ذات کے ساتھ اپنا حوالہ دو، کیا بنا کر رکھ دیا ہے مجھے۔''

وہ کافی دیر اپنے کام میں مصروف رہی تھی معاً اس نے کال بیل کی آواز سنی۔

''الٰہی! اس گھر میں بھی لوگوں نے آنا شروع کر دیا ہے۔'' وہ دوپٹا اٹھا کر باہر آئی۔ دیکھا تو وہی صاحب باہر کھڑے تھے جو ابھی احسن کے پاس بیٹھے تھے۔ وہ بڑی حیران ہوئی کہ کال بیل کس خوشی میں بجائی گئی۔

''مجھے ڈاکٹر مسعود کہتے ہیں، میں صبح بھی آیا تھا، احسن کو سخت بخار ہے۔ سخت لاپروا شخص ہے، میں سمجھا کہ وہ یہاں تنہا رہتا ہے۔ اب معلوم ہوا کہ آپ لوگ بھی ساتھ رہتے ہیں۔'' ڈاکٹر مسعود نے ''لوگ'' کی اصطلاح استعمال کی۔ وجہ یہی سمجھے تھے کہ وہ اپنی فیملی کے ساتھ اس گھر میں ہوتی ہے۔

''صبح بخار میں دیکھ کر گیا تھا، اس لئے اب دوبارہ چلا آیا تھا۔ آپ پلیز، اس کا خیال کیجیے گا، کوشش کریں کہ یہ دو دن کم از کم ریسٹ لے۔ شکریہ..... خدا حافظ۔''

وہ پلٹ گئے اور گاڑی میں بیٹھ گئے، جس کا ایک طرف کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ جاتی ہوئی گاڑی کو دیکھتی رہی پھر آہستہ سے گیٹ بند کیا اور واپس کچن میں آ گئی۔

کھانا تیار کر کے عشاء کی نماز پڑھی۔ نماز کے دوران خیال آیا کہ نوفل اکیڈمی میں نو بجے تک ہوتا ہے۔ اس سے اسی وقت بات ہو سکتی ہے۔ گھر پر فون کرتے ڈر لگتا ہے۔ مبادہ فون پپا اٹھائیں، عموماً فون وہی اٹھاتے تھے۔

اس نے پندرہ بیس منٹ میں نماز مکمل کی اور جائے نماز تہہ کئے بغیر صوفے پر ڈال کر احسن کے بیڈروم میں چلی آئی۔ وقت مجبوری تھی کہ فون اسی کے کمرے میں تھا۔

احسن نیم دراز اخبار دیکھ رہا تھا۔ آہٹ پر سامنے متوجہ ہوا تھا۔ اسے سامنے دیکھ کر دوبارہ اخبار چہرے کے سامنے کر لیا تھا۔ فون کا سیٹ عین اس کے سر پر تھا۔ وہ فون کی سمت ہی لیٹا تھا۔ وہ کھڑی انگلیاں مروڑتی رہی، مگر اس اللہ کے بندے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے مخاطب نہیں کیا۔

''مم..... مجھے فون کرنا ہے۔'' اپنی بے بسی اور بے چارگی پر اسے رونا آ گیا تھا۔

احسن، دوسری طرف کھسک گیا، بنا دیکھے بغیر بولے۔

وہ آگے بڑھی اور سیٹ اٹھا کر کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

نمبر اتنا اہم تھا کہ زبانی یاد تھا۔ ماں جائے سے رابطے کی مضبوط زنجیر۔

دو مرتبہ کی ٹرائی کے بعد نمبر مل گیا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

''ہیلو..... کون؟ شفقان بھائی! السلام علیکم..... آپ تو ملک سے باہر گئے ہوئے تھے؟''

''اچھا! نوفل ہے؟''

احسن کے اخبار پھڑ پھڑانے کی آواز آئی۔

''نہیں ہے۔'' اس کی نبض رکنے لگی۔ آواز پر مردنی سی چھا گئی۔

''میں گھر فون نہیں کر سکتی، میں اس سے بات کروں گی۔ لامحالہ وہ مجھے جواب بھی دے گا۔ مشکل ہو جائے گی، جی کچھ ذاتی پرابلم ہے، آپ اسے بلوا دیں، میرا ذکر نہ کیجیے گا پلیز! میں پندرہ منٹ بعد پھر فون کروں گی۔ شکریہ اس نے ریسیور رکھ دیا۔

فون وہیں رہنے دیا اور باہر نکل آئی۔

کھانا کھانے لگی تو دھیان آیا وہ بخار میں ہے۔ کھانے کا پروگرام ملتوی کیا اور ایک انڈا ابوائل کیا۔ سلائس سینکے، تازہ چائے تیار کی اور پھر وہیں چلی آئی جہاں آتے ہوئے قدم من من بھر کے ہو جاتے تھے۔

دورازہ آہستگی سے کھولا اور آہستہ ہی چلتی ہوئی سائیڈ ٹیبل تک آئی۔ ٹرے ٹیبل پر رکھی۔

''میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔'' آواز میں وہی بے رحمی تھی۔

''کھانا نہیں ہے۔'' اس نے بہت جبر کرتے ہوئے جواب دیا اور باہر نکلنے لگی۔

تو پھر کیا ہے زہر ہے؟'' اس نے بڑبڑاہٹ سنی۔

اس کا دل بھر آیا۔ ڈرائنگ روم میں آ کر صوفے پر بیٹھ گئی، منہ وال کلاک کی سمت کر لیا بارہ منٹ تو گزر چکے تھے۔

ایک ایک پل بھاری ہو رہا تھا۔ عجیب کیفیت تھی دل کی کہ ابھی وہ پیارے بھائی کی آواز سنے گی۔ ہائے منہ سے کچھ نکلا نہ جائے۔ کہیں میں رو نہ پڑوں۔ وہ پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ وقت کاٹے نہیں کٹ رہا تھا۔

پندرہ منٹ مکمل ہوئے تو جیسے وجود میں زندگی نئے سرے سے دوڑنے لگی۔ وہ پھر اس کے بیڈروم میں آئی، وہ نیم دراز چائے گھونٹ بھر رہا تھا۔ دروازہ کھولتے ہی نظر ملی تھی۔

اف..... یہ نظر..... یاداشت میں اس نظر کے جانے کتنے انداز محفوظ تھے۔ اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ وہ جلدی سے کارپٹ پر بیٹھ گئی اور رنگ کرنے لگی۔ نمبر ملتے ہی اس نے نوفل کی آواز سنی۔

مارے خوشی کے اس کی آواز کانپ گئی۔

''تو..... نوفل..... ہاں میں ہی ہوں تمہاری آپا پلیز! کل صبح تک تم میرا ایک بہت ضروری کام کر دو، بس میری زندگی موت کا سوال ہے..... ارے پریشان مت ہو، مجھے اپنے ڈاکومنٹس چاہئیں۔ شناختی کارڈ تو امی کے پاس ہے ان سے لے لینا، ڈاکومنٹس نیلوفر سے لے لینا۔ سچ کسی طرح بھی میری بہت انسلٹ ہو گی ورنہ۔''

''میں یہیں کراچی سے فون کر رہی ہوں۔''

''گئی تھی اسلام آباد، ہاں حالہ جان کے ساتھ ہی آئی تھی۔ وہ چلی گئی ہیں، کافی دن ہوئے..... ظاہر ہے.....۔

''نہیں..... سروس کر رہی ہوں..... کب تک دو گے..... یہاں تو ''ناکوں'' سے سامنے انسان کی کوئی اہمیت نہیں۔''

اس کی آواز بھرا گئی۔

''میں ساڑھے آٹھ بجے نکلتی ہوں، ہاں تمہیں دور تو پڑے گا..... ناظم آباد کی طرف سے آؤ گے تو..... لکھ لو پتا..... ہوں۔

''وہ ہیں۔'' ایں کرتی رہ گئی احسن نے ہاتھ بڑھا کر پلگ نکال دیا۔

''کوئی ضرورت نہیں میرے ٹھکانے کا پتا دینے کی۔ میرے بھائی بہنوں کو اس وقت میری سخت ضرورت ہے، کام کرنے دو مجھے۔

وہ ہکا بکا بیٹھی رہ گئی پھر ایک دم ہوش میں آ کر غضب ناک ہو گئی۔

''یہ کیا طریقہ ہے، میں یہاں خود نہیں آئی ہوں، نہ کسی سے درخواست کی تھی۔ مجھے اپنی مرضی سے جینے کا پورا حق ہے، لے کے فون ہی کاٹ دیا۔ وہ رو پڑی اور اٹھ کر پلگ لگانے لگی۔

احسن نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ راستے ہی میں روک دیا۔ بخار میں جلتا سلگتا ہاتھ۔

''کوئی ضرورت نہیں۔''

''ہاتھ چھوڑیں میرا نہیں دے رہی اس قبرستان کا پتا، میں فیکٹری بلا رہی ہوں۔ بے بسی کے احساس سے مر جانے کو جی چاہا۔

احسن نے فوراً ہاتھ چھوڑ دیا۔

''تباہ برباد کر دینے والے جان کے دشمن، ان کو یہاں بلاؤں تاکہ وہ پھر میرے لئے مسائل کا انبار لگائیں، میں لعنت بھیجتا ہوں، عشق محبت، شادی نکاح پر، مجھے اپنی ماں کے لئے زندہ رہنا ہے اور کام کرنا ہے۔

تم اسے فیکٹری ضرور بلاؤ، مگر خبردار! نمبر ملاؤ میں خود بات کرتا ہوں اس سے۔''

وہ ساکت بیٹھی رہ گئی۔

''نمبر ملاؤ'' وہ جیسے برس پڑا۔

''مت بات کریں مجھ سے، آپ کی ایک ایک پائی دے دوں گی۔ اپنے کھلانے پلانے کا احسان مجھ پر نہ جتائیں، زر خرید نہیں میں، خالہ جان ملیں گی تو دیکھیے گا۔''

وہ دوپٹے سے آنکھیں پونچھتے ہوئے دھمکی آمیز انداز میں گویا ہوئی اور نمبر ملانے لگی۔ نمبر ملتے ہی اس نے نوفل کی بے تاب آواز سنی۔

''فون کٹ گیا تھا آپا؟'' اس نے پوچھا تھا۔

''ہوں'' یہ بات کریں گے تم سے۔'' اس نے ریسیور بیڈ پر رکھ دیا اور خود دل ہی دل میں سہم کر اس کی آواز کی سمت متوجہ ہو گئی۔

''احسن بات کر رہا ہوں۔''

''ہوں، والسلام، دیکھو بھئی۔ سب کی ملی بھگت سے میں قید تنہائی تو آمادگی سے کاٹ رہا ہوں۔ اپ کی بہن نے جو کام آپ کو بتایا ہے۔ آپ بصد شوق کریں، مگر میرے گھر میں داخلے کا تجسس ہرگز نہ کریں، اگر آپ لوگ اپنی امانت کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

۔پ ساتھ لے جانے کے خواہش مند ہوں تو وہ دوسری بات ہے، محترمہ ایڈریس دے رہی ہیں، نوٹ کر لیجیے، اگر مارے جذبات کے آپ کو گھر کا پتا بتا بھی دیں تو آپ لوگوں کو خود ہی....." اس نے ریسیور دوبارہ بیڈ پر ڈال دیا۔

شہوار نے ریسیور اٹھا کر پتا بتانا شروع کیا۔ احسن دوبارہ بیڈ پر دراز ہو گیا۔

"تم غم نہ کرو، صبح انشاء اللہ بات ہو گی۔ اس نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور فونوں کا سیٹ اٹھا کر ٹھکانے پر رکھا۔

احسن کی مداخلت سے وہ خوشی جو بھائی کی آواز سے پیدا ہوئی تھی، کرکری سی ہو گئی تھی۔ اس نے ٹرے اٹھائی اور گم سے انداز میں کمرے سے باہر آ گئی۔

فیکٹری آنے کے بعد وہ لمحے لمحے میں نوفل کی منتظر تھی۔ گھر سے فیکٹری کا فاصلہ اچھا خاصا تھا۔ آتے آتے ہی بند آتا.....!

دس بجے کے قریب اطلاع ملی کہ مس درشہوار آپ کے بھائی آئے ہیں اور وہ جیسے افتاں و خیزاں چپڑاسی کے پیچھے بھاگی تھی۔ برآمدے میں پڑے اسٹول پر نوفل چاروں طرف بغور نظریں دوڑا رہا تھا۔ بیلو جینز اور وہائٹ شرٹ میں ملبوس، نوخیز سا نوجوان، اس کا دل کٹ کٹ کر آنکھوں کے راستے بہنے لگا۔

"اتنی خوبصورت جوانیوں کو میرے وجود نے مرجھا کر رکھ دیا ہے۔ اس نے بمشکل خود پر قابو پایا..... کہ یہ فیکٹری تھی۔

نوفل اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ کیسی پیاس تھی آنکھوں میں، اس کا جی چاہا مر جائے۔

"السلام علیکم آپا۔"

مارے رقت کے اس سے جواب نہ دیا گیا، سر ہلا کر رہ گئی۔ احسن سے نکاح کے بعد وہ اتنا روئی تھی کہ اس سے پہلے اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا کہ کوئی زندگی میں اتنا بھی روتا ہو گا۔ باپ کی دہشت ہی بہت تھی۔ ماں نے کبھی پھول کی چھڑی سے بھی نہیں چھوا تھا۔ بہن بھائی سب سے چھوٹے تھے، بات مانی جاتی تھی، خیال رکھا جاتا تھا، جو عیب و نقص ظاہر بھی ہو جاتا تو ماں اپنی محبت و درگزر کی آر کر دیتی تھی۔

پھر رونے کے کیا معنی، خدانخواستہ کوئی گھر میں اتنا بیمار بھی نہیں ہوا تھا کہ وہم رلا دیتے۔ پہلی بار بری طرح بے قرار ہو کر روئی تھی، جب امی نے اس کی کلائیوں میں نکاح کی چوڑیاں چڑھائی تھیں، لڑکیوں سے پہنائی نہ گئیں۔ تو وہ اس کی امی کو بلا لائی تھیں۔

وہ نہائی دھوئی پھیلے بالوں پر دوپٹا ڈالے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ امی اس کے سامنے آ کر بیٹھ آ گئی تھیں اور نہایت نرمی و پیار سے اس کا مہندی سے رچا ہاتھ تھام لیا تھا۔ انتہائی احتیاط سے وہ چوڑیاں پہنا رہی تھیں۔ اچانک اس کی نظر ان کے چہرے پر پڑی۔

وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے آنسو پی رہی تھیں پھر بھی ان کی پلکوں پر موتی چمکنے لگے تھے۔ شدت جذب سے چہرہ سرخ نظر آنے لگا تھا۔

جانے کیا ہوا، کیسا احساس ہوا یوں لگا جیسے وجود میں طوفان اٹھ گیا ہو۔ اور وہ ان سے لپٹ کر زندگی میں پہلی بار اس شدت سے روئی تھی کہ اس سے قبل اس طرح نہ روئی ہو گی۔ اور پھر..... احسن تمہارا نام کیا ساتھ لگا زندگی آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

اس نے سرد آہ کھینچی۔

امی کیسی ہیں نوفل؟" اسے ماں بری طرح یاد آئی۔

ٹھیک ہیں۔" نوفل مرد تھا، اسے بات سمیٹنے کی عادت تھی۔ عورتوں کی طرح پھیلانے اور مبالغہ کرنے کی فرصت نہیں پھر پریشان بہن کو حقیقت بتا کر وہ اس کی پریشانیوں میں اضافہ ہی کرتا۔

کچھ کہہ رہی تھیں؟" اس نے ڈرتے ڈرتے بھائی کی صورت دیکھی۔

جی..... کہہ رہی تھیں کہ اب تم بھی ایک مرد کے ساتھ ہو، جو تمہارے پپا سے ضد اور غصے میں کسی طرح سے کم نہیں، میری مجبوریوں کا احساس ہو گیا ہو گا۔ مجھے پتا ہے کہ میری بیٹی ایسی نہیں۔"

شہوار تو ماں کا پیغام سن کر بری طرح سے تڑپ گئی۔ باوجود کے، آنکھوں سے قطرے ٹپک ہی پڑے تھے۔ (ہائے ں.....!)

اور پپا؟"

ٹھیک ہیں۔" وہ نظریں چرا کر بولا۔

نیلوفر نے کچھ نہیں کہا؟" اسے اپنی بہن اور سہیلی کا دھیان پوری شدت سے آیا۔

انہوں نے خط دیا ہے، اسی لفافے میں ہے۔"

اچھا!" اسے جیسے روحانی مسرت ہوئی۔

دانیال کو نہ گیا ہوا ہے، اگلی دفعہ میں اسے آپ سے ملانے لے آؤں گا۔ امی کا اور نیلوفر آپی کا تو آنا خاصا مشکل بہت الرٹ رہتے ہیں۔"

ہائے پپا کے سینے میں تو دل ہی نہیں۔" وہ تڑپ کر گویا ہوئی۔

آپا!"

ہوں" وہ بھائی کو جی بھر کر دیکھ رہی تھی۔

آپا! ہم نے احسن بھائی کا کیا بگاڑا ہے، وہ ہم سے اس طرح بات کیوں کرتے ہیں"

کس طرح؟" وہ دھیرے سے پوچھنے لگی۔

جیسے رات کو کر رہے تھے۔

انہیں اس معاشرے کے مردوں کو یہ کیا نفسیاتی بیماری ہے، بہن کا بھائی بڑی تہذیب سے بلیک میل ہوتا ہے، میں مجرم ہوں، جو چاہے مجھے سزا دے سکتے ہو۔

سانے بھرائی آواز میں کہا اور دوپٹے سے آنکھیں پونچھنے لگی۔

اسی وقت اسد کی گاڑی بڑے گیٹ سے اندر داخل ہوئی اور ان کے عین قریب آ کر رکی۔ شہوار سنبھل کر کھڑی ہو گئی۔

اسد گاڑی سے اترے، سیدھے انہی کی طرف آئے۔

السلام علیکم سر!" اس نے سلام کیا تو نوفل نے بھی تقلید کی۔

یہ ہمارے" آنر ہیں نوفل، اور یہ میرے چھوٹے بھائی ہیں۔ میں نے کل آپ سے ذکر بھی کیا تھا۔

جی!" اسد نے مسکرا کر جواب دیا۔ بظاہر اچٹتی نگاہ میں انہوں نے نوفل کا بڑی گہرائی سے جائزہ لیا اور" مالکانہ شان ی سے آگے بڑھ گئے۔

اچھا آپا! میں چلتا ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آجایا کرو، تم تو آسکتے ہو۔'' اس نے یاسیت سے کہا۔

''جی! میں پھر آؤں گا، آپ فکر نہ کریں، ڈاکومنٹس چیک کرلیں، اگر کوئی چیز کم ہو تو بتا دیجیے۔''

شہوار نے لفافہ کھول کر کاغذات چیک کیے۔ تمام مطوبہ چیزیں موجود تھیں مع شناختی کارڈ اور نیلوفر کے خط کے۔

''آپا!''

''ہوں۔'' وہ کاغذات لفافے میں رکھ رہی تھی۔

''آپ یہ نوکری کر رہی ہیں، آپ کو ڈر نہیں لگ رہا۔'' نوفل کے ذہن میں جو کھٹک تھی وہ زبان پر آ گئی۔

''کیا کروں، حکمرانی کے لئے جاگیر جو نہیں۔'' وہ تلخی سے گویا ہوئی۔

''آپ اکیڈمی میں پڑھا لیں۔'' نوفل کو جیسے اس کی ملازمت اچھی نہیں لگی تھی۔

''وہاں تنخواہ بہت کم ہوگی اور خوامخواہ تمہارے ہی لئے پریشانی۔''

''آپ ملازمت کیوں کر رہی ہیں، کیا احسن بھائی آپ کو پیسے نہیں دیتے؟ نوفل کو جیسے بہت کڑھن تھی۔

''ان سے پیسے لینا ہی کس کو گوارہ ہے۔'' وہ تلخی سے گویا ہوئی۔

نوفل نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔ نہیں کیوں، انہیں دینا چاہئیں۔''

''چھوڑو تم ان باتوں کو، کیا رکھا ہے۔ اچھا سوچو، اچھا بولو اور بس خوش رہو۔

نوفل نے گہری سوچ کے ساتھ قدم آگے بڑھا دیے پھر ایک دم رک گیا۔

''آپا! اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو یہ احسن بھائی کے لئے اچھا نہیں ہوگا۔

شہوار سن کر کھڑی رہ گئی۔

''خدا حافظ۔'' نوفل مین گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

شہوار چپڑاسی کے پاس چلی آئی..... اسے ڈاکومینٹس فوٹو اسٹیٹ کرانے کے لئے دیے..... احتیاط کی تاکید کر
واپس ہال میں آ کر اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔

نوفل سے مل کر ایک طمانیت سی محسوس کر رہی تھی۔

سیٹ پر بیٹھتے ہی اس نے نیلوفر کا خط کھولا اور پڑھنے لگی۔

''پیاری آپا!

السلام علیکم!

اللہ کرے آپ خیریت سے ہوں۔ آپ بہت یاد آتی ہیں۔ رات کو جب بستر پر آتی ہوں تو آپ کمرے میں ہر
دکھائی دیتی ہیں۔ آپ کی باتیں یاد کرتی ہوں تو رو پڑتی ہوں۔

احسن بھائی نے ہمارے ساتھ اچھا نہیں کیا، مگر خدا کرے وہ آپ کے ساتھ اچھے ہوں۔ وہ تو ویسے بھی آپ کو
چاہتے ہیں۔ آپ کو اپنے قریب پا کر وہ یقیناً بہت خوش ہوں گے اور آپ کا بے حد خیال کرتے ہوں گے، مگر یہ آ
ملازمت کیوں کر رہی ہیں۔ کیا احسن بھائی کو فنانشل پرابلم ہے یا آپ مصروف رہنا چاہتی ہیں؟

امی نے تو جب سے سنا ہے، روتی رہتی ہیں۔

پپا کے سامنے تو آپ کا ذکر ممنوع ہے۔ کیا کریں ایسی مشکل ہے کہ حل بھائی نہیں دیتا آپ اپنا خیال رکھیں، ہم لو
بالکل ٹھیک ہیں۔

فقط آپ کی بہن!

نیلوفر۔''

اس نے افسردہ انداز میں خط تہہ کیا اور پرس میں رکھ لیا اور چیکنگ کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ خاصی دیر بعد چپراسی اس
کاغذات فوٹو اسٹیٹ کرا کر لے آیا اور وہ کاغذات لے کر اسد کے آفس میں چلی آئی۔

''تشریف رکھیے۔'' اسد نے اس پر سرسری نظر ڈال کر کہا۔

''یہ میرے ڈاکومنٹس ہیں سر!''

''گڈ!'' اسد نے کاغذات اس کے ہاتھ سے لے لئے اور دیکھنے لگے۔

''آپ کی ملامت پکی، اپ بے فکر ہو کر اپنا کام کریں۔ انہوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی طرف دیکھا تھا۔

''آپ نے ایڈوانس کی بات کی تھی؟''

''ذکر کیا تھا سر، مگر رہنے دیجیے، اب ایڈوانس لے لوں گی تو آئندہ ماہ پریشانی ہوگی، جیسے تیسے یہ مہینہ تو کٹ ہی
ئے گا۔''

''پھر مجھے پانچ سو روپے پہلے ہی دینے ہیں۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور پلٹ کر باہر جانے لگی۔

اسد نے اس کی پشت پر نظریں جما کر کچھ سوچا پھر جیسے سر جھٹک کر انٹر کام کا بٹن پش کرنے لگے۔

کال بیل بجی تو کوفت ہے اس کا برا حال ہو گیا۔ ایک تو ویسے ہی آتے ہی کچن میں گھسنا پڑتا تھا۔ اب یہاں سے گیٹ
ک کا پھر مارچ پاسٹ۔ اس نے چھری ہاتھ سے رکھی، یہ تو طے تھا کہ وہ دروازہ کھولنے ہرگز اپنے کمرے سے باہر نہیں
ئے گا۔

وہ خون جلاتی گیٹ تک آئی تھی کیونکہ یہ تو سو فیصد یقین تھا کہ کوئی من کا پیارا تو ہو نہیں سکتا۔ کون آئے گا یہاں؟

اس نے ناگواری سے گیٹ کھولا۔

''ہائیں!'' اسے یقین نہیں آیا۔ سامنے ثمینہ پھوپھو اور فیضان کھڑے تھے۔

''ارے میری جان! کیا دیدے پھاڑ رہی ہو، دشمن جاں یہ ہم ہی ہیں۔'' انہوں نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا۔

''حیران تو ہمیں ہونا چاہیے، یہ تم اسلام آباد سے ٹہلتی ٹہلتی پھر یہاں آ گئیں۔ ویسے مجھے اس نتیجے کا یقین تو تھا دیکھ کر
شی ہو رہی ہے۔

''السلام علیکم پھوپھو!'' وہ ابھی تک حواسوں میں نہیں تھی۔

''السلام علیکم بھابی جان!'' فیضان نے سلام کر کے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

اس نے قدرے چونک کر پھر ایک خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا اور انہیں لے کر اندر آ گئی۔

''بادشاہ سلامت کہاں ہیں؟'' ثمینہ پھوپھو نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔

''اپنے تخت پر۔'' اس نے برجستہ کہا۔ ثمینہ مسکرا کر صوفے پر بیٹھ گئیں اور وہ ان کے برابر۔

''ارے احسن نظر کیوں نہیں آ رہا۔ ٹی، وی بھی بند ہے، وقت بھی سونے کا نہیں ہے تو یہ کس قدر سناٹا ہے تمہارے تو
وس میں بچے بھی شور نہیں مچاتے۔ ثمینہ بڑے سے گھر کی گہری خاموشی سے واقعی گھبرا گئیں۔

''ان کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ اسے مجبوراً بتانا پڑا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ثمینہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئیں۔ارے کیا ہوگیا بھئی؟'' وہ قدرے سنجیدہ ہوکر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

فیضان بھی ان کے پیچھے چل دیا اور وہ چائے بنانے کچن میں آ گئی۔

اسنیکس تو شاید احسن کی کمزوری تھے۔خاصی مقدار میں موجود رہتے تھے۔چائے بنا کر اس نے فلاسک بھرا ٹرے سجائی اور اس کے کمرے میں چلی آئی۔

ثمینہ بیڈ پر احسن کے قریب بیٹھی تھیں اور وہ دوپٹے سے اپنی آنکھیں پونچھ رہی تھیں۔

''تم سے کہا بھی تھا کہ میرے ساتھ قطر چلو، مگر تمہاری ناک تو میرے ساتھ بھی بحث کرتی ہے۔بھابی جان تمہارا یہ حال دیکھیں تو۔

تم ہماری کمزوری ہو، لہٰذا تم ہمیں خوب ستاؤ، ہم سے اس بات کا بدلہ لو کہ ہم تمہارے پیچھے پاگل کیوں ہیں؟ تم ہماری اولاد ہو لہٰذا خوب تڑپاؤ ہمیں۔انہوں نے ٹشو پیپر پرس سے نکال کر ناک پونچھی۔

''ہائے میرا تو کلیجہ کانپ گیا۔احسن تمہیں اگر اپنی نہیں تو کم از کم ہماری ہی فکر کرو۔

احسن نے ثمینہ کو شانوں سے تھام لیا۔پھوپھو پلیز! کیا ہوا ہے مجھے ٹھیک تو ہوں۔شکر کرنا چاہیے کہ ٹوٹنے پھوٹنے سے بچ گیا۔اتنا چھوٹا دل بھی کس کام کا۔وہ مسکرایا۔

ٹوٹیں پھوٹیں تمہارے دشمن۔ہمیں تو اپنے بیٹے کی اس وقت ہمیشہ سے زیادہ ضرورت ہے۔اپنی ماں کی طرف دیکھو جسے تمہارے نام، تمہارے وجود کے احساس ہی سے نئی زندگی ملتی ہے۔

انہوں نے اس کا چہرہ تھام کر اس کے بالوں کو چوم لیا۔

''ارے تم نے ہمارے بچے کا صدقہ ودقہ بھی اتارا؟ انہوں نے گم صم کھڑی شہوار کو مخاطب کیا۔

احسن کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ ایک لہر کی صورت میں ابھری اور غائب ہوگئی۔

''کیسے اتاروں؟ اس کے منہ سے گھبراہٹ میں بے تکا جملہ نکل گیا۔

جب تم اسے نظر لگاتی ہو تو کیسے اتارتی ہو؟ وہ ویسے ہی کھلی ڈلی بات کرتی تھیں۔

فیضان ہنس دیا۔اس کے لئے ممی کا یہ انداز نیا نہیں تھا۔

احسن بھی بے ساختہ مسکرا دیا تھا۔صورت حال ہی اس درجہ بے ساختگی لئے ہوئے تھی۔

اور اسے حد درجہ شرمندگی کا احساس ہوا تھا۔وہ پلٹنے لگی۔

''کہاں جا رہی ہو، بیٹھو ادھر! یہ بے چارہ بیمار تنہا، تمہاری مصروفیت وہی۔ارے سچ۔اسے تو ایسے نازوں سے پالا گیا ہے، آج بخار میں تنہا پڑا ہوا ہے۔زخموں سے گردن پٹی ہوئی ہے۔تمہیں اس کی پٹی سے لگا رہنا چاہیے۔ٹیپ بھی ڈرائنگ روم میں اور ٹی وی بھی، سچ اس سناٹے میں تو مریض اکتا کر اور مریض بن جائے۔

انہوں نے شہوار کو ٹوکا۔

انہوں نے کہا ہی نہیں۔اس نے جان چھڑائی۔احسن فیضان سے باتیں کرنے لگا۔

بیٹے خیال تو رکھے جاتے ہیں، رکھوائے نہیں جاتے۔

دیکھو ناں! کس قدر محنت کرتا ہے ایسے لوگوں کا تو ایکسٹرا آرڈینری (غیر معمولی) خیال رکھنا چاہیے۔کتنا بڑن ہے اس پر، وہ گہری سانس لے کر باہر نکل آئی۔

ہونہہ! ساس تو ساس ہوتی ہے۔خواہ پھوپھی ساس ہو۔اتنی تاکید پر اس کی جان جل کر رہ گئی تھی۔وہ بھی اسی کے

کہ وہ شیر ہو کسی کو ان کی کوتاہیاں نظر نہیں آتیں۔میری بربادی دکھائی نہیں دیتی، سرچڑھا رکھا ہے۔جبھی تو اتنے ں۔احساسات سے عاری اور خودغرض۔

جلتی بھنتی کھانا تیار کرنے لگی۔درمیان میں بند کمرہ کھول کر دو بستر بھی تیار کیے، کسٹرڈ بھی بنایا۔احسن کا خصوصی ین دلیے کے ساتھ تیار کیا۔تھکن سے اس کی کمر ٹوٹ رہی تھی۔صبح ساڑھے پانچ بجے کی اٹھی ہوئی تھی، پھول بی بی کو پھر سات بجے بلانا شروع کر دیا تھا۔نماز پڑھ کر اس کے ساتھ کام کرتی تھی۔پھول بی بی، احسن کو ناشتا کراتی تھی۔ ہوتی تھی۔پھر فیکٹری کی دوسری، آتے ہی پھر کچن میں۔انسان کو دلی اطمینان اور سچی خوشیاں میسر ہوں تو وہ ام میں بھی شاد رہتا ہے۔

لواریاں تلخیاں تو انسان کو پہلے ہی شل کیے ہوتی ہیں، کام مزید توڑ ڈالتا ہے۔

ھانا کھلا کر ابھی مہمانوں سے باتیں بھی بنانا ہوں گی پھر صبح ہی صبح اٹھنا ہے۔اسے رونا آ گیا۔

چندا، جو کچھ ہے وہی چلے گا۔تم اپنی جان ہلکان نہ کرنا، اچانک ثمینہ کی آواز پشت سے آئی۔

کھانا تو تیار ہے پھوپھو!''

ہاں، وہ ذرا فیضان ہاتھ لے رہا ہے۔تم احسن کو کچھ کھلا پلا دو تاکہ وہ دوا کھا کر آرام سے سو جائے، ٹھیک ہے؟

اسی طرح منہ موڑے کھڑی رہی۔

تم نے مجھے یہ تو بتایا ہی نہیں تھا کہ احسن کا ایکسیڈنٹ ہوگیا۔میری بھی نظر گاڑی پر نہیں پڑی۔

چپ رہی۔احسن کا ناشتہ ڈلیہ ٹرے میں رکھنے لگی۔

کیا تم نے میری ہدایت پر برا منایا ہے؟ ثمینہ کو معاً اس کی چپ معنی خیز لگی۔

نہیں تو۔'' ناچار اسے بولنا پڑا۔

چندا! برا منانے کی تو بات بھی نہیں، اس لئے کہ تم بھی ہمیں بے حد پیاری ہو، اگر وہ تمہارے ساتھ زیادتی کرے گا لیا لینا کس طرح دماغ ٹھکانے لگاؤں گی۔تم دونوں خوش رہو تو میرے لئے یہی بہت ہے' یوں جیسے مجھے سارے خوشیاں مل جائیں۔وہ مجھے بے حد پیارا ہے۔ہمیشہ سے میرا مان رکھتا آیا ہے۔میرے اپنے بھائی نے کفران ہے۔کہاں ملتے ہیں ہر ایک کو ایسے بیٹے، جاؤ اسے کچھ کھلا دو تاکہ وہ آرام سے سو جائے، دوا بھی کھانی ہے اس بھی ذرا..... چیخ کر لوں پھر کھانا کھائیں گے۔اس مرتبہ ہم نے سوچا پاکستان میں سب سے پہلے احسن کے گھر ہوں گے۔

بی جان کا فون گیا تھا، بہت اصرار سے بلایا ہے۔ڈری ہوئی ہیں بے چاری، نبیلہ کا رشتہ کرنا چاہتے ہیں۔بھائی یندار ہیں۔صرف ان کی خاطر اس طرح بھاگم بھاگ آئی ہوں۔میں نے تو کبھی بھی انہیں بھتیجیاں نہیں سمجھا میری ہیں، شکیلہ کا سانحہ ہی میرے دل سے نہیں مٹتا۔

دل نے دکھ سے کہا۔

زار کے منفی جذبات جھاگ کی طرح بیٹھ گئے، آج کل کون اتنی پروا کرتا ہے۔یہ ہزاروں خرچ کر کے صرف بھتیجی کی ادی، کتنی انسانیت ہے پھوپھو میں، کتنا خوبصورت دل ہے ان کا۔

تو نہیں ہوا رشتہ؟ اسے فطری دلچسپی پیدا ہوئی۔

دل ابھی جواب نہیں دیا۔ثمینہ بولیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس لئے کل ہی اسلام آباد چلی جاؤں گی، واپسی میں آ کر دو چار دن تمہارے پاس ٹھہروں گی۔ تم جاؤ ہم پاس، پھر کریں گے باتیں۔

وہ پھر کڑے کوس طے کرتی ہوئی کمرے میں آئی۔ ٹرے رکھ کر پھر واپس ہو گئی اور کھانا کھانے لگی۔

ثمینہ اور فیضان آ گئے تو کھانا شروع ہوا۔

آپ کو ٹیبل پر احسن بھائی کی غیر موجودگی محسوس ہو رہی ہو گی؟ فیضان نے مسکرا کر دیوانہ مذاق کیا۔

ثمینہ دھیرے سے مسکرا دیں۔ شہوار بھی زبردستی مسکرائی۔

''اچھا آپ دونوں آمنے سامنے بیٹھتے ہیں یا برابر؟ وہ پھر شریر ہوا۔

ہم ساتھ کھانا ہی نہیں کھاتے۔ اس نے مذاق مذاق میں سچ بتا دیا۔

''کیوں آپ کے گھر پر کسی ظالم بادشاہ کی حکمرانی ہے۔ جو شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی نہیں پیتے؟

شہوار کو سچ مچ ہنسی آ گئی۔

''احسن کے آنے اور جانے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ اس وجہ سے۔ اس نے آخر بات بنائی۔

جمعے کو تو ساتھ کھاتے ہوں گے، یہ تو بتانا ہو گا کہ آپ کی سیٹ کون سی ہوتی ہے۔ اور احسن بھائی کی کون سی فیضا چھیڑا۔

لو بھئی، تم تو اپنی بھابی کے پیچھے ہی پڑ گئے۔

لو وہ احسن بھی آ گئے۔ ارے بھئی تم کیوں اٹھ گئے؟ ثمینہ نے مسکرا کر کہا۔

یہ دیکھنے کے لئے کہ آپ اتنی دیر سے کہاں ہیں؟ وہ آ کر ایک کرسی پر ٹک گیا۔

ہوں، تو اس پر بیٹھتے ہیں۔ فیضان نے شہوار کی طرف مسکرا کر کہا۔

ثمینہ ہنس دیں، احسن الجھ گیا۔

بھئی، شہوار کو تنگ کر رہا ہے کہ آپ دونوں ٹیبل پر کون سی سیٹ سنبھالتے ہیں۔

ثمینہ نے وضاحت کی۔

ہم ساتھ کھاتے ہی کب ہیں، میں کھانا کھاتا ہوں تو محترمہ ستی ساوتری کی طرح پنکھا ہلا ہلا کر میرے نوالے گنتی رہتی ثمینہ پانی پی رہی تھیں۔ ایک دم کھانسنے لگیں۔ فیضان نے قہقہہ لگایا اور وہ اس طرح شرمندہ ہو گئی جیسے درحقیقہ ہوتا ہو۔

آپ کے ہاں الیکٹرک سٹی پرابلم ہے؟ فیضان نے دریافت کیا۔ مخاطب شہوار تھی۔

نہیں بھئی۔ وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

اچھا! پھر ہاتھ کا پنکھا، کیا اس میں سے وفا کی لہریں نکلتی ہیں؟ اس نے احسن سے دریافت کیا۔

ایگزیکٹ! دیکھ لو ناں پنکھے کے ساتھ، اگر ہر قسم کے پنکھے کے ساتھ وفا مشروط ہو گئی، تو وفا کی آندھیاں چلنے بلکہ اسپیئر میں بھی ملنے لگے گی۔

ثمینہ کا اضافہ اتنا بے ساختہ و برجستہ تھا کہ قہقہے اپنے آپ ہی بلند ہو گئے تھے اور اصلی بات اسی ہنسی مذاق میں رہ گئی۔

کھانے کے بعد اس نے اور ثمینہ نے ایک ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔ اس نے برتن دھوئے، صبح کے لئے

اور فیضان سونے کے لئے گئے تو وہ ٹرے اٹھانے اس کے کمرے میں دبے پاؤں آئی۔ نہایت آہستگی سے ئی اور باہر نکلنے لگی۔

نو!'' احسن کی آواز پشت سے آئی، وہ جاگ رہا تھا۔ زیرو کے بلب کی روشنی میں آنکھوں پر بازو رکھے چت لیٹا تھا، ہو رہا ہے۔ صفیہ کے جانے کے بعد پہلی بار اس نے مخاطب ہونے میں پہل کی تھی۔ وہ پلٹی نہیں رک گئی۔

م سے فارغ ہو کر جب سونے کا ارادہ ہو تو ادھر آ جانا۔

ار کے ہاتھ میں ٹرے کانپ گئی۔

سی خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ مجھے تمہاری قطعی ضرورت نہیں، مگر میں اپنے باپ، اپنے اسلاف ئی مرد کی طرح طلاق کی دھمکی کے زور پر اپنا غلام نہیں بنانا چاہتا۔ جس دن تم میری ماں کے سامنے باقاعدہ مطالبہ تمہاری آرزو پوری ہو جائے گی، وگرنہ زندگی اس طرح بھی گزر جائے گی۔

ب آپ کو میری ضرورت نہیں تو یہ دکھاوے کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ اپنی کھلی توہین پر اس کو چکر سا آنے لگا تھا۔

را کوئی فیصلہ جبریہ نہیں ہو گا۔ میں تمہیں کسی دھمکی، کسی کمزوری سے بلیک میل نہیں کروں گا۔ تم جو چاہو گی، میرا ہارے ساتھ پورا پورا ہو گا۔ میں زور اور زبردستی جو کسی خاص جذبے کی بنیاد پر کی جاتی ہے سے دستبردار ہو چکا ے فکر ہو کر اپنی مرضی کی زندگی گزارو۔

اس نے اپنا بنا کر چھوڑ دیا
کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے

ے جگر کا شعر بے ساختہ یاد آ گیا۔

ت جو زور و زبردستی کا حوصلہ بخشتی ہے، اس کا اپنا مزہ ہے، ایک طرفہ کارروائی صرف فرد واحد کی توہین ہی نہیں، ظلم ۔ اور آمریت بھی، جب یہ مجھے اپنے لئے پسند نہیں تو کسی کے لئے بھی پسند نہیں، اتنا بڑا قدم تو میں نے تمہارے ت کا پاس کرتے ہوئے اٹھایا تھا۔ مگر تم میں ڈراما کرنے کی اچھی صلاحیت ہے یہ معلوم نہ تھا۔

ہیرے دھیرے بول رہا تھا اور وہ ساکت کھڑی تھی۔

یہ سب کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے آپ کون سا کسی سے ڈرتے ہیں۔ وہ بگڑ کر بولی۔

ں لئے کہ فی الحال میری بیوی ہو۔

ا اپنے پیاروں کی تقریروں سے پاگل ہو چکا ہوں۔ میری بات کسی کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اس میں تمہارا بھی سکون ی بھی نجات ہے، ورنہ بھلا مجھے تم سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟ اس نے دوبارہ آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

یرے تم عقل سے کام لو گی، وگرنہ زور زبردستی کی قانونی اجازت فی الحال مجھے حاصل ہے۔

چلتی پھنکتی باہر آ گئی۔

ارونا چارا پنا تکیہ اٹھا کر کمرے میں چلی آئی۔ آہستہ سے دروازہ بند کیا اور تکیہ کارپٹ پر رکھ کر لیٹ گئی۔

سے کوئی خوف تو نہیں تھا، اس لئے کہ اسے احساس ہو چکا تھا کہ وہ کس قدر مغرور و نوکیلا ہے۔

ربات میں دھونس، پھر بھی مظلوم..... ہونہہ!

یادہ میرے ساتھ کچھ کیا یا کہا تو پھوپھو کو بتا دوں گی..... بڑے آئے وہاں سے..... بے بسی کے احساس سے اس ر آگ دہک اٹھی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا ہر دفعہ انہی کی جیت ہوگی، میری قسمت میں ذلت وخواری رہ گئی ہے؟

میرے بھائی سے کس طرح بات کر رہے تھے۔ بے چارہ کتنا دکھی ہو رہا تھا، اسے نوفل کی اداس شکل یاد آ گئی۔

کتنا ظالم ہے یہ شخص، حد یہ ہے کہ اسے ظلم کا احساس تک نہیں۔

معاً اسے دھیان آیا کہ کہیں سوتی نہ رہ جائے۔ ڈرائنگ روم کی کھڑکیاں کھلی ہوتی تھیں۔ صبح ایک دم اس پر وارد جاتی تھی۔ اس بند کمرے میں تو رات دن کا پتا نہیں چلتا..... کھڑکیوں پر پردے گرے ہوئے تھے۔ اس نے ہٹائے لئے نہیں کہ احسن کو اعتراض نہ ہو۔

وہ اٹھی اور اس کے سرہانے سے ٹائم پیس اٹھانے لگی۔ اس کے ساتھ سگریٹ کیس رکھا ہوا تھا۔ بستر پر گر پڑا۔

احسن نے آنکھوں پر سے بازو ہٹایا تھا۔

یہ..... ٹائم پیس۔

غلطی ہوگئی، میں میدان ہموار کر رہا ہوں تاکہ آئندہ یہ ڈراما کرنے کی نوبت نہ آئے۔ انشاء اللہ عنقریب تم اپنی مرضی کی زندگی گزرو گی۔

کون گزارنے دے گا؟ آپ..... آپ کی والدہ؟ میرماں..... آپ کے بہن بھائی آپ کی پھوپھو؟ ٹائم پیس اٹھا الارم سیٹ کیا۔ سوں سوں کرتی ہوئی پھر جا کر لیٹ گئی۔

''اور ہاں، کان کھول کر سن لیجیے بہت ہوگئی۔ اول تو بات کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے اگر ضروری ہو تو الفاظ استعمال احتیاط سے کیا کریں۔ وگرنہ میں وہ سب کچھ کر گزروں گی جو آپ لوگوں نے خواب میں نہ سوچا ہوگا۔

سب کے سب پچھتائیں گے۔'' ریمیمبر فار ایور''

اور کروٹ لے کر سونے کی کوشش کرنے لگی، اسے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، کہ اس کی گرج چمک پر احسن کے تاثرات ہیں۔

تھوڑی دیر بعد غبار چھٹا تو حیرت ہوئی، اس کی برداشت اور خاموشی پر۔

خدا معلوم وہ کس وقت نیند سے گلے ملی تھی۔

منزہ گھر آ چکی تھی۔ ہوش وحواس بحال ہو چکے تھے۔

سفید دوپٹے اور سادہ سے سوتی سوٹ میں وہ گڑیا کی پونیاں بنا رہی تھی۔ چہرے پر دل پاش پاش کر دینے والا حزن تھا۔

اسد مغرب کی اذان سے کچھ دیر پہلے گھر میں داخل ہوئے تھے۔

السلام علیکم بھابی! انہوں نے گڑیا کا رخسار چھو کر پیار کیا۔

منزہ نے اس طرح جواب دیا کہ اسد سن بھی نہ سکے۔

امی کہاں ہیں؟ انہوں نے پوچھا۔

کھانا بنا رہی ہیں۔ اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

پاپا آئے تھے؟

منزہ نے گہرا سانس لیا۔ جی ایک وقت میں ایک ہی چیز ملتی ہے۔ شاید روزانہ آتے ہیں۔

اسد بھائی۔

جی بھابی!

آپ کو پتا ہے میری ماں بے حد مظلوم ہے اور لوگ ہیں کہ ترس مجھ پر کھاتے ہیں۔

جی مجھے دیکھئے! میں کس قدر کم ظرف ہوں، غم ہی نہیں سنبھالا جا رہا۔ کوئی دنیا میں، میں ہی اکیلی غمزدہ تو نہیں۔ قدرت تو پاپا کو سزا دی ہے، بیٹی کا جوڑ ٹوٹا تو صدمے سے چور ہیں اور میری ماں، جوڑ کی موجودگی میں بے جوڑ کتنا حوصلہ ہے ماں۔

اسد نے کریدنا مناسب نہیں سمجھا۔ یوں بھی کرید، تجسس سے وہ پرہیز ہی کرتے تھے۔ بہر حال دماغ تو الجھا تھا۔ لوگ پتا ہے کیا کہتے ہیں اسد بھائی۔

اسد خاموش رہے۔

کہتے ہیں کہ جوان وخوش شکل بیوہ، اس کے لئے آئندہ کے اچھے امکانات موجود رہتے ہیں۔

زندگی ہے کہ سودے بازی، نقصان پورے کرنے کی پڑی رہتی ہے۔ انہیں اتنا بھی نہیں پتا کہ بعض نقصان کبھی نہیں ہوتے، وہ ہچکیاں لے کر رو پڑی۔

اسد کا جگر پاش پاش ہونے لگا۔ ان کی لطیف وحساس طبیعت کے لئے یہ دورانیہ نہایت ہی تکلیف دہ تھا۔

بھابی پلیز! خود ہی حوصلوں کی باتیں کرتی ہیں خود ہی ٹوٹ جاتی ہیں، بتایئے میں آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔ مجھے خدمت کے لئے آپ ہمیشہ تیار پائیں گی۔ یہ نقصان پورا کرنا اس دنیا میں کسی کے بس کی بات نہیں مگر انسانوں کو صبر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اللہ ہی دیتا ہے۔

اسد بیٹے۔

اوہ السلام علیکم آنٹی۔

خوش رہو، ٹھیک ہو؟

"الحمدللہ، آپ دعا میں یاد رکھیں گی تو انشاء اللہ ٹھیک ہی ہوں گے۔"

منزہ بیٹا! تم ذرا باہر جاؤ، مجھے اسد بیٹے سے ضروری بات کرنا ہے۔ نور بانو نے منزہ کو بڑی آزردگی سے دیکھا تھا۔

منزہ گڑیا کو گود میں بھر کر باہر نکل گئی۔

بیٹے! تم ہمارے ہو، میں جو کچھ تمہیں کہہ رہی ہوں، اس بات کا برا نہ منانا۔

نہیں آنٹی! آپ کہیے، اسد چونک کر ہمہ تن گوش ہو گئے۔

بیٹے! منزہ عدت میں ہے، شرعی لحاظ سے ہر وہ شخص جس سے اس کا نکاح جائز ہے۔ عدت کے دوران اس سے نہیں مل سکتا۔

اسد سر جھکائے سنتے رہے۔ بہتر آنٹی! مجھے اس کا خود ہی خیال ہونا چاہیے تھا۔ ہمارے دین کی کوئی بات خالی از مصلحت نہیں، یہ بہت اہم نکتہ ہے۔

جیتے رہو۔ اللہ تمہاری اقبال مندی میں اضافہ کرے۔ میرے بیٹے تمہیں کوئی غم دکھ نہ ملے۔

جیسی ٹھنڈی چھاؤں تم دوسروں کے لئے بنے رہتے ہو، اس طرح اللہ تمہیں آزمائش کی کڑی دھوپ سے ہمیشہ بچائے آمین۔

میں چلتا ہوں۔

میں تمہارے لئے چائے لا رہی ہوں۔

مجھے دیر ہو جائے گی۔ ابھی نماز بھی پڑھنا ہے۔ چائے تو میں ہمیشہ پیتا ہوں، اللہ حافظ، وہ چابی اٹھا کر ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئے۔

مہر افروز گھر میں داخل ہوئیں تو نائلہ سر پر کپڑا باندھے لاؤنج میں جالے صاف کرتے دکھائی دی تھی۔ ساس کو سامنے دیکھ کر وہ ایک دم گڑبڑا گئی تھی۔

"السلام علیکم ممی۔"

"وعلیکم السلام! کیا ہو رہا ہے یہ..... بہو کر کیا انڈوں پر بٹھائے ہوئے ہیں؟ وہ لاڈلی اکلوتی بہو کو اس حال میں دیکھ کر فوراً ہی برافروختہ ہو گئیں۔

"لاحول ولاقوۃ۔" نائلہ جھینپ کر رہ گئی۔ نوری نہیں آئی آج، مجھے ایک جالا نظر آیا تھا تو.....

خیر یہ تو تم کسی کو بھی کہہ سکتی تھیں۔ اور بھی تو ہیں۔ اف تھکن سے برا حال ہے، پنڈی سے یہاں تک ڈرائیو کرتے ہوئے برا حال ہو جاتا ہے۔ ڈیئر پہلے ٹھنڈا پانی پھر اچھی سی چائے۔

جی بہتر! نائلہ نے سر سے لپٹا کپڑا اتارا اور دوپٹا کرسی کی پشت سے اٹھا کر شانوں پر پھیلایا اور فوراً پانی لے آئی۔

بابر آفس گیا ہوا ہے۔

جی۔ نائلہ چائے کے لئے خانساماں کو کہہ آئی تھی۔ جو رات ہی اپنی چھٹیاں پوری کر کے واپس آیا تھا۔

وہ ان کے سامنے موڑھا ڈال کر بیٹھ گئی۔ ابا جان کیسے ہیں؟

ٹھیک ہیں۔ اسد نے پنڈی فون کر کے مجھے تاکید کی تھی کہ میں تم سے مل لوں تم خاصی پریشان ہو۔ حالانکہ مجھے یہ اچھی نہیں لگی۔ تمہاری پریشانی کی اطلاع بابر کے بجائے اسد کے ذریعے..... تمہارا شیئر بابر کے ساتھ ہے..... ہر چیز

نائلہ نے ایک۔ بے نام سے خوف کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں اترتا محسوس کیا۔ (یہ آپ نے کیا کیا اسد بھائی؟) اس نے آنکھیں اٹھا کر مہر افروز کی سمت دیکھا۔

ممی! جو بات بالآخر آپ تک پہنچ گئی، وہ بہر حال آپ کے لئے نئی تو نہ ہو گی۔ وہ بمشکل گویا ہوئی۔

نہیں۔ یہ بات میرے لئے قطعاً نئی بلکہ شاکنڈ ہے۔ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ غیر مصدقہ بات مجھے اسد کے ذریعے سننے کو ملی۔ اسد مجھ سے زیادہ یا بابر سے زیادہ تم سے قریب کس طرح ہو گئے۔ کہ جو بات تم ہم سے نہیں کہہ سکتیں۔ ان سے کہہ دیتی ہو۔ ان کے لہجے کی چبھن نائلہ کی جان پر انگارے کی طرح گری۔

وہ اس لئے ممی کہ آپ کی اپنی مصروف زندگی ہے اور بابر کی اپنی۔ آپ کے مصروف اوقات میں میرا کوئی حصہ نہیں۔ ان کے انداز میں پچھلے دکھوں کا تمام زہر اتر آیا۔ اس نے سر جھکائے رکھا۔

مگر اپنے گھر کی ایک اینٹ اکھاڑنے سے اپنے ہی گھر کو کمزور بنانا کہاں کی دانشمندی ہے؟ مہر افروز کا لہجہ خشک تھا۔

اسی شاخ کو کاٹو گی جس پر بیٹھی ہو؟ مصروف تو آج کل ہر انسان ہے لیکن تم گھر کی فرد ہو۔ تمہیں ہم تک باضابطہ تو نہیں پہنچنا۔ جب چاہے، جس وقت چاہے۔ رات کے کسی پہر۔ دن کے کسی لمحے تم ہم تک پہنچ سکتی ہو۔ تمہیں کون منع کر سکتا ہے؟ تم ہماری بہو نہیں۔ ہماری بچی ہو۔ پیاری سی بیٹی ہو۔ خدا گواہ ہے۔ میرے ذہن میں یہ خیال بھی نہیں آیا کہ مجھے تم سے ساس بن کر نبھاؤ کرنا ہے۔ گڑیا سے کسی طرح کم نہیں ہے تمہارا حق۔

نائلہ کی آنکھوں سے خاموشی سے قطرے بہنے لگے۔ جو لڑھک کر فرش پر گرتے جاتے تھے۔

نائلہ! مہر افروز نے اسے مخاطب کیا۔ وہ اسی طرح سر جھکائے بیٹھی رہی۔

نائلہ! ادھر آؤ میری جان۔ وہ صوفے پر اپنے برابر ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے گویا ہوئیں۔

وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی۔

نیلی بیٹا۔ ادھر آؤ چندا۔ کیا کہہ رہی ہوں؟

نائلہ ہاتھوں سے رخسار پونچھتی ان کے قریب آ بیٹھی۔ مہر افروز نے اسے اپنے شانے سے لگا لیا۔ اس کے بالوں پر بوسہ دیا۔ آئی ایم سوری۔ مگر میں ہرٹ ہوئی تھی۔ یقین کرو۔

ممی۔ سب بائی چانس ہوا۔ آپ یقین کریں میں نے جان بوجھ کر اسد بھائی کو بتانے کی کوشش نہیں کی۔

میں نے یقین کیا۔ مگر مجھے ٹھیک سے پتا تو اب بھی کچھ نہیں۔ اسد کے فون سے اس درجہ ڈسٹرب ہوئی کہ بتا نہیں سکتی۔ تمہارے بابا جان شکاگو جا رہے ہیں ان کی پیکنگ ادھوری چھوڑ کر آئی ہوں۔ کیا بابر پھر سے ڈرنک کرنے لگا ہے؟

ان کی آواز پست تھی۔

نہیں۔ نائلہ نے دوپٹے سے آنکھیں رگڑیں۔

پھر؟ اس مرتبہ مہر افروز کی آواز میں اطمینان اور حیرت کا ملا جلا تاثر تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آپ کو ان کے عیب و ہنر مرض و سکون کی سب کیفیتوں کا علم ہونا چاہیے۔ آپ ماں ہیں آخر۔ نائلہ نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

ہاں ایک حد تک میں اس کی کیفیتوں سے واقف ہوں۔ مگر بیوی جن حدوں تک رسائی رکھتی ہے۔ ماں وہاں نہیں پہنچ سکتی۔ تم بابا جان کے متعلق ایک حد تک جان سکتی ہو۔ مگر ہمارے بیڈ روم کے بند دروازے کے پیچھے ان کی کچھ مخصوص ادائیں ہوں گی جن سے میں واقف ہوں گی یا میرا خدا۔

کیا بات ہے جو دل میں کھٹکتا ہے سب کہہ دو۔ میں جتنی بابر کی ہوں۔ اتنی تمہاری بھی ہوں۔

انہوں نے اسے اپنے سینے سے لگا کر خدشات سے کانپتی آواز میں کہا تھا۔

میں آپ سے کیا کسی سے بھی نہیں کہہ سکتی۔ وہ رو پڑی۔

مہر افروز دھک سے رہ گئیں۔ ایسی کون سے بات ہے جو کسی سے بھی نہیں کہی جا سکتی؟

بابر نے بتایا تھا تم پریگننٹ ہو؟ انہوں نے جیسے تصدیق چاہی۔

نائلہ نے نظریں نہ اٹھائیں۔

کیا یہ خبر درست ہے؟ مہر افروز کا دل نہ جانے کیوں بیٹھا جا رہا تھا۔

جی! نائلہ نے آہستہ سے جواب دیا۔

پھر۔ مہر افروز کے سینے سے ایک اطمینان بھری سانس خارج ہوئی۔ پھر اور کیا بات ہے؟ تمہیں قسم ہے جلدی بتاؤ، ورنہ میرا دل بیٹھ جائے گا۔

بابر تو بہت ایکٹو اور سمارٹ ہیں۔ آئیڈیل ہیلتھی پرسن۔ میں نے اس کی صحت کے سلسلے میں کبھی پریشانی نہیں اٹھائی۔ وہ تو ایک سولجر (سپاہی) کی طرح فٹ ہے۔ باتیں بھی بہت اپ ٹو ڈیٹ اور مائنڈ فل کرتا ہے۔ اس کا تو مذاق بھی۔ بہت جینئل اور کائنڈ نیچر ہے اس کی۔ بچپن میں مجھے پرابلم ہوئی تھی۔ بہت ضدی اور سرکش ہو گیا تھا۔ مگر اچھی سن سے باہر آ کر وہ بہت نارمل اور فٹ ہو گیا تھا۔ محنت کی تھی اس پر۔ یہ علیحدہ بات ہے۔ وہ آہستگی سے گویا ہوئیں۔

یہ تو آپ جانتی ہیں۔ کچھ میں بھی جانتی ہوں گی۔ نائلہ نے قدرے تلخی سے کہا۔

ہاں۔ ہاں۔ کہو۔ بیوی تو دریافت کے ایک مرحلے سے ضرور گزرتی ہے۔ ان کی آواز میں جیسے خدشات کانپ رہے تھے۔

کیا آپ یہی کچھ جانتی ہیں جو آپ نے ابھی بتایا؟ اس نے پوچھا۔

ہاں۔ میری معلومات کی حد یہیں تک ہے۔ انہوں نے اعتراف کیا۔

کیا آپ نے بابر میں کوئی غیر معمولی بات کبھی نوٹ نہیں کی۔ اس نے مشکوک انداز میں دیکھا۔

بچپن میں وہ قدرے ابنارمل ہو گیا تھا مگر آہستہ آہستہ ٹھیک ہو گیا تھا۔ وہ بولیں۔

وہ ٹھیک نہیں ہوئے تھے۔ انہیں پر وہ پوشی کرنے کا ہنر آ گیا تھا۔ وہ بگڑ کر بولی۔

مہر افروز، ایک لمحے کو ساکت بیٹھی اس کی شکل دیکھتی رہی۔

کیوں مجھے امتحانوں میں ڈال رہی ہو۔ اصل بات کہہ بھی ڈالو۔ وہ بے چین ہو کر گویا ہوئیں۔

نائلہ نے آستینیں الٹ دیں۔ ڈھیلی آستینیں اس نے بازوؤں تک چڑھا لیں۔ سفید سفید بازوؤں پر سرخ نشانات بہت واضح تھے۔

یہ۔ یہ کیا ہے؟ مہر افروز نے اس کا بازو تھام لیا۔ ان کے ہاتھ برف ہو رہے تھے۔

مم۔ مارتا ہے وہ تمہیں؟ انہوں نے مجرمانہ انداز میں سوال کیا۔

نائلہ نے کرتے کا اوپری بٹن کھول کر گلا نیچے کیا۔ سرخ نشان وہاں بھی موجود تھے کچھ خشک ہو کر براؤن ہو رہے تھے۔

یہ۔ یہ۔ کیا ہے؟ فار گاڈ سیک ٹیلی۔ میری جان۔ کیا ہے یہ؟ وہ ایک دم حواس باختہ ہو گئیں۔

نائلہ نے بٹن بند کیا۔ آستینیں نیچے کیں۔ بہت اچھا تختہ مشق لائی ہیں آپ ممی بابر کے لئے۔

کیوں مارتا ہے وہ تمہیں؟ وہ جاہل تو نہیں۔ وہ ازحد پریشان تھیں۔

اسے مارنا نہیں کہتے ممی۔ نفسیاتی اصطلاح میں اذیت پرستی کہتے ہیں اسے۔ نفسیاتی مریض ہیں آپ کے بیٹے۔ نائلہ کی آواز بھرا گئی۔

اوہ نو۔ مہر افروز پر جیسے پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

جس روز سے میری شادی ہوئی، مسلسل عذاب کاٹ رہی ہوں۔ چیخ مار کر مدد گار بھی نہیں بلا سکتی۔ میں اسی طرح تڑپ تڑپ کر مر جاؤں گی۔ یہ آپ نے مجھ سے کس بات کا بدلا لیا ہے۔ وہ ہچکیوں سے رونے لگی۔

مہر افروز نے اسے گلے لگا لیا اور ساڑھی کے پلو سے اس کے آنسو پونچھنے لگیں۔

مجھے قسم ہے اپنے پیدا کرنے والے کی۔ مجھے کچھ نہیں پتا تھا۔ میں اس کی ماں ضرور ہوں۔ مگر اس کی تنہائی میں میرے قدم نہیں۔ اف میرے خدا! کیا وہ سونے سے پہلے ڈرنک کرتا ہے؟ ان کا لہجہ یک دم ناتواں ہو گیا تھا۔

پان کھاتے ہیں نشے والا کہتے ہیں ڈرنک نہ کرنے کا وعدہ کیا ہے ممی سے۔ اس نے بپھر کر جواب دیا۔

مہر افروز نے سر تھام لیا۔ جیسے چکر آ رہے ہوں۔

کیا تم نے اپنی ماں سے ذکر کیا؟ وہ جیسے خوفزدہ انداز میں پوچھ رہی تھیں۔

مجھے جلتی پر تیل چھڑکنا نہیں آتا می!

تھینکس اے لاٹ مائی ڈیئر۔ انہوں نے اس کے رخسار پر بے ساختہ پیار کیا۔

بہت بیڈ لک ہے میری۔ ان کی آواز میں آنسوؤں کا تاثر تھا۔

نائلہ نے چونک کر ان کی سمت دیکھا تھا۔

درجن بھر سونے کی چوڑیاں ایک ہاتھ میں ڈائمنڈ کے کنگن دوسرے ہاتھ میں پیور سلک کی قیمتی ساڑھی، پر آسائش گھر، لاکھوں کی ذاتی گاڑی۔ اور بہت بیڈ لک۔ وہ حیران سی انہیں دیکھ رہی تھی۔ صاحب اختیار عورت اور بیڈ لک۔

''دوسری شادی ہے میری، پہلے شوہر لینڈ لارڈ اور جواری تھے۔ مگر شادی کے چار سال بعد طبعی موت مر گئے تھے۔ ایک بہت اچھا آدمی میرا طلب گار ہوا۔ میں نے اس سے اچھا آدمی آج تک نہیں دیکھا۔ پہلے شوہر سے شادی سے پہلے ان کا رشتہ آیا تھا۔ ہماری انڈر سٹینڈنگ تھی مگر میرے گھر والے زیادہ دولت کو ترجیح دے رہے تھے۔ ماحول بھی ایسا تھا کہ میں زور نہ ڈال سکی۔

دوسری مرتبہ میری بیوگی کے بعد وہ تنہا آئے۔ ان کے گھر والے ان کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ اس بار تمہارے بابا جان ان سے جیت گئے، میں دو بچوں کی ماں تھی۔

مگر یہ بچے بھی میری خوبصوتی میں داغ نہ لگا سکے۔ تمہارے بابا جان کی پہلی بیوی فوت ہو چکی تھی۔ سات سالہ رفاقت میں بھی ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔

تمہارے بابا جان بہت اچھے ہیں۔ مگر ہر انسان میں کوئی نہ کوئی خامی ہوتی ہے۔ شادی کے بعد انہوں نے کہانی الحال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ کچھ عرصے تک دونوں بچوں کو ساتھ نہیں رکھیں گے۔ بچے نانا نانی کے پاس رہ گئے۔ بابر تین سال کا اور گڑیا سال بھر کی تھی۔ گڑیا میرے پہلے شوہر کی وفات کے بعد پیدا ہوئی تھی شاید ایک ماہ بعد۔

تمہارے بابا جان سے شادی کے بعد میرے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اللہ کی مرضی۔ میری امی بڑے باضابطہ انداز میں بچوں کو مجھ سے ملانے لاتی تھیں۔ کبھی میں ان سے ملنے جاتی تھی۔ بس بابر یہیں سے بگڑنا شروع ہوا۔ حالانکہ جب دونوں بچے میرے پاس آ گئے تو میں نے اس کی اصلاح میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔

پتا نہیں کیوں۔ تمہارے بابا جان کے دل میں اس کے لئے وہ گنجائش پیدا نہیں ہو سکی تھی جو گڑیا کے لئے تھی۔ اب دیکھو۔ پنڈی اسلام آباد میں فاصلہ ہی کتنا ہے۔ مگر وہ اور بابر الگ الگ گھروں میں ہیں۔ بابر کا بزنس اس کے سگے والد کی دولت سے شروع ہوا ہے۔ اس میں تمہارے بابا جان کا کوئی کنٹری بیوشن نہیں ہے۔ تم نے نوٹ کیا ہوگا بابر پنڈی بہت کم جاتا ہے۔ تمہارے بابا جان صرف ایک مرتبہ آئے۔ اس کے باوجود وہ ان کی تعریف سب کے سامنے کرتا ہے۔ تاکہ سوسائٹی میں بھرم رہے۔

دو دونوں ایک دوسرے کے لئے بہت گنجائش ظاہر کرتے ہیں مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ میں اس کی تمام محرومیوں کا ازالہ کر دینا چاہتی تھی۔ میں چاہتی تھی اس کی بیوی بہت نائس اور سمجھدار ہو۔ برداشت و ایثار والی ہو۔ ہائی سوسائٹی موو کرنے والی لڑکیاں اپنی زندگی میں ہر طرح کی سہولت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے وہ مخالف حالات برداشت کرنے کے بجائے راستہ بدلنا پسند کرتی ہیں۔ مختصر یہ کہ وہ اپنا مزہ اور سکون کھوٹا کرنا نہیں چاہتیں۔

بابر کے مزاج میں خاصی سرکشی ہے اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں تمہاری یا نبیلہ جیسی لڑکی کی آرزومند تھی۔ تمہاری امی سے مل کر تم لوگوں کو دیکھے بغیر ہی مجھے تمہارا گھر نہ پسند آیا تھا۔ تمہاری ماں بہت نائس عورت ہے۔ آئیڈیل مشرقی عورت تمہارے ابا جان کے بارے میں سنا تھا۔ مگر اس سوسائٹی میں مردانہ انداز تقریباً ایک سے ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے پرواہ نہیں کی تھی۔ البتہ صفیہ جس قدر پیاری اور وضع دار ہیں۔ اس میں کوئی کلام نہیں۔ بس انہیں میں ان کی بیٹیوں کو پالیا تھا۔

نائلہ..... جان..... یہ گھر تم کو بسانا ہی نہیں بچانا بھی ہے۔ اپنی ساری زندگی کھول کر تمہارے سامنے رکھ دی ہے۔ اسی لئے تم گنجائش پیدا کرو۔

انہوں نے اس کے ہاتھ تھام کر جیسے درخواست کی تھی۔

میں انسان ہوں ممی۔ فولادی روبوٹ نہیں ہوں۔ آپ میرے مسئلے کا حل بھی تو سوچئے۔

اسے ان کی بے گناہی کا یقین آ گیا تو لہجہ آپ ہی آپ نرم ہو گیا۔

"یہی میں تمہیں سمجھا رہی ہوں۔ اگر بابر کو بھنک بھی پڑ گئی کہ تم نے اس کے مرض کا تذکرہ مجھ سے یا کسی اور سے کیا ہے۔ تو وہ اسے اپنی انسلٹ سمجھ کر تمہارے راستے مشکل کر دے گا۔ اس کا صرف یہ حل ہے کہ تم بہت پیار، درگزر اور برداشت سے کام لیتے اسے اس مرض کی سنگینی کا احساس دلاؤ اور سائیکاٹرسٹ سے ملاقات کر کے مزید حل ڈھونڈو پھر اسے علاج پر آمادہ کرو۔ اس کے اس قدر قریب ہو جاؤ کہ وہ تمہارا عادی ہو جائے۔ تمہاری دوری کا تصور اسے پریشان کر دے۔ قدرت نے تمہیں ظاہری باطنی ہر خوبی دی ہے۔ یہی اس کا حل ہے۔ اگر اس کے مرض کا چرچا ہو گیا تو عین ممکن ہے۔ وہ لحاظ کے سارے پردے چاک کر کے علی الاعلان بڑی بڑی برائیوں کا ارتکاب کرنے لگے۔ اس وقت تم ہی اس کی رازدار، غمگسار، ہمدرد اور قریب ترین دوست ہو۔ میرا تعاون جس حد تک درکار ہوگا۔ میں جب تک موجود ہوں حاضر ہوں۔"

"اگر اس دوران میں مر گئی۔ کیا آپ محسوس کر سکتی ہیں۔ اس قسم کے مریض کے ساتھ زندگی گزارنا کس درجہ اذیت

ناک ہے۔ میں اپ کو کیسے بتاؤں کہ۔" وہ پھر رو پڑی تھی۔

"نیلی..... ایک عبادت کی طرح کر ڈالو۔ سب کچھ ٹھیک ہو سکتا ہے۔ بس ذرا سی ہمت چاہیے۔"

"مجھ میں نہیں ہے ہمت، جو کام آپ کے لئے مشکل ہے۔ وہ مجھے کیونکر آسان ہو سکتا ہے۔" اس نے مہر افروز کی بات کاٹ ڈالی۔

"ماں اور بیوی کے رویے جدا ہوتے ہیں بیٹا۔ سمجھنے کی کوشش کرو۔ انہوں نے ملائمت سے سمجھایا۔" نائلہ نے آنکھیں پونچھ ڈالیں۔

"اگر پھر بھی کچھ نہ ہوا؟" اس نے پوچھا۔

"شک رہے تو نیت عزم نہیں بنتی۔ کچھ ہوتا ہے تو جواباً بھی کچھ نہ کچھ ہوتا ہے۔" وہ سنجیدگی سے اسے سمجھا رہی تھیں۔

اس کو اس جملے سے عجیب طرح کی تقویت محسوس ہوئی۔

"بہتر ممی۔ آئی ول ٹرائی مائی بیسٹ۔ وہ اپنے سسرالی ماحول کے مطابق عام بول چال میں انگریزی استعمال کرنے لگی تھی۔"

"اور ہاں ممی۔ میں نے اسد بھائی کو خود سے کچھ نہیں بتایا۔ میں تو تنہائی میں اپنے نصیب کا ماتم کر رہی تھی کہ وہ اچانک آ گئے۔ ان کے اصرار پر اشارۃً اپنا دکھ بتایا تھا۔" اس نے نہ جانے کیا سوچ کر انہیں بتایا۔

"میں نے یقین کیا۔ میں تمہیں کچھ دنوں کے لئے پنڈی لے چلوں گی۔ ذرا ریسٹ مل جائے گا۔" انہوں نے پیار سے اسے دیکھ کر کہا۔

"بابر نہیں رہنے دیتے۔ کہیں بھی۔"

"دیکھ لوں گی اسے۔ پتا نہیں کون کون سی منطق نکال کر لے آئیں گے۔"

پھر میں بھی ماں ہوں اس کی، میرے وجود سے ہی پیدا ہوئی ہیں اس کی ساری منطقیں۔ وہ مسکرائیں۔

نائلہ کے چہرے پر بھی مسکراہٹ کی روشنی پھیلی۔ غم تقسیم ہوا تو وجود ہلکا پھلکا لگنے لگا۔

ممی..... ایک اور بات۔

ہوں کہو۔ وہ پھر تشویش میں مبتلا نظر آئیں۔

ممی۔ میں ٹی، وی پر کام کرنا چاہتی ہوں۔ بلکہ بابر تو بہت زور دے رہے ہیں۔ بس آپ سے پوچھنا باقی تھا۔ اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

ونڈر فل۔ اٹ از سرپرائز۔ بھئی ہزار مرتبہ کرو۔ تم میرڈ ہو۔ تمہارا میاں تمہارے ساتھ ہے۔ ان میرڈ لڑکی کیلئے تو بہت سی نزاکتیں ہوا کرتی ہیں۔ میرڈ لڑکی تو بہت CONFIDENTLY شوبز موو کر سکتی ہے۔ وہ بے حد خوش دکھائی دیں۔ ہاتھ سے نکلتی بہو انہیں پھر سے دسترس میں آتی محسوس ہوئی۔

تھینکس ممی۔ گھٹن سے ماری زندگی میں بہار کی آمد کا احساس بیدار ہوا۔

آنرمائی ڈاٹر۔ وہ مسکرا دیں۔

او۔ ممی۔ پلیز شرمندہ نہیں کریں۔ آپ بیٹھیے، میں آپ کے لئے اچھی سی چائے بنا کر لاتی ہوں۔ وہ جھونکے کی طرح لہراتی باہر نکل گئی۔

مہر افروز نے اپنی زندگی کا ورق ورق اس کے سامنے پلٹ کا جیسے۔ واقعی اپنائیت کا احساس دیا تھا۔ سسرالی رشتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں جوان دیکھے کچھ خوف وخدشات چھپے ہوئے ہیں۔ آج وہ بھی دور ہو گئے تھے۔ اعتماد و ہم آہنگی کی نئی سحر طلوع ہوئی تھی۔ گہری تنہائی کا احساس مٹ گیا تھا۔ زندگی میں ایک سبک پن در آیا تھا۔

اسے لگا جومی نے کہا۔ ویسا ہو جائے گا۔ اور جب تک وہ ٹی، وی اسٹوڈیوز میں اپنے آپ کو بہلا کر رکھے گی۔ باہر کے قریبی دوست متین صاحب کی سنیئر پوزیشن نے اسے وہاں قدم رکھنے سے پہلے ہی پر اعتماد کر دیا تھا۔ اسے کبھی مسترد نہیں کیا گیا تھا۔ اس کا اعتماد منزل بہ منزل مضبوط تھا۔

ثمینہ نے حیرانی سے شہوار کے کام کرنے کا انداز دیکھا۔ پنکھے لگے ہوئے تھے اسے۔

جب وہ بیدار ہوئیں تو وہ ان سے پہلے بیدار ہو چکی تھی۔ اور لاؤنج میں نماز پڑھ رہی تھی۔ اب جب وہ نماز سے فارغ ہو کر باہر آئیں تو اسے اسی طرح مشغول دیکھا جیسے اس کی ٹرین چھوٹی جا رہی ہو۔

ارے بھئی۔ ہم اتنی صبح کب ناشتہ کرتے ہیں۔ کیوں بھاگ دوڑ مچا رکھی ہے بھئی؟ وہ واقعی حیران تھیں۔

وہ مسکرا دی، بنا کچھ بولے اسی طرح کام میں لگی رہی۔

ارے آرام سے بیٹھ جاؤ۔ کیوں ریس کے گھوڑے کی طرح چھٹی ہوئی ہو۔ ابھی نہیں کر رہے ناشتہ واشتہ، احسن بھی میرا خیال ہے۔ آفس نہیں جائے گا۔ اس کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں۔

اور یہ کیا تم نے چاول پھیلا رکھے ہیں ادھر، تم سے کس نے کہہ دیا کہ ہم ناشتے میں چاول ٹھونستے ہیں۔ یا دوپہر اور رات کا کھانا سورج نکلنے سے پہلے ہی پکا کر رکھ لیتی ہو۔

شہوار کی ہنسی چھوٹ گئی۔

بس کریں پھوپھو۔ جب آپ کا دل چاہے ناشتہ تب ہی کیجیے گا۔ کوئی زبردستی آپ کو سحری نہیں کرا رہا۔ مجھے اپنا کام کر لینے دیں۔ کوئی حرج نہیں۔

حرج کیوں نہیں۔ خوامخواہ کی بھاگ دوڑ لگا رکھی ہے۔ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے حیرت آمیز انداز میں مسکرائیں۔

اسی وقت کال بیل رنگ ہوئی۔

اوہ شاید پھول بی بی آ گئی۔ اتنی جلدی سات بج گئے۔ اپنے آپ ہی سوال جواب کرتی وہ گیٹ کھولنے چلی گئی۔ ثمینہ ہنوز الجھن میں تھیں۔

لو بھئی، اتنی صبح پھول کلیاں بھی آ گئیں۔ کیا ہوا ہے یہاں لوگوں کو۔ نشان پر پیر رکھے بیٹھے رہتے ہیں کہ کب اجالا ہو اور دوڑیں۔

دودھ والا آ گیا بی بی؟ ام بولا تھا اسے۔ امارا بی بی دودھ کا واسطے انتظار کرتا ہے۔ تم بوت لیٹ آتا ہے۔ بولا، اپنا بھینس لے کر وئیں پونچ جائے گا۔ تمہارا بی بی کے برتن میں ہی پہلا دھار لگائے گا۔ مجاخ کرتا اے۔ آپ اس کو بولنا بی بی ام مجاخ والا نئیں اے۔

ذرا دم بھی لے لو۔ صبح صبح خطاب کرنے کھڑی ہو جاتی ہو۔ شہوار زچ ہو کر ٹوکنے لگی۔

ثمینہ بنا پلکیں جھپکے اسے دیکھے جا رہی تھیں۔

بھئی، کیا کیا چیزیں ہیں تمہارے ہاں۔ ایک ہی مرتبہ بتا دو تاکہ میں ایک ہی مرتبہ حیران ہو کر فارغ ہو جاؤں۔

شہوار ہنستی ہوئی کچن میں واپس چلی گئی۔ پھول بی بی سمیٹا سمیٹی میں لگ گئی تھی۔ بڑی لاپروائی سے اس نے ثمینہ کو سلام

کیا تھا۔

بھئی تمہیں، یہی طوفان میل ملی تھی؟ ان کی نظریں اس کے سرخ وسپید چہرے پر تھیں۔

احسن کا انتخاب ہے۔ یقیناً ہو گا۔ جس کی ایش ٹرے میں تگ پھول جڑے ہیں اسے نوکر بھی خوبصورت چاہئیں۔

بڑے دل والی ہو۔ عورتیں تو حسین نوکرانیوں سے بہت خوف کھاتی ہیں۔

پکے مسلمان جو ہوتے ہیں۔ سب کو برابر سمجھتے ہیں ثمینہ کھلکھلائیں۔

قرآن میں بھی بہت غور کرتے ہیں۔ چار ازدواج کی اجازت سب کو یاد رہتی ہے۔ وہ ہنس کر کہہ رہی تھی۔

ہاں بھئی ان معاملات میں تو واقعی دیندار ہوتے ہیں۔ ثمینہ نے اضافہ کیا پھر دونوں ہی ہنس پڑی تھیں۔

پھول بی بی ناشتہ کر لو۔ اور دیکھو پہلے صاحب کو دیکھ آؤ، اگر جاگ گئے ہیں تو چائے لے جاؤ۔

کون؟ پھول بی بی چائے لے جائے گی؟ نامعقول لڑکی بیوی کے یہی چھوٹے چھوٹے کام تو شوہر سے اس کی محبت کا اظہار ہوتے ہیں۔ فلمی ہیروئن کی طرح گانے گا گا کر تو محبت کا اظہار نہیں ہوا کرتا۔ ہماری اولاد ہے مگر تمہارا مرد ہے۔ اس کا حق نہیں کرتے، وقت کا کیا بھروسا۔ آج کل کی تو لڑکیاں بھی اپنی عمر سے زیادہ ہوشیار ہوتی ہیں۔ ثمینہ نے جھاڑ پلائی۔

تب وہ ناچار اس کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ باتھ روم میں تھا۔ وہ کڑھتی ہوئی پلٹنے لگی۔

رات صاحب بہادر بخار میں پھنک رہے تھے۔ اب باتھ لیا جا رہا ہے۔ ہمیں کیا؟

اس نے شانے اچکائے۔ ایک قدم بڑھایا ہی تھا واپسی کے لئے کہ فون کی بیل رنگ ہوئی۔ وہ پھر اندر چلی آئی۔ ریسیور اٹھایا ہیلو۔

جی ڈاکٹر مسعود، جی ہاں، میں وہی ہوں وہ تو اس وقت غسل میں مصروف ہیں۔

ٹھنڈا پانی ڈال دوں ان پر۔ یہ تو میں نہیں کر سکتی۔

جی اپنی مرضی کے مالک ہیں۔ ان کو کوئی روکنے والا نہیں..... آپ بھی تکلیف نہ کیا کریں۔ وقت کی بربادی ہے۔

جی اب باتھ روم سے باہر آئیں گے تب ہی پتا چل سکے گا۔ کیونکہ میری رات سے اب تک ملاقات نہیں ہوئی۔

نہیں سو رہے تھے اس لئے خیر خبر نہیں لی۔

وہ قدرے خجل ہو کر گویا ہوئی۔

معاً اس کے ہاتھ سے بھیگا ٹھنڈا ہاتھ ٹکرایا۔ ریسیور ایک طرح سے چھین لیا گیا۔

وحشی ایک دم۔ بے تکے انداز میں ریسیور لینے پر اس کی لطیف طبیعت پر جیسے ضرب سی پڑی تھی۔

سر دھویا ہے اور کہنیوں تک ہاتھ بس کہنیوں سے ذرا اوپر۔ اور گردن سے ذرا نیچے پانی ڈالا ہے۔ نہایا تو نہیں ہوں۔

بچہ نہیں ہوں یار۔ ٹھیک ہوں اب کیوں۔ مجھے نازک انداز حسینہ بنانے پر تلے ہوئے ہو۔ دو چار ظاہری زخم پر ساری زنانہ دردیوں کے ٹوکرے اٹھائے دوڑ پڑی ہے۔ کچھ بھی نہیں ہے یار مٹی ڈالو۔

وہ باہر آ گئی تھی۔ اسے خود بھی تیار ہونا تھا۔ اندر ہی اندر اسے ڈر بھی لگ رہا تھا کہ نہ جانے ثمینہ اب کیا موڑ لیں۔ اراض تو لازماً ہوں گی۔

مگر میں کب تک دوسروں کی پروا کرتی رہوں؟ اس کے اندر سے سرکشی نے بھرپور سر ابھارا۔ اس نے آج پھر سفید اور سبز تھری پیس یعنی دوپٹہ سمیت سوٹ زیب تن کیا۔

جلدی جلدی بالوں کو سلجھا کر چوٹی کی اور بس یہ اس کی تیاری تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ریسٹ واچ کلائی میں ڈال کر وہ احسن کے لئے چائے کا کپ تیار کرنے کچن میں چلی آئی۔ کپ ٹنافٹ تیار کیا اسے ڈھانپ کر کمرے میں آئی۔ وہ کھڑکی کے پردے ہٹائے باہر دیکھ رہا تھا۔

یہ چائے۔ اس نے کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے معمول کا جملہ دہرایا۔

احسن نے پلٹ کر اس کی سمت دیکھا۔ بلکہ اس کی تیاری کو دیکھا۔ مگر چپ رہا۔

وہ تیزی سے واپس آئی تو ثمینہ لاؤنج میں کرسی پر بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھیں۔

نظر کی ہاف فریم عینک ان کی ناک پر ٹکی تھی۔ جس کے اوپر سے انہوں نے گھور کر اس کے لشتم پشتم انداز کو دیکھا۔

رات تک کا تو تم نے انتظام کر لیا۔ اب کیا کل اور پرسوں کا کرنے چلی ہو؟

بس پھوپھو! بات ہی کچھ ایسی ہے پھول بی بی آج تم اطمینان سے کام کر لو اپنا کام، پھوپھو تو گھر ہی میں ہیں۔

ہاں تو گھر میں ہوں مگر تم کس نگر چلی ہو؟ وہ اسے پرس، چادر، سینڈل سنبھالتے دیکھ کر واقعی حیران ہوئیں۔

پھوپھو۔ سوری پھوپھو۔ سچ اگر نئی بات نہ ہوتی تو میں آج ضرور چھٹی کر لیتی۔ ناشتہ تیار ہے۔ ہاٹ پاٹ میز پر اٹھے ہیں۔ فرنچ ٹوسٹ بھی تیار کر لئے ہیں۔

ہم تمہارے گھر آئے ہیں بی بی۔ تم کہاں بھاگی جا رہی ہو؟ اب تو وہ مارے حیرانی کے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

یہ میرا گھر نہیں ہے پھوپھو۔ ایک پناہ گاہ، عارضی، جو خالہ جان کے طفیل فی الحال مجھے حاصل ہے۔

ثمینہ اس کی بات سنتے ہوئے اس کی پشت پر بھی دیکھ رہی تھیں۔ جہاں احسن کپ تھامے جانے کب آ کھڑا ہوا تھا۔

میں ایک فیکٹری میں ملازمت کر رہی ہوں پھوپھو۔ شاید آپ کو نہ بتاتی مگر کیا کروں ابھی چند روز ہی تو ہوئے ہیں۔ چھٹی کر لی تو امیج ہی بگڑ جائے گا۔ پھوپھو مجبوری ہے۔ آپ برا نہیں منائیے گا۔ اس نے انہیں تھام کر جیسے بہلانے کی کوشش کی۔

اوہ اس کی ساری بھاگ دوڑ، افراتفری، اٹھا پٹخ سمجھ میں آ گئی۔

"گھر پناہ گاہ ہی تو ہوتا ہے۔ بیٹے!"

مگر اپنا گھر۔ اس نے سینڈل پہن کر سنبھالی۔ کتنی روڈ اور اکھڑ لگی تھی اس دم ثمینہ کو جیسے یقین نہیں آیا تھا۔

تمہاری آمدنی کیا اتنی کم ہے احسن کہ اس بے چاری کو یہ بار بھی اٹھانا پڑ رہا ہے؟ ان کی آواز میں ایک دکھ سا تھا

یہ اپنی مرضی اور خوشی سے کر رہی ہیں پھوپھو۔ میں آپ کون ہوتے ہیں دخل دینے والے۔

وہ سرد لہجے میں کہہ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

اس میں مرضی اور خوشی کا کیا سوال۔ اللہ کا دیا سب کچھ تو ہے تمہارے پاس۔ پھر کیا ہے یہ سب؟ وہ قدرے ناراضگی سے احسن کی سمت دیکھ رہی تھیں۔

میں نے انہیں کہا ہے۔

پھر کیوں فیکٹری جاتی ہے یہ؟ جب تمہاری طرف سے اجازت ہے تب ہی تو جاتی ہے ناں؟

وہ اسی انداز میں گویا ہوئیں۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے پھوپھو!"

ارے بیٹھو یہاں۔ یہ کیا تماشا بنایا ہوا ہے تم لوگوں نے؟ تمہارا پورا نہیں پڑتا احسن؟

اللہ کا شکر ہے پھوپھو بہت کرم ہے اس نے ان کے سامنے سے اخبار اٹھا لیا۔

پھر تمہیں کیا آفت آئی ہے اس جان ماری کی؟ اب وہ شہوار سے مخاطب ہوئیں۔

ں ایک زندہ وجود ہوں پھوپھو۔ محدود سہی۔ مگر اپنی بھی ضرورتیں ہیں یا کیا زہر کھا لوں؟ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

ہر کھائیں تمہارے دشمن ارے اس نے سینکڑوں لوگوں کے بیچ تمہاری ذمہ داری قبول کی ہے۔ تمہارا نان نفقہ اس ے ہے بابا۔ اگر شوق ہوا ہے تو کوئی ایسی نوکری حاصل کرو جس میں اس کی بھی عزت ہو۔ انہوں نے احسن کی سمت لیا۔

کری کرنا کوئی ایسے اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ مگر جس قسم کے حالات سے وہ گزر رہے تھے۔ اس نے سب ہی کو حساس بنا دیا تھا۔ بات بات پر شک سا ہوتا تھا۔ اسی سبب ثمینہ نے کریدا تھی اور واقعی کوئی بات برآمد ہو رہی تھی۔

ئے محض روٹی کپڑے کا نہیں ہوتا پھوپھو۔ وہ چپکے سے آنکھیں پونچھ کر بولی۔

بھی۔ سارے جہاں کا دستور ہے یہ۔ اللہ نے کمائی کی ذمہ داری مرد پر ڈالی ہے۔ اور عورت کے ذمے یہ ہے کہ وہ ہی اور سعادت مند اولاد تخلیق دے۔ ان کی دیکھ بھال اور تربیت میں کوئی کسر نہ چھوڑے۔

ں سب کچھ سمجھ چکی ہوں اب تک جھگڑا ہے تم دونوں میں۔ دو گھڑی میں سمجھ گئی تھی میں۔ وہ تو یہ چاہ رہی تھی تم دونوں رح خود ہی کھلو۔ ارے احسن بچوں کو مات کر دیا تم نے لڑکی ہلکان ہو کر رہ گئی۔ اور یہ بھابی جان کون سے عقدے لگی ہیں۔ چلو بیٹھو آرام سے گھر میں انہوں نے جیسے حکم دیا۔

لیز پھوپھو بڑی مشکل سے حاصل کی ہے میں نے یہ ملازمت۔ سوری یہ بات نہیں مان سکتی۔

کھ رہے ہو احسن؟ انہیں جیسے دکھ سا ہوا۔

سن نے ایک گہرا سانس لیا اور کرسی پر مزید آرام سے بیٹھ گیا۔ ایک لحظے کے لئے بھی نظریں نہیں اٹھائی تھیں۔

م نے اس کی ضرورتوں کا خیال رکھا ہوتا تھا یہ نوبت کیوں آتی۔ ظاہر ہے جب ناک کے مسئلے چل رہے ہیں ایسی ، میں یہ تمہارے سامنے ہاتھ پھیلانے سے تو رہی۔ جب عورت گھر لے آتے ہیں تو اس کی چھوٹی بڑی ضرورتوں کا ال رکھتے ہیں۔

پ سے کس نے کہا کہ میں انکار کر رہا ہوں؟

را انکار اقرار کے کیا پوسٹر لگائے جاتے ہیں؟ جب اسے تکلیف ہوئی تو باہر نکل کھڑی ہوئی۔

ب چیز گھر میں ہوتی ہے۔ بے نیازی سے جواب ملا۔

یک عمر ہوتی ہے شوق کی احسن برا مت ماننا تم ہماری اولاد سہی۔ مگر اس کی اس ساری پریشانی میں تمہارا ہاتھ ہے۔ تو ہمیشہ سے زیادہ اس وقت اس کی دلجوئی کرنا چاہیے۔

مینہ کو یوں بھی وہ کل سے قربانی کی گائے لگنے لگی تھی۔ انتہائی رقیق۔ بات بات پر رو پڑتی تھی۔

نی دانست میں، میں نے مرتے دم تک کی پریشانی سے نجات دلانے کے لئے یہ سب کیا تھا۔ بڑے آرام سے الو بنا پھوپھو۔ آج کے دور میں علم قیاف یعنی چہروں کا پڑھنا فیل ہو چکا ہے۔

ت بات گھما کر ادھر ادھر۔

یوں تم نے اس کا دھیان نہیں رکھا۔ کیوں ضرورت پیش آئی اسے؟ وہ ڈپٹ کر گویا ہوئیں۔

بھی آئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔ گھر میں سارا دن ضروری سامان موجود ہے۔ میرا ایک چپڑاسی ہے اس کو اضافی ئے دیتا ہوں کہ وہ ہر ہفتے ضروری اشیاء گھر میں بھر دیتا ہے۔ درمیان میں بھی چکر لگا کر پوچھ لیتا ہے..... آنے جانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ہم دونوں ہی قابل نہیں۔ شکیلہ کی جب سے طبیعت خراب ہوئی ہے وہ بھی آنے سے مجبور ہوگئی اور شہوار نے ادھر طرف چلنے کا کبھی ارادہ ظاہر نہیں کیا۔

تو گویا تم اسے کبھی آؤٹنگ پر بھی لے کر نہیں گئے۔ یہ گھر ہے اس کا یا ''کالا پانی'' یہ تو تم نے اس کا خیال رکھا ہوا۔

ادھر آؤ تم..... وہ احسن سے مخاطب ہوئیں۔ اور تم بھی۔ وہ شہوار کو بازو سے پکڑ کر گویا ہوئیں اور اس کے بیڈروم طرف بڑھیں۔

اندر داخل ہوتے ہی انہوں نے وارڈروب کے چاروں پٹ کھول دیے۔

اس میں صرف تمہاری چیزیں ہیں۔ یہ ڈریسنگ ٹیبل..... اس پر بھی تمہارا قبضہ ہے۔ کتنے سوٹ ہیں تمہارے پا شہوار.....؟

چار..... ایک شکیلہ نے بنایا تھا۔ دو خالہ جان نے۔ ایک میں گھر سے پہن کر آئی تھی۔ شہوار نے بھی کوئی احسن حاوی دیکھا تو سچ بتانے ذرا دیر نہ لگائی۔

ماشاءاللہ..... تم سے قیامت تک نہ برتے جائیں گے اتنے سارے کپڑے..... وہ احسن کی سمت دیکھ کر ناراضگی بولیں۔

پھر یہ کہتے ہوا پنی مرضی سے کر رہی ہے۔ بڑی روحانی مسرت حاصل ہوتی اسے دھکے کھا کر۔ ایسا کرو، ایک اسٹ میں اسے بند کر دو اور ایک ہول دروازے میں بنا دو۔ وہیں سے کھانے کی پلیٹ اسے تھما دیا کرنا۔

دکھ اور صدمے سے ثمینہ کی بری حالت تھی۔ انہیں احسن سے ایسی امید نہیں تھی۔

احسن خاموش کھڑا پھوپھی کی صلواتیں سن رہا تھا۔

ہمیں معاف کر دینا شہوار..... ہماری بہت بڑی غفلت ہے جو زاید اعتماد کے نتیجے میں ہوئی..... ہمیں تمہاری ہر طر سے خبر گیری کرنا چاہیے تھی۔ سارے جہاں سے کٹی ہوئی ہو۔

میں بات نہیں کروں گی تم سے احسن۔ وہ رونے لگیں۔

جو کچھ اس کے ساتھ ہوا کیا تھوڑا ہے۔ اگر میرے ساتھ یہ سب کچھ ہوتا تو بی ہوگئی ہوتی مجھے۔ کتنا حوصلہ ہے اس میں۔ ہمارے آگے بھی اولاد ہے۔ ہم خاموش تماشائی نہیں بنیں گے۔ خبردار جو تم نے مجھ سے بات کی۔ لاؤ اپنی فیکٹر نمبر دو مجھے۔ میں کرتی ہوں وہاں فون۔ نہیں کر رہی ہماری بچی آپ کے ہاں نوکری دو کری۔ وہ آنکھیں پونچھتے ہو شہوار سے مخاطب ہوئیں۔

میں خود کر دیتی ہوں پھوپھو۔ شہوار نے انہیں سمجھایا۔ ایک طاقت ور حمایتی کے طور پر وہ اس وقت اسے ساری دنیا اچھی لگ رہی تھیں۔

ممی۔ آجاؤں..... کلاس ہوگئی.....؟ فیضان نے دروازہ کھول کر شرارت سے اندر جھانکا۔ جس وقت وہ لاؤنج تھے، وہ اٹھ کر باتھ روم میں برش کرنے میں مصروف تھا۔

چلو..... میں بھی باہر آ رہی ہوں۔ شہوار فون کر کے جلدی سے آجاؤ۔ وہ کہتے ہوئے باہر نکل گئیں۔

شہوار نے آگے بڑھ کر نمبر ملایا۔ اکرام صاحب بول رہے تھے۔

جی سر..... میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آج حاضر نہ ہو سکوں گی۔ صرف آج کی رخصت، بہت زیادہ خراب ہے آپ اسد صاحب سے کہیے گا۔ میں اپنی یقین دہانیوں میں ہر طرح سے مخلص ہوں..... مگر دیکھیے طبیعت کی خرابی تو ظ

..... یوں سمجھیے لے ڈاؤن ہوں..... واقعی سر..... تھینک یو..... اس نے ریسیور رکھ دیا۔

سامنے صوفے پر کسی گہری سوچ میں غرق نظر آیا۔ اتنے روڈ اور انتہائی تاثرات تھے کہ خوف سے اسے جھرجھری جلدی سے باہر آ گئی۔ اور آتے ہی ناشتہ ٹیبل پر سجانے لگی۔ اتنے میں ثمینہ اونین اسٹائل کا جوڑا سر پر ٹکاتی

کو بلاؤ شہوار۔

یہ تھا کہ اسے برا بھلا کہہ کر اب خود بھی رونے کو ہو رہی تھیں۔ اس کی جدوجہد اور مشکلات کے ایک ایک لمحے نہیں مگر اس کی زیادتی پر بھی چپ نہیں رہ سکتی تھیں۔

پھوپھو.....! اس کے منہ سے خوفزدہ انداز میں نکل گیا۔

ہی تم ہی..... جاؤ بلا لاؤ اسے۔

ن جھاڑ ملامت کے جواب میں خاموشی اختیار کر لے تو جھاڑ پلانے والے پر اس کا ردعمل یہ ہوتا ہے کہ اسے اپنی ''محسوس ہونے لگتی ہے۔ اور پھر آج کے دور کا وہ شخص جو ہر طرح سے خودمختار ہو اتنی باتیں کسی کی سن لے؟ یں لوگوں کی حقیقی اولاد کس طرح سوال و جواب کرتی ہے۔

ہی، بلا لاؤ ناں..... وہ اسے چپ دیکھ کر پھر گویا ہوئیں۔

چارا اسے بلانے آئی۔

پھوپھو کہہ رہی ہیں ناشتہ کر لیں۔ احسن نے قدرے چونک کر سامنے دیکھا۔ وہ بہت الجھن میں محسوس ہوتا تھا۔

ادھر آؤ..... وہ شہوار سے مخاطب ہوا..... سرد لہجہ واضح تھا۔

..... میں..... اسے سچ مچ ڈر لگا۔

یار کو نہیں کہہ رہا ہوں۔ آپ سے مخاطب ہوں محترمہ..... ادھر آیئے۔ اس کا تو حلق سوکھنے لگا۔

اب وہ ساری جھاڑ کا بدلہ چکائے گا۔

ہراتی ہوئی آگے بڑھی۔

ازہ بند کر کے آؤ۔

.....! اس نے پیچھے ہاتھ کر کے دروازہ دھکیل دیا۔

نے نزدیک چلی آئی.....

کیے۔ اس نے اکھڑے ہوئے انداز میں سوال کیا۔

نے اس کا بازو تھام کر جیسے اسے صوفے پر پٹخ دیا۔

یہاں آرام سے اور بتاؤ کیا فیصلہ ہے تمہارا؟ وہ سرخ نظریں اس کے چہرے پر جمائے ہوئے تھا۔

یا فیصلہ؟

گی کا فیصلہ..... جو تم نے مجھے سنایا تھا۔ پھوپھو کو کیوں نہیں سنایا تھا۔ اب جب کہ وہ یہ سب کچھ کہہ رہی تھیں۔

کام تو پہا کر رہے تھے۔ اس وقت آپ کو کیا تکلیف تھی۔ بہت سکون سے ہو رہا تھا یہ کام۔

تمہاری تکلیف کی تکلیف تھی۔ اس لئے کہ میں تمہارے تاثرات سے دھوکا کھائے ہوئے تھا۔ اور اب بھی سکون کی خاطر تمہاری مرضی کا فیصلہ کرنے کو تیار ہوں۔ وہ پرسکون انداز میں گویا ہوا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میری مرضی کیوں کہہ رہے ہیں۔اپنی کہیے صرف۔وہ بھڑک کر گویا ہوئی۔

جی نہیں.....میرا حافظہ اتنا کمزور نہیں ہے۔

آپ نے جو اپنی والدہ سے فون پر کہا وہ مجھے ازبر ہے۔آپ پر دھوکا دہی کا کیس ہے محترمہ.....!وہ ناراض کہہ رہا تھا۔

اور آپ.....آپ کو کچھ اپنے کیے دھرے کا احساس ہے.....کہیں کا نہیں چھوڑا آپ نے مجھے۔

خیر یوں نہ کہو.....بڑے اچھے امکانات ہیں تمہارے سامنے۔ملازمت کے سلسلے میں کرائی گئی یقین دہا دوسری سمت موڑنا اتنا مشکل بھی نہیں۔

مطلب کا ہے آپ کا؟وہ بھڑک کر کھڑی ہوگئی۔

جو چیز اچھی ہوتی ہے ظاہر وہ سب کو ہی اچھی لگتی ہے۔جو باس اپنی معمولی ورکر کا اتنا خیال رکھے کہ ا دروازے تک چھوڑ کر جائے.....اس کے دل میں ورکر کے لئے دوسروں سے زیادہ گنجائش ہوگی۔وثوق سے کہا

آپ بغیر اسناد کے ملازمت حاصل نے میں کامیاب ہوسکتی ہیں۔جب تک دوسری طرف نرم گوشہ نہ ہو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا.....میں بھی ایک فرم کو ڈیل کرتا ہوں۔خاصے ورکرز ڈومینٹ کرتا ہوں۔مرد و خوا ورکرز، میرے ہاں تو اتنی گنجائش کبھی کسی کے لئے پیدا نہیں ہوئی؟یہ نکتہ قابل غور ہے محترمہ.....!

وہ سگریٹ سلگانے جھک گیا تھا.....اتنے واضح امکانات ہیں آپ کے سامنے۔

شہوار تو جیسے فضا میں معلق ہوگئی۔زبان جیسے پتھر کی ہوگئی.....جیسے اتنی پستی میں بھی اتر سکتے ہیں میں سوچ تھی بالآخر وہ گویا ہوئی۔

میں یہ نہیں کہتا کہ آپ کا کیا پروگرام ہے فی الحال۔مگر کھیل کا آغاز عموماً مرد کی طرف سے ہی ہوتا ہے۔ طرف سے ٹھیک ٹھاک ہو تو عورت کو متوجہ اور پھر قائل کر ہی لیتا ہے۔پھر آپ کیسے کہہ سکتی ہیں۔آپ کی زند سنگ میل نہیں رہا؟وہ گہرا کش لے کر سامنے دیکھتے ہوئے دھواں چھوڑنے لگا۔

شہوار آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر جیسے اس کے جلاد ہونے کا یقین کر رہی تھی۔

اور مزید یہ کہ.....

خاموش ہو جایئے.....اگر ایک لفظ مزید کہا تو میں آپ کی جان لے لوں گی یا اپنی شہ رگ کاٹ لوں گی طاقت سے چلائی۔

آپ.....آپ وہ نہیں احسن.....آہ.....اسے چکر آ گیا.....وہ صوفے کی بائیں طرف لڑھک گئی تھی۔

احسن جلتی سگریٹ ایش ٹرے میں رکھ کر ایک دم کھڑا ہوگیا۔

شہوار.....اوہ مائی گاڈ.....وہ سچ مچ چکرا گیا۔

پھوپھو تو آج ''فائنل'' ہی کر ڈالیں گیں۔

اس نے شہوار کو جھک کر اٹھایا.....اور بستر پر ڈال دیا.....اور جگ سے پانی چلو میں لے کر چھینٹے ڈالنا اس میں حرکت نہ ہوئی۔

اس نے ڈاکٹر مسعود کو فوری رنگ کرنے کی ضرورت کو محسوس کیا۔

یار.....بس فٹافٹ آ جاؤ.....بندہ خدا مجھے نہانے سے کچھ نہیں ہوا.....ایک اور بس ہے پلیز.....ہو

ئے تو کیس بن جائے گا مجھ پر.....

مصیبت ہے.....اٹھ جاؤ، اللہ کی بندی.....سخت مظلوم ہوں میں یقین کرو۔اس کی جان پر بن رہی تھی۔

.....!باہر سے پھول بی بی کی آواز آئی۔ساتھ ہی اس نے عادتاً دروازہ کھول دیا۔پھر بڑی سی چیخ کے ساتھ

کو کیا ہوگیا صاحب.....یہ تو لگتا ہے مرگیا.....بے وقوف نے جلتی پر جیسے تیل چھڑکا۔

ہاں سے کچھ نہیں ہوا بی بی کو چکر آ گیا تھا۔وہ جھلایا۔

چکر.....؟وہ سر کھجاتے ہوئے حیران سی شہوار کو دیکھ رہی تھی۔

طرح گھڑی دیکھ کر نہیں آتے سب کو چکر.....جاؤ یہاں سے.....اس نے ڈانٹا۔

تازہ ترین صورت حال سے مطلع کرنے دوڑ گئی۔

ایت پریشانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

ینہ جیسے بھاگتی ہوئی آئیں۔

ے؟بولتے کیوں نہیں.....کیوں لیٹی ہے یہ اس طرح؟وہ دھپ سے بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

نے ہی کچھ کیا ہے.....؟انہوں نے مشکوک انداز میں احسن کو دیکھا۔

یں آ جائیں گی محترمہ تو پوچھ لیجیے گا۔اس نے جیسے بات ٹالی۔وہ نظر نہیں ملا رہا تھا۔ثمینہ اسے ہوش میں لانے نے لگیں۔

فون کر دو۔سرنج لگا کر ایک دفعہ خون نکال لو اس کا۔وہ سخت گھبرائی ہوئی تھیں۔

ں.....وہ اٹھ کر باہر آ گیا۔فیضان اسی طرف آ رہا تھا۔

ت خراب ہے بھابی جان کی.....؟وہ فکرمند لہجے میں دریافت کرنے لگا۔

، اشارے سے اثبات میں جواب دیا اور لاؤنج میں چلا آیا۔

ر پندرہ منٹ کے اندر اندر پہنچ گئے تھے.....احسن نے گاڑی کی آواز سنتے ہی گیٹ کھول دیا تھا۔

ہے یار.....؟وہ تولتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔

ماں.....ایک مریضہ اندر تمہاری منتظر ہیں۔اس نے ان کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

لزن تو نہیں.....؟ڈاکٹر مسعود فوراً پہنچے۔

وہی.....

لئے اپنے بیڈ روم چلا آیا۔

۔ڈاکٹر مسعود نے فکرمندی سی ایک نظر ڈال کر سلام کیا۔

یری پھوپھو ہیں۔اس نے آہستہ آواز میں تعارف کرایا۔

ان کی صاحبزادی ہیں؟انہوں نے شہوار کی سمت اشاری کر کے کہا۔

ن میں یہی آ سکتا تھا کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ ہی یہاں رہتی ہوگی۔

ماری.....ان موصوف کی بیگم صاحبہ.....ثمینہ سے گویا ہوئیں۔

نے بڑی حیرانی سے احسن کی سمت دیکھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ نظریں چرا گیا۔ ڈاکٹر مسعود ثمینہ کی طرف دیکھ کر خاموش ہو رہے اور شہوار کا چیک اپ کرنے لگے۔

ان کی دھڑکن سے تو یہ بات واضح ہے کہ بڑا گہرا صدمہ پہنچا ہے انہیں۔ خیریت.....؟ وہ ثمینہ سے ہوئے..... خدانخواستہ خاندان میں کوئی۔

اللہ نہ کرے..... میں ذرا کام سے باہر جا رہی ہوں۔ کر لیجئے آپ اس سے انٹرویو..... کیونکہ اس کی حالت یہی عینی شاہد ہے۔ ثمینہ کے اندر میں بلا کی ناراضگی تھی۔

احسن بڑا پھنسا تھا۔

بڑے افسوس کی بات ہے یار..... میں تم سے ٹریٹ تو نہیں مانگ رہا تھا۔ میرے ساتھ غلط بیانی۔ ڈاکٹر م شکایتی انداز میں اس سے کہا اور مسلسل اسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگے۔

احسن مجرم کی طرح خاموش تھا۔

خاصی تگ و دو کے بعد اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔

السلام علیکم بھابی..... کیسی ہیں؟

شہوار کو ان کے انداز پر اتنی حیرت ہوئی کہ ایک دم پوری طرح ہوش میں آ گئی۔

شاباش..... خود کو سنبھالیے..... کیا ہوا..... خیریت تو ہے ناں.....؟

شہوار تکیے سے سہارے بیٹھ گئی اور دوپٹہ درست کرنے لگی۔

ٹھیک ہوں میں۔ اس نے گم صم انداز میں جواب دیا۔

بچے کتنے ہیں..... اب چھپانے سے کیا فائدہ.....؟ وہ احسن سے مخاطب ہوئے۔

کیا باتیں کر رہے ہو یار؟ وہ الجھے ہوئے انداز میں مسکرا دیا۔

اب تمہارا اعتبار نہیں۔ سر سے پاؤں تک مشکوک ہو چکے ہو۔ ڈاکٹر مسعود نے اس کی طرف جیسے خفگی سے دیکھا یہ بات چھپانے کی ہوا کرتی ہے۔ یہ تو بہت خوشی کی بات ہے..... مگر چھوڑو..... بڑا افسوس ہوا۔ کیا فلمی اداکا سی حرکت ہے۔ انہیں جیسے دلی افسوس ہوا تھا۔

بات یہ ہے کہ میں تمہیں کسی دن شاید ساری صورت حال سمجھا دیتا مگر موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔ جتنا مرضی ہا جاؤ، جب تمہیں ساری بات معلوم ہو جائے گی تو یہ سارا بھوت اتر جائے گا۔ بیٹھو میں چائے بنواتا ہوں احسن نے زبردستی بٹھایا اور خود باہر چلا گیا۔

وہ سر جھکائے گہری سوچ میں غرق تھی۔

بھابی! آپ کے سامنے ہی تو تعارف کرایا تھا۔ اس نے آپ نے بھی تصحیح نہیں کی تھی۔ ڈاکٹر مسعود نے جیسے ا بٹانا چاہی۔

شہوار نے خالی خالی آنکھیں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا پھر ایک گہرا سانس لے کر آنکھیں موند لیں۔

خدانخواستہ کیا شاک پہنچا ہے آپ کو۔ کوئی بری خبر سنی ہے۔ ہمت سے کام لیجیے زندگی کے بہت سے رنگ ہیں ان موقعوں پر اگر انسان خود کو سنبھالنے کی کوشش نہ کرے تو نفسیاتی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں جو..... انسان کو دیا کرتی ہیں حوصلے سے کام لیجیے۔

شہوار پتھر کے بت کی طرح سامنے گھورتی ہوئی ان کی بات سن رہی تھی۔

پ سن رہی ہیں ناں.....؟ انہوں نے اس کی خاموشی توڑنا چاہی۔

ی.....! اس نے گویا سسکاری سی بھری۔

ثمینہ اس کے آنکھیں کھولتے ہی باہر چلی گئی تھیں۔ مبادا وہ سامنے ہمدرد پا کر پھر رونا پیٹنا شروع کر دے۔

ب قدرے تاخیر کے بعد چائے کا کپ لئے دوبارہ داخل ہوئیں۔

نہارے لئے چائے لاؤں شہوار.....؟ انہوں نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔

یں پھوپھو..... آپ پریشان مت ہوں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ وہ زبردستی مسکرا کر انہیں تسلی دینے لگی۔

ری فکر تو بالکل نہیں کرو اپنی حالت دیکھو چندا۔

ں آپ لوگ ان کا خیال رکھیے۔ ان کی توجہ بٹائیے۔ ڈاکٹر مسعود نے کپ تھام کر پیشہ وارانہ انداز میں مشورہ دیا۔

پ یہیں قریب رہتے ہیں۔ ثمینہ نے اخلاقاً اپنی توجہ ان کی طرف کی۔

یں اتنا قریب بھی نہیں۔ بس دل زیادہ قریب ہیں۔ وہ مسکرائے۔

سلام آباد کالج میں ہمارا ایف۔ ایس سی تک ساتھ رہا پھر میں کراچی آ گیا۔ ایس ایم سی میں میرا ایڈمیشن ہو گیا۔ بعد ں پریکٹس شروع کر دی۔ بس اب یہیں کے ہو رہے۔ اتفاق زمانہ اب پھر مل گئے ہیں۔ اسی وجہ سے تو مجھے افسوس بھابی گھر آ گئیں اور اس نے مجھے ہوا تک نہیں لگائی۔ انہیں تاسف ہوا۔

ں..... بس آج کل اس کے ستارے ہی گردش میں ہیں۔ سب کو اس سے شکایت ہو چلی ہے۔ ثمینہ نے نہایت دکھ

پ یہیں رہتی ہیں۔ احسن کے ساتھ؟ انہوں نے احسن کی پھوپھی ہونے کے ناتے خصوصی توجہ دی۔

یں، میں تو بیس اکیس سال سے قطر میں ہوں۔ ایک ضروری کام سے پاکستان آئی ہوں۔ آج شام اسلام آباد چلی ا وہاں سے ایک روز کے لئے اپنی سسرال پھر واپسی میں یہیں سے ہو کر جاؤں گی۔ کل پندرہ دن کا پروگرام ہے۔

نے میں فیضان نے کمرے میں قدم رکھا۔

فیضی بیٹا..... ان سے ملو، یہ تمہارے احسن بھائی کے دوست ہیں ڈاکٹر مسعود۔

نان نے آگے بڑھ کر مصافحہ کیا۔

یٹا ہے میرا۔

اکٹر مسعود بھی خوش آمدید کے انداز میں مسکرا دیے۔

ی ہیں بھابی جان آپ؟ فیضان بیڈ پر شہوار کے قریب بیٹھ گیا۔

ئی نہیں ہوا مجھے..... ٹھیک ہوں۔ ایسے ہی بس چکر آ گیا تھا۔ اس نے پھر زبردستی کی مسکراہٹ لبوں پر سجائی۔ سی لمحے رد داخل ہوا۔

آپنا حال بتاؤ یار۔ شکایت اپنی جگہ، پیشہ اپنی جگہ..... انہوں نے احسن کو مخاطب کیا۔

خت جان ہوں..... فاؤل سنبھل جاتا ہوں۔ اب یہ زخم ہیں، تکلیف تو ہو گی مگر..... کیا کیا جا سکتا ہے۔ وہ ڈاکٹر کے برابر میں بیٹھ گیا۔

ہا پھر میں چلوں.....؟ اجازت دو..... خدا حافظ..... وہ ثمینہ اور فیضان کی طرف متوجہ ہوئے۔

ہار۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں بس.....اب تو صرف لڑائی کرنے کے لئے ملنا ہے۔خوب بے وقوف بنایا تم نے؟ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

احسن نے صرف ایک مدھم سی مسکراہٹ پر اکتفا کیا۔ان کو گیٹ تک رخصت کرنے کے خیال سے ان کے ساتھ باہر نکل گیا۔

پھوپھو آپ آج ہی چلی جائیں گی؟ اس نے پریشان سے انداز میں پوچھا۔

ہاں.....وہاں تو پہنچنا بہت ہی ضروری ہے۔خدا معلوم کیا ہو جائے۔بھابی جان بہت بے چینی سے میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔

گھبرانے کی کیا بات ہے۔تمہارا گھر ہے،تمہارا مرد ہے۔پاؤں جماؤ،اپنا سمجھو۔انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں بھی اسے ذرا ٹھیک کر کے جاؤں گی۔

شہوار نے آنکھیں موند لیں۔احسن کے الفاظ ہنوز بھاری پتھر کی طرح اس کے دماغ میں ضرب لگا رہے تھے۔ اب واقعی کوئی فیصلہ کرنا چاہ رہی تھی۔

اتفاق ہی ہوا تھا۔ثمینہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوئیں انہیں غیر معمولی چہل پہل کا احساس ہوا۔ڈرائنگ روم سے باتوں کی آواز آ رہی تھی۔سامنے ہی نائلہ زرد ریشمی سوٹ پر سرخ ویلوٹ کی شال اوڑھے نظر آ گئی۔خوشی سے چیخ مار کر ثمینہ سے گلے لگ گئی تھی۔

اور یہی چیخ ثمینہ کی آمد کا نقارہ بن گئی۔ہر طرف سے کوئی نہ کوئی آ موجود ہوا۔صفیہ نے آگے بڑھ کر نند کو گلے لگایا۔

ثمینہ نے گہری نظر سے ان کا جائزہ لیا۔وہاں کوئی تاثر نظر نہ آیا۔

مہمان آئے ہوئے ہیں؟ انہوں نے احمر کو سینے سے لگا کر سوال کیا۔

ہاں۔وہی ہیں ملتان والے.....صفیہ نے بے دلی سے جواب دیا۔اور فیضان کو پیار کرنے لگیں۔آ گئے؟ پہلے آئے ہیں؟ انہیں فطری طور پر کھوج ہوئی۔

ہاں.....آئے تو پہلی مرتبہ ہیں۔مگر لگتا یہی ہے پہلی مرتبہ بارات لے کر آئے ہیں۔وہ قدرے آزردگی سے گویا ہوئیں۔

ثمینہ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں معاملے کی تہہ تک پہنچ گئیں۔

بھائی صاحب کہاں ہیں؟ اندر ہیں۔انہوں نے ڈرائنگ روم کی سمت اشارہ کیا۔

ہاں.....اپنے پسندیدہ مہمانوں کے ساتھ بیٹھے ہیں۔بڑی خوش وقتی ہے انہوں نے جیسے جل کر کہا۔

تم ہاتھ منہ دھو لو۔پھر مل لینا۔جاؤ احمر اپنے ابا جی کو بلا لاؤ۔کہو پھوپھو آئی ہیں۔وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔

ثمینہ نے نبیلہ کی سمت دیکھا۔وہ جامنی پرنٹ کے سوٹ میں بے حد سوگوار محسوس ہو رہی تھی۔

چندا.....دل چھوٹا نہ کرنا.....کچھ نہیں ہونے دوں گی۔چاہے بھائی صاحب میرا کچھ بھی بگاڑ لیں.....آرام سے بیٹھ جاؤ۔اللہ مددگار ہے۔

اور یہ بلی کیسی ہے۔کیا دیدے پھاڑ رہی ہے۔پہلی مرتبہ دیکھا ہے۔انہوں نے پیار سے انیلا کے سر پر چپت لگائی۔ وہ ہنس رہی تھی۔

کتنی پیاری لگ رہی ہیں آپ کالی ساری میں دیکھ رہی ہوں وہ بولی۔

اچھا.....!!!اچھی خبر ہے۔وہ بھی مسکرا دیں۔

وہ منہ ہاتھ دھو کر فارغ ہوئیں تو شیخ رحیم الدین بہن کے سواگت کے لئے باہر آ چکے تھے۔بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ثمینہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

بہت اچھے وقت پر آئیں۔نبیلہ کے رشتے کے لئے لوگ آئے ہوئے ہیں۔.....آؤ اندر آ جاؤ۔ویسے اس مرتبہ بڑی چکر لگا تمہارا۔

جی بس.....سسرال میں شادی کا سلسلہ ہے۔یہ کہنے لگے کہ تم ہی چلی جاؤ۔مجھے تو چھٹی نہیں مل سکتی۔ثمینہ نے سوچا بھابھا نا بغیر دیر کیے بیان کر دیا۔

اچھا.....اچھا.....اچھی بات.....آؤ.....لڑکا بھی آیا ہوا ہے۔

آپ چلیے،آ رہی ہوں میں.....وہ ایک کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔بالوں کو برش کیا۔ساری اچھی طرح سنبھالی۔

آپ بھی آیئے نا بھابی جان!انہوں نے صفیہ کو مخاطب کیا۔

تم جاؤ بھئو.....ہو آئی میں۔وہ کچن کی طرف بڑھتے ہوئے بیزار کن لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔ثمینہ نے خاموشی میں بہتری سمجھی اور ڈرائنگ روم میں چلی گئیں۔

بسم اللہ.....ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

سامنے دو تین لڑکیاں سرخ گوٹا کناری کے کپڑے زیب تن کیے نظر آئیں۔ایک بزرگ خاتون سبز مخمل کے سوٹ میں اپنے حجم کی وجہ سے سمٹا ہوا لحاف معلوم ہوتی تھیں۔

دائیں جانب ایک دس بارہ سال کا لڑکا آتشی گلابی قمیص.....اور زرد رنگ کی پتلون میں بہت تمیز دار نظر آنے کی پریکٹس کر رہا تھا۔گاہے بگاہے نظر اٹھا کر اپنی تمیز اور تہذیب کا تاثر بھی دیکھنے کوشش کر رہا تھا۔غالباً بہت زیادہ تاکید کا مارا ہوا تھا۔

بائیں جانب نظر ڈالی تو سانس ہی رک گیا۔

بڑا کٹریل سا مرد تھا مونچھیں پہلا انعام حاصل کرنے کے قریب قریب تھیں۔آف وائٹ شلوار سوٹ میں بھاری بھرکم جوتوں کے ہمراہ بڑے رعب سے بیٹھے تھے موصوف.....آؤ ثمینہ.....یہ میری چھوٹی بہن ہے چھوٹی۔قطر میں رہتی ہے۔آج ہی آئی ہے۔شیخ صاحب نے تعارف کرایا ثمینہ نے سلام کیا۔

آؤ جی.....خیر نال.....پتر.....کڑی دی پھوپھی اے.....ادب نال سلام کرائے نوں۔

بزرگ خاتون نے فی الفور سفارتی آداب کا مظاہرہ کیا۔

لڑکے نے واقعی جھک کر سلام کیا.....بلکہ پیار لینے کے لئے ان کے آگے سر بھی پیش کر دیا۔

اسی ملتانوں آیاں نیں۔خبر لگی ہوگی تہانوں۔بزرگ خاتون نے مزید پیش قدمی کی تھی۔

جی.....بس جی دل ملن دی دیر اے.....لکھاں خوشیاں نیں۔بال خوش رہن تے فیر ہور کی چاہی دا۔(بچے خوش رہیں اور کیا چاہیے)

ثمینہ چپ رہیں۔

تینوں لڑکیاں ایک سے سرخ گوٹا لگے یونیفارم میں ملبوس بڑے رشک سے ثمینہ جیسی میم کو دیکھ رہی تھیں۔

آپ تو ہوائی جہاز میں جاتے ہوں گے جی باہر ملک۔ان میں سے ایک نے لب کشائی کی۔

ہاں.....ثمینہ باوجود چاہنے کے یہ نہ کہہ سکیں کہ مجبوری ہے کیونکہ خود تو اڑ نہیں سکتے۔مگر وہ بچوں سے یہ بات طنزیہ کہہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر اخلاقیات تباہ کرنے کے موڈ میں نہیں تھیں۔

بمشکل وہ پندرہ بیس منٹ بیٹھیں پھر کھانے کا بہانا کر کے اٹھ آئیں۔ شیخ صاحب بدستور لڑکے سے انٹرویو کرنے میں مصروف تھے۔

ثمینہ باہر آئیں تو صفیہ نے فوراً ان کا چہرہ دیکھا۔

کیسا ہے تمہارے بھائی کا انتخاب؟ وہ بے ساختہ لہجے میں پوچھ بیٹھیں۔

چھوڑیں بھابی جان اس قصے کو..... ان کو ٹافٹ کھانا کھلا کر فارغ کریں۔ وہ جلدی سے نظریں چراتی کچن میں چلی گئیں۔

کیا کر رہی ہو لڑکیو، ٹافٹ کھانا کھلا کر فارغ کرو..... روٹی تیار ہے؟

جی پھوپھو سب کچھ تیار ہے۔ نائلہ نے برتن نکالتے ہوئے غور سے ان کا چہرہ دیکھا۔

کیا دیکھ رہی ہو۔ جلدی سے فارغ کر کے جان چھڑاؤ۔ وہ جھلائیں۔

جان کہاں چھوٹے گی۔ ابا جان کے اسکرز ہیں یہ۔ بیلا ہنسی۔ عجیب پھیکی سی ہنسی۔

بہت چل نکلی ہو۔ میرا لحاظ کیا کرو۔ پھوپھی ساس ہوں تمہاری۔ انہوں نے اس کے سر پر چپت لگائی..... بیلا جھینپ کر باہر نکل گئی۔

کھانا کھاتے کھلاتے رات کے نو بج گئے۔ جیسے ہی وہ قافلہ روانہ ہوا سب نے سکون کا گہرا سانس لیا۔ جیسے کسی مہم سے فارغ ہوئے ہوں۔

ثمینہ نے لڑکیوں کو تاکید کی کہ وہ جلد نماز سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں چلی جائیں۔ نائلہ کاٹن کے کپڑے چینج کر کے بابر مرتضیٰ کا انتظار کر رہی تھی۔ موقع ملا تو پھوپھی کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ دونوں باتیں کرنے لگیں۔

ثمینہ نے چپکے سے بتایا کہ وہ احسن کے پاس سے آ رہی ہیں۔ پھر مختصراً احوال بھی بتا دیا۔

بڑوں کو کچھ کرنا ہوگا نیلی۔ وگرنہ مجھے تو سارا کھیل ہی بگڑتا نظر آ رہا ہے۔ سارے زمانے میں ہماری تھوتھو ہوگی۔ ہمارے لڑکے ہی کی جلد بازی کے سبب بچی در بدر ہے۔

ہائے پھوپھو..... ایسا نہ کہیں، دعا کریں کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے۔

ہاں بھئی دعا تو ہر دم ہے اب یہ نیا کیس۔

پھوپھو..... یہ رشتہ سب کو ناپسند ہے۔ فائنل ہو چکا ہے۔ وہ قطعیت سے گویا ہوئی۔

ہاں۔ مگر ابھی مرحلہ طے ہونا باقی ہے۔

اگر ابا جی بگڑ گئے۔

میں نبیلہ کو لے کر قطر چلی جاؤں گی۔ مگر شکیلہ والا قصہ دوبارہ نہیں ہوگا۔

ابا جی جانے دیں گے.....؟ نائلہ اس اطلاع پر چونکی۔

جب وہ بیٹیوں کے بوجھ اور ذمہ داری کا پتا پھینک کر پائے حق میں بات منوانا چاہیں گے تو میں کہہ دوں گی کہ قطر میں ملنے والے ہیں۔ لڑکی کنویں میں پھینکنے کے بجائے میرے ساتھ کر دیں۔ وہیں کروں گی اس کا بیاہ۔

ہائے کاش ایسا ہو جائے۔ نائلہ نے جیسے دعا کی۔

شکیلہ باجی کے ہاں گئی تھیں آپ؟

ارے کہاں احسن کے ہاں سے فرصت نہیں ہوئی۔ واپسی میں ہوتی جاؤں گی، وہ فون کرتی رہتی ہے مجھے بچے بہت

خوش ہوتے ہیں جب اس کا فون آتا ہے۔

میں بھی کب سے پروگرام بنا رہی ہوں کراچی جانے کا۔ اب تو میں اپنے بھائی سے مل سکتی ہوں۔ کہہ دوں گی کہ باہر کے رشتہ داروں سے ملنے گئی تھی..... اور اگر مل بھی لی تو کیا ہوا۔

اس کی مخصوص فطری خودسری عود کر آئی۔ اب میں پراوہ نہیں کرتی کسی کی۔

ثمینہ نے قدرے تشویش سے اس کا چہرہ دیکھا مگر خاموش رہیں۔

مگر ہماری تو وہ مثل ہے۔ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔ ایک تو بابر کی مصروفیات خیر، اس بار میں پوری کوشش کروں گی عین ممکن ہے بلو آپا آپ کے ساتھ چلیں۔ پھر میں بھی پروگرام بنا لوں گی۔ بڑا لطف رہے گا۔ شکیلہ باجی بہت خوش ہوں گی۔

مگر پھوپھو..... ہم رہیں گے احسن بھائی کے ہاں۔

ثمینہ اس کے منصوبے سن کر مسکرانے لگیں۔

سمجھ میں نہیں آتا..... جو بات سب کو نظر آتی ہے محسوس ہوتی ہے۔ ابا جی کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی۔ آپ نے دیکھا موصوف..... کس دامادی طرے سے فروکش تھے..... کہاں بلو آپا جیسی لطیف مزاج لڑکی کہاں وہ..... اور پھر ان کے ساتھ تو اس قدر زیاتی ہوئی ہے۔

اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ نظریں سامنے گھر کی بالکنی پر ٹک گئیں۔

ان کا تو اب خاص خیال رکھنا چاہیے۔ ورنہ مر جائیں گی پھوپھو۔

خدا نہ کرے۔ تم فکر نہ کرو..... میں جو دوڑی بھاگی پھر رہی ہوں..... اب کچھ نہیں ہوگا انشاء اللہ بھابی سے تو وہ ضد باندھتے ہیں..... میں انہیں سمجھاؤں گی، تم فکر نہ کرو۔ انہوں نے اسے تسلی دی۔ باہر گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔

آگے نائلہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

چلی جاؤ گی..... آج رک جاؤ۔

نہیں مانیں گے۔ نائلہ نے رخ موڑ کر جواب دیا۔

میں کہے دیتی ہوں ثمینہ نے کہا۔

رہنے دیں پھوپھو..... آ جاؤں گی کل..... اس نے قدم آگے بڑھا دیے۔ ثمینہ کو اس کا انداز عجیب لگا۔ احمر نے دروازہ کھول دیا تھا۔ بابر مرتضیٰ آتے دکھائی دیے..... سیاہ تھری پیس سوٹ میں ملبوس پوائزن کی دلفریب مہک کے ساتھ آس پاس چھا گئے۔

ماشاء اللہ ثمینہ نے بے ساختہ دل میں کہا..... اور محبت آمیز انداز میں مسکرا کر انکو وش کیا۔

السلام علیکم..... آپ کب آئیں۔ دوپہر تک تو اس قسم کے کوئی آثار نہ تھے۔ وہ بھی مسکرائے تھے۔

بس اس کے بعد ہی کا واقعہ ہے..... آیئے..... اندر بیٹھتے ہیں۔ وہ برآمدے میں بیٹھی ہوئی تھی۔

بیٹھنے کا تو اب وقت ہی نہیں۔ نائلہ کو پک کرنے کے آیا ہوں..... سوری..... اور آپ کیسی ہیں؟

ارے بابر..... بیٹے یہاں کیوں کھڑے ہو۔ اندر آؤ ناں صفیہ اسٹور سے نکلیں تو بابر کو سامنے موجود پایا۔

نہیں امی..... بیٹھوں گا نہیں۔ بس جلدی ہے۔ نائلہ کو بلا دیں۔ ابا جی سو چکے.....؟ بابر خاصی جلدی میں تھے۔

ابھی تو نہیں سوئے..... ان کے کمرے میں چلے جاؤ بیٹا۔ میں نائلہ کو بتاتی ہوں۔ ان کی دانست میں نائلہ بابر کی آمد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے بے خبر تھی۔ بابر سسر کے کمرے کی طرف بڑھے تو نائلہ پرس اٹھائے باہر آ گئی۔

"کہاں گئے.....؟" اس نے ثمینہ سے دریافت کیا۔

بھائی صاحب کو سلام کرنے گئے ہیں۔ ماشاءاللہ بابر کی صحت پہلے سے بہت اچھی ہے۔ اچھی کارکردگی ہے تمہاری۔ ثمینہ مسکرائیں۔

نائلہ قدرے جھینپ کر مسکرائی۔

بابر دو منٹ بعد ہی باہر تھے۔

چلیے بیگم۔ انہوں نے نائلہ کو مخاطب کیا۔

اچھا پھوپھو..... دیکھیے..... خیال رکھیے گا۔ اگر بلو آپا کے ساتھ زیادتی ہوئی تو۔

ارے نہیں بیٹا فکر نہ کرو۔ ہمارے اپنے بچے ہو تم لوگ۔

انہوں نے تسلی دی۔ وہ اور صفیہ دروازے تک اسے رخصت کرنے آئیں۔ صفیہ بھی ہر مرحلے سے فی الفور نمٹ کر شیخ صاحب کی آخری بات سننا چاہتی تھیں۔ ملتانی فیملی نے انہیں بری طرح ذہنی خلفشار میں مبتلا کر دیا تھا۔ ہر چند ثمینہ کے وجود سے انہیں خاصی تقویت تھی۔ مگر شیخ صاحب خاصا پیچیدہ معمہ تھے۔ کوئی بات ان کے بارے میں حتمی طور پر نہیں کہی جا سکتی تھی۔

انیلا اور راحیلہ برتن دھو رہی تھیں۔ بیلا بستر سیٹ کرتی پھر رہی تھی۔ نبیلہ خاصی دیر سے دکھائی نہیں دی تھی۔ فیضان اور احمر کارڈز کھیل رہے تھے۔

دس بجے کے قریب ثمینہ نے تنہا شیخ صاحب کے کمرے میں قدم رکھا۔ وہ گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے، نظر کا چشمہ ناک پر ٹکائے کوئی دفتری فائل دیکھ رہے تھے۔

آؤ ثمینہ..... بیٹھو..... بھئی..... بچے ٹھیک ہیں.....؟

جی..... الحمدللہ..... سب ٹھیک ہے..... آپ کیسے ہیں۔ آپ تو کبھی فون بھی نہیں کرتے۔ ایسے لگتا ہے جیسے آپ کو یاد ہی نہیں رہتا کہ میں بھی دنیا میں ہوں۔ وہ شکایتی انداز میں بولیں۔

بس بھئی..... زندگی کے بکھیڑوں میں الجھا ہوا ہوں۔ تمہاری خیر خبر ملتی رہتی ہے۔ طبیعت مطمئن رہتی ہے۔ کہ تم اپنے گھر میں خوش ہو۔ اللہ کا شکر ہے۔

اور بھئی..... یہ جو آج مہمان آئے ہوئے تھے کیا خیال ہے ان کے بارے میں..... بلا لو اپنی بھابی کو۔ ان کے سامنے کر لیتے ہیں بات چیت۔

چھوڑیں بھائی صاحب..... وہ قابل موضوع نہیں ہیں۔ رہن سہن، بود و باش ہر طرح سے بے جوڑ..... نبیلہ ہماری بچی ہے بوجھ تو نہیں..... وہ وہاں کبھی خوش نہیں رہ سکتی۔

ہاں خیر گھر والے تو خاصے اجڈ ہیں..... مگر لڑکا تو ٹھیک ہے..... ایف اے پڑھا ہے۔ زمین جائیداد بہت ہے۔ خوشحالی ہے گھر میں۔ لڑکیوں کا کیا ہے اپنے اپنے گھر چلی جائیں گی۔ ایک بھائی ہے اس کا کیا مرد ذات۔ مرضی کا مالک۔ ایک روز سیاہ سفید لڑکے کا ہی ہے۔ سربراہ تو اپنے گھر کا اب بھی وہی ہے۔ ہمیں لڑکے سے سروکار ہے

شیخ صاحب نے بہن کو قائل کرنے کے لئے پوری طاقت استعمال کی۔

مگر بھائی صاحب..... اتنی بہنیں ہیں ماشاءاللہ کب کب نمبر لگیں گے۔ ایک تو مخالف ماحول، دوسرے ذمہ داریوں

میں پس کر رہ جائے گی ہماری نبیلہ۔ پہلے کیا کم شاک لگے ہیں؟

مگر تم بتاؤ..... آج کل رشتوں کے معیار بن چکے ہیں۔ میرے پاس لاکھوں کا جہیز نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں مجھ پر بوجھ بھی نہ پڑے اور میری بیٹیاں خوشحال گھروں میں جائیں۔ خوشحالی بہر حال سکون کا بہت بڑا بہانا ہے..... میں اپنی بچیوں کو غریب گھرانوں میں نہیں بیاہوں گا۔ غربت انسان کو کبھی خوش نہیں ہونے دیتی یہ میرا تجربہ ہے۔

مگر بھائی صاحب..... دولت۔ تمام خوشیوں کی بنیاد بھی نہیں ہوتی۔ دل کھلانے کی ذمہ دار نہیں ہوتی..... یہ نبیلہ پر ظلم ہوگا۔ ثمینہ نے سمجھایا۔

شکیلہ اور نائلہ ملکاؤں کی طرح زندگی گزار رہی ہیں..... یہ بھی بہل جائے گی۔ وہ تو..... حتمی فیصلہ کیے بیٹھے تھے۔

اچھا اگر اس سے بہتر رشتہ نبیلہ کو مل جائے؟ ثمینہ کو اب الجھنے سے ڈر سا لگنے لگا تھا۔ کیونکہ انہیں زیادہ سننے کی عادت نہیں تھی۔

بسم اللہ..... لے آؤ..... انہوں نے چشمہ اتار کر فولڈ کیا اور میز پر رکھ دیا۔

وہاں قطر میں میرے بہت سے ملنے والے ہیں جو تیس تیس سالوں سے وہیں مقیم ہیں اور اپنے لڑکوں کے لئے پاکستانی لڑکیاں تلاش کرتے ہیں۔ مگر اپنے دھندوں میں اس طرح پھنسے ہوئے ہیں کہ میں انہیں پاکستان چھاننے کا مشورہ نہیں دے سکتی۔ سوچ رہی ہوں نبیلہ کو وزٹ ویزا پر اپنے ساتھ لے جاؤں ماشاءاللہ ہر طرح سے اچھی ہے ہو جائے گا مسئلہ حل۔ ثمینہ..... نبیلہ کی جان چھڑانے کے لئے ہر طرح کا قدم اٹھانے کو تیار تھیں۔

شکیلہ کا سانحہ۔ ہر شخص کو اپنی جگہ محتاط کر چکا تھا۔

سچ بھائی صاحب یقین کریں..... بڑے اچھے اچھے لوگ ہیں..... ہمارا کام ہے ہمیں ہی مشکل اٹھا کر آسانی حاصل کرنے کی کوشش کرنا ہوگی۔ بس آپ منع کر دیجیے۔ ان لوگوں کو اور نبیلہ کو میرے ساتھ بھیج دیجیے..... سب ٹھیک ہو جائے گا۔ انشاءاللہ۔

شیخ صاحب ایک دم چپ ہو گئے۔ دامے، درمے، سخنے، قدمے بہن کا خلوص ہر قسم کے شک سے مبرا ہو کر ثابت ہو چکا تھا۔ دوسرے بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹی ہونے کے ناتے ایک خصوصی اہمیت ان کو ہمیشہ سے حاصل تھی..... صفیہ کی طرح بہن سے ضد کا تعلق بھی کبھی نہیں رہا تھا۔

ٹھیک ہے۔ کر دیکھو اپنی سی کوشش..... ان کی حالت ہتھیار ڈالنے والی تھی..... گویا..... وہ بھی اس رشتے کو مجبوری ہی میں قبول کر رہے تھے۔

ثمینہ ایک سیکنڈ وہاں نہیں ٹکیں..... اور خوشخبری سنانے باہر نکل آئیں۔

ان کی کامیابی ان کے چہرے سے ہویدا تھی۔ ان کی بھاگ دوڑ بے کار نہیں گئی تھی۔

بس بھابی جان آپ نبیلہ کے کاغذات کی تیاری شروع کریں۔ نبیلہ میرے ساتھ جائے گی۔ کسی طرح یہاں سے تو نکلے۔ جان بچائیں اس کی۔ آگے جو ہوگا۔ اللہ مالک ہے۔

صفیہ کو طوفان ٹل جانے کا یقین دیر تک نہ آیا..... کیا واقعی انہیں زندگی میں اس محاذ پر فتح ہو چکی ہے۔ دیر تک بے یقینی کی کیفیت ان پر طاری رہی۔

فی الحال کچھ دنوں کے لئے میں اسے لے کر کراچی احسن کے پاس چلی جاؤں گی۔ نائلہ کہہ رہی تھی۔ وہ بھی احسن کے پاس جانا چاہ رہی ہے۔ بھائی صاحب سے کہہ دیں گے، شکیلہ کے ہاں جا رہے ہیں۔ اس دوران کاغذی کارروائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مکمل ہو جائے گی۔ کچھ اس کا ذہن بھی ادھر ادھر ہو گا۔ سوکھ کر کانٹا ہو رہی ہے..... کیوں بھابی جان.....؟

ہم تمہارے احسانات کا بدلہ تو کبھی نہ اتار سکیں گے ثمینہ اس کا صلہ تو تمہیں اللہ ہی دے گا۔ تمہاری طرف دیکھتی ہوں تو شیخ صاحب کی زیادتی کا ہر داغ مٹنے لگتا ہے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

میری اچھی بھابی، جب آپ خود اتنی اچھی ہیں کہ ہم آپ سے محبت کرنے پر مجبور ہیں تو اس میں ہمارا کریڈٹ کیا؟ ثمینہ ان کے گلے لگ گئی تھیں۔

"کل نائلہ کی طرف جاؤں گی تاکہ کراچی کا پروگرام بنایا جائے۔ بابر مرتضی کو بھی تو رام کرنا ہے۔ کہہ رہی تھی اکیلے آنے جانے نہیں دیتے کہیں بھی۔

بعض مردوں کی عادت ہے۔ ویسے تو بہت اچھا ہے ماشاءاللہ۔ صفیہ نے تعریف کی۔

اچھا ہے..... ہاں چلی جاؤ تم لوگ۔ شہوار اور شکیلہ بہت خوش ہوں گی۔ میں خاصا وقت صرف احسن کے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں بھابی جان..... بات یہ ہے۔

تاروں کی آنکھ سے ٹپکنے والا خاموش آنسو۔

پھولوں کے دامن سے اپنے حسن و دلکشی کی بھرپور داد لیتا ہے۔

غم حسین بھی ہوا کرتا ہے۔

جب غم سے دوستی ہو جاتی ہے۔

جب انسان کو موت دور اور مشکل دکھائی دے تو اسے غم کے سامنے ہتھیار ڈالنا ہی ہوتے ہیں۔

بڑی قوت ہوتی ہے دکھ میں.....

کشاکش انسان کی برداشت کی استعداد بڑھا دیتی ہے۔

غم حد سے بڑھ جائے تو انسان کو چپ رہنے کی عادت ہونے لگتی ہے۔

پھر اس کی بردباری اور حلیمی کے انداز کو داد تحسین سے نوازا جاتا ہے۔ آنسو شبنم کہلاتا ہے۔ بعض اوقات دکھ انسان دھو پکا کر بے حد دلکش بنا دیتا ہے۔

وہ قد آور، معتبر، مستحکم سا دکھائی دینے لگتا ہے۔

اسی لئے وہ ثمینہ کو پہلے سے زیادہ دلکش، بارعب اور پروقار دکھائی دی تھی۔ انہوں نے پہلی فرصت میں اسے حقیقت سے آگاہ کیا تھا۔

اسے بتا دیا تھا کہ فی الحال ان کے ملنے والوں میں کوئی اس کے جوڑ تاپ کا نہیں ہے۔ مگر اللہ بہت مہربان ہے۔ وہ اس کی جان چھڑانے کے لئے یہ سب کہنے پر مجبور ہوئیں۔ اور اسے یہاں سے نکال لے جانے کا راستہ بنایا ہے۔ مگر وہ اس کے دل سے کھیلنا نہیں چاہتیں۔ نبیلہ ان کے سچ پر مسکرا دی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آپ فکر ہی نہ کریں پھوپھو۔

(پاتال میں کچھ بھی گرے آواز نہیں آتی۔ لاؤ۔ جھولی بھر غم کے پتھر۔

دھوکے کے نشتر،

فریب کا گدلا پانی

ٹھکرائے جانے کی اذیتوں کے الاؤ،

لاؤ میری روح کے پاتال میں ڈال دو۔)

تم کتنی بہادر۔ تم کتنی پیاری ہو۔ میری جان۔ انہوں نے نبیلہ کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

آہ۔ (یہ آنسو کے شبنم بن جانے کا اذیت ناک سفر، پھوپھو) شکریہ پھوپھو۔

بس تم تیاری کرو زیادہ کپڑے رکھنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں سے نکل چلیں پھر کپڑے ہی کپڑے۔ دیکھو ناں اگر میری ایک دو ماہ کی بھاگ دوڑ سے کسی کی زندگی کے ڈھیروں سال محفوظ ہو رہے ہیں۔ تو پھر یہ بھاگ دوڑ میری ذمہ داری میرے فرائض میں شامل ہیں۔

یقین ہی نہیں آتا یہ شیخ رحیم الدین کی حقیقی بہن ہیں۔ صفیہ نے ثمینہ کی سمت دیکھتے ہوئے سوچا۔

ثمینہ۔ ایک بوجھ مزید تمہارے سر ڈال رہی ہوں۔ صفیہ نے قدرے جھجک کر کہا تھا۔

آپ کہیے بھابی جان ہمارے درمیان کوئی تکلف نہیں ہے۔ بلکہ آپ حکم کیجیے۔ ثمینہ نے ان کا ہاتھ تھام کر اپنے قریب بٹھا لیا۔

احسن کو سمجھاتی جانا۔ میرا ذہن، میرا دل بس وہیں اٹکا رہتا ہے۔ اس بچی کو رشتوں کی کوئی کمی تو نہیں تھی۔ احسن کی خواہش پر ہم نے یہ قدم اٹھایا تھا۔ شہوار کی پھوپھی کا لڑکا جاوید احسن سے کسی طرح کم نہیں تھا۔ سردار بھائی کی ساری توجہ اسی کی طرف تھی۔ محض عائشہ کے اصرار پر وہ راضی ہوئے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ ان دنوں احسن بھی انہیں بہت پسند تھا۔ اب دیکھو ناں خدانخواستہ کچھ ہو گیا تو صدیوں کی دشمنی چل پڑے گی۔

آپ فکر نہ کریں بھابی جان ٹھیک کر کے جاؤں گی اسے۔ ویسے بھابی جان خیال نہ کیجیے گا۔ صرف احسن کی مرضی نہیں تھی۔ اس رشتے میں شہوار بھی احسن کے علاوہ کہیں حامی نہیں بھر رہی تھی۔ ثمینہ نے دو طرفہ کارروائی یاد دلائی۔

ہاں خیر۔ مگر ہم بیٹیوں والے ہیں۔ ایسی باتیں منہ سے نکالتے ڈر لگتا ہے۔ ہماری اپنی بچی ہے وہ جو ہوا سو ہوا۔ بس اب جو کچھ بھی ہو۔ اللہ اپنا رحم کرے ہم سب پر۔

نائلہ کیا کہہ رہی ہے۔ فون کیا تھا تم نے؟ صفیہ جاتے جاتے پھر رک گئیں۔

وہ بعد میں آئے گی۔ کہہ رہی تھی بابر کہہ رہے ہیں وہ خود ساتھ لے کر پہنچیں گے۔

بس پھر پہنچ گئی۔ تم ساتھ ہی لے جاتیں تو اچھا تھا۔ تم زور ڈال کر دیکھو ناں شاید تمہاری بات مان جائے، صفیہ کو جیسے نائلہ کا بہت خیال آیا۔

ٹھیک ہے شام کو احمر اور فیضی کو لے جاؤں گی ساتھ۔ دیکھ لیتی ہوں ایک مرتبہ اور کوشش کر کے ثمینہ نے کہا۔

بس نبیلہ اپنے گھر کی ہو جائے اور احسن کا مسئلہ حل ہو جائے۔ میری تو زندگی کی ساری تھکن اتر جائے گی۔ شکیلہ اپنے گھر سکھی ہے اللہ اس کے نصیب اچھے کرے اب ہو بھی کیا سکتا ہے انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری۔

نبیلہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ صفیہ نے اس کی سمت دیکھا جانے کیوں ان کی آنکھیں بھر آئیں۔

شہوار کے فاقے کو تیس منٹ گزر چکے تھے۔

ڈاکٹر مسعود نے زبردستی اسے ایک کپ دودھ پلایا تھا۔

اس کی حالت کے پیش نظر احسن بھی گھر پر ہی تھا۔ اس کی مستقل چپ سے اس کے دل میں اندیشے بیدار ہو رہے تھے۔

مگر معذرت کرنے اور جھکنے میں جیسے اس کا بھاری نقصان تھا۔

کئی بار وہ اس کے لئے چائے بنا کر لایا تھا۔ فروٹ اس نے سرہانے رکھے تھے۔ پھول بی بی دو منزلہ آملیٹ بنا کر تھی۔ مگر اس کی چپ کی دیوار میں کوئی دراڑ نہ پڑ سکی تھی۔

وہ احسن کے بستر پر براجمان تھی۔ حتیٰ کہ کمرے سے باہر جھانکنے کے لئے بھی نہیں اٹھی تھی۔

احسن شام ڈھلے کمرے میں داخل ہوا تھا۔

وہ گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے نیم دارز آنکھیں موندے لیٹی تھی۔

آتے ہی اس نے ڈاکٹر مسعود کو فون کیا اور ٹی۔ وی آن کر کے صوفے پر بیٹھ گیا۔ ٹی، وی وہ بیڈروم میں لے آیا تھا۔

پنی کا کوئی پروگرام تھا۔ مغنیہ حسرت کی غزل بڑے جذب میں گا رہی تھی۔

اب دیکھیے کیا حال ہمارا ہو سحر تک
بھڑکی ہوئی اک آگ ہے دل سے جگر تک

کیا آگ لگی ہوئی ہے ہر طرف۔ احسن نے اٹھ کر چینل تبدیل کر دیا۔ وہاں بچوں کے لئے کارٹون پروگرام چل رہا تھا۔ احسن نے آواز بند کر دی اور ریڈیو کی سوئی گھمانا شروع کر دی۔

سوئی ایک جگہ ٹھہری تو خوب دھوم دھڑکے والا نغمہ کمرے میں ہلچل مچانے لگا۔ احسن نے ریڈیو کی آواز بہت اونچی کر دی۔ غالباً وہ اس کے سوچتے ذہن کو ادھر ادھر کرنا چاہتا تھا۔

اج خوشیاں دے نال مینوں چڑھ گئے نیں حال
اینج نچدی جوانی جیویں پیندی اے دھمال، ہوئے

شہوار نے ناگواری سے ریڈیو کی سمت دیکھا۔ احسن کو محسوس ہوا جیسے کال بیل بجی ہو۔ کیونکہ کمرے کا در واہ نیم وا تھا۔ اس لئے راہداری میں لگی بیل کی آواز اس شور میں بھی محسوس ہوئی تھی۔ وہ باہر نکل گیا۔

ماہی ملیا اے مینوں اج مدتاں دے بعد
جیہڑی منگدی ساں پوری ہوئی اے مراد

شہوار نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے تھے۔ آنکھیں تو پہلے ہی بند تھیں۔

"السلام علیکم۔" اس نے بری چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

سامنے اسد کھڑے تھے۔ اس کے انداز اور کمرے کی شور و غل سے پر فضا انہیں غالباً بہت دلچسپ لگی تھی۔ ان کے لب پر مسکراہٹ کا عکس موجود تھا۔

شہوار نے ان کے پیچھے دیکھا احسن نہیں تھا۔

آ۔ آپ سر۔! وہ مارے گھبراہٹ کے بستر سے اتر آئی تھی۔

کیوں آپ پہچان نہیں پائیں؟ وہ سنجیدگی سے اس کی گھبراہٹ نوٹ کرنے لگے۔

نن..... نہیں سر..... پلیز..... تشریف رکھیے۔ وہ پھیلے ہوئے بال سمیٹ کر پیچھے کرنے لگی۔ اسد بیٹھ گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو آپ کی طبیعت خراب ہے۔ ادھر کام کا رش ہے اس پر سے آپ کی غیر حاضری۔ پروڈکشن مینیجر سے معلوم کیا انہوں نے بتایا کوئی اطلاع نہیں۔ بڑی حیرانی ہوئی۔ بی بی یہ تو بہت ذمہ داری کا کام ہوتا ہے۔ ایک دن کی غیر حاضر سے کام پر جو اثر پڑتا ہے ہم ایک دن پیچھے رہ جاتے ہیں۔ سپرویژن کے بغیر کام ادھورا رہتا ہے۔ دراصل آپ سے سینئر سپروائزر ہیں وہ پہلے ہی لونگ لیو پر ہیں۔ پھر آپ نے فون نمبر بھی غالباً نہیں دیا۔

اسد نے اس کے سرہانے رکھے ٹیلی فون سیٹ پر نظر ڈال کر گویا اپنی آمد کی وجہ بیان کی۔

آپ تو بے حد بیمار نظر آ رہی ہیں۔ اسد نے اس کے ہنستے ہوئے زرد چہرے پر نظر ڈال کر کہا تھا۔

جی! اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

پھر بھی اس بیماری کا کوئی نام تو ہوگا۔ چیک اپ کرایا؟ اسد آئے تو خاصے تلخ موڈ میں تھے مگر اس کی اتری ہوئی صورت ان کا سارا اُبال ٹھنڈا کر گئی تھی۔

جی۔ ڈاکٹر آئے تھے۔ شہوار نے بادل نخواستہ جواب دیا تھا۔

اکرام صاحب آج آپ کو REPLACE کر رہے ہیں۔ انہیں کی تکلیف دیکھ کر اس وقت چلا آیا ہوں۔ سینئر سپروائزر کو ہم ایمرجنسی کال بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کا پریکٹسی پرابلم ہے۔ آپ ہمیں جواب دے دیجیے تاکہ ہم اگلا لائحہ عمل مرتب کر سکیں۔

میں ملازمت چھوڑ تو نہیں رہی سر۔ یہ تو میری ضرورت ہے انشاء اللہ میں کل حاضر ہو جاؤں گی۔

نغمے کا شور و غل ہنوز جاری تھا۔ اسد نے ہاتھ بڑھا کر سوئچ آف کر دیا۔ آپ کی اجازت سے۔ انہوں بند کرتے ہوئے اس کی سمت دیکھا۔

اوہ..... پلیز سر۔ وہ جیسے اس بداخلاقی پر شرمندہ ہو گئی تھی۔

اسد نے ایک طائرانہ نظر کمرے میں دوڑائی۔ سردیوں کے لئے ہیٹر، گرمیوں کے لئے اے سی، نرم دبیز کارپٹ۔ سادہ ڈیزائن کا مگر قیمتی بیڈ۔ ون پیس صوفہ سیٹ کارنر ٹیبلز۔ فینسی لائٹس۔ گولڈن فریم کا خوبصورت وال کلاک گولڈن فریم کی ہی دو سینریز..... گولڈن منقش فریم میں انلارجڈ گراف سیاہ ڈنر سوٹ اور سرخ ٹائی میں احسن کا کلوز اپ زندگی سے بھرپور آنکھیں جیسے فریم ہی میں سے ہمکلام تھیں۔ اچھا خاصا پرتعیش معیار زندگی تھا۔ پھر یہ بے چاری..... اسد نے پھر سے اس کا چہرہ بغور دیکھا۔

یہ..... انہوں نے تصویر کی سمت اشارہ کیا۔

شہوار نے قدرے گردن موڑ کر اپنے پیچھے دیکھا۔

احسن ہیں۔ اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

آپ کے شوہر ناں؟

شہوار ہونٹ کاٹ رہی تھی۔ گہرا سانس لے کر جیسے ناگواری سے بولی۔ جی۔

مجھے یہاں تک تو چھوڑ گئے۔

آپ کوئی اور بات کریں سر۔ اس نے تلخی سے کہا۔

ابھی تک جھگڑا ہے۔ یہ اچھی بات نہیں۔ دیکھئے بی بی۔

السلام علیکم جناب۔ دفعتاً ڈاکٹر مسعود نے اندر قدم رکھا تھا۔

ڈاکٹر مسعود ہیں سر۔ شہوار اب اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے پھر ڈاکٹر مسعود کے پیچھے دیکھا تھا۔ احسن ان کے ہمراہ تھا۔

ی طبیعت ہے بھابی؟ احسن بتا رہا تھا کہ آپ نے دو دن سے کچھ نہیں کھایا۔

کھانے سے بھی نہیں مرتی۔'' وہ جیسے چڑ کر بولی۔

ر مسعود اسد کے برابر میں بیٹھ گئے۔

سراغ لگایا ہے آپ نے؟ اسد ڈاکٹر مسعود کی سمت متوجہ ہوئے۔

ازی یا خود کشی۔ کچھ بھی کہہ لیجیے۔ ڈاکٹر مسعود نے اپنا پنڈورا باکس کھول دیا۔

چیک اپ ویک اپ نہیں کرا رہی۔ ٹھیک ہوں بس۔

ں بی بی تو چیک کرا لیں۔ بہت لو ہے۔ انہیں تو جیسے اپنی ذمہ داری پوری کرنا تھی۔

نہیں کرانا چیک۔ وہ پھر رکی۔

ر شہوار۔ یہ غلط بات ہے۔ ایسے نہیں کرتے۔ اسد کو مداخلت کرنا پڑی حالانکہ وہ جانے کے ارادے سے اٹھ ہوئے تھے۔

؟ ڈاکٹر مسعود کو اچانک ان سے تعارف کا دھیان آیا۔

ارے آنر ہیں۔ میرا مطلب ہے میرے آنر ہیں۔ در شہوار کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہوا تو تعارف کرانے میں

؟ ڈاکٹر واقعی الجھ گئے۔

ان کے ہاں ملازمت کرتی ہوں۔ بلکہ چند دن ہی ہوئے ہیں کرتے ہوئے۔

پ اپنا چیک اپ کرائیے مس در شہوار اور اپنے تازہ ترین فیصلے سے مجھے مطلع کیجیے۔ اسد نے جانے کے لئے قدم

نہیں سر۔ پلیز آپ تشریف رکھیے۔ میں چائے بنا کر لاتی ہوں بلکہ اگر آپ کافی پسند کرتے ہوں تو۔

ریسٹ کیجیے۔ چائے سے زیادہ ضرورت اس وقت آپ کی اور آپ کی صحبت یابی کی ہے۔ وہ سادگی سے

نے اسی دم اندر قدم رکھا تھا۔ شہوار کی نظر بلا ارادہ اس کی سمت اٹھی تھی۔ وہ بے حد روڈ اور برہم دکھائی دے رہا تھا۔

ہر پلیز۔ آپ بیٹھیے۔ وہ جیسے احسن کو نظر انداز کرتی ان کی سمت بڑھی۔

ٹھیک ہو جائیں پھر مجھے مدعو کر کے چائے پلائیں۔ مجھے آپ کے ہاں چائے پی کر بے حد خوشی ہوگی۔

احسن انہیں بری طرح نظر انداز کر کے ڈاکٹر مسعود سے گفتگو کر رہا تھا۔

نے آگے بڑھ کر خود ہی احسن اور ڈاکٹر مسعود سے ہاتھ ملایا اور باہر نکل گئے۔

ارنے کھا جانے والی نظروں سے احسن کی سمت دیکھا۔

ذہن آمیز رویہ۔ پھر وہ کیوں چائے پیتے یہاں۔

یئے بھابی۔

نے کہا ناں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ مجھے کسی چیک اپ کی ضرورت نہیں۔ پلیز آپ زحمت نہ کریں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ میرے ملنے والوں سے بے رخی سے ملیں گے تو میں ان کے ملنے والوں سے روڈلی ملوں گی۔ اس نے جیسے ڈ
مسعود سے احسن کے رویے کا انتقام لیا۔ اور چادر لپیٹ کر باہر چلی گئی۔ وہ احسن کی رقیبانہ سوچ تک پہنچنے سے قاصر تھ
اسی لئے اس کے انداز میں اس درجہ لاپروائی تھی۔

حالانکہ اسی رقابت نے اسے ان حالوں تک پہنچایا تھا۔

یار اتنے دل روندتے گزرتے تھے۔ اور اب یہ وقت ایک ہی قابو میں نہیں۔ ڈاکٹر مسعود نے احسن کو جیسے چھیڑا تھا
ہم ان سے کہیں گے اور نمبر حاصل کر سکتی ہوں تو ضرور کریں ہم انہیں انعام دیں گے۔ انہوں نے اس کی طر
دیکھا۔ شرارت ان کے چہرے پر رقصاں تھی۔

احسن جواباً مسکرا دیا۔

یہ گریس مارکس ہیں اس کے ہماری مہربانی کی وجہ سے اس سے زیادہ کی امید نہ رکھنا، ڈاکٹر مسعود کیونکہ راز دار ہو
تھے۔ اس لئے دونوں کی گفتگو کا انداز بھی بدل گیا تھا۔ مشکل ہے کہ جو آپ کو اس محاذ پر کامیابی ہو۔ ماشاء اللہ کیا شخ
ہے کیا دبدبہ ہے۔ آگے سے نکل کر چلی گئیں۔ اپنی بات کے اختتام پر ڈاکٹر مسعود نے خود ہی قہقہہ لگایا۔

زیادہ چڑھاؤ نہیں اس کے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔ وہ دھیرے سے مسکرا دیا اور ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر سگریٹ سلا
لگا۔ نیم وا آنکھوں سے دھواں چھوڑتے ہوئے سامنے دیکھ رہا تھا۔

یار بھابی کا بلڈ پریشر نارمل نہیں ہے۔ تمہیں۔

اس کا دماغ بھی نارمل نہیں ہے فی الحال۔ احسن نے قدرے ترشی سے بات کاٹی۔

اس کے ذمہ دار تم ہو۔ ڈاکٹر مسعود نے قطعی انداز میں کہا تھا۔

تم بھی حریفوں کی صف میں..... خیر نئی بات نہیں۔ وہ مبہم مسکرایا۔

چائے تو پلا دیار۔ کلینک میں پینے لگا تو وہاں سے بھگا لائے۔ اور اب اتنی دیر ہو گئی۔

کہہ دیتے اپنی بھابی سے۔ وہ قدرے شریر ہوا۔

ابھی تو وہ پوری تمہاری نہیں۔ دیکھتے نہیں جب میں انہیں بھابی کہتا ہوں تو وہ کتنی ناراضگی سے مجھے گھورتی ہیں۔
یہ ان کی آنکھوں کا مستقل اینگل ہو گیا ہے۔ وہ ہنس دیا۔

ایسا کرو تم باجی کہنا شروع کر دو۔ اس نے مشورہ دیا۔

تاکہ وہ ہاتھ پکڑ کر مجھے باہر نکال دیں۔ ڈاکٹر مسعود نے غلط مشورہ دینے پر جیسے خبر لی۔

ہے تو ظالم۔ ایسا کر بھی سکتی ہے۔ اس نے گہرا کش لیا۔ اور ڈھیر سارا دھواں اپنے سامنے پھیلا لیا۔

اب یہ تو تم جانو..... مجھے تو چائے چاہیے۔

احسن نے ایش ٹرے میں ٹکڑا مسلا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

بھابی سے مت بنوانا۔

ابھی میرے پچھلے زخم ہرے ہیں۔ اس نے باہر نکلتے ہوئے شرارت سے آنکھ ماری۔

میرا مطلب ہے وہ مریضہ ہیں۔ ڈاکٹر کو زیب نہیں دیتا کہ وہ مریض کو تکلیف دے۔ کچھ سمجھے؟ ڈاکٹر نے وضاحت

مریضہ کو بھیج دوں چیک اپ کے لئے؟ احسن نے پوچھا۔

اتنی دیر میں کے ٹو سر ہو جائے گا اخبار میں تصویر لگے گی وہ علیحدہ۔

ڈاکٹر مسعود نے جیسے چڑایا۔ مطلب یہ تھا کہ رضامند نہیں کر سکتے۔

سرشپ کا عادی ہوں ورنہ دیتا میں تمہیں ٹھیک ٹھاک جواب۔ احسن باہر نکل گیا۔

ڈاکٹر مسعود کا جاندار قہقہہ لاؤنج میں بیٹھی شہوار نے بھی سنا تھا۔

حسن تنہا لاؤنج میں تھا صوفے پر نیم دراز بڑی ضخیم قسم کی فائل کا مطالعہ کر رہا تھا۔

لیٹ اور ٹوسٹ کا ڈنر کر کے وہ اس مرحلے سے بھی فارغ ہو چکا تھا۔

کال بیل بہت اہتمام سے بجی تھی۔

ں نے وال کلاک کی سمت دیکھا آٹھ بج رہے تھے۔

ڈاکٹر مسعود آ چکے پھول بی بی اس وقت کبھی نہیں آئی۔

وہ۔ شاید پھوپھو اور فیضی آ گئے ہوں۔ اس خیال کے ساتھ وہ تیزی سے اٹھا تھا۔

گیٹ کھولا تو یکلخت ششدر رہ سارہ گیا۔ سامنے نبیلہ کھڑی تھی۔

ولا اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

سلام علیکم۔ ہم بھی موجود ہیں صف سرفروشاں میں۔ نائلہ کی شوخ آواز بائیں طرف سے ابھری۔

حسن نے ہٹ کر جیسے انہیں راستہ دیا۔ اس کی حیرت میں کوئی کمی نہیں تھی۔

حا اس کی نظر سڑک کے بائیں جانب اٹھی۔ ایک بڑا ڈیسنٹ سا بندہ ٹیکسی ڈرائیور سے نمٹ رہا تھا پھر اسے ثمینہ نظر
اور ڈگی سے سامان اتارتا فیضان بھی۔

"اوہ"

نبیلہ اور نائلہ اس کے ہٹتے ہی اندر چلی آئی تھیں۔ اور دائیں بائیں احسن سے لپٹ کر بری طرح رونے لگی تھیں۔

ان کی پشت تھپتھپاتے ہوئے انہیں خاموش کرانے کی سعی میں مصروف ہو گیا تھا۔

"لاحول ولا قوۃ" تم خوشی میں بھی اتاروتی ہو۔ ثمینہ نے دونوں کو احسن سے الگ کیا۔

"السلام علیکم پھوپھو"

ں کی سوالیہ نظریں فیضان کے ساتھ کھڑے اجنبی کی طرف تھیں۔

یکم السلام۔ یہ احسن ہیں بابر۔ وہ چہرہ موڑ کر بابر کی طرف متوجہ ہوئیں۔ جو اسی قسم کی باضابطہ کارروائی کے منتظر تھے۔

بابر مرتضی ہیں۔ احسن۔

م سے تو احسن واقف تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر بڑی گرم جوشی سے بابر کو سینے سے لگایا۔ اس شدت و گرم جوشی کو بابر
نے بھی بہت واضح محسوس کیا تھا۔ اس میل ملاپ کے دوران فیضان دو سوٹ کیس اور دو عدد بیگ اندر پہنچا چکا تھا۔

ارے بھئی فیضی تم کہاں ہو دور دور۔ احسن نے مخاطب کیا۔

آپ لفٹ ہی نہیں کرا رہے۔ حالانکہ ہم بھی وہی ہیں جو بابر بھائی ہیں۔ فیضی نے شکوہ کیا۔

یک زوردار قہقہہ پڑا تھا۔

بہت چھپا رستم ہے یہ۔ ثمینہ نے محبت سے بیٹے کو گھورا۔

سب باتیں کرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آ گئے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھابی جان کہاں ہیں؟ نائلہ نے شہوار کی غیر موجودگی فوراً نوٹ کی۔

خیریت۔ اتنی جلدی سوگئی؟ ثمینہ نے جیسے از خود اندازہ لگایا تھا۔

احسن نے ایک اچٹتی نظر بابر مرتضیٰ کی سمت ڈالی۔

طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اس لئے۔

شہوار کارپٹ پر تکیہ رکھے سبز رنگ کی چادر سر سے پاؤں تک اوڑھے بالکل چت لیٹی تھی۔ سانس کی جنبش تک محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

تینوں کے دل جیسے دھک سے رہ گئے۔

ثمینہ نے بے تابانہ انداز میں اس کے چہرے کی جانب سے چادر ہٹائی تھی۔

اور نیم خواب سی شہوار نے پٹ سے آنکھیں کھول دی تھیں۔

اوہ۔ ثمینہ نے گہرا سانس لیا۔

اسلام علیکم پھوپھو۔ اس کی آواز بہت نحیف سی تھی۔

وعلیکم السلام۔ خوش رہو۔ دیکھو کون کون تمہارے پاس آیا ہے۔

وہ جیسے اس کے اندر امنگ پیدا کرنے کی خواہاں تھیں جب ہی اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ بہت انہماک سے لے رہی تھیں۔

شہوار کو جیسے کرنٹ لگا تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑے نائلہ اور نبیلہ کی سمت دیکھ رہی تھی۔

بھابی جان۔ نائلہ بے ساختہ اس سے لپٹ گئی۔

نیلی۔ بلو۔ تت۔ تم۔ اسے جیسے حیرانی کا دورہ پڑ چکا تھا۔

سر سے پاؤں تک۔ ہم وہ شوخی سے اسے گدگدا کر بولی۔

مگر..... وہ خالو جان..... وہ ہنوز حیران پریشان تھی۔

ان کے تصور میں ہم اس وقت شکیلہ باجی کے ہاں ہیں۔ نبیلہ نے بھی لب کشائی کی۔

اوہ۔ شہوار نے گہرا سانس لیا۔ وہ سب سمجھ گئی تھی۔

اگر ان کو پتا چل گیا۔

چل جائے۔ اب تو آ ہی گئے ہیں۔ نائلہ نے قدرے خودسری اور بے خوفی سے شانے اچکا کر جواب دیا۔

ثمینہ بہت غور سے شہوار کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

زردی کھنڈی ہوئی اور خشک ہونٹ۔ بے آباد سی آنکھیں اور گہرے حلقے۔

یہ کیا حالت بنا رکھی ہے جان۔ انہیں جیسے اس پر ترس آیا گا۔ اس کا سر سینے سے لگا کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

کتنے اچھے ہیں آپ لوگ۔ تنہائی کے احساس سے گاہے گاہے دور کرتے رہتے ہیں۔ شہوار کی آنکھیں بھر آئیں۔

کیوں احسن بھائی نہیں ہیں۔ نائلہ نے شوخی سے چھیڑا۔

شہوار کا دل بھر آیا۔

یا الٰہی لوگوں کو حقیقت پڑھنے کا ہنر کیوں نہیں آتا؟

مجھے تو کچھ اور ہی چکر دکھائی دیتا ہے۔ ثمینہ نے اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا۔

شہوار نے الجھ کر ان کی سمت دیکھا۔

احسن کی فیملی میں اضافہ ہونے والا تو نہیں؟

نائلہ شرارت سے کھنکاری۔

نبیلہ نے ثمینہ کے پاؤں کا انگوٹھا دبا کر جیسے انہیں متوجہ کیا۔

ثمینہ نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔ احسن ان کے متوجہ ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ انہیں اس کی آمد کا پتا ہی نہ چل سکا تھا۔ اس درجہ محو تھیں۔

میں ابھی آتا ہوں دس پندرہ منٹ میں۔ آپ پلیز بابر کو بھی یہیں بلا لیں۔ وہ یہ کہہ کر فوراً پلٹ گیا تھا۔

جاؤ نیلی۔ بابر کو اور فیضی کو یہیں لے آؤ۔ تمہاری اتنی فکر لگی ہوئی تھی کہ صرف دو دن رکی ہو اور تیسرے دن پھر یہاں کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ اگر احسن نے کچھ کہا ہے تو بتاؤ۔ پھر تم دیکھنا ثمینہ نے اس کی دل جوئی کی۔

ں سب کچھ دیکھ لیا ہے پھوپھو۔ اگر میری قسمت ہی خراب ہے تو آپ لوگ کیا کر سکتے ہیں؟

وہ قدرے تلخی سے بولی۔

اللہ نہ کرے کیوں ہے تمہاری قسمت خراب؟ مشکلیں تو آتی ہی جانے کے لئے ہیں۔ بے وقوف! چلو اٹھو۔ نہاؤ دھوؤ، کپڑے بدلو۔ شاباش۔

اٹھیے بھابی جان۔ ہم آپ کے گھر آئے ہیں اور آپ ہیں کہ۔ ایسے ہوتے ہیں میزبان؟

نائلہ نے بھی اس کا ہاتھ تھام کر مصنوعی خفگی سے کہا۔

چلیے اٹھیے۔ کوئی بخار وخار بھی نہیں ہے آپ کو۔ صرف جدید دور کی جدید بیماری یعنی ڈپریشن ہے۔ آپ نہا دھو کر فریش ہو جائیں۔ پھر احسن بھائی سے کہیں گے کہ آپ کو لانگ ڈرائیو پر لے جائیں۔ ہم چونکہ تھکے ہوئے ہیں اس لئے ابھی سے سوئیں گے۔ پھر صبح سے باتیں شروع کریں گے۔

آخر سے ثمینہ اور نبیلہ بے ساختہ ہنس پڑیں۔ شہوار بھی مبہم سا مسکرائی۔

چلیے میں آپ کے کپڑے پریس کرتی ہوں آپ پانی سے دو دو ہاتھ کریں۔

اٹھ جاؤ شہوار۔

کس قدر وحشت ہو رہی ہے آپ کا یہ حال دیکھ کر۔ سولہ سنگھار تو آپ نے کبھی نہیں کیے مگر خوش لباسی میں تو مشہور تھیں۔ نائلہ نے تو جیسے اکسایا۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

نائلہ وارڈ روب کھول کر جھانکنے لگی۔ ثمینہ اور نبیلہ نیچے سے اٹھ کر بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

آئیں۔ آپ کے اور احسن بھائی کے یہی مشترکہ سوٹ ہیں؟

نائلہ نے وارڈ روب کے اندر سر گھسا رکھا تھا۔

مگر کپڑے یہاں نہیں ہیں دوسرے کمرے میں ہیں۔ میں اس طرف غسل کر کے آتی ہوں۔

وہ جھپاک سے باہر نکل گئی۔

کتنا الگ بیڈ روم دونوں کے۔ ثمینہ نے کچھ اس انداز میں کہا کہ نائلہ خاک نہیں سمجھی۔

کتنا بھرا پرا گھر ہے۔ چار پانچ جیٹھ۔ چھ سات لونڈے لپاڑے دیور۔ دو چار کنواری نندیں۔ ذاتی ساس، چچیا ساس،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تائی ساس، پھر اسی حساب سے سسر جو سویرے میاں کے کمرے سے نکلیں گی۔ تو کس قدر شرم آئے گی۔ سب دیکھ گے۔ کچھ سمجھیں کہ نہیں؟

ثمینہ نے قدرے چڑ کر نائلہ سے دریافت کیا تھا۔

نبیلہ ان کی بات پر قدرے جھینپ کر ایک اخبار اٹھا کر دیکھنے لگی تھی۔

کیا مطلب؟ نائلہ کو جیسے جھٹکا لگا۔

یہی لائی ہوں تمہیں دکھانے۔ یہ ہو رہا ہے۔ یہاں

مگر اس کا انجام کیا ہوگا۔ پھوپھو؟ نائلہ جیسے یکدم خوفزدہ ہوگئی۔

بات کروں گی ناں احسن سے پوچھوں گی جتنی خوشی دی تھی سود کے ساتھ واپس لو گے؟ اور سنو اتنی آسانی سے ہتھ نہیں ڈالوں گی۔ یہ کیا دوسرا رحیم بھائی تیار ہو رہا ہے۔ لڑکی خوار ہوگئی ہے۔ بجائے اس کے کہ باپ کے الزامات کو ثابت کر کے دکھاتا۔ الٹا ثابت کر رہا ہے کہ جو ہوا حق بجانب ہوا۔ دماغ ٹھکانے لگا دوں گی میں۔ تم دیکھنا ثمینہ کو بہت غصہ آ گیا تھا۔

نائلہ اور نبیلہ چپ سی ہو گئیں۔

بیس منٹ سے کچھ زائد وقت گزرا تھا کہ شہوار گیلے بال تولیے میں لپیٹے ان کے پاس آ گئی۔ زرد جدید اسٹائل ملبوس میں وہ بھیگی بھیگی غمگین سے بڑی پیاری لگ رہی تھی۔ اس نے اندر آ کر تولیہ شانوں پر پھیلا کر بال بکھیر لئے۔ دراز میں سے نیل کٹر نکال کر ناخن کاٹنے لگی۔

نبیلہ نے اپنے ہاتھ کی ساری شیشے کی چوڑیاں اتاریں اور قریب آ کر اس کا ہاتھ تھام کر چڑھانے لگی۔

ارے۔ رہنے دو ناں۔ سچ مجھے تو اس قسم کا کوئی شوق نہیں ہے۔ یقین کرو اس نے ہاتھ کھینچ لیا۔

آپ بھابی ہیں ہماری۔ وہاں ہمارے پاس ہوتیں ناں تو ہر دقت سجاتے۔ نبیلہ نے دوبارہ اس کا ہاتھ تھام کر اپنا کاروائی شروع کر دی۔

لوگ مزاروں پر پھول چڑھایا ہی کرتے ہیں۔ وہ برجستہ مگر زہر خنداں ہو کر بولی تھی۔

شٹ اپ شہوار۔ خبردار آئندہ ایسی کوئی بات کی۔ ثمینہ نے اسے ڈانٹا۔

نیلی۔ معاً دروازہ کھول کر احسن اندر داخل ہوا۔

جی بھائی جان۔ نائلہ فوراً متوجہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ کھانا لے آیا ہوں۔ ویسے تو گرم ہے مگر دیکھ لو۔ اب بھئی تم لوگ ہی کرو گے یہ سب۔

ظاہر ہے گھر والے تو ناکارہ بنا کر رکھ دیے ہیں۔ نہیں بنائے تو کوششیں جاری ہیں۔ ہم تمہارے پاس کھانے نہیں آتے۔ تعلق و قریبی رشتے کی ڈوریاں کھنچے آتے ہیں۔ باغیوں کی مہمانداری خوش نہیں کرتی۔ بلکہ اپنی ذلت ہے۔ ثمینہ نے ناراض انداز میں اس کی بات کاٹ دی تھی۔

توبہ۔ توبہ۔ پھوپھو۔ اتنی ناراضگی۔ احسن نے انہیں شانوں سے تھام لیا۔

چھوڑو۔ یہ دکھاوا، کتنا سمجھا کر گئی تھی۔ یہ حشر کر رکھا ہے تم نے بچی کا؟ ثمینہ بدستور خفگی سے گویا ہوئیں اور شانوں اس کے ہاتھ ہٹا دیے۔

اور جو بچی نے میرا حشر کیا ہوا ہے۔ اس نے آئینے پر نظر ڈال کر خاصی سنجیدگی سے کہا۔

وہ بے چاری تمہارا کیا بگاڑ سکتی ہے۔ یہاں وہاں آزاد دندناتے پھرتے ہو۔ کوئی باز پرس کرنے والا نہیں۔ کوئی لینے والا نہیں۔

جی ہاں۔ ویسے یہ جتنی بے چاری ہے۔ اتنا ہی بے چارہ میں بھی ہوں۔ چھوڑیے اس بات کو آیئے کھانا کھاتے ہیں۔ بہت چھوڑ دیا۔ سارے خاندان میں تھوتھو ہو رہی ہے۔ جس کے سامنے جاؤ وہ یہی ذکر چھیڑ دیتا ہے۔ ذرا ہوش کے لو۔ اپنی ہی جائز منکوحہ کو سب کے سامنے مجرمہ بنا کر رکھ دیا ہے۔

یہ سراسر مجھ پر الزام ہے۔ میں تو سب سے زیادہ مظلوم ہوں۔ جی بھر کر الو بنایا گیا ہوں۔ خیر چھوڑیں پھوپھو۔ دیکھیے م سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ وہ بابر اور فیضی بور ہو رہے ہوں گے۔ سوچتے ہوں گے خدا جانے کون سا گرین بلیو ٹن پلان کر رہے ہیں۔ پلیز۔ سچ پھر اس کے بعد جو بھی آپ بات کریں گی اسکا جواب دوں گا۔ پھر جو آپ کی مرضی آئے میرے ساتھ سلوک کیجیے گا۔

ثمینہ اس کے انداز پر پھر پسیج گئیں۔ نائلہ اور نبیلہ دوران گفتگو باہر چلی گئی تھیں۔

شہوار بال بنا کر تم بھی آ جاؤ۔ دیر نہ لگانا سنا۔

جی وہ اپنے دراز بالوں میں ابھی قدرے کوفت بھرے انداز میں جی بولی تھی مگر آواز اتنی آہستہ تھی۔ کہ ثمینہ اس کے چڑھاؤ کو محسوس نہ کر سکی تھی۔

شہوار کے ذہن کے پردے پر ماضی کے وہ خوبصورت نقوش اجاگر ہونے لگے تھے جن کا نتیجہ۔ آج کے دکھ تھے۔ یہ یقین ہی نہیں آتا تھا۔ یہ وہی احسن ہے۔

چھوٹی خالہ ہمیشہ ہی سے ہنگامہ پرور قسم کی شخصیت تھیں۔

زندگی میں بھرپور حصہ لینے والی۔

رجب میں ان ہاں میلاد۔ قرآن خوانی۔ شعبان میں بڑے پیمانے پر نیاز فاتحہ۔ رمضان میں روزوں کا بھرپور اہتمام والتزام۔ الوداع کا نیا جوڑا۔ گھر کی سجاوٹ غربا کے لئے افطار و کھانے کا انتظام۔ حتی کہ زکوۃ کی تقسیم کی ذمہ بھی وہی نبھاتی تھیں۔ خود دے کر آتیں۔ شب قدر کا اہتمام ہوتا۔ اپنی بھانجیاں، بھتیجیاں بلا بھیجتیں۔ کہ افطار و سحر میں کسی تقریب کا سامان ہوتا۔

پھر چاندرات کا اہتمام۔ عید کی تیاری۔ عید کی شب وہ اپنے ہاں ضیافت کا اہتمام کرتیں۔

گر میاں آئیں تو حلیم کی دعوت۔

سردیاں ہیں تو پائے پک رہے ہیں۔ وہ شور و غل مچتا جیسے شادی بیاہ کی تقریب ہو۔ گاجر کے حلوے اور پائے کی دعوت کا واقعی سب کو انتظار ہوتا تھا۔ موسم کی ڈش اور ہنستی مسکراتی گرم جوش میزبان۔ سب کا بہت دل لگتا تھا۔ ان کے ہاں ان کے کسی بچے نے کوئی کامیابی حاصل کی تو قرآن خوانی اور پارٹی لازمی۔ میاں کی ترقی ہوئی تو ان کے دوستوں کی دعوت۔ حتی کہ کوئی دل پسند سیاسی لیڈر چل بسا یا بیمار ہو گیا تو ایصال ثواب یا صحت یابی کی دعا کے لئے قرآن خوانی ساس سسر اور ماں باپ کی برسی کی تاریخیں وہ کبھی نہیں بھولتی تھیں۔

اس قدر پر رونق گھر میں سب ہی کا دل لگتا تھا۔

دعوت خواہ میاں کے دوستوں کی ہو، بھانجیاں و بھتیجیاں ضرور بلوائی جاتیں خود ان کے جلو میں ہنستی مسکراتی پھرتیں۔ کوئی ان کی زندہ دلی پر تبصرہ کرتا تو ان کی مرحومہ والدہ فوراً ٹوک دیتی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میری بچی کونظر نہ لگا دینا۔ اللہ اس کے نصیب یونہی جگائے رکھے۔ اس کا سہاگ سلامت رہے۔

یہی وجہ تھی کہ ساری لڑکیاں ان کے گھر جانے کے بہانے ڈھونڈتی تھیں۔ شہوار کی تو زیادہ چھٹیاں ہمیشہ انہی کے گھر گزری تھیں۔

احسن کو وہ چھٹیاں پڑتے ہی پہلی چھٹی پر لینے جا پہنچتیں۔ احسن کے تایا جان کو وہ اس لئے خصوصیت سے پسند تھیں کہ وہ ان کے پیارے بھتیجے پر جان چھڑکتی تھیں۔ اس لئے ان کی طرف سے ہمیشہ اجازت مل جایا کرتی تھی۔

وہ شہوار سے خاصا بڑا تھا اس لئے بچپن میں وہ بے تکلفی تو نہ ہو پائی جو ہم عمر بچوں میں ہوا کرتی ہے۔ البتہ آپس کے معصوم جھگڑوں میں وہ اکثر اسے اپنا جج بنالیا کرتے تھے۔ اس کے مضبوط جسم اور ''بڑے پن'' کا خاصا رعب تھا بچوں پر۔

اس قدر قریب رہ کر دن گزرے تھے کہ سب ایک دوسرے کے عادی تھے۔ کسی کو کسی میں کوئی نیا پن محسوس نہ ہوتا تھا۔ اختلاف تکرار صلح دوستی کے مرحلوں سے اتنی بار گزرنا پڑا تھا۔ کہ یہ بھی روٹین میں شامل ہو گیا تھا۔

پھر اچانک باپ جیسے شفیق اور مہربان تایا جان کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد اسے واپس اسلام آباد کا رخ کرنا پڑا۔ اسلام آباد و کراچی کے ماحول میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی سرما و گرما کی چھٹیوں میں کراچی کی طرف بھاگتا تھا۔

اسی وجہ سے اسے اسلام آباد میں وقت بہت مشکل لگا تھا۔ مگر صفیہ نے بڑی ذہانت و ملائمت سے اجنبیت کا وہ برف توڑ دیا تھا جسے ماہ سال نے غیر محسوس طریقے پر تراش دیا تھا۔ ماں کی اہمیت و قدر و قیمت کا احساس اس کے اندر اجاگر کیا ہوا پھر تو وہ سر سے پاؤں تک ماں کا ہو گیا۔ بلکہ اسے تو تاسف ہوا گزرے ہوئے وقت پر جو اس نے ماں سے دور رہ کر گزارا تھا۔

شائستہ، صابر، ان تھک اور مضبوط۔ اعلیٰ مردانہ صلاحیتوں سے لبریز ظاہری طور پر دلکش نسوانیت کا پیکر۔ پھر یہ ہوا کہ اس کے کراچی کے چکر آہستہ آہستہ کم ہو گئے۔ اسے ماں کی مصروفیت بہت ہو گئی۔ بی ایس سی فائنل کے امتحان سے قبل چھوٹی خالہ کے پرزور اصرار پر ختم چھٹیوں میں کراچی پہنچا تھا۔ وہ چھوٹا سا سوٹ کیس اٹھائے گھر میں داخل ہوا۔ شام ڈھل رہی تھی۔

آہ۔ ایک طویل چیخ۔ پھر بھاگتے قدموں کی آواز۔ دھپ۔ کوئی اس کے سوٹ کیس پر ہی آ رہا۔

یا وحشت۔ اس نے خود کو بھی سنبھالا اور گرنے والے کو بھی۔

اوہ۔ میرے خدا۔ اتنی موٹی چھپکلی۔ ذرا اور بڑی ہو جائے تو مگرمچھ کا بچہ دکھائی دے۔

شہوار سر تھام کر آنکھیں موندے کہہ رہی تھی۔

غالباً آپ مگرمچھ میٹرنٹی ہوم میں خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ کیونکہ میں نے آج تک مگرمچھ کا بچہ نہیں دیکھا۔ نوزائیدہ۔ احسن نے اسے اس کے قدموں پر ٹھہرا کر جواب دیا تھا۔

اوہ۔ السلام علیکم احسن بھائی۔ شکر ہے آپ آ گئے۔ چھوٹی خالہ دوپہر سے گئی ہوئی ہیں۔ کسی حاجی کو انوائٹ کرنے ابھی تک جج نہیں ہوا۔ لاحول ولاقوۃ۔ میرا مطلب ہے ابھی تک نہیں آئیں۔ توفیق (ملازم) ابھی تک دودھ لے کر نہیں لوٹا۔ میں اسٹور میں گئی چھوٹی خالہ کہہ گئی تھیں کہ وہ نیلا لحاف نکال لینا۔ خالو جان کے دوست آ رہے ہیں۔ لائٹ جلائی۔ اور چھپکلی۔

اس نے سر پکڑے پکڑے پوری روداد احسن کو سنا ڈالی۔

احسن کو اس بار وہ قدرے نئی سی محسوس ہوئی۔ جیسے تازہ ہوا کا جھونکا۔

گہرا جامنی رنگ شین لیلن کا سوٹ پہنے بہت دلفریب سی نظر آ رہی تھی۔ کٹے ہوئے بال کمر تک آ گئے تھے۔

احسن کو تو اس کی وہی حالت یاد رہتی تھی جب وہ آنکھوں پر بال ڈالے انہی میں سے جھانکتی رہتی تھی۔ تب اس کی امی چھوٹی خالہ اسے کھیل کے میدان سے کھینچ کھانچ کر اس کی چھوٹی چھوٹی پونیاں بنا دیا کرتی تھیں۔

یہ ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟ میں وہی ہوں۔ البتہ آپ بدل گئے ہیں۔ اتنے موٹے اور لمبے ہو گئے ہیں۔ توبہ۔ میں تو ڈر رہی گئی۔

ڈرنے کا تمہیں شوق ہے۔ اب کیا کیا جا سکتا ہے۔ اس نے جواب دیا۔

تب ہی یہ معلوم ہوا تھا کہ موصوفہ خیر سے نویں جماعت میں قدم رنجہ فرما چکی ہیں۔ اور ہائیر سیکنڈری اسٹیج وسوئیٹ ہین ساتھ ساتھ ہیں۔ اس کا یہ نیا انداز خاصا یاد رہ جانے والا تھا۔

ڈیڑھ دو سال کے بعد اس کا جانا ہوا تو وہ پشاور گئی ہوئی تھی۔ انٹر کا امتحان دے کر وہ بہت عرصے بعد اسلام آباد آئی تھی۔ شادابی کا موسم اپنے عروج پر تھا۔ صفیہ نے اس کو دیکھتے ہی سوچا تھا وہ اسے اپنی بہو بنالیں مگر سردار محمد علی خان کی حیثیت اور احسن کی ذمہ دارانہ حالت کو سامنے رکھ کر خود ہی حقیقت پسندی کا مظاہرہ بھی کر ڈالا تھا۔ کہ اپنی خواہش خود ہی دست بردار ہو گئی تھیں۔

حالانکہ ان کی بہن عائشہ کی صحیح خطوط پر پرورش کے انداز نے شہوار میں کوئی مصنوعی پن پیدا ہونے نہیں دیا تھا۔ بلکہ وہ ماہی خاموش طبع اور فطری حیا کی حامل محسوس ہوئی تھی۔

احسن نے اس کی آمد پر خوشی کا اظہار اسی طرح کیا تھا جس طرح کسی میزبان فرد کو کرنا چاہیے۔

لیکن اس کے لئے یہ انکشاف حیران کن تھا کہ صبح کو دیر سے نکلنے لگا ہے۔ اور اسے گھر آنے کی جلدی رہنے لگی ہے۔

گھر کی سمت بڑھتے قدموں نے اسے نئے احساسات سے متعارف کرایا۔ وہ اپنی کیفیت پر خود ہی حیران ہو کر مسکرا اٹھا کرتا تھا۔

اور اندر قدم رکھتے ہی اس کی نظر متلاشی سی ہو جاتی تھی۔

وہ خود کو ہر قسم کی کمزوری سے ماورا سمجھتا تھا نہ عمر زیادہ تھی نہ تجربہ۔ اسے اپنی بے بس کر دینے والی کیفیت پر خاصی جھلاہٹ بھی ہوئی تھی۔

یہ بھی کوئی بات ہے؟ اپنے ہی خیالات پر کنٹرول نہیں۔

یہ ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔

بڑی انسلٹنگ چیز ہے یہ۔ اسے پتا چل گیا تو کیا سوچے گی؟ میرے بارے میں کیا رائے قائم کرے گی؟

لاحول ولاقوۃ۔

اسے خود ہی اپنی سمجھ نہیں آئی تھی۔

اسی ادھیڑ بن و الجھاؤ میں دن خاموشی سے گزر گئے۔ وہ چلی بھی گئی۔ مگر احساسات کی تبدیلی احسن کو نیا سا کر گئی تھی۔

اس نے جیسے مقاصد حیات کا از سر نو تعین کیا۔

شہوار کا حصول اس کی توجہ و خالص محبت۔ اس کے مقاصد میں شامل ہو چکے تھے۔

اس نے بارہا سوچا تھا۔ انسانوں کے اس بیکراں ہجوم میں سے ایک انسان اس قدر اور اچانک اہم کس طرح ہو جاتا ہے۔ کہ زندگی کے سارے لطف اسی کی رفاقت سے مشروط ہو جاتے ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جس کی دلنواز مسکراہٹ کے سامنے ملنے والے قارون کے خزانے بھی بے معنی اور مذاق محسوس ہوں۔ معلوم نہیں ا
منظور نظر میں وہ کون سا الوہی رنگ ہوتا ہے جو اور کہیں نہیں ہوتی۔

محبت انسان کو کس قدر کمزور بنا دیتی ہے کہ ہر وقت کسی دوسرے کے زیر اثر رہنا شروع کر دیتا ہے۔

پہلے پہل اسے خاصی جھنجلاہٹ محسوس ہوئی۔

مگر یہ اس قدر عظیم حملہ تھا کہ اس نے ہتھیار ڈال کر ذہن و دل میں مصالحت کا آغاز کیا تھا۔ جو عرصے کی رسہ کشی
شل ہو رہے تھے۔

اس نے عزم صمیم کر لیا تھا کہ اب کراچی جائے گا تو خاصی باریکی سے اپنی ذات کا اثر اس پر دیکھنے کی کوشش کرے
اور جیت کر آئے گا۔

اسے خوشی تھی، وقت زیادہ دیر مبہم راستوں سے نہیں گزرا۔

بڑے ماموں کی بڑی بیٹی کی سالگرہ اور تھرڈ پروفیشنل میں بہترین کارکردگی کی مشترکہ تقریب تھی۔ وہ اپنے کزن کے ساتھ لان کی سجاوٹ میں مصروف تھا۔ کسی ضروری اوزار کی وجہ سے وہ ماموں کے کمرے میں آیا تو وہ کسی کزن سے مصروف گفتگو تھی۔

نہیں بھئی تم خود ہی کہہ دو مجھ سے نہیں ہوئی ان سے بات۔ ان کے تو دیکھنے بات کرنے کا انداز ہی بدل گیا ہے۔

کیا مطلب؟ انداز سے کیا مراد ہے؟

توبہ انہیں تو کسی کی موجودگی کا احساس تک نہیں۔ میرا تو دل دھک سے رہ جاتا ہے۔ وہ خاصے خفیف سے لہجے میں گویا تھی۔ اس کی مخاطب کزن کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

ہنسو نہیں کیا یہ ہنسنے کی بات ہے؟ شہوار نے خفگی سے ٹوکا تھا۔

اور ہاں کسی سے کہنا نہیں۔

تیرے میرے پیار کے چرچے ہر زبان پر
سب کو معلوم ہے اور سب کو خبر ہو گئی۔

اس کی کزن لہک لہک کر گا رہی تھی۔

چپ ہو جاؤ خدا کے لئے اس سارے قصے میں یہ پیار و یار کہاں سے ٹپک پڑا؟

شہوار نے زچ ہو کر ٹوکا تھا۔

ارے بابا! یا تو تم بدھو ہو یا بن رہی ہو، ہمیں کیوں نہیں دیکھتے اطرح احسن بھائی؟ حالانکہ ہم بھی برے تو نہیں ہیں۔

اس کی کزن نے قدرے بسور کر کہا تھا۔

اچھا میں کہہ دوں گی کہ تمہیں دیکھ لیا کریں۔

کہنے سے کون دیکھتا ہے۔ میں تو انارکلی بھی بن کر ان کے سامنے جاؤں تو وہ نہیں دیکھیں گے۔ کل ہی مجھ سے کہہ رہے تھے

تم سے کہہ رہے تھے کیا؟

شہوار نے خوفزدہ ہو کر جیسے بات کاٹ دی تھی۔

ہہ رہے تھے۔

تو وہ ہے تمہیں ہو جائے گی الفت مجھ سے

اک نظر میرا محبوب نظر تو دیکھو۔

کھاؤ میرے سر کی قسم۔ شہوار روہانسی ہو گئی تھی۔

۔ اس کی کزن ہنس ہنس رہی کر دہری ہو رہی تھی۔

سن اس سے زیادہ سن کر کرتا بھی کیا۔ اس سے پیشتر کہ کوئی اسے تلاش کرتا ادھر آ نکلتا۔ اس نے کمرے میں قدم رکھ
نظروں میں خاصی احتیاط لاشعوری طور پر پیدا ہو چکی تھی۔

زن لوٹ پوٹ ہوتے ہوتے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

سن نے انجان سا بن کر ماجوں جان کے بیڈ کے نیچے بنی ہوئی دراز کھینچ کر اوزاروں پر نظر دوڑانا شروع کر دی تھی۔

ں کی کزن تو اسے دراز پر سر جھکائے دیکھ رک فوراً رفو چکر ہو گئی۔ شہوار البتہ بدحواسی میں پوچھ بیٹھی۔

کیا چاہیے؟

سن نے سر اٹھا کر کمرے میں نظر دوڑائی پھر اس کی سمت دیکھا۔

ہوار نے گھبرا کر نظریں جھکا لیں۔

سن اسکرو ڈرائیور کا سیٹ نکال کر اٹھ کھڑا ہوا۔

ہوار!

ی!

ئی تم مجھ سے اس قدر گھبرا کر بات کیوں کرتی ہو؟ کیا بہت خوفناک ہو گیا ہوں؟

ہیں تو، میں تو نہیں گھبراتی۔ اس نے جلدی سے کہا تھا۔

وں، گھبرانا بھی نہیں چاہیے وہی تو ہوں میں جو کبھی کبھی تمہیں سکول سے بھی لے کر آیا کرتا تھا۔ تمہارے علم کا بوجھ
کول بیگ اپنے سر پر رکھ کر اور تم راستے بھر لولی پاپ منہ مارتی دس منٹ کا سفر بیس منٹ کا کر دیتی تھیں۔

یرے کاندھے پر سوار کو کر تم نے نانی جان کے ہاں سے کس قدر کچے امرود کھائے ہیں توڑ توڑ کر اس قسم کے کاموں
لئے چاہو تو ابھی بھی میری خدمات حاصل کر سکتی ہو۔

وہ شریر ہوا۔ شہوار کی پیشانی پر موتی چمکنے لگے۔

اچھا سنو! مجھے بھی وہی لطیفہ سناؤ جو نازیہ کو سنا رہی تھیں۔ اس نے بڑی سادگی سے فرمائش کی۔

نہیں تو، میں تو کوئی لطیفہ نہیں سنا رہی تھی۔ شہوار کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔

پھر وہ اتنا ہنس کیوں رہی تھی؟ وہ اسے کس قدر ستا رہا تھا۔

اس کی تو عادت ہے۔ اسی طرح ہنستی ہے۔ اس کی آواز کی لرزش واضح تھی۔

پھر تو اسے چیک اپ کرنا چاہیے۔

یرون کرتے شلوار میں ملبوس چاندی کی بڑی بڑی جھمکیاں پہنے وہ اس کے حواس پر غالب آ رہی تھی۔

میں جاؤں؟ شہوار کی حالت غیر تھی۔

اس سے قبل کیا میری اجازت سے ہی جاتی رہی ہو؟ وہ پوچھ رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آپ کچھ پوچھ رہے تھے۔آپ نے ہی تو روکا تھا۔

جب بھی روکوں گا تو کیا رک جاؤ گی؟اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا تھا۔

شہوار کو بھی شاید یہ امید نہیں تھی۔کلیجہ دھک سے رہ گیا۔

احسن کو ہی اس کی حالت پر ترس آ گیا۔وہ بنا کچھ کہے کمرے سے نکل گیا تھا۔

شہوار کے پاس کمرے میں اس کی بازگشت رہ گئی تھی۔

خواب آسا مر کی پہلی گردش۔

غنائیت بھرے عہد کی پہلی برسات۔

رنگوں کی بارش کی پہلی پھوار۔

دُسراہت کے تقاضے کا پہلا انکشاف۔

وہ بارش میں بھیگنے والی کسی نازک سی بیل کی طرح کانپتی رہ گئی۔

اس کا کراچی کا یہی دورہ اس کی زندگی کا اہم سنگ میل بن گیا تھا۔

اس پارٹی کے اختتام پر اچانک ہی وہ حادثہ رونما ہوا جو ساری جُزئیاں وتفصیلات کو پھلانگ کر ایک نکتے پر آ کر زندگی کا حاصل بن گیا۔

شہوار کو فوڈ پوائزن ہو گیا۔رات دس بجے کے بعد اسے پے در پے اُلٹیاں شروع ہوئیں۔بڑے ماموں عادتاً سونے کے لئے جا چکے تھے۔خاص خاص مہمان بھی رخصت ہو چکے تھے۔احسن اپنے کزن وقار کے ساتھ چھوٹی خالہ کے ہاں جا رہا تھا۔وہ گاڑی میں وقار کا انتظار کر رہا تھا عائشہ خالہ نے اسے کہا'وہ شہوار کو کلینک لے جائے'قے پر قے کئے جا رہی ہے'اس نے اپنے لئے یہ خبر پریشان کن تھی۔شہوار کو عائشہ خالہ نے پچھلی سیٹ پر لٹا دیا اور وہ زن سے گاڑی لے اُڑا۔اس نے بھی نہیں سوچا کہ شاید خالہ خود بھی ساتھ بیٹھنا چاہتی ہوں۔پیچھے آوازیں آتی رہ گئیں۔احسن یہ جا وہ جا۔

کلینک بھی نزدیک ہی تھا۔

فوری کارروائی کے بعد ڈرپ لگا دی گئی۔وہ وہیں اس کے نزدیک کرسی پر بیٹھ گیا۔

''اب کیسی طبیعت ہے؟''اس نے اس کے زرد چہرے پر متفکر سی نظر ڈال کر پوچھا تھا۔اس نے اثبات میں سر ہلا کر آنکھیں موند لی تھیں۔اسے خوابیدہ جان کر وہ گھر فون کرنے کیلئے اٹھ کھڑا ہوا۔

غالباً سب ہی فون کی گھنٹی کا انتظار کر رہے تھے۔وہ تو اتنی تیزی سے گاڑی لے کر نکلا تھا کہ کچھ کہنے سننے کا موقع نہیں ملا تھا فون دونوں کی مشترکہ نانی نے ریسیو کیا تھا اور اس کی خیریت سن کر بولی تھیں۔

''کوئی پوائزن وائزن نہیں'لڑکی کو نظر لگ گئی ہے'گھر لے آؤ نظر اتار دوں گی'صبح تک بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔''

وہ فون کر کے واپس آیا تو وہ آنکھیں کھولے دروازے کی سمت دیکھ رہی تھی۔

''کہاں چلے گئے تھے آپ؟میں سمجھی گھر چلے گئے۔''

''فون کیا تھا گھر'نانی جان کہہ رہی ہیں تم نے نظر لگا دی ہے'بہت غور سے دیکھ رہے تھے۔''

اس نے سائیڈ سے اخبار اٹھا کر چہرے کے سامنے کر لیا تھا۔

جذبات کے اظہار کیلئے کثرت الفاظ شرط نہیں۔

اور محبت جیسا لطیف جذبہ کثرت الفاظ سے اپنا حُسن کھو بیٹھتا ہے۔

یہ خالصتاً محسوساتی عمل ہے۔

بعض اوقات الفاظ بہت ہوتے ہیں مگر معنی بن کر نہیں دیتے۔

اور بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک لفظ نہیں ہوتا اور بات اپنے ہدف تک جا پہنچتی ہے۔

احسن نے اپنے جملے کا ردعمل دیکھنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔

عورت'مرد کی نظر سے اس کا مطلب پا جاتی ہے۔

تو مرد'عورت کی چال میں اپنے قبول ومسترد ہونے کا اثر دیکھ لیتا ہے۔

اور پھر'اس عمل میں خاموشی کے بھی انداز ہوتے ہیں۔

عورت کی اثبات بھری خاموشی'مرد اس طرح پہچانتا ہے'جیسے قدموں کے نشان سے چور کا راستہ پہچانا جاتا ہے۔

اسے اپنے جیت جانے کا ہمیشہ سو فیصد یقین رہتا تھا۔بعض اوقات یقین کی قوت نصیب کی ہر برائی پر غالب آ جاتی ہے۔

وہ اب بچی تو نہیں تھی'جن موسموں کے رنگ اسے اس عہد میں درکار تھے'وہ برس پڑے تھے۔

رات سوا بارہ کے لگ بھگ جب وہ مین روڈ کے بجائے اندرونی روڈ پر گاڑی ڈرائیو کرتا مناسب رفتار سے گھر کی طرف بڑھ رہا تھا۔وہ سیٹ سے ٹیک لگائے گم صم سی بیٹھی تھی۔اس نے شہوار کو مخاطب کیا۔

''شہوار۔''

''جی۔''

''ایک بات سنو۔''

''جو واردا تیں دل محسوس کرتا ہے'نظر پہچانتی ہے'وہ اتنی جلدی آنکھ بند کر کے کسی سے نہیں کہتے'بعض لوگ نادانی میں راہوں کے راستے مشکل بنا دیتے ہیں۔ابھی تو مجھے ایک طویل سفر طے کرنا ہے'انتظار وتوازن کا۔

مجھے یہ کبھی اچھا نہیں لگے گا کہ خوامخواہ تمہارا تماشا بنے۔''

شہوار کو یہ سمجھنے میں ذرا دیر نہ لگی کہ اس کا اشارہ نازیہ سے اس کی گفتگو کی طرف ہے۔

اسے ٹوٹ کر حیا آئی تھی۔

یہ سوچ کر کہ وہ اس کی خفی سی لغزشیں پہچان ہی نہیں اچھی طرح سمجھ بھی چکا ہے'وہ جان چکا ہے'مارے شرم کے اس سے نظر نہ اٹھایا گیا۔

احسن نے کئی بار اس کی سمت دیکھا۔وہ سر جھکائے رہی۔چادر نے دونوں اطراف سے اس کا چہرہ اوٹ میں کر رکھا تھا۔

اس نے گاڑی کی اندرونی روشنی بجھا دی۔تاکہ وہ آرام سے بیٹھ جائے۔

کتنا زیرک.....ذی فہم۔

شعور سے قریب تھا'جذبات سے قریب تھا۔

شہوار نے ایک جگر سوز کراہ کے ساتھ کروٹ بدلی۔

چمک دار'سرخ وسنہلے پرنٹ کے بلینکٹ میں گہری نیند سویا ہوا احسن اس کی شب بیداری سے کس درجہ بے خبر اسے احتیاط کی تعلیم دینے والا'کس درجہ غیر محتاط ہو چکا تھا۔

اس کی خاموشی سے ان کا مانی الضمیر سمجھنے والا اس درجہ بے حس ہو چکا ہے۔یقین ہی نہیں آتا۔

اس نے سوئے ہوئے احسن کی سمت ٹکٹکی باندھ لی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سارا الیہ یہی ہے جس کی رفاقت خوشیوں کی معراج لگتی تھی۔ قیامت تک کے لئے ہونٹوں سے ہنسی اس نے چھین لی ہے
کتنے دن ہو گئے ہیں مجھے ہنسے ہوئے۔ اس نے انگلیوں پر گننا شروع کر دیا۔
کیسی پاگلوں جیسی کیفیت ہو چکی تھی اس کی' وہ اپنی اس حرکت پر خود ہی خفیف سی ہو گئی' بلکہ اپنی حالت زار پر اک
ہوک سی اٹھی تھی سینے میں۔

صبح جب کچن میں آ کر اس نے مہمانوں کی بیڈ ٹی کا انتظام شروع کیا تو بابر مرتضیٰ بڑی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے
ہوئے اس کے پاس ہی چلے آئے۔
''صبح بخیر' میں اتنی صبح اٹھنے کا عادی تو نہیں ہوں' مگر نئی جگہ وہ نیند نہیں آتی جو ذاتی خواب گاہ میں آتی ہے۔''
''جی یہ تو ہے' مگر ہماری طرف بھی دیکھئے' ہم لڑکیوں کی خواب گاہیں زندگی میں کتنی بار چینج ہوتی ہیں اور ہمیں نئے
سرے سے نئی خواب گاہ کی عادت ڈالنا ہوتی ہے۔''
شہوار نے ان کے لئے چائے دم کرتے ہوئے خاصی بشاشت سے کہا۔
''اوہ! اچھی پوائنٹ اپروچ ہے آپ کی۔'' بابر مسکرا دیئے۔
''یعنی آپ یہ بتانا چاہتی ہیں کہ عورت کو زیادہ پرابلمز فیس کرنا ہوتی ہیں' کیوں؟''
شہوار نے ایک گہرا سانس لیا اور موڑھا کھینچ کر انہیں بیٹھنے کے لئے اشارہ کیا۔
بابر بیٹھ گئے تو اس نے ایک خوبصورت کپ پرچ میں چائے پیش کی۔
وہ ناشتے کا اہتمام کرتی رہی اور بابر سے بھی بات چیت ہوتی رہی۔ اسی مصروفیت میں اسے دھیان ہی نہ رہا کہ آج
احسن نے ''بیڈ ٹی'' مس کر دی ہے۔ دوسرے اسے اپنا خاص ضروری کام بھی یاد آ گیا۔ وہ بابر سے معذرت کر کے احسن کی
خواب گاہ میں چلی آئی۔
باتھ روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ دروازے سے چند قدم آگے واش بیسن کے سامنے وہ شانوں پر تولیہ پھیلائے شیو بنا
رہا تھا۔ وہ سیدھی فون کی طرف آ گئی۔ اس نے اسد کی رہائش گاہ کا نمبر ملایا تھا۔
''ہیلو' جی اسد صاحب سے بات کرا دیں..... سو رہے ہیں..... آپ ان کی امی ہیں؟ اچھا تو آپ میسج دے دیجئے گا۔
میں ان کی پروڈکشن سپر وائزر دُر شہوار بات کر رہی ہوں۔''
''جی.....؟'' ''ان کی نہیں''..... میرا مطلب ہے کہ ان کی فیکٹری میں''۔ ایک ہلکی ہنسی شہوار کے لہجے میں در آئی تھی۔
''ان سے صرف اتنا کہنا ہے مجھے ایک ہفتے کی لیو درکار ہے..... صرف ایک ہفتے کی۔''
احسن نے نہایت زور سے باتھ روم کا دروازہ بند کر لیا تھا۔
دُر شہوار نے دروازے کی سمت دیکھا تک نہیں اور فون بند کر کے اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔
کیونکہ ان سب نے آج نو بجے تک شکیلہ کی طرف چلے جانا تھا۔
رات کو بابر مرتضیٰ کی خاطر دل داری کی وجہ سے دوبارہ موقع ہی نہ مل سکا تھا کہ ثمینہ احسن کا گھیراؤ کرتیں۔

شکیلہ کو محض سرپرائز دینے کا دھیان تھا' اس نے فون جان بوجھ کر نہیں کیا تھا۔
شکیلہ' منزہ کو اپنے پاس لے آئی تھی اور دلیل یہ تھی کہ اس گھر میں اس کا ڈپریشن کم نہیں ہو سکتا۔ ہر سمت' ہر شے

سے موسوم تھی۔ انعام علی نے اس بات سے اتفاق کیا تھا۔ نور بانو کو بھی بیٹی کی خاطر وہیں آنا پڑا تھا۔
نور بانو لاؤنج میں قرآن پڑھ رہی تھیں۔
شکیلہ دونوں بچوں اور بلال کے ساتھ لان میں بیٹھی ہوئی تھی۔
سب سے آگے احسن اور بابر تھے۔ ان کے پیچھے ثمینہ ان سے پیچھے نائلہ' نبیلہ اور فیضان ایک جلوس سا تیار تھا گویا۔
شکیلہ کو اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آیا۔ وہ ہکا بکا کھڑی دیکھ رہی تھی۔
ثمینہ نے آگے بڑھ کر سب سے پہلے گلے سے لگا لیا۔
''میری آمد پر حیران ہوئیا نبیلہ' نائلہ کو دیکھ کر۔'' انہوں نے ہنس کر پوچھا۔
''السلام علیکم''۔ بلال نے جگنو کو گود میں اٹھا کر ثمینہ' احسن' بابر کو سلام کیا۔
''وعلیکم السلام۔'' ثمینہ نے بہت محبت سے جواب دیا۔
''دیور ہے تمہارا؟ کچھ کچھ جھلک ہے اس میں انعام علی کی۔ خیر بھائی ایک دوسرے سے زیادہ ملتے ہوں' یہ ضروری تو
نہیں۔''
انہوں نے اپنی گرم جوش مسکراہٹ کے ساتھ بلال سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بلال نے شکیلہ کی سمت دیکھا۔اس کی آنکھوں میں الجھن تھی۔وہ جیسے اس سے پوچھ رہا تھا کہ اسے کیا کہنا چاہئے۔

شکیلہ نے نظریں جھکالیں۔

''یہ بچے کس کے ہیں؟ ماشاءاللہ بہت پیارے ہیں۔'' ثمینہ نے جگنو کے رخسار چھوئے۔

''ہمارے ہی ہیں۔آیئے اندر چلتے ہیں۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔

سب اس کی قیادت میں پیچھے پیچھے ہولئے۔

نور بانو ان سب کو دیکھ کر دوپٹہ ٹھیک کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''السلام علیکم!'' بیک وقت کئی آوازیں لاؤنج میں اُبھریں۔

''وعلیکم السلام!'' نور بانو نے جواب دیتے ہوئے شکیلہ کی سمت دیکھا۔

''باجی۔یہ میری پھوپھو ہیں ابا جی کی چھوٹی بہن.....اور یہ نائلہ دنبیلہ ہیں میری چھوٹی بہنیں۔یہ میرے بڑے بھائی احسن ہیں اور یہ بابر ہیں نائلہ کے شوہر۔اور ہاں یہ فیضان ہے۔پھوپھو کا بیٹا۔''

شکیلہ نے فرداً فرداً سب کا تعارف کرایا۔

''اور آپ کی تعریف۔'' ثمینہ نور بانو سے مخاطب ہوئیں۔

''بلال.....دیکھنا رفیق (ملازم) آ گیا سودا لے کر.....؟'' شکیلہ نے بلال سے کہا۔

بلال فوراً وہاں سے چلا گیا۔

وہ سب شکیلہ کی سمت پوری طرح متوجہ تھے۔

''بھابھی جان نہیں آئی.....؟'' شکیلہ نے ان سب پر نظر ڈال کر پوچھا۔

''ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔'' نائلہ نے فوراً جواب دیا۔مگر وہ بدستور نور بانو کی سمت متوجہ تھی۔

''آیئے آپ لوگ ادھر ڈرائنگ روم میں بیٹھئے۔پھوپھو آپ یہیں بیٹھئے۔نیلی اور بلو تم بھی۔'' وہ احسن' بابر اور فیضان کو لے کر ڈرائنگ روم کی سمت بڑھ گئی۔

''آپ.....؟'' ثمینہ کی سوئی ہنوز ایک جگہ اٹکی ہوئی تھی۔وہ نور بانو سے پھر مخاطب ہوئیں۔

''آپ مجھے نہیں جانتی ہیں۔مجھے نور بانو کہتے ہیں۔'' وہ سر جھکا کر گویا ہوئیں۔

''میں نے آپ کا نام پہلی مرتبہ سنا ہے۔'' ثمینہ نے جیسے کوتاہی کا اعتراف کیا۔

''شکیلہ نے آپ کو ہمارے بارے میں نہیں بتایا؟'' وہ قدرے چونکیں۔

''کبھی اتفاق نہیں ہوا شاید۔'' ثمینہ نے کہا۔

''میں انعام علی کی پہلی بیوی ہوں۔'' انہوں نے گہرا سانس لیا۔

وہ تینوں کی تینوں ہکا بکا رہ گئیں۔

''تعجب ہے آپ تو شکیلہ سے نہایت قریبی رشتہ رکھتی ہیں۔اس کے باوجود آپ کو.....شاید اس نے کسی مصلحت کے تحت ایسا کیا ہو۔وہ بہت اچھی ہے۔کسی بہت اچھی ماں کی بیٹی ہے۔بیٹھئے ناں۔کھڑی کیوں ہیں.....؟'' نور بانو نے جیسے کسی خیال سے چونک کر انہیں بیٹھنے کے لئے کہا۔

اسی دم بلال دوبارہ لاؤنج میں داخل ہوا۔اور ان سب پر ایک نظر ڈالی۔

''ممی کہاں ہیں.....؟''

''اندر ڈرائنگ روم میں۔بیٹے تم بھی وہیں جا کر بیٹھو۔مہمانوں کے پاس۔''

''یہ.....یہ.....'' نائلہ نے جیسے بدحواس ہو کر بلال کی سمت اشارہ کیا۔

''بیٹا ہے میرا۔بلال۔'' نور بانو ان کے تاثرات بخوبی دیکھ رہی تھیں۔مگر انہیں گھما پھرا کر بات کرنا نہیں آتی تھی۔

''آپ کا مطلب.....!'' ثمینہ نے گھبرا کر ان کی صورت دیکھی۔

''جی میرا مطلب ہے۔انعام علی کا بیٹا۔'' نور بانو نے اسی طمانیت بھرے انداز میں جواب دیا۔

نبیلہ و نائلہ نے ایک دوسرے کی سمت دیکھا۔دُکھ کی برچھیاں ان کے سینے میں اتر گئی تھیں۔

ہائے ہماری پیاری باجی۔حوادث زمانہ کے سامنے تنہا.....ایک دم اکیلی.....یہ اتنی بہادر کب سے ہوگئیں۔

ابا جی.....آپ کے کس کس ستم پر نگاہ کریں.....میں اپنا دُکھ دیکھوں۔ماں کا دُکھ روؤں۔شکیلہ باجی کے نصیب کا ماتم کروں۔بلو آپا کے زخم گنوں۔نہیں.....آپ ہمارے ابا جی کیسے ہو سکتے ہیں؟

سب کے دل گوشت پوست سے بنے ہیں آپ کا کس سے بنا ہے.....؟

فولاد بھی پگھل سکتا ہے۔بارود سے چٹانیں بھی اُڑ جاتی ہیں۔آپ کے دل کو نرمانے کی صلاحیت پوری کائنات میں کہیں نہیں۔

نائلہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

ثمینہ کو مارے دُکھ کے جیسے چپ سی لگ گئی تھی۔نبیلہ کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپ رہا تھا مگر وہ دونوں اپنی حالت پر قابو پانے میں خاصی کامیاب تھیں۔مگر نائلہ.....اس کی حالت بڑی بے اختیاری ہو رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لاؤنج میں داخل ایک سکوت سا طاری ہو گیا تھا۔ بلال ڈرائنگ روم میں جا چکا تھا۔ نور بانو کی نظر نائلہ کے اشکوں پر پڑی۔ وہ اُٹھ کر اس کے قریب آئیں۔ اپنے پلو سے اس کے رخسار صاف کیے مگر نائلہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی۔

نور بانو نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

''دکھ تو سبھی کہیں ہوتے ہیں۔ بس انکشاف میں دیر ہوتی ہے۔ جو شے ازل سے جان کو لگی ہے۔ اس پر کیا چونکنا' کیا پریشان ہونا'' ان کی آواز بھرا گئی۔

ثمینہ اور نبیلہ حیرانی سے نور بانو کو دیکھنے لگیں۔ انہیں وہ بہت عجیب و غریب لگی تھیں۔ سمجھ سے بالاتر۔

''دیکھو بیٹا۔ جو ہو چکا وہ تو ہو چکا۔ آگے جینے کی راہ ڈھونڈ کر ہی وقت کٹے گا۔''

''السلام علیکم۔'' معاً ایک نسوانی آواز لاؤنج میں اُبھری۔

وہ سب جیسے چونک پڑیں۔ اب تو جیسے ہر نئی آواز پر ان کے کلیجے کانپتے تھے۔

سر اُٹھا کر سامنے دیکھا۔ زرد سوٹ اور سفید چادر میں سامنے منزہ کھڑی تھی۔

جیسے کوئی تصویر۔ بلکہ تصویرِ غم۔ چغتائی کے برش سے اظہارِ غم جیسے متحرک ہو گیا تھا۔

''آؤ منزہ.....!''

''یہ میری بیٹی ہے منزہ۔ بلال کی بڑی بہن۔'' نائلہ کے اشک فوراً تھم گئے۔ اس نے منزہ کو جیسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھا۔

ان تینوں نے منزہ کے اندر کوئی غیر معمولی بات محسوس کی تھی۔ اس کے لب ایک دوسرے میں اس طرح پیوست تھے جیسے آئندہ کھولنے کا کوئی ارادہ نہیں۔

نبیلہ کو وہ اپنا آئینہ دکھائی دی۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ خود اپنے مقابل آ کھڑی ہوئی ہو۔

اتنے بڑے محل میں شہزادی افسردہ کیوں ہے؟ اس پر حالات کے دیو نے کون سی قیامت ڈھائی ہے؟

میں اپنے دُکھ میں ڈوب کر کسی جزیرے میں قید ہوں۔ میری باجی جانے کون کون سے مرحلے طے کر رہی ہے۔ اتنے ڈھیر سارے اپنوں کی موجودگی میں ''تنہا۔''

''آیئے۔ بیٹھیے۔'' اس نے ثمینہ کو ایک دم چپ دیکھ کر منزہ کو مخاطب کیا۔

نائلہ ابھی تک نور بانو کے بازوؤں میں تھی۔

''یہ شکیلہ کی پھوپھو اور بہنیں ہیں۔''..... منزہ نے زبردستی کی مسکراہٹ کے ساتھ انہیں جیسے خوش آمدید کہا۔

''امی گڑیا کہاں ہے؟ اس کے فیڈر کا ٹائم ہو گیا ہے۔''

''تمہاری ممی کے پاس ہے۔ ڈرائنگ روم میں ہیں وہ۔ ان کے بھائی و بہنوئی آئے ہیں۔ جاؤ انہیں سلام کر آؤ۔ اور گڑیا کو بھی لے آؤ۔ ویسے تو یہ عدت میں ہے۔'' نور بانو کی زبان جیسے لڑکھڑا گئی۔

ان تینوں پر جیسے ایک نیا پہاڑ ٹوٹا تھا۔ ثمینہ تو گویا بلبلا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''کیا قیامت آئی ہے اس بے چاری پر۔ یہ تو بہت کم عمر ہے۔ کس قدر معصوم۔''

''قیامت کچھ بھی نہیں دیکھتی۔ بس آ جاتی ہے۔'' نور بانو کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

''میرا داماد شپ پر ملازم تھا۔ انجینئر تھا۔ سارے بھنور جیسے میرے ہی گھر کے لئے ہیں۔''

لاؤنج میں پھر خاموشی چھا گئی۔ ماحول ہنوز پرنم تھا۔ بس دُکھ کا چہرہ بدل گیا تھا۔ ثمینہ اس کے پیچھے ڈرائنگ روم میں چلی گئی تھیں۔ نبیلہ بھی ان کے پیچھے ہو لی۔

''جب ہم بھی دُکھی ہیں اور غم آپ کے آس پاس بھی ہے تو ہاتھ ہم ہاتھ ڈال کر ایک ہی گزرگاہ پر کیوں نہ چلیں۔''

انہوں نے نائلہ کی پشت تھپتھپا کر بھیگی ہوئی آواز میں کہا۔

''اگر آپ اپنے غموں کا ذمہ دار ہمیں سمجھتی ہیں تو بڑی نادانی ہے۔ اب تو ہم اور آپ ایک ہی ہیں ناں۔''

ان کے لہجے میں نہ جانے کیسی نا آسودگی تھی..... نائلہ نے جیسے ان کی خاطر خود پر قابو پایا۔

یہ تو خود دُکھوں کی نگری ہے..... شکیلہ باجی..... دُکھوں کی کچھ تفصیلات بدلی ہیں..... عنوان تو پھر وہی ہے۔

ہمارے بارے میں صرف دنیا کے تاثرات بدلیں گے۔ ہمارے دلوں کا حال بدستور رہے گا۔

پہلے دنیا میں متوسط اور محنتی طبقے کا فرد گردانتی تھی۔ اب ہم اس ملک کے خوشحالوں میں گنے جاتے ہیں۔ باقی سب کچھ ی طرح ہے۔

نور بانو جیسے اس کے اندر کچھ تلاش کر رہی تھیں۔

نائلہ نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ ''آپ کے کتنے بچے ہیں؟''

''ماشاء اللہ دو ہیں۔ ایک بیٹا اور ایک بیٹی..... بس یہی کائنات ہے میری۔'' (چوبیس سال ہو گئے۔ قسمت کی تیرگی ں بس یہی دو جگنو ہیں میرے پاس) وہ مسکرائیں۔

نائلہ کو محسوس ہوا جیسے وہ نہ مسکرائیں تو اچھا ہے۔ کس قدر تکلیف میں ہوتی ہیں یہ مسکراتے ہوئے۔ اس نے ان کے سکون و تاثر سے عاری چہرے کی طرف دیکھا۔

''آپ ہمارے بھائی جان میرا مطلب ہے احسن بھائی سے ملی ہیں.....؟'' نائلہ کو اگلا مرحلہ یاد آیا۔

''ملی تو نہیں ہوں مگر شکیلہ نے آپ سب کے بارے میں پوری تفصیل سے بتایا ہوا ہے۔ آپ کی بھابھی شہوار بھی تو تی ہیں۔ وہ نہیں آئیں آپ کے ساتھ.....؟'' نور بانو نے دھیمے لہجے میں بتاتے ہوئے سوال کیا۔

نائلہ نے قدرے حیرانی سے ان کی سمت دیکھا۔ ان باتوں سے پتا چلتا ہے کہ شکیلہ باجی کے ان لوگوں سے کتنے ہی تعلقات ہیں۔ باہمی اعتماد کی فضا ہے۔ مگر احسن بھائی کو تو یہ سب پتا نہیں' جب ان کو پتا چلے گا تو..... اباجی سے ان کی تکش کن انتہاؤں کو پہنچے گی.....؟

بابر کو یہ سب پتا چلے گا تو وہ ہمارے گھرانے کے بارے میں کیا تاثر قائم کریں گے.....؟

نائلہ کو گویا مزید مرحلے درپیش تھے۔ بلال اور منزہ ڈرائنگ روم میں گئے ہیں۔ وہاں کی کیا صورت حال ہے۔ معاً اس سوچا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ''ابھی آتی ہوں۔'' وہ ڈرائنگ روم کی سمت بڑھ گئی۔

''تم آرام کرو منزہ..... گڑیا کی فیڈر میں تیار کر دیتی ہوں۔'' اندر داخل ہوتے ہی اس کے کانوں میں شکیلہ کی آواز آئی

''نہیں۔ ممی۔ آپ مہمانوں کے پاس بیٹھیے۔ لائیے گڑیا کو مجھے دے دیجئے۔''

نائلہ کے قدم وہیں جم گئے۔ اس نے خوفزدہ ہو کر احسن کی سمت دیکھا۔ احسن ایک دم ششدر سا رہ گیا۔ وہ شکیلہ کو غور دیکھنے لگا تھا۔ اس کی نظروں میں لاتعداد سوالات تھے۔ ثمینہ نے بھی گردن موڑ کر اس کی سمت دیکھا تھا۔

شکیلہ یہ سب بخوبی محسوس کر رہی تھی۔ اس نے گڑیا کو منزہ کی گود میں دیا اور بلال کی گود سے جگنو کو لے لیا۔

''بلو..... یہ میرے بڑے بھائی احسن ہیں۔ تمہارے ماموں..... اور یہ میری پھوپھو ہیں تمہاری نانی جان۔ یہ تمہاری ں ہیں۔ نبیلہ اور نائلہ اور یہ نائلہ کے شوہر ہیں بابر مرتضیٰ۔ یہ فیضان ہے پھوپھو کا دوسرا نمبر بیٹا۔'' شکیلہ نے بھرپور ائیت سے تعارف کرایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گویا ابھی تک تعارف نہیں ہوا تھا اور نہ ہی ثمینہ و نبیلہ نے احسن کے سامنے کوئی اشارہ کیا تھا۔

احسن دم بخود شکیلہ کی سمت دیکھ رہا تھا۔ ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا۔

''آپ کی والدہ محترمہ کہاں ہیں؟'' معاً اس کی سپاٹ آواز اُبھری۔ وہ بلال سے مخاطب تھا۔ نہ جانے کس جواب کی تلاش تھی اسے.....!

''ابھی تو آپ ملے ہیں ان سے باہر لاؤنج میں۔'' بلال نے بڑی شائستگی سے جواب دیا۔ احسن نے پھر شکیلہ کی سمت دیکھا بابر سخت حیرانی کے عالم میں تھے۔ کہ نائلہ کے گھر والے شکیلہ کے معاملات سے اس درجہ بے خبر ہیں۔ کیا نائلہ کی بہن نے اپنی مرضی سے یہ شادی کی ہے.....؟ ان کے ذہن میں سوال ابھرا۔ تب ہی تو یہ سب آج پہلی مرتبہ مل رہے ہیں۔

''آپ یہاں پہلی مرتبہ آئے ہیں؟ ہماری طرح۔'' بابر نے احسن کو مخاطب کیا۔

''نہیں۔ پہلے بھی دو تین مرتبہ آ چکا ہوں۔'' احسن نے اپنے خیالات سے چونک کر بابر کو جواب دیا۔

بابر پر پھر تحیر آمیز حیرانی طاری ہو گئی

احسن اٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں چلتا ہوں۔ آفس کی تو آج چھٹی ہو گی۔ فرم میں کام ہے۔ کل شپ روانہ ہو گا۔ مال لوڈ کرانا ہے۔ آپ مجھے بتا دیجئے کہ آپ لوگوں کا واپسی کا کیا پروگرام ہے؟ میں بڑی گاڑی بھجوا دوں گا۔'' اس کا انداز سرد اور لہجہ سپاٹ تھا۔

''آپ کھانا کھائے بغیر نہیں جائیں گے۔'' شکیلہ نے کھڑے ہو کر مزاحمت کی۔

''کھانا پینا تو زندگی بھر کا ہے۔ پھر سہی۔ میں تو اسی شہر میں ہوں۔ ہر دم تمہارے پاس۔''

اس نے شکیلہ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر جیسے اسے بہلایا۔

''شام کو بھابھی کو لے کر آ جایئے گا۔ کھانا آج یہیں کھایئے۔ پلیز بھائی جان۔'' شکیلہ بہن تھی۔ اس کے احساسات سے اس وقت بے حد قریب تھی۔ اپنے آپ کو بے حد مطمئن اور مگن ظاہر کر کے وہ اس کے دل سے بوجھ ہٹانا چاہ رہی تھی۔

''دیکھوں گا۔''

''نہیں۔ وعدہ کیجئے۔ شہوار بھابھی کو ضرور لے کر آیئے گا۔ دیکھیں بھائی جان پلیز۔'' اس نے احسن کا بازو دونوں ہاتھوں سے تھام کر جیسے منت کی۔

''شہوار کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ البتہ میں آنے کی پوری کوشش کروں گا.....!''

''ٹھیک ہے وہ اب' لے آنا۔'' ثمینہ نے تیزی سے کہا۔

احسن نے بلال کے چہرے پر نظر ڈالی اور گہرا سانس لیا۔ ''اچھا خدا حافظ!''

وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ بلال حق میزبانی ادا کرنے کی خاطر اس کے پیچھے چل دیا۔

بابر نے بیوی کی سمت الجھی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ وہ نظریں چرا گئی۔ بلال دوبارہ اندر داخل ہوا۔

''بلو..... باجی وہاں اکیلی ہیں۔ انہیں یہیں بلا لاؤ۔'' ملازمہ ٹرالی لئے اندر آ رہی تھی۔ بلال ماں کو بلانے باہر نکل گیا۔

ثمینہ اپنی نشست سے اٹھ کر بابر کے برابر میں بیٹھ گئیں۔ انہیں اب داماد کی فکر تھی۔ نائلہ کی مشکل کا خیال تھا۔

منزہ گڑیا کو لے کر باہر جا چکی تھی۔ بلال ماں کو لینے جا چکا تھا۔

''شکیلہ کی شادی رحیم بھائی نے اچانک کی تھی۔ میں یہاں نہیں تھی۔ بڑی سادگی سے نکاح کر دیا تھا حتیٰ کہ منیب بھابھی کو بھی اعتماد میں نہیں لیا گیا تھا۔ بالکل ایسے ہی جیسے تمہاری اور نائلہ کی شادی میں انہوں نے اپنا کلی اختیار استعمال

کیا۔ اس لئے شکیلہ کے گھر کے بارے میں کسی کو بھی معلومات نہیں تھیں آج سے پہلے..... بس رحیم بھائی کا مزاج ہی ایسا ہے کہ وہ اپنے رائے کے علاوہ کسی کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔''

''تو کیا شکیلہ نے بھی آپ لوگوں کو کچھ نہیں بتایا۔'' بابر نے حیرانی سے پوچھا۔

''وہ صفیہ بھابھی کی بیٹی ہے۔ صابر' ایثار پیشہ..... بیوقوف کہیں کی۔'' ثمینہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

''اور پھر انسان کی پرائیویٹ لائف بھی تو ہوتی ہے۔ کسی کی ہر بات سب کو پتا ہونا ضروری تو نہیں۔'' نائلہ نے تلخی سے کہا اور اخبار اٹھا کر چہرے کے سامنے کر لیا۔

بابر نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر نظریں نائلہ کی سمت اٹھائیں۔

''مثلاً؟'' ان کے لہجے میں غراہٹ در آئی تھی جو صرف نائلہ ہی محسوس کر سکتی تھی۔

''مثلاً بھی میں ہی بتاؤں۔ یہ میری ذمہ داری تو نہیں۔'' انداز ہنوز تیکھا تھا۔

شکیلہ نے فوراً ٹرالی آگ کر کے کٹلس بابر کی سمت بڑھائے۔ اسے نائلہ کا انداز سمجھ تو نہیں آیا تھا مگر اس کی پر امن بہت نے کچھ محسوس کر لیا تھا اور مداخلت ضروری سمجھی تھی۔

''یہ لیجئے بابر بھائی۔ کافی یا چائے۔'' اس نے بغیر وقفے کے سوال کیا۔

''کافی..... فل کریم مگر ہاف کپ۔'' انہوں نے پھر سے لہجہ بدل کر شائستگی سے جواب دیا۔ ''اگر ممکن ہو۔'' وہ مزید

ویا ہوئے۔

''نائلہ! یہ خاص کافی تو تم بناؤ۔ اس لئے کہ تم بابر کے ٹیسٹ سے واقف ہو۔'' ثمینہ نے نائلہ کو مخاطب کیا۔

اس نے اخبار رکھ کر ثمینہ کے حکم کی تعمیل کی۔

نور بانو سر اچھی طرح ڈھانپے بلال کے ہمراہ اندر آئیں۔ ''آیئے باجی ادھر آ جایئے۔'' شکیلہ نے اپنے پہلو میں جگہ بنائی نور بانو چپ چاپ اس کے برابر بیٹھ گئیں۔

ثمینہ نے نظریں اٹھا کر دونوں کو دیکھا۔ وہائٹ پرپل پرنٹ کا بہت اسٹائلٹ سا سوٹ زیب تن کئے شکیلہ بہت آسودہ مطمئن سی نظر آ رہی تھی۔

دونوں ہاتھوں میں سونے کی چوڑیاں۔ ناک میں دمکتی ہیرے کو لونگ۔ بالوں کا اوپن سٹائل جوڑا۔ پیشانی پر گری ئی دو چار بالوں کی لٹیں۔ ہونٹوں پر لائٹ پرپل چمکدار لپ اسٹک۔ اعتماد' سکون' احساس ملکیت و تصرف۔ وہ آج سے برس پہلے والی شکیلہ ہرگز نہیں تھی۔

اور اس کے بائیں پہلو میں بیٹھی ہوئی نور بانو۔

انگوری کلر کے سوٹ میں پیشانی تک دوپٹہ منڈھے ہوئے۔ آنکھوں میں اداسی' انداز میں تکلف و اجنبیت..... مہمانوں جیسا انداز..... بولنے کے انداز میں حد درجہ احتیاط۔

چہرا ایک دم سفید۔ گلابی پن کی جھلک سے عاری۔ جیسے ان کے جسم میں خون ہی نہ ہو۔ ہونٹ ابھرے ہوئے نچلا ہونٹ قدرے سرخی مائل۔

آنکھوں کے نیچے باریک لکیریں۔ چھوٹے سے دہانے کے اطراف قوسی لکیریں۔

چہرے اور ہاتھوں کی جلد کی نمی اُڑی ہوئی تھی۔ خشک جلد' اداس تاثر۔ وہ شکیلہ کے مقابلے میں بہت تھکی ہوئی اور شل آ رہی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انعام علی جیسے فریش' صحت مند' توانا' جذبات کے حامل مرد کے آگے درحقیقت وہ بجھی ہوئی عورت تھیں۔
شکیلہ سب کو اشیائے خورد و نوش پیش کر رہی تھی۔ برتنوں اور اس کی چوڑیوں کی کھنکھاہٹ کے علاوہ ڈرائنگ روم میں اور کوئی آواز نہ تھی۔

احسن بہت رش ڈرائیونگ کرتا ہوا گھر پہنچا تھا۔
شہوار مہمانوں کے جانے کے بعد بکھیڑے سمیٹ آرام کر رہی تھی۔ پھول بی بی پائپ لگائے پورچ دھو رہی تھی۔
احسن کی گاڑی کا ہارن سن کر پھول بی بی نے گیٹ وا کر کے باہر جھانکا اور سخت برا سا منہ بنایا۔
"صاحب! ابی گاڑی باہر ہی بھن دو۔ اس کا پہیے میں بوت مٹی لگا ہے۔"
"گاڑی باہر ہی ہے۔ میں واپس جاؤں گا۔ تم فکر نہیں کرو۔" وہ غائب دماغی کی کیفیت میں نظر آ رہا تھا۔ "آج تم ابھی تک یہیں ہو" اس نے گیٹ کے اندر داخل ہوتے ہوئے سوال کیا۔
"بی بی ام کو بولا تھا ساتھ والوں کا کام کر کے دوبارہ آ جانا۔ آج کام بہت اے۔ ام دوبارہ آیا اے۔" اس نے آستین سے پیشانی صاف کر کے تفصیلاً بتایا۔
مشین کی بزرنجی۔ اس نے راہداری کے آخری سرے کی سمت دیکھا۔ شہوار پائنچے چڑھائے پانی میں سٹرپ پڑ کرتی دکھائی دی۔
"تمہیں کس لئے رکھا ہے پھول بی بی۔ کپڑے بی بی کیوں دھو رہی ہے؟" وہ ناگواری سے پھول بی بی کی سمت دیکھ رہا تھا۔
"صاحب! بی بی بولتا تھا آج کام بوت اے۔ تم صفائی کرو۔ کپڑا ام دھو لے گا۔"
احسن گیلے فرش پر احتیاط سے چلتا ہوا شہوار تک پہنچا۔
"شہوار.....!"
شہوار تو جیسے اچھل ہی پڑی۔
"محترمہ" کے طنزیہ خطاب کو سن کر اسے تو جیسے اب "محترمہ" ہی کی عادت ہو گئی تھی۔
اس نے خود پر قابو پایا اور کپڑے نچوڑنے میں دوبارہ مصروف ہو گئی۔ بس اک نگاہ غلط اس پر ڈالی تھی۔
"ادھر آؤ۔ بات سنو۔"
"ادھر ہی سنا دیجئے اُدھر کیا ہے۔" اسی بے مہر لہجے میں جواب ملا۔
احسن کا تو جیسے خون ہی کھول گیا۔ کس درجہ خودسر ہو چکی ہے۔
"پھول بی بی کی موجودگی میں میں تم سے بات نہیں کر سکتا۔ بیڈروم میں آؤ۔" وہ تحکمانہ انداز میں کہہ کر پلٹ گیا۔
"ہونہہ' بیڈروم میں آؤ۔" اس کے حکم دینے کے انداز پر وہ نئے سرے سے سلگی۔
"اللہ کے فضل سے ملازمت کرتی ہوں۔ کسی کے رعب میں نہیں آؤں گی۔" وہ ہاتھوں سے جھاگ پونچھتی آگے بڑھی۔ دوپٹہ ادھر اُدھر کہیں نظر نہ آیا۔ ایک تولیہ کھینچ کر اپنے شانوں پر پھیلایا اور جیسے پاؤں پٹختی ہوئی بیڈروم میں داخل ہوئی۔
"فرمایئے۔ آج کیا نکلا ہے زنبیل سے؟" وہ تلخی سے گویا ہوئی۔

"تم شکیلہ کے پاس کئی دنوں رہیں جن دنوں امی آئی ہوئی تھیں۔"
"پھر.....!"
"تم کیا جانتی تھیں اس کے گھر کے بارے میں۔ اور کیا امی کو بھی پتا ہے؟"
"کسی کو کچھ پتا نہیں۔ سوائے میرے۔ اس لئے کہ شکیلہ نے مجھ پر اعتبار کیا۔ اور صرف مجھے بتایا۔ اس کا خیال تھا شاید جان کے لئے یہ صدمہ ناقابل برداشت ہو۔"
"تم نے مجھ سے کیوں چھپایا؟" احسن نے تیزی سے بات کاٹ دی۔
گویا اس کا خیال درست نکلا۔ وہ آگاہ تھی۔
"میرے آپ کے درمیان اس قسم کا وقت کبھی نہیں آیا کہ بتانے سمجھانے کی نوبت آتی۔"
"مگر تمہیں یہ بات مجھے بتانا چاہئے تھی۔"
"کس حساب میں.....؟" وہ تلخی سے پوچھ رہی تھی۔
"میں یہ بدتمیزی برداشت نہیں کر سکتا۔ میں شوٹ کر دوں گا تمہیں۔" بہن کے ہاں سے اذیت ناک انکشاف نے کی چولیں ہلائی ہوئی تھیں۔ شہوار کے انداز نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔
"کچھ کیجئے تو سہی۔ صرف کہتے رہیں گے کیا.....؟ اس نے آگے بڑھ کر سائیڈ ٹیبل سے ننھا سا پسٹل نکالا جو ایک روز ائی کے دوران نظر آ گیا تھا اور احسن کی سمت اچھالا۔ "یہ لیجئے۔"
احسن نے تیزی سے کیچ کیا۔
"یہ کیا بدتمیزی ہے؟"
"پتا نہیں۔ ویسے تو یہ پسٹل ہے۔ شاید مجھے ہی ڈرانے کو رکھا ہے۔ کر دیجئے شوٹ مجھے۔"
"احسن نے پسٹل ہاتھ میں تھام کر قدرے سوچا۔ پھر آگے بڑھ کر تکیے کے نیچے رکھ دیا اور اپنی جگنوؤں کی طرح چمکتی ھیں شہوار کے چہرے پر ٹکا دیں۔
اس کی نظروں میں برق کوندی تھی جو سیدھی دل پر پڑتی تھی۔ برسوں پہلے وہ اس نتیجے پر پہنچی تھی۔
"مجھے افسوس ہے محترمہ ذرشہوار کہ میں آپ کی زندگی میں کوئی آسانی برداشت نہیں کروں گا۔ آپ کو قید حیات سے ائی ملے۔ میں ہاتھ ملتا رہ جاؤں۔ قرض سود کے ساتھ واپس لوں گا محترمہ۔ گھڑی گھڑی کا ایک ایک لمحے گا۔ ایک ایک کا ایک ایک ٹانکے گا۔ یہاں تک کہ تم مجھ سے درخواست کرو کہ میں تم پر تھوڑا ہی سا رحم کروں۔"
"خدا کے خوف سے ڈریئے احسن۔"
"تھوڑا تم بھی ڈر لو خدا سے۔ اسے بھی دھوکے باز پسند نہیں۔"
"میں نے کسی کے ساتھ دھوکے بازی نہیں کی۔ میں قیامت تک آپ سے کسی قسم کی معذرت نہیں کروں گی۔"
"اگر آج سردار صاحب تمہیں لینے آ جائیں۔"
"چلی جاؤں گی۔"
"کاش یہ معجزہ ہو جائے۔" وہ بیڈ پر نیم دراز ہو گیا' ایک سلگا دینے والی مسکراہٹ اس کے لبوں پر تھی۔ اس نے سگریٹ نکال کر سلگایا اور سیدھا ہو گیا۔
"آپ نے مجھے اتنا تنگ کیا ہے جب ہی تو میں آپ خود بھی بے سکون ہیں۔" وہ بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اگر میں تھوڑا سا اپنی سطح سے نیچے آجاؤں' خاصا سکون آسکتا ہے میری زندگی میں۔ دو چار پیار پیارے سے بچے میرے آنگن میں کھیلیں' لامحالہ میری زندگی میں خاصا رنگ آجائے گا۔"

وہ نیم باز آنکھوں سے سامنے دیوار پر دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنا احسان یا مہربانی یاد دلا رہا تھا۔ چہرے کے سامنے دھواں تھا شہوار تو کانپ کر کمرے سے باہر چلی آئی۔

کیا دنیا کے سارے مرد گفتگو میں اتنے غیر محتاط ہوتے ہیں یا صرف احسن ہی کی اخلاقیات۔

وہ جلتی کڑھتی پھر کپڑے نچوڑنے لگی۔ "بڑے آئے نہیں تو وہاں کے۔ کیا دھونس ہے۔ شکیلہ کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟ ہونہہ..... مرضی میری۔"

اب وہ اپنی جھلاہٹ کسی اور سمت نکال رہی تھی۔

وہ فرم سے آکر غسل کر کے فارغ ہی ہوا تھا کہ شکیلہ کا ڈرائیور ان سب کو یہاں واپس چھوڑ گیا۔

شہوار کچن میں تھی۔ بعض اوقات تو احسن کو حیرت ہوتی تھی کہ وہ اپنی ماں اور ساس کی طرح گھر کے سب کام بڑی ذمہ داری سے کرتی تھی۔ صبح کے کر کے' دوپہر کی تیاری۔ آج کا مٹا کر کل کی فکر۔ حالانکہ جہاں تک اس کی معلومات تھیں۔ وہ گھر کے کاموں میں زیادہ شوق سے حصہ نہیں لیتی تھی' اگر خالہ کبھی اسے روٹی پکانے کی ذمہ داری سونپ دیتیں تو اس ایک دم اپنا ایسا ٹیسٹ یاد آجاتا تھا' جس کی تیاری نہایت ضروری ہوتی تھی۔ جو مستقل قریب میں بس ہونے ہی والا تھا۔

اور اب اس میں سے جیسے مرچ مصالحوں کی ہی بُو آنے لگی تھی۔ ہر وقت کسی کام کی فکر میں نظر آتی تھی۔ اس نے گیٹ کھلنے کی آواز سن لی تھی۔ اور ان سب کی ملی جلی آوازیں بھی۔ لہٰذا اطمینان سے بال خشک کیے اور معمول کے مطابق کام انجام دیئے۔ یوں بھی اسے اب ان لوگوں کا سامنا کرنے کی جلدی نہیں تھی۔ شکیلہ سے متعلق تازہ ترین انکشاف ان کو اپنی اپنی جگہ مجرم سا بنائے ہوئے تھا۔ اسی لئے وہ وہاں سے بھی جلد اُٹھ آیا تھا۔

اسے اپنی ساری تگ و دو اور بھاگ دوڑ بیکار لگنے لگی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا' جیسے شکیلہ کے خوابوں کا قتل اس کے ہاتھوں ہوا ہو۔ اسے معلوم تھا ثمینہ اس سے اس موضوع پر بات ضرور کریں گی۔

وہ خاصا ہچکچاتا ہوا باہر آیا۔

بابر اور فیضان ٹی وی کے سامنے بڑے منہمک دکھائی دیئے۔

وہ ان کے پاس ہی آبیٹھا..... وہ سب غالباً شہوار کے پاس تھیں۔

"اچھا تو آپ بزنس مین بھی ہیں۔ یہ اطلاع تو آج آپ ہی کی زبانی ملی۔ اچھی خبر ہے۔" بابر نے سکرین سے نظر ہٹا کر احسن کی جانب توجہ کی۔

"بس ایسے ہی ادھورے سے بزنس میں ہیں۔" وہ اخلاقاً مسکرایا۔

"پھر بھی کس ٹائپ کا بزنس ہے۔" بابر خود بزنس مین تھے اس لئے اس موضوع سے اچھا موضوع اس وقت کون سا مل سکتا تھا۔

"لیدر ایکسپورٹ کرتے ہیں۔ خام چمڑا۔"

"اچھا بزنس ہے یہ۔" بابر نے تائید کی۔

"میرا ایک دوست ہے۔ ان کی پوری فیملی بیلجیئم میں ہے۔ وہ خود مشرق وسطیٰ میں ہے کئی سال سے' اس لئے ایشیا

یورپ تک ہماری رسائی بہت نہیں تو خاصی آسان ہوگئی۔ میرے پاس تو صرف پچاس ہزار روپے تھے جو میرے تایا جان نے میرے نام چھوڑے تھے۔"

"تایا جان نے؟" بابر کو حیرت ہوئی کہ پیسہ بھائی کے نام نہیں بلکہ اس کے بیٹے کے نام؟

"جی ہاں۔ میری زندگی کے گیارہ سال اپنے تایا جان کے گزرے ہیں۔ وہ بے اولاد تھے اور ان کی وائف بھی اس دنیا میں نہیں تھیں۔ بہرحال انہوں نے دوسری شادی نہیں کی۔ چار سال کی عمر میں' میں ان کے ساتھ بحرین چلا گیا۔ مجھے عیش و آرام ملا ان سے۔ یہ اور بات ہے کہ میری زندگی کے ساڑھے تین تعلیمی سال ضائع ہوگئے۔

ایک سال شروع میں جب او لیول کا امتحان دینے والا تھا۔ تایا جان کو چھ ماہ کے لئے اقوام متحدہ سیکرٹریٹ ایک کورس کے سلسلے میں جانا پڑا' تقریباً ڈیڑھ سال بعد جب ان کی ڈیتھ ہوئی' اور مجھے اسلام آباد واپس جانا پڑا عجیب سی بدمزگی ہوگئی تھی۔ اس لئے میڈیکل یا انجینئرنگ کی طرف سے میرا رجحان ختم ہوگیا۔ اس قدر محنت بھی کی جائے پھر ملازمت کے حصول کے وقت عمر کا چکر۔ میں نے ایم بی اے کرلیا۔ اٹھائیس سال کی عمر میں۔" وہ ہنس دیا تھا۔

"یہ بھی بلکہ یہ تو سب سے بہتر ہے۔" بابر نے اضافہ کیا۔

"ویسے ہی زندگی میں خاصا پیچھے ہوگیا تھا۔ مزے خاصے مہنگے پڑے تھے۔ گھر میں جو میری ذمہ دارانہ پوزیشن تھی' اس لحاظ سے اب میں مزید "دیر" کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔

ہم دونوں دوست ہیں بہت قریبی۔ اسی کا گھر ہے یہ۔ یوں سمجھ لیجئے وہ سرمایہ ہے اور میں محنت۔"

"آپ نے بہت اچھا کام شروع کیا ہے' یہ تو کبھی نہ ختم ہونے والا کام ہے۔"

"جی ہاں.....!" احسن نے تائید کی۔

"بھائی جان آپ سروس بھی تو کرتے ہیں۔" فیضان نے بھی حصہ لیا۔

"سروس تو پہلے کی ہے' یہ تو بہت بعد میں شروع کیا ہے۔" اس نے فیضان کو بتایا۔ "بڑی تگ و دو کے بعد ٹرانسفر ہوا تھا یہاں' اتنی مشکل سے کہ میں سروس چھوڑنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔"

"سروس کہاں ہے آپ کی؟" فیضان نے دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔

"سول ایوی ایشن میں بڑی معمولی سی ملازمت ہے۔" وہ مسکرایا۔

"محکمے کا نام تو اچھا ہے۔ خاصا معزز سا۔" فیضان نے بے ساختہ کہا۔

احسن و بابر ہنس دیئے۔

اسی دم ثمینہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔

"احسن۔ سمجھاؤ اس نیلی کی بچی کو۔ روئے جا رہی ہے۔ بالکل نہیں سن رہی۔"

احسن ایک دم چونک کر سر و قد کھڑا ہوگیا۔

بابر کی پریشانی پر چند لکیریں نمودار ہوئیں۔ جیسے الجھن میں ہوں۔

"کیوں رو رہی ہے وہ.....؟"

"خود پوچھ تو تم۔" وہ واپس پلٹ گئیں۔ احسن تیزی سے ان کے پیچھے نکلا۔ وہ کچن میں داخل ہوئے۔ منظر کچھ یوں تھا۔ نائلہ نے تو دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپا ہوا تھا۔ نبیلہ دوسرے موڑھے پر ساکت بیٹھی نائلہ کی سمت دیکھ رہی تھی۔ شہوار کے ایک ہاتھ میں پانی کا گلاس تھا' دوسرا ہاتھ نائلہ کے کاندھے پر تھا۔

"بھلا رونے سے کیا ہوتا ہے۔" ساتھ ساتھ وہ سمجھا بھی رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہمارے تو نصیب میں ہی رونا ہے۔'' وہ ناک آنکھ پونچھتے ہوئے بڑبڑائی۔

''بری بات ہے نیلی! ایسے نہیں کہتے۔'' احسن نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''وہ تو پہلے ہی اللہ میاں کی گائے ہیں' پتا نہیں کیا گزرتی ہے بے چاری پر۔ کن کن مسئلوں سے نمٹتی ہیں۔ اتنا بڑا ظلم ہے یہ کہ۔ میرا تو دل نہیں چاہتا میں اباجی سے کبھی ملوں۔'' وہ زار و قطار رو رہی تھی۔

''بری بات۔ بتاؤ یہ سب جو تم کر رہی ہو اس سے کیا ہوگا؟'' اس نے نائلہ کا بازو تھاما۔ ''اٹھو شاباش منہ دھوؤ۔ لو یہ پانی پیو۔'' اس نے شہوار کے ہاتھ سے گلاس لے لیا۔

نائلہ نے گلاس ہاتھ سے پرے کر دیا۔

احسن نے زبردستی اسے کھڑا کیا۔ وہ ایک احسن کے سینے سے لگ گئی۔

''آپ کو کیا بالکل دُکھ نہیں ہوا۔ ایسی مورنی جیسی پیاری باجی۔ یہ ہوا ان کے ساتھ۔ اباجی نے گھر میں ہوا تک نہیں لگائی۔'' وہ بری طرح روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''نیلی۔ ہوش کرو گڑیا۔ حالات و واقعات مخالف ہوں تو انسان مرتو نہیں جاتے۔ مشکلوں میں ہر ایک کا حصہ ہے البتہ ہر مشکل کا رنگ مختلف ہوتا ہے۔

تم تو اتنی باہمت اور سمجھ دار ہو۔ پھر بھی۔

''آگ لگ جائے ایسی سمجھداری کو کہ انسان کھل کر اپنے دُکھوں پر ماتم بھی نہ کر سکے۔''

''وہ مطمئن ہے اس نے ایڈجسٹ کر لیا ہے خود کو۔ مت ہلکان کرو خود کو۔'' احسن نے پھر اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''زندگی میں کوئی چیز مرضی کی بھی ہوگی یا صرف ایڈجسٹمنٹ ہی کرتے رہیں گے تمام عمر۔'' وہ احسن کا بازو ہٹا کر پھنکارتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اتنی تیزی میں کہ بابر ایک طرف فوری نہ ہٹتے تو ٹکراؤ یقینی تھا۔

نبیلہ پتھر کے بت کی طرح ساکت تھی۔

''بلو..... تم تو بڑی ہو۔ سمجھایا کرو اسے۔''

نبیلہ نے اپنی خالی خالی آنکھوں سے احسن کی سمت دیکھا۔

''بہت جذباتی ہے یہ۔ اس کی زندگی میں خاصا آرام رہا ہے' ہر چیز بروقت ملتی رہی ہے۔ اس لئے زیادہ تکلیف اس کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔''

نبیلہ نے انتہائی سرد انداز میں تجزیہ کیا۔

نہ جانے کیوں ثمینہ آبدیدہ ہو گئیں۔ ''میں ذرا چینج کر کے نماز پڑھ لوں۔''

وہ چہرہ موڑ کر بولیں اور باہر نکل گئیں۔

''بھابھی جان! کھانا تو باجی کے ہاں کھا کر آئے ہیں' آپ کچھ کیجئے گا نہیں۔ بابر بھائی البتہ دودھ پیتے ہیں سونے سے پہلے۔'' وہ اٹھی اور احسن کے قریب سے گزر کر وہ بھی اسی سمت مڑ گئی جس طرف ثمینہ گئی تھیں۔

''احسن سینے پر بازو لپیٹے کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ بابر اور فیضان واپس ڈرائنگ روم میں جا چکے تھے۔

''آپ کے لئے کھانا لگاؤں؟'' شہوار نے اکھڑے ہوئے سرد لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

''ابھی نہیں۔'' وہ کسی خیال سے چونک کر اس کی سمت متوجہ ہوا۔ پھر آگے بڑھ کر چائے بنانے لگا۔ شہوار نے ایک لمحے کو سوچا کہ آگے بڑھے' پھر خود ہی ارادہ ملتوی کر کے لاپرواہی سے شانے اچکاتی ہوئی بابر کے پاس چلی آئی۔ جو ابھی تک نائلہ کے آنسوؤں اور اس کے الفاظ کے گرداب میں تھے۔

''زندگی میں کوئی چیز مرضی کی بھی ہوگی یا صرف ایڈجسٹمنٹ ہی کرتے رہیں گے؟''

نائلہ کا جملہ جیسے خون میں حلول ہو کر رگ رگ دریشے میں دوڑ رہا تھا۔

بابر اگلے روز ہی شام کی فلائٹ سے نائلہ کو لے کر اسلام آباد آ گئے تھے۔ نائلہ اگر ان کی غیر معمولی خاموشی محسوس نہ کرتی تو شاید ضد کر کے دو چار روز مزید رُکتی۔ اس کی سمجھ میں ذرا نہ آیا کہ ان کا موڈ اتنا بدلا ہوا کیوں ہے؟

یہ بھی نہیں تھا کہ ان کا ''نشہ'' چھوٹ گیا تھا' اس لئے واپسی کی جلدی تھی۔ ان کی پوری تیاری رہتی تھی۔ آخر بیرون ملک بھی جاتے رہتے تھے۔ انہیں اپنا انتظام کرنا آتا تھا' اور یوں بھی ''ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔''

گھر آتے ہی اس نے متین صاحب کا فون ریسیو کیا جو اس کی غیر موجودگی میں بھی کئی مرتبہ رنگ کر چکے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ اسکرپٹ مکمل ہو چکا ہے۔ وہ ٹی وی اسٹیشن پہنچ جائے۔ اسکرین ٹیسٹ تو اس کا ہو ہی چکا تھا۔ اب تو صرف پلے کی تیاری کا مرحلہ تھا۔

اسے اس نئی اطلاع سے یکدم خوشی ہوئی' جیسے فرار کی کوئی راہ نکل آئی ہو۔

متین صاحب نے بتایا تھا۔ یہ سات اقساط پر مبنی سیریل ہے۔ اس کی پریکتسی پرابلم کے پیش نظر وہ جلد از جلد ریکارڈنگ شروع کرنے کے موڈ میں تھے۔

شام چار بجے بابر نے گاڑی بھجوا دی تھی' اور وہ اسٹیشن چلی آئی تھی۔

وہاں کا ماحول جیسے اس کی روح کا تقاضا بن گیا تھا۔ آنا جانا' آوازیں' قہقہے' باتیں' مباحثے۔ اور براہ راست ان چہروں سے رابطہ جن سے صرف اسکرین کی حد تک آشنائی تھی۔

وہ متین صاحب کے آفس میں بیٹھی ہوئی تھی کہ فون کی بیل ہوئی۔ متین صاحب نے فون اٹھاتے ہی ریسیور اس کی سمت بڑھا دیا۔

''کس کا ہے..... بابر ہیں؟'' اس نے متین صاحب کی سمت دیکھا۔

''نہیں کوئی خاتون ہیں۔''

نائلہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے ریسیور کان سے لگایا۔ ''جی ہیلو۔ نائلہ بات کر رہی ہوں۔'' دوسری طرف صفیہ تھیں۔

''السلام علیکم امی! جی میں ٹھیک ہوں۔ جی بابر کے ساتھ ہی آئی ہوں۔ جی..... سب ٹھیک ہے۔'' اس نے ''سب'' قدرے لمبا کھینچا۔ ''ٹھیک ہیں باجی۔ گھر فون کیا تھا؟''

''جی میں ملازم کو تاکید کر کے آئی تھی کہ گھر سے کسی کا فون آئے تو ٹی وی اسٹیشن کا نمبر دے دینا۔''

''ویسے اگر نہ بھی کہا ہوتا تو بابر سے پتا چل جاتا۔''

''کیا کہہ رہی ہوں؟ ٹی وی پر کیا ہوتا ہے امی؟ جی ہاں بابر کی سو فیصد اجازت سے..... بابر' اباجی کا انتخاب ہیں امی..... اس گھر میں' میں اباجی کی مرضی سے آئی ہوں۔ یہ سب ان کے ماحول سے ہم آہنگ ہے۔ نہایت برا ڈ مائنڈڈ لوگ ہیں۔''

(متین صاحب اسے اس قدر ''ذاتی'' گفتگو کرتے دیکھ کر اٹھ کر باہر چلے گئے تاکہ وہ کھل کر بات کر لے۔ کہ وہ محض نو وارد ٹی وی آرٹسٹ ہی نہیں۔ ان کے عزیز دوست کی بیوی اور ان کی بھابھی بھی۔)

''اسی بات سے دیکھئے۔ اس میں وقت ان کے دوست کے پاس ہوں' اور وہ اپنی کسی ''سہیلی'' کے پاس ہوں گے۔ نہیں ہوں گے تو جانے کے لئے سوچ رہے ہوں گے' یا ان کی کوئی ''سہیلی'' خود انہیں لینے پہنچ جائے گی۔'' وہ ہنسی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میری دماغی حالت بالکل نارمل ہے امی۔ آپ قطعاً پریشان نہ ہوں۔ اور میں بہت زیادہ خیریت سے ہوں۔ بابر کاروبار و سہیلیوں میں کتنے ہی مصروف سہی میری ناز برداریوں میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ یقین کیجئے۔ اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر اپنے اشک قابو میں کئے۔

"ابا جی قطع تعلق کرلیں گے؟ بہت خوشی کی خبر ہے۔ یقین کیجئے' اگر کبھی بابر نے اپنے گھر سے بھی نکال دیا تو ابھی ان کے پاس نہیں آؤں گی۔ مگر..... آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں امی۔ میرا اپنا گھر ہے۔ میں اپنے میاں کی پسند سے زندگی گزار رہی ہوں۔ جس کے ساتھ ابا جی نے میرا عمر بھر کا تعلق جوڑا ہے۔"

"آپ بڑی سے بڑی قسم لے لیں' میں بابر کی مرضی کیخلاف کبھی کوئی کام نہیں کرتی ابا جی کے گھر سے تو میں آ گئی ہوں۔ اب تو بابر ہی میری جنت و دوزخ ہیں۔ خدا حافظ امی! مجھے معاف کر دیجئے گا امی! میرے لہجے کی تلخی' میرا کوئی شکوہ آپ کی ذات سے نہیں ہے۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا اور پرس سے ٹشو نکال کر اس نے آنکھوں میں آئے قطرے جذب کئے اور اگلے ہی لمحے اسکرپٹ اٹھا کر اس طرح منہمک ہوگئی' جیسے سوائے اسکرپٹ کے کسی اور طرف دھیان ہی نہ ہو۔

پائلٹ کی منظوری تک اسے انتظار کے ایک مرحلے سے گزرنا تھا۔ ساتھ ہی اسے یہ خوف بھی لاحق ہر رہا تھا کہ پائلٹ کی منظوری میں کہیں وقت بہت آگے نہ نکل جائے۔ ٹھیک ہے آج کل لو زشرٹس کا فیشن ہے' مگر انسان کی چال ڈھال پر فرق پڑتا ہی ہے' ایک اسے بابر کا رویہ بھی الجھائے ہوئے تھا' بہت زیادہ خاموش ہو چکے تھے۔ زیادہ خطاب نشے کی حالت میں کر لیتے تھے۔ اگلے روز پھر ویسے ہی سرد مہر اور چپ۔ اسے دور دور تک اپنی کوئی غلطی یاد نہیں آئی تھی۔ اس لئے اسے پرواہ بھی نہیں تھی۔ مگر وہ باوجود کوشش کے ان سے کہہ نہیں پا رہی تھی کہ وہ متین صاحب کو متوجہ کریں۔ ہیڈ کوارٹر میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کریں۔ اگر دو تین ماہ گزر گئے' تو وہ ریکارڈنگ میں حصہ لینے کے قابل نہیں رہے گی۔ مگر بابر کا سرد رویہ دیکھ کر اس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ یوں بھی جو کچھ ہو رہا تھا۔ وہ بابر کی دلچسپی سے محروم تھا۔

مگر یہ عین اس کی خوش قسمتی تھی کہ پائلٹ منظور ہو گیا تھا۔ کہانی بھی خاصی اداس اور منفرد تھی۔ مری کے ڈاک بنگلے کے چوکیدار کی بیٹی کا رول تھا۔ جس نے اپنی اکلوتی اولاد میں اپنے ہر خواب کی تکمیل دیکھنا چاہی تھی۔ اسے پڑھا لکھا کر ڈاکٹر بنایا۔ وہ ہائی جینٹری مود کرنے لگی تو باپ کی حیثیت کے سبب اسے اپنے محبوب اور اس کے گھر والوں کے سامنے مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا۔

اس کے محبوب کے گھر والوں کا خیال تھا کہ اتنے مشہور علاقے میں وہ چوکیدار تھا۔ اکثر مری جانے والے امرء اس سے واقف ہوں گے' اسے جانتے ہوں گے۔ اگر نہیں بھی تو کبھی بھی یہ بھانڈا پھوٹ سکتا ہے۔ ساری عزت خاک میں مل جائے گی۔ ساری جینٹری انہیں کم ذات اور نو دولتیا جانے گی۔ یہاں تو یوں بھی لوگ ایک دوسرے کے "ویک پوائنٹ" تلاش کرتے رہتے ہیں۔ اپنے اپنے احساس برتری کو استحکام بخشنے کے لئے! اب لڑکی کو باپ اور محبوب میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ کھیل کا یہی وہ حصہ تھا جہاں نائلہ کو اپنی پرفارمنس کی صلاحیت منوانا تھی۔

سات اقساط کی سیریل تھی۔ تیسری قسط کی ریکارڈنگ کے دوران ہی پہلی قسط آنا ایر چلی گئی تھی۔

اخبارات میں تو کھیل آن ایر جانے سے پہلے اس کے تذکرے شروع ہو چکے تھے۔ لہٰذا صحافیوں سے علیک سلیک شروع ہو چکی تھی۔

تیسری قسط کی ریکارڈنگ کے دوران ہی اسے اطلاع ملی کہ ایک بہت مشہور میگزین کا نمائندہ اس کا انٹرویو کرنا چاہتا

متین صاحب نے اسے بتایا کہ اس میگزین کی صحافتی دنیا میں بہت اہمیت ہے' اسے انٹرویو ضرور دینا چاہئے۔ اس کا انہوں نے ایس ایم بخاری بتایا تھا۔

مگر جب نائلہ نے متین صاحب کے کمرے میں قدم رکھا تو سات آسمان اس کی نظروں کے سامنے گھوم گئے۔

سرخی مائل براؤن کوٹ اور وہائٹ پینٹ میں ملبوس رازی بہت غور سے دروازے کی سمت دیکھ رہا تھا۔ نائلہ ریکارڈنگ کے دوران اٹھ کر آئی تھی' اس لئے کردار کی ڈیمانڈ کے مطابق ڈریس پہنے ہوئے تھی۔ میڈیکل کالج کی طالبہ روپ میں وہ سفید کوٹ میں ملبوس اندر داخل ہوئی تھی۔ چہرہ بالکل سادہ تھا۔ ہاتھوں و کانوں تک میں کچھ نہیں تھا۔ ایک ہی اسٹوڈنٹ کا سا حلیہ تھا۔ جسے اپنی تعلیم کے علاوہ اور کسی شے سے دلچسپی نہ تھی۔

"السلام علیکم۔" رازی کی نہ بھلائی جانے والی آواز کمرے میں گونجی

"آپ؟ ایس ایم بخاری....." نائلہ نے یکدم خود پر قابو پا کر خاصی سرد مہری اور درشتی سے پوچھا۔

"یہ میرا کارڈ ہے۔" رازی نے ایک کارڈ اس کی سمت بڑھا دیا' جو نائلہ نے فوراً ہاتھ بڑھا کر لے لیا تھا' کہ یہ بزنس سے ایک دم صحافی کیسے ہو گیا؟ وہ بھی اتنے مشہور میگزین میں؟

سفید رنگ کے کارڈ پر سنہری چھپائی تھی۔ جس پر ایس ایم بخاری لکھا تھا۔ میگزین کا نام اور تین چار فون نمبرز درج تھے۔

نائلہ نے نہایت تعجب سے پھر اس کی سمت دیکھا اور کارڈ اس کی سمت بڑھا دیا۔

"تشریف رکھئے۔" رازی نے کارڈ واپس جیب میں ڈالتے ہوئے زیر لب مسکراتے ہوئے اسے بیٹھنے کے لئے کہا۔

"شکریہ۔" وہ کبھی رازی کے مقابل شعوری طور پر ننگے سر نہیں آئی تھی حالانکہ وہ اس کا ہمسایہ تھا۔ لاشعوری طور پر اس نے اپنی دوپٹے کا آنچل سر پر پھیلا لیا۔

متین صاحب کی موجودگی میں وہ اس سے ماضی کے حوالے سے کوئی بات کرنا نہیں چاہتی تھی۔ ایک دم لاتعلق و اجنبی ہو کر وہ اس کے مقابل بیٹھ گئی۔

رازی نے چھوٹا ٹیپ ریکارڈ اس کے قریب رکھ دیا۔ خود لکھے ہوئے سوالات پر نظر ڈالنے لگا۔ جو چھوٹی سی پاکٹ نوٹ بک میں درج تھے۔

"ایک منٹ مسٹر بخاری۔" نائلہ نے ٹیپ کا اسٹاپ پریس کر دیا۔

"میری طبیعت اس وقت اچھی نہیں' میں زیادہ دیر بیٹھ نہیں سکتی۔ کل ریکارڈنگ نہیں ہے۔ کل تھکن بھی نہیں ہو گی۔ جو کہنا کچھ چاہوں گی۔ منہ سے کچھ نکلے گا۔"

"اگر آپ کو بھروسا نہیں' وہ دوسری بات ہے۔"

"آپ تو کل دفتر میں ہوں گے؟ میں آپ کو وہاں سے پک کر لوں گی۔ میرے گھر کے راستے ہی میں اس کا برانچ آفس ہے۔ پھر میں آپ کو اپنے پسندیدہ ریسٹورنٹ میں لے کر جاؤں گی اور نہایت تفصیل سے آپ کو انٹرویو دوں گی۔"

رازی کی نظروں میں اس قدر تحیر تھا کہ بت کی طرح جامد سا نظر آیا۔ نائلہ اس کی کیفیت پر بے ساختہ کھلکھلا اٹھی۔

"متین بھائی مجھے ڈراپ کرا دیجئے۔ رات بھی سو نہیں پائی۔ بری حالت ہو رہی ہے۔"

"آ..... آ..... پ"

"جی میں نائلہ ہی ہوں۔ نائلہ بابر مرتضیٰ سابقہ نائلہ شیخ۔"

"وہ تو میں جانتا ہوں۔" وہ متین صاحب کی طرف دیکھ کر خفیف سا ہو کر مسکرایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میرا مطلب یہ تھا آپ زحمت نہ کیجئے گا میں دردولت پر خود حاضر ہو جاؤں گا۔ آپ کا ایڈریس؟"

"متین بھائی بابر کا کارڈ دے دیجئے انہیں۔" دو دو پٹہ کانوں کے پیچھے اُڑس کر حد درجہ بے نیازی سے گویا ہوئی۔

متین صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔ "آپ تشریف رکھئے بخاری صاحب! میں بھابھی کو گھر بھجوانے کا انتظام کر کے آتا ہوں۔ آپ چاہیں تو ڈرامے کے کسی اور کردار سے بات چیت کر سکتے ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ متین صاحب۔ ویری نائس آف یو۔ رئیلی۔"

"آپ پسند فرمائیں تو میں آپ کو ڈراپ کر سکتا ہوں۔" وہ نائلہ سے مخاطب ہوا۔

"شکریہ۔ دراصل میں اپنے میاں کو اطلاع دیئے بغیر کسی اجنبی کے ساتھ اتنا لمبا روٹ طے نہیں کر سکتی۔ ایک بار پھر شکریہ۔ ہمارا آپ کے ساتھ پروگرام کل ہے۔ آج انہیں اطلاع مل جائے گی کہ کل میں کہاں ہوں گی۔"

وہ پرس جھلاتی ہوئی باہر نکل گئی۔

رازی ہکا بکا اسے جاتا دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہی نائلہ ہے جس سے ملنے کے لئے وہ سوانگ رچا کر یہاں تک پہنچا تھا۔

نور بانو آنکھوں پر بازو رکھے نواسی کے برابر دراز تھیں۔ منزہ گڑیا کے بالوں میں انگلیاں چلاتی نہ جانے کون سے جہان میں پہنچی ہوئی تھی۔ انعام علی کمرے میں داخل ہوئے۔

سفید سفاری سوٹ میں ملبوس اپنی پراسرار خاموشی کے ساتھ۔ بھنچے ہوئے ایک دوسرے میں پیوست لب جو دیکھنے میں یہ تاثر دیتے تھے کہ بہت مشکل سے کھلتے ہوں گے۔

"السلام علیکم!" منزہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ نور بانو نے چونک کر بازو آنکھوں پر سے ہٹایا۔

"وعلیکم السلام!" انہوں نے دبی ہوئی آواز میں جواب دیا

منزہ باہر چلی گی۔

"سو رہی ہو؟" انعام علی نور بانو سے مخاطب تھے۔

"نہیں....." (اب سے نہیں جانے کب سے۔ بھرپور نیند نہیں سوئی۔ آہ)

انہوں نے ہاتھ میں پکڑا براؤن لفافہ نور بانو کی سمت اچھال دیا۔ اور خود کرسی پر بیٹھ گئے۔

نور بانو کا چہرہ ڈھلے لٹھے کی طرح سفید پڑ گیا۔

"یہ..... یہ کیا ہے؟" ان کی آواز بمشکل نکلی۔

"پڑھ لینا۔ کوئی جلدی نہیں ہے۔" وہ بہت دھیمے پن سے کہہ رہے تھے۔

"جگنو کہاں ہے؟"

"شکیلہ کے پاس....." نور بانو کی آواز میں ہنوز لرزش تھی۔

"منزہ تو ٹھیک ہے ناں؟"

"جی..... روگ بھی تو لاعلاج ہے۔" وہ یاسیت سے گویا ہوئیں۔

"جب تک انسان کا سانس سے رشتہ قائم ہے اسے ناممکن لفظ سوچنے کے بجائے عمل کرتے رہنا چاہئے۔ میری بیٹی جس عمر میں بیوہ ہوئی ہے۔ اس عمر میں تو لڑکیوں کی شادیاں بھی نہیں ہوتیں۔ تمہیں بہت جلدی تھی اس کا

گھر بسانے کی" وہ قدرے تلخی سے گویا ہوئے۔

"ساری زندگی غلطیاں ہی کی ہیں۔ مجھے اعتراف ہے۔" وہ ایک سرد آہ کے ساتھ بولیں۔

(انعام علی۔ میں نے تو ساری زندگی آپ کی طرف نظر بھر کر بھی نہیں دیکھا۔ مبادا آپ کی شعلہ بار نظریں میری سمت اُٹھی ہوئی نہ ہوں' کیا رشتہ ہے ہمارے مابین؟)

"تمہارے اعتراف سے مجھے میرا ماضی تو ملنے سے رہا۔" وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"یہ تو صرف ناکردہ گناہوں کے اعتراف ہیں انعام علی۔" وہ گلوگیر آواز میں بولیں۔

"خود پر ترس کھانے کا یہ بہانہ اچھا ہے۔ یہ بات تم کسی اور سے کہو' وہ شاید یقین کر لے۔ اس رات کو اگر تم اپنی کارکردگی نہ دکھاتی تو....." وہ رک گئے۔

"مجھے تو احساس بھی نہیں تھا کہ آپ ہمیشہ کے لئے جا رہے ہیں۔ میں نے تو اماں جان سے صرف اتنا پوچھا تھا کہ اتنی رات کو آپ کہاں جا رہے ہیں؟ میں تو یہی سمجھی تھی کہ آپ اماں جان سے مل کر جا رہے ہیں۔"

"یہ سب تم نے بہت پروگرام کے ساتھ کیا تھا۔ تم سب کچھ جانتی تھیں۔"

"جب آپ کو ساری زندگی یقین نہیں آیا تو اب کیا کروں گی۔ یقین دلا کر؟

اب تو جو کہنا سننا ہوگا۔ اللہ کے دربار میں ہوگا۔ میں آپ سے اس موضوع پر کبھی کچھ نہیں کہوں گی۔"

معاً وہ ایک دم پھر چونک کر ان کی سمت دیکھنے لگیں۔ "اس لفافے میں کیا ہے؟"

"منزہ کے مستقبل کے لئے خوشیوں کی تلاش۔" وہ تیزی سے باہر نکل گئے۔

نور بانو نے اٹھ کر ٹیوب جلائی۔ پردے گرے ہوئے تھے۔ اس لئے کمرے میں روشنی بہت مدھم تھی۔ پھر واپس اپنی جگہ بیٹھ کر لفافہ دیکھا جو سربند نہیں تھا۔ بنواس بات کی علامت تھی کہ لفافہ اس سے پہلے کئی ہاتھوں سے گزر چکا ہے۔

انہوں نے نہایت بے تابی سے لفافے میں سے ایک تہہ شدہ کاغذ نکالا۔ اور تیزی سے نظریں دوڑانے لگیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ وحدہ لاشریک کا ایک خاکسار و عاجز بندہ اپنے اجتہاد جس میں اللہ کا کرم و تعاون جوہر کی حیثیت کے ساتھ آپ کے سوالات کے جوابات دے رہا ہے۔

مکرمی۔

جس عورت کا شوہر لاپتہ ہو جائے وہ عدالت سے رجوع کرے۔

عدالت نکاح کے گواہ اور لاپتا ہو جانے کے گواہ طلب کر کے اس عورت کو چار سال تک عدت کرنے کا حکم دے۔

اگر چار سال تک شوہر نہ آئے۔ نہ اس کا پتا چلے تو عدالت اس کے شوہر کی موت کا فیصلہ کرے۔

اس فیصلے کے بعد جب عورت چار مہینے دس دن شوہر کی موت کی عدت گزارے' عدت ختم ہو جانے کے بعد عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ اگر مندرجہ ذیل شرائط کے مطابق عدالت نے اس کے شوہر کی وفات کا فیصلہ کر دیا تھا اور عورت نے موت کی عدت بھی گزار لی تھی کہ شوہر واپس آ گیا۔

تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ عورت نے دوسری جگہ نکاح نہیں کیا تھا۔

یا اگر نکاح کیا تھا تو وہ رخصت ہو کر شوہر کے ساتھ نہیں رہی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس صورت میں یہ ہے کہ عورت دوسرے شوہر کے ساتھ رخصت ہو کر چلی گئی تھی یا اس کے ساتھ تنہا ہوئی تھی۔
اس صورت میں بھی یہ عورت پہلے شوہر کے پاس رہے گی۔
لیکن اس صورت میں اس عورت کے ذمہ دوسرے شوہر کی عدت گزارنا لازم ہوگا۔ اور دوسرے شوہر کے ذمہ اس کا مہر بھی لازم ہوگا۔
خلاصہ یہ کہ پہلے شوہر کے واپس آجانے کی صورت میں یہ عورت بہر حال پہلے شوہر کی بیوی ہے۔
والسلام!
''اوہ.....انہوں نے مفتی کے دستخط پر نظر ڈال کر گہرا سانس لیا۔
انعام علی کس درجہ سرگرداں ہو چکے ہو۔ انسان کے عمل ہی میں تو ردعمل چھپا ہوا ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ میری بھی اولاد ہے وہ کون سا موڑ ہے جب انسان اللہ کے حضور سر بسجود ہو کر اپنے کردہ و ناکردہ گناہوں کی معافی مانگتا ہے؟
وہ دروازہ کھول کر باہر آئیں۔ لاؤنج میں شکیلہ کارپٹ پر بیٹھی بالوں میں تیل ڈال کر مساج کر رہی تھی۔ اس نے نظریں اٹھا کر نور بانو کی سمت دیکھا۔
''انعام علی کہاں ہیں؟'' وہ شکیلہ سے مخاطب ہوئیں۔
''لان میں چائے کا کہہ گئے ہیں۔ نجو بنا رہی ہے۔'' نور بانو نے کلاک کی سمت دیکھا۔ شام کے پانچ بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ وہ لان میں چلی آئیں۔ انعام علی پائپ منہ میں دبائے انگریزی اخبار کھولے بیٹھے تھے۔
نور بانو کی موجودگی محسوس کر کے انہوں نے فوکل گلاسز سے انہیں گھورا۔ مگر کچھ بولے نہیں۔
''آپ نے ان کو شاید یہ نہیں بتایا کہ ہمارا داماد ایک حادثے میں لاپتا ہوا ہے۔ آپ نے شپ کے حادثے کے بارے میں نہیں بتایا؟''
''جس انسان کی ڈیڈ باڈی نہیں ملتی اسے لاپتا ہی کہیں گے۔ جن ڈوبنے والوں کو پانی سے نکالا گیا ان میں صرف ایک موت کا شکار ہوا ہے باقی کی زندگی بچ گئی ہے۔ خاور کے علاوہ ایک اور جوان بھی لاپتا ہوا ہے۔
''لاپتا ہونے والوں کا بہر حال انتظار کیا جانا چاہئے۔ اتنے بڑے سمندر کے جانے کتنے کنارے ہوں گے۔'' انعام علی نے پائپ منہ سے نکال کر نظریں اٹھائے بغیر جواب دیا۔
''کیا یہ دل بہلاوا نہیں؟'' وہ بے ساختہ کہہ بیٹھیں۔
''دل جلانے اور دکھانے کے علاوہ کوئی دوسرا کام بھی سیکھا ہوتا۔'' وہ خشک لہجے میں کہہ کر دوبارہ اخبار دیکھنے لگے۔
نور بانو الٹے قدموں واپس ہوئیں
گڑیا کے خیال سے وہ سیدھی اپنے کمرے کی طرف آئی تھیں' جو اس سے قبل گیسٹ روم کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔
جیسے ہی اندر داخل ہوئیں وہ ٹھٹھک کر رہ گئیں۔ لفافہ اور مسئلے کا دستی جواب منزہ کے ہاتھ میں تھا۔
اس نے کاغذ تہہ کر کے دوبارہ لفافے میں ڈالا۔
''چار سال انتظار کے بعد مزید چار سال بھی تو گزر سکتے ہیں' اور پھر اس کے بعد مزید نئے چار سال۔'' وہ ہلکا سا قہقہہ لگا کر ناں سے مخاطب ہوئی۔
''آنے والے چار سال تک میری زندگی کی گارنٹی بھی کسی مجتہد' کسی مفتی سے لکھوا لیجئے امی۔ کوئی حرج نہیں۔'' تلخی سے گویا ہوئی۔

یسے نہیں کہتے بیٹے۔ بری بات۔
مت بنایئے میرا تماشا۔ میں دولت مند بیوہ ہوں۔ مجھے بکاؤ مال مت بنایئے۔ اب دنیا میں کوئی دوسرا خاور نہیں گر ہو بھی تو کیا؟ میرے سارے بھروسے خاور کے ساتھ تھے۔''
تمہارے پپا جو فیصلہ کریں گے' بہت سوچ سمجھ کر کریں گے۔ ہمارا دھیان اسد کی طرف ہے۔ بہت نیک سیرت ہے۔
ب نیک ہونا بھی مصیبت۔ لوگ ''نیکی'' ہی کو بلیک میلنگ کا ذریعہ بنا لیتے ہیں تو یہ کیجئے امی..... بلکہ تو بہ ستغفار..... اسد میرے بھائی ہیں۔ بس۔'' وہ جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔
نور بانو حیران پریشان اسے جاتا ہوا دیکھنے لگیں۔

مینہ اور فیضان قطر روانہ ہو چکے تھے۔ نبیلہ فی الحال شکیلہ کے ہاں تھی۔ کچھ دن احسن کے ہاں بھی رہی تھی۔ حالانکہ م الدین کو یہی اطلاع ملی تھی کہ مستقل شکیلہ کے ہاں ہے۔ گھر میں اس وقت وہ دونوں تھے۔ شہوار کپڑے استری کر ۔ رات کے سوا نو بج رہے تھے۔ احسن ٹی وی لاؤنج میں ٹی وی کھولے ''خبر نامہ'' دیکھ اور سن رہا تھا۔
عا شہوار کو محسوس ہوا کہ فون کی بیل رنگ ہو رہی ہے' کیونکہ وہ ساتھ والے کمرے میں تھی۔ اس لئے فوراً فون اٹینڈ ے احسن کے بیڈ روم میں چلی آئی تھی۔
شاید پھوپھو کا فون ہو' نبیلہ کے کاغذات مکمل ہو گئے ہوں۔ اس کی اطلاع ہوگی۔ یا شاید ڈاکٹر مسعود کا فون ہوگا۔ اس ادھیڑ بن میں ریسیور اٹھایا۔
''ہیلو..... کون احمر؟ اسلام آباد سے بول رہا ہے؟''
''ہاں گھر پر ہیں۔ ایک منٹ ہولڈ کرو بلاتی ہوں۔'' فکر کی تو کوئی بات نہیں تھی' بھائی کو فون کرنے میں کیا خاص بات ی؟ اس لئے وہ لاپرواہی سے لاؤنج میں آئی۔
''احمر کا فون ہے۔'' اس نے بس اطلاع دی۔
''احمر کا!'' احسن ایک دم کھڑا ہوگا۔ ''تم نے ٹھیک سے بھی سنا ہے۔ احمر کا فون ہے؟''
ہاں بس اب تک ''بہری'' نہیں کہا تھا' بہانے سے یہ بھی کہہ لیں) وہ بری طرح جل بھن کر رہ گئی اور ٹی وی بند کر بھی تو سننا چاہتی تھی کہ آخر احمر نے اتنی رات کو اتنی دور سے کیوں فون کیا ہے؟
یزی سے دروازے کے قریب آئی تھی۔
تم امی کو حوصلہ دو۔ میں نائٹ کوچ سے پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ شیرٹن پہنچ کر میں اطلاع بھجوا دوں گا۔ ہے میرے ر..... اچھا؟ تم بالکل پریشان مت ہونا اور دیکھو فی الحال شکیلہ کو کوئی اطلاع نہ دو۔ سخت تاکید سمجھو۔ وہاں نبیلہ بھی ہے ناکڈ ہوگی۔ اس وقت تم حوصلے سے کام لو اور امی کا خیال رکھو۔'' اس نے ریسیور رکھ دیا۔
شہوار دھاڑ سے دروازہ کھول کر اندر آئی۔
''کیا ہو گیا.....؟'' اس کا دل بری طرح سے دھک دھک کر رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

احسن نے پلٹ کر دیکھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ نظریں جھکا کر گویا ہوا۔

"کچھ نہیں ہوا تو آپ اسلام آباد کیوں جا رہے ہیں؟" وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"پابندی ہے مجھ پر.....؟" وہ غرایا۔

"احمر نے کیوں فون کیا ہے؟" وہ اس کی غراہٹ نظر انداز کر کے مصر ہوئی۔

"میرے اور تمہارے مابین کون سا رشتہ ہے کہ میں تم سے پرسنلز ڈسکس کروں۔" وہ باہر نکلنے لگا۔ اجنبیت و بے اعتنائی کی حد تک بڑھی ہوئی محسوس ہوئی۔

"مم.....میں.....اکیلی نہیں رہوں گی یہاں۔" وہ بے ساختہ کہہ بیٹھی۔

"اوہ.....!" احسن نے گہرا سانس لیا..... "تو یہ بات ہے۔" میں پھر کسی خوش فہمی کا شکار ہو چلا تھا۔

حالانکہ مجھے اچھی طرح پتا ہونا چاہئے کہ تمہاری نظر میں سوائے تمہاری ذات کے اور کوئی شے قابل ذکر نہیں ہے تمہیں ہر طرح کا فائدہ صرف اپنی ذات کے لئے چاہئے۔

جاوید کے خلاف اور میرے حق میں ووٹ بھی شاید اسی لئے دیا تھا۔ بندہ ویل آف سہی گڈ لکنگ زیادہ نہیں۔ تم کچھ سطحی اور ظاہر پرست ہو اس لئے مجھے ترجیح دی کہ جب لوگ کہیں گے کہ ایک ٹھیک ٹھاک سا بندہ تم پر مرمٹا ہے تو تمہاری ویلیو میں مزید اضافہ ہوگا۔"

"اللہ رے۔ کوئی حد بھی ہوگی اس خود پسندی کی۔" اسے چکر سا آ گیا۔

اس برے طریقے سے وہ اس کی ہستی پامال کرتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ وہ اسی جگہ پتھر کی طرح ایستادہ کھڑی تھی۔

چند منٹ گزرے تو وہ ہاتھ میں ایک بیگ لئے دوبارہ کمرے میں آیا اور سیدھا وارڈ روب کی سمت بڑھا۔ دو سوٹ تہہ کر کے بیگ میں رکھے اور دوسرے لوازمات بھی ساتھ ہی رکھ دیئے۔ پھر اپنا شیونگ بکس نکالا اور باتھ روم میں چلا گیا۔

وہ چیزیں رکھ رہا تھا

وہ اسی طرح کھڑی ہوئی تھی اور ٹکر ٹکر اسے ادھر اُدھر آتے جاتے دیکھ رہی تھی۔ اس نے پھر وارڈ روب کھولی اور نیوی بلیو پیس سوٹ نکال کر باتھ روم میں چلا گیا۔

وہ پتھر کی طرح ہنوز اسی جگہ نصب تھی۔

دو تین منٹ بعد وہ باہر آ کر بال بنانے کے لئے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ آئینے میں شہوار کی پشت دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے اچٹتی ہوئی نگاہ اس کی دراز چوٹی پر ڈالی اور جھک کر دراز سے اپنا پرس نکالا۔ چند نوٹ نکال کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیئے۔ پھر فون ڈائل کرنے لگا۔

"ہیلو.....مسعود ایمرجنسی میں اسلام آباد جا رہا ہوں۔ گھر کا خیال رکھنا۔ آ کر بتاؤں گا۔ تفصیلات تو مجھے بھی پتا نہیں۔ چھوٹے بھائی کا فون آیا تھا۔ والد صاحب سے ہے' والدہ سے تو نہیں۔ یہ مشکل وقت امی کا ہے اور اس کی خاطر میں بہت ذلیل ہونے کی ہمت بھی رکھتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے تکلیف اباجی ہے مگر پریشانی "ماں" کی ہے۔ ٹھیک؟ انشاء اللہ واپسی پر تفصیل' سے بات ہوگی۔"

"میں تمہارا بہت شکر گزار رہوں گا اگر آسانی سے ممکن ہو تو حنیف کو گاڑی دے کر بھیج دو۔ ورنہ یہاں ویسے ہی ٹیکسی سے ملتی ہے اور پھر ائیر پورٹ جانے کے لئے۔ او کے یار۔"

اس نے بریف کیس اٹھا کر ضروری چیزیں چیک کیں پھر شوز پہن کر ہاتھ دھوئے۔ دوبارہ بالوں میں برش چلایا۔

"گیٹ بند کر لو۔ راہداری کا دروازہ چیک کر لینا۔"

اتنے بڑے گھر میں اکیلے سونے کے خیال سے اس کا دل کانپ رہا تھا۔

احسن نے باہر نکلنے سے قبل اس پر ایک نگاہ غلط مجبوراً ڈالی تھی۔ آنکھوں سے بڑی روانی سے خاموش آنسو بہتے ہوئے بھگو رہے تھے۔

"چلو' میں تمہیں شکیلہ کے ہاں چھوڑتا ہوا چلتا ہوں۔" اسے جیسے اس کی مظلوم سی صورت پر ترس آ گیا تھا۔

"مگر انہیں یہ مت بتانا کہ میں احمر کا فون سن کر اسلام آباد گیا ہوں۔ اباجی کی حالت سخت خراب ہے۔ خوامخواہ ان کے ہاتھ پاؤں پھول جائیں گے۔ رات خاصی ہو چکی ہے۔" اس کے لہجے میں ناقابل یقین نرمی در آئی تھی۔

"آپ انہیں یہ بھی کہہ دیجئے گا کہ وہ لوگ مجھے فیکٹری آنے سے روکیں نہیں۔ ویسے ہی اتنی چھٹیاں ہو چکی ہیں۔"

احسن خاموش رہا۔ وہ اپنی تیاری میں لگ گئی۔ دو تین سوٹ ایک بڑے شاپنگ بیگ میں ٹھونسے اور چادر اوڑھ کر تیار ہو گئی۔

"چلئے۔"

"اوہ.....یہ آپ کے پیسے تو یہاں رکھے ہوئے ہیں۔"

اس نے نوٹ اٹھا کر احسن کے حوالے کئے۔ احسن نے کچھ سوچا پھر اس کی سمت دیکھتے ہوئے واپس پرس میں رکھ لئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اوپر کے کمرے لاکڈ ہیں.....؟" اس نے دریافت کیا۔

وہ کچھ بولے بغیر زینے کی سمت بڑھی تھی۔ احسن نے نیچے کا سارا حصہ چیک کیا۔ اتنے میں وہ واپس آ گئی۔

"لاکڈ ہیں۔"

دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے دوبارہ بیڈروم میں آ گئے۔

"آ.....پ کو بالکل دُکھ یا پریشانی نہیں۔ کچھ بھی سہی ہیں تو آپ کے باپ؟"

شہوار اس کے چہرے کے سرد پن کو اطمینان سمجھی تھی اور بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا تھا۔

"جن کو کبھی کبھار تکلیف ملتی ہے' ان کے "ڈیزائن" تبدیل ہوا کرتے ہیں۔ ہمارا تو اب مستقبل یہی ہے محترمہ۔" نے خاصی تلخی سے بظاہر مسکرا کر جواب دیا تھا اور وہ خاموش ہو کر رہ گئی تھی۔

اسی دم گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔

شہوار نے بیڈروم کی چابی اٹھائی' بیڈروم کی لائٹ آف کی اور دروازہ بند کر لیا' باہر آ کر گیٹ کا تالا لگایا۔

اس کے انداز میں جو بے ساختگی اور غیر شعوری سا مالکانہ انداز تھا احسن نے اس کی ادا کا نوٹس لیا تھا۔

شہوار نے چابی گھمائی پھر تالا کھینچ کر تسلی کی۔ پلٹی تو احسن کے دیکھنے کے انداز پر گڑبڑا سی گئی۔ مگر پھر اپنے حواس پر پاتی گاڑی کی سمت آ گئی تھی۔

"یار! ذرا کلفٹن سے نکال لینا۔" احسن نے فرنٹ ڈور کھولتے ہوئے ڈاکٹر مسعود کے کمپاؤنڈر حنیف سے کہا تھا۔

شہوار پیچھے بیٹھ چکی تھی۔

شہوار سوچ رہی تھی.....وہ مضبوط اعصاب کا مالک ہے؟ یا اس کی تمام حسیات مر چکی ہیں.....؟

نہ اسے متاسف دیکھا ہے۔ نہ اسے ملول دیکھا ہے اور نہ دُکھی۔ جیسے ساری دنیا اب تک اس کی شرائط کے سا ہتھیار ڈالے ہوئے تھی۔

جب کبھی۔

کسی کے سامنے بھی.....کسی طرح بھی یہ شکست خوردہ نظر آئے گا تو کیسا لگے گا؟ مگر.....میری بے گناہی' ریاضتیں.....ضائع تو نہیں جائیں گی۔ اور کوئی نہیں تو کیا' اللہ تو میرے ساتھ ہے۔

دُکھ مجھے کیا آزمائیں گے.....میں دُکھوں کو آزماؤں گی۔ انشاء اللہ۔ یہ دنیا جتنی میرے اور احسن کے باپ کی اور احسن کی ہے میری بھی ہے۔ میں اپنا حق وصول کئے بنا اپنے قدم پیچھے نہ ہٹاؤں گی۔

ایک عجیب سا ولولہ اس کے لہو میں دوڑنے لگا تھا۔

اس نے ہوٹل پہنچ کر صبح کا انتظار کیا تھا پھر احمر کو اطلاع پہنچائی تھی۔

اطلاع پہنچانے کے تیس منٹ بعد احمر اسے لینے آ پہنچا تھا.....اور آتے ہی بے ساختہ احسن کے سینے سے لگ گیا۔

احسن کافی دیر اسے اپنے سینے سے لگائے رہا۔ وہ احمر کے وجود سے نکلنے والی کسی ان دیکھی روشنی کے حصار میں تھا۔

وہ کیا خفیہ شے ہے جس کا ٹھکانہ پتا نہیں چلتا۔ مگر وہ دو انسانوں کو باہم کرنے کے کام آتی ہے۔ اچانک جاگ ہے۔ عین کسی ضروری موقع پر.....! آس پاس ڈھیروں نوعمر نوجوان چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ مگر ان میں کوئی احمر نہیں ہوتا اسے بہت اچھا لگ رہا تھا اس طرح احمر کو سینے سے لگائے رکھنا۔ جیسے لُو کے موسم میں کورے مٹکے کا ٹھنڈا خوشبودار پا

جیسے حبس کے بعد ٹھنڈی پھوار۔

جیسے طویل مسافت کے بعد کھلی چھت پر نرم بستر اور شام کی ہوا۔

(اباجی.....کتنا بڑا نقصان کیا ہوا ہے آپ نے میرا) اس نے احمر کی پشت تھپتھپائی۔

"آپ گھر کیوں نہیں چلے آئے بھائی جان.....؟" کتنے ترسے ہوئے انداز میں وہ احسن کو دیکھ رہا تھا۔

احسن نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور قدرے مبہم مگر معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

"اگر یہ سب ہونے لگے تو اس الگ جان اور انفرادی زندگی کا کیا فائدہ.....؟ اپنا کردار ادا کر رہا ہوں۔ زندگی سے اپنا حصہ وصول کر رہا ہوں۔ میری جان۔"

اس نے بریف کیس اٹھایا۔ دونوں کمرے سے باہر آ گئے۔ احسن نے کمرہ لاکڈ کیا۔

"اباجی کہاں ایڈمٹ ہیں؟"

"راولپنڈی جنرل ہاسپٹل۔"

"امی بھی وہیں ہیں.....؟"

"جی....."

"اتنی دور لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ قریب ہی بہت اچھے ہاسپٹل اور کلینک بھی تو موجود ہیں۔"

"وہاں چارجز بہت ہوتے ہیں۔ اباجی ٹھیک ہو جائیں گے تو امی پر خفا ہوں گے زیادہ پیسے خرچ کرنے پر۔" احمر نے پ کے انداز و اطوار احسن کو دوبارہ سے یاد دلانے کی کوشش کی۔

"ہاں.....یہ الگ مسئلہ ہے۔" احسن نے گہری سانس لیتے ہوئے احمر کی تائید کی۔

"اٹیک کب ہوا تھا.....؟" اس کا ذہن بہت دور پہنچا ہوا تھا۔

"کل ہی.....بس ان کو ہاسپٹل میں داخل کرانے کے فوراً بعد میں نے آپ کو فون کیا تھا۔"

"اب کیا صورت حال ہے.....؟" احسن نے ایک ٹیکسی کو ہاتھ کے اشارے سے روکا۔

احسن کا حلیہ اور اسٹائل ایسا تھا کہ ڈرائیور نے بغیر پوچھ گچھ کے دروازہ کھول دیا۔ وہ آگے بیٹھ گیا اور احمر عین اس کے پیچھے۔

"پنڈی جنرل ہاسپٹل" احسن نے مختصراً کہا اور خاموشی سے سامنے دیکھنے لگا۔ احسن نے صرف ایک کپ چائے پی کر دانستہ اختیار کی تھی۔ ایک سگریٹ سلگا کر گہرا کش لگانے کو بہت دل چاہ رہا تھا۔

مگر اس نے کبھی احمر کے سامنے سگریٹ نہیں پی تھی۔ گو کہ وہ اس سے خاصا چھوٹا تھا مگر سن شعور کو پہنچ چکا تھا۔

اپنے احکام و نصائح میں اثر پیدا کرنے کی خاطر لازم تھا کہ وہ خود پر قابو رکھے۔ باپ کی غیر ضروری سختی اور بے محل اُمریت

بڑے بھائی کی دوری.....اس کے قدموں کو کسی بھی سمت موڑ سکتی تھی۔ لہٰذا اسے سخت احتیاط ضروری تھی۔

وہ بہت ضبط سے بیٹھا رہا۔ گاہے بگاہے وہ آئینے میں احمر کی صورت پر اِک نظر ڈال لیتا تھا۔ اسے یہ سوچ کر حیرت ہوئی کہ اس نے کبھی غور ہی نہ کیا کہ اسے احمر کتنا اچھا لگتا ہے شاید اس لئے کہ اس سے خون کا رشتہ ہے۔

یا اس لئے کہ وہ اس کی بات بے چوں و چرا مان لیتا ہے۔

یا پھر اس لئے کہ وہ مؤدب و کم گو ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کتنے تعجب کی بات ہے جن سے ہم اتنا قریب ہوتے ہیں کہ ان سے زیادہ کوئی نہیں ہوتا۔
ہم کبھی ان پر غور ہی نہیں کرتے.....ایک معمول کی گاڑی ہوتی ہے کہ چلتی جاتی ہے۔
اس کے خالی ذہن میں فلسفہ شروع ہو چکا تھا۔

وہ دونوں ہاسپٹل میں داخل ہوئے تو صفیہ انہیں راہداری میں مل گئیں۔ کریم کلر کی بڑی سی چادر میں خاصی پریشان اور نڈھال۔ آنکھوں سے لگتا تھا کہ رات بھر سوئیں نہیں۔

''السلام علیکم امی!'' وہ ان کے مقابل جا کھڑا ہوا۔ وہ اس سے بے ساختہ لپٹ گئیں۔

''بہت ستایا ہے تمہارے باپ نے مگر اللہ گواہ ہے۔ میں نے ان کے لئے یہ سب کبھی نہیں چاہا۔'' ان کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

''حوصلہ کریں امی.....ٹھیک ہو جائیں گے ابا جی۔'' اس نے ماں کو اپنے بازو کے حصار میں سمیٹ لیا۔ ''کیا ابا جی سے ملاقات ہو سکتی ہے.....؟''

''ہاں.....ہاں.....آؤ.....ویسے وہ ہوش میں نہیں ہیں۔'' وہ فوراً اس سے الگ ہو کر آگے آگے چل پڑیں۔

تینوں آگے پیچھے چلتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔

شیخ رحیم الدین کا تنومند وجود بیڈ پر بھربھری مٹی کی طرح بکھرا ہوا تھا۔ آکسیجن لگی ہوئی تھی۔ آنکھیں بند تھیں۔

کتنے عرصے بعد باپ کے چہرے پر نگاہ پڑی تھی۔ وہ ساکت سا ہو کر سوچتی آنکھوں کے ساتھ انہیں بغور دیکھ رہا تھا۔

ان کے صحت مند بازو دائیں بائیں بے جان انداز میں پڑے ہوئے تھے۔

ان بازوؤں میں سمانے کی سعادت اسے سال میں دو مرتبہ حاصل ہو جاتی تھی۔

عیدین کی نمازوں کے بعد وہ سب سے پہلے انہی سے عید ملتا تھا۔ نماز کے بعد خطبے کے دوران وہ اور احمر شیخ صاحب کے دائیں بائیں سر جھکائے بیٹھے رہتے تھے۔ خطبہ ختم ہوتے ہی شیخ صاحب.....کھڑے ہو کر سب سے پہلے احسن سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عید ملتے تھے۔

احسن نے کبھی غور نہیں کیا تھا کہ اس طرح سینے سے لگاتے ہوئے کسی قسم کی گرمجوشی ان کے انداز میں پائی جاتی تھی۔ عجیب مغمول کا سا انداز ہوتا تھا۔

اس نے شیخ صاحب کو بغور دیکھا۔ چہرے پر جھریوں کا جال پڑ چکا تھا۔ ہونٹ سفید ہو رہے تھے۔ بے بسی کی یہ تصویر شاید کبھی کسی کے تصور میں نہ آئی ہوگی۔

گھر میں داخل ہوتے ہی وہ گرج چمک شروع ہوتی تھی کہ معلوم ہوتا تھا وہ سدا توانائیوں کا سرچشمہ بنے یونہی دھاڑتے رہیں گے۔

''سیدھا حصہ بالکل ناکارہ ہو چکا ہے۔'' صفیہ کی آواز کمرے کا سکوت توڑنے لگی۔

احسن نے نہایت دُکھ و تاسف سے باپ کے سراپے پر نظر دوڑائی۔ اس کی آنکھوں میں گہرا تفکر جھلکنے لگا تھا۔

''انسان خدا تو نہیں ہوتا۔ پھر وہ خدائی انداز کی غلط فہمی کس بنیاد پر اختیار کرتا ہے؟ کیا مجھ سے تو یہ حماقت سرزد نہیں ہو رہی؟'' اسے اپنا دھیان آیا۔

شکیلہ نے ابھی کچھ ہوئے عائشہ خالہ کا بیان سنایا تھا جو بڑی ممانی کے ذریعے اسے سننے کو ملا تھا

''کہ باپ پہ پوت نسل پہ گھوڑا۔ بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا۔''

''کیا واقعی وہ اپنے باپ کے انداز دہرا رہا ہے؟'' اسے ایک دم اپنی فکر پڑ گئی ''مگر میرے اور شہوار کے درمیان تو مسئلے ہی اور قسم کے ہیں۔ میرا باپ تو انتہائی خوش قسمت ہے کہ اسے میری ماں جیسی راسخ اور وفادار بیوی ملی ہے جس نے اس شخص سے وفا کے تقاضے بنائے جس کی رفاقت بے یقینی کا دوسرا نام رہی۔

اس نے صفیہ کی سمت نہایت عقیدت سے دیکھا۔

''امی! آپ گھبرائیے نہیں۔ آج کل ہر مریض کا علاج ممکن ہے۔ اگر ابا جی کو اعتراض نہ ہوا تو میں انہیں علاج کے لئے باہر بھجوا دوں گا۔ مگر آپ ہمت نہ ہاریئے۔'' اس نے صفیہ کو شانوں سے تھام کر تسلی دی۔

صفیہ اس کے سینے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

''میرا ہیرے جیسا بیٹا مجھ سے دور کر دیا گیا ہے..... بیٹے رانڈ بیوہ اسے کیوں کہیں جس کا مرد مر گیا ہو رانڈ تو وہ ہے جس کا سگا بھائی یا بیٹا اس سے چھن جائے۔ عورت جس سے نکاح کرے وہ اس کا مرد وہ پھر سے سہاگن۔ مگر اپنا پیٹ نہیں ملتا۔ اپنا خون نہیں ملتا۔ میرے دل کا چین میری آنکھوں کی ٹھنڈک تو تم ہو۔''

''امی..... میں آپ سے دور نہیں ہوں۔ دیکھئے آپ نے حکم دیا میں حاضر ہو گیا۔'' اس نے صفیہ کو اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔

''امی..... آپ پلیز روئیں نہیں۔'' احمر نے مداخلت کی۔ ''آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔''

''جس دن شیخ صاحب تمہارے بھائی کو سینے سے لگائیں گے طبیعت تو تب ہی بحال ہوگی۔''

وہ آنکھیں پونچھتی ہوئی احسن سے الگ ہو گئیں۔

احسن نے آگے بڑھ کر شیخ صاحب کی پیشانی چھوئی پھر ان کے دونوں بازوؤں پر ہاتھ پھیرا۔ دایاں بالکل برف ہو رہا تھا جب کہ بائیں بازو میں زندگی کی حرارت دوڑ رہی تھی۔

''احمر.....!''

''جی بھائی جان.....؟''

''تم امی کو لے کر گھر جاؤ۔ انیلا وغیرہ بہت پریشان ہوں گی۔ انہیں اس وقت امی کی سخت ضرورت ہے۔ امی نے کل آرام بھی نہیں کیا۔ میں ہوں یہاں۔''

''احسن بیٹے.....!''

''پلیز امی ضد نہ کیجئے۔''

صفیہ خاموش ہو گئیں اور پھر بولیں.....

''تمہیں ڈاکٹر صاحب سے ملا دوں۔ تمہارا تعارف بھی کرا دوں۔''

احسن شیخ صاحب پر جھکا ہوا تھا۔ ایک دم سیدھا ہو گیا۔

''میرے شناختی کارڈ پر باپ کے خانے میں ابا جی کا نام لکھا ہوا ہے۔ یہ مانیں نہ مانیں ساری دنیا مجھے ان کا بیٹا مانتی ہے۔'' وہ عجیب انداز میں مسکرایا تھا۔

''پلیز..... آپ جائیے امی۔ آرام کیجئے۔''

پھر اس نے پرس سے سو کا نوٹ نکال کر احمر کی طرف بڑھایا۔

''ٹیکسی میں لے کر جانا۔'' یہ کہہ کر وہ ان کے ساتھ باہر تک آیا تھا۔

نائلہ کب سے تیار بیٹھی تھی۔ جامنی ٹشو کا کُرتا' سلک کا پائجامہ' چنا ہوا دوپٹہ۔ پاؤں میں نازک سے ڈیزائن والی جامنی ل۔ ہونٹوں پر ہم رنگ لپ سٹک۔ بالوں کی سادہ سی چوٹی جس میں جامنی ریشمی پراندہ ڈالا تھا۔

وہ لاؤنج میں بیٹھی اخبار پھیلائے انتظار کے مرحلے سے گزر رہی تھی۔ قریب ہی ڈیک پر لتا کے غمگین نغمات چل رہے تھے۔

جلتا ہے جگر اٹھتا ہے دھواں
آنکھوں سے میری آنسو ہیں رواں
مرنے سے ہو جائے جو آساں
ایسی یہ میری مشکل ہے کہاں

بابر آفس جانے کے لئے لاؤنج سے گزرے۔ اس کے سراپے پر ایک نظر ڈالی۔ تب ہی نائلہ نے سر اُٹھایا ''بہت اچھی ہیریں آئیں گی آپ کی۔ اچھی تیاری ہے۔'' وہ مسکرائے اور آگے بڑھ گئے۔

''بابر صاحب!'' نائلہ نے انہیں مخاطب کیا۔

وہ رُک گئے۔

''آپ ایک بجے وہیں آ جائیے گا۔ اکٹھے لنچ کر لیں گے۔''

''سوری..... آج لنچ الوینہ سرمدی کے ہاں ہے۔ اسٹیٹ سے اس کے بچے آئے ہوئے ہیں۔ آج ان سے ملاقات کا انتظام کیا ہے الوینہ نے..... اگر آپ جلدی فارغ ہو جائیں تو آ جائیے گا۔ الوینہ کے ہاں کیوں؟''

بابر پوچھنے لگے۔

''دیکھوں گی.....'' اس نے پھر اخبار چہرے کے سامنے کر لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسی دم باہر سے کار کا ہارن سنائی دیا۔ رازی نے فون پر صبح ساڑھے نو بجے کا ٹائم دیا تھا۔

وہ پرس سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"گلشن.....!" اس نے ملازمہ کو آواز دی۔ جو فوراً ہی آ موجود ہوئی۔

"میں جا رہی ہوں۔ دوپہر کا کھانا ہم دونوں ہی باہر کھائیں گے۔" اس نے بابر کی سمت دیکھتے ہوئے کہا..... گیٹ بند کر لینا اندر سے..... لڑنا مت ایک دوسرے سے۔ دودھ چولہے پر رکھ کر وی آر لگا کر نہ بیٹھ جانا۔ یہ بند کر دو۔" اس نے ڈیک کی سمت اشارہ کیا۔

وہ باہر آئی تو بابر گاڑی نکال رہے تھے۔ گیٹ سے باہر رازی اپنی سوزوکی سوئفٹ لئے موجود تھا۔

بابر کو دیکھ کر وہ گاڑی سے باہر آیا۔

بابر جو گردن موڑ کر پیچھے دیکھتے ہوئے گاڑی باہر لا رہے تھے۔ بری طرح چونک اٹھے تھے۔ نہایت گہرا سیاہ رنگ شلوار سوٹ زین تن کئے اور سیاہ ہی گلاسز آنکھوں پر ٹکائے وہ ایک دم ہشاش بشاش و تر و تازہ دکھائی دیا تھا۔

بابر کی گاڑی باہر آ کر رُکی تو رازی ان کی سمت بڑھا۔

بابر نے کھڑکی کا شیشہ نیچے کیا' مگر گاڑی سے اترے نہیں۔

"السلام علیکم!" رازی کھڑکی کی سمت جھکا۔

"وعلیکم السلام..... ٹھیک ہیں آپ.....؟" انہوں نے جیسے فارمیلٹی نبھائی۔

"جی بس میں ٹھیک ہی ہوں۔" جواب ملا۔

"آپ صحافی کب سے ہو گئے.....؟" ایک سوال جو ذہن میں چبھنے لگا تھا زبان پر آ گیا۔

"کچھ بھی ہوتے دیر کیا لگتی ہے.....؟" وہ معنی خیز انداز میں مسکرا کر سیدھا ہو گیا۔ اوکے۔" نائلہ اس کی گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھ چکی تھی۔

اس کے انداز میں بلا کی خود اعتمادی اور خدوخال میں عجیب سی سرکشی جھلک رہی تھی۔

رازی نے بابر سے پہلے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ دونوں نے مختلف سمتوں میں جانا تھا۔

"آپ بہت تبدیل ہو چکی ہیں۔" خاصی دیر خاموش رہنے کے بعد رازی نے لب کشائی کی۔

"بیج تو اپنی ماہیت تبدیل نہیں کرتا..... آب و ہوا اور موسم مناسب نہ ہو تو مظاہر نہیں بنتا۔ اگر موسم بدل جائے اور کے حق میں ہو جائے تو وہ زمین کا سینہ چیر کر اپنی موجودگی کا بھرپور احساس دلانے میں دیر نہیں لگاتا۔"

نائلہ نے پرس سے سن گلاسز نکال کر آنکھوں کے تاثرات محفوظ کئے۔

"بہت خوب..... ماشاءاللہ..... آپ کی ذہانت آپ کو بے حد ولیو ایبل بنا رہی ہے۔"

"منڈی میں بٹھا رکھا ہے مردوں نے عورت کو۔ ایک قیمت بڑھا رہا ہے۔ دوسرا گرا رہا ہے۔ شاباش ہے آپ لوگوں کو....." نائلہ کا حرف حرف زہریلا تھا۔

"میرا مطلب یہ نہیں ہے۔ میرا مقصد۔"

"مسٹر سرفراز..... بات کا بس وہی مطلب ہوا کرتا ہے جو مخاطب کو سمجھ آتا ہے۔" نائلہ نے تلخی سے بات کاٹ دی۔

"مگر اس میں سمجھنے والے کا بھی تو قصور ہو سکتا ہے۔" رازی نے اس کی سمت دیکھا۔

"پھر تو بات کرنے والے کو اپنی عقل پر ماتم کرنا چاہئے کہ وہ مخاطب کی صلاحیت پرکھے بغیر اپنے اقوال زریں پیش کر [illegible]"

"لڑائی کا موڈ ہے.....؟" رازی مسکرا دیا۔

نائلہ کے رگ و ریشے میں انگارے دوڑ رہے تھے۔ وہ نہایت ضبط سے منزل پر پہنچنے کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے [illegible]زی کے سوال کا جواب نہیں دیا۔

"آپ مانیں نہ مانیں..... مگر میں حیرانی کے سمندر میں ڈوبا ہوا ہوں۔"

میری روشنی تیرے خدوخال سے مختلف تو نہ تھی مگر
تو قریب آ تجھے دیکھ لوں تو وہی ہے یا کوئی اور ہے

وہ دھیرے سے گنگنایا۔

"یہی وہ سیٹ تھی جس پر آپ کے بیٹھنے کا انداز کچھ اور تھا۔ آج بھی وہی گاڑی ہے' وہی سیٹ ہے مگر آپ کا انداز سو [illegible]مد بدل چکا ہے۔"

نائلہ کے لب ایک دوسرے میں پیوست تھے۔ ان میں کوئی لرزش پیدا نہ ہوئی۔

رازی نے ریسٹورنٹ کے سامنے گاڑی پارک کی۔ نائلہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آئی۔ رازی نے گاڑی [illegible]ک کی۔ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے ریسٹورنٹ میں داخل ہوئے۔ وقت بھی کچھ ایسا تھا کہ رش نہیں تھا۔ بہت ساری [illegible]بلز خالی تھیں۔

نائلہ نے سب سے آخری اور بالکل کونے کی ٹیبل منتخب کی۔ وہ آگے آگے اور رازی پیچھے تھا۔

نائلہ اس طرح بیٹھی کہ تمام ٹیبلز اس کی پشت کی طرف ہو گئیں۔

رازی بیٹھ گیا اور ہاتھ میں پکڑا ہوا ننھا سا ٹیپ ریکارڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور بٹن دبا دیا۔

نائلہ نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ ٹیپ بند کیا اور ہاتھ سے ایک طرف کر دیا۔

"مت کیجئے..... بلکہ بند کیجئے یہ ڈرامہ..... میں نے گھاس نہیں کھائی ہوئی ہے۔" رازی ہکا بکا اس کی شکل دیکھنے لگا۔

ویٹر ان کی ٹیبل پر پہنچ چکا تھا۔

"دو کافی..... بس....." نائلہ نے فوراً آرڈر دے کر اسے ٹہلایا۔

"کیسا ڈرامہ؟ میں سمجھا نہیں۔" رازی نے بہت الجھ کر اس کی سمت دیکھا۔

"یہی کی آپ صحافی وحافی خاک نہیں ہیں..... محض عام مردوں کی طرح آپ نے مجھے ہراساں کرنے کی غرض سے یہ سوانگ رچایا ہوا ہے۔

ڈرامے بازی تو میں بابر مرتضیٰ کی بھی برداشت نہیں کرتی جس کے گھر میں رہتی ہوں۔ اور جس کا کھاتی ہوں۔" وہ پھنکاری..... آگے رکھا گلاس اٹھا کر پانی پینے لگی۔

"جب آپ سب کچھ جان چکی ہیں تو صرف یہ پوچھئے۔ میں آپ سے کیا کہنا چاہتا ہوں۔"

رازی کی آواز نہایت مدھم تھی مگر وہ براہ راست اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

"پہلے آپ مجھ سے معلوم کیجئے کہ جب میں آپ کی یہ ڈرامے بازی سمجھ گئی تھی تو آپ کے ساتھ آ کیوں گئی.....؟" وہ اس کی سمت بغور دیکھ رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"چلئے' پہلے آپ ہی بتا دیجئے۔" رازی نے کہنیاں ٹیبل پر رکھ کر ٹھوڑی اپنے ہاتھوں پر ٹکائی اور بہت سکون سے دریافت کیا۔

"تو سنیے۔ میں آپ کے تمام عزائم عمر بھر کے لئے خاک میں ملا دینا چاہتی ہوں۔ میں یہ نہیں کہتی کہ آپ نے مجھ سے محبت کا ڈرامہ کیا۔ آپ نے دوبارہ اپنی والدہ کو زحمت دی۔ یہ آپ کی سچائی کا ثبوت ہے مگر نہایت افسوس کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ آپ نہایت سطحی' خود غرض اور مفاد پرست ہیں۔ ایک شے جو آپ کو حاصل نہ ہو سکی' آپ اس کی کمی کا انتقام میری ذات سے لیں گے' جبکہ میرے ہاتھ صاف ہیں' کسی عہد و وفا کی ذمہ واری میرے ضمیر پر نہیں۔ شاید آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ بابر مرتضیٰ میرے بہنوئی ہوتے ہوتے رہ گئے' اور میرے شوہر بن گئے۔

آپ کی وجہ سے مسٹر سرفراز' صرف آپ کی وجہ سے۔"

"میری وجہ سے!" رازی پر واقعی حیرت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ "کیا کسی لڑکی کا رشتہ طلب کرنا ایسی انہونی ہوا کرتی ہے آپ ماشاءاللہ اتنی بہنیں ہیں' جانے کتنے گھرانے اس نیت سے آپ کے گھر کا رخ کرتے ہوں گے۔" رازی کو اس الزام سے جیسے شدید دکھ ہوا تھا۔

"رشتہ مانگنے کی وجہ سے نہیں' آپ کی احمقانہ جذباتیت کی وجہ سے' اب بھی نہیں سمجھے آپ۔"

"بخدا.....!" رازی ایک ٹک اس کی سمت دیکھ رہا تھا (جتنی قریب ہو' اس سے زیادہ دور ہو)

"ایک بھری دوپہر آپ نے میرا راستہ روکا تھا۔"

"مجھے اس پر کوئی ملال نہیں اگر نہ روکتا تو شاید عمر بھر خلش رہ جاتی۔" اس نے نظر جھکالی۔

"آپ کی خلش تو دور ہو گئی اور میں آپ کا بچایا ہوا ایک ایک انگارہ طے کر رہی ہوں۔" اس کے سینے سے ہوک سی اٹھی

"اس روز آپ کے ساتھ ابا جی نے مجھے دیکھ لیا تھا اور سزا کے طور پر انہوں نے میری بہن کی تقدیر میرے سر لگا دی تھی۔ وہ آج بھی دہلیز پہ اپنے حصے کے رنگ سمیٹنے کو منتظر بیٹھی ہے۔" نائلہ کو جانے کیا کیا یاد آ گیا۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

"اسے دو مرتبہ دو عظیم دکھ ملے ہیں اور دونوں مرتبہ ذمہ دار آپ ہیں۔ پہلی مرتبہ جب میرے دھوکے میں اسے خواب دکھائے گئے' دوسری مرتبہ جب اس کے لئے آنے والی بارات میرے نام لگی۔"

"اوہ نو۔" رازی نے جیسے وحشت زدہ ہو کر اس کی صورت دیکھی۔

"آپ کا جرم ثابت ہے۔ محبت و عشق تو لطیف ترین جذبے ہیں۔" جہاں یہ ہوتے ہیں وہاں تو حساسیت اس مقام پر ہوتی ہے کہ انسان ہر ایک کو اپنی جگہ رکھ کر سوچنے لگتا ہے۔ آپ کو اپنی ناکامیوں کا ماتم کرنے سے فرصت نہیں۔ ادھر بھی دیکھئے جہاں زخم آپ سے گہرے مگر آپ ہی کے عطا ہیں۔"

ویٹر کافی لے آیا۔ چند لمحوں کے لئے دونوں اطراف خاموشی چھا گئی۔

نائلہ کافی بنانے لگی۔

"اوہ! میرے خدا! میں اس صورت حال کو خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔" رازی کی مدھم آواز ابھری۔

"یہی ہوتا ہے' بلکہ اکثریت اپنی ذات کے نفع و نقصان میں اسی طرح محو ہے۔ سب کو یونہی اپنی اپنی پڑی ہے۔"

نائلہ نے کافی رازی کے سامنے رکھ دی۔

"آپ بس مجھے یہ بتائیے کہ آپ سزا کے حقدار ہیں یا نہیں؟" نائلہ نے کافی سپ لیتے ہوئے بڑی جرات سے رازی کی سمت دیکھا۔

"اگر واقعی یہ سب ہوا ہے تو کڑی سزا کا حقدار ہوں۔" رازی کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

"کانگریجولیشن' خاصے روشن ضمیر ہیں آپ..... آپ کی سزا یہ ہے کہ آپ میری بہن سے شادی کر لیجئے۔"

رازی کے ہاتھ سے کپ چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

"یہ کیسا مذاق ہے؟" وہ گڑبڑا کر رہ گیا۔

"میرے اور آپ کے درمیان مذاق کا کوئی رشتہ نہیں۔ آپ کی طرف سے جو کچھ ہو ہم سہہ جائیں' ہماری طرف سے کچھ ہو تو مذاق ہے۔ ہماری ذات کا تماشا بنانے کے لئے آپ کو این او سی جاری ہوا ہے۔"

اس کے لہجے میں زہر اُمڈ آیا۔

رازی سر جھکائے کافی کے سپ لیتا رہا۔ یوں جیسے کسی گہری سوچ میں ہو۔

"آپ کی دفعہ میں کیا میں کسی اور جہاں کا باشندہ تھا کہ آپ کے والد صاحب کو قبول نہیں تھا اور اب وہ کون سی نئی خصوصیات پیدا ہو گئی ہیں کہ آپ کے والد صاحب کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

اس نے جیسے نائلہ کو لاجواب کر دینا چاہا۔

"میری دفعہ میں انہیں یقین ہو چلا تھا کہ میں اپنی قسمت کے فیصلے خود کرتی پھر رہی ہوں اور یہ ان کی آن کے خلاف ہے کہ جو لوگ اس کے رحم و کرم پر ہوں وہ اپنی زندگی کے فیصلے خود کریں اور اس مرتبہ میں اپنی آزاد حیثیت کے ساتھ اپنی پھوپھو کے ہمراہ ان کے سامنے ہوں۔ اور یوں بھی اب بہت کچھ تبدیل ہو چکا ہے۔"

"مگر یہ بہت ناممکن سی بات ہے۔" رازی نے جیسے واضح انکار کیا۔

"مگر آپ کو یہ کرنا ہوگا' آپ میرے ہی نہیں میرے پورے گھر کے مجرم ہیں۔ جس لڑکی کی بارات چند روز پہلے رُک جائے۔ اسے آپ کا معاشرہ اس طرح دیکھتا ہے جیسے وہ کسی گناہ کبیرہ کی مرتکب ہوئی ہو۔"

"مگر یہ کتنی مضحکہ خیز بات ہے' دل یوں تو تبدیل نہیں ہوا کرتے۔" وہ بہت آہستگی سے کہہ رہا تھا۔

"آگ لگا دیجئے اس دل کو' گھس کر دیکھئے اس معاشرے کے اندر اور ٹٹولئے ان کے دل' جانے کتنے ضرب تقسیم کے مرحلے ہو رہے ہیں۔" وہ تلخی سے گویا ہوئی۔

"میرے باپ کی آمریت کے باوجود آپ میری ماں کی استقامت و وفاداری ملاحظہ کیجئے۔ میری بہن سوت بن کر رہ گئی' دو بچوں کے باپ کے ساتھ' اسے دیکھئے تو کسی ستی ساوتری کا گمان ہوگا۔"

اور میں جسے اپنا بہنوئی جان کر جانے کیا کیا منصوبے بنائے بیٹھی تھی۔ اب اس سے وفاداری کا یہ عالم ہے کہ آپ کے رومال سے اپنے آنسو پونچھنا خیانت سمجھتی ہوں۔

میں آپ سے درخواست نہیں کروں گی' آپ کا دامن تھام کر رحم کی اپیل نہیں کروں گی۔ میں آپ کی جان کو آ جاؤں گی' مگر اپنی بات منوا کر دم لوں گی۔ آپ نے سمجھا کیا ہے؟

رازی چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔ "دھمکی دے رہی ہیں۔"

"نہیں۔ اپنے ہونے کا احساس دلا رہی ہوں' دھمکی ہی دینا ہوتی تو آپ کا ضمیر کیوں ٹٹولتی۔ شادی تو آپ نے کرنا ہی ہے' آج نہیں تو کل کسی سے بھی۔"

رازی خاموش ہو کر میز کی چکنی سطح پر انگلیاں پھیرنے لگا۔

"اچھا اب آپ یہ بتائیے کہ آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے' اب میں آپ کے کس کام کی؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اتنا باضمیر آدمی بلیک میلر نہیں ہوسکتا اور پھر میری کوئی کمزوری آپ کے پاس نہیں۔"

"یقین کیجئے میں آپ سے لڑائی کی خاطر ملنا چاہتا تھا۔" رازی نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی تھی۔ "میرے لئے آواز اٹھاتے' آپ اس قدر دقیانوس اور بزدل ہو رہی تھیں اور اب اس قدر خود رائے ثابت ہو رہی ہیں کہ ٹی وی ڈراموں میں اظہار وفا کرتی پائی جا رہی ہیں۔"

نائلہ بے اختیار ہنس دی تھی۔ حالانکہ چند لمحے قبل اس کے پاس ہنسی کا تصور بھی نہیں تھا۔

"یہ سب اس شخص کی چھوٹ یا کمال ہے' جس کے سامنے میں آپ کی گاڑی میں بیٹھ کر آئی ہوں۔ متین صاحب ان کے بیسٹ فرینڈ ہیں۔"

"آپ مجھے اپنے فیصلے سے کب آگاہ کریں گے۔" وہ پھر اپنے موضوع کی طرف پلٹی۔

"کیا واقعی آپ سیریس ہیں؟" اس نے الجھ کر نائلہ کی شکل دیکھی۔

"اور کیا اچھا لگے گا' آپ کو کہ میرا اور آپ کا ماضی ایک نکتے سے بندھا ہوا ہے اور پھر وہ آپ کی سگی بہن۔"

"آپ میری بہن کے ایک ایک زخم کا مرہم بن جایئے' مجھے سب اچھا لگے گا اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو گاہے گاہے پلٹ کر پیچھے دیکھتے رہتے ہیں۔ جس وقت میں صرف شیخ صاحب کی بیٹی تھی۔ فرصت مجھے اس وقت بھی نہیں تھی۔ اب تو میں ایک بھاگتے دوڑتے آدمی کے ساتھ ہوں' جس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنا نہیں بلکہ بھاگنا پڑ رہا ہے۔"

رازی اس کی سمت دیکھ کر سوچ رہا تھا۔

انسان کے کتنے پرت ہوتے ہیں؟ کیا ٹھیک کہا ہے کسی نے۔ انسان اور قیمتی پتھر کی شناخت بہت مشکل کام ہے۔ وہ چپ چاپ..... کم آمیز..... نائلہ..... اس قدر خود اعتماد ہے کہ بڑے بڑے مرحلے تن تنہا طے کر رہی ہے..... کتنا لکی ہے بابر مرتضیٰ' جس کے گھر کا دروازہ اتنا پرشکوہ اور مضبوط ہے۔

"ابھی تو لنچ میں بہت ٹائم ہے۔ میں گھر واپس چلتی ہوں' دو چار ضروری کام ہی کر لوں گی۔ اور ہاں' میں آپ کو رنگ نہیں کروں گی بلکہ آپ مجھے رنگ کر کے اپنا فیصلہ سنائیں گے۔ چلئے اب مجھے گھر چھوڑ دیجئے۔" وہ پرس اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"پلیز۔" رازی نے کھڑے ہو کر اسے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔

نائلہ کی چال پر کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ البتہ رازی کے قدم تھکے تھکے سے تھے۔

نرس کئی بار چکر لگا چکی تھی۔ شیخ صاحب نے کئی بار آنکھیں کھولی تھیں لیکن وہ محض ایک عمل تھا' حسیات سے عاری' مگر اب ان کے بائیں ہاتھ کی جنبش نے احسن کو چونکا دیا۔ اس نے میگزین چہرے کے سامنے سے ہٹا کر ان کی طرف دیکھا۔

شیخ صاحب کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں' وہ چھت کی سمت دیکھ رہے تھے۔ احسن تیزی سے اٹھ کر ان کے قریب آیا اور ان کا بایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔

"کیا محسوس کر رہے ہیں ابا جی آپ؟ میری آواز سن رہے ہیں ناں۔"

شیخ صاحب کی آنکھوں میں دنیا جہاں کا تحیر سمٹ آیا۔ وہ ٹکٹکی باندھ کر احسن کی سمت دیکھنے لگے۔

"میں احسن ہوں' ابا جی' آپ سن رہے ہیں ناں؟" وہ ان کے قریب ترچھا ہو کر بیٹھ گیا۔

شیخ صاحب نے نہایت آہستگی سے گردن ہلا کر اثبات میں جواب دیا۔

انہوں نے احسن کے ہاتھ سے اپنا چھڑایا اور پانی کا اشارہ کیا۔ احسن نے ہاتھ بڑھا کر پانی کا گلاس اٹھا کر جگ سے پانی پلانا شروع کر دیا۔ جو دائیں بائیں زیادہ گر رہا تھا' اندر کم جا رہا تھا۔

کچھ دیر قبل ہی ان کی سانس کی رفتار خطرے سے باہر ہوئی تھی۔ "اس لئے آکسیجن ماسک ہٹا دیا گیا تھا۔ احسن سے ٹشو پر سے گرنے والا پانی صاف کیا۔ اسی دم نرس اندر داخل ہوئی۔

"ہوش آ گیا ہے۔" اس نے نرس کو اطلاع دی۔

"جسٹ اے منٹ! میں ابھی ڈاکٹر صاحب کو بلا کر لاتی ہوں۔" وہ الٹے قدموں باہر نکل گئی۔ احسن نے گھڑی کی سمت دیکھا۔ رات کے سوا دو بج رہے تھے۔ اسے جاگتے ہوئے چوبیس گھنٹے سے زیادہ وقت ہو گیا تھا۔

شیخ صاحب نے آنکھیں موند لی تھیں۔

"ابا جی!" احسن نے بے اختیار آواز دی۔

شیخ صاحب نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

"اوہ!" احسن نے سکون کا گہرا سانس لیا۔

ڈاکٹر آ کر اپنی معمول کی کارروائی میں مصروف ہو گیا۔ احسن دوسری سمت سے آ کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ بیٹے ہیں ان کے؟" ڈاکٹر نے احسن کی سمت دیکھا' پہلے ڈاکٹر کی ڈیوٹی تبدیل ہو چکی تھی۔ اب یہ نیا ڈاکٹر آیا تھا۔ اس نے احسن کی سمت بڑی جانچتی ہوئی نظروں سے دیکھا تھا۔ اس کے لباس سے' اس کی نشست و برخاست سے اس کے وجود پر ایک ایک چیز سے' بیڈ کے نیچے رکھے اس کے قیمتی بریف کیس سے اس کے معاشی استحکام کا پتا ملتا تھا۔

اس ظاہر و مادہ پرست دنیا کے عین مطابق ڈاکٹر کا انداز گفتگو تبدیل ہو چکا تھا جبکہ رات کو صفیہ کی ویرانی اور شیخ صاحب کے سادہ سے لباس سے اسے خاصی "غلط فہمی" ہو گئی تھی۔

اس نے شیخ صاحب سے چند خوش معنی جملے کہے۔

"آپ کو میری بات سمجھ آ رہی ہے' یہ آپ کے بیٹے ہیں۔" ڈاکٹر نے محض خوش اخلاقی کے مظاہرے کے طور پر یا ان کی ذہنی حالت جانچنے کی نیت سے ان پر جھکے جھکے پوچھا۔

شیخ صاحب نے اپنی پتلیوں کو حرکت دی اور احسن کی سمت دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

احسن پر ایک قیامت گزر گئی۔

(وہ بات جو ہمارے لئے ہوتی ہے' ہماری امانت ہوئی ہے' وہ ہم سے ہی نہیں کہی جاتی' باقی سب سے کہہ دی جاتی ہے) اسے کیا کچھ نہ یاد آیا تھا۔

کیسے گزاری تھی وہ اندھیری رات اور پھر وہ شروع کے دن..... شکیلہ کے خوفناک مستقبل کی آگہی کے ساتھ۔ ہر اٹھتا قدم کسی نیزے پر پڑتا تھا جیسے کتنا مشکل اور صبر آزما وقت تھا۔

"مگر ابا جی آپ کا بہت بہت شکریہ' محض آپ کے جاہ و جلال اور غضب کی انا کا کمال ہے کہ دنیا کو مختلف زاویوں سے دیکھنے کا موقع ملا۔ ایک ایک ٹھوکر مکتب ثابت ہوئی ہے اور جو زخم لگے' ان کی گنتی ابھی سے کیا ابھی تو سلسلہ جاری ہے۔

"آپ بالکل نہیں گھبرائیں۔ انشاء اللہ مستقل علاج سے آپ پھر سے پہلے کی طرح چلنے پھرنے لگیں گے۔" ڈاکٹر کی آواز نے احسن کو نئے سرے سے ماحول میں متوجہ کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ جھک کر شیخ صاحب کا کمبل ٹھیک کرنے لگا۔

نائلہ کو گھر آتے ہی یہ روح فرسا خبر مل گئی تھی۔ اس نے بابر کو فون کر دیا تھا۔ اس کا خیال تھا وہ دوڑے چلے آئیں گے مگر اسے سخت حیرانی ہوئی۔ جب بابر کے بجائے ان کا ڈرائیور آموجود ہوا۔ اب وہ اس بے چارے سے کیا سوال جواب کرتی فوراً ہاسپٹل روانہ ہو گئی تھی۔ وہاں احسن کو دیکھ کر جو خوشی ہوئی تھی وہ بابر کی بے نیازی کے سبب پھیکی سی پڑنے لگی تھی۔ اس کا ذہن ہنوز ایک نکتے پر اٹکا ہوا تھا۔ کیا اسد بھائی کی مہربانیوں کا طعنہ رازی کی طرف منتقل ہو گیا ہے؟

وہ رات گہری ہونے پر گھر واپس ہوئی تھی۔ حالانکہ اس کا کتنا دل چاہا تھا کہ وہ راستے میں انیلا وغیرہ کو تسلی دیتی چلے مگر وہ بابر کے موڈ کو مدنظر رکھتے ہوئے سیدھی گھر آ گئی تھی۔

بابر اسے لاؤنج ہی میں مل گئے۔ نائٹ گاؤن میں ملبوس وہ کوئی انگلش فلم دیکھ رہے تھے۔

صرف ایک نظر نائلہ پر ڈال کر رسمی انداز سے پوچھا تھا۔

"کیسی طبیعت ہے انکل کی؟"

"ٹھیک ہے۔" وہ بھی خفگی سے کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھی۔

"ہونہہ! مجھ سے کوئی وابستگی رکھے تو میری ذات سے وابستہ ہر رشتے کی اہمیت محسوس کرتے۔ ایک ڈمی ملی ہوئی ہے۔ فراڈ ایک دم۔" وہ غصے سے کھول رہی تھی۔ سارا دن مصروف گزرا تھا۔ اس لئے تھکن سے برا حال تھا۔ نیم گرم پانی کا شاور لیا اور باتھ گاؤن میں ملبوس باہر آ گئی۔ گیلے بال بکھرائے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر کیوٹکس صاف کرنے لگی۔

"پروگرام کیسا رہا مسٹر سرفراز کے ساتھ؟" بابر نے کمرے میں داخل ہو کر پہلا سوال کیا۔

"ٹھیک ہی رہا۔" وہ چیخ کر گویا ہوئی۔

"یہ بزنس مین سے صحافی آپ کی خاطر ہوئے ہیں۔" ان کے لہجے میں کاٹ بلا کی تھی۔

"شاید آپ کا تجزیہ درست ہو۔" وہ بال پیچھے کرتے ہوئے لٹھ مار انداز میں بولی۔

"ظاہر ہے مجھے دلچسپی ہونا چاہئے اس شخص سے آخر وہ تمہارا سایہ کس خوشی میں بنا ہوا ہے۔"

بابر ایزی چیئر پر نیم دراز ہو گئے۔

"حالانکہ میں تو قطعاً تجسس نہیں کرتی کہ الوینہ سرمدی اپنے میاں سے زیادہ آپ کے قریب کیوں رہتی ہے۔

شاذہ صمد کلکتے والا آپ کو دن میں کئی فون کیوں کرتی ہے؟

عندلیب الٰہی بخش اپنی پلکنوں میں آپ کی شمولیت کیوں ضروری سمجھتی ہے؟

زاشی امیر علی ہفتے میں ایک بار ڈنر آپ کے ساتھ کیوں کرتی ہے؟

آپ جس کلاس سے خود کو شوکرتے ہیں اسے پوری طرح مین ٹین بھی تو کریں۔"

"اسٹاپ دس نان سنس ٹاکس۔" بابر ایک دم برس پڑی۔ نائلہ اسی طرح بیٹھی رہی۔

"عورت ایک خاندان کو نسل و وراثت منتقل کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ ہر انسان اپنا نسب نیٹ اینڈ کلین رکھنا چاہتا ہے۔"

"یہی بات ان خواتین کے شوہر ان سے کیوں نہیں کہتے جنہیں آپ سے دوستی کا دعویٰ ہے۔ آپ پر کیا فرشتہ ہونے کی اسٹیمپ لگی ہے۔" اس نے ری موور کی شیشی بند کر کے جیسے پٹخی تھی۔

"یہ خواتین جن کے نام تم نے ابھی لئے ان کے باپ دادا کی جڑیں اس کلاں میں ہیں۔ انہیں ہر کوئی برسوں سے جانتا ہے۔ جن سے ان کی شادیاں و منگنیاں ہوئی ہیں وہ ان کی ابتدا سے واقف ہیں۔

مگر..... تم..... اچانک آئی ہو۔ مجھے نہیں معلوم تمہارا ماضی کیا ہے۔ تمہارے عزائم کیا ہیں؟ اور یہ شخص تمہارے عقب میں کیوں ہے؟

اور پھر تم ایک روز بے ساختگی میں سچ بول چکی ہو۔"

نائلہ نے چونک کر سر اٹھایا۔ "سچ' کون سا سچ؟ کیسا سچ؟"

"یہی کہ زندگی میں کوئی چیز مرضی کی بھی ہو گی یا ایڈجسٹمنٹ ہی کرتے رہیں گے۔ یاد آیا احسن کے ہاں آپ کے منہ سے بلا ارادہ ہی سچ نکل گیا تھا۔" بابر نے بڑے طنز سے مسکرا رہے تھے۔

"اگر وہ تمہارا دوست ہے تو کبھی یہاں کیوں نہیں آیا مجھ سے ملتے؟ جیسے کہ میری فرینڈز تم سے ملنے اور انوائیٹ کرنے آتی ہیں' وہ چوروں کی طرح تم سے کیوں ملتا ہے؟

ان سب باتوں کے علاوہ انسان کی کچھ مخصوص حرکات بھی ہوتی ہیں جو اسے مشتبہ بناتی ہیں۔"

"پہلے آپ مجھے یہ بتائیے آپ اس شخص پر نکتہ چیں ہیں یا میرے کسی جرم کا اعلان کر رہے ہیں؟"

نائلہ اٹھ کر ان کے قریب آ گئی۔

"اچانک آنے والے قابل اعتبار نہیں ہوتے تو ان کو اچانک کیوں لایا جاتا ہے؟ آپ میرے شوہر ہیں' آپ کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنا کوئی توہین آمیز بات نہیں' بس میں پہلی اور آخری مرتبہ آپ کو بتا دینا چاہتی ہوں' ماضی میں میرا کسی سے کوئی کٹ منٹ نہیں رہا اور وہ مجھ سے ملنے کبھی چوروں کی طرح نہیں آیا۔

مسٹر بابر مرتضیٰ! ہر عزت دار عورت کا اپنا معیار زندگی ہوتا ہے' ہر عورت کو ایک لاٹھی سے مت ہانکئے' میں الوینہ' شاذہ یا زاشی نہیں ہوں۔"

"ڈونٹ انسلٹ ڈیم۔" بابر دہاڑے۔

"آپ نے میری کتنی بار انسلٹ کی ہے' وہ زیادہ اور میں "کم" کیوں ہوں آپ کی نظر میں؟ اس لئے کہ آپ نے بیوی نہیں بلکہ تختہ مشق حاصل کیا ہے۔

آپ اپنا پان کھائیے اور آرام کیجئے۔ ہر وقت کلاس ڈفرنس جتا کر آپ مجھے بلیک میل نہیں کر سکتے۔ آغاز سب ہی کا "غاروں" سے ہے۔ ہونہہ۔"

پتا نہیں اسے کیا ہو گیا تھا' جیسے اس کی قوت برداشت جواب دے گئی تھی۔ عجیب ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

جب مدتوں انسان غم نہ بانٹ سکے تو شاید وہ یونہی نیم پاگل ہو جاتا ہے' وہ کھٹ کھٹ کرتی باہر آ گئی اور راہداری میں پڑے ہوئے موڑھے پر ڈھے گئی۔ کیا میں ساری زندگی اس شخص کی شرائط پر گزارتی رہوں گی' جو میرا وجود چھلنی کر چکا ہے۔

"نائلہ!" اچانک بہت قریب سے بابر کی آواز آئی۔

"میرا خیال ہے تم ایڈجسٹمنٹ کرتے کرتے تھک گئی ہو۔ چینج کرو اور اسی وقت اپنے پیرنٹس کے ہاں چلی جاؤ۔" بابر مرتضیٰ حکم صادر کر کے واپس پلٹ گئے۔

نائلہ چند ثانیے سکتے کی کیفیت میں بیٹھی رہ گئی' پھر ایک دم اٹھ کر کمرے میں آئی۔ ایک سوٹ نکالا اور باتھ روم میں چلی گئی۔ واپس آئی تو بابر بیڈ پر نیم دراز کوئی کتاب دیکھ رہے تھے۔ اس نے ہاتھ سے سونے کی چوڑیاں اتار کر ڈریسنگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹیبل پر رکھ دیں اور پھر کانوں کے آویزے اتارے اور اس کے بعد.....!

چھوٹا سا سوٹ کیس اٹھا کر اپنے دو تین عام سے سوٹ رکھے۔ یہ سوٹ کیس اس کے جہیز کا تھا۔

پہلے راہداری میں سوٹ کیس رکھ کر آئی پھر واپس آ کر چادر اوڑھی اور پرس اٹھا کر باہر آ گئی۔ اس نے ایک مرتبہ بھی بابر مرتضیٰ کی سمت نہیں دیکھا تھا۔

وہ ڈرائیور کو اٹھانے ہی جا رہی تھی کہ کال بیل رنگ ہوئی۔

اس وقت کون آ سکتا ہے؟ کہیں اسد بھائی نہ ہوں.....اوہ.....! اس نے پرس سوٹ کیس پر رکھا اور گیٹ کی سمت بڑھی

''کون؟''

''میں ہوں بھابھی' اسد!'' دوسری طرف واقعی اسد تھے۔

اس نے جھٹ گیٹ کھول دیا۔ ''السلام علیکم'' اس نے اپنے مخصوص شستہ لہجے میں سلام کیا۔

''سوئی نہیں آپ ابھی تک؟ بہت دنوں سے بے چین تھا اس طرف آنے کے لئے۔ آپ کی بے حد فکر تھی کہ پتا نہیں آپ کیسی ہیں۔ امی بتا رہی تھیں' آج کل آپ کا پلے چل رہا ہے ٹی وی پر۔ مجھے تو ٹی وی دیکھنے کا ٹائم نہیں ملتا۔ اس کا مطلب ہے کہ گاڑی ٹھیک جا رہی ہے' بابر سو گئے؟''

اسد نے اندر آ کر خود ہی گیٹ بند کر دیا تھا۔

نائلہ مکمل خاموش تھی' بس ان کے ساتھ چل پڑی تھی۔

''آپ آئی ہیں کہیں سے غالباً؟'' اسد کی نظر راہداری میں رکھے سوٹ کیس اور پرس پر پڑی۔

''ڈائریکٹ آ رہے ہیں کراچی سے؟'' نائلہ نے لب کشائی کی۔

''قطعی ڈائریکٹ' مگر آپ اس وقت کہاں سے آئی ہیں' پنڈی گئی ہوئی تھیں؟''

''نہیں۔'' وہ ان کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی لاؤنج تک آ گئی۔

''کھانا کھائیے گا؟''

''نہیں' کھانا کھا چکا ہوں' آپ سنائیے ٹھیک ہیں ناں؟''

''چائے یا کافی بناؤں آپ کے لئے؟''

''نہیں' اب تو بس سونے کا پروگرام ہے۔''

''تو پھر آئیے' میں بیڈ روم کھول دیتی ہوں۔'' وہ آگے بڑھ گئی' اسد اس کے پیچھے ہو لئے۔

وہ تقریباً دوڑتی ہوئی ڈرائیور کے کوارٹر تک آئی تھی۔ پہلی دستک کو ہاتھ اٹھایا تھا کہ اسد نے راستے ہی میں تھام لیا۔

''بھابھی پلیز! کیا کر رہی ہیں آپ' ادھر آئیے میرے ساتھ۔''

''پلیز اسد بھائی! آپ جائیے اپنے کمرے میں' مجھے میرے معاملات کے ساتھ تنہا چھوڑ دیجئے۔'' اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔

''بابر کہاں ہیں؟''

''اپنے بیڈ روم میں۔'' وہ اسی طرح مزاحمت کرتی ہوئی بولی تھی۔

اسد اسے شانوں سے تھام کر زبردستی کے انداز میں بابر کے بیڈ روم تک آئے اور زور سے دستک دی۔

چند لمحوں کے بعد دروازہ کھلا' بابر باہر آئے اور دونوں پر نظر پڑتے ہی پاؤں پیچھے ہٹا لئے۔

''السلام علیکم۔'' اسد نے سلام کیا۔

''وسلام۔'' بابر خشک انداز میں جواب دے رہے تھے۔

''یہ کیا تماشا بنایا ہوا ہے تم نے اتنی رات کو' آئے بھابھی' بیٹھئے یہاں' حد ہو گئی۔ لاحول ولاقوۃ۔''

''اسد تم پر سنلو ٹچ نہیں کرو۔'' بابر اسی خشک انداز میں گویا ہوئے۔

''تمہارے پر سنلو میرے پر سنلو سے الگ نہیں ہیں' بیٹھو ادھر خاموشی سے' گھاس کھا گئے ہو؟''

اسد نے خاصی ناراضگی سے کہا۔ ''اتنی اچھی خاتون کے ساتھ یہ سلوک قطعی زیب نہیں دیتا۔ بتائیے بھابھی کیا ہوا ہے؟''

''میں اچانک آنے والی عورت ہوں' انہیں میرے ماضی کی فکر ہے' ان کا خیال ہے میں دھوکا دے رہی ہوں۔'' نائلہ نے اسی طرح کھڑے کھڑے درشتی سے کہا۔

''کمال ہو گیا' میں آپ کو اپنی بہن' اپنی بھابھی جان کر آپ پر ایمان لا چکا' یہ آپ کا دم دم کا ساتھی.....کتنے افسوس کی بات ہے۔'' اسد کو در حقیقت بہت دکھ ہوا تھا۔

''بھابھی! آپ میری بھابھی نہیں میری حقیقی بہن کی طرح ہیں' آپ کو میری قسم' مجھے ایک ایک بات بتا دیجئے' احسن اس وقت موجود نہیں یہاں' آپ مجھے ان کی جگہ سمجھئے۔'' وہ نائلہ کے بھائیوں سے نام کی حد تک واقف تھے۔

نائلہ اتنا سنتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اسد اس کے نزدیک آ بیٹھے۔ بابر اسی طرح پتھر کا بت بنے کھڑے رہے۔

نائلہ نے سسکیوں کے دوران سارا واقعہ گوش گزار کر دیا۔ حتیٰ کہ رازی کے بالکنی میں کھڑے ہونے سے لے کر آج تک کے واقعات سنا دیئے۔

''آپ کا خیال ہے وہ آپ کی بہن سے شادی کر لے گا۔'' اسد کا ذہن دوسری سمت پلٹ گیا۔

''ہاں' اس لئے کہ وہ ایک باضمیر شخص ہے۔ وہ میرا نقصان ہرصورت پورے کرے گا۔ اگر میں اپنے باپ کے خلاف اٹھ کھڑی ہوتی تو آج واقعات دوسرے ہوتے' مگر میری اس سے کبھی کوئی کٹ منٹ نہیں ہوا۔ آج میں صرف اسی ارادے سے ریسٹورنٹ لے کر گئی تھی کہ وہ نبیلہ آپا کو اپنا لے۔''

''ظاہر ہے' اس میں آپ کا کیا قصور اگر ایک لڑکی اچھی ہے تو وہ کسی کا بھی انتخاب بن سکتی ہے۔'' اسد نے اضافہ کیا۔

بابر بُت کی طرح ساکت تھے۔ نبیلہ سے شادی ہو۔ تو ہوتے نائلہ سے ہو جانا' انہیں شیخ صاحب کا وہ عجلت بھرا انداز آج بھی یاد تھا۔ انہوں نے کہا تھا۔ وہ فی الفور بابا جان سے ملنا چاہتے ہیں۔

بابر خود شیخ صاحب کو پنڈی لے کر گئے تھے۔

''اس میں تھوڑی غلطی آپ کی بھی ہے بھابھی' آپ کو یہ سارا قصہ بابر کو بتا دینا چاہئے تھا۔'' اسد نے کہا۔

''اس کا موقع تو آنے دیا جاتا۔'' نائلہ نے آنکھیں رگڑیں۔

''آپ یہیں بیٹھئے بھابھی' بابر تم میرے ساتھ آؤ۔'' اسد اٹھ کھڑے ہوئے اور آگے بڑھ کر بابر کا بازو تھام لیا۔ بابر ایک معمول کی طرح ان کے ساتھ چلنے لگے۔

اسد سیدھے ڈرائنگ روم میں آئے۔ ''بیٹھو یہاں۔''

''اتنے پڑھے لکھے آدمی ہو کر تم نے یہ کیا ڈیلنگ کی؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اپنی بیوی کے لئے میرا خیال ہے ہر شخص اسی طرح کانشس ہوتا ہے۔ کچھ عجیب سی باتیں ویسے کے روز ہی ہوگئی تھیں' مگر میں نے کوئی خاص نوٹس نہیں لیا تھا' پھر ایک روز ان کی بہن کی گفتگو سنی۔ ان کے والد کے گھر میں' وہ انہیں رازی کو ڈانٹنے کا مشورہ دے رہی تھیں۔

اسد یار! کوئی واقعہ ایک دم نہیں ہوا کرتا۔

انہوں نے رات مجھے بتایا کہ کوئی صحافی ان کا انٹرویو کرے گا۔ صبح میں باہر آیا تو یہی موصوف گاڑی لئے موجود تھے۔ میری جگہ کوئی بھی ہوتا' اس کے ذہن میں الجھن پیدا ہوتی۔ فرینڈ شپ اور ہوتی ہے' لائف پارٹنر کی بات اور ہوتی ہے۔" بابر اتنا کہہ کر چپ ہوگئے۔

"بعض لوگ بہت کانفیڈنشل ہوتے ہیں' بڑا اعتماد ہوتا ہے ان کا اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں اپنا ہی اعتبار نہیں ہوتا' تم انہی میں سے ہو۔

"بابر ڈرانے والی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ سارا ڈر اندرونی کمزوریوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ بھابھی کیونکہ تمہاری ہر کمزوری سے واقف ہیں' اس لئے تم ہمیشہ ہی ان کا غیر ضروری نوٹس لیتے ہو۔ ان کی حرکات پر شک کرتے ہو۔ تم پڑھے لکھے باشعور انسان ہو تمہیں اپنے فالٹس خود چیک کرنا چاہئیں۔ تم کسی اچھے سائیکاٹرسٹ سے ملو۔ تمہاری زندگی کے سارے شک اور وہم ختم ہوجائیں گے۔

تم بھابھی سے اس موضوع پر کوئی بات نہ کرنا۔ یہ بات مجھے خاصے عرصے سے معلوم ہے۔ اسی طرح اچانک پتا چلی تھی' جس طرح آج یہ سب میرے سامنے اچانک ہوگیا۔ وہ کچن میں رو رہی تھیں۔ میرے شدید اصرار پر بول پڑی تھیں۔ مگر میں نے ظاہر اس لئے نہیں کیا تھا مبادا انہیں کوئی عظیم نقصان پہنچ جائے مگر آج ان حالات میں یہ سب تذکرے بہت ضروری ہوگئے ہیں کیونکہ آج اگر یہ بڑا نقصان ہوگیا تو کسی مصلحت کی اہمیت نہیں رہے گی کہ مصلحت نقصان سے بچنے کے لئے ہوتی ہے' نقصان پہنچانے کے لئے نہیں۔

اگر ہمیں وارثت میں بہت کچھ غلط ملا ہوتا ہے تو ٹھیک کرنے کی صلاحیت بھی تو انسان کو قدرت عطا کرتی ہے۔"

اسد نے بابر کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نہایت خلوص سے کہا۔ "میں تمہیں خود لے کر چلوں گا۔ جب تم اپنے فالٹس پر قابو پالو گے تو تم پر انکشاف ہوگا۔ زندگی کس قدر خوبصورت ہے اور یہ کہ تمہیں خدا نے کتنی اچھی بیوی دی ہے۔

جو لوگ ہمارے لئے سخت ضروری ہوئے ہیں' ان سے چیخ و پکار نہیں کی جاتی۔ مل بیٹھ کر آپس کے مسائل حل کئے جاتے ہیں تاکہ ماحول قابل قبول اور زندگی آسان ہو۔ اسد نے بابر کی پشت پر اپنا ہاتھ رکھا' جاؤ بھابھی کو مناؤ اور انہیں آئندہ کی خوشخبری سناؤ۔"

بابر چند لمحے سوچتے رہے۔ "شاید وہ نہ مانے۔" وہ گویا ہوئے۔

"ایسا نہیں ہے۔ تم ایک بار مناؤ' ان کی ساری تھکن اتر جائے گی۔ بلکہ ان کے ساتھ مل کر سرفراز کو کنونس کرو..... پلیز۔"

بابر اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ جیسے اسد سے نگاہیں نہیں ملا پا رہے تھے۔

"اچھا اب تم آرام کرو۔ میں بھی بہت تھک چکا ہوں۔" اسد نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"ہم آئندہ کبھی یہ واقعات نہیں دہرائیں گے۔ گھر بڑی محنت سے مستحکم ہوتے ہیں بابر۔ پھوپھو اور تم کن امتحانات

سے گزر کر آج یہاں موجود ہو۔ کیوں نئے امتحانات شروع کر رہے ہو اپنے لئے۔ یقین کرو نائلہ بھابھی کے ساتھ زندگی گزارتے دیکھ کر پھوپھو جیسے نئے سرے سے زندہ ہوئی ہیں۔ نائلہ بھابھی اپنی عزت نفس کے لئے بڑی حساس اور باوقار ہیں۔ ایسی لڑکیاں بے حد مضبوط کردار ہوتی ہیں۔ ان کا مان رکھو۔ ان کے ملال مٹاؤ۔ ان پر بھروسا کرو۔ شک و وہم تو محض ایک جہنم ہے' اس کے علاوہ کوئی اور معنی نہیں ہیں اس کے۔ اور ہاں تم کل ہی کسی سائیکاٹرسٹ سے مل رہے ہو۔ سائیکاٹرسٹ پاگلوں کے معالج نہیں ہوتے۔ بلکہ زندگی میں توازن قائم کرنے کے لئے ستون کا کام دیتے ہیں۔ لائق اور باہر آمد انسانوں کو سپورٹ کرتے ہیں۔ جیسے پھل دار پودوں کے اردگرد کے جھاڑ جھنکار صاف کئے جاتے ہیں۔" اسد باہر نکل گئے۔" بابر سوچتی ہوئی نظروں سے کوئی تجزیہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

شاید وہ سوچ رہے تھے کہ نائلہ نے ان کے بارے میں اسد کو کس طریقے سے بتایا ہوگا؟ اور یہ کہ اسد کب سے اس بات سے واقف ہیں اور یہ کہ انہیں احساس کیوں نہیں ہوسکا ان کی وقتی مسرت کسی کی مستقل ذہنی اذیت ہے۔ اور مزید یہ کہ مجھے اپنی اس کیفیت پر کنٹرول کیوں نہیں؟ کنٹرول کے تصور ہی سے ان کے ذہن میں الاؤ دہک اٹھتے تھے۔

جی چاہتا تھا ہر شے تہس نہس کر دیں۔ یہی وجہ تھی شادی سے پہلے ان میں ہر وقت غصے کی لہریں جوش مارتی تھیں۔ آفس میں ہر شخص کی جان سولی پر ٹنگی رہتی تھی۔ یہی وہ سب سے اہم وجہ تھی کہ بابا جان نے ان کا انتظام خود سے اسلے پر کر دیا تھا اور یہی وجہ نائلہ کے گھرانے کو پسند کرنے کا سبب بنی تھی۔

وہ آہستگی سے چلتے ہوئے اپنے بیڈروم میں آئے۔

نائلہ دیوار سے ٹیک لگائے مسلسل دوپٹے سے آنکھیں رگڑ رہی تھی۔ اسے خود احساس ہو رہا تھا کہ وہ جب سے شکیلہ کے ہاں سے واپس آئی ہے اس کی قوت برداشت بہت کمزور ہوگئی ہے۔ اس نے بابر کی آمد کو محسوس کر لیا تھا۔ مگر انجان بنی کھڑی رہی۔

بابر اس کے قریب آ کھڑے ہوئے۔ اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر بیڈ کی طرف بڑھے۔

"بہت غلط سوچ ہے تمہاری کہ تمہاری کوئی اہمیت نہیں ہے۔ تم تو بڑی فیاض' بڑی دیال ہو۔ میری لمحاتی خوشیوں کے لئے اپنے لہو سے دیئے جلانے والی۔ بہت قرض ہے مجھ پر تمہارا۔" انہوں نے انگلیوں کی پوروں سے اس کے اشک صاف کئے۔

"کڑی دھوپ میں گھنی چھاؤں ہو' ساری زندگی آسودگی کے لئے بھٹکا تھا۔ سر سے پاؤں تک نہال کیا ہے مجھے۔" انہوں نے اسے بیڈ کے کنارے ٹکا دیا۔ وہ بس خاموش رہی۔ سُوں سُوں کرتی رہی۔

بال کیونکہ سوکھے نہیں تھے ٹھیک سے' اس لئے اس نے ڈھیلی ڈھالی دو چوٹیاں بنا رکھی تھیں۔ واپسی کی وجہ سے۔

"بابا ایک ناگن کافی نہیں تھی یہ دو دو۔" وہ خوش دلی سے مسکرائے۔ اٹھ کر ٹیوب بند کی اور نائٹ بلب جلا دیا۔

"بیگم خفیہ سرگرمیاں انسان کو مشکوک بنا دیتی ہیں۔ آئندہ کوئی بات نہ چھپانا۔ یہ دوری کی علامت ہوتی ہے۔ لائیے دکھائیے وہ میری دشمنوں کا نشان' میں انہیں پھول بنا دوں۔"

نائلہ نے غایت درجہ استعجاب سے ان کی سمت دیکھا تھا۔

"باجی کب سے یہاں بیٹھی ہیں۔ بالکل اکیلی۔ یہ تسبیح ہر وقت آپ کے قریب رہتی ہے۔ اللہ آپ سے راضی ہے' فکر نہیں کریں۔ آیئے باہر لان میں بیٹھتے ہیں۔ بہار کے خوبصورت موسم کا نظارہ کریں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نور بانو نے تسبیح چوم کر ایک طرف رکھ دی۔ اور شکیلہ کے ساتھ ساتھ چلتی لان میں آ گئیں۔ ''منزہ جگنو کا چیک اپ کرنے گئی تھی' ابھی تک نہیں آئی۔'' انہوں نے شکیلہ سے دریافت کیا۔

''آ جائے گی رش ہوگا۔ بلال کے ساتھ ہے فکر نہیں کریں۔'' شکیلہ لان چیئر پر ان کے مقابل بیٹھ گئی۔

''شہوار تو ساڑھے چھ بجے تک ہی آئیں گی۔''

''جی۔ نبیلہ کو فلم لگا کر دے آئی ہوں۔'' شکیلہ نے جلدی سے موضوع بدلا' مبادا نور بانو شہوار کی سروس کے موضوع پر گفتگو شروع کر دیں۔

''شاید۔ وہ اس ماہ کے آخر تک قطر چلی جائے۔ پھوپھو کا فون آیا تھا کہ انتظامات تقریباً مکمل ہو چکے ہیں۔''

''تمہاری پھوپھی بہت اچھی ہیں شکیلہ۔ بہت محبت کرتی ہیں تم لوگوں سے۔''

''جی' اس میں تو کوئی شک نہیں۔ ہماری ایک سگی بہن انہوں نے گود لی تھی۔ شہزادیوں کی طرح پالا ہے اسے۔ ان کے ہاں بس بیٹے ہی ہوئے۔ ایک بچہ ان کا قدرے ابنارمل ہے۔ پھر بھی پھوپھو اپنا دُکھ کسی کو محسوس نہیں ہونے دیتیں۔ فیضان کو تو آپ نے دیکھا ہی ہے۔ اس سے بڑا فیصل ہے اور فیضان سے چھوٹا فہد ہے جو ابنارمل ہے۔''

''ہاں' بس کوئی نہ کوئی دُکھ لگا ہے ہر ایک جان کو۔ بہرحال ثمینہ کی عادت بہت عمدہ ہے۔ اتنے اچھے لوگ کم ہی ہوا کرتے ہیں۔'' نور بانو کو درحقیقت ثمینہ کے بے ساختگی اور سادہ انداز گفتگو بہت بھایا تھا۔

''آپ بھی تو بہت اچھی ہیں آپ جیسے لوگ بھی بہت کم ہوتے ہیں۔'' شکیلہ نے گہری نظروں سے ان کا جائزہ لیا۔

''ارے نہیں بھئی۔ کوئی خوبی نہیں ہے مجھ میں۔ انعام علی غالباً لندن گئے ہوئے ہیں۔ کب تک آنے کا کہہ گئے تھے؟'' نور بانو نے شکیلہ کو اپنی ذات سے ہٹانے کی کوشش کی۔

''لندن سے تو انشاء اللہ کسی روز بھی واپس آ جائیں گے۔ آپ کے دل میں کس طرح واپس آئیں گے۔ پہلے یہ بتایئے۔'' شکیلہ نے بیتر ابدلا۔

''میں سیدھی سادھی عورت ہوں۔ میرے دل میں تو وہ اس دن سے ہیں جس دن میرا ان سے نکاح ہوا تھا۔'' وہ سادگی سے نظریں جھکا کر بولیں۔

''آپ ان کے دل میں کیوں نہیں؟ کیا شکایت ہے انہیں آپ سے؟ جبکہ آپ تو نہایت بے ضرر سی ہیں۔'' شکیلہ کے ذہن میں عرصہ سے پلتا ہوا سوال زبان پر آ گیا۔

''آہ میرا نصیب۔'' نور بانو سے سرد آہ بھری۔

''کچھ تو ہوا ہوگا۔ ورنہ جتنی اچھی آپ ہیں میں نے اتنی اچھی عورت اپنے آس پاس نہیں دیکھی۔''

شکیلہ کے انداز میں بڑی مضبوطی تھی۔

''کوئی فائدہ نہیں ان باتوں سے۔ بس اب تو گزر رہی گئی ہے۔'' ان کی آواز بھرا گئی۔

''آپ بھی اپنی جگہ ٹھیک ہیں باجی۔ میرا اور آپ کا رشتہ ہی ایسا ہے کہ آپ مجھ پر اعتبار نہیں کر سکتیں۔'' شکیلہ نے قدرے افسردگی سے کہا۔

''یوں میرا دل نہ دکھاؤ شکیلہ۔ تم تو اتنی بھلی مانس ہو کہ اپنی فتح مندی کا تمہیں احساس تک نہیں۔ تم انعام علی کے بالا سفید کی مالک ہو۔ اس کی منظور نظر ہو۔ اور اس کے باوجود میرے تلووں کے نیچے اپنی ہتھیلیاں رکھتی ہو۔ سوچتی ہو تمہاری جگہ کوئی اور عورت ہوتی تو میرے بچے اپنے باپ کو ترس جاتے۔ انہوں نے دوسری شادی تو کرنا ہی تھی۔''

''اوہ میرے خدا پھر وہی بات۔ یہی تو میں پوچھ رہی ہوں کیوں کرنا تھی؟ آپ ان پڑھ ہیں۔ بدصورت ہیں۔ پھوہڑ ۔ کیا عیب ہے آپ میں۔'' شکیلہ پھر نکتہ پکڑ لائی۔

''عیب وجود میں نہیں نصیب میں ہوا کرتے ہیں۔'' انہوں نے سرد آہ بھری۔

''تو پھر بتایئے' اس دُکھ کا آغاز کیا ہے؟ ورنہ میں سمجھوں گی آپ میری جھوٹی تعریف کرتی ہیں۔ درحقیقت آپ کو مجھ کوئی خدشہ ہے۔'' شکیلہ کے انداز میں ضد تھی۔ اس نے کرسی آگے کی۔

''یہ بات میں نے آج تک کسی سے نہیں کہی۔ بس میری جنت مکانی ساس تھیں۔ ویسے تو یہ بات میرا سارا ددھیال تا ہے مگر مجھ پر جو گزری اس سے صرف میری ساس باخبر تھیں۔ شکیلہ۔ تمہیں یہ سب جان کر محض دُکھ حاصل ہوگا اور کچھ ں۔'' نور بانو نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

''یہ اضافہ ہوگا۔ مجھے برداشت کرنے کی تعلیم بھی ہے اور عادت بھی۔'' شکیلہ کا تجسس اور بڑھ گیا۔

''مگر تم انعام علی پر یہ ظاہر نہیں کرو گی کہ میں نے ان کا ماضی تمہارے سامنے آشکار کر دیا ہے۔''

''حلف اٹھوا لیجئے۔'' شکیلہ کے صبر کا پیمانہ گویا لبریز ہو چکا تھا۔

''میں نے تو احتیاطاً کہہ دیا۔ ورنہ تمہیں جان تو چکی ہوں۔'' نور بانو اس کی پُرباتیت پر قدرے خفیف ہو گئیں۔

''بتا بھی چکئے باجی۔'' شکیلہ کے دل میں خوف و خدشات بیدار ہو رہے تھے مگر وہ کمال مہارت سے چھپا رہی تھی۔ آخر ام علی سے اس کی ذات وابستہ تھی۔

''میری ایک سہیلی تھی شکیلہ! بڑی طرح دار بڑی خوبصورت۔ انعام علی کو اس سے محبت نہیں بلکہ عشق ہو گیا تھا۔ نوشہرہ اؤنی میں اس کے بڑے بھائی رہا کرتے تھے۔ وہ بچپن ہی سے ان کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ والد اس کے پشاور کے ایک ے زمیندار تھے۔ اس کے ایک اور بھائی بھی تھے وہ بھی فوج میں تھے۔ ان دنوں سہالہ میں ہوا کرتے تھے مگر میں نے ان کو کبھی دیکھا نہیں تھا۔ البتہ میری سہیلی اکثر و بیشتر ان کا ذکر کیا کرتی تھی۔ ان کے لئے اولاد کی دعا کرتی تھی۔ وہ بھی شادی دہ تھے۔

ہماری دوستی سکول سے شروع ہوئی۔ میٹرک کرنے کے بعد ہمیں کالج جانے کی اجازت نہ ملی۔ البتہ یہ طے پایا کہ ہم ائیویٹ انٹر کر لیں۔ ہم سے مراد میری تین چار ہم عمر کزنز تھیں۔ میرے تین چچا' ایک تایا یعنی انعام علی کے والد اور برے والد ہم سب ایک ہی گھر میں رہا کرتے تھے۔

ہمارے دادا جان کو اس بات پر اعتراض تھا کہ کوئی اجنبی ٹیوٹر ہمیں پڑھائے۔ سخت پردہ تھا ہمارے ہاں۔ دادا جان کے حکم سے ہی انعام علی ہم سب کو پڑھانے لگے۔ ان دنوں یہ گھر میں سب سے زیادہ کوالیفائیڈ تھے۔ خاصے سنجیدہ اور لئے یئے رہنے والے۔ میری وہ سہیلی بھی ہمارے ساتھ پڑھا کرتی تھی۔ وہ کوئی غیر معمولی حسین تو نہیں تھی مگر ہم سبھی اور و بی ائی لڑکیوں میں وہ بہت خود اعتماد اور پروقار ہوا کرتی تھی۔

انعام علی کا دل آ گیا تھا اس پر۔'' نور بانو نے قدرے آہستہ آواز میں کہتے ہوئے شکیلہ کی سمت دیکھا۔ جس کا چہرہ نظری طور پر لمحے بھر کو متغیر ہو گیا تھا۔

(شوہر کا معاشقہ خواہ سابقہ ہی ہو عورت کے لئے بڑی اہم خبر ہوا کرتی ہے)

''انعام علی اس پر اظہار بھی کر بیٹھے تھے اور میری سہیلی نے مجھے اپنا ہمراز بنا لیا تھا۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی تھی۔ میں چشم تصور میں اسے اپنے گھر کے آنگن میں اپنے گھر کی بہو کی حیثیت سے دیکھنے لگے تھے۔ اور سوچتی تھی یہ ایک دم فٹ اور خود

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اعتماد سی لڑکی انعام علی کے ساتھ کتنی اچھی لگے گی۔

جب انعام علی کو پتا چلا کہ میں اس محبت کی واحد راز دار ہو چکی ہوں تو وہ کبھی کبھار مجھ سے اس کے متعلق باتیں کر لیا کرتے۔ میں موقع پا کر فون پر ان کی بات چیت کرا دیا کرتی۔ کبھی حیلے بہانے سے انہیں ڈرائنگ روم میں تنہا کر دیتی۔ دونوں اکثر میرا شکریہ ادا کرتے کیونکہ میں جانتی تھی انعام علی سنجیدہ اور ذمہ دار ہیں۔ وہ جسے چاہتے ہیں اسی کو گھر میں لائیں گے۔ اسی لئے میں ان کے لئے آسانیاں پیدا کر دیا کرتی تھی۔ اور پھر شکیلہ ہر عمر کے اپنے انداز ہوا کرتے ہیں۔"

"جی باجی..... اچھا پھر؟" تجسس عروج پر تھا۔

"پھر کیا۔ قدرت کی ستم ظریفی یہ ہوئی کہ میری سہیلی کے والدین جو پشاور میں تھے۔ انہوں نے اپنے طور پر ہی اس کا رشتہ اپنے خاندان میں طے کر دیا۔ یہاں تک کہ تاریخ دے کر اسے بلوایا۔

انعام علی تو جیسے اپنا آپ بھلا بیٹھے۔ وہ مجھ سے کہا کرتے' میں کچھ کروں۔ میں بند ماحول کی لڑکی اس وقت کیا کر سکتی تھی۔ مگر انعام علی بضد ہوئے کہ میں ان کی بھابھی سے کہہ کر شادی رکواؤں اور یہ بھی کہہ دوں کہ انعام علی اپنے والدین بھیج رہے ہیں۔

سچی بات یہ میری اتنی ہمت نہیں تھی۔ میں خاموش ہو رہی۔ مجھے احساس تھا کہ وہ لوگ نسلاً پٹھان ہیں بات کے پکے قول کے سچے۔ وہ اپنی لڑکی کو جان سے تو مار سکتے ہیں۔ بات سے نہیں پھر سکتے۔ پھر میرا اس کی بھابھی سے بات کرنا اس کی بدنامی کا باعث ہی ہوتا اس کے علاوہ تو کچھ حاصل ہوتا نظر نہ آتا تھا۔ مگر انعام علی نے کسی طرح تائی جان کو آمادہ کر ہی لیا۔ تایا جان کو پوری بات نہ بتائی گئی۔ وہ لوگ گئے مگر بے سود۔ دونوں پارٹیاں معاملے کی گہرائی سے نا آشنا تھیں۔ تائی جان تو سرے سے وہاں جانے پر راضی ہی نہیں تھے۔ وہ کہتے تھے کہ گھر میں بہت لڑکیاں ہیں' ہمیں اپنوں کے بوجھ ہلکا کرنا چاہئیں۔ مگر انعام علی کیونکہ اپنے والدین کی واحد اولاد تھے اس لئے وہ مجبوراً وہاں گئے تھے۔

تایا جان نے اس انکار کو اپنی ہتک محسوس کیا۔ وہ انعام علی پر بھی ناراض ہوئے تھے مگر انعام علی کو تو جیسے چپ لگ گئی تھی۔ کسی سے سیدھے منہ بات نہ کرتے تھے۔ تب تایا جان نے ان کی توجہ ماحول سے ہٹانے کے لئے باہر بھجوا دیا۔"

"مگر باجی..... اس میں آپ کا کیا قصور؟" شکیلہ نے حیرانی سے ان کی بات کاٹ دی۔

"آگے بھی تو سنو۔" نوربانو جیسے کسی ٹیس کو دبا کر مسکرائیں۔

"انعام علی دو سال باہر گزار کر آئے مگر ان میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔

میری سہیلی کے ساتھ ان دو سالوں میں یہ حادثہ ہوا کہ وہ بیوہ ہو کر واپس آ گئی۔ ایک بیٹا گود میں تھا۔ بیٹی عدت کے دوران یا شاید دو ماہ بعد ہوئی۔

انعام علی کو جیسے ہی خبر پہنچی' وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور والدین سے مصر ہوئے کہ وہ دوبارہ جائیں مگر اس مرتبہ گھر کے سارے بڑے خصوصاً ان کی والدہ کسی قیمت پر رضامند نہ ہوئیں۔ وہ دو بچوں کی ماں سے اپنا کنوارا بیٹا بیاہنے کے لئے ایک سے لاکھ تک راضی نہیں تھیں۔ انعام علی نے اپنی تمام تر صلاحیت انہیں قائل کرنے کے لئے استعمال کی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئیں۔

پھر خدا معلوم انعام علی نے کس طرح میری سہیلی کے بھائی کو اپنا ہم خیال بنایا اور اپنے طور پر ان سے بات کی۔ ہم وائے نصیب۔ اس مرتبہ پھر انعام علی ہارے۔

ہوا یوں کہ ان کا نکاح طے پا گیا تھا۔ اس مرتبہ میری سہیلی کی بھابھی نے بھرپور کردار ادا کیا تھا۔ پھر یہ کہ انعام علی کچھ

طور پر مستحکم پوزیشن میں تھے۔ ان کو اب وراثت چھن جانے کا بھی خوف نہیں تھا۔ خاندانی پس منظر سے تو اس رشتے کے لوگ واقف ہی تھے۔

شکیلہ! اگر میاں شروع ہوئیں تھیں ان دنوں۔ مگر رات ابھی سرد ہی ہوا کرتی تھی۔ پھر بھی ہم سب گھر والوں نے کھلی چھت سونا شروع کر دیا تھا۔ جبکہ میری والدہ' انعام علی کی والدہ اور ہماری دادی جان اپنے اپنے کمروں میں ہی سویا کرتی تھیں

ایک رات مجھے ٹھنڈ محسوس ہوئی تو میں نیچے چلی آئی۔

یہ دیکھ کر مجھے بڑی حیرانی ہوئی کہ انعام علی رات کے اس پہر راہداری کا تالا کھول رہے ہیں۔ اور ایک چھوٹا سا سوٹ کیس ان کے قریب رکھا تھا۔ تائی جان اپنے کمرے میں اکیلی ہوا کرتی تھیں۔ میں یا میری کوئی اور کزن جب چھت سے نیچے آ کر سونا چاہتی تو ان کے کمرے میں ہی گھس جاتی تھی۔ اور قالین پر کشن ڈال کر اپنی نیند پوری کر لیا کرتی تھی۔ ان کا کمرا سب سے نزدیک تھا۔ میں حیران و پریشان تائی جان کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ نیم دراز تھیں اور تسبیح پڑھ رہی تھیں۔

میں نے ان سے پوچھا کہ انعام علی اتنی رات کو کہاں جا رہے ہیں؟

مجھے کیا معلوم تھا کہ ان ماں بیٹے کے درمیان کیا بات ہوئی۔ نوبت کہاں تک پہنچی؟ تائی جان تو جیسے دیوانہ وار باہر گئیں۔ انہوں نے نہ میری طرف دیکھا اور نہ ایک لفظ منہ سے نکالا۔ ایک ایک لمحہ ضائع کئے بغیر وہ باہر لپکی تھیں۔

میں خوفزدہ اور الجھی ہوئی وہیں کھڑی تھیں۔ دو تین منٹ بعد کیا دیکھتی ہوں' وہ انعام علی کا بازو تھامے اندر آ رہی ہیں۔

"پہلے میرے ماں ہونے کا انکار کرو پھر یہ گھر چھوڑنا۔ غضب خدا کا ایک غیر عورت کی اتنی اہمیت کہ ماں باپ پیروں میں آ گئے۔ اتنے سنگدل ہو تم۔ لو بھلا۔ نور نہ دیکھتی تو میں تو آج لٹ گئی تھی۔ لگ گئی تھی ٹھکانے میری عمر بھر کی کمائی۔" وہ انعام علی سے ملتے ہوئے گلوگیر لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

بس اس دن سے میری شامت کا آغاز سمجھو۔

چھری میری ہی گردن پر چلی۔ اگلے دن عصر مغرب کے درمیان میرا اور انعام علی کا نکاح ہو گیا۔

میں تو خیر کچھ کہہ ہی نہیں سکتی تھی۔ اگر وہ مجھے اجازت بھی دیتے تب بھی۔ اتنی جرأتیں' اتنی ہمتیں کہاں تھیں ہم میں۔ ہمارے والدین جوان بچوں کو ماں باپ ہونے کے باوجود ہمارے دادا دادی کے سامنے اپنی بات نہیں رکھ سکتے۔ پھر ہماری کیا حیثیت تھی۔

انعام علی نے پہلی بات مجھ سے یہ کہی۔

"اگر تم اس رات اپنی چالاکی نہ دکھاتیں تو ہر طرح کی خوشی آج میرا مقدر ہوتی۔ اور یہ کہ تم سمجھ گئی تھیں کہ میں اس رات کس ارادے سے باہر جا رہا تھا اور یہ کہ میں اگر چاہتی تو خاموش رہ کر ان کی خوشی کا راستہ کھول سکتی تھی۔"

شکیلہ۔ میرے ذہن کی اتنی اڑان کہاں تھی جو از خود سوچ لیتی کہ وہ نکاح کی غرض سے گھر چھوڑ رہے ہیں۔ اگر وہ مجھے اعتماد دے کر جاتے تو شاید میں اس رات انہیں خود دروازہ پار کرا دیتی۔

یہ میری وہ خطا ہے جس کی مجھے کبھی معافی نہیں مل سکتی۔ کہتے ہیں کہ میں نے پیاس کے وقت ان کے مشکیزے میں سوراخ کیا تھا۔

نکاح کے بعد یہ کراچی چلے آئے۔ پانچ سال نوشہرہ کا رخ نہیں کیا۔ میری ساس خود کراچی گئیں۔ انہیں اپنے ساتھ لے گئیں۔ جانے ان سے کیا کہا۔ پھر یہ کچھ میرے ہو گئے۔ مگر یہ دن بھی ہوا کی طرح گزر گئے۔ میری ساس کے آنکھیں بند کرتے ہیں میری دنیا پھر اندھیر ہو گئی۔ پھر وہ جو کرم بھیک کی طرح ملتا تھا وہ رعایت بھی چلی گئی۔ یہ مجھ سے کہا کرتے تھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جس خوشی سے میں محروم ہوں وہ تمہیں بھی نہیں ملے گی۔ اور یہ کہ میں دوسری شادی ضرور کروں گا۔ وہ سمجھتے ہیں' میں نے جان بوجھ کر تائی جان کو سوتے سے جگا کر خبردار کیا تھا اور یہ کہ مجھے پتا تھا کہ تائی جان میری شادی ان سے کرنا چاہتی تھیں۔ یہ ہے میری افتاد۔"

وہ کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگیں۔

شکیلہ سر جھکائے پاؤں کے انگوٹھے سے گھاس مسل رہی تھی۔ انعام علی کی زندگی میں شامل ایک مسترد عورت نے جو "اہم" ہونے کا مان بخشا تھا۔ وہ ریت کی طرح بکھر رہا تھا۔ شب کے سناٹے میں جو اپنی اہمیت کا افتخار خوبصورت احساس بن کر وجود پر چھا جاتا تھا۔ وہ ریت کی طرح بکھر رہا تھا۔ جیسے کسی کو بے وقوف بنتے بنتے ایک دم احساس ہو جائے۔ "آپ کے دل میں میرا ٹھکانا کس کونے میں نکلے گا؟" وہ نقصان زدہ بیوپاری۔ اور ہارے ہوئے جواری کی طرح اپنا سر نہ اٹھا پا رہی تھی۔

"کیسی ناحق سزا ملی ہے آپ کو۔" شکیلہ نے اپنی سزا کا احساس کم کرنے کی خاطر جیسے ان کی نسبتاً زیادہ بڑی سزا کا ذکر کیا۔ جیسے کوئی اپنے نقصان کو کسی بڑے نقصان سے نسبت دے کر اپنا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کرے۔

"کہیں یہ انعام علی کی سزا تو نہیں کہ ان کی بیٹی کو یہ عظیم دُکھ ملا ہے۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"کچھ ہوتا ہے تو جواباً بھی کچھ ہوتا ہے۔ یہ دنیا اسباب و علل کی دنیا ہے۔ مکافاتِ عمل کا چکر ہے۔ اللہ بھی یہی کہتا ہے۔ انسان کو وہی ملتا ہے جو وہ کماتا ہے۔

افسوس میری معصوم بچی۔" نور بانو نے سرد آہ بھری۔ "مگر میری تلوار تو دو دھاری ہو گئی۔ جس پر میں چل رہی تھی مدتوں سے' تم انعام علی پر کبھی اشارتاً بھی ظاہر نہ کرنا کہ میں نے تمہیں کچھ بتایا ہے۔ اب یہ گنتی کی چند سانسیں آرام سے گزر جائیں۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا باجی۔ آپ اطمینان رکھیں۔ ان کا نام کیا ہے۔ باجی؟ یہ تو بتایا نہیں۔" اسی دم نبیلہ گھبرائی ہوئی ان کے قریب چلی آئی۔ بے حد متفکر سی۔

"باجی۔ امی کا فون آیا ہے ابھی ابھی۔ ابا جی پر فالج کا اٹیک ہوا ہے۔ وہ ابا جی کے پاس تھیں' اس لئے فوراً فون نہ کر سکیں۔ ابا جی کی حالت بہت خراب ہے۔" نبیلہ کی آواز رندھی ہوئی تھی۔

"ہیں۔" شکیلہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔ "کب؟ یہ نہیں بتایا۔ ہائے اللہ امی کس قدر پریشان ہوں گی۔" وہ تیزی سے اندر کی طرف بڑھی۔

"بھائی جان اسلام آباد جا چکے ہیں۔ شاید اسی لئے انہوں نے بھابھی جان کو یہاں چھوڑا تھا۔" نبیلہ نے اطلاع دی

"تو کیا شہوار بھابھی کو پتا تھا؟ نہیں..... وہ اتنی بڑی خبر نہیں چھپا سکتیں۔ بھائی جان نے انہیں بھی نہیں بتایا ہوگا۔"

شکیلہ کے حواس جواب دے رہے تھے۔

"خود کو سنبھالو شکیلہ۔ انشاء اللہ۔ وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ ارے نبیلہ۔ بیٹا روؤ نہیں۔" انہوں نے نبیلہ کو سینے سے لگایا۔ "اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو میں خود تم لوگوں کو اسلام آباد لے کر جاؤں گی۔ تسلی رکھو۔ بلال آ جائے۔ پھر کچھ کرتے ہیں۔ گھبراتے نہیں۔" نور بانو دونوں کو دلاسہ دے رہی تھیں۔

اسی دم شہوار گیٹ سے اندر آتی ہوئی دکھائی دی۔ وہ یہ منظر دیکھ کر از خود سمجھ گئی کہ اطلاع آ گئی ہے۔

"السلام علیکم۔" وہ قریب آ کر گویا ہوئی۔

"خیریت؟" آخر اس نے کچھ تو کہنا ہی تھا۔

"ابا جی پر فالج کا اٹیک ہو گیا ہے۔ شاید آپ کو پتا بھی ہے۔" شکیلہ نے اس کی شکل بغور دیکھی۔ شہوار اس کی گہری نظروں سے جیسے ایک دم ہار مان گئی۔

"ہاں۔ احمر کا فون آیا تھا۔ مگر انہوں نے سخت تاکید کی تھی کہ تم لوگوں کو فوراً نہ بتایا جائے۔ خصوصاً نبیلہ کو۔ کہ تم لوگ پریشان ہو جاؤ گی۔"

"کمال ہے آپ اتنی بڑی خبر چھپائے رہیں" شکیلہ نے جیسے ناراضگی کا اظہار کیا۔

"جس کے گھر میں پناہ گزین ہوں۔ اب اس کی بات نہ مانوں' تم کب تک رکھ سکتی ہو مجھے اپنے گھر' یاد رکھو۔ شکایت آزاد سے ہوا کرتی ہے غلام سے نہیں۔ غلام کو صرف سزا سنائی جاتی ہے۔ تم بھی سنا دو۔" وہ سرد لہجے میں کہتی آگے بڑھ گئی۔

شکیلہ' نبیلہ اور نور بانو اسلام آباد روانہ ہو چکی تھیں۔ جبکہ شہوار' منزہ اور بلال کے ہمراہ گھر پر ہی تھی۔ شکیلہ نے تو شہوار سے چلنے کے لئے کہا تھا مگر اس کی نوکری کا مسئلہ تھا۔ وہ چاہنے کے باوجود انکار کر بیٹھی تھی۔

شکیلہ' نبیلہ کے نزدیک یہ بھی بحران کا حصہ تھا۔ وہ اس کی بے حسی پر مقدور بھر اپنے قیمتی خیالات کا اظہار نہ کر سکیں اور نہ اصرار کر سکیں۔ وہ تینوں اطلاع ملنے کے اگلے روز صبح کی فلائٹ سے اسلام آباد چلی گئی تھیں اور وہ فیکٹری آ گئی تھی۔

آج کل وہ ایک حتمی نتیجے پر پہنچنے اور عمل کرنے کی کوشش میں مصروف تھی۔ لے دے کر اُسے اپنے سر پر ہی اعتماد کرنا پڑ رہا تھا۔ وہ پہلی فرصت میں اور احسن کے واپس آنے سے پہلے پہلے اسد سے ملنا چاہ رہی تھی۔

پتہ چلا وہ اسلام آباد گئے ہوئے ہیں۔ وہ تو مہینے میں نہ جانے کتنی مرتبہ اسلام آباد آتے جاتے تھے۔ کوئی نئی اطلاع نہیں تھی مگر اس پر عجیب طرح کی بددلی کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ کہ اچانک پتہ چلا کہ مالک آ گئے ہیں۔ وہ اپنی بے چینی چھپانے کی کوشش کرتی ہوئی' ان کے دفتر چلی آئی۔ حالانکہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے جیکٹوں کے ادھورے پیس اس کی عجلت کا پول کھول رہے تھے۔

"السلام علیکم سر۔"

"اوہ۔ آیئے۔ کیا حال چال ہیں۔ مزید چھٹیوں کا ارادہ تو نہیں؟" وہ خوش مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے گویا ہوئے تھے

"آپ مجھے کب تک شرمندہ کرتے رہیں گے سر؟" وہ جھینپ گئی۔

"اچھا۔ آپ کو اس بات سے شرمندگی ہوتی ہے چلئے آئندہ احتیاط کریں گے..... وعدہ....."

تشریف رکھئے۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"کہئے کس سلسلے میں زحمت کی.....؟"

"سر..... بات یہ ہے کہ آپ کی بہت مستحکم پوزیشن ہے اور آپ کی اپروچ بھی خاصی ہے۔"

"الٰہی خیر....." اسد میز پر کہنیاں ٹکا کر آگے کی طرف جھک آئے۔

"سر..... آپ مجھے ایک کمرے کا ٹھکانہ دلوا دیں۔"

"وہ گھر بدل کر آپ ایک کمرے میں محدود ہونا چاہتی ہیں؟ وہ گھر تو بہت اچھا ہے۔" اسد نے اس کی بات کاٹ دی

"سر پلیز' آپ۔ آگے بھی تو سنئے۔ مجھے ایک کمرہ صرف اپنے لئے چاہئے۔"

"کیا احسن صاحب نے آخری فیصلہ کر دیا؟" اسد کو جیسے تاسف سا ہوا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہ قیامت تک نہیں کریں گے۔ اگر ایک اور شادی بھی کرلیں گے تو تب بھی نہیں۔ وہ ایک منفعم مزاج شخص ہیں۔ وہ چاہیں گے میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ان کے سامنے دم توڑ دوں۔ میں آپ کو حرف حرف حقیقت بتا چکی ہوں۔ بخدا میں نے ایک لفظ بھی آپ سے نہیں چھپایا۔ شاید اس میں میرا لالچ شامل ہے کہ اگر میں آپ کو پوری صورت حال نہیں بتاؤں گی تو مجھے معاشرے سے آپ جیسا خالص سپورٹر کیسے مل سکے گا.....؟"

"اچھا....." اسد نے گہری سانس لے کر اپنا سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔

"ایسے گھر میں کمرہ دلا دیجئے جہاں مالک مکان خود بھی رہائش رکھتے ہوں۔ گھر الگ نہیں چاہئے۔ ایک کمرہ بس علیحدہ ہوتا کہ بچوں وغیرہ کے شور سے ڈسٹربنس نہ ہو۔ مالک مکان اچھے ہوں۔ کرایہ بھی مناسب ہو۔" اسد کے قہقہے نے اسے بات ادھوری چھوڑنے پر مجبور کردیا۔ وہ ہونق سی ہو کر ان کی شکل دیکھنے لگی۔

"کیوں بے وقوف بنا رہے ہیں آپ ایک دوسرے کو۔" وہ مسکرائے۔

"معاف کیجئے گا سر..... اگر آپ ہیلپ کرنے کے موڈ میں نہیں تو دوسری بات ہے مگر اس طرح میرا مذاق تو نہ اڑائیے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کوئی نیا جھگڑا.....؟"

"اب کسی نئی چیز کی گنجائش نہیں۔ حد تو یہ ہوگئی کہ وہ آپ کو بھی الزام دینے لگے۔ اس معاشرے کی صورت حال ہوگئی ہے کہ نیکی اور اچھائی کی موجودگی کا یقین نہیں آتا لوگوں کو۔ نیکی اور اچھائی کے عمل پر چونک پڑتے ہیں۔ راست باز کو شک سے دیکھتے ہیں۔ حد ہوگئی ہے۔"

"کیا کہتے ہیں وہ میرے بارے میں؟" اسد نے اسی مسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔

"کچھ نہیں سر....." وہ سر جھکا کر باہر نکلنے لگی۔

"مس دُرشہوار....."

"یس سر....." وہ رک گئی۔

"تنخواہ مل گئی آپ کو.....؟"

"جی سر.....!"

"مسٹر احسن کے پانچ سو روپے لوٹا دیئے آپ نے.....؟"

"پلیز سر....." اسے رونا آگیا۔

"اچھا چلئے..... دل برا نہ کیجئے میں آج ہی آپ کو گھر دکھانے لے چلوں گا۔ خوش.....؟"

"بہت بہت شکریہ سر....." اسے جیسے کوئی عظیم خوشی ملی۔ جلدی سے باہر نکل گئی۔

ایک نیا مرحلہ طے کرنے کی خوشی میں ڈھنگ سے باقی ماندہ کام بھی نہ ہو پایا۔

"یہ..... آپ کی حتمی شکست ہوگی مسٹر احسن....." اس کے وجود میں نیا جوش ٹھاٹھیں مارنے لگا۔

ساڑھے چھ بجے سے وہ اسد کا انتظار کر رہی تھی۔ سات بجے وہ اپنے آفس سے نکلے۔

"دیر تو نہیں ہوگئی.....؟" وہ اپنی گاڑی کی سمت بڑھتے ہوئے پوچھنے لگے۔

"خاصی....." مگر خیر آج کل تو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ (شاید منزہ و بلال تھوڑا سا پریشان ہوں)

اسد نے دروازہ کھولا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ وہ برابر کی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"کمرے کے علاوہ ایک عدد کچن کا انتظام بھی تو ہونا چاہئے۔ بڑی ضروری چیز ہے۔" اسد نے گاڑی وسیع و شفاف سڑک پر ڈال دی۔

"اکیلی لڑکی کے لئے کوئی مسئلہ نہیں سر..... کچن کی "سرگرمیاں" تو زیادہ مردوں کی مرہون منت ہوا کرتی ہیں۔ یا پھر شاید بچوں کی وجہ سے کچن آباد ہوتے ہیں۔"

"دلچسپ خبر ہے۔" اسد مسکرا دیئے۔

"خواتین ہوا کی طرف منہ کھول کر کھڑی رہتی ہیں غالباً۔"

شہوار دھیرے سے مسکرا کر سامنے دیکھنے لگی۔ خاصا اندھیرا چھا چکا تھا۔ برقی قمقمے جل اٹھے تھے۔ وہ کافی دیر خاموش بیٹھی رہی پھر ایک دم چونک پڑی۔

"سر! یہ تو ہماری طرف کا حصہ دکھائی دے رہا ہے۔"

"اچھا تو..... آپ کی کوئی چیز "ہماری" بھی ہے۔"

"سر..... میرا مطلب ہے گھر یہاں سے دور ہونا چاہئے۔"

"بہتر..... فرمائش نوٹ کرلی گئی۔ انہوں نے ایک موڑ کاٹا پھر تیزی سے آگے کی جانب گاڑی بڑھائی اور ایک جھٹکے سے گاڑی رُک گئی۔

وہ اسے نسبتاً انجان اور نئے راستے سے لائے تھے۔

"چلئے..... شاباش۔ اتر جایئے۔ مالک مکان بھی اچھا ہے اور کمرے بھی آرام دہ ہیں۔"

"سر! مجھے کم از کم آپ سے یہ امید نہیں تھی۔" اسے جیسے اپنا مذاق بنائے جانے پر سخت صدمہ ہوا تھا۔

"آپ اس سوسائٹی کے بہت معزز لوگوں سے وابستہ ہیں۔ اگر آپ کو اگلے کنوئیں نظر نہیں آرہے تو کوئی بات نہیں مجھے نظر آرہے ہیں۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔

"وہ گھر پر نہیں ہیں..... چابی انہی کے پاس ہے۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"مگر مجھے تو کوئی تالا نظر نہیں آرہا۔" اسد نے زور زور سے ہارن بجایا۔ "اور لائٹ بھی جل رہی ہے۔" تب شہوار نے چونک کر دیکھا۔ واقعی گیٹ باہر سے لاک نہیں تھا اور راہداری سے روشنی آرہی تھی۔

احسن چند منٹ قبل فرم آفس سے واپس آیا تھا۔ صبح پانچ بجے گھر پہنچا تھا۔ دو گھنٹے سو کر اپنے گورنمنٹ آفس چلا گیا تھا۔ اس سرکاری ملازمت کے سبب ہی وہ بھاگم بھاگ واپس کراچی آیا تھا۔ کسی باقاعدہ درخواست کے بغیر ہو جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

محکمۂ سیمی گورنمنٹ سہی ملازمتیں اتنی آسانی سے اور اچھے محکموں میں یونہی تو نہیں مل جایا کرتیں۔ تنخواہ محدود سہی مراعات تو دلکش تھیں۔ شیخ صاحب کی حالت خطرے سے باہر تھی۔ دوسرے بابر مستقل ان کے پاس تھے۔

وہ صفیہ کو تسلی دے کر باقاعدہ چھٹیاں لے کر دوبارہ آجائے گا۔ کراچی واپس آگیا تھا۔ دوسرے اس کے ذہن میں یہ خیال جم گیا تھا..... کہ شیخ صاحب کا علاج یہاں کراچی میں ہونا چاہئے۔ وہ سوچ رہا تھا وہ مستقل انہیں یہیں لے آئے گا اور اگر باہر بھیجنا پڑا تو یہاں زیادہ آسانی سے بندوبست ہو جائے گا۔

اس نے جو شرٹ اتاری تھی ہارن سن کر دوبارہ پہن لی اور بٹن بند کرتا باہر چلا آیا۔

"شاید مسعود ہے۔" اس نے کھٹاک سے گیٹ کھولا مگر ایک دم چونک کر قدرے پیچھے ہٹا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''السلام علیکم جناب۔'' اسد کی گرمجوشی واضح تھی۔

''وعلیکم السلام۔'' احسن کا انداز نہایت سرد تھا۔ اس نے ایک نگاہ غلط انداز شہوار پر ڈالی تھی۔ اور راستہ چھوڑ دیا تھا۔

''مسٹر احسن تو قیامت تک مجھے اندر آنے کے لئے نہیں کہیں گے' مگر آپ تو کہیں گی.....؟''

''اوہ پلیز سر.....'' وہ احسن کی بداخلاقی پر خفت آمیز انداز میں ان سے مخاطب ہوئی اور انہیں لے کر ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ (میرا نصیب بگڑ چکا ہے سر۔ آپ کس خیال میں ہیں.....؟)

احسن بھی اسد کے انداز سے الجھا ہوا تھا۔ طوعاً کرہاً ان کے قریب آ بیٹھا۔

''اور سنایئے۔ کیسے مزاج ہیں آپ کے.....؟'' اسد مسکرائے۔

''ٹھیک ہوں۔'' اس کی الجھن اس کے اختصار سے واضح تھی۔

''جو ٹھیک ہوتے ہیں ان کا فرض بنتا ہے وہ دوسرے بگڑے ہوؤں کو بھی ٹھیک کر دیں۔ یہ خاصی ان میچور ہیں۔'' اسد نے شہوار کی طرف دیکھا۔ وہ بری طرح سٹپٹا کر رہ گئی۔

''مسٹر احسن..... جذبات خواہ ایک جیسے ہوں' خیالات کے اختلاف سے بہت فرق پڑتا ہے۔ آپ کو ان سے ڈیلنگ نہیں آئی یا آپ امتحان لے رہے ہیں ان کا.....؟''

''آپ مجھے اپنے اگلے پروگرام سے مطلع کیجئے۔'' احسن نے خشک انداز میں کہا۔

''یہی کہ انہیں مت ستایئے۔ یہ بس تعلیمی حد تک ذہین ہیں۔ پی آر کا نشس بالکل نہیں ہیں۔ یقین کیجئے جو آپ چاہ رہے ہیں' یہ قیامت تک نہ سمجھ پائیں گی۔

وہ ''سوئچ'' ہی نہیں ہے ان میں۔'' وہ دھیرے سے ہنس دیا۔ شہوار کو یوں لگا جیسے وہ سیدھے سیدھے اسے ''احمق اعظم'' کہہ رہے ہوں۔ اسے بے حد سبکی محسوس ہوئی تھی۔

''یہاں تک کہ میں یا اپنی تھرڈ پرسن (any third person) انہیں احساس دلائے کہ آپ ان سے کیا چاہتے ہیں؟'' اسد مزید گویا ہوئے۔

(لو مجھے نہیں پتا' یہ کیا چاہتے ہیں؟ یہی کہ میں ان کے ساتھ مل کر خاندان کی دھجیاں بکھیروں)

''مسٹر احسن..... یہ بھی دیکھئے کہ اپنے والدین کو وفا خون کا یقین دلانا بھی معزز نسب کی ''مجبوری'' ہے۔''

احسن دل ہی دل میں حیران ہو رہا تھا کہ شہوار اس درجہ انہیں راز دار بنا چکی ہے۔

''بڑے پروجیکٹ سے سو فیصد متوقع ہو تو چھوٹے چھوٹے زائد اخراجات برداشت کر لیتا چاہیں۔ اور آپ تو ماسٹر آف بزنس ایڈمنسٹریشن ہیں مسٹر احسن۔''

(یہ بھی بتا چکی ہیں محترمہ؟) احسن نے الجھے ہوئے انداز میں شہوار کی سمت دیکھا۔

''مس..... اوہ..... سوری..... مسز احسن۔ پلیز ایک کپ چائے۔ آج تو مصروفیت کا یہ حال رہا کہ چائے پینے کی فرصت بھی نہیں ملی۔ چار دن سے اسلام آباد میں تھا۔ آج ہی واپس آیا ہوں۔ ڈھیر سارا کام منتظر تھا۔ کس قدر تیز ہے زندگی کی رفتار۔ امی سخت ناراض ہوں گی۔ ان کے پاس بیٹھ کر باتیں کئے کتنے دن ہو گئے۔''

احسن ان کی اس درجہ سادگی پر بغور انہیں دیکھنے لگا (کیا واقعی یہ شخص اتنا سادہ ہے یا.....؟ مگر یہ اس وقت شہوار کے ساتھ کیوں آیا ہے؟)

''مسٹر احسن! حیرت ہے آپ نے انہیں پسند کیا..... اپنایا..... اور آپ ہی ان کی فطرت سے ناواقف ہیں۔ ویسے یہ

تعداد جوڑوں کا المیہ ہے کہ برسوں ساتھ رہتے ہیں مگر ایک دوسرے سے قطعی ناواقف ہوتے ہیں۔

دیکھئے..... وہ آپ کے نام پر دنیا سے کٹی ہوئی ہیں۔ معاشرتی مروجہ اصولوں کے تحت وہ نہایت خسارے میں ہیں۔ محض آپ کی وجہ سے..... تو زیادہ گنجائش آپ کی طرف سے پیدا ہونا چاہیے۔ اب اگر آپ نے ذرا سی تنگ دلی کا مظاہرہ کیا تو بڑا نقصان ہو جائے گا۔

آپ کہیں بلکہ اجازت دیں تو میں انہیں بتا دوں کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔

میں جانتا ہوں کہ آپ کس مقام پر ہرٹ ہوئے ہیں اور کہاں ڈس اپائنٹ۔

آپ کی جگہ شاید میں ہوتا تو میرے ہاں بھی یہی جذبات بیدار ہوتے۔

شاید اسی لئے کوئی تھرڈ پرسن ضرور ہونا چاہئے۔ ٹھنڈا اور عادل ثالث۔''

''کیا آپ اس وقت اسی رول میں ہیں۔'' احسن نے اس بار قدرے مسکرا کر ان کی سمت دیکھا۔

''شاید۔ اس لئے کہ امن میری پسند اور تناسب میری فطرت ہے۔ انتشار اور ڈسٹربنس خواہ کہیں ہو' مجھے برداشت نہیں۔ شاید اس لئے کہ میں نے ایسے والدین کے ہاتھوں پرورش پائی جن کی دلچسپیاں مختلف تھیں مگر انہیں ایک دوسرے کے جذبات کا بہت پاس و احترام ہے۔ میرے والد فطرت کے لحاظ سے پیدائشی سپاہی اور میری والدہ ادب و فکشن کی دلدادہ' گویا ڈسپلن کے ساتھ نہایت لطیف اور خوشگوار ماحول میسر آیا۔ طبیعت اپنے چاروں طرف بس یہی کچھ دیکھنا چاہتی ہے۔ جہاں کہیں ماحول کو متوازن کرنے کے لئے اپنا تعاون محسوس کرتا ہوں آگے بڑھنے میں دیر نہیں لگاتا۔''

''ویری نائس۔'' احسن کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''میری نہیں۔ میرے والدین کی تعریف کیجئے۔ وراثت و ماحول' ہر دو جگہ وہی ذمہ دار ہیں۔'' اسد نے قدرے تفاخر سے اپنے والدین کا تذکرہ کیا۔

''عورت تو بائی برتھ بڑی کمزور شے ہے۔ مقابلہ تو برابر والوں سے کیا جاتا ہے۔ آپ برابری کے حقوق کے نعرے اور پراپیگنڈے کی زد میں نہ آیئے۔ وہ محاذ پر جا سکتی ہے۔ فلک ناپ سکتی ہے۔ کما کر کھلا سکتی ہے۔ مگر بعض جگہ اس کے سارے ہتھیار کند ہو سکتے ہیں۔ مرد اگر انسانیت بھلا کر اس کی کلائی تھام کر اسے بے بس کر دے تو نسلوں کا مان خاک میں ملانے کی ذمہ دار بھی بن سکتی ہے۔ پھر وہ محض ایک شکست خوردہ عورت ہو کر رہ جائے گی۔ جو اپنے آپ سے بھی آنکھ نہیں ملا سکتی۔ مرد فزیکلی' موریلی جب چاہے اپنا پینترا بدل کر نئے جہان کی ابتدا کر سکتا ہے۔

ہمارے ساتھ جو لوگ ہمیشہ اچھے ہیں کوشش کرنا چاہئے کہ ہم ان کو ہمیشہ اچھا رہنے دیں۔ ان کے ساتھ مکمل تعاون کریں۔ گلاب ہٹا کر ببول بونا کوئی عقلمندی نہیں احسن!'' اس بار اسد کا انداز قدرے بے تکلفانہ تھا۔

کمزوروں کے ساتھ کمال مہربانی سے پیش آنا تو بجائے خود جوانمردی ہے۔ آخر کمزور کو بھی تو اپنے مقابل کی قوت نظر آ رہی ہوتی ہے۔ شفقت' کرم محبت یہ ''بڑے'' کام ہیں۔ بڑے خلوص والے لوگ کرتے ہیں..... میرے والد کہتے ہیں۔''

''آپ کے والد بہت بڑے آدمی ہیں۔'' احسن کو ایک خلا' ایک محرومی کا چبھتا ہوا احساس ہوا۔

''آئی او بلائنڈ مائی پیرنٹس۔'' اسد نے فخریہ کہا۔

''ہم ہر دم دوسروں کے رویوں کا جائزہ لیتے رہتے ہیں۔ ہمیں اپنے رویئے پر بھی غور کرنا چاہئے۔ حالات اس طرح سدھریں گے نہیں بلکہ مزید پیچیدہ ہو جائیں گے۔ آپ کی یہ عمر' یہ دور لوٹ کر نہیں آئے گا۔ بعض اوقات انسان اپنے پیاروں کو مطمئن کرنے کے لئے وہ کچھ کہہ جاتا ہے جو وہ پہلے سے سوچے ہوئے نہیں ہوتا۔ وہ کم عمر بھی ہیں اور نقصان زدہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی۔ان حالات میں آپ کو بہت کچھ نظر انداز کرنا ہوگا۔آپ سے دلچسپی' آپ سے وفاداری کا ثبوت وہ مکمل طور پر اس وقت دے چکی ہیں جب انہوں نے آپ کے حق میں ووٹ دے دیا تھا۔آزمائے ہوئے کو آزمانا بڑی نادانی ہے۔اس وقت صورت حال یہ ہے کہ وہ بس ''مظلوم'' ہیں۔

اسد نے سگار نکال کر احسن کی سمت دیکھا۔

''آپ کی اجازت سے.....''

''اوہ ضرور.....'' احسن نے کسی خیال سے چونک کر کہا۔

''آپ شوق نہیں فرمائیں گے۔'' اسد نے احسن کو پیشکش کی۔

''جی نہیں.....میرا ٹیسٹ اور ہے۔'' احسن مسکرا دیا۔

''میں جانتا ہوں۔'' اسد نے شرارت سے کہا۔دونوں ہنس دیئے۔

اسد نے مختصراً آج کے واقعے سے احسن کو آگاہ کیا اور صورت حال کی سنگینی کا ایک بار احساس دلایا۔

''انہیں صرف اپنے ساتھ زیادتی کا احساس ہے۔آپ انہیں یقین دلائیے کہ یہ زیادتی آپ کے خلوص کی شدت کا مکمل اظہار ہے۔''

اسی دم شہوار چائے کے ہمراہ اندر داخل ہوئی۔

احسن نے بہت عرصے کے بعد اس کی سمت بھرپور توجہ سے دیکھا۔

سبز کاٹن کے جدید تراش کے کرتے شلوار میں ملبوس سبز دوپٹے کو قرینے سے شانوں پر پھیلائے وہ سادہ اور افسردہ دکھائی دی۔وہ اس کا شوہر تھا مگر اس نے کبھی اس کا بے ترتیب دوپٹہ نہیں دیکھا تھا۔ایسی عورت ایک حسین راز کی طرح محسوس ہوتی ہے جسے جاننے کا تجسس رہتا ہے۔

فلم ایکٹریسز.....ٹی وی اداکارائیں.....ساتھ پڑھنے والی الٹرا ماڈرن طالبات۔اسے ان کے بارے میں کبھی اشتیاق نہیں رہا۔

اس کی خاموشی۔اس کی حیا۔اس کا گریز۔کچھ تھا کہ کوئی اس کے دل میں وہ مقام نہ پا سکا تھا جس پر وہ انجانے میں قبضہ کر بیٹھی تھی۔

''شوگر.....'' وہ مقابل بیٹھی اسد سے مخاطب تھی۔

''صرف ایک۔''

''احسن سے نہیں پوچھیں گی.....؟''

''مجھے پتا ہے سر۔'' وہ قدرے ناگواری سے گویا ہوئی۔

''دیکھئے.....انہیں سب یاد ہے۔میں سمجھا چائے پلانے کا ارادہ نہیں۔'' اسد نے مسکرا کر احسن کی سمت دیکھا۔

شہوار کی سمجھ میں ان کا یہ انداز نہیں آ رہا تھا۔اس نے دونوں کے سامنے چائے رکھی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آپ بھی پی لیجئے۔اگر پرہیز نہ ہو تو۔'' اسد نے شہوار کو متوجہ کیا جو ٹی وی پر رکھے گلدان میں پھول قرینے سے لگانے لگی تھی۔

''میں رات کو چائے نہیں پیتی سر۔پھر نیند لیٹ آتی ہے اور صبح آنکھ نہیں کھلتی۔پھر فیکٹری کی تیاری بھی کرنا ہوتی ہے۔'' اس نے بڑی تفصیل سے انکار کیا۔

''اب آپ تب ہی فیکٹر آئیں گی جب مسٹر احسن آپ کو اجازت دیں گے.....دوسری صورت میں جبری ریٹائرمنٹ۔''

احسن کا قہقہہ بے ساختہ تھا جس میں اسد بھی شریک ہو گئے۔

شہوار تو جیسے گرتے گرتے بچی۔اس نے آنکھیں پھاڑ کر احسن کی سمت دیکھا مگر وہ کچھ بولی نہیں۔دونوں تازہ ترین سیاسی حالات پر بات چیت کرتے ہوئے چائے پینے لگے۔

اسد چائے ختم کرتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔

''آپ بہت ٹائس ہیں احسن! مگر لگتا ہے آپ کی تھنکنگ پاور کئی خانوں میں تقسیم ہے۔بہرحال بہترین ذہانت یہ ہے' انسان خود کو گرنے نہ دے۔نیک خواہشات کے ساتھ اجازت.....؟''

''اگر لوگ فیکٹری نہ پہنچ سکے تو پھر آپ تو آئیں گے ناں.....؟'' احسن نے کن انکھیوں سے اس کی سمت دیکھتے ہوئے اسد سے کہا۔

''بشرطیکہ.....لوگ ہمیں بلائیں۔'' اسد نے برجستہ جواب دیا.....دونوں کی مشترکہ ہنسی سے شہوار مارے حیرت کے منجمد سی تھی۔وہ وہیں ڈرائنگ روم کے دروازے پر کھڑی رہ گئی۔

''شہر میں ایک بھی پرخلوص دوست موجود ہو تو سارے شہر کی فضا ہی دوستانہ لگتی ہے۔ایک سائنس دان کا قول یاد آ رہا ہے۔''

احسن نے اسد کو مخاطب کیا۔

''ارشاد.....'' اسد نے جھک کر گاڑی کے اگلے دروازے کا لاک کھولا۔

''یہی کہ مجھے لیور (Liver) رکھنے کی جگہ بتا دی جائے تو میں زمین کا یہ کرہ اُلٹ سکتا ہوں۔اب سوال تو لیور رکھنے کا ہوا ناں۔بعض لوگ ہمدرد ہوتے ہیں' بہت کہتے ہیں کچھ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن کوئی اثر نہیں ہوتا۔کوئی پوائنٹ ٹچ نہیں کرتا۔آپ کو لیور رکھنے کی جگہ معلوم ہے.....تھینکس۔

وہ جو آپ نے ''سوئچ'' والا پوائنٹ دیا ہے مجھے اچھا لگا۔''

''اس لئے کہ ہم میں جنس کا فرق نہیں ہے۔میں آپ کی جگہ خود کو فٹ کر کے یہ پوائنٹ حاصل کر سکتا ہوں.....'' اسد مسکرا دیئے۔

''جب ناموافق حالات ذہن سے نکتہ رسائی کا ہنر چھین لیں۔تب ایک پرسکون اور پرخلوص فرد کی جگہ ہمارے آس پاس بن جاتی ہے جس کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔

موسیٰ پیغمبر تھے مگر خضرؑ بڑے کام آئے تھے.....'' احسن نے بڑی گہری بات کی۔

''سو نائس.....'' اسد نے بے اختیار اس کے ہاتھ تھام لئے۔

''خدا حافظ۔'' وہ گرم جوشی سے ہاتھ ملا کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئے اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

احسن نے گیٹ بند کیا' باہر کی لائٹس آن کیں۔ڈرائنگ روم کے سوئچ آف کئے اور اپنے بیڈ روم میں چلا آیا۔وہ ریسیور کان سے لگائے کھڑی تھی۔

''سوری بلال.....تم لوگوں کو بہت پریشانی ہوئی۔احسن کے ساتھ۔ہاں آ گئے' شاید آج ہی۔ظاہر ہے' پہلے سے بہتر ہوں گے جب ہی تو آ گئے ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ دراصل ابھی ان سے تفصیلی بات نہیں ہوئی..... اوکے۔" اس نے ریسیور رکھ دیا۔ وہ پلٹی تو وہ شاید وارڈ روب کھول کر کپڑے نکالنے لگا تھا۔ وہ باہر جانے لگی۔

"شہوار....." کتنا پرانا انداز تھا بلاوے کا..... وہ اسی زمانے میں جا کھڑی ہوئی..... وہ رک گئی مگر پلٹی نہیں۔

"کہاں جا رہی ہو..... "تفصیلی بات چیت" نہیں کرو گی؟"

شہوار کا دل دھک سے رہ گیا۔ (آخر سر نے ان سے کیا باتیں کر ڈالی ہیں)

"کچن جا رہی ہوں اور کہاں.....؟ اور مجھے بات چیت کی اس وقت کوئی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی۔"

اس نے دروازہ کھولا۔ اسی بگڑے بگڑے انداز میں۔

"چھوڑو یہ کچن وچن..... لہسن پیاز سے بنی ہوئی لگنے لگی ہو..... کھانا باہر کھائیں گے۔"

"ضرور کھایئے۔ میں روک تو نہیں رہی۔" اس نے قدم آگے بڑھائے۔ مگر اگلے ہی لمحے اس کا بازو احسن کی آہنی گرفت میں تھا۔

"اب جانے بھی دو یار..... مجھے نہیں معلوم تھا تم اس قدر بے وقوف ہو۔ بے وقوف معافی کے قابل ہوتا ہے۔"

"نہ میں بے وقوف ہوں نہ میں معافی مانگ رہی ہوں۔" وہ ایک دم بھڑک اٹھی۔

"بے وقوف کبھی معافی نہیں مانگتا..... معافی تو عظیم لوگ مانگتے ہیں۔ تم ذرا یہاں بیٹھو۔ میں ایک "معذرت نامہ" ٹائپ کر لوں۔"

اس نے شرارت سے بیڈ کی سمت بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"غلطیاں تو دیوانگی میں ہو ہی جاتی ہیں غلطیاں دیکھتی ہوں "دیوانہ پن" نہیں دیکھتیں۔"

شہوار بحرِ تحیر کے تھپیڑوں کی تاب نہ لا سکی' دونوں ہاتھوں سے چہرا ڈھانپ کر دھواں دھار رونا شروع کر دیا۔

احسن نے اسے تھام کر اپنے گلے سے لگا لیا..... وہ اسی طرح ہچکیوں سے روتی رہی۔ حتیٰ کہ آنسو انگلیوں سے باہر نکل کر احسن کرا اپنے گریبان پر محسوس ہونے لگے۔

"جنہوں نے ہمیں چھوڑا ہے' ہم انہیں اپنائیں گے شہوار..... ہم نے جو عذاب اٹھائے ہیں' ہمیں کچھ تو ملا ہے..... مگر وہ جو راہیں ہمارے لئے منتخب کر رہے تھے' وہاں ہمارے لئے کچھ بھی نہیں تھا..... ہمارا نکاح ان کی مرضی سے ہوا تھا شہوار۔ میں اپنی بیوی کو اپنے گھر لایا تھا..... وہ جو تم اپنی مرضی سے کر رہی تھی وہ تمہارا فیصلہ بھی نہیں تھا..... اگر در حقیقت یہ تمہارا فیصلہ ہوتا تو یہ سب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

جو نقصان ہو چکا ایک دن اس کی تلافی ہو جائے گی مگر وہ جو ہمارا نقصان کر رہے تھے اس کی تلافی ممکن نہ تھی۔ اپنی جذباتی پسند ناپسند پر جیتی جاگتی زندگیاں بھینٹ چڑھا دینا کون سا دین ہے۔ مذہب ہے۔ کہاں کا قانون ہے؟

اگر تم اس طرح مسئلے پیدا نہ کرتیں تو میں اپنی ساری توانائیاں دوسری سمت منتقل کر کے کب کا کوئی حل نکال چکا ہوتا۔

تم نہیں جانتیں..... اباجی کی پشیمان نگاہیں مجھے کیا کیا یاد دلا گئیں۔ میں نے انہیں احساس تک نہیں ہونے دیا۔ کہ میرے پھانسی کا پھندہ بنانے والے ہاتھ میرے اسی انا پرست باپ کے تھے۔"

شہوار اس سے الگ ہو گئی..... اور دوپٹے سے چہرہ صاف کرنے لگی۔

"چلو تم تیار ہو جاؤ، ہم کھانا باہر کھائیں گے۔ بہت سی باتیں کریں گے..... آؤ..... ہم ایسے گھر کی بنیاد رکھیں جہاں

ایک دوسرے کے جذبات کا احترام سب سے پہلا ستون ٹھہرے۔ جہاں قربانی مانگی نہ جائے خود دینے کی تمنا ہو۔

ہم اپنی اولاد کو وہ گھر دیں..... جسے وہ اپنی سلطنت محسوس کریں۔ قید خانہ نہیں۔ ایک دیوار گر چکی ہے شہوار۔ اگلی بھی گرے گی۔ انشاء اللہ۔"

شہوار جیسے شل ہو چکی تھی۔ احسن کی پہل سے ہار گئی۔ اسے محسوس ہوا جیسے وہ اس کی شدید اور اولین ضرورت ہے۔ س کے مضبوط وجود کے اپنائیت بھرے احساس سے ایک نئی طاقت اور حوصلے کا سراغ ملا۔

وہ تیار ہونے لگی..... منہ ہاتھ دھو کر بال کھول کر آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ بال سلجھا کر چوٹی گوندھی۔

پھر پرس سے پنک لپ اسٹک نکال کر لگانے لگی ہی لگی تھی کہ سیاہ سوٹ میں ملبوس احسن اس کے پہلو میں آ کھڑا ہوا۔ ہیئر برش اٹھا کر بال بنانے لگا۔ شہوار نے لپ اسٹک والا ہاتھ جلدی سے نیچے کر لیا اور قدرے جھینپ کر آئینے کے سامنے سے ہٹنے لگی۔

"اپنا کام کرو۔ کہاں چلیں؟"

"کر لیا ہے۔" اس نے کبھی احسن کے سامنے میک اپ نہیں کیا تھا۔ دیکھ لئے جانے پر جیسے بے حد شرم آ رہی تھی۔

"ویسے کیوں ہتھیاروں سے لیس ہوتی ہو..... یوں بھی ٹھیک ہے۔" وہ اس کے چہرے پر نظریں جما کر گویا ہوا۔ شہوار کی پلکوں پر منوں بوجھ آ پڑا۔ وہ نظریں نہ اٹھا سکی۔

"چلئے صاحب.....!" وہ چابیاں اٹھا کر اس سے مخاطب ہوا۔ اس نے مدتوں بعد احسن میں یہ ترنگ دیکھی تھی۔ اس کی ایک ایک حرکت سے زندگی پھوٹ رہی تھی۔

چلتے چلتے اس نے اسپرے کیا۔ پھر اس کے قریب آ کر اس پر بھی کرنے لگا۔ شہوار نے پھوار کے سامنے ہتھیلی کی جیسے روک رہی ہو۔

"فار مین (for man) ہے۔"

"جب تم ساتھ ہو گی تو ہر شے کمبائن ہو جائے گی۔ کسی کو کیا خبر خوشبو ادھر سے آ رہی ہے یا۔"

شہوار نے دروازہ لاک کیا۔ پھر گھر کے دوسرے حصے بند کئے۔ اتنے میں احسن گاڑی باہر نکال کر ہارن بجانا شروع کر چکا تھا۔

وہ جلدی سے گیٹ میں تالا ڈال کر اس کے برابر والی سیٹ پر آ گئی۔

احسن بہت آرام سے گاڑی چلاتے ہوئے سیٹی پر ایک خوبصورت دھن گنگنا رہا تھا۔ شہوار کو اس کو وارفتگی سے خوف سے آنے لگا تھا۔ حیا آمیز خوف۔

"ارے یہ گیت تو ہے میرے پاس....." اس نے کیسٹیں ٹٹولیں۔

"بہت سنبھال کر رکھا ہوا تھا کسی ایسے ہی وقت کے لئے۔"

"کیا آپ کو اتنا سب کچھ ہو گزرنے پر بھی یقین تھا کہ....." اس کے منہ سے نکل گیا۔

"سو فیصد..... صاحبِ یقین مسلمان ہوں۔" وہ شرارت سے مسکرایا۔

"ایسے کیسے گنوا دیتے تمہیں..... جان کی بازی لگا کر لائے تھے۔ مگر جس انداز میں سوچا تھا اس سے قدرے مختلف ہوا۔ مگر خیر..... تم میں وہ سوچ ہی نہیں ہے۔ چلو جلد ہی فٹ کر دیں گے۔ کبھی یہ حساب برابر ہو ہی جائے گا۔"

شہوار کے خاک بھی پلے نہیں پڑا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے تو بالکل سمجھ نہیں آئی۔''

''کسی چیز کا وجود ہوتا ہے تو آتی ہے۔'' وہ شرارت سے کہہ کر کیسٹ لگانے لگا۔

شہوار قدرے ناراضگی سے اس کی طرف دیکھ کر سامنے دیکھنے لگی۔

او میرے دل کے چین..... چین آئے میرے دل کو دعا کیجئے

اپنا ہی سایہ دیکھ کے تم جان جہاں ڈر گئے

ابھی تو یہ پہلی منزل ہے تم تو ابھی سے گھبرا گئے۔

''سنئے۔ واپسی میں مجھے شکیلہ کے ہاں ڈراپ کر دیجئے گا۔ منزہ اکیلی ہے۔ اس کی خاموشی میں چھپی اذیت مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔ اس سے باتیں کر کے اس کا دھیان بٹانا کوئی بڑی سی نیکی لگتی ہے۔''

مجھے معلوم تھا کہ کھٹائی تو ضرور ڈالو گی۔ خیر یہ بھی ضروری ہے۔

میں یوں بھی گھر میں دو چار اپنے جمع کیے بغیر تمہیں سیٹ نہیں کروں گا۔ کل کو یہی الزام دھر دو گی کہ کنزوروں کے ساتھ

اس نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔ شہوار کا مارے حیا کے مر جانے کو جی چاہا۔

مگر کنزوروں کے ساتھ اس طرح کی گفتگو بھی نہیں کرنا چاہیے۔

اس نے یہ سوچ کر فوری طور پر پیش بندی کی مبادا وہ مزید بے باک ہو جائے۔

یہ تو تم میرے اور اپنے بڑوں سے پوچھنا کہ اس طرح کی گفتگو کرنا چاہیے یا نہیں۔

احسن پلیز۔

خالو جان اب کیسے ہیں؟

بہت جلدی خیال آ گیا۔ جب سب جا رہے تھے تو تم کیوں نہیں گئیں؟ مگر ہاں تمہیں تو ابھی میرے پانچ سو روپے بھی واپس کرنا ہیں نوکری کا معاملہ ہے۔

شہوار کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا..... سر یہ بھی بتا گئے..... مگر کب.....؟ وہ بری طرح جھینپ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی..... پھر قدرے توقف کے بعد گویا ہوئی۔

کیا کہا ہے سر نے آپ سے.....؟ وہ اس تبدیلی کا سرا سر ذمہ دار اسد ہی کو سمجھ رہی تھی۔

کچھ نہیں..... بیٹری چارج کر کے گئے ہیں بس..... اور یہ کہ کسی کا کوئی سوئچ لوز ہوتا ہے۔ آپ کا سرے سے غائب ہے

جی نہیں..... وہ یہ نہیں کہہ سکتے۔ وہ برا مان گئی۔ احسن ہنس دیا۔

میں کل شام پانچ بجے اسلام آباد فلائی کر جاؤں گا۔ دس دن کی لیو پر جا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے میرے بغیر دل نہ لگے۔ چلنا ہو تو تیاری کر لینا۔ مگر پھر وہ تمہاری نوکری۔ سیلری تو تمہیں مل چکی ہے۔ نکالو وہ پانچ سو روپے۔

وہ اسی طرح طرح باہر جھانکتی رہی ایک شرمندگی کے احساس کے ساتھ۔

میں بعد میں آؤں گی۔ منزہ بلال کیا سوچیں گے؟ انعام بھائی بھی لندن گئے ہوئے ہیں۔

یہ تو وہ احسن کو بتا ہی چکی تھی۔ کہ صفیہ نے فون کیا تھا کہ اس کے بعد شکیلہ، نبیلہ اور نور بانو کے ساتھ اسلام آباد چلی گئی ٹھیک۔ اس نے جگمگ کرتے فن لینڈ کے مقابل کبابش کے نزدیک گاڑی پارک کی۔

صفیہ ہاسپٹل میں تھیں جس وقت وہ تینوں گھر پہنچیں..... انیلا کی حالت رو رو کر خراب ہو چکی تھی۔ شاید یہ وجہ ہو کہ شیخ

صاحب تمام بچوں میں اس سے خصوصی التفات برتتے تھے۔ شکیلہ، نبیلہ کو دیکھ کر انیلا، بیلا، راحیلہ تینوں نے رونا شروع کر دیا۔ نبیلہ بھی شروع ہو گئی۔

ہمارے تو بھائی جان بھی..... ہمارے پاس نہیں۔ اب تو ابا جی بھی..... بیلا نے روتے ہوئے کہا۔ شکیلہ اور نور انوں انہیں دلاسا دینے لگ گئیں۔

احسن بھائی آئے تو تھے۔ شکیلہ نے انیلا کی شکل ٹٹولی۔

ہم سے تو ملے بھی نہیں۔ وہیں ابا جی کے پاس رہے میں احمر کے ساتھ ملنے گئی تو وہ کہیں ملنے گئے ہوئے تھے۔ ہوٹل میں ٹھہرے تھے۔

شکیلہ نے نور بانو کی طرف دیکھ کر اسے چپ ہونے کا اشارہ کیا۔ وہ سارے راستے یہی سوچ کر خوش ہوتی رہی۔ احسن بھائی کے لئے دروازے کھل گئے۔ مگر آہ۔

اس نے احمر کو اور ان تینوں کو نور بانو کے بارے کچھ نہ بتایا تھا۔ مگر صفیہ گھر آئیں تو وہ عجیب امتحان میں پڑ گئی۔

یا الٰہی دکھ کے ان لمحوں میں..... اس چور چور عورت کو مزید ہلکان کرنے۔ مگر ایک روز تو آخر پتا چلنا ہی ہے۔

صفیہ نے سلام بھی کر لیا تھا۔ خیریت بھی پوچھ لی تھی۔ وہ منتظر تھیں کہ شکیلہ تعارف کرائے گی۔

امی..... یہ نور باجی ہیں..... بہت اچھی ہیں۔ میرا اتنا خیال کرتی ہیں کہ بتا نہیں سکتی۔ پہلے کبھی ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ انعام صاحب کی بیگم ہیں۔ گھر میں ہماری بڑی اور خیر خواہ۔

صفیہ ہکا بکا سی ہو کر شکیلہ کی طرف دیکھنے لگیں۔ انعام کی بیگم تو یہ ہے کیا کہہ رہی ہے یہ؟

ان کا دماغ ماؤف ہونے لگا..... کوئی خیر کی خبر ہی میرے نام لگائی تھی مالک.....؟

نور بانو نے آگے بڑھ کر ان کے شانے تھام لئے جو ساکت سی کھڑی تھیں۔

مجھے آپ کے دکھ کا دکھ ہے۔ آپا جان..... مگر اس میں یہاں موجود کسی کا بھی قصور یا حصہ نہیں..... آپ یقین کیجیے۔ یہ بھی انعام علی کی بیوی ہے۔ اور میں بھی۔ بس یہی قدر مشترک ہے۔ ہم دونوں میں۔ وگرنہ نصیب تو ہمارے ایک دوسرے کے الٹ ہیں۔ یہ سچ مچ کی سہاگن ہے اور میں بس نام کی۔

ان کے لہجے میں آنسوؤں کی آمیزش صاف جھلکنے لگی تھی۔

صفیہ کچھ نہیں سمجھیں۔ بس یہی دھیان آیا کہ ایک اور حرماں نصیب ان کے مقابل آ کھڑا ہوا ہے۔ جانے انہیں کیا ہوا وہ نور بانو کے گلے سے لگ کر بلک بلک کر رونے لگیں۔ انیلا جلدی سے پانی لے کر آئی۔ شکیلہ دونوں کو سنبھالنے میں لگ گئی صفیہ بمشکل چپ ہوئیں۔

امی..... یہ بہت اچھی ہیں۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتیں اتنی اچھی۔ شکیلہ نے نور بانو کو بٹھاتے ہوئے کہا۔

اگر یہ اتنی اچھی ہیں تو کبھی ذکر کیوں نہیں کیا۔ کتنا کمزور سمجھتے ہیں مجھے میرے بچے کمزور ہوتی تو مر نہ گئی ہوتی کبھی کی۔

انہوں نے انیلا کے ہاتھ سے گلاس لے لیا۔

انیلا نے دوسرا گلاس نور بانو کے ہاتھ میں تھما دیا۔ وہ تینوں نور بانو کو اور شکیلہ کو عجیب تحیر آمیز انداز میں دیکھ رہی تھیں نہ جانے کیا..... شاید ایک شخص کی دو بیویاں اور وہ بھی ایک ساتھ دیکھنے کا یہ ان کا پہلا اتفاق تھا۔

برابر والی نانی کے منہ سے انہوں نے سنا تھا..... سوت تو چون کی بھی بری۔ ان کے خیال میں تو یہ نہایت بدصورت رشتہ تھا مگر یہاں تو الگ ہی نقشہ تھا..... ان کی باجی تھی کہ امی سے زیادہ ان پر دھیان دے رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دنیا کے خیالات اور اصول شاید فطرت کی طرح اٹل نہیں ہوتے بڑی گنجائش رہتی ہے ان میں۔ انیلا کے ذہن میں بس یہی بات آئی تھی۔

شکیلہ نور بانو کے پاس بیٹھ کر ان سے بہنوں کا تعارف کرنے لگی۔ اور ان کی طرف دیکھ کر بار بار یوں مسکرا رہی تھی۔ گویا انہیں یاد دلا رہی ہو کہ مسکرانا بھی چاہیے۔

صفیہ نے آگے بڑھ کر بے اختیار اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام لیا اور جھک کر اس کی پیشانی چوم لی۔

کتنے اچھے ہیں میرے بچے..... میں بھلا اس قابل کہاں تھی۔ ان کا انداز گم صم تھا نور بانو کو وہ چاروں گھیر کر بیٹھیں تو شکیلہ نے موقع غنیمت جان کر ماں سے کہا۔

امی..... باجی کا بہت خیال رکھیے گا۔ یہ میرا اس طرح خیال کرتی ہیں جیسے کوئی بلوری برتن سنبھالتا ہوگا۔

جو میرے بچوں پر محبت کی نظر ڈالے میں اس کی آنکھوں میں اپنا نور اتار دوں۔ کیا سمجھا ہے تم نے ماں کو.....؟ یہ میری مہمان ہیں۔ اتنی دور سے چل کر تمہارے باپ کی عیادت کو آئی ہیں۔

صفیہ نے کمال مہارت سے اپنا دکھ چھپا کر بیٹی کو تسلی دی۔ شکیلہ صفیہ کے گلے سے لگ گئی۔

اف امی..... کتنی دور ہوں آپ سے۔ بس یہی غم ہے۔ وگرنہ اللہ نے مجھے ہر سکھ سے نوازا ہے۔

صفیہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ یہ میری بیٹی ہے دکھ سنبھالنے کا قرینہ ہے اسے۔

احسن شیخ صاحب کو کراچی لے گیا تھا۔ صفیہ اور انیلا بھی ساتھ تھیں۔ احمر راحیلہ، اور بیلا گھر پر تھے۔ کیونکہ نائلہ نزدیک ہی تھی۔ اس لئے صفیہ خاصی بے فکر تھیں اس طرف سے۔

بیٹے کو باپ کی تیمارداری میں جتا دیکھ کر جیسے ان کی عمر بڑھ گئی تھی۔ شیخ صاحب کی مجبور حالت دیکھ کر وہ ایک لفظ..... ایک حرف ملامت منہ سے نکالنا جرم سمجھنے لگی تھیں۔ کہ جب حساب کتاب کے لئے ایک ذات برحق موجود ہے۔ تو خود پر وزن کیوں ڈالا جائے۔ اپنے ہاتھ کیوں رنگے جائیں؟ وہ چپ تھیں۔ ہر چند انہیں شیخ صاحب کی اس بے بسی پر رونا آجاتا تھا۔

کہاں وہ ٹھوکر سے دروازہ کھولنے والے۔ ایک آواز میں گھر کی بنیادیں ہلا دینے والے۔ مگر وہ کبھی ان کے ماضی کے متعلق کوئی ذکر نہیں کرتی تھیں۔

گھر بار پس پشت ڈالے وہ دن رات ان کی خدمت میں مصروف تھیں نائلہ کو جانے کیا کیا تاکید کر کے روانہ ہوئی تھیں۔ ایک طرف بیٹے کے چہرے کی سحر تھی۔ دوسری طرف اس کی حالت زار دوسری جانب مسلسل ریکارڈنگ۔ اور پھر رازی کے جواب کا جاں سوز انتظار۔ اسے یہ تھکا دینے والا دور لگا۔ مگر ایک جذبہ کارفرما تھا جو اسے حوصلہ دے رہا تھا۔ آنے والے زمانے کے خوبصورت رنگ دکھا دکھا کر للچا رہا تھا۔ نبیلہ کے مایوس چہرے پر کھل کر آنے والی مسکراہٹ۔

اور خود اس کی اپنی زندگی میں آنے والا خوبصورت اضافہ..... ایک اختیار من پسند زندگی۔ جانے کون کون سے جذبے اسے ان تھک بنائے ہوئے تھے۔

بابر کا معالج ہر دوسرے تیسرے روز گھر آرہا تھا۔ اس موڑ پر اسے نئے ولولے میسر آئے تھے۔ اسے دن رات رازی کے فون کا انتظار تھا۔

آج بھی وہ عشاء کی نماز پڑھ کر دعا مانگنے میں مصروف تھی کہ اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس کا دل سمٹ کا پھیلا پھر

دھڑکنوں کی رفتار بڑھ گئی۔

صبح سے رات گئے تک جانے کتنی بار فون کی بیل رنگ ہوتی تھی۔ مگر اس بیل کے ساتھ ہی جیسے وجدانی حس پوری طاقت سے ابھر کر کسی اہم بات سے مطلع کر رہی تھی۔

وہ تقریباً بھاگتی ہوئی فون تک آئی تھی۔ ریسیور بابر کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے بے تابی سے ان کا چہرا دیکھا۔ انہوں نے ریسیور اس کی سمت بڑھا دیا۔

مسٹر سرفراز۔

اوہ..... بعض اوقات اندر کی اطلاع کتنی سچی ہوتی ہے۔

ہیلو..... جی..... نائلہ بابر بول رہی ہوں۔

وعلیکم السلام۔ ٹھیک ہوں۔ الحمدللہ۔

دوسری طرف رازی کہہ رہا تھا۔

جن راہوں سے گزر کر آیا ہوں اس کے بعد اللہ سے دعا ہے اگر میری جان کا دشمن بھی ہو تو..... اسے یہ امتحان نہ ملیں۔ اپنے آپ کو منانا بہت کٹھن کام ہے مسز بابر لیکن..... سزا احساس گناہ کے بعد نہایت ضروری ہے۔ مگر میں وعدہ کرتا ہوں میں آپ کی بہن کو کبھی یہ احساس نہیں ہونے دوں گا کہ وہ میرا تاوان ہیں۔ کاش جو کچھ ہوا یہ کسی فیتے پر نقش ہو جاتا اور میں یہ اذیت ناک حصہ کاٹ کر کسی ڈسٹ بن میں پھینک دیتا۔ خالہ جان تو یہاں نہیں ہیں ان کا فون نمبر دے دیجیے۔ میرے والد بات کریں گے۔ کل امی اور روبی آپ کی طرف آئیں گی۔ او۔ کے۔

رازی کی آواز بند ہوگئی۔ نائلہ نے ریسیور رکھ دیا۔ اور لاؤنج کی طرف آئی تھی جہاں بابر کسی اطلاع کے منتظر تھے۔

کیا کہہ رہے تھے.....؟ کیا فیصلہ ہوا؟

وہی جو میری دلی خواہش تھی۔ اب ہم آپا کی شادی میں بالکل دیر نہیں کریں گے۔ خواہ سادگی سے کریں۔ خدا معلوم کب کیا ہو جائے۔ وہ بابر کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

میں دیکھ رہا ہوں۔ بالکل ریسٹ نہیں لے رہی ہیں آپ۔ مجھے فکر ہو چلی ہے۔ آپ کو اپنا خیال رکھنا چاہیے۔ بابر نے یوں موضوع بدلا جیسے کوئی عام سی بات ہو۔ ایک طمانیت بہر حال چہرے پر تھی۔

بستر پر بھی وہ آرام نہیں ملتا جو اس احساس سے ملتا ہے کہ ہمارے آس پاس کتنے سارے لوگ ہمارا خیال کرنے والے ہیں۔ اس نے بابر کے بازو سے سر ٹکا دیا۔ ایک طمانیت کا گہرا احساس تھا۔ تھکن جیسے زینہ بہ زینہ اترنے لگی۔ محض دو منٹ کے وقفے سے بابر نے اسکرین سے نظریں ہٹا کر اس کی سمت دیکھا۔ وہ سو چکی تھی۔

کس قدر ایزی سلیپ ہیں نائلہ..... وہ اس کا خوابیدہ چہرا دیکھتے ہوئے سوچ رہے تھے۔ ایک آسودہ سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر در آئی تھی۔

شیخ صاحب کی زبان پر تالے پڑ چکے تھے۔ وہ زبان جو ہر وقت انگارے برساتی تھی۔ اس کی خاموشی پر جیسے صفیہ کسی احساس گناہ میں مبتلا ہو چکی تھیں۔ سوچتی تھیں کسی قبولیت کے لمحے میں ان کی برداشت تو جواب نہیں دے گئی تھی۔ احسن کی سمت دیکھتی تھیں۔ تو اپنے مان و یقین پر ناز کرنے کو جی چاہتا تھا۔ کس طرح باپ کا سایہ بنا ہوا تھا۔ صفیہ کے دونوں بھائی بھی آئے ہوئے تھے بہنیں بھی آتی رہتی تھیں۔ مگر ایک نشتر جگر میں اٹک گیا تھا کہ عائشہ اب بھی نہیں آئی تھیں۔ حالانکہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑے بھائی احسن سے ہنوز موڈ آف کیے ہوئے تھے۔ مگر آ تو گئے تھے۔ صفیہ کتنی بار ان کے سامنے روئی تھیں کہ وہ کسی طرح سردار صاحب کو سمجھائیں کہ جو کچھ ہوا شیخ صاحب کی انا پرستی کا نتیجہ تھا۔

انہیں وہ وقت نہیں بھولتا جب وہ اپنی والدہ کے انتقال پر بڑے بھائی کے ہاں نواب شاہ گئی تھیں۔ اور عائشہ نے ان سے کلام تک نہ کیا تھا۔ سگی بہن کا یہ رویہ انہیں پاگل سا کر گیا تھا۔ وہ تو غنیمت ہوا کہ وہاں سردار محب علی نہیں تھے ورنہ خدا معلوم کس ذلت سے انہیں گزرنا پڑتا۔

بجائے احسن پر غصہ کرنے کے وہ ہر مسئلے کا ذمہ دار شیخ صاحب ہی کو گردانتی تھیں۔

وہ اس وقت شیخ صاحب کے منہ میں چمچ سے پانی ڈال رہی تھیں۔ بڑے بھائی مرتضی احمد اور چھوٹی بہن رمیصہ ان کے قریب بیٹھی تھیں۔ شیخ صاحب نے بائیں ہاتھ سے صفیہ کو اشارہ کیا کہ وہ کاغذ اور قلم لائیں۔

صفیہ احسن کی فرم کا پیڈ اور اسی کا قلم فوراً لے آئی تھیں۔

شیخ صاحب الٹے ہاتھ سے کچھ لکھنے لگے۔ وہ تینوں چپ چاپ انہیں لکھتا دیکھنے لگے۔ کافی دیر کی جدوجہد کے بعد انہوں نے پیڈ صفیہ کی طرف کھسکا دیا۔

صفیہ نے آگے بڑھ کر بے تابی سے ان کے لکھے پر نظر ڈالی۔ ٹوٹی پھوٹی تحریر میں لکھا تھا۔

سردار میرے بیٹے کو معاف کر دو۔ دیکھو۔ میری سزا شروع ہو چکی ہے۔ شیخ رحیم۔

صفیہ کا دل بھر آیا۔ انہوں نے کاغذ علیحدہ کر کے مرتضی احمد کی طرف بڑھایا۔ اسی دم نور بانو اندر داخل ہوئیں۔ صفیہ شیخ صاحب سے ان کا تعارف کرا چکی تھیں۔

شیخ صاحب! یہ شادیانے بجانے کا موقع تو نہیں ہے۔ مگر ہمیں اپنے فرض تو ادا کرنے ہیں۔ آپ اپنا فیصلہ سنا دیجیے رازی کے والد کا فون آیا تھا۔ انہوں نے ایک بار پھر ہمارے در پر دستک دی ہے۔ نبیلہ کا رشتہ مانگا ہے۔ کیا یہ اسے باہر بھیجنے سے زیادہ بہتر نہیں.....؟

صفیہ نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

شیخ صاحب نے آنکھیں موند لیں۔ وہ چپ تھے کہ مجبور تھے۔ مگر ایک آنسو بائیں آنکھ کے گوشے نکلا اور کان کے پاس آ کر گم ہو گیا۔

نائلہ کا فون آیا تھا۔ وہ کہہ رہی ہے۔ وہ لوگ سادگی سے نکاح چاہتے ہیں۔ صفیہ مزید گویا ہوئیں۔

اگر وہ لوگ اچھے ہیں تو آپ فرض ادا کرنے میں دیر نہ کیجیے۔ آپ پر تو یوں بھی بہت سی ذمہ داریاں ہیں۔

نور بانو نے بھی حصہ لیا۔

میرا خیال ہے صفیہ اگر وہ لوگ تمہارے دیکھے بھالے ہیں تو انکار نہ کرنا۔ تم ویسے ہی مسائل میں گھری ہوئی ہو۔

مرتضی احمد نے شیخ صاحب کا لکھا پرچہ جیب میں ڈالتے ہوئے بہن سے کہا۔

بہت اچھے لوگ ہیں، دیکھے بھالے ہیں۔ لڑکے کی ماں بھی بہت سیدھی عورت ہے۔ ہمسائے ہیں ہمارے۔

صفیہ نے سرد آہ بھرتے ہوئے شیخ صاحب کی سمت دیکھا۔

میں آج ثمینہ کو بھی فون کر دیتی ہوں۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

عمر کیا ہو گی باجی۔ لڑکے کی؟ رمیصہ نے لاشعوری طور پر نور بانو کی سمت دیکھتے ہوئے بے ساختہ پوچھا۔ اور بلا ارادہ شیخ صاحب کی سمت دیکھا۔ ان کی نظروں میں لرزا دینے والی بے بسی تھی۔ جیسے کہہ رہے ہوں خدا کے لئے بس کرو۔

نکاح ثمینہ کی آمد سے ایک دن بعد طے پایا تھا۔ نائلہ شکیلہ نے بھی صفیہ کے ساتھ اپنے اہم سسرالیوں کو دعوت نامے بھجوا دیے تھے۔ طے یہ پایا تھا کہ رازی اور ان کے ساتھ آنے والے افراد شکیلہ کے ہاں ٹھہریں گے۔ اور وہیں سے بارات احسن کے ہاں آئے گی۔ صفیہ اپنے طور پر احسن کو سارا قصہ سنا چکی تھیں۔ اچھا خاصا رشتہ تھا۔ اسے کیا تردد ہوتا۔ اس کے لئے یہی کافی تھا کہ ماں اس رشتے سے خوش ہے۔

نائلہ ایک ہفتہ قبل آ چکی تھی۔ اس کی اقساط مکمل ہو گئی تھیں۔ اس لئے وہ تندہی سے اب اس طرف مصروف تھی۔ ساری تیاریاں وہ اور شکیلہ کر رہی تھیں۔ نبیلہ نے ابھی تک کوئی تاثر نہیں دیا تھا۔ نائلہ اس کے جوڑے ٹانکنے میں مصروف تھی۔ شہوار ابھی ابھی اٹھ کر گئی تھی۔ اچانک نبیلہ نے اندر آ کر دروازے کی چٹخنی چڑھا دی۔

آیئے آپا..... اب آپ کام چھوڑ کر ایک طرف بیٹھ جایئے۔ نائلہ اسی مصروف انداز میں گویا ہوئی۔

یہ کیا کرتی پھر رہی ہو تم؟ معاً نبیلہ کی سرد آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

دیکھ لیجیے۔ یہ سب کچھ آپ ہی کے لئے ہو رہا ہے۔ وہ اسی طرح مصروف انداز میں گویا ہوئی۔

یعنی۔ میرا تماشا بنانے میں گویا ساری محنت تمہاری ہے۔ وہ بگڑے بگڑے انداز میں بولی۔

توبہ استغفار کریں آپا۔ کیوں اس طرح سوچتی ہیں۔ میرا کوئی رومانس نہیں چلا تھا اس کے ساتھ میں ہمیشہ اس کے سامنے سر اٹھا کر چل سکتی ہوں وہ بات اسی وقت ختم ہو گئی۔ میں صرف بابر کی بیوی ہوں۔ میرے قلب و ذہن پر صرف اب یہی نام نقش ہے۔

مگر میرا دل نہیں مانتا۔ نبیلہ اس کے نزدیک بیٹھ گئی۔

چھوڑیں آپا..... کن چکروں میں الجھی ہوئی ہیں۔ یوں بھی تو ہوتا ہے۔ ایک بہن مر جاتی ہے۔ دوسری بہن اس کی جگہ بیاہ دی جاتی ہے۔ پرانے اسٹیج پر نیا عروسی ڈرامہ شروع نہیں ہو جاتا؟ حقیقت پسند بنیے آپا۔ بابر کی ذات سے میرا نام بڑی گنجائش ہے۔ آپ ہی آپ قبولیت پذیری کے راستے بن جاتے ہیں۔ اس نے سوئی آس پاس دیکھنا شروع کی۔

کہاں سے آئی ہے۔ مت میں یہ بقراطیت؟ نبیلہ گہری سانس لے کر لیٹ گئی۔

نائلہ مسکرا دی..... انسان سیدھے سیدھے قائل کیوں نہیں ہو جاتا؟ سقراط بقراط بننے کا طعنہ کیوں دیتا ہے؟ نبیلہ کے سپاٹ چہرے پر نائلہ کی شوخی نے ہلکا سا شائبہ مسکراہٹ کا دیا تھا۔

ثمینہ، فیضان اور شائلہ آ چکے تھے۔ صفیہ شدت سے ثمینہ کی منتظر تھیں۔ ثمینہ اس مرحلے پر جی بھر کر خوش ہونا چاہتی تھیں مگر بھائی کی حالت دیکھ کر ان کی خوشی ماند پڑ گئی تھی۔ مگر پھر بھی وہ اپنی عادت کے مطابق آگے آگے تھیں۔

صفیہ سردار صاحب کو منانے کا پروگرام اسطرح بنا چکی تھیں کہ اپنی بہنوں۔ حفصہ، رمیصہ، اور بھائیوں مرتضی احمد اور ارتضی احمد اور ثمینہ کے ہمراہ وہاں جائیں گی۔ احسن کو تب بلوایا جائے گا جب وہاں گنجائش دیکھی جائے گی۔ ان کے خیال میں احسن کا فوری سامنا شاید ماحول میں لچک پیدا ہونے سے روک لے۔

وہ سب شیخ صاحب کے پرچے سمیت صبح صبح چلے گئے تھے۔ احسن دشہوار اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔ دوسری طرف چھوٹے ماموں یعنی ارتضی احمد تھے جو کہہ رہے تھے کہ احسن فی الفور پہنچ جائے۔

احسن نے ریسیور رکھتے ہوئے گاڑی کی چابی اٹھائی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اچھا بھئی.....دعا کرنا.....ڈرتے ڈرتے جا رہا ہوں۔اس نے چلتے چلتے بالوں پر برش پھیرا۔

آپ بھی؟ شہوار نے حیرت سے دیکھا۔

تمہارے بھی باپ ہیں بابا.....وہ شرارت سے کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

شہوار نے وضو کر کے جلدی سے نفل برائے قضائے حاجت پڑھنے لگی۔وقت و ماحول سے بے نیاز ہو کر۔درحقیقت اس کی جان سولی پر ٹنگی تھی۔

اس نے ظہر کی نماز بھی پڑھ لی مگر جائے نماز سے نہ اٹھی۔جائے نماز ایک مضبوط قلعہ محسوس ہو رہی تھی۔لگتا تھا جیسے یہاں سے اٹھتے ہی کسی مشکل میں پھنس جائیں گے۔

دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔نبیلہ، انیلا، شائلہ کئی بار اسے دیکھ کر جا چکی تھیں۔شام کے پانچ بجے تو اس کی ہول وحشت بننے لگی.....یا اللہ، سب صبح سے گئے ہوئے ہیں۔کچھ ہو نہ گیا ہو۔اللہ نہ کرے۔

وہ تو کمرے میں ہی بند ہو چکی تھی۔

تب اس نے فیضان کی آواز سنی جو دستک دے کر کہہ رہا تھا۔

بھابی جان.....باہر آ جایئے۔آپ کے گھر والے آ گئے ہیں۔

شہوار کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔جیسے ہی دروازہ کھولا۔سامنے نیلوفر کو پایا۔وہ ایک چیخ مار کر اس سے لپٹ گئی۔

''انتا روئے ہیں کہ آپا کہ اب تو ہنسی ہمارا حق ہو گئی ہے۔وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔''

لو بھئی۔ان کے رونے اور ہنسنے کا ڈیزائن ایک ہی ہے۔

حسن کی آواز قریب سے آئی۔شہوار نے فوراً سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا اس نے سب کی نظری بچا کر وکٹری کا نشان بنایا۔اسے جیسے یقین نہ آیا۔وہ بھاگتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی تھی۔

مگر وہاں کوئی نہ تھا۔وہ سب لوگ ماموں جان کے پاس ہیں بھابی جان۔

فیضان نے اطلاع دی۔وہ سر پر آنچل ڈالے خوفزدہ انداز میں کمرے میں داخل ہوئی۔نظر اٹھانے کی ہمت نہیں تھی۔کانپتی آواز میں سلام کر لیا تھا۔

عائشہ نے تیزی سے اٹھ کر اسے گلے سے لگا لیا تھا۔دونوں رو رہی تھیں۔صفیہ چپ ہو جانے کی تلقین کر رہی تھیں۔

کمرے میں ایک سکوت طاری ہو گیا تھا۔

سردار صاحب اٹھ کھڑے ہوئے.....اور شہوار کے قریب آئے۔اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

میں آپ سے شروع سے کہتی رہی ہوں، ہماری بیٹی ایسی نہیں۔عائشہ نے آنکھیں پونچھ کر سردار صاحب کو مخاطب کیا

میں سوچ رہا ہوں کہ یہ سب کچھ ہوا تھا تو یہ دن بھی دیکھ لیا۔اگر وہ ہو جاتا جو رحیم بھائی اور سردار بھائی چاہ رہے تھے تو یہ دن قیامت تک نہ آتا۔

ارتضی احمد نے ہمیشہ کی طرح احسن کے اقدام کی حمایت کی جو ان سب سے کم عمر تھے۔

بہرحال.....نری جذباتیت ماں باپ کو بالکل سوٹ نہیں کرتی۔بچے جیتے جاگتے انسان ہوتے ہیں۔ذرا دیر کی جذباتیت ماحول کو اسلام سے پہلے والی حالت میں پہنچا دیتی ہے۔رمیصہ نے اپنی مخصوص خود اعتمادی کے ساتھ دوٹوک رائے کا اظہار کیا۔

شہوار کو عائشہ اپنے بازو کے گھیرے میں سمیٹے بیٹھی تھیں۔

تم نے بالکل ٹھیک کہا۔ثمینہ نے رمیصہ کی تائید کی۔

جو جتنا خود مختار اور ذمہ دار ہوتا ہے۔اسے اتنا ہی پھونک پھونک کر قدم اٹھانا چاہیے۔

چلو شہوار.....سب کو اچھی سی چائے پلاؤ۔کیونکہ تم میزبان نمبر ایک ہو۔ثمینہ نے شہوار کو مخاطب کیا جو ابھی تک دم بخود نظر آ رہی تھی۔

اور ہاں احسن کو یہاں بھیج دینا۔

شہوار نے احسن کے نام پر سردار صاحب کا چہرہ دیکھا۔وہ اپنے مخصوص انداز میں مرتضی احمد کے ساتھ کسی مسئلے پر گفتگو میں مصروف تھے۔

اس نے باہر آ کر دیکھا۔دانیال و نوفل فیضان اور احمر کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔اسے دیکھ کر وہ دونوں اس کے قریب آئے.....اور ایک ساتھ اس کے گلے لگ گئے۔

مبارک ہو آپا.....دانیال نے بے حد خوشی سے مبارک باد دی۔

سچ اور جیت لازم و ملزوم ہیں دانیال.....خواہ سچ کی جیت میں دیر ہو۔اگر سچائی کے ساتھ جیت کا یقین نہ ہوتا تو صدیوں پہلے انسان اس کا نام بھی بھول چکا ہوتا۔پھر ہمت و حوصلہ پیدا کرنے کے لئے کسی اور کیفیت کی تلاش شروع ہو جاتی

اس نے محبت سے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔

تم لوگ بیٹھو.....میں تم لوگوں کو اچھی سی چائے پلاتی ہوں.....نیلوفر کہاں ہے؟

وہ اوپر.....بلو آپا کے پاس ہیں۔

نائلہ ابھی بازار سے نہیں آئیں؟ اس نے احمر سے پوچھا۔جو دو دن قبل ہی راحیلہ و بیلا کے ساتھ یہاں پہنچا تھا۔ابھی نہیں آئیں۔

وہ کچن میں آ کر چائے بنانے لگی۔تھوڑی دیر بعد صفیہ اس کے پاس چلی آئیں۔اسے گلے سے لگا کر پیار کرنے لگیں

بہت مشکل سے مانے ہیں سردار بھائی۔اندر سے تو شاید مان گئے ہوں مگر آن بہت ہے۔وہ تو مرتضی بھائی کی وکالت کام آئی.....شاید اس وجہ سے بھی نرم ہو گئے کہ اب سب لوگ میرا ساتھ دے رہے تھے۔

احسن سے کچھ نہیں کہا؟ اس نے خالہ کو بغور دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

کہنا کیا.....احسن اور ارتضی نے بہرحال قائل کر لیا کہ یہ اقدام طلاق جیسے مکروہ فعل سے بچنے کے لئے مجبوراً کیا گیا تھا۔خیر تم فکر نہ کرو۔آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

وہ اس کو تسلی دے کر باہر چلی گئیں۔

مہندی وغیرہ کا سلسلہ تو رکھا ہی نہیں گیا تھا۔پھر بھی نائلہ کے دو تین چکر شکیلہ کی طرف لگ گئے تھے۔روبی اور تمام گھر والوں کا شکیلہ خصوصی خیال رکھ رہی تھی۔نور بانو اس کے ساتھ ساتھ تھیں۔منزہ بھی شکیلہ کا ہاتھ بٹا رہی تھی۔پھر بھی نائلہ وہاں آ کر دو تین مرتبہ دیکھ گئی تھی۔ریسیو کرنے تو انعام علی بابر اور احسن گئے تھے۔خواتین میں سے صفیہ، شکیلہ اور ثمینہ گئی تھیں نائلہ بلال کے ساتھ آئی تھی۔رازی اور انعام علی لان میں بیٹھے ہوئے تھے۔نائلہ ادھر ہی چلی آئی۔السلام علیکم! اور سنایئے کیسے مزاج ہیں؟ وہ لان میں چیئر پر بڑے مطمئن انداز میں بیٹھ گئی۔

بیوروکریٹ بھی آپ ہیں۔پالیسی ساز بھی آپ ہیں۔مزاج تو آپ ہی نے بنانا ہے۔رازی مسکرا دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پالیسی ساز اچھے ہوں تو روشن مستقبل کے واضح امکانات ہوتے ہیں۔

نائلہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

آپ کا کیا خیال ہے انعام بھائی؟

میں ہر اچھے خیال کے ساتھ ہوں۔ انہوں نے بھی ہنس کر جواب دیا۔

اندر نائلہ کی آمد کی خبر پہنچ گئی تو روبی اور شکیلہ دیگر مہمانوں کے ساتھ وہیں چلی آئیں۔ اور یوں گفتگو کے آداب و انداز بھی تبدیل ہو گئے۔

کل بارات تھی اسی حساب سے مصروفیات کا رنگ تھا۔ نائلہ شکیلہ کے ساتھ تبادلہ خیال کر کے واپس آ گئی۔ تھی احسن کی طرف۔

بارات کی آمد کے بعد اس وقت نہایت دلچسپ صورت حال پیدا ہو گئی۔ جب اسد اپنی والدہ کے ہمراہ تقریب میں شریک ہوئے۔ وہ نائلہ کے مدعو کردہ مہمانوں میں شامل تھے۔

احسن شہوار کو نورا بلا لایا تھا۔ جو سر کو موجود دیکھ کر خاصی حیران و پریشان نظر آنے لگی تھی۔ مگر اسے پہچان کر بہت خوشی ہوئی کہ وہ ان کے رشتے داروں میں شامل ہیں اور نائلہ کے دیور ہیں۔ پھر انہوں نے اپنی والدہ کا سب سے تعارف کرایا۔

احسن کی والدہ سے خصوصی جذبات کے ساتھ ملا جس کے بیٹے نے اپنی ماں کو بڑی شخصیت کے طور پر متعارف کرایا تھا بابر کی والدہ مہر افروز بھی آئی تھیں۔ جو اپنی بھابی اور اسد کی والدہ شاہ بانو کو وہاں دیکھ کر کم حیران نہ تھیں۔ اسد نے بتلایا وہ تو اس دلچسپ صورت سے بہت پہلے لطف اندوز ہو چکے، جب ایک کارڈ انہیں نائلہ کی طرف سے پھر وہی کارڈ احسن کی طرف سے موصول ہوا تھا۔

شکیلہ اور نور بانو کی طرف سے خالہ بھی خصوصیت سے مدعو تھیں۔ اور اب محفل میں اپنے شوشے چھوڑ رہی تھیں۔

اچھا یہ بتائیں۔ آپ کیا پسند کی شادی کریں گے؟ وہ بڑی تہذیب سے اسد سے مخاطب تھیں۔

ارے بالکل نہیں۔ اس لئے کہ میں اپنے والدین کی پسند کو اپنی پسند سے زیادہ مکمل اور معیاری سمجھتا ہوں۔ پوچھ لیجیے آپ میری امی سے۔ اسد نے اپنی جان بچانے کی کوشش کی۔

ہاں بھئی۔ ہم خود اپنے بیٹے کے لئے بہت اچھی لڑکی کی تلاش میں ہیں۔

شاہ بانو نے محبت سے اسد کی سمت دیکھا۔

اچھا وہ جو ہری فراک پہنے ہوئے بچی کھڑی ہے ناں۔ ہمارے ہمسائے ہیں۔ بڑے اچھے لوگ لڑکی بڑی قابل ہے۔ اسے جہاز اڑنے کا شوق ہے۔

مگر خالہ میں اتنی بلندی سے گرنا نہیں چاہتا۔

بے ساختہ قہقہے پڑے تھے اس جملے پر بلال بھی وہیں آ چکا تھا۔

اچھا چھوڑیں وہ دیکھیں وہ شکیلہ کی چھوٹی بہن، دبلی پتلی مگر کیسی مورنی سی ہے۔

انہوں نے نیلا کی سمت اشارہ کیا جو دور نائلہ سے ہدایات لے رہی تھی۔ سنہری جالی کے کرتے دوپٹے اور سلک کے پائجامے میں وہ واقعی بہت اچھی لگ رہی تھی۔

مگر یہ تو خاصی چھوٹی ہو گی۔ اسد میاں سے عمر میں؟ شاہ بانو نے بھی خاصی دلچسپی سے اس کی سمت دیکھا۔

مرد سمجھدار ہو تو عورت اس کے قابل ہو جاتی ہے۔ خالہ نے اپنی پٹاری سے ایک تجربہ ان کی طرف منتقل کیا۔

اسد اتنی شدو حد سے کسی کو موضوع بنتے دیکھ کر خاص طور پر ماں کی دلچسپی کی وجہ سے اس طرف دیکھنے پر مجبور ہو گئے تھے

خالہ لگتا ہے۔ یہ کیس آپ جیت جائیں گی۔ بلال نے اسد کو اچٹتی نظر سے انیلا کی سمت دیکھتے ہوئے پکڑ لیا تھا۔

سب دیکھ رہے ہیں ہم پر پابندی ہے کیا؟

وہ ہنس دیے۔

ایک منٹ۔ بلال نے چٹکی بجائی۔

انیلا جسٹ اے منٹ۔ اس نے انیلا کو متوجہ کیا۔ آخر وہ اس کی ممی کی بہن تھی۔

وہ فوراً ان کے قریب آئی۔ جی اس کے ہاتھ میں گجرا تھا۔

یہ ورمالا کس کے گلے میں ڈالنے کے لئے ہے۔

توبہ۔ اسے ڈھیروں شرم آ گئی۔

یہ تو شہوار بھابی کے لئے دیا ہے نیلی آپا نے۔

تم ان مہمانوں سے نہیں ملیں۔ اس نے مہر افروز اور شاہ بانو کی طرف دیکھا۔

میں جانتی ہوں جناب کو اور یہ تو نیلی آپا کی ساس ہیں۔ اور یہ اسد بھائی ہیں۔ آپا بہت تعریفیں کرتی ہیں۔

مجھے بہت شوق تھا انہیں دیکھنے کا وہ بڑی سادگی سے گویا ہوئی۔

مہر افروز شاہ بانو بلال اور خالہ کی ہنسی بے ساختہ تھی۔ البتہ بلال کی شرارت پر اسد صرف مسکرا دیے تھے۔

آنٹی آپ کے ہاں پورا کرنے پر کوئی پابندی تو نہیں؟ بلال شاہ بانو سے مخاطب ہوا۔

بالکل نہیں۔ وہ بھی بلال کی شرارت سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔

کمال کرتی ہیں امی آپ بھی یہ تو ہے ہی شریر۔ اسد واقعی جھینپ گئے تھے۔

شکیلہ بھی ان کے پاس آ بیٹھی۔

باجی۔ آپ جانتی ہیں ناں اسد بھائی کو۔ نیلی آپا کتنی تعریفیں کرتی ہیں۔ ایسی کیا خاص بات ہے آپ میں؟ انیلا نے بھی ماحول کے لحاظ سے شوخی کا مظاہرہ خاصی سادگی سے کیا۔

یہ تو انسان کے قریب رہنے سے پتا چلتا ہے بلال اسی انداز میں گویا ہوا۔

مہر افروز اور شاہ بانو ایک مرتبہ پھر زور سے ہنس دیں۔ اسد الگ مشکل میں پھنس گئے تھے۔

بلو یار بری بات ہے۔ انہوں نے فہمائشی انداز میں ٹوکا۔ انیلا اسی بے نیازی سے دوبارہ اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد دوبارہ واپس آ گئی۔

باجی آپ کو بانو باجی بلا رہی ہیں۔

شکیلہ نور انیلا کے ساتھ اس طرف آئی جہاں نور بانو کھڑی تھیں۔

جی باجی؟ اسے ان کا انداز خاصا اجنبی اور پر اسرار سا محسوس ہوا۔

یہ اسد کی والدہ کے ساتھ کون بیٹھی ہیں؟

نائلہ کی ساس ہیں۔

کیا نام ہے ان کا؟

مہر افروز۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو اس کا مطلب ہے میں صحیح پہنچی۔ آؤ میں تمہیں ان سے ملواؤں۔ یہی ہیں وہ میری سہیلی۔

ارے نہیں۔ شکیلہ کو یکدم ایک دھچکہ سا لگا۔

آؤ میرے ساتھ نور بانو اسے لے کر ان کے قریب آ گئیں۔ اسد اور بلال اٹھ کر جا چکے تھے۔

ارے نور بانو تم واقعی۔ اوہ میرے خدا۔ مہر افروز نے ایک عالم تحیر میں انہیں گلے سے لگایا تھا۔

ہمیں تو تمہارے بارے میں سب پتا چلتا رہا۔ ہماری مجبوری تو تم جانتی تھیں۔ کہ آ نہیں سکتے تھے۔ مگر تم نے تو کبھی پلٹ کر پوچھا ہوتا۔

شکیلہ۔ ایک ٹک نہایت غور سے نئے سرے سے مہر افروز کو دیکھ رہی تھی۔

بس کیا پوچھیے؟ اپنے ہی سوال جواب سے فرصت نہیں ملی۔

بھابی یہ میری دوست ہیں اسکول ساتھ جاتے تھے ہم۔

مہر افروز نے شاہ بانو سے تعارف کرایا۔ پھر شکیلہ کی سمت متوجہ ہوئیں۔ بیٹھو ناں شکیلہ کھڑی کیوں ہو؟

تمہارا کیا تعلق ہے اس گھرانے سے۔ ویسے کبھی ذکر بھی نہیں ہوا۔ مہر افروز نے تجسس کیا۔

ہاں۔ بس تعلق بھی بن ہی جاتے ہیں۔ انعام علی کی دوسری بیوی ہیں یہ۔ وہ بہت آہستگی سے گویا ہوئیں۔

مہر افروز تعجب سے نور بانو کو دیکھنے لگیں۔ (ایسے دل پھینک تو نہ تھے انعام علی)

یہ بتاؤ جب پل پل کی خبر تھی تو اس خبر پر حیران کیوں ہوئیں؟ نور بانو بڑی اداسی سے پوچھنے لگیں۔

مجھے تمہاری خبر رہی ہے انعام علی کی نہیں۔ مہر افروز کرسی کھینچ کر نور بانو کے مزید نزدیک ہو گئیں۔

بس انہی خبروں کی وجہ سے یہ خبر بنی ہے۔ وہ یاسیت سے بولیں۔

کھانا کھانے کے بعد آرام سے بتاؤں گی۔ انعام علی سے نہیں ملو گی؟

میرے خیال میں اس کی کوئی ضرورت تو نہیں۔ مہر افروز نے کہا۔

اور پھر ان باتوں کو دہرانے سے کیا فائدہ ہے۔ سب اپنی اپنی زندگی اپنے اپنے انداز میں گزار رہے ہیں اور گزارنا بھی چاہیے۔

شکیلہ انہیں مصروف دیکھ کر اٹھ کر چلی گئی تھی۔

اچھا تم بیٹھو۔ اگر چاہو تو ساتھ چلو اندر نکاح ہو رہا ہے۔ مہر افروز اٹھ کھڑی ہوئیں۔

بھابی آپ بیٹھیے۔ ابھی آتی ہوں میں۔ مہر افروز نور بانو کے ساتھ چل دیں۔

اندر آئیں تو سامنے ہی انعام علی نکاح کے کاغذات اٹھائے کھڑے تھے۔ نور بانو کے ساتھ مہر افروز کو دیکھ کر بری طرح چونک گئے۔

السلام علیکم! مہر افروز نے اپنی حالت پر قابو پا کر عام سے انداز میں سلام کیا۔

آپ پہچان تو گئے ہوں گے۔ ویسے یہ بابر کی والدہ ہیں۔

نور بانو نے کہا۔ انعام علی۔ ایک دم گم صم سے نظر آنے لگے۔ پھر یکلخت پلٹ کر نبیلہ کی سمت بڑھ گئے۔

نور بانو کو مہر افروز سے دوبارہ تفصیلی بات کرنیکا موقع ہی نہ مل سکا۔ وہ شکیلہ اور انعام علی کے ساتھ رخصتی سے پہلے ہی گھر آ گئیں تھیں۔ کہ یہاں بھی بہت سے کام نمٹانا تھے۔

میرے خیال میں اگر مہر افروز آ ہی گئی تھیں تو ان سے ملانے کی کوئی خاص ضرورت تو نہیں تھی۔ کیا رکھا ہے۔ ان

باتوں میں؟ انعام علی نور بانو کے کمرے میں آ کر ان سے مخاطب ہوئے۔

میں آپ کو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ ابھی سب لوگ موجود ہیں۔ آپ چاہیں تو ان ہی سے میرا جرم پوچھ سکتے ہیں۔ میرے ہاتھ صاف ہیں۔ ساری گواہیاں موجود ہیں۔ وہ پہلی بار خاصی تلخی سے گویا ہوئیں۔

مجھے کسی بھی گواہی کی ضرورت نہیں۔ میں سب کچھ بھلا چکا ہوں۔ وہ برہم لہجے میں کہہ رہے تھے۔

نہیں آپ نے بھلایا نہیں۔ اگر بھلا دیا ہوتا تو میری یہ ناحق سزا ختم ہو گئی ہوتی۔

کیا کہنا چاہتی ہو تم؟

یہی کہ جو آزمائش صبر آزمانے کے لئے ہوتی ہے۔ اس میں صبر بھی قدرت عطا کرتی ہے۔ اور جو آزمائش بطور سزا ہوتی ہے اس میں بڑی بے کلی ہوتی ہے۔ چین نہیں آتا ناانصافی میرے ساتھ ہوئی ہے۔ دکھ بیٹی اٹھا رہی ہے۔ وہ وراثت بھگت رہی ہے میرا امتحان دوگنا کر دیا ہے آپ نے۔

ان کی آواز رندھ گئی۔ کبھی بہت غور کیجیے گا۔

انعام علی ساکت کھڑے رہ گئے۔ نور بانو باہر نکل گئیں۔

شکیلہ کسی کام سے اندر آئی تو انعام علی اسی طرح خاموش کھڑے تھے۔

شکیلہ نور بانو کو بلاؤ۔ وہ کسی خیال سے چونک کر بولے۔

شکیلہ الٹے پاؤں واپس ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد نور بانو چلی آئیں۔

جی۔

نور بانو بددعاؤں کے الاؤ۔ دہکاتے ہوئے یہ تو سوچتا تھا۔ اولاد صرف میری ہی نہیں تمہاری بھی ہے۔ ایک عجیب سی شکست ان کے لہجے سے مترشح تھی۔

میں نے کبھی بددعا نہیں دی۔ منزہ اولاد ہے اور آپ میرے سر کے سائیں۔ میں نے تو یہ کہا ہے کہ مکافات عمل کسی دعا بد عا نہیں کا محتاج نہیں ہوتا۔ ابھی بھی غور کر لیجیے۔ اب تو ہمارے آگے دودھ پیتے بچے بھی کھیل رہے ہیں۔ کبھی ناقابل عبور دکھ کا پل تعمیر ہوتا دیکھیے تو یوں سوچیے کوئی بہت بڑی خطا ہو گئی ہے۔ کسی جگہ کسی بھی پشت میں کچھ منہ سے نکل گیا یا عملاً سرزد ہو گیا۔ جنت مکانی تائی جان کہا کرتی تھیں۔ کیا آپ نے ان کے منہ سے کبھی نہیں سنا؟ وہ ان پڑھ تھیں۔ مگر پڑھے لکھوں سے زیادہ روشن دماغ تھیں۔ بس یہی بات تھی۔

وہ انعام علی سے پوچھ رہی تھیں۔

منزہ کہاں ہے؟ وہ اپنی گم صم سی کیفیت سے باہر آ کر پوچھ رہے تھے۔

وہ ابھی وہیں ہے احسن کی طرف۔

اور بلال؟

وہ بھی وہیں ہے۔ خیریت؟

"کچھ نہیں۔ وہ ہنوز کھوئے کھوئے سے تھے۔ کام سے فارغ ہو کر آ جانا تم سے لڑنے کو جی چاہ رہا ہے۔"

نور بانو کو ایسا لگا جیسے چھت سر پر آ رہی ہو۔

"جی؟"

انعام علی نے کوئی لفظ مزید نہیں کہا اور وارڈ روب میں کوٹ لٹکانے لگے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نبیلہ رخصت ہو کر شکیلہ کی طرف جا چکی تھی۔ نائلہ اپنی نند گڑیا اور انیلا کی سمت سمیٹا سمیٹی میں مصروف تھی۔ شہوار کھانا محفوظ کر رہی تھی۔

اسد بھی وہیں تھے لان میں منزہ کو بیٹھا دیکھ کر اس کے پاس چلے آئے۔ چائنا سلک کے بلیو اور سادہ کرتے شلوار میں وہ جگنو کو گود میں اٹھائے باتیں کر رہی تھی۔

''اکیلی بیٹھی ہیں بھابھی؟'' وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

''امی اور پھپھو ابھی فارغ نہیں ہوئیں۔''

''جی۔ گاڑی میں جگہ نہیں تھی۔ کمال آنے کا کہہ گیا ہے۔''

وہ اپنے مخصوص دھیمے انداز میں بولی۔

''اسد بھائی! اب تو میں عدت میں نہیں ہوں۔ پھر بھی آپ نہیں آئے؟''

''وہ میرے دوست اور بھائی کا گھر تھا۔ یہ آپ کے والد کا گھر ہے۔ بس یونہی احتیاطاً۔''

انہوں نے وضاحت کی۔

''ارے نہیں۔ کیسی باتیں کرتے ہیں آپ انہی لوگوں جیسی۔ جتنی مضبوط کمٹ منٹ خاور سے ہے اتنی ہی ان سے وابستہ چیزوں سے لوگوں سے۔ شاید کوآپ کو بھی بھنک پڑی ہو یا پڑ جائے۔ لوگ کچھ اپنے انداز میں سوچ رہے ہیں۔ مگر آپ مجھ سے وعدہ کیجئے۔ رشتہ نہ بدلنے کا۔ خیالات نہ بدلنے کا۔''

اسد خاموشی سے سنتے رہے۔

''مجھے ایک کے بعد دوسرا شوہر پا سکتا ہے اس لئے کہ میں صاحب جائیداد ہوں تھوڑی سی شکل بھی اچھی ہے مگر جگنو اور گڑیا کو باپ نہیں مل سکتا۔ خاور کو کتنا بھروسہ تھا مجھ پر۔ میں ان ہی کی اولاد کو امتحان میں ڈالوں؟ اگر آپ پر خلوص ہیں تو اپنی ہر شکل میں ہر پوزیشن میں خلوص کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ خلوص کسی مخصوص شکل یا مخصوص رشتے سے مشروط تو نہیں۔

خاور کو شاید یہی پسند تھا' میں ان کا انتظار کروں۔ میں آخری سانس تک اسی کیفیت سے بہلتی رہوں گی۔''

''بھابھی! اگر آپ کی کمٹ منٹ خاور سے اتنی مضبوط ہیں تو میری بھی اس سے کچھ کمٹ منٹ ہیں۔ وہ ہمیشہ کہتا تھا جب بھی شب پر جاتا تھا۔ اسد' منزہ و بچوں کا خیال رکھنا۔ میں آپ کے لئے ہر وقت حاضر ہوں۔ اور رہا وعدہ۔ ہزار وعدے لے لیجئے۔ میں اتفاق کرتا ہوں جب پہلی کمٹ منٹ اتنی مضبوط ہو تو آگے گنجائش مشکل ہی سے نکلتی ہے۔ آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔ خلوص کا مظاہرہ تو کسی بھی شکل میں ہو سکتا ہے۔ میں صرف یہ چاہوں گا کہ آپ مطمئن ہوں۔''

''بہت بہت شکریہ۔ اسد بھائی۔ مجھے بس یہی کہنا تھا کہ میری خوشی کی خاطر کسی ''حمام باد گرد'' میں نہ پھنس جایئے گا۔ میرے سوال جس منیر شامی کے لئے تھے وہ قاف کے اس پار مصروف ہے۔''

منزہ نے نئے اور ادھورے چاند پر نظریں جما دیں۔ جگنو اس کے سینے لگا بیٹھی نیند سو رہا تھا۔

اسی دم احسن ان کے پاس چلا آیا۔

''ارے منزہ۔ آپ اکیلی یہاں کیوں بیٹھی ہیں؟''

''نہیں تو اکیلی تو نہیں ہوں۔ یہ اسد بھائی تو ہیں۔ اور بلال آنے والا ہے۔''

''صبح چلی جایئے گا۔ آرام کریں۔''

''نہیں احسن' ماموں امی کے پاس گڑیا ہے تنگ کرے گی انہیں۔''

''ایک تو آپ چابیاں رکھ کر بھول جاتے ہیں ٹانگیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ اوپر نیچے آتے جاتے۔''

شہوار احسن کو دیکھ کر دور ہی سے شروع ہو گئی۔ قریب آئی تو اسد کو موجود پا کر جھینپ گئی۔

''آپ نے بالکل ٹھیک کہا تھا اسد۔ ایک ''سوئچ'' واقعی کم ہے۔ اوپر نیچے مارچ پاسٹ کرنے سے پہلے بھی مجھ سے ع کیا جا سکتا ہے۔''

احسن نے جیب سے چابیاں نکالتے ہوئے اسے چھیڑا تھا۔

اسد دھیرے سے ہنس دیئے تھے۔ منزہ بھی جگنو کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔

بابر نے اسد کو روک لیا تھا۔ شاہ بانو' ان کے شوہر اور مہر افروز گھر کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ شاہ بانو اور مہر افروز پچھلی پر باتوں میں مصروف تھیں۔

''یہ انعام علی کیا کر بیٹھے ہیں؟ تمہیں حیرانی نہیں ہوئی مہر؟'' شاہ بانو اپنے اندر اٹھتے سوالات کو زیادہ دیر روک نہ سکیں

''تم سے بات چیت ہوئی؟'' (وہ غائبانہ متعارف تھیں انعام علی سے)

''چھوڑیں چھوٹی بھابھی' اب کیا رکھا ہے۔ ان باتوں میں؟ مہر افروز خاصے تلخ انداز میں کہہ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگیں

''پھر بھی؟ آخر یہ قدم اٹھانے کی کوئی وجہ بھی ہوگی۔ نور بانو تو ان کی سگی چچازاد ہیں؟'' شاہ بانو ہنوز الجھی ہوئی تھیں۔

''منزہ کے ہاں دیکھ کر میں واقعی چونکی تھی' پھر سوچا تھا ایک نام کے کئے لوگ ہوتے ہیں۔ ہم اپنی محرومیوں کا ہمیوں کا غصہ کہیں تو اتارتے ہی ہیں۔ سیدھے سادے لوگ آخر ہوتے کس لئے ہیں؟ اس سے اچھا مصرف شاید ہی ہو چاروں گا' کسی کی بھڑاس ہی نکل جاتی ہے۔'' مہر افروز اسی انداز میں چیخ کر بولیں۔

''کیا تمہیں دکھ ہوا۔ انعام علی کی دوسری شادی سے؟'' شاہ بانو ان کے انداز سے کچھ اور ہی سمجھیں۔

''اب میرا کیا واسطہ۔ اب میرے دکھ سکون ان کی ذات سے وابستہ نہیں۔ ہمارے راستے ہمیشہ کے لئے مختلف ہو ہے ہیں۔ میرا اپنا گھر' اپنے مسائل ہیں۔'' وہ آہستگی سے گویا ہوئیں۔

''مگر ہے تو حیران کن یہ سب کچھ۔ کہاں تو تمہاری خاطر۔ بڑی بھابھی نے تو یہ بتایا تھا کہ۔''

''چھوڑیئے چھوٹی بھابھی۔ انسان ساری زندگی اپنی غلطیوں دلغزشوں کے ہاتھوں بلیک میل ہوتا رہتا ہے۔ آنے والی اب سی مسرتیں انسان کو کس قدر حواس باختہ بنا دیتی ہیں۔ حالانکہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ سوائے تکلیف دہ اور یاد رہ جانے لے نشانات کے۔ اور پھر ہر عمر کی الگ ترجیحات ہوتی ہیں۔ جیسے اب مجھے سوائے پابر' گڑیا کے اور کچھ یاد نہیں رہتا۔ اپنا کھانا پینا بھول جاتی ہوں۔ ہر سوچ بس ان ہی پر جا کر تمام ہوتی ہے۔ پیچھے کی طرف تو بس' سائے سے ہیں۔ جو کچھ ہے ہاب تو سامنے ہی ہے۔''

''یہ زبردستی نہیں ہوا' نہ کیا گیا۔ بس وقت گزرنے کے ساتھ قدرتی طور پر ہوتا چلا جاتا ہے۔ جس طرح ماں مرنے لے بچے کی قبر میں اس کے ساتھ جا کر نہیں لیٹ جاتی۔ قدرت خود بخود ہر خلا کی بھرائی کرتی جاتی ہے۔ اگر یوں نہ ہو تو ں کس طرح گزرے۔'' مہر افروز نے بڑی تفصیل سے انہیں سمجھایا۔

''ہاں تم نے ٹھیک کہا۔ ایسا ہی ہوتا ہے تب ہی زندگی گزارنے کے لائق ہوتی ہے۔ مگر مجھے ہنوز اس بات پر حیرانی ہے انعام علی۔''

''رہنے دیجئے بھابھی جان۔ ہمیں اپنے اندر ہونے والی تبدیلیوں کا پتا نہیں ملتا۔ ہم ''دوسروں'' کا تجسس کیا کریں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مہرافروز نے پھر بات کاٹ دی۔

ساہ بانو نے گہری سانس لے کر ان کی طرف دیکھا۔

"آہ۔ کیا ہے یہ زندگی۔ کتنی خاموشی سے "پہلا" دوسرا" ہو جاتا ہے۔"

احسن، باپ کو دوا پلانے کے خیال سے ان کے کمرے میں داخل ہوا۔

صفیہ ایک کونے میں جائے نماز بچھائے عشاء کی نماز میں مصروف تھیں۔ شیخ صاحب چھت کی جانب ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے۔ قدموں کی چاپ پر انہوں نے نگاہوں کا زاویہ بدلا، احسن کو دیکھ کر بڑی بے تابی سے پانی کا اشارہ کیا۔

احسن ایک لمحہ ضائع کئے بغیر ان کے قریب بیٹھ گیا اور چمچ سے ان کے منہ میں پانی ڈالنے لگا۔ "سب ٹھیک ہو گیا نا ابا جی؟ آپ بھی ٹھیک ہو جائیں گے۔ ہمت سے کام لیجئے" شیخ صاحب نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

"یہ لیجئے۔" اس نے چمچ ان کے ہونٹوں سے لگایا اور انہیں بغور دیکھنے لگا۔

رشتے اس لئے پیدا کئے جاتے ہیں

اس لئے مہیا کئے جاتے ہیں

تاکہ محبت کا رواج ہو

محبت کا پرچار ہو

محبت کا پھیلاؤ ہو

محبت کی تشریح ہو

رشتے زندگی کا حسن نکھارنے آتے ہیں

رشتے انسان کو فیض رسا بنانے آتے ہیں

اس لئے نہیں کہ.....

رشتے قید کئے جائیں۔

ذاتی تسکین کا آلہ بنائے جائیں۔

اس لئے نہیں کہ.....

رشتوں کے سینوں پر گھٹنے رکھ کر زخرے پر ناجائز اختیار و آمریت کی گند چھری پھیری جائے۔

ابا جی۔ کتنا مطالعہ کرتے تھے آپ۔ کبھی تو آپ نے پڑھا ہوگا۔ محسن انسانیت کی ساری زندگی رشتوں و تعلق کی تشریح ہے

رشتوں کی زنجیر تو فیض و محبت کے فولاد سے ڈھالنا چاہئے۔

رشتوں کے مدارج کے ذریعے محبت کے درجے طے کئے جانا چاہئیں۔

مجھے تو اس کے علاوہ انسان کی پیدائش..... کا اور کوئی دوسرا مقصد سمجھ میں نہیں آتا۔

سب سے عظیم محبت یعنی مالک حقیقی انہی مدارج کے اس پار ہمارا منتظر ہے۔

باپ کی بے بسی کی حالت، کمرے کا سکوت اور آج تک کی تھکن۔ جانے اسے کیا کیا یاد آنے لگا تھا۔

"امی! ابا جی کو دوا دے دی ہے؟" صفیہ نماز ختم کر کے اٹھ کھڑی ہوئیں تو اس نے پوچھا۔

"ہاں، وقت نہیں دیکھ رہے۔ کتنی رات گزر چکی ہے۔ تم نے کھانا کھا لیا؟"

"نہیں۔ بابر نے بھی نہیں کھایا ہے۔ ہم ابھی کھا لیتے ہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔" اس نے تسلی دی۔

شیخ صاحب نے بایاں ہاتھ احسن کے شانے پر رکھ کر جیسے کھانا کھا لینے کی تاکید کی۔

"خالہ جان! وہ بابر بھائی بے چارے بھوکے بیٹھے ہیں۔ "ان" کا کہیں پتا نہیں۔ دیکھئے ناں وہ آخر۔" وہ بولتے بولتے رک گئی۔ دائیں طرف سے احسن اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ "اور وہ ڈاکٹر صاحب (مسعود) بھی جانے کو بیٹھے

"

"آ رہا ہے بیٹی۔ باپ کو پانی پلا رہا تھا۔"

وہ کپڑے بدل چکی تھی۔ ڈھیلے ڈھالے کاٹن کے سوٹ میں بے حد تھکی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ اس کے ہمراہ رے سے باہر نکل آیا۔

"بھئی وہ بہت ہی مصروف رہی۔ تمہیں سراہنا بھی یاد نہیں رہا۔ وہ کیا پہنا ہوا تھا تم نے فیروزی رنگ کا۔" احسن کو ڈواز" کا نام یاد نہ آیا۔ "خاصی اچھی لگ رہی تھیں۔"

"جانے دیجئے۔ اگلے سال بھی سراہ سکتے ہیں۔ جلدی کیا ہے؟" شہوار جل کر بولی تھی۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں؟" نائلہ نے اسے پیچھے سے آ لیا۔

"سونے۔" اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر جماہی روکی۔

"سونے۔ سوائے سونے کے کچھ کام بھی ہے آپ کو۔" نائلہ خفا ہوئی۔

"گڑیا....." اس نے اپنی نند کو آواز دی۔

"جی بھائی جان.....! نہ جانے کس کونے سے اس نے جواب دیا۔

"ذرا ادھر آؤ۔ ذرا بھابھی جان کی گت بناتے ہیں۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی کمرے میں لے گئی۔

"ار..... رے..... رے۔ کیا کر رہی ہو؟" وہ بوکھلائی۔

"کیا روپ دھارا تھا شام کو۔ سب اپنی اپنی آنکھیں سینک کر اپنے گھروں کو سدھارے میرے بھائی کی تپسیا کا یہ ز؟ سر جھاڑ منہ پہاڑ۔ اچانک کوئی دیکھ لے تو ڈر جائے۔"

"تو پھر کیا کروں آدھی رات کو؟" وہ بے بسی سے گویا ہوئی۔

"بتا رہی ہوں۔ بتا رہی ہوں۔ کیا کرتے ہیں آدھی رات کو۔" نائلہ نے گڑیا کو آنکھ ماری۔

"یہ دیکھئے۔ امی جان نے کتنا خوبصورت جوڑا بنایا ہے آپ کے لئے۔"

اس نے سنہری کام سے بھرا شلوار کرتا سرخ شرارہ سوٹ اس کے آگے ڈال دیا۔

"مگر اب اس کی کیا تک ہے۔" وہ حیا سے سرخ پڑ گئی۔

"اب ہی تو تک ہے۔ ہم سب کو سو فیصد یقین ہے کہ آپ بڑی ٹیڑھی کھیر ہیں۔ کیونکہ ہیں تو ہمیں میں سے۔ اس ے رگ رگ سے واقف ہیں۔

پھرتی ہیں بیاہتا کا لیبل لگائے۔"

نائلہ نے اچھی طرح خبر لی۔

"میں نہیں پہنوں گی اب۔" وہ سرخ پڑ گئی۔

"ہائے کیوں نہیں پہنیں گی اب؟" نائلہ نے اس کے انداز کی نقل اتاری۔ گڑیا ہنس ہنس کر دوہری ہو رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"پہلے بتانا تھا ناں۔ اب تو تھکن سے بری حالت ہے۔" وہ بے زاری تھی۔

"ابھی اتر جائے گی زندگی بھر کی تھکن۔" گڑیا کھلکھلائی۔ نائلہ کی بھی ہنسی چھوٹ گئی۔

"اچھا بس۔ بہت ہوگیا۔ جلدی سے کپڑے بدلیں۔"

نائلہ نے کپڑے استری کر کے اس کی گود میں ڈال دیئے۔

"چلیں شاباش فٹافٹ۔ احسن بھائی کو دیکھیں۔ کیسے جی جان سے سیٹ ہو رہے ہیں۔ بابر کو لگا کر آئی ہوں۔ ان کے کے لاتی۔ مگر یہ دنیا ہے تماشا سا بن جاتا۔ اس لئے یہی بہتر ہے۔ اب تم آرام کرو۔ تم ہماری بیٹی ہو ہم نے تمہیں کبھی اپنی بہو نہیں سمجھا۔"

صفیہ خالہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اور وہ اسی طرح سر جھکائے بیٹھی رہی۔

ان کے کمرے سے نکلنے کے بعد وہ گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر جیسے ستانے لگی۔

احسن کام نمٹا کر کمرے میں آیا تو منظر دیکھ کر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ دوپٹہ تکیے پر پڑا ہوا تھا اور وہ بے سُدھ سو رہی تھی۔ بندیا ڈھلک کر کان کے پاس آپڑی تھی۔ وہ بیڈ پر بیٹھ گیا اور ڈھلکی ہوئی بندیا اس کی پیشانی پر ٹکانے لگا اس عمل سے بھی اس کی نیند میں کوئی خلل واقع نہ ہوا۔ تب وہ اٹھ کر کیسٹیں الٹ پلٹ کرنے لگا اور ایک کیسٹ اٹھا کر لگا دی۔ مغنی و مغنیہ کی آواز کمرے کا سکوت توڑنے لگی۔

سامنے بیٹھ کر دل کو چراتے کیوں ہو!
خواب بن کر میری آنکھوں میں سماتے کیوں ہو
آپ کو دیکھ کر گلنار ہوا ہے چہرہ
رنگ آنکھوں میں بھی چھایا ہے حیا کا گہرا
تیر نظروں کے میرے دل پہ چلاتے کیوں ہو

موسیقی کے تیز سروں سے اس کی نیند ٹوٹ گئی۔ احسن بر بر میں تکیہ رکھ کر نیم دراز ہو چکا تھا۔ شہوار نے تھکاوٹ سے چور ایک سسکاری بھری اور بے خبر انداز میں کروٹ بدلی۔ چوڑیوں سے بھرا ہاتھ احسن کے بازو پر آ ٹکا۔ وہ اسی طرح مسکراہٹ دبائے سگریٹ کا دھواں اڑاتا رہا۔

"احسن....." اس کے ہاتھ نے انسانی لمس کی گرماہٹ محسوس کی تو یکلخت چونک کر جاگ گئی۔

"جی جناب۔ آپ کا خادم۔"

وہ بری طرح جھینپ کر اپنا دوپٹہ ٹھیک کرنے لگی۔

"دیکھا آپ نے۔ کتنے نرم دل ہیں۔ آپ کو جگایا نہیں۔" اس نے سارا دھواں اس کے منہ پر چھوڑ دیا۔ وہ الجھ کر دھواں ہاتھ سے ادھر اُدھر کرنے لگی۔

"کہیے جناب کیسا رہا۔ اب گن گن کر انتقامی کارروائیاں انجام نہ دیں تو احسن نام نہیں۔"

"کیا..... کیا ہے میں نے؟" اس نے گھبرا کر اس کی سمت دیکھا مگر وہاں جذبوں کے وہ طوفان تھے کہ اس نے بے ساختہ پلکیں گرالیں۔

اس سادگی پر کون نہ مر جائے اے خدا

وہ زادیہ بدل کر عین اس کے سامنے ہوگیا۔

"یوں نہ کریں۔ میرا دم نکل جائے گا۔" وہ اس کی وارفتگی پر کانپنے لگی۔

وہ اس کے سامنے بیٹھ کر اس کی کلائیوں میں کنگن پہنانے لگیں۔

"اللہ مبارک کرے۔ اللہ تمہیں نئی ذمہ داریاں سنبھالنے کی توفیق دے۔ تمہیں ہر بلا سے بچائے۔"

وہ اس کی پیشانی چوم کر دعا دینے لگیں۔

"آج بہت بڑا بوجھ میرے سینے سے سرک گیا۔ میرا تو ارمان تھا کہ تمہیں تمہارے باپ کے ہاں سے رخصت کرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"چیٹنگ تو اپنی عادت ہی نہیں۔ قسم لے لو۔ تمہاری بے خبری کا کوئی ناجائز فائدہ اٹھایا ہو۔"

وہ اس کی طرف جھک کر آہستگی سے گویا ہوا۔

"اسی کمرے میں تم نے میری ہمتوں کے امتحان لئے ہیں۔ اب دیکھنا کیسا سلوک کرتا ہوں۔"

"کیا کریں گے؟" وہ بدحواس سی ہوگئی۔

"نئی کتاب کھل رہی ہے۔ یہ رہا دیباچہ۔" اس نے پہلی بے ساختگی کا مظاہرہ کیا۔

شہوار نے چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپالیا۔ اس کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔

احسن کو جیسے اس پر ترس سا آگیا۔

"کیوں اتنا گھبرا رہی ہوں۔ میں کون سا تیر تلوار لئے بیٹھا ہوں۔ ٹیک ایزی ڈیئر۔" اس نے مسکراہٹ دبا۔ ہوئے پھر دھواں بکھیرا۔

"اچھا یہ حقیر سا نذرانہ تو قبول کرو۔"

اس نے دل کی شکل کا لاکٹ اس کی گردن میں پہنانا شروع کیا۔ احسن کی اس قربت پر اس کا دل بے قابو ہونے لگا

"دل تو مدت ہوئی دے دیا تھا۔ یہ محض یاددہانی ہے۔"

سگریٹ اس کے ہونٹوں میں دبی ہوئی تھی اس لئے الفاظ واضح نہیں تھے۔

"ذرا اپنا یہ ہاتھ تو دکھاؤ۔ بہت اچھی مہندی لگی ہے۔"

اس نے اپنے حق کی ایک اور مہم ہاتھ کی پشت پر مثبت کی۔ وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔

"کیا کھڑکی سے کود جاؤ گی؟" وہ اس کی اس حرکت پر بہت محفوظ ہوا۔

"مجھے سخت نیند آرہی ہے۔"

"بس سوچکیں جتنا سونا تھا۔ اب ہماری مرضی سے سوؤ گی اور ہماری مرضی سے اٹھو گی۔"

اس نے دوسرا سگریٹ سلگانے کے لئے سگریٹ منہ میں دبا کر لائٹر جلایا۔

شہوار جو کافی دیر دھواں برداشت کر چکی تھی۔ بے ساختہ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے منہ سے سگریٹ کھینچ لیا۔

"جونئی زندگی شروع کی ہے اس کی حفاظت کرنا بھی سیکھئے۔"

بلا ارادہ اس کے منہ سے نکل گیا۔

"کیا تنخواہ مقرر کی ہے محکمہ صحت والوں نے حضور کی؟ ایک تو میری بہنوں نے تمہیں پہلے یہ تیر تلوار سے لیس کر رکھا ہے۔ اب اداؤں کی گولہ باری کرو گی تو جوابی حملہ بھی ہوگا۔ دھیان رہے۔"

شہوار نے اس کے اختیار میں خود کو بے حد بے بس محسوس کیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رفعت سراج
کے
ناول

خزینہ علم و ادب
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور
فون: 7314169
Mob:0333-4327178-7211468